تفسیر ابن کثیر

تالیف رئیس المفسرین

علامہ

عماد الدین ابن کثیر

مترجم مولانا محمد صاحب جونا گڑھی

شمع بک ایجنسی

یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۷ تا ۱۲

ساتوار پارہ	1	عیسیٰ پر انعامات الٰہی کا تذکرہ	31
اہل ایمان جب قرآن کو سنتے ہیں تو انکے دل نرم ہو جاتے ہیں	1	آسمان سے مائدہ کا نزول	33
اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کی ممانعت	2	سلف کی دو آیتیں جو حواریین پر نزول مائدہ سے متعلق ہیں	34
لغو قسموں پر کفارہ نہیں ہے	4	روز قیامت عیسیٰ سے جواب طلبی	37
شراب اور جوئے کی حرمت	7	امت کی بخشش کیلئے نبی اکرم ﷺ کی آہ و زاریں	38
انصاب اور ازلام	7	روز محشر کامیاب ہونے والے	40
حرمت شراب، احادیث کی روشنی میں	8	فضائل سورۂ انعام	40
بحالت احرام شکار کرنے کا حکم	13	اللہ کی قدرت کاملہ اور انسان	41
اس مسئلہ کے متعلق سلف کے اقوال	16	معازین کا انجام	42
احرام کی حالت میں بحری شکار کا حکم	18	مشرکوں کی ذہنیت اور صاف دلائل کا بیان	43
احرام کی حالت میں برّی شکار کا حکم	19	آسمان و زمین کے مالک کی ہی بندگی کریں	44
رزق حلال پر قناعت	21	نفع و نقصان کا مالک صرف ایک اللہ ہے	46
بے جا سوالوں کی ممانعت	21	مشرکوں کا حال اور چال	47
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کی حقیقت	23	کفار روز قیامت کیا کہیں گے	49
سفر میں میت کا وصیت کرنا	28	منکرین قیامت کا انجام	50
روز قیامت پیغمبروں سے استفسار	30	آپ ﷺ کا حرص، کہ کوئی جہنم میں نہ جائے	51
		کفار مکہ کی قلبی شہادت	51

مضمون	صفحہ نمبر
معجزات کا صدور رب تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے	53
جانور، الگ امتیں اور روز محشر	53
دعوت توحید اور مشرکین مکہ	55
تنگ حالی و خوشحالی، ایک آزمائش ایک ڈھیل	55
معاندین سے حق کا وعظ	56
غیب اور خزانوں کا مالک کون	57
صحابہؓ کا دفاع عرش والا خود کرتا ہے	58
شان رحیمیت	60
موت صغریٰ و موت کبریٰ کا بیان	62
نیک اور بد روح کا انجام	63
مشرکین مشکل کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے	64
نبی کی امت کیلئے رحمت کی دعائیں	65
تکذیب نہیں اطاعت	68
مستہزئین کے ساتھ نہ بیٹھنے کا حکم	68
دین کو کھیل تماشہ سمجھنے والوں کا انجام	69
مشرکوں کو فیصلہ کن جواب	70
صور اسرافیل کی حقیقت اور ہولناکی	71
حضرت ابراہیم کا خاندان اور آواز	77
آزر کو درس توحید اور اس کا انجام	77
آسمان و زمین کے ملکوت پر نظر	78
میدان مناظرہ یا مقام غور و فکر	79

مضمون	صفحہ نمبر
مشرکوں کے سامنے کھری کھری توحیدی باتیں	81
جب صحابہؓ کو مفہوم ظلم کا پتہ نہ چل سکا	82
اللہ تعالیٰ کے ابراہیمؑ پر انعامات	84
شرک ایک گھناؤنی بیماری	85
آیت کا شان نزول	86
قرآن اور صاحب قرآن کی شان	87
سب سے بڑا ظالم کون	88
زندگی اور نظام کائنات کے خالق و مالک کا ایک تعارف	90
اللہ تعالیٰ کی مزید قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا بیان	92
غیر اللہ کی پرستش اور بطلان	93
شرکیہ عقیدے کا بطلان، منطقی انداز میں	94
اللہ تعالیٰ کی رویت کا بیان	94
من کافر اور روشن دلائل	96
اللہ تعالیٰ کا حکم، نبیؐ اور امت کیلئے	97
معبودان باطلہ کو گالیاں دینے کی ممانعت	97
کفار کا معجزات کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب	99
ساتواں پارہ اختتام ہوا	100
آٹھواں پارہ	
کفار حق پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے	101
ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں اللہ نے نبی ﷺ کی حوصلہ افزائی فرمائی	101

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
اللہ کا قرآن قول فیصل ہے	103	اللہ تعالیٰ ہر شے پر خالق ہے	122
دنیا میں گمراہ لوگوں کی کثرت ہے	104	مشرکین کی حلال وحرام میں خود ساختہ تقسیم	125
اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے کو کھانا چاہئے	105	کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ کا کام ہے	125
مخفی اور پوشیدہ گناہوں کو چھوڑ دو	105	حرام چیز کی خرید وفروخت بھی حرام ہے	127
بوقت ذبح جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو ایسے جانور کو		اللہ کی رحمت کی اُمید اور عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہئے	128
کھانا جائز نہیں	105	مشرکین کا ایک بلا دلیل دعویٰ	128
ایمان روشنی جبکہ کفر تاریکی ہے	109	اہم اخلاقی اور معاشرتی وصیتیں	129
نبی اکرمؐ حسب ونسب کے لحاظ سے پوری دنیا سے		چند اور مفید ہدایات	132
افضل ہیں	110	ہدایت کا ایک ہی راستہ ہے، اللہ اور رسول کی اطاعت	133
شرح صدر سے کیا مراد ہے	112	رات بھی اللہ کی نازل کردہ اور قرآن بھی	134
قرآن صراط مستقیم اور جنت سلامتی کا گھر ہے	114	اللہ نے کتاب نازل فرما کر حجت قائم کردی ہے	135
والنس کا ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھانا اور اس		قیامت اور اسکی نشانیاں	136
کا انجام	114	ایک دوسری حدیث	137
ظالم ظالموں کا مومن مومنوں کا دوست ہے	115	ایک دوسری حدیث	137
جنوں میں نبوت نہیں آئی	115	ایک دوسری حدیث	137
کسی بستی پر عذاب تمام حجت کے بعد آتا ہے	117	فرقہ باز لوگوں سے آپ ﷺ کا کوئی تعلق نہیں	138
اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے	118	نیکی کا ثواب کئی گنا جبکہ بدی ایک ہی لکھی جاتی ہے	139
مشرک اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا حصہ بھی نکالتے تھے	119	اعمال کی چھ(۶) قسمیں یہ ہیں	140
مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا	120	نبی ﷺ پر انعامات الٰہی	141
مشرکین کے خود ساختہ حلال وحرام	120	اسلاف کو اخلاف کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے	143
مشرکین کے متعین کردہ حلال وحرام	121	درجات کی تقسیم ایک آزمائش ہے	144
مشرکین عرب کی جہالت	122	قرآن نصیحت اور کتاب ہدایت ہے	145

مضمون	صفحہ نمبر
ظالموں کی بستیوں کی تباہی	146
قیامت کے دن تراز وعدل	147
خالق کے مخلوق پر احسانات	147
پیدائش اور فضیلت آدم	148
ابلیس کا قیاس فاسد	149
ابلیس کو قیامت تک مہلت	150
شیطان کی مکاریاں	150
ابلیس راندہ درگاہ ہوا	151
ابلیس کی مکاری اور فریب	152
آدم کی اللہ سے رحم کی اپیل	153
آدم وحوا عرش سے فرش پر	154
س جسم اور لباس تقویٰ	154
اولاد آدم کو تنبیہہ	155
اللہ فحش کام کا حکم نہیں کرتا	156
اچھا لباس کون سا ہے	158
کھانے پینے اور پہننے کی حلال چیز کو حرام کرنا	159
سب سے زیادہ غیرت مند ہستی	159
نیکوں کو بشارت اور بروں کو عذاب کی وعید	160
ظالموں کی فرشتہ موت سے ملاقات	160
کافروں کا ایک دوسرے کو مورود الزام ٹھہرانا	161
کافروں کا اوڑھنا بچھونا آگ ہی ہے	162
اہل ایمان کی سعادت مندی	164

مضمون	صفحہ نمبر
جنتیوں کا اہل جہنم سے سوال	165
اصحاب اعراب اور ان کا انجام	166
قیامت کے دن حضرت محمدؐ کی شفاعت	168
جہنم کی ہولناکیاں	169
مشرکین پر تکمیل حجت	170
آسمانوں وزمین کی پیدائش	171
دُعا میں عاجزی وانکساری	173
ران رحمت کا نزول	174
نوحؑ کا اپنی قوم کو وعظ کرنا	175
قوم نوحؑ کا پانی میں غرق ہونا	176
ہودؑ کی اپنی قوم کو تبلیغ	177
قوم عاد کی تباہی وبربادی	178
صالحؑ کا پیغام توحید	182
قوم ثمود کا انجام	185
قوم لوط کا فعل بد	185
قوم لوط کا ردعمل	186
اغلام بازی سزا فقہا کا موقف	186
شعیبؑ کا اپنی قوم سے خطاب	187
سعیبؑ کا اپنی قوم سے وعظ	188
آٹھواں پارہ اختتام ہوا	**188**
نوا ر پارہ	
قوم شعیبؑ کی اپنے نبی کو دعوت شرک	189

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
قوم شعیبؑ کا کفر پر عزم مصمم اور نتیجہ ہلاکت	190	فرعون کی قید سے نجات دینے والا لائق عبادت ہے	206
شعیبؑ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا	190	موسیٰؑ کی کوہِ طور پر روانگی اور ہارونؑ کی جانشینی	206
صحت اور خوش حالی بھی ایک امتحان ہے	191	موسیٰؑ کی اللہ سے ہم کلامی	207
ایمان وتقویٰ پر رحمت کے دروازے کھول دیئے		موسیٰؑ کے چند امتیازی اوصاف	209
جاتے ہیں	192	تکبیر کا نتیجہ وانجام	210
گناہوں کے سبب ہلاکت اور دلوں پر قفل	192	سامری کا تیار کردہ بچھڑا اور اس کی حقیقت ونوعیت	211
خلاف عادت امور دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لاتے	193	موسیٰؑ کی طور سے واپسی اور ہارونؑ پر اظہار خفگی	212
فرعونیوں کو تکذیب حق کی سزا	194	گوسالہ پرستی سے توبہ کا طریقہ	213
موسیٰؑ اور فرعون کا مناظرہ	195	موسیٰؑ اور امت محمدیہ	213
موسیٰؑ کے ساتھ سے قدرت الٰہی کا ظہور	195	کوہِ طور پر ستر آدمیوں کی موت	215
موسیٰؑ کے معجزات نے فرعونیوں کو فکرمند کر دیا	196	رحمت الٰہی کی وسعتیں	216
موسیٰؑ سے مقابلے کے لئے ماہر جادوگروں کی		رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن	
خدمات	196	نہیں	217
جادوگروں کا فرعون سے مطالبہ	197	نبی ﷺ کی عالم گیر نبوت	222
موسیٰؑ اور جادوگر میدان مقابلہ	197	بنی اسرائیل میں ایک جماعت حق پر بھی	223
حق کی فتح موسیٰؑ نے میدان مار لیا	198	اصحاب سبت کی حیلہ بازی	334
جادوگروں کو ان کے ایمان کی سزا	198	ہلاک ہونے والوں اور کرنے والوں کی وضاحت	225
درباریوں کی فرعون کو ملامت	200	یہودیوں کی پوری تاریخ ذلت اور رسوائی کی تاریخ ہے	227
فرعونی اپنی نحوست کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا ہوئے	201	یہود ونصاریٰ کے راشی قاضی اور جج	228
فرعونیوں پر مختلف قسم کے عذاب	202	بنی اسرائیل پر پہاڑ معلق مانتے ہو یا نہیں	229
فرعونی فنا کے گھاٹ میں	204	عالم ارواح اور وعدہ	230
بنی اسرائیل کا جہالت پر مبنی مطالبہ	205	طالب دنیا کا حال کتے کیطرح ہے	234

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
ہدایت اور گمراہی اللہ کے قبضہ میں	237	جنگ بدر کا پس منظر اور دیگر تفصیلات	262
دل، آنکھ، کان وغیرہ کا صحیح استعمال نہ کرنے والے		میدان بدر میں نبی ﷺ کی دعائیں اور اللہ کی طرف	
جانور ہیں	238	سے وعدہ نصرت	265
اللہ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد اور فضیلت	239	فرشتے قطار در قطار میدان بدر میں	268
ایک جماعت قیامت تک حق پر ہے	240	جنگ سے بھاگنا سخت کبیرہ گناہ ہے	270
کثرت رزق باعث وبال بھی ہے	240	حق و باطل کے معرکہ، بدر میں کامیابی اللہ کی نصرت	
نبی مجنوں نہیں بلکہ اللہ کے سچے رسول ہیں	240	سے ہے	272
ت کا علم نہیں حق کو قبول کرنا چاہئے	241	حق پر کون؟ فیصلہ ہوگیا	274
اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	241	اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق	274
قیامت کا وقوع اور اس کی نشانیاں	242	نجات حیات اور بقاء رسول اللہ ﷺ کی بات ماننے	
غیب دان نفع نقصان کا مالک ہے	244	میں ہے	275
اولاد اللہ عطا کرتا ہے مشرک غیر اللہ کی جانب منسوب		خاص کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب	276
کر دیتا ہے	245	اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو آسودگی راحت	
مشرکوں کے گونگے بہرے اندھے معبود	248	آرام سے ہمکنار فرمایا	278
قصوروار کو معاف کر دینا چاہئے	250	اللہ رسول کی خیانت کا مفہوم	278
شیطانی وسواس سے بچنے کا طریقہ	252	اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا ہی اچھا ہے	280
قرآن حکیم زندہ جاوید اور عظیم معجزہ ہے	253	کفار کی مجلس شوریٰ میں قتل رسول ﷺ کی ناپاک	
قرآت خلف الامام کے بارے میں اکثر فقہاء کا		سازش	280
قف	253	نبی ﷺ کا وجود مبارک کفار کیلئے باعث حفظ وایمان	
آہستہ آواز سے ذکر مستحب ہے	255	تھا	282
مال غنیمت کے احکام اور اس کو نفل کرنے کی وجہ	256	مسجد الحرام کے متولی متقی لوگ ہیں نہ کہ مشرک	284
ایمان کی حقیقت نیز اہل ایمان کی صفات	260	شکست زدہ کفار کی ناکام تدبیریں	286

مضمون	صفحہ نمبر
فتنہ کا معنی ومفہوم اور اختتام فتنہ تک جہاد جاری رکھنا	287
نواں پارہ اختتام ہوا	289
دسواں پارہ	
مال غنیمت کی تقسیم اس کے حصے اور اس کے مستحق افراد	291
معرکہ بدر قافلہ ابوسفیان اور مقام جنگ کی تفصیل	295
جنگ بدر میں مسلمانوں اور کافروں کی تعداد	297
آداب جنگ بدر، ثابت قدمی، ذکر الٰہی، اطاعت رسول اور صبر	298
غزوہ بدر میں ابلیس لعین کی شمولیت اور فرار	299
کفار پر حالت نزع میں فرشتوں کی سختی	302
لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں	302
گناہوں کی وجہ سے نعمتیں بھی چھن جاتی ہیں	303
وعدہ خلاف کافروں کو عبرت ناک سزا دو	303
خیانت اور وعدہ خلافی قابل مذمت ہے	304
آلات حرب ہر وقت تیار رکھنے کا حکم	304
کافروں سے بوقت ضرورت صلح کا حکم	306
جہاد کی ترغیب اور صحابہ کا شوق جہاد	308
جنگی اسیر اور بدر کے قیدیوں سے متعلق مشورہ	309
نیک نیتی اور اسلام کی وجہ سے حال میں زیادتی	311
صحابہ کی تین قسمیں مہاجرین، انصار اور غیر مہاجر	313
مسلمان غیر مسلموں کا دوست نہیں ہوتا	314
مؤمنوں کے آخرت کا حال	315
مشرکین سے اعلان برائت	316
یوم حج اکبر سے کیا مراد ہے	317
جہاد اور حرمت والے مہینے	320
کفار کے سفیروں اور قاصدوں کا احترام	322
مسلمان مشروط طور پر عہد کی پابندی کریں	322
کافر وعدے کے پابند نہیں وسائل کے منتظر ہیں	323
مشرک اگر توبہ کر کے سچے مسلمان بن جائیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں	323
بعض عہد کرنے والوں کو دندان شکن جواب دو	324
عہد شکنی کفار کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے	325
جہاد کے ذریعے مسلمانوں کا امتحان	326
مسجد کی تعمیر اہل ایمان کرتے ہیں نہ مشرک	326
ایمان کے بغیر نیک اعمال غارت ہیں	328
ترک موالات ومودت کا حکم	329
جنگ حنین کا واقعہ اور نصرت الٰہی	330
حرم کے حدود میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہے	334
مشرکوں نے نبیوں درویشوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا	336
پھونکوں سے شمع حق نہیں بجھ سکتی	337
یہودیوں کے احبار اور نصرانیوں کے رہبان	339
ہمارا مال و زر اور جہنم کی آگ	340

مضمون	صفحہ نمبر
چار مہینوں کی حرمت ابتداء سے ہے	343
مشرکوں نے حرمت والے مہینوں میں بھی ردو بدل کر دیا	346
جہاد سے جی چرانے والوں کو تنبیہ	348
نبی ﷺ اور صدیق ؓ غار کے ساتھی	349
نکل اللہ کی راہ میں ہلکے ہو بھاری	350
عیار لوگوں کے دھوکے میں نہ آؤ	351
سچے مسلمان حیلے بہانے نہیں بناتے	352
منافقین کی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں کا تذکرہ	353
منافق فتنہ کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں	354
منافقت بذات خود فتنہ ہے	354
مسلمانوں کی خوشی منافقین پر بھاری	355
جہاد کے دو ہی انجام ہیں	355
اہل دنیا کو للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھو	356
منافقین کی غیر مستقل مزاجی اور جھوٹی قسمیں	356
مال ودولت کے حریص منافق	357
زکوۃ کے مصارف کی تفصیل اور وضاحت	358
منافقین کی ہرزہ سرائی اور ان کا خبث ونفاق	360
منافقوں کو ہر وقت اپنے نفاق کے ظاہر ہونے کا ڈر رہتا ہے	361
منافقین کا استہزاء اللہ نبی ﷺ اور قرآن سے	362
منافقوں کی چند اور صفات	363

مضمون	صفحہ نمبر
ظالموں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو	364
دشمنان دین کے انجام سے عبرت پکڑو	364
مسلمان ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں	365
جنت کے حسین نظارے اور اہل جنت	366
منافقین سے جہاد جاری رکھنے کا حکم	367
دُعا منظور ہوئی تو اپنا وعدہ بھول گیا	371
منافقین کے لئے استغفار اور عدم استغفار برابر ہے	372
منافقوں کی بدگوئی اور مسلمانوں کی حوصلہ شکنی	373
سورج کی گرمی سے بچنے والے جہنم کی آگ کیوں نہیں یاد کرتے	374
مال کے بھوکوں کو جہاد میں نہ لیجائیے	375
منافق کا جنازہ پڑھانے کی ممانعت	376
مرد بزدل منافقین جہاد نہیں کر سکتے	378
سچے مسلمان ہی اپنی جان ومال سے جہاد کرتے ہیں	378
جھوٹا عذر کرنے والوں کو تنبیہ	379
سچے مجاہد اور عدم جہاد کے شرعی عذر	379
دسواں پارہ اختتام ہوا	380
گیارھواں پارہ	
جھوٹا عذر پیش کرنے والوں کو تنبیہ	381
اعراب کی مزاج وطبیعت کی طرح کفر ونفاق سختی	382
اعرابی بچوں کو چومنے کے بارے میں حدیث	383
مہاجرین وانصار اور ان کے پیروکار	383

مضمون	صفحہ نمبر
منافقین کے بارے میں معلومات اور حضرت حذیفہ	384
بخل اور سستی سے بچنا چاہئے	386
صدقہ مال کا تزکیہ اور صدق و ایمان کی علامت	387
سینوں کے راز اللہ علیم و خبیر جانتا ہے	389
جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کا معاملہ	390
منافقین کی مسجد ضرار اور اس کے مقاصد	391
مسجد تقویٰ کی تحسین اور مسجد ضرار کا انجام	394
مؤمنوں کے اوصاف حمیدہ	396
مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت	398
اللہ عام حجت کے بغیر عذاب نہیں کرتا	401
جنگ تبوک ایک مشکل ترین سفر	402
پیچھے رہنے والے تین مخلص مسلمانوں کی توبہ کا واقعہ	403
رسول ؐ کا ساتھ دینے والوں کی حدیث پیچھے رہنے	
والوں کی مذمت	407
جہاد فی سبیل اللہ کا نیک بدلہ	408
جہاد فرض کفایہ ہے نیز دین میں تفقہ کی اہمیت	408
جہاد کا ایک اہم اصول قریب سے جہاد شروع کرنا ہے	410
ایمان میں کمی بیشی کے مسلہ پر اجماع امت ہے	412
منافقین کی خصلت دنیاوی آفات کے باوجود ایمان	
نہیں لاتے	412
رسول ؐ کی صفات حسنہ کا ذکر جمیل	413
تمام انبیاءؑ جنس و بشر تھے	415

مضمون	صفحہ نمبر
عرش عظیم اور اللہ کا علم	416
کفر کی سزا دردناک عذاب	417
چاند سورج ستارے رات دن وغیرہ اللہ کی قدرت کی	
نشانیاں ہیں	418
دنیاوی زندگی پر فریفتہ کفار کا انجام	419
جنت سلامتی کا گھر ہے	419
اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے بددعا نہیں کرنی	
چاہئے	420
انسان کی احسان فراموشی	421
دنیاوی زندگی کی حقیقت	421
شریعت ساز اللہ کی ذات ہے کوئی نبی بھی ترمیم نہیں	
کرسکتا	422
آقا کا نورانی چہرہ بھی صداقت کی ایک دلیل ہے	423
مشرکین بتوں کی عبادت کو صرف وسیلہ سمجھتے تھے	425
طلب کے مطابق معجزہ نہ دکھانے میں بھی اللہ کی حکمت	
پنہاں ہے	426
مشرکین مکہ مصیبت کے وقت صرف اللہ کو پکارتے تھے	427
دنیاوی زندگی کی ایک مثال	728
نیکیوں کا بدلہ جنت کی صورت میں	729
برائیوں کا بدلہ جہنم کی صورت میں	730
قیامت کا دن تمام اگلے پچھلے مشرکین اور ان کے معبود	
اللہ کی عدالت میں	431

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
مشرکین اللہ کو رازق خالق مالک مانتے تھے	432	یٰ اور ہارونؑ کی اللہ سے دُعا	452
خالق و مالک اللہ کی ذات ہے	433	ت کے وقت فرعون کا ایمان لانا	453
قرآن حکیم ایک لاجواب اور بے مثال کتاب ہے	434	اسرائیل پر انعامات کا تذکرہ	454
قیامت کے دن کوئی کسی کا ذمہ دار نہ ہوگا صرف اپنے		دلائل و براہین کے باوجود ایمان نہ لانا	456
کئے کا بدلہ ملے گا	436	عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں ہوتا مگر قوم یونس کو	
قیامت کے دن نفسا نفسی کا عالم	437	اللہ نے معاف کر دیا	456
قیامت کا دن منصفانہ فیصلہ کا دن	437	ہدایت و ضلالت اللہ کے اختیار میں ہے	457
نفع و نقصان کی مالک اللہ کی ذات ہے	438	آفاق میں قدرت کی نشانیاں	458
مرنے کے بعد کیا ہوگا	439	دین حنیف کی وضاحت	459
روحانی بیماریوں کے لئے قرآن کتاب شفاء ہے	440	۔فرمان اپنا ہی نقصان کرتا ہے	460
خود ساختہ حلال و حرام کی مذمت	441	حید سے اعراض کرنے والے ہی خسارے میں ہیں	460
اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چھوٹی بڑی چیز سے باخبر ہے	442	شرم و حیا میں غلو کی ممانعت	461
اللہ کے ولیوں پر کوئی اندیشہ نہیں	443	**گیارھواں پارہ اختتام ہوا**	462
رات کا اندھیرا باعث سکون اور قدرت کی نشانی ہے	444	**بارھواں پارہ**	
اللہ کی نہ کوئی اولاد ہے نہ شریک و سہیم	445		
قوم نوحؑ کی تباہی و بربادی	446	اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا کفیل اور ذمہ دار ہے	463
نوحؑ کے بعد سلسلہ رسالت جاری رہا	447	عرش کہاں ہے	463
یٰ اور ہارونؑ فرعون کی طرف	448	ا ن کی پیدائش کا مقصد خالق کی عبادت کرنا ہے	464
یٰ اور جادوگروں کا مقابلہ	449	مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا	464
فرعون کی سطوت اور سرکشی	450	دکھ درد میں صبر کرنا مغفرت کا باعث ہے	465
اللہ پر بھروسہ اور اس کی عبادت	450	دین میں طعن کرنا کفار کا شیوہ ہے	466
اسرائیل کو نماز کا حکم	451	اعمال کا دارومدار نیت پر ہے	467

مضمون	صفحہ نمبر
انسان کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے	467
قرآن کا انکار کرنے والے جہنمی ہیں	468
اللہ پر بہتان باندھنے والوں کا انجام رُسوائی ہے	469
اہل ایمان کا بدلہ جنت ہے	470
سب سے پہلے نبی نوح علیہ السلام نے ہی توحید کی دعوت دی	471
قوم نوح علیہ السلام کی عجلت	473
نوح علیہ السلام کا کشتی تیار کرنا اور کافروں کا طعن کرنا	474
کشتی میں ہر جانور کا جوڑا موجود تھا	475
طوفان نوح علیہ السلام	477
طوفان نوح علیہ السلام کا اختتام	478
نوح علیہ السلام کی دعا اور اللہ تعالیٰ کا جواب	479
فائدہ	479
نوح علیہ السلام کا کشتی سے اُترنا	480
حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت	481
حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب	182
قوم عاد کی سرکشی	483
حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت توحید	484
ثمودیوں کا یہ کہنا کہ ہم اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں	484
حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں کی مہمانداری کرنا	485
قوم لوط کا کردار	487
قوم لوط کا بدعمل	488

مضمون	صفحہ نمبر
قوم لوط پر اللہ کا عذاب	490
حضرت شعیب علیہ السلام اور دعوت توحید	490
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا جواب کیا کہ ہم اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیں	491
ز قائم کرنا گناہوں کا کفارہ ہے	498
سزا پانے والے اور نجات پانے والے کون	500
تفسیر سورۂ یوسف	502
یعقوبؑ کی یوسفؑ کو اپنا خواب بیان نہ کرنے کی تاکید	506
حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت	506
حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں کا حسد	506
یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کیلئے بھائیوں کا باپ سے اصرار	507
یعقوبؑ کا یوسف کو بھائیوں کے ساتھ لے جانے پر کھٹکا	508
یوسفؑ کا کنوئیں میں ڈالا جانا	508
ئیوں کا باپ کے سامنے مکروہ فریب	509
یوسفؑ کا کنوئیں سے نکلنا اور قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت	510
یوسفؑ کی مصر کے بازار میں نیلامی	512
عزیز مصر کی بیوی کا یوسفؑ کو برائی کی دعوت دینا	512
یوسفؑ کا برائی سے انکار کرنا	513
یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی	514

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
حسن یوسفؑ	516		
حضرت یوسفؑ اور دعوت توحید	520		
قیدیوں کے خواب کی تعبیر	521		
قید کا کتنا عرصہ تھا	521		
دشاہ کے خواب کی تعبیر	522		
یوسف کی پاک دامنی کی تصدیق	524		
بارہواں پارہ اختتام ہوا	**524**		

بسم الله الرحمن الرحيم

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِا
للّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ
ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیکوکاروں کی یہی پاداش ہے۔ اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

اہل ایمان جب قرآن کو سنتے ہیں تو انکے دل نرم ہو جاتے ہیں: اور جب وہ رسول اللہ ﷺ پر اتری ہوئی وحی کو سنتے ہیں، تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوں گی۔ کیونکہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے ہیں جو بعثت محمد ﷺ سے متعلق انہوں نے اپنی کتابوں توریت اور انجیل میں دیکھی تھی، چنانچہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ اے رب ہم محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئے اب تو ہم کو اس گروہ میں شامل رکھ جنہوں نے شہادت دی ہے اور ایمان لے آئے ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ﴿ مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ سے محمد ﷺ اور ان کی امت مراد ہے جنہوں نے اپنے نبی کے لئے گواہی دی ہے کہ نبی نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی بھی گواہی دی ہے کہ وہ تبلیغ کا فریضہ ادا کر چکے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ﴿ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾ سے وہ کاشت کار لوگ مراد ہیں جو جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ نے قرآن سنایا تو وہ ایمان لے آئے، ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم اپنے وطن جاؤ گے تو اپنے سابقہ مذہب میں عود تو نہیں کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے اس دین سے تو ہرگز نہ پلٹیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو اس طرح نقل فرمایا ہے ﴿ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ یعنی آخر ہم کیوں ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر۔ ہماری تو عین خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمیں قوم صالحین میں داخل فرمالے۔ یہ نصاریٰ لوگ تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں اور تمہارے قرآن اور اپنی انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سے پہلے بھی انجیل پر ایمان لائے تھے۔ اور جب قرآن ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ اسی لئے یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس اعتراف کے سبب انہیں جنتیں دی جائیں گی جن میں پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ یہ ان کے ایمان اور تصدیق کا صلہ ہے۔ ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہاں سے دم بھر کے لئے نہیں نکلیں گے۔ اتباع حق کرنے والوں کی جزا

یہی ہے جس طرح بھی وہ ہوں یا جہاں بھی ہوں یا جس کے ساتھ ہوں وہ اسی صلے کے مستحق ہیں۔ اس کے بعد حال اشقیاء کی خبر دی جاتی ہے کہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ سب دوزخی ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو' بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کی ممانعت: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اصحاب النبی ﷺ کے ایک گروہ میں نازل ہوئی۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اپنے آلات کو قطع اور ترک شہوت کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ راہبوں کی طرح ادھر ادھر گھومتے رہیں اور دنیا سے بالکل بے نیاز ہو جائیں۔ نبی ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور پوچھا تو کہا کہ ہاں ہمارا ایسا قصد ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا لیکن دیکھو! میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں' رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں' عورتوں سے بھی نکاح کرتا ہوں راہب بنا نہیں پھرتا' جو میرے طریقے پر چلا وہی میرا' اور جو میرا طریقہ اختیار نہ کرے وہ میرا نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ﷺ کے گھریلو مخفی عمل کے بارے میں بعض ازواج نبی ﷺ سے کچھ سوالات کئے (تو حضرت ﷺ کی شب و روز عبادت گزاری کا حال معلوم ہوا ہوگا) تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں اب سے کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی کسی عورت کے قریب نہ جاؤں گا۔ کسی نے کہا میں فرش خاک پر سوؤں گا۔ کبھی بستر پر نہ سوؤں گا۔ یہ خبر حضرت ﷺ کو ملی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کیا ہوا؟ کوئی یہ کہتا ہے کوئی وہ کہتا ہے۔ میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا' سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میرے طور طریق سے ہٹ گیا وہ مجھ میں سے نہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں گوشت کھاتا ہوں تو بہت شہوت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے۔ تو یہ آیت اتری کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کر ڈالو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک لڑائی میں طویل عرصہ سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔ جب ہم کو رہنا دوبھر معلوم ہونے لگا تو ہم نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم خصی ہو جائیں کہ خواہش ہی پیدا نہ ہو تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ہمیں ایک کپڑے یا ایک جوڑے مہر کے معاوضہ میں ایک موقتی نکاح کی اجازت دی پھر عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کر لو۔ لیکن یہ واقعہ نکاح متعہ کو حرام قرار دیے جانے سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس پکی ہوئی کھیری کا تحفہ آیا۔ لوگ مل کر کھانے لگے تو ایک آدمی مجلس سے ہٹ گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا آؤ شریک ہو جاؤ تو کہنے لگا کہ میں نے تو اس کے نہ کھانے کی قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ کھالو' قسم توڑ ڈالو اور

کفارہ دے دو پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ کہتے ہیں عبداللہ بن رواحہؓ نے ایک مہمان کو دعوت دی لیکن حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ہونے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ گھر آکر معلوم ہوا کہ مہمان کو منتظر رکھا گیا اور کھانا نہیں کھلایا گیا۔ تو بیوی پر غضبناک ہو کر کہا کہ میرے واسطے تم نے مہمان کو بھوکا رکھا' مجھ پر آج کھانا ہی حرام ہے۔ عورت نے کہا ہاں مجھ پر بھی حرام ہے میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ مہمان نے یہ دیکھ کر کہا مجھ پر بھی حرام ہے۔ عبداللہؓ یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ پھر ہاتھ بڑھا کر کھانے لگے اور کہا بسم اللہ پڑھ کر سب شروع کرو۔ غرض یہ خبر حضرت ﷺ کو ملی تو آیت بالا نازل ہوئی۔ یہ حدیث اثر منقطع سمجھی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی وہ حدیث جس میں واقعہ صدیقؓ اور ان کے مہمانوں کا ہے وہ بھی اسی کے مشابہ ہے اور وہ اور یہ دونوں قصے اس بات کی دلیل ہیں کہ امام شافعیؒ وغیرہ علماء کا مسلک ہے کہ جس نے اپنے اوپر کوئی طعام یا لباس یا عورتوں کو چھوڑ کر اور کوئی چیز اگر حرام کر لی تو وہ حرام نہیں ہو جاتی اور اس کا کفارہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز اپنے اوپر حرام نہ بنالو۔ یہی تو وجہ ہے کہ جس نے گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کو نبی اکرم ﷺ نے کفارہ دینے کا حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ یہ کہتے ہیں کہ جس نے کوئی کھانا پینا' لباس یا اور کوئی چیز حرام کر لی تو قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا' اس لئے کہ جب کوئی شخص قسم کے ذریعہ ترک اپنے اوپر لازم کر لے تو جیسے قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اسی طرح بغیر قسم کے مجرد تحریم سے بھی غیر لازم کو لازم قرار دینے کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جانا چاہئے جو کفارہ کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ ابن عباسؓ نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے بھی یہی نکلتا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ﴾ اور فرمایا ﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ﴾ یعنی اے نبی! اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حلال کر دیا ہے اس کو کیوں حرام کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر فرض کرتا ہے کہ اپنی قسموں کو توڑ دو یہاں آیت مذکورہ بالا کے ذکر کے بعد یمین کے کفارہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یمین کا ذکر نہ بھی ہو اور اپنے اوپر حرام کر لیا ہو تو بھی مستحق کفارہ ہونے میں بمنزلہ یمین ہی کے ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بعض بزرگ صحابہ جیسے عثمان بن مظعونؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ترک دنیا کر لیں گے۔ خصی ہو جائیں گے' ٹاٹ کے سوا کچھ نہ پہنیں گے تو آیت متذکرہ اتری جس کے آخر میں فرمایا گیا کہ جس اللہ تعالیٰ پر تم ایمان لا چکے اس سے ڈرو۔

عکرمہؓ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعونؓ' علیؓ بن ابی طالب' ابن مسعودؓ' مقداد بن اسودؓ' سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ ان اصحاب نے ترک دنیا کا قصد کر لیا۔ گھروں میں بیٹھ گئے۔ عورتوں کو چھوڑ دیا' ٹاٹ پہن لیا۔ طعام و لباس کی اچھی اچھی چیزیں سب اپنے اوپر حرام کر لیں' بنی اسرائیل کے رہبانوں کا سا کھانا پینا اختیار کر لیا' خصی ہونے کا قصد کیا۔ اتفاق کر لیا کہ رات بھر نماز پڑھا کریں گے اور دن بھر روزہ رکھیں گے تو یہ آیت اتری کہ طیبات خداوندی کو اپنے اوپر حرام نہ بنالو' حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ' ہم ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں کہ عورتوں سے الگ رہنا' اچھا کھانا پینا اور اچھا لباس چھوڑ دینا' رات بھر جاگنا' دن بھر روزہ رکھنا' خصی ہو جانا یہ سب غلط طریقے ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ کبھی نفل روزہ رکھو کبھی نہ رکھو' کبھی نماز پڑھو کبھی سو جاؤ۔ ہمارے اس طریقے کو چھوڑ دو گے تو تم ہم میں سے نہیں۔ یہ سن کر سب نے کہا۔ اے اللہ تعالیٰ! ہم کو ہمارے ان عزائم سے بچا اور اتباع وحی کی توفیق عنایت فرما۔

نبی اکرم ﷺ ایک وقت تذکیر و تنبیہ کر کے اٹھے اور صرف عذاب الٰہی سے خوف دلاتے رہے تو اصحاب نبی ﷺ میں سے دس آدمیوں نے کہا جن میں علیؓ بھی تھے۔ عثمانؓ بن مظعون بھی تھے۔ کہنے لگے کہ اگر نصاریٰ اور رہبان اپنے اوپر عیش و راحت حرام کر سکتے ہیں' تو ہم کو ان سے بھی زیادہ اس کا حق ہے۔ چنانچہ بعض نے گوشت چربی اپنے اوپر حرام کر لی۔ بعض نے نیند اور بعض نے عورتوں کو حرام کر لیا۔ چنانچہ ابن مظعونؓ نے عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ نہ یہ اہل کے پاس جاتے نہ اہلیہ ان کے پاس آسکتی۔ اب

ان کی عورت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوسری ازواج النبی ﷺ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا' اے حولاء! یہ تجھے کیا ہو گیا چہرے کا رنگ فق ہے۔ نہ کنگھی چوٹی ہے نہ تیل عطر ہے؟ تو اس نے کہا کنگھی کر کے تیل و عطر لگا کے کیا کروں' میرا شوہر نہ مجھ پر آ کر تا ہے نہ ذرا سا کپڑا تک میرا اٹھاتا ہے۔ سب کی سب اس کی بات سن کر ہنس پڑیں۔ ایسے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سب کی سب کیوں ہنس رہی ہو؟ تو کہا یا رسول اللہ ﷺ! حولاء ایسا ایسا کہہ رہی ہے۔ تو آپ ﷺ نے عثمان بن مظعونؓ کو بلا کر کہا۔ یہ تو نے کیا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے یہ عیش اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے تاکہ عبادت کے لئے بالکل خاص رہوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی ہی کر لوں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ کی قسم ہے ہرگز ایسا نہ کرنا فوراً گھر اور بیوی سے مل۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرا روزہ ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا روزہ توڑ دے۔ چنانچہ جب انہوں نے پوری تعمیل کی۔ اب حولاء عائشہؓ کے پاس آئی' کنگھی کی ہوئی' سرمہ اور عطر لگائے ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے ہنس کر پوچھا' حولاء کیا ہوا۔ کہنے لگی کل وہ آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ عثمانؓ سے فرماتے تھے کہ عثمان ایسا قطعی نہ کرنا یہ دین پر بہت بڑی زیادتی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا ہے۔ ہاں قسم کا پیمان باندھا گیا ہو تو گرفت کرے گا۔ ﴿ لاتعتدُوْا ﴾ کے معنی میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ مباحات کو اپنے اوپر حرام کر کے اپنے نفسوں پر تنگی نہ کر لو' اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کہ حلال کو حرام نہ بنالو اور حلال سے فائدہ اٹھانے میں حد سے آگے نہ بڑھ جاؤ۔ حلال کو بھی بقدر کفایت ہی حاصل کرو زائد از ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ کھاؤ پیو لیکن کھانے پینے میں زائد از ضرورت نہ خرچو۔ فرمایا کہ مومن وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے نہ بخل کرتے ہیں بلکہ اعتدال کی روش میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افراط کی اجازت دی ہے نہ تفریط کی۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿ لَا تَعْتَدُوْا ﴾ پھر فرمایا کہ ہر حالت میں حلال اور طیب کھاؤ اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اس کی اطاعت اور مرضی کی اتباع کرو' مخالفت و عصیان سے باز رہو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ
فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ
اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا
حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۸۹

اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو۔ سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔ اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھا لو۔ اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

لغو قسموں پر کفارہ نہیں ہے: ﴿الیمین لغو﴾ جن کو جھوٹ موٹ کی قسمیں یا تکیہ کلام قسمیں کہنا چاہیے ان کا ذکر سورۃ البقرہ میں گزر چکا' اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ایسی قسمیں آدمی بلا قصد اپنی باتوں میں بولتا رہتا ہے "اللہ تعالیٰ کی قسم" "اللہ تعالیٰ کی قسم" یہ امام

شافعیؒ کا قول ہے۔ دوسروں کا قول ہے کہ ایسی لغو ہزل میں ہوا کرتی ہیں یا معصیت کے موقع پر بھی ہو سکتی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ غلبہ ظن کے موقع پر بھی کہا جاتا ہو تو یمین لغو کی تعریف میں آ جائے گا۔ یا غصہ کے وقت یا بھول کر قسم کھائی گئی ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترک اکل و شرب و لباس سے متعلق بھی قسم ہو تو اسی استدلال سے قابل غیر مواخذہ ہے کہ ﴿ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ ﴾ لیکن صحیح تر بات یہی ہے کہ بلا قصد جو قسم زبان سے نکلتی ہے وہی یمین لغو ہے۔ قسم اور اس کا کفارہ ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ یعنی قسم کھانے کی نیت اور ارادے سے قسم کھائی گئی ہو تو اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائے گا ﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ یعنی عزم صمیم والی قسم کو توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جن کے پاس "مایحتاج" کے حصول کی کوئی سبیل نہیں' اور وہ اوسط قسم کی غذا دی جانی چاہیے جو تم کماتے ہو اور اپنے عیال کو کھلاتے ہو۔ یہ اوسط غذا' روٹی اور دودھ یا روٹی اور روغن ہے۔ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ بعض لوگ اپنے اہل کو حیثیت سے بھی خراب غذا کھلاتے ہیں اور بعض حیثیت سے بھی اچھی' اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اوسط قسم کی ہو نہ اس میں تنگی برتی گئی ہو نہ دل کھول کے خرچ کیا گیا ہو۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ روٹی گوشت ہے یا روٹی دودھ روغن یا سرکہ وغیرہ ہے یا روٹی کھجور وغیرہ۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اوسط سے مراد غذا کی قلت و کثرت ہے۔ چنانچہ علماء نے مقدار غذا میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صبح و شام دو وقت دس مسکینوں کو کھلایا جائے۔ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت کافی ہے۔ یعنی روٹی اور گوشت۔ اگر گوشت نہ ہو تو روٹی اور روغن یہی یا سرکہ اور پیٹ بھر کھلائی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک کو نصف صاع گیہوں یا کھجوریں دی جائیں یعنی تقریباً سوا سیر۔ ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ گیہوں ہوں تو نصف صاع اور دوسرا غلہ ہو تو ایک صاع۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور کا کفارہ دیا تھا اور یہی حکم لوگوں کو دیا تھا اور کھجوریں نہ ہوں تو نصف صاع گیہوں۔ پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ ایک مد گیہوں یعنی ۵۶ تولہ سالن کے ساتھ۔ ابن عمرؓ' زید بن ثابتؓ' مجاہدؒ' عکرمہؒ اور محمد بن سیرینؒ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام شافعیؒ نے کہا کہ کفارۂ یمین میں مقدار واجب مد النبی ﷺ ہے یعنی وہی ۵۶ تولہ گیہوں لیکن سالن کی کوئی قید نہیں۔ یہاں امام شافعیؒ نے دلیل لی ہے نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے جو آپ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا تھا جس سے بحالت صوم رمضان جماع کا فعل سرزد ہو گیا تھا ساٹھ مسکینوں کو ایک ایسے پیمانہ سے ناپ کر گیہوں دو جس میں پندرہ صاع سما سکیں کہ ہر ایک کو ایک ایک مد مل سکے۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یمین کا کفارہ ایک مد گیہوں قرار دیتے تھے۔ احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ واجب مد بھر گیہوں یا دو مد غیر گندم' واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ ﴾ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر ان دس میں سے ہر ایک کو اس قدر کپڑا دیں جس پر لباس کا اطلاق ہو سکتا ہو تو کافی ہے۔ جیسے ایک قمیص ایک پاجامہ یا عمامہ یا چادر۔ ٹوپی کے بارے میں اختلاف ہے کہ صرف ٹوپی کافی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں جائز ہے' دلیل اس حدیث سے لی ہے کہ عمران بن الحصینؓ سے سوال کیا گیا تو کہا کہ اگر چند لوگ تمہارے امیر کے پاس آئیں اور وہ ہر ایک کو ایک ایک ٹوپی اڑھا دے تو تم کہتے ہو لباس دیا گیا۔ پس ﴿ كِسْوَتُهُمْ ﴾ میں ٹوپی بھی آ گئی' لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اتنا لباس دینا ضروری ہے۔ جتنا کہ نماز پڑھنے میں لباس پہنے رہنا ضروری ہے۔ مرد اور عورت کو اس کے حسب ضرورت شرعی' واللہ اعلم۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر مسکین کو ایک عبا دی جائے یا ایک شملہ۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اوپر کا لباس یا لباس زیریں جو چاہو کوئی ایک دے سکتے ہو۔ ابراہیم النخعیؒ کہتے ہیں کہ ایسا لباس جو ملحفہ اور رداء دونوں پر مشتمل ہو دینا چاہیے یعنی لحاف اور چادر وغیرہ نہ کہ صرف جانگیا اور قمیص اور اوڑھنی وغیرہ۔ اس کو لباس جامع نہیں کہیں گے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ عمامہ جسے سر پر لپیٹتے ہیں اور عباء جسے بدن پر پہنتے ہیں' لباس جامع کی تعریف میں ہے۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ دو دو کپڑے دیئے

جائیں۔ ابو موسیٰ نے قسم کھائی تھی تو دو کپڑے کفارے میں دیے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ﴿کسوۃ﴾ سے ہر مسکین کے لئے ایک عبا مراد ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔ ﴿اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ یا ایک غلام آزاد کر دیا جائے۔ ابو حنیفہؒ مطلق غلام مراد لیتے ہیں۔ خواہ کافر غلام آزاد کیا جائے یا مومن۔ امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ مومن غلام ہونا ضروری ہے جیسا کہ قتل کے کفارہ میں مومن غلام کی قید ہے۔ اس صورت میں اتحاد موجب تو موجود رہے گا اگرچہ اتحاد سبب نہ ہو۔ حدیث معاویہ بن حکمؓ سے معلوم ہوتا ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے کہ ابن حکم سلمی کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ چنانچہ وہ ایک حبشی جاریہ کو لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے تو اس حبشن نے کہا آسمان میں۔ پھر پوچھا میں کون ہوں؟ تو کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کر سکتے ہو۔ اب ان تین قسم کے کفاروں میں سے جس قسم کا کفارہ بھی ادا کیا جائے گا ادا ہو جائے گا۔ قرآن میں پہلے سب سے سہل کا ذکر ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ یعنی کھلانا زیادہ سہل ہے لباس دینے سے' پھر لباس غلام آزاد کرنے سے زیادہ سہل ہے۔ غرض یہ کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ سب کے آخر میں یہ ہے کہ اگر مکلف ان تینوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ یعنی تین دن کے روزے رکھے۔ ابن جبیرؒ اور حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ جس کے پاس تین درہم بھی ہوں تو وہ کھانا کھلائے ورنہ روزے رکھے۔ بعض متاخرین فقہاء سے منقول ہے کہ اس کے لئے جائز ہے کہ جس کے پاس اپنی ضروریات مایحتاج کے سوا اور کوئی چیز فاضل نہ ہو' جس کو وہ یمین کے کفارہ میں دے سکتا ہو۔ ابن جریرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ نیز وہ اس قدر غریب ہو کہ وہ اپنی یا اپنے عیال کی اس دن کی قوت سے زیادہ کچھ نہ رکھتا ہو۔ اب علماء کا اختلاف اس میں بھی ہے کہ پے در پے تین روزے رکھنا کیا واجب ہے یا مستحب ہے اور کیا الگ الگ بھی رکھ سکتے ہیں۔ شافعیؒ کہتے ہیں کہ پے در پے رکھنا واجب نہیں مالکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حکم مطلق ہے کوئی قید نہیں۔ جیسے رمضان کے مسلسل روزے قضا ہوں تو اس کو بھی مسلسل قضا رکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ ایک مطلق آیت ہے۔ امام شافعیؒ سے ایک جگہ پے در پے کے وجوب کی صراحت ہے۔ احناف اور حنابلہ کا بھی یہی قول ہے۔ وہ اس روایت کی بنا پر کہ ابی بن کعبؓ کی ایک قرآت ہے ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ﴾ اصحاب ابن مسعودؓ بھی اسی طرح پڑھتے تھے اگرچہ یہ قرآت متواتر طور پر ثابت نہیں' لیکن کم از کم خبر واحد ضرور ہے یا صحابہ کی تفسیر سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کفارہ کی آیت اتری تو حذیفہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم ان تینوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں چاہو تو غلام آزاد کر دو' یا کسی کو لباس پہنا دو یا کھانا کھلا دو اور کچھ بھی نہیں تو تین دن کے پے در پے روزے رکھو اور یہ حدیث غریب ہے۔ ﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ﴾ یہ یمین کا شرعی کفارہ ہے ﴿وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ﴾ یعنی کفارہ ادا کئے بغیر نہ رہنا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح وضاحت کے ساتھ اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ شاید تم شکر ادا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّنْتَهُوْنَ ۝٩١ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا تھا۔ ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

شراب اور جوئے کی حرمت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو شراب نوشی اور جوئے بازی وغیرہ سے منع فرماتا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے۔ مجاہد اور طاؤس سے مروی ہے کہ ہر چیز جس میں قمار کا لگاؤ ہو جوا ہے حتیٰ کہ بچوں کا شرطیں لگا کر منکے یا کوڑیاں کھیلنا یہ سب جوا ہے۔ اسلام آنے تک یہ جوا زمانہ جاہلیت میں خصوصیت کے ساتھ کھیلا جاتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اخلاق قبیحہ سے منع فرمایا۔ اہل جاہلیت میں بالعموم یہ جوا یوں ہوتا تھا کہ ایک بکری یا دو بکری کا گوشت شرط کے طور پر بیچ دیا جاتا تھا۔

زہریؒ کہتے ہیں کہ جوا یوں ہوتا تھا کہ اموال واثمار پر پانسے پھینکے جاتے تھے اور اس طرح جوئے کے ذریعہ ان پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ پانسوں کے ذریعے جو کھیل کھیلا جاتا ہے وہی جوا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو کھیلتے وقت مار کر جیتا جاتا ہے وہ بھی قمار ہے۔ اور شاید اس سے یہ مراد ہے کہ شطرنج کا کھیل حرام ہے اور اسی طرح چوسر کا۔ کیوں کہ اس میں مہرے کو مار کر جیتا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شطرنج یا چوسر کھیلے گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ سؤر کے گوشت میں ڈال دیا اور اس کے خون میں ڈبو دیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا جو نرد کھیلے وہ اللہ تعالیٰ کا باغی ہے۔ عبدالرحمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو چوسر کھیل کر نماز پڑھنے کو کھڑا ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔ شطرنج کے بارے میں تو عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ یہ چوسر سے بھی بری ہے اور وہ اسے قمار و میسر میں شمار کرتے ہیں۔ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں لیکن امام شافعیؒ اس کو مکروہ بتاتے ہیں۔

انصاب اور ازلام؟ ابن عباسؓ اور دوسرے بہت سے صحابہؓ کہتے ہیں کہ "انصاب" ان پتھروں کو کہتے ہیں کہ جن پر مشرکین قربانیاں کر کے بتوں پر چڑھاتے تھے۔ اور "ازلام" بھی ان پانسوں کو کہتے تھے جنہیں تقسیم کر کے فال لی جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ "یہ شیطانی اعمال کی گندگی ہے اور سب سے برے شیطانی اعمال ہیں اس لئے اے میرے بندو! اس

گندگی سے بچو' تم فلاح پا سکو گے"

اس عبادت کو پہلے کے ساتھ ملائیں تاکہ اسلام قائم رہے ارشاد باری تعالیٰ ہے" شیطان کا مقصد ہمیشہ یہ رہتا ہے کہ خمر اور میسر میں مبتلا کر کے تم میں بغض و عداوت پیدا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے تمہیں غافل کرتا رہے۔ اب بھی ان باتوں سے باز آؤ گے کہ نہیں"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبردست تنبیہ و تخویف ہے۔

حرمت شراب احادیث کی روشنی میں: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت تین دفعہ آئی۔ جب کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت لوگ شراب پیتے تھے' جوئے کا مال کھاتے تھے حضرت ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا' تو یہ وحی نازل ہوئی کہ "تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اس میں فائدہ تو ہے لیکن بہت کم' اور اس کے مقابلے میں نقصان بہت زیادہ ہے"۔ تو لوگوں نے کہا کہ فائدہ کم اور زیادہ نقصان بتایا گیا ہے' حرام نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ شراب پیتے رہے۔ لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک مہاجر صحابیؓ نے نماز مغرب میں قرآن پڑھتے وقت نشے کے عالم میں قرآن کو غلط سلط اور خلط ملط کر دیا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ "اے مومنو! نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو جب تک کہ تمہیں ہوش نہ ہو کہ کیا پڑھتے ہو اور کیا نہیں"۔ یہ آیت پہلے سے زیادہ سخت تھی۔ چنانچہ لوگوں نے نماز کے وقت شراب پینا چھوڑ دیا لیکن پھر بھی برابر پیتے رہے کیونکہ صراحتہً ممانعت نہیں تھی۔ لیکن ایک دن شراب میں مست ہو کر کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔ چنانچہ ممانعت کی صاف آیت نازل ہو گئی کہ "اے لوگو! شراب اور جوا اور پانسے اور تیر' یہ سب شیطان کے گندے عمل ہیں تم فوراً رک جاؤ شاید فلاح پا سکو" تو لوگوں نے کہا اے رب! ہم رک گئے' باز آ گئے۔ پھر لوگوں نے حضرت ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو یہ ممانعت کئے جانے سے قبل فی سبیل اللہ قتل ہو گئے تھے یا طبعی موت مر گئے تھے لیکن شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ ان کا کیا ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطانی عمل فرمادیا اور ممانعت کر دی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو لوگ ایمان لائے تھے اور نیک عمل کئے تھے تو ممانعت سے پہلے جو کچھ انہوں نے حرام کھایا تھا اس پر الزام نہیں دیا جائے گا"۔ اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر ان کی زندگی میں ان پر یہ حرام ہو جاتا تو وہ بھی اس کو ایسے ہی چھوڑ دیتے جیسا کہ تم نے چھوڑ دیا۔

ابو میسرہؒ سے روایت ہے کہ تحریم خمر کی آیت اترنے سے پہلے حضرت عمرؓ نے یہ دعا مانگی تھی اے اللہ رب العزت! حرمت شراب کے بارے میں ہمارے پاس اپنی وحی بھیج۔ تو یہ آیت اتری تھی کہ اس میں نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو جب یہ آیت سنائی گئی تو انہوں نے پھر یہ دعا مانگی کہ اے اللہ تعالیٰ! بیان شافی و کافی نازل فرما تو سورۂ نساء میں یہ آیت اتری کہ "اے ایمان والو! نشے کی حالت میں ہرگز نماز نہ پڑھو۔ تو نبی اکرم ﷺ کے موذن نے ﴿ **حيّ على الصّلوة** ﴾ کے بعد پکار کر کہہ دیا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت آ گئی ہے۔ عمرؓ کو پھر یہ وحی سنا دی گئی۔ پھر بھی آپ یہ کہنے لگے کہ "اے اللہ تعالیٰ! بیان شافی و کافی اتار"۔ تو سورۂ مائدہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ "شراب بالکل حرام ہے بالکل رک جاؤ"۔ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ رک گئے اے اللہ تعالیٰ ہم رک گئے۔

بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے منبر رسول اللہ ﷺ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! شراب حرام ہو گئی ہے اور ان پانچ چیزوں میں سے جس سے بھی بنائی جائے وہ شراب ہے' انگور' کھجور' شہد' گیہوں' جو اور خمر کا لفظ عام ہے ہر ایسی نشے کی چیز پر جو عقل کو ڈھانک دے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ تحریم خمر کے وقت انگور کی شراب چالو نہیں تھی۔

ایک دوسری حدیث یہ بھی ہے کہ شراب سے متعلق جب پہلی وحی آئی تو عام چرچا ہوا کہ شراب حرام ہو گئی تو لوگوں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں نفع ہے تو ہم کو نفع اٹھاتے رہنا چاہیے حضرت ﷺ خاموش رہے جب دوسری آیت اتری تو پھر شہرت ہوئی کہ شراب حرام ہو گئی' تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نماز کے وقت نہیں پئیں گے تو آپ

ﷺ پھر خاموش ہوگئے۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شیطان کا عمل ہے اس سے رک جاؤ تو حضرت ﷺ نے صاف فرمادیا کہ شراب حرام ہوگئی۔

ایک دوسری حدیث ہے جو کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کا ایک شخص حضرت ﷺ کا دوست تھا۔ وہ فتح مکہ کے روز آپ ﷺ سے ملا اور شراب کا ایک مٹکا حضرت ﷺ کو تحفۃً پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کردی ہے تو وہ آدمی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اسے بازار میں لے جا کر بیچ دو۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا جس نے شراب حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ تو اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ شہر سے باہر لے جاؤ اور یہ مٹکا لنڈھا دو۔

ایک دوسری حدیث تمیم داریؓ سے مروی ہے کہ وہ ہر سال نبی اکرم ﷺ کو شراب کا ایک مٹکا تحفۃً بھیجتے تھے اور جب شراب حرام ہوگئی اور وہ حسب معمول مٹکا لے کر آئے تو حضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارے پیچھے شراب حرام کردی گئی ہے تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے بیچ دیتا ہوں اور قیمت ہاتھ کر لیتا ہوں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے جن پر گائے اور بکرے کی چربی حرام کردی گئی تھی وہ اس کو پگھلا کر روغن بنا کر بیچ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کی قیمت سب حرام کردی ہے۔ بالکل ایسی ہی ایک حدیث عبدالرحمٰنؓ بن غنم سے مروی ہے جس میں معنا کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح کی اور ایک حدیث ہے کہ ابن کیسان کا باپ حضرت ﷺ کے زمانے میں شراب کی تجارت کرتا تھا۔ چنانچہ وہ تجارت کے لئے شام سے شراب کے مٹکے لے آیا اور حضرت ﷺ کے پاس بھی ایک مٹکا لا کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے بڑی نفیس شراب لے آیا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اے کیسان! یہ تو تیرے پیچھے حرام ہوگئی ہے۔ تو اس نے پوچھا کہ حضرت ﷺ کیا میں اسے فروخت کردوں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ تو کیسانؓ نے مٹکوں کو لے جا کر پاؤں سے ٹھوکر مار کر تمام تجارت کی شراب بہادی۔

انسؓ سے مروی ہے کہ میں ابو عبیدہؓ کو اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو شراب پلا رہا تھا حتیٰ کہ قریب تھا کہ شراب انہیں مخمور کردے کہ اتنے میں کسی نے کہا' کیا تمہیں خبر نہیں کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ تو لوگوں نے کہا ابھی ہم انتظار کریں گے اور تحقیق کریں گے تو دوسرے صحابہ نے کہا' نہیں اے انس! جو کچھ تیرے مٹکے میں بچ رہی ہے وہ سب لنڈھا دے اللہ تعالیٰ کی قسم اب ہم پھر نہیں پئیں گے۔ یہ کھجور اور جو کی شراب تھی۔ اس وقت انسؓ اور ان کے ساتھی ابو طلحہؓ کے گھر میں تھے۔ منادی ندا کرنے لگا تو کہا گیا کہ نکل کر دیکھو اور سنو! تو معلوم ہوا کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔ بعض نے کہا کہ ان لوگوں کا کیسا ہوگا جو شراب پیتے تھے اور جہاد میں قتل ہوگئے۔ تو یہ آیت اتری کہ جو مومن نیک عمل کرتے تھے اور مر گئے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔

انسؓ کہتے ہیں کہ میں شراب پلا رہا تھا۔ لوگوں کے سر نشے سے ڈھلک رہے تھے کہ منادی نے شراب کی حرمت سنادی تو ہر آنے جانے والے نے اپنی شراب بہادی اور مٹکے توڑ دیئے۔ بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کیا بعض نے ام سلیم کے پاس سے لے کر خوشبو لگائی پھر مسجد آئے تو نبی اکرم ﷺ نے حرمت شراب کی آیت سنائی۔ ایک آدمی نے قتادہؓ سے کہا کہ کیا تم نے یہ انسؓ سے سنا ہے اور کسی نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انسؓ نے کہا ہاں انہ حضرت ﷺ جھوٹ بولتے ہیں نہ ہم جھوٹ کہتے ہیں بلکہ ہم تو جانتے بھی نہیں کہ جھوٹ کیا چیز ہے؟

عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عام شراب اور جوا اور گیہوں کی شراب اور شطرنج اور چوسر' گانے بجانے کے آلات سب حرام کردیے ہیں اور صرف مجھ پر صلوۃ وتر واجب فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے جو شخص جھوٹی حدیث بنا کر پیش کرے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ آپ ﷺ نے غبیرہ درخت سے کھینچی ہوئی شراب بھی حرام قرار دی اور ہر نشہ آور شے

کو حرام فرمایا۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ شراب کے دس متعلقات پر لعنت' خود شراب پر لعنت' پینے والے اور پلانے والے پر لعنت' بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت' شراب کشید کرنے والے' شراب بنانے والے' شراب اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف لے جا رہا ہو اس پر اور شراب کی قیمت کھانے والے' ان سب پر لعنت۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک باڑے کی طرف نکلے' میں آپ ﷺ کی سیدھی طرف تھا کہ ابو بکرؓ سامنے کی طرف سے آئے میں پیچھے ہو گیا' ابو بکرؓ آپ ﷺ کی سیدھی طرف ہو گئے میں بائیں طرف ہو گیا کہ اتنے میں عمرؓ آتے دکھائی دیئے۔ میں بازو ہو گیا۔ حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے بائیں طرف ہو گئے۔ اب نبی اکرم ﷺ اس باڑے پر آئے جو گھروں کے پیچھے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی وہاں شراب کا ایک مشکیزہ دکھائی دیا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے مجھے بلایا اور ایک چھرا دیا اور کہا اس مشکیزے کو چیر دو اور فرمایا کہ شراب پر اور شراب کے پینے اور پلانے والے پر' لانے اور لے جانے والے پر' کشید کرنے والے اور بنانے والے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت ہے۔ ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو لے کر مدینہ کے بازاروں میں گئے۔ وہاں شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے جو شام سے لائے گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں چھرا تھا۔ مجھ سے آپ ﷺ نے چھرا لیا پھر جتنے مشکیزے آپ ﷺ کے سامنے تھے' سب کو چیر دیا۔ پھر چھرا مجھے دیا اور اپنے اصحاب سے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ اس کی مدد کرو اور مجھے حکم دیا کہ بازار میں کوئی ایسا مشکیزہ نہ چھوڑنا جس کو چیر کر شراب بہا نہ دی گئی ہو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

یزید خولانیؒ سے مروی ہے کہ ان کا چچا شراب فروشی کرتا تھا اور بہت باخیر اور مخیر آدمی تھا۔ میں نے اس کو شراب فروشی سے منع کیا۔ اس نے نہ سنی۔ جب میں مدینہ آیا تو ابن عباسؓ سے شراب اور اس کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے کہ شراب اور شراب کی قیمت حرام ہے۔ پھر کہا کہ اے امت محمد ﷺ اگر تمہاری کتاب کے بعد کوئی اور کتاب آئی ہوتی یا تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آیا ہوتا تو تمہارے گناہوں اور سرکشیوں کا اس میں اسی طرح ذکر ہوتا جیسے کہ پہلے کی گناہ گار امتوں کا ذکر تمہارے قرآن میں ہے اور وہ رسوا ہو گئے ہیں۔ لیکن اب دوسری کتاب الٰہی آنے والی نہیں ہے اس لئے تمہاری رسوائی قیامت تک کے لئے تاخیر میں پڑ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ ان لوگوں کی رسوائی سے بھی اہم ہے۔

ثابتؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے شراب کی قیمت کے بارے میں پوچھا' تو کہا سنو' میں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ گوٹ لگائے بیٹھے تھے' فرمانے لگے جس کے پاس شراب ہے لے آئے لوگ لانے لگے۔ کوئی مٹکہ لایا کسی نے مشکیزہ کسی نے کچھ اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ساری شراب میدان بقیع میں جمع کر کے مجھے اطلاع دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اب آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا اور آپ ﷺ کی سیدھی طرف تھا۔ آپ ﷺ مجھ پر سہارا لئے ہوئے تھے' اتنے میں ابو بکرؓ مل گئے۔ حضرت ﷺ نے ابو بکرؓ کو میری جگہ لے لیا اور مجھے بائیں طرف کر دیا۔ پھر چلتے ہوئے میں عمرؓ ملے۔ عمرؓ کو حضرت ﷺ نے بائیں طرف کر دیا اور مجھے پیچھے کر دیا۔ اب آپ ﷺ شراب کے ذخیرے پر پہنچے اور لوگوں سے کہا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ شراب ہے۔ فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ پھر شراب کے دس متعلقات پر لعنت بھیجی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک چھری منگوائی۔ آپ ﷺ نے چھری تیز کروائی پھر سارے مشکیزے چیر دیئے۔ لوگوں نے کہا کہ اس میں منفعت بھی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں' شراب میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! لایئے میں سب مشکیزے چیر دوں تو حضرت ﷺ نے فرمایا میں خود اس کو ضائع کروں گا۔

سعدؓ سے مروی ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیتیں اتریں۔ پھر وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ہماری

دعوت کی ہم نے وہاں خوب شراب پی۔ یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ذکر ہے۔ جب ہم خوب نشہ میں ہو گئے تو آپس میں فخر کرنے لگے۔ انصار کہتے تھے کہ ہم افضل ہیں اور قریش کہتے تھے کہ ہم افضل ہیں۔ چنانچہ ایک انصاری نے اونٹ کی ایک بڑی ہڈی لے کر سعد کی ناک پر دے ماری جس سے سعد کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اسی بناء پر شراب کی حرمت نازل ہوئی جس کو مسلم نے بیان کیا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت کی یہ وجہ ہوئی کہ انصار کے دو قبیلوں نے خوب شراب پی۔ جب مست ہو گئے تو ایک دوسرے پر دست درازیاں کرنے لگے' اور جب نشہ اتر گیا تو کسی کے چہرے پر زخم آیا ہوا تھا تو کسی کے سر پر چوٹ آئی ہوئی تھی کسی کی داڑھی نچی ہوئی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے فلاں ساتھی نے مجھے یہ زخم پہنچایا ہے چنانچہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے' حالانکہ پہلے آپس میں بڑی محبت تھی کینہ نہیں تھا۔ کہتے تھے کہ اگر یہ میرا ہمدرد ہوتا تو کبھی مجھے زخمی نہ کرتا۔ چنانچہ دشمنی بڑھ گئی اب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت نازل فرما دی۔ لوگ کہنے لگے کہ مرے ہوؤں کا کیا ہوگا تو وحی اتری کہ جو مومن نیک عمل کر کے مر گئے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔

ابو بریدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک ٹیلے پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ہم تین یا چار افراد تھے شراب کا مٹکا رکھا تھا دور چل رہا تھا کہ میں اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اسی وقت تحریم خمر کی آیت اتری۔ میں فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں وحی سنائی۔ بعض نے شراب پی لی تھی' بعض نے کچھ پی تھی اور کچھ ہاتھ میں دھری رکھی تھی۔ کسی کے منہ سے شراب لگی ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی سب نے اپنی اپنی شراب زمین پر بہا دی۔ اور آخری آیت ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ کو سن کر کہنے لگے ﴿ اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا ﴾ اے رب! ہم رک گئے۔ صحیح بخاری میں جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد کی صبح میں لوگوں نے شراب پی تھی اور لڑائی میں اس روز اکثر شہید ہو گئے' یہ تحریم خمر سے پہلے کی بات ہے تو اکثر یہودی کہنے لگے کہ جو لوگ قتل ہو گئے اور ان کے پیٹوں میں شراب تھی' تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نیک عمل کرنے والے مومنین پر کچھ آنچ نہیں جب کہ تحریم خمر سے پہلے شراب پی ہو۔

جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص خیبر سے مدینے کی طرف شراب لا رہا تھا تاکہ یہاں لا کر بیچے اور جب مدینے پہنچا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ شراب تو حرام ہو گئی ہے تو اس نے لے جا کر ایک ٹیلہ پر رکھ دی' اور اسے کپڑوں سے ڈھانک دیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کیا شراب حرام ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کہنے لگا کیا میں مال لے جا کر واپس کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شراب میں واپس کیے جانے کی بھی صلاحیت نہیں تو اس نے کہا کہ کیا میں اس شخص کو دے دوں جو اس کا کچھ معاوضہ ادا کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس تجارت میں یتیموں کا بھی پیسہ لگا ہوا تھا جو میرے زیر پرورش ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا جب بحرین کا مال آئے گا تم میرے پاس آنا تو میں اس میں سے تمہارے یتیموں کا معاوضہ دے دوں گا۔ پھر حرمت شراب کی مدینہ میں منادی ہو گئی۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ شراب کے برتنوں سے ہمیں نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ برتنوں کے منہ کھول ڈالو' شراب بہا دو! چنانچہ شراب اتنی بہائی گئی کہ پست زمینوں میں شراب کھڑی ہو گئی تھی۔ ابو طلحہؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میرے زیر پرورش یتیم ہیں کہ ورثہ میں جن کو شراب ملی ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا بہا دو! سب بہا دو! ابو طلحہؓ نے کہا ہم اس کا سرکہ بنا لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ مسلم' ابوداؤد اور ترمذی سب نے اس کی تائید کی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ اِلٰى قَوْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ یہی آیت توریت میں بھی ہے اللہ تعالیٰ نے حق کو اس لئے نازل کیا ہے کہ باطل کو نابود کر دے اور گانے بجانے کے آلات بربط' ستار' سارنگی' دف' طنبورے ان سب کو باطل کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بعد از حرمت جو اس کو پئے گا' میں اس کو قیامت کے روز پیاسا رکھوں گا اور جو اس کو چھوڑ دے گا میں اس کو جنت کے پاکیزہ چشمہ سے شراب پلاؤں گا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نشے کی وجہ سے ایک وقت کی نماز کھودی تو گویا کہ ساری دنیا کی دولت اس کو حاصل تھی اور چھین گئی اور جس نے نشے کی وجہ سے چار وقت کی نماز کھودی' تو اب اللہ کو حق ہے کہ اس کو ﴿ طينة الخبال ﴾ پلائے۔ لوگوں نے کہا' طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں کے جسم سے نچوڑی ہوئی گندگی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہر پینے کی چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے جو شخص کوئی نشہ آور چیز پئے گا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہو گی۔ لیکن اگر وہ توبہ کرلے تو توبہ قبول کرلی جائے گی۔ اور چوتھی بار اگر شراب پئے تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اس کو ﴿ طينة الخبال ﴾ پلائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ طينة الخبال ﴾ اہل نار کی پیپ ہے اور جس نے کسی بچے کو شراب پلائی جو حرام حلال کو نہیں پہچانتا تو اس آدمی کو بھی ﴿ طينة الخبال ﴾ پلایا جائے گا۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشیلی چیز خمر ہے اور حرام ہے۔ جو عمر بھر شراب پیتا رہا اور مر گیا اور توبہ نہیں کی۔ تو وہ جنت کی شراب سے بالکل محروم رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک وہ جو اپنے والدین کی نافرمان اولاد ہے اور دوسرے ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرے احسان کر کے جتانے والا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان جتانے والا اور والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والا یہ تینوں کبھی جنت میں نہیں جائیں گے۔

عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ شراب سے بہت بچتے رہو۔ کیونکہ وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ ایک واقعہ سنو کہ تم سے پہلے کے زمانے میں ایک شخص بڑا ہی عابد تھا۔ لوگوں کو چھوڑ چھاڑ کر بستی سے الگ تھلگ عبادت خانے میں عبادت کر تا رہتا تھا۔ ایک بدکار عورت کی اس پر نظر تھی' اس نے اپنی خادمہ کو بھیجا کہ ایک گواہی کے بہانے اس کو بلا لائے۔ وہ بے چارہ آگیا۔ جب وہ کسی دروازہ کے اندر داخل ہوتا تو باہر سے اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس بدکار عورت تک پہنچے۔ اس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ وہ اس شیخ سے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تجھ کو کسی گواہی کے لئے نہیں بلایا ہے بلکہ اس لئے کہ یا تو میرے ساتھ رات گزارے یا یہ کہ اس بچے کو قتل کر دے یا یہ کہ شراب پیئے۔ اس شیخ نے یہ مناسب جانا کہ دونوں گناہوں کی بہ نسبت شراب آسان گناہ ہے۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ اب وہ ایک جام کے بعد پے در پے اور جام مانگنے لگا۔ یہاں تک کہ شراب کے نشے میں اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس عورت کے ساتھ بھی رات گزاری۔ اس لئے شراب سے بچو' وہ ساری برائیوں کی جڑ ہے' شراب اور ایمان کبھی ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتے اگر شراب ہے تو ایمان نہیں' اگر ایمان ہے تو شراب نہیں بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا اور چور جب چراتا ہوتا ہے تو مومن نہیں ہوتا' اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو مومن نہیں ہوتا۔ جب قبلہ کے بدلنے کی آیت اتری تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ جو مر گئے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے' ان کا کیا ہو گا؟ تو وحی اتری کہ ان کی عبادت ضائع نہیں ہو گی۔

اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس سے ناخوش رہتا ہے اگر وہ مر جائے تو کافر مرے گا اور اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرلے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری کہ قبل از حرمت پینے پر الزام نہیں لگایا جائے گا تو مجھ سے کہا گیا کہ تم پر بھی کوئی الزام نہیں ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جوئے سے بچو اور چوسر اور شطرنج سے بچو' یہ دونوں عجم کا جوا ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔ اے ایمان والو! وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

بحالت احرام شکار کرنے کا حکم: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزما رہا ہے شکار کی ممانعت کر کے خواہ کمزور شکار ہو یا چھوٹا ہو کہ دیکھیں حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے سے بچتے ہو یا نہیں' حتیٰ کہ لوگ اگر چاہتے تو اپنے ہاتھوں سے اس شکار کو پکڑ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قریب ہونے سے بھی ممانعت فرما دی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ چھوٹے شکاروں کو اور بچوں کو ہاتھوں سے بھی پکڑ سکتے تھے اور بڑوں کو تیر سے شکار کر کے۔ مقاتل بن حیانؒ کہتے ہیں کہ عمرۂ حدیبیہ میں یہ آیت اتری کہ جہاں جنگلی چوپائے پرندے اور شکار ان کے ٹھکانوں میں ٹوٹ پڑنے لگے تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ بحالت احرام ان کا شکار کرنے سے ممانعت کی گئی تاکہ ثابت ہو جائے کہ سراً و علانیۃً کس سے اطاعت سرزد ہوتی ہے اور کس سے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ "جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' غیب پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر کریم ہے"۔ یہاں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اب اس کے بعد جو نافرمانی کرے اس کے لئے عذاب الیم ہے کیونکہ اس نے حکم الٰہی کی مخالفت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو۔ یہ نہی معنویت کے لحاظ سے تو حلال جانور اور ان کے بچوں پر بھی مشتمل ہے اور غیر ماکول پر بھی۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک غیر ماکول کا شکار کرنا احرام والے کے لئے جائز ہے۔ لیکن جمہور علماء تو ایسے شکار کو بھی جائز نہیں رکھتے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اس کے سوا جو بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں' احرام میں بھی ان کو قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں' کوا' چیل' بچھو' چوہا اور کاٹنے والا کتا۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنا محرم کے لئے گناہ نہیں۔ ایوبؒ کہتے ہیں کہ میں نے نافعؒ سے پوچھا کہ سانپ کا کیا حکم ہے؟ تو نافعؒ نے کہا کہ سانپ کو مارنے میں بھی کیا شک ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف نہیں۔ امام مالکؒ اور احمدؒ اور دیگر علماء نے بھونکنے والے کتے کے ساتھ بھیڑیے اور درندے شیر اور چیتے کو بھی شامل

رکھا ہے کیونکہ ان کا ضرر تو کتے سے بھی زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔ زید بن اسلمؒ اور سفیانؒ کہتے ہیں کہ ہر حملہ کرنے والے درندے کا حکم کتے کے حکم میں شامل ہے۔ جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عتبہ ابن ابی لہب پر بددعا کی تھی تو کہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ اس پر شام میں اپنا ایک کتا مسلط فرما دے۔ چنانچہ مقام زرقاء میں اس کو ایک بھیڑیے نے پھاڑ کھایا تھا۔ ہاں ان کے سوا اگر وہ کسی اور جانور کو قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ جیسے سوسمار یا لومڑی یا کفتار وغیرہ۔ مالکؒ کہتے ہیں کہ یہی حکم ہے ان پانچ جانوروں کے بچوں کا بھی یا پھاڑنے والے جانوروں کے چھوٹے بچوں کا بھی کہ اگر محرم قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا خواہ حیوان غیر ماکول یا ان کے بچوں ہی کو قتل کیا ہو۔ کیوں کہ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہے اور غیر ماکول جانور پر بھی سب شامل ہے۔ ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ احرام والا کاٹنے والے کتے کو اور بھیڑیے کو بھی قتل کر سکتا ہے کیونکہ بھیڑیا بھی بری کتا ہے۔ لیکن ان دونوں کے سوا کسی اور کو قتل کرے گا تو فدیہ دینا پڑے گا ہاں کوئی دوسرا درندہ حملہ کر بیٹھے تو قتل کر سکتا ہے فدیہ ادا کرنا ضروری نہیں۔ یہ اوزاعیؒ اور حسنؒ کا قول ہے کہ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ فدیہ دینا پڑے گا اگرچہ حملہ کرنے کی وجہ سے ہی مار ڈالا گیا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوے سے مراد وہ کوا ہے کہ جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہو سیاہی نہ ہو۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کوے سے ہر عام کوا مراد ہے کیونکہ لفظ میں کوئی قید نہیں۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ کوا جب حملہ کرے یا تکلیف پہنچائے تو محرم صرف اس وقت اس کو قتل کر سکتا ہے بلاوجہ نہیں' اور مجاہد اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ قتل نہ کرے بلکہ اس کو ہانکے یا اس کو اڑا دے۔ حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ سانپ بچھو اور چوہا ان کو قتل کر دیا جائے لیکن محرم کوے کو صرف اڑا دے قتل نہ کرے' اور کاٹنے والے کتے اور گدھ اور حملہ کرنے والے درندے' ان کو محرم قتل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جو جان بوجھ کر بہ حالت احرام شکار کرے گا اس کو اس شکار کے جیسا ہی دوسرا مویشی فدیہ میں دینا پڑے گا۔ طاؤسؒ سے مروی ہے کہ یہ حکم اس شخص سے متعلق نہیں جس نے خطا سے کسی جانور کو قتل کیا ہو' بلکہ عمداً قتل کرنے کی قید ہے اور ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں ﴿ مُتَعَمِّدًا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ کسی نے اپنی حالت احرام کو بھول کر قتل صید کا قصد کیا ہو ورنہ احرام کی حالت یاد رہنے کے باوجود ارادۃً قتل صید کرے تو اس کا گناہ تو کفارہ کی سزا سے بھی بہت بڑھا چڑھا ہے اس کا تو احرام ہی باطل ہو جاتا ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ قصداً اور بھول کر قتل کرنے والا دونوں کفارہ ادا کرنے میں برابر ہیں۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ قرآن سے تو دلالت ہوتی ہے عمداً قتل کرنے والے پر' لیکن حدیث سے بھول کر قتل کرنے والا بھی اسی حکم میں شامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن سے ثابت ہوا ہے اس کو کفارہ بھی دینا ہوگا اور وہ گنہگار بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو اپنے گناہ کی سزا چکھنی پڑے گی' لیکن جو گذر گیا سو معاف ہے اور اگر کسی نے پھر ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ احکام نبی اور احکام اصحابؓ سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ خطا سے قتل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ دینا پڑے گا جیسا کہ عمداً قتل کرنے کی صورت میں از روئے قرآن دینا پڑتا ہے کیونکہ اگر شکار کو قتل کیا گیا تو یہ شکار کو تلف کرنا ہوگا اور جب عمداً تلف کرے تو تاوان ادا کرنا پڑتا ہے اور خطا سے تلف کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عمداً شکار کرنے والا کفارہ کے ساتھ گنہگار بھی ہوا لیکن خطا والا گنہگار نہیں ہوا۔

قولہ تعالیٰ ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ بعض نے جزاء کو مضاف بنا کر پڑھا ہے بعض نے عطف قرار دے کر اور ابن مسعودؓ ﴿ فَجَزَآؤُهٗ ﴾ باضافت ہ پڑھتے ہیں۔ لیکن ہر طرح پڑھنے میں بھی مالکؒ' شافعیؒ' احمدؒ اور جمہور کی دلیل قائم رہتی ہے کہ صید شدہ جانور کے مثل کی جزا اپنی جگہ واجب رہتی ہے۔ بشرطیکہ اس جیسا یا اس کے قریب کوئی پالتو جانور ہو تاکہ وہی دے دے ورنہ اس کی قیمت دے دے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صید مقتول پالتو جانور کے مشابہ ہو یا غیر پالتو کے ہر صورت میں اس کا مثل دینے کے بجائے قیمت ہی دینا چاہیے۔ اور اس شکاری کو اختیار ہے کہ چاہے اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قربانی کا کوئی جانور خرید

لے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مثل دینے کا جو حکم لگایا ہے وہ ہمارے لئے زیادہ قابل اتباع ہے۔ انہوں نے حکم لگایا ہے کہ شتر مرغ کا شکار کیا تھا تو اونٹ کفارے میں دو اور جنگلی گائے کے شکار میں گھریلو گائے اور ہرن کے شکار میں بکری۔ صحابہؓ کے یہ فیصلے کتاب الاحکام میں سب کے سب مذکور ہیں۔ لیکن جہاں کوئی صید مثلی نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی پالتو جانور کے مشابہ ہو وہاں ابن عباسؓ حکم لگاتے ہیں کہ اس کی قیمت مکے روانہ کر دی جائے۔ بیہقی اس کے راوی ہیں۔

قولہ تعالیٰ ﴿ یَحۡكُمُ بِهِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنكُمۡ ﴾ یعنی اس کفارہ کا فیصلہ کرنے کے لئے دو عادل مسلمان نامزد کئے جائیں جو یہ فیصلہ کریں کہ مثلی شکار میں مثلی جانور دیا جائے یا غیر مثلی میں قیمت دی جائے۔ اگر علماء کا اختلاف ہے تو صرف اس بارے میں ہے کہ ان دو حکموں میں ایک حکم خود شکاری بھی بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں اپنا حکم اپنے ہی پر نافذ کرنا لازم آئے گا۔ جس سے متہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول ہے کہ بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ آیت بالکل عام ہے اس میں کوئی اس قسم کی قید نہیں۔ یہ امام شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی قضیہ کے اندر حاکم خود محکوم نہیں بنایا جا سکتا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بحالت احرام ایک شکار کر لیا ہے' اب مجھ پر کیا جزا ہے۔ آپ نے ابی بن کعبؓ سے جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا کہو تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟ تو اعرابی نے کہا میں تو تمہارے پاس آیا کہ تم خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہو لیکن تم خود دوسرے سے پوچھتے ہو۔ تو ابو بکرؓ نے کہا تم کیوں اعتراض کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ دو عادل مسلمان مل کر کوئی حکم لگائیں۔ چنانچہ میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا۔ ہم دونوں جس بات پر متفق ہو جائیں گے تجھ کو اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔ یہاں اسی بات کا احتمال تھا چنانچہ صدیقؓ نے جب دیکھا کہ اعرابی جاہل ہے اور عادلین کے مسئلہ سے واقف نہیں تو نرمی اور ملائمت سے اسے سمجھا دیا کیونکہ جہل کی دوا تعلیم ہے۔ لیکن معترض اگر صاحب علم ہو تو جیسا کہ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ ابن جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ حج کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور ہم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی سواریوں کے پیچھے پیچھے پیدل چلتے اور باتیں کرتے رہتے۔ ایک دن صبح ایسا اتفاق ہوا کہ ایک ہرن دکھائی دیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے اس کے ایک پتھر مارا وہ نشانہ پر پہنچا اور ہرن مر گیا۔ یہ شخص ہرن کو مردہ چھوڑ کر سوار ہو کر چل دیا۔ ہم نے اس شخص پر سخت اعتراض کیا اور جب مکے پہنچے تو میں عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ عمرؓ کے ساتھ ہی ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے گورے چٹے' چاندی کی طرح سفید۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ عمرؓ ان کی طرف متوجہ ہوئے' کچھ باتیں کیں پھر اس آدمی سے پوچھا کیا تو نے عمداً اس کو مارا یا خطاء؟ اس نے کہا پتھر تو میں نے ارادۃً مارا تھا لیکن اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ارادۃً اور خطا دونوں کے درمیان تجھ سے عمل سرزد ہوا تھا۔ چنانچہ ایک بکری لے اس کو ذبح کر اس کا گوشت صدقہ کر دے اور اس کی کھال گھر کے کام میں لا۔ اب ہم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا اللہ تعالیٰ کے حدود شریعت کی عزت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جو کچھ تو نے پوچھا تھا' امیر المومنین خود اس سے واقف نہ تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھی سے پوچھا۔ اب تو معافی کے طور پر اپنی ناقہ کو ذبح کر دے۔ ممکن ہے کہ اس تیرے جرم کی مکافات ہو جائے۔ قبیصہ کہتے ہیں کہ مجھے سورۂ مائدہ کی عادلین والی آیت یاد ہی نہیں آئی تھی۔ میرے اس مشورہ کی خبر عمرؓ کو پہنچی۔ وہ درہ لئے آ پہنچے' میرے ساتھی پر ایک کوڑا برسایا اور کہنے لگے کیا تو حرم میں قتل کرتا ہے اور حکم میں بیوقوف کو حکم بناتا ہے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے کہا' اے امیر المومنین اگر آپ نے مجھے مارا تو اس نارواامار کو میں معاف نہیں کروں گا۔ تو کہنے لگے' اے قبیصہ بن جابر! تو نوجوان ہے کھلے دل والا خوب بولنے والا ہے لیکن اگر کسی نوجوان میں نو عادتیں بھی اچھی ہوں اور صرف ایک بری ہو تو وہی ایک ساری اچھائیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ نوجوانی کی لغزشوں سے محتاط رہ۔

ابن جریر البجلیؒ کہتے ہیں کہ بحالت احرام ایک ہرن کا میں نے شکار کر لیا۔ حضرت عمرؓ سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے

فرمایا کہ اپنے دو ساتھیوں کو لاؤ تاکہ وہ دونوں تم پر اپنا فیصلہ صادر کریں۔ میں عبدالرحمٰنؓ اور سعدؓ کو لے آیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ صادر کیا۔ کہ میں ایک موٹا تازہ بکرا فدیہ دوں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اربد نے ایک ہرن کو بحالت احرام روند کر قتل کر دیا پھر حضرت عمرؓ کے پاس فیصلہ لینے کے لئے آیا۔ تو عمرؓ نے کہا کہ میرے ساتھ فیصلے کے لئے ایک اور حکم تو خود بن جا۔ چنانچہ دونوں نے ایک پالتو بکری کفارے میں قرار دی جو گھر کا پانی اور چارہ کھا کر خوب تازہ ہو گئی تھی۔ پھر عمرؓ نے عادلین والی آیت پڑھی۔ یہ واقعہ اس بات کے جواز پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل خود حکمین عادلین میں سے ایک ہو سکتا ہے جیسا کہ شافعیؒ اور احمدؒ کا مذہب ہے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آئندہ زمانے میں بھی جب کبھی کسی مجرم سے یہ جرم سرزد ہو تو اسی وقت کے دو حکم چاہئیں یا صحابہؓ کے فیصلے ایسے مسائل کے وقت جو صادر ہو چکے ہیں ان کی روشنی میں فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ احمدؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بارے میں جو فیصلے دے دیئے ہیں۔ ان کی پیروی کی جائے اور ان دونوں نے اسی کو شرعی فیصلہ قرار دیا ہے اس سے انحراف نہ کیا جائے اور جس میں صحابہ کا کوئی حکم موجود نہ ہو تو پھر اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کریں۔ مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ حکم اپنے اپنے زمانے کے ہر ہر فرد پر الگ الگ لگے گا اور اپنے زمانے ہی کے عادل قرار پائیں گے خواہ صحابہ کا کوئی حکم اور فتویٰ موجود ہو کہ نہ ہو کیونکہ اللہ پاک نے **منکم** کا لفظ فرمایا ہے اور پہلے زمانے کے صحابہ اس وقت تمہاری جماعت کے افراد تو نہیں ہیں

وقولہ تعالیٰ ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ یعنی یہ قربانی کعبے تک پہنچائی جائے' وہیں ذبح کی جائے اور حرم ہی کے مساکین پر اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں' سب بالاتفاق یہ رائے رکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ یعنی محرم اگر شکار مقتول کا مثل نہ پائے یا شکار مقتول اس قسم کا جانور ہی نہ ہو کہ گھریلو جانور سے مشابہت رکھے تو پھر جزاء اور اطعام اور صیام کے بارے میں اختیار ہے اور قرآن پاک میں ﴿اَوْ﴾ اختیار ہی کے معنیٰ میں آیا ہے اور یہی قول ہے مالکؒ اور ابو حنیفہؒ' ابویوسفؒ اور محمدؒ کا' نیز شافعیؒ کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے۔ احمدؒ کا بھی قول مشہور یہی ہے کہ ﴿اَوْ﴾ اختیار دینے کے مقصد سے لایا گیا ہے اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اختیار کے مقصد سے نہیں بلکہ ترتیب اور سلسلہ بتانے کے لئے ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہو گی کہ قیمت کے برابر آ کر ٹھہر جائے اور صید مقتول کی تلافی ہو جائے۔ یہ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ اور حمادؒ اور ابراہیمؒ کے نزدیک ہے۔ لیکن شافعیؒ کہتے ہیں کہ وہ قیمت بدل ہو اور اس جانور کا کہ اگر موجود ہوتا تو کیا قیمت ہوتی۔ پھر اس رقم سے اناج خرید لے اور صدقہ کر دے اور ہر مسکین کو ایک مد یعنی ۵۶ تولہ غلہ دے۔ یہ مسئلہ شافعیؒ اور مالکؒ اور علماء حجاز کے نزدیک ہے۔ اور ابو حنیفہؒ اور ابویوسفؒ اور محمدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد دیئے جائیں۔ احمدؒ کہتے ہیں گیہوں ہوں تو ایک مد اور دوسرا غلہ ہو تو دو مد' پس اگر یہ نہ دے سکے تو روزے رکھے یعنی ایک مسکین کو جتنے دن کھانا کھلایا جاتا ہے اتنے دن روزے رکھے۔ دوسروں کا قول ہے کہ ہر صاع کے بدلے جو نہ دیا جا سکا ایک روزہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے کعب بن عجرہؓ کو حکم دیا تھا کہ ایک فرق اناج ۶ چھ آدمیوں میں تقسیم کرے یا تین دن کے روزے رکھے۔ ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے اور صاع ۲۲۵ تولے کا ہوتا ہے۔ اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ کہاں کھلائیں۔ شافعیؒ کہتے ہیں کہ حرم میں کھلائیں۔ عطاءؒ کا بھی یہی قول ہے۔ مالکؒ کہتے ہیں کہ اس جگہ کھلائیں جہاں شکار کو قتل کیا تھا یا وہیں کہیں قریب میں۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں اس کی کوئی تخصیص نہیں کہیں بھی کھلائیں' خواہ حرم ہو یا غیر حرم کوئی اور مقام ہو۔

اس مسئلہ کے متعلق سلف کے اقوال: اس آیت سے متعلق ابن عباسؓ کا قول ہے کہ محرم جب صید کرے تو ویسا ہی جانور اس پر لازم آتا ہے اگر کفارے کے لئے ویسا ہی چوپایہ نہ ملے تو اس کی قیمت دیکھی جائے گی قیمت سے پھر طعام کا اندازہ لگایا جائے گا۔ پھر ہر نصف صاع اناج کے بدلے ایک روزہ رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ طعام اور صیام کے ذریعے قرار دیا ہے جب طعام پایا جائے تو اسی سے کفارہ ادا کیا جا سکے گا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کفارہ کا جانور کعبہ کو بھیجا جائے یا مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا اسی کے برابر روزے رکھے

جائیں۔ جب محرم نے شکار کو قتل کیا تو اسی کے مثل چوپایہ اس پر لازم آیا۔ اگر کسی نے ہرن یا اس کے مثل جانور قتل کیا تو اس پر بکری لازم آئے گی جو مکے بھیج کر ذبح کی جائے گی۔ اگر نہ ہو سکے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے جائیں گے۔ اگر کسی نے اونٹ یا اونٹ کے مثل جانور کو قتل کیا تو اس پر گائے واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بیس مسکینوں کو کھلائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بیس روزے رکھے۔ اور اگر شتر مرغ یا گورخر وغیرہ کو مارے تو ایک اونٹنی اس پر واجب ہوگی نہ ہو سکا تو تیس مسکینوں کو کھلائے ورنہ تیس دن کے روزے رکھے۔ ابن جریر نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ اور زیادہ کیا ہے کہ طعام ہر ایک کو ایک ایک مد دیا جائے تاکہ پیٹ بھر کر ملے۔ عطاءؒ اور مجاہدؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ طعام ایک ایک مد اس شخص کے لئے ہے جو قربانی کا جانور کعبے تک نہ پہنچا سکتا ہو۔ سدی کا کہنا ہے کہ اس اختیار میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے۔ اور ابراہیم النخعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر طرح اس کو اختیار ہے چاہے جو کفارہ پسند کرے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ لیذوق وبال امرہ ﴾ تاکہ وہ کرتوت کی سزا پالے۔ یعنی ہم نے کفارہ اس پر اس لئے واجب کیا ہے کہ ہمارے حکم کی جو اس نے مخالفت کی ہے اس کی سزا پالے۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں جو کچھ ہوا وہ اس شخص کے لئے معاف ہے جس نے اسلام میں اچھے کام کئے۔ پھر فرمایا کہ ﴿ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ یعنی اسلام میں آنے کے بعد اور اس کی ممانعت کے باوجود جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا اور وہ سرکشوں سے انتقام لینے والا ہے۔ لیکن جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا وہ معاف ہے۔ اور اس سوال کا جواب بھی نفی میں ہے کہ کیا امام اس کی کوئی سزا قرار دے سکتا ہے؟ یعنی امام کو سزا دینے کا حق نہیں ہے۔ یہ گناہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے۔ ہاں اس کو امام کے سزا نہ دینے کے باوجود فدیہ تو ضرور ہی دینا پڑے گا۔ اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کفارے ہی کے ذریعہ انتقام لے گا اور انتقام کی یہی صورت ہوگی۔

جمہور سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ محرم نے جب شکار کو قتل کر دیا تو اس پر فدیہ دینا واجب ہو گیا اور پہلی یا دوسری یا تیسری خطا میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ کتنی ہی دفعہ ہو۔ فعل خطا اور فعل عمد سب حکم میں برابر ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ محرم سے خطاءً اگر قتل صید سرزد ہوا تو اس پر ہر قتل کے وقت یہ حکم صادر ہوگا۔ لیکن اگر وہ عمداً قتل کرے تو پہلی دفعہ میں تو یہ سزا اس پر عائد ہوگی لیکن دوسری دفعہ میں اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادیا ہے کہ دوبارہ کرے تو اللہ تعالیٰ انتقام لے گا۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب احرام نے شکار کیا اس پر فدیہ کی سزا عائد کی گئی۔ اس نے دوبارہ یہ جرم کیا تو آسمان سے آگ اتری بجلی گری اور اسے جلادیا۔ یہی معنی ﴿ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں غالب ہے کوئی اس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ وہ انتقام لینا چاہے تو کون ہے کہ روکے۔ ساری کائنات اس کی مخلوق ہے حکم بس اسی کا چلتا ہے سرکشوں کو وہ سزا ضرور دے گا۔ اس کی صفت انتقام کا یہی اقتضاء ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا
دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ
الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا
فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جنکے گلے میں پٹے ہوں یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔ تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔

احرام کی حالت میں بحری شکار کا حکم: تمہارے لئے سمندر کا تازہ شکار حلال ہے اور جو مچھلی سکھا کر زاد راہ بنائی جاتی ہے وہ بھی تمہارے لئے اور اہل قافلہ کیلئے جائز ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ شکار جو سمندر سے زندہ حاصل کیا گیا ہے مراد ہے اور لفظ ﴿طعام﴾ سے وہ مراد ہے کہ جسے سمندر نے مار کر ساحل پر پھینک دیا ہو۔ ابو بکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ طعام سے ہر وہ چیز مراد ہے جو سمندر میں ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ دیا تو کہا کہ صید بحر تمہارے لئے حلال ہے اور نہ شکار کیا ہوا لیکن سمندر کا پھینکا ہوا وہ بھی تمہارے استفادہ اور زاد راہ کی چیز ہے۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ سمندر نے تو زندہ پھینکا ہو لیکن خشکی پر آکر مر گیا ہو وہ طعام ہے۔ عبد الرحمٰنؓ نے سوال کیا کہ سمندر بہت سی مردہ مچھلیاں ساحل پر لا ڈالتا ہے کیا ہم کھا سکتے ہیں تو ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ نہ کھانا۔ جب عبد اللہ بن عمرؓ گھر واپس ہوئے قرآن کھولا اور یہ آیت دیکھی ﴿ طعامهٗ متاعا لكم وللسيارة ﴾ تو کہا جاؤ اور کہہ دو کہ کھا لیا کرو کیونکہ سمندر کی چیز کو اللہ تعالیٰ طعام کہتا ہے۔ ابن جریر بھی یہی کہتے ہیں کہ "طعام" سے سمندر کی مردہ مچھلیاں ہی مراد ہیں۔ حضرت ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ سمندر کی موجوں سے مردہ آئی ہوئی مچھلی طعام ہے۔ متاع سے مراد منفعت اور قوت ہے۔ سیارہ جمع ہے سیار کی عکرمہؓ کہتے ہیں کہ جو سمندری مقامات پر رہتے ہیں وہ تو تازہ تازہ شکار کر لیتے ہیں اور جو مر جائیں ان کو سکھا کر ذخیرہ کر رکھتے ہیں یا شکار کر کے رکھ چھوڑتے ہیں اور یہ مسافرین اور ساحلی مقامات سے دور رہنے والوں کے لئے زاد راہ کا کام دیتا ہے۔ جمہور نے ماہی مردہ کے حلال ہونے پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ امام مالکؒ نے جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ساحل کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو اس کا امیر بنایا۔ یہ تین سو آدمی تھے میں بھی شامل تھا۔ حمر راستے ہی میں تھے کہ زاد راہ ختم ہو گیا۔ تو ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ سارے لشکر میں سے سب کا زاد راہ لا کر جمع کر دیں۔ میرے پاس کھجور زاد راہ تھی۔ ہم اس میں سے ہر روز تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے۔ آخر کار وہ ذخیرہ ختم ہوا اور رسد کے طور پر ہم کو صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی۔ ہم لوگ خود اب مرنے کے قریب ہو گئے لیکن سمندر تک آپہنچے تھے۔ ساحل پر دیکھا کہ ایک مچھلی ٹیلے کے مانند چوڑی چکلی پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے سارے لشکر نے اس کو تیرہ دن تک کھایا۔ ابو عبیدہؓ نے اس مچھلی کی دو پسلیوں کو بصورت کمان قائم کرنے کا حکم دیا۔ اس کمان کے نیچے سے ایک اونٹنی سوار گزر گیا اور اس کے بالائی حصے کو چھو نہ سکا۔ جابرؓ بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ساحل بحر پر ایک بلند ٹیلہ سا معلوم ہوا' دیکھا تو وہ دریائی جانور مرا پڑا تھا جس کو عنبر کہتے تھے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا یہ تو میت ہے پھر کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں بھوک سے مجبور ہو گئے ہیں' تازہ تازہ گوشت ہے خوب کھاؤ۔ ہم وہاں ایک مہینہ ٹھہرے رہے ہم تین سو آدمی تھے۔ کھا کھا کر خوب موٹے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کے اندر سے ہم مٹکے بھر بھر کر روغن نکالتے تھے۔ اتنے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ لئے تھے جیسے گائے۔ ابو عبیدہؓ نے اس کی آنکھ کے گڑھے میں تیرہ آدمیوں کو بٹھایا تھا۔ اس کی ایک پسلی لے کر بصورت کمان زمین پر قائم کی گئی تو بڑے سے بڑا اونٹ اس کے نیچے سے نکل گیا۔ غرض یہ کہ وہ مچھلی اس قدر

بڑی تھی۔ پھر ہم نے اس کا گوشت سکھا کر زاد راہ بنالیا۔ جب مدینے پہنچے اور نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا رزق تھا اگر تمہارے ساتھ کچھ ہے تو لاؤ ہمیں بھی کھلاؤ ہم نے آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ بھیجا' آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ لشکر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا جب کہ یہ مچھلی پائی گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں' نہیں حضرت ﷺ ساتھ نہیں تھے اور وہ دوسرا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں' واقعہ ایک ہی ہے۔ پہلے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ ساتھ تھے' پھر حضرت ﷺ نے جب دوسرا لشکر بھیجا تھا تو اس کے امیر ابو عبیدہؓ تھے اور یہ واقعہ اسی ابو عبیدہؓ والے لشکر کا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ﷺ سے سوال کیا' یا رسول اللہ ﷺ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور تھوڑا سا پانی ساتھ رکھ سکتے ہیں' اگر اس سے وضو کر لیا کریں تو پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم اب سمندر سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کی مردہ مچھلی حلال ہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج یا عمرہ میں ساتھ تھے تو ایک ٹڈیوں کے لشکر سے ہمیں سامنا ہوا۔ ہم اپنی لکڑی سے انہیں مارتے تھے' وہ مر کر ہمارے پاس گر پڑتی تھیں۔ ہم نے آپس میں کہا کہ اب ہم کیا کریں' ہم تو حالت احرام میں ہیں۔ چنانچہ حضرت ﷺ سے ہم نے پوچھا تو فرمایا کہ صید بحر کی ممانعت نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے جب ٹڈیوں پر بددعا کی تھی تو کہا تھا کہ اے اللہ! چھوٹی بڑی سب ٹڈیوں کو ہلاک کر دے' ان کے انڈوں کو ضائع کر کے افزائش نسل سے روک دے تاکہ یہ ہمارا غلہ اور ہماری فصلیں اور ہمارے باغات و درخت تباہ نہ کر دیں"۔ تو مجیب الدعوات ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھی گویا ایک الٰہی فوج ہے آپ اس کے قطع نسل کی بددعا کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ٹڈیاں بھی سمندر کی مچھلیوں کی نسل سے ہوتی ہیں۔ زیاد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے خود اس شخص نے بیان کیا جس نے مچھلی سے ٹڈی پیدا ہوتے دیکھی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔ ابن عباسؓ نے حرم میں ٹڈی کا شکار کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ تمام آبی جانور کھائے جا سکتے ہیں اور اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں ہے۔ بعض نے مینڈکوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور اس کے سوا باقی کو جائز کہا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے مینڈک کو مارنے کی ممانعت کی ہے اور فرمایا کہ اس کی آواز اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ مچھلی کھائی جائے لیکن مینڈک نہ کھائیں۔ ان دونوں کے ماسوا میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بری ماکول جانوروں کے مشابہ جو بحری جانور ہیں وہ کھائے جائیں اور جو بر کے جانور نہیں کھائے جاتے ہیں بحر کے بھی ایسے جانور نہ کھائے جائیں۔ یہ سب اختلاف بر بنائے مذہب شافعیؒ ہے۔

اور ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ سمندر میں جو مچھلی مر گئی وہ نہ کھائی جائے' جیسا کہ خشکی کا مرا ہوا جانور بھی نہیں کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾ فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ تم نے سمندر سے جو شکار کیا تھا اور وہ زندہ تھا پھر مر گیا تو کھاؤ اور جس مردہ مچھلی کو موجوں نے بہا کر کنارے لا ڈالا ہو تو نہ کھانا۔ جمہور نے اصحاب مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ سے حدیث عنبر کے ذریعہ اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سمندر کا پانی طاہر ہے اور اس کا مردہ حلال ہے اس لئے وہ ایسی مچھلی کو بھی جائز رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو خون جائز ہیں۔ دو مردہ جانور تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

احرام کی حالت میں بری شکار کا حکم: قولہ ﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا ﴾ یعنی حالت احرام میں تم کو بر کا شکار کرنا حرام ہے۔ اگر عمداً ایسا کرو گے تو گنہگار بھی ہو گے اور تاوان بھی دینا پڑے گا اور خطا سے کیا ہے تو تاوان دینے کے بعد سزا اٹھ جائے گی لیکن اس شکار کا کھانا حرام ہو گا اس لئے کہ وہ اس کے حق میں مثل میتہ کے ہے اور امام شافعیؒ و مالکؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ

احرام والوں اور غیر احرام والوں سب کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔ پس وہ شکاری اگر اس میں سے کچھ کھالے تو کیا اس پر ڈبل فدیہ لازم آ جائے گا۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ہاں دگنا فدیہ لازم آئے گا۔ عطاءؒ سے روایت ہے کہ اگر محرم شکاری اس کو ذبح کرے اور کھالے تو دو کفارے لازم آئیں گے۔ ایک جماعت علماء کا مذہب یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے کھانے پر دوسرا فدیہ لازم نہ آئے گا۔ مالک بن انسؒ کا یہی مذہب ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ زانی نے حد مارے جانے سے پہلے بار بار وطی کی تو اس پر ایک ہی حد واجب ہو گی۔ ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اپنے شکار کا گوشت کھا لینے پر اپنی غذا کی قیمت دینی لازم آئے گی اس سے زیادہ نہیں۔ ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں محرم پر صرف کفارہ لازم آئے گا اور اس صید میں سے کھانا اس کے لئے حلال ہے لیکن میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ وہ اس میں سے کھائے کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہ حالت احرام صید بر تم پر حلال ہے بشرطیکہ خود تم نے اس کا شکار نہ کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔ اس حدیث کا بیان آگے آئے گا لیکن شکاری کے لئے اس کا کھانا جائز قرار دینا یہ عجیب بات ہے۔ لیکن غیر شکاری کے لئے محرم کے شکار کے بارے میں اختلاف ہے اور ہم نے سابق میں بیان کر دیا ہے کہ جائز نہیں۔ لیکن بعض لوگ غیر شکاری کو اس کا کھانا جائز کہتے ہیں اور محرم اور غیر محرم سب کو یکساں قرار دیتے ہیں۔

جب غیر محرم شکار کرے اور محرم کو ہدیہ بھیجے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے لئے مطلقاً جائز ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ خود اس کے لئے شکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ابو ہریرہؓ سے غیر محرم کے شکار کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کا کھانا محرم کو حلال ہے تو فتویٰ دیا کہ ہاں کھا سکتا ہے۔ پھر عمر بن خطابؓ سے ملاقات ہوئی' انہیں علم ہوا تو کہا کہ اس کے خلاف اگر تم فتویٰ دیتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ لیکن دوسرے لوگ بالکلیہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ کی آیت عام ہے۔ حضرت علی محرم کے لئے "اکل لحم صید" مکروہ کہتے ہیں اور مالکؒ وشافعیؒ اور احمدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ غیر محرم نے اگر محرم کی خاطر شکار کیا ہو تو محرم کو اس کا کھانا اب جائز نہیں۔ صعب بن جثامہ نے نبی اکرم علیہ السلام کو ایک گورخر ہدیہ بھیجا تھا تو آپ علیہ السلام نے واپس کر دیا تھا اور جب آپ علیہ السلام نے بھیجنے والے کے چہرے پر کچھ آثار رنج محسوس کئے تو فرمایا کہ میں تو صرف محرم ہونے کی وجہ سے نہیں کھاتا ہوں۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں الفاظ کثیرہ کے ساتھ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم علیہ السلام نے گمان کیا تھا کہ یہ صرف آپ کی خاطر شکار کیا گیا تھا اس لئے واپس کیا اور اگر کوئی شکار محرم کے واسطے نہ کیا گیا ہو تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ابو قتادہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک گورخر شکار کیا تھا اور وہ محرم نہیں تھے اور ان کے اصحاب محرم تھے تو وہ اس کے کھانے سے باز رہے اور حضرت علیہ السلام سے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے شکاری کو شکار کرنے کے لئے شکار بتایا تھا یا اس کے قتل میں مدد دی تھی؟ تو اصحاب نے کہا' نہیں۔ تو فرمایا کہ پھر تو کھاؤ اور خود آپ نے بھی کھایا۔

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ صید بر تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ خود تم نے بحالت احرام شکار نہ کیا ہو یا تمہارے ایماء سے یا تمہارے مقصد سے شکار نہ کیا گیا ہو۔ عامر بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفانؓ کو جب وہ عرج میں تھے اور محرم تھے سرما کا زمانہ تھا دیکھا کہ آپ نے اپنا چہرہ ارغوانی چادر سے چھپا لیا تھا۔ پھر شکار کا گوشت لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اصحاب سے کہا کہ تم لوگ کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا کیونکہ شکار میری خاطر کیا گیا ہے اور تمہاری خاطر نہیں کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ ع ۱۳

وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾
قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! تاکہ تم کامیاب ہو۔ اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں۔ سوالات گزشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔ ایسی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کا حق نہ بجالائے۔

رزق حلال پر قناعت: اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ خبیث اور طیب دونوں برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ خبیث کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو۔ اے انسان تھوڑی سی حلال چیز جو نافع ہو وہ اس کثیر حرام سے بہتر ہے جو مضرت بخش ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کم چیز اور کفایت کرنے والی چیز اچھی ہے کثیر چیز سے جو اللہ تعالیٰ سے غافل بنانے والی ہے۔ ثعلبہ ابن حاطب الانصاریؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہت سا مال عطا فرمائے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرو وہ اس کثیر سے اچھا ہے جس کا شکر ادا نہ کرو۔ پس اے صحیح عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' حرام سے بچو' حلال پر قناعت کرو' شاید تم دین اور دنیا میں فلاح پا سکو۔

بے جا سوالوں کی ممانعت: پھر فرمایا کہ اے ایمان والو! ایسے سوالات مت کرو کہ اگر ان کے جوابات ظاہر ہو جائیں تو تمہیں سخت رنج پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عباد مومنین کو تادیب ہے اور غیر مفید و مضر سوالات کے پوچھنے سے ممانعت ہے کیونکہ اگر یہ امور ظاہر ہو جائیں گے تو انہیں سن کر سخت ناگوار ہو گا اور رنج پہنچے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مجھے کسی کی کوئی خبر لا کر نہ پہنچایا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سے سامنا ہو تو میرا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف رہے اور کسی کی طرف سے دل میں کوئی خلش پیدا ہونے نہ پائے۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا تھا کہ ایسا خطبہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم وہ سب کچھ جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو بہت تھوڑا ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنا منہ ڈھک کر رونے لگے۔ ایک آدمی اٹھ کر پوچھنے لگا کہ حضرت میرا باپ کون تھا؟ کہا فلاں تھا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ ﴿ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ﴾ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن بعض صحابہؓ نے آں حضرت ﷺ سے کچھ سوالات کئے اور بہ اصرار کئے تو آپ ﷺ منبر پر آئے اور فرمانے لگے کہ آج جو بات مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھو میں سب کچھ تمہارے حالات بیان کر دوں گا۔ اصحاب النبی ﷺ یہ سن کر کانپ اٹھے کہ کوئی نئی بات ظاہر ہونے والی ہے اور میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا صحابہؓ اپنا منہ کپڑے سے ڈھانکے ہوئے رو رہے تھے۔ ایک آدمی اٹھا جس کو لوگ اس کے باپ میں بدنام کرتے تھے۔ کہنے لگا یا نبی اللہ ﷺ! میرا باپ کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا حذافہ تھا۔ پھر عمرؓ اٹھے اور کہنے لگے ہمیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے' اسلام ہمارا دین ہے' محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں۔ ہم کسی فتنے کے ظاہر ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی طرح میں نے کبھی خیر و شر کو عیاں نہیں دیکھا۔ جنت اور دوزخ اس طرح میرے سامنے مجسم ہے گویا اس دیوار کے پیچھے ہی واقع ہے۔ ابن حذافہ کے پوچھنے پر ام عبد اللہ بن حذافہ کہنے لگی کہ تجھ سے زیادہ نالائق لڑکا میں نے نہیں دیکھا تجھے کیا معلوم کہ ایام جاہلیت میں کیا کیا ہوا کرتا تھا اگر فرض کرو میں بھی اس زمانے میں کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتی تو آج نبی اکرم ﷺ کی زبان پر لوگوں کے سامنے تیری بدولت رسوا ہونا پڑتا۔ عبد اللہ کہنے لگے کہ اگر کوئی حبشی

غلام بھی میرا باپ قرار پاتا تو میں اپنے کو اسی کی طرف منسوب کرتا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو غضبناک تھے چہرہ سرخ تھا۔ منبر پر بیٹھ گئے۔ ایک آدمی اٹھ کر پوچھنے لگا کہ میرا متوفی باپ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ عمرؓ کھڑے ہوگئے یا کہنے لگے بس کافی ہے ہمارے لئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے' اسلام ہمارا دین ہے اور محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں' قرآن ہمارا امام ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم عہد جاہلیت اور عہد شرک سے بہت قریب ہیں' اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے کہ ہمارے آباء واجداد کون تھے۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور یہ آیت اتری کہ ایسے سوالات نہ کرو کہ بات ظاہر ہو جائے تو تمہیں رنج پہنچے۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک روز جب کہ حضرت ﷺ غضب میں تھے اٹھ کر فرمانے لگے کہ پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ جو کچھ تم پوچھو گے بتادوں گا۔ یہ سن کر بنی سہم کا ایک قریشی اٹھا جس کے باپ کے بارے میں طعن کیا جاتا تھا۔ پوچھنے لگا حضرت میرا باپ کون تھا۔ تو آپ ﷺ نے اس کو اس کے باپ کی طرف ہی منسوب کیا۔ عمرؓ اٹھے اور کہا حضرت! ہماری خطا معاف کر دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے۔ آپ نے مسلسل درخواست کی' حتیٰ کہ حضرت ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فرمانے لگے زانیہ کا لڑکا باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور زانی پر پتھر پڑیں گے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لوگ نبی اکرم ﷺ سے ظرافت و خوش طبعی کے طور پر بھی پوچھتے تھے کہ میرا باپ کون ہے۔ کوئی کہتا کہ میری گم شدہ ناقہ کہاں ہے۔ چنانچہ سوالات سے ممانعت کی آیت اتری۔

علیؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ یعنی جس کو قدرت ہو اس پر حج کرنا فرض ہے۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہر سال؟ تو آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ دوبارہ پوچھا کیا ہر سال؟ آپ ﷺ پھر خاموش ہوگئے۔ تیسری بار پھر پوچھا تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال تم پر حج فرض ہو جائے گا جس کی تم قدرت نہ رکھو گے اور اگر ادا نہ کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ممانعت سوال کی آیت اتری۔ ایک آدمی نے بھی اسی طرح پوچھا تھا کہ کیا ہر سال حج کریں تو آپ ﷺ چیخ اٹھے کہ چپ کرو' یا اس پر غضب ناک ہوگئے کچھ عرصہ تک ٹھہرے رہے پھر فرمایا کس نے سوال کیا تھا اعرابی نے کہا میں نے آپ ﷺ نے فرمایا کم بخت اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فریضہ حج سے تجھے کون بچا سکتا تھا۔ یقیناً تم لوگ ادا نہ کرتے۔ تم سے پہلے کی امتیں اسی طرح تو ہلاک ہوئیں' اگر میں تمہارے لئے ساری دنیا و مافیہا بھی حلال کر دوں اور قدم برابر جگہ حرام کر دوں تو اسی کی حرص تمہیں دامن گیر ہو جائے گی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اگر تمہارے سوال کا جواب دے دیا جائے تو تم پر نہایت شاق ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ ﴾ قرآن نازل ہوتے وقت اگر تم پوچھو گے جس کی تمہیں ممانعت کر دی گئی ہے تو یقین رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سوال پر روشنی ڈال دے گا۔ پھر کیا کرو گے اور یہ بات تو اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ لیکن جو گزر چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اللہ تعالیٰ بڑا غفور ہے حلیم ہے اس لئے ہرگز کوئی نیا سوال بلا وجہ نہ کر بیٹھو ورنہ جواب میں تم پر سختی اور تنگی وارد ہو جائے گی' اور یہ اپنے ہاتھوں مصیبت مول لینا ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال کی وجہ سے ایک غیر حرام چیز محض بربناء وضاحت حرام ہو گئی اور لوگوں پر تنگی پیدا ہو گئی۔ ہاں قرآن کی کوئی بات بوجہ اجمال سمجھ میں نہ آتی ہو اور تم سمجھنا چاہو تو پوچھ لو میں بیان کر دوں گا۔ کیونکہ تم تعمیل حکم کے لئے اس کی ضرورت رکھتے ہو۔ اگر کتاب میں کچھ مذکور نہ ہو اور تم نے کیا تو تمہارے عمل کی تم سے باز پرس نہیں' تو تم بھی کسی سوال سے متعلق چپ سادھ لیا کرو' جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جو بیان نہیں کیا اس کو غیر بیان شدہ ہی رہنے دو۔ کثرت سوال نے اور انبیاء علیہم السلام کے حکم سے اختلاف کرنے ہی نے اگلی قوموں کو تباہ کیا ہے۔ حضرت

ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرائض قرار دے دیے ہیں۔ ان کو ضائع نہ ہونے دو اور عمل کے حدود مقرر کر دیئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو باتیں حرام کی گئی ہیں ان کے مرتکب نہ ہو۔ میں بعض باتوں سے عمداً ساکت ہوں' یہ تم پر اقتضاء رحمت کی بناء پر ہے۔ میں بھول جانے کے سبب ساکت نہیں ہوا ہوں اسلئے ہر گز سوالات نہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مسائل ممنوعہ کا سوال تم سے پہلے کی قوموں نے کیا تھا۔ جواب دیا گیا۔ سختی عائد ہو جانے کی وجہ سے انہوں نے عمل نہیں کیا اور کافر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے بربنائے طلب ہدایت سوال نہیں کیا تھا بلکہ بربنائے استہزاء و عناد۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جو چھوڑ دیا تم بھی چھوڑ دو اور میں جو حکم دوں اختیار کرو۔ نصاریٰ نے جیسا سوال کیا تھا تم ایسا کرنے سے باز رہو۔ انہوں نے مائدہ مانگا تھا لیکن اس کے باوجود کفر کیا اور مائدہ کی قدر نہ کی۔ پوچھنے کے بجائے خود میرے کہنے کا انتظار کرو۔ تمہارے پوچھنے کے بغیر ہی قرآن خود تمہارے سوال کی وضاحت میں نازل ہو جائے گا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بحیرہ اور وصیلہ اور سائبہ اور حام سے متعلق سوالات کرنے کی ممانعت ہے دیکھو ﴿ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ﴾ کے بعد ہی ﴿ مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ ﴾ وغیرہ ہے۔

عکرمہؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ معجزات کے بارے میں سوالات کرتے تھے جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ قریش نبی اکرم ﷺ سے باغات اور نہریں مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ کوہ صفا کو ہمارے لئے سونا بنا دو وغیرہ وغیرہ جیسا کہ یہود کے مطالبات تھے کہ موسیٰ! آسمان سے ہمارے لئے کتاب اتار دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ وَمَامَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ﴾ جب کبھی ہم نے ان کے مطالبہ پر اپنے معجزے بھیجے تو سابقہ لوگوں نے تکذیب کر دی۔ ہم نے ثمود کو اپنی روشن دلیل ناقہ دی۔ انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ ہمارے معجزے صرف تخویف کے لئے آتے ہیں۔ وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس معجزہ آئے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے۔ اے نبی! کہہ دو کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں' تم سمجھتے نہیں' اگر معجزے آئیں گے تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے ہم نے ان کے دلوں کو الٹ دیا ہے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ حسب سابق وہ ایمان لائیں گے ہی نہیں۔ ہم ان کی سرکشیوں میں ان کو اور بھٹکا رہے ہیں اگر ہم ان پر ملائکہ بھی نازل کر دیں' مردے جی کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور ہر سابقہ چیز زندہ ہو کر ان کے سامنے آ موجود ہو تو بھی یہ ایمان نہ لائیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے وہ ایمان اختیار کرے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا گیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کی حقیقت: بحیرہ وہ مویشی ہے جس کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بتوں کے نام ہے۔ کوئی یہ دودھ نہیں پیتا تھا۔ سائبہ وہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر نہ سامان لادا جاتا نہ سواری کی جاتی۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا طریقہ رائج کیا۔ اور وصیلہ وہ ناقہ ہے جس سے پہلی دفعہ ایک نر پیدا ہو پھر متواتر دو مادہ پیدا ہوں۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں اور حام وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوں اور جب نسل بہت بڑھ چکی ہو تو اس سے نہ بار برداری کا کام لیا جاتا نہ سواری کا' بتوں کے حوالے کر دیتے۔ یہ سب عمرو کے ایجادات تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ ایک آگ کو دوسری آگ کو کھائے جا رہی ہے عمرو اس میں گھسٹتا ہوا چل رہا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے ''سائبہ'' کی رسم ڈالی۔ رسول اللہ ﷺ اکثم بن الجونؓ سے فرماتے تھے کہ اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دوزخ میں دیکھا۔ تم سے بڑھ کر اس کا ہم شکل دوسرا نہیں' نہ اس سے بڑھ کر تمہارا ہم شکل کوئی ہے بالکل تمہارے ہی جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اکثم نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کا گمان ہے کہ اس کی یہ مشابہت میرے لئے مضر ہو گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا' نہیں' تم مومن ہو اور وہ کافر۔ اسی نے سب سے پہلے دین ابراہیم علیہ السلام میں رخنہ اندازی کی۔ بحیرہ' سائبہ اور حام کی بدعتیں رائج کیں۔ صنم پرستی کرنا' سائبہ بنانا' یہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہی نے کیا ہے۔ میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین ابراہیم علیہ السلام میں تغیر ڈالنا یہ عمرو بن لحی کا کام ہے جو بنی کعب کے قبیلہ کا تھا۔ وہ دوزخ میں ہے اس کی بدبو دوسرے اہل النار کو سخت تکلیف پہنچاتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بحیرہ کی بدعت کا بانی موجد ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قبیلہ بنی مدلج کا ایک آدمی تھا' اس کی دو اونٹنیاں تھیں اس نے ان دونوں کے کان کاٹ دیے پہلے تو ان کا دودھ پینا حرام کر لیا پھر چند روز کے بعد پینا شروع کر دیا۔ وہ دوزخ میں ہے یہ اونٹنیاں اس کو اپنے منہ سے کاٹ رہی ہیں اور پاؤں سے روند رہی ہیں۔ یہی عمرو لحی بن قمعہ کا بیٹا ہے' رؤساء خزاعہ میں سے تھا۔ قبیلہ جرہم کے بعد کعبہ کی تولیت خزاعہ ہی کو ملی تھی۔ دین ابراہیمی کو سب سے پہلے متغیر کرنے والا اور حجاز میں اصنام پرستی داخل کرنے والا اور لوگوں کو بتوں کی پرستش اور ان کے تقرب کی طرف بلانے والا۔ جانوروں اور مویشیوں وغیرہ کے بارے میں ایام جاہلیت میں سب سے پہلے بدعات اس میں رائج کرنے والا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں فرمایا ہے۔ ﴿ وجعلوا للّٰہ ممّا ذرامن الحرث و الانعام نصیبا ﴾ کھیت سے جو کچھ پیداوار ہو' یا جانوروں سے' ان کا صرف ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا سمجھتے تھے اور باقی بتوں کے نام کا۔ بحیرہ اس ناقہ کو کہتے ہیں کہ جب پانچ بچے جن چکے اور پانچواں نر ہو تو اس کو ذبح کر کے صرف مرد اس کا گوشت کھالیں' عورتوں پر اس کا گوشت حرام سمجھتے اور اگر وہ مادہ ہو تو اس کا کان کاٹ دیتے اور کہتے کہ اس کا نام بحیرہ ہے۔ سدیؒ وغیرہ نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ سائبہ اس بکرے کو کہتے ہیں جس پر بحیرہ کی تعریف صادق آئے۔ لیکن چھ مادہ ہو جانے کے بعد ساتویں حمل ایک یا دو نر ہوں تو اس کو ذبح کر دیتے تھے اور صرف مرد ہی اس کو کھا سکتے' عورتوں پر اس کا گوشت حرام ہوتا تھا۔ اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ سائبہ وہ ناقہ ہے کہ جب مسلسل دس مادہ جن چکے تو یہ بت کے نام پر چھوڑ دی جاتی اس سے سواری نہیں لی جاتی۔ اس کے بال نہیں کاٹے جاتے' نہ اس کا دودھ دوہا جاتا مگر مہمان آ جائے تو اس کو اس ناقہ کا دودھ پلایا جا سکتا تھا۔ ابو روق کہتے ہیں کہ سائبہ اس ناقہ و غنم وغیرہ کو کہتے تھے کہ جب آدمی کسی کام سے نکلے اور وہ کام پورا ہو گیا تو اب اس جانور کو سائبہ بنا دیا جاتا اور بت کے نام پر چڑھا دیا جاتا اس کی اولاد بھی بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب کسی غرض سے نکلتا یا مرض سے تندرستی پاتا یا اس کے مال و متاع میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا تو اپنا کچھ مال بتوں کے نام پر چڑھا دیتا اور اگر ایسے مال یا مویشی سے کوئی تعرض کرتا تو اسے سخت عقوبت دی جاتی۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ جب سات جھول دے دے اور ساتواں اگر نر ہو اور مردہ پیدا ہوا ہو تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں اور ساتویں بطن میں مادہ ہو تو اس کو زندہ رہنے دیا جاتا اور اگر اس بطن میں نر اور مادہ

دونوں پیدا ہوئے ہوں تو دونوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور کہتے کہ ساتھ والی مادہ نے نر کو بھی وصیلہ بنادیا۔ اور اب وہ بھی ہم پر حرام ہے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ ناقہ ہے کہ پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ مادہ ہی جنے تو کہتے کہ متصل دو مادہ پیدا ہوئے چنانچہ دوسری کے کان کاٹ دیتے اور وہ بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ پانچ جھول میں دس مادہ بچے جنے ہر بطن میں دو دو۔ اس کو چھوڑ دیا جاتا اس کے بعد اس کے جو بھی اولاد ہوتی' خواہ نر یا مادہ تو صرف مرد کھاتے عورتیں نہ کھاتیں' اور اگر مردہ پیدا ہوتی تو پھر دونوں کھاتے اور کسی نر کے دس بچے ہو چکے ہوں تو اس کو بھی بت کے نام پر قرار دیتے اور چھوڑ دیتے' اس کو "حام" کہتے۔ اس پر بار برداری نہ کرتے نہ اس کے بال کاٹتے کسی کے بھی کھیت اور کسی کے بھی چشمے سے اس جانور کو پانی پینے کی اجازت ہوتی' کوئی نہ روکتا۔

مالک بن نضلہؒ کہتے ہیں کہ میں پرانے بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ مال ہے؟ میں نے کہا اونٹ' بکرے اور گھوڑوں کے منڈلے (یعنی بڑی تعداد میں ہیں) لونڈی غلام بھی ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت دی ہے تو تجھ پر دولت کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں۔ اور کیا تمہارے اونٹوں کے بچے سالم کانوں والے پیدا ہوتے ہیں۔ تو میں نے کہا ہاں' لیکن کیا اونٹ کے بچے سالم کانوں کے بغیر بھی پیدا ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان بعض بچوں کے استرے سے تم کان کاٹ دیا کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اب یہ بحیرہ ہو گیا اب یہ ہم پر حرام ہے تو میں نے کہا ہم ایسا بھی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہ کرنا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے سب حلال ہے کوئی حرام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حام کی اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی سند نہیں۔ بحیرہ کے کان کاٹ دیتے ہو عورتوں میں سے تم کسی کو بھی اس بحیرہ سے کسی حیثیت سے بھی مستفید نہیں ہونے دیتے۔ سائبہ کو بتوں کے نام پر چڑھاتے ہو۔ بکری جب ساتواں جھول دے تو اس کے کان اور سینگ کاٹ کر چھوڑ دیتے ہو۔ وہ چاہے جس کھیت میں چرے اور جس حوض سے پانی پئے اس کو روکا نہیں جاتا۔ اس کو وصیلہ کہتے ہو۔ حدیث میں ان الفاظ کی یوں تفسیر بیان کی گئی ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ یعنی یہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں قرار دیا نہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس وجہ قربت ہیں یہ مشرکین کی افترا پردازی ہے۔ انہوں نے اس کو شرع بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس وجہ قربت سمجھتے ہیں یہ تو حاصل نہ ہو گا بلکہ اور ان پر وبال پڑے گا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ہی ٹھیک ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باپ دادا بھی باطل ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی حق سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ پھر تم ان کی پیروی کیسے کر سکتے ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ جاہل اور گمراہ ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ١٠٥

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو' جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔

﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ کی تفسیر اور ﴿ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم اپنی ذات سے ٹھیک رہو نیکیوں کی ممکنہ کوشش کرتے رہو۔ جس نے آپ اپنی اصلاح کر لی چاہے قریب و بعید کی ساری دنیا فساد پذیر ہو' تم پر کوئی آنچ نہیں۔ جب بندہ حلال و حرام میں میری اطاعت کرے تو کوئی کتنا ہی گمراہ کیوں نہ ہو جائے' اس کو کوئی مضرت نہیں۔ تم

سب اللہ تعالیٰ کی طرف آنے والے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بتادے گا کہ تم اچھا کرتے تھے یا برا کرتے تھے جس کا عمل نیک ہو گا اس کو اچھی جزا ملے گی اور جس کا بد عمل ہو گا اس کو بری سزا ملے گی۔ اس آیت کے مفہوم سے یہ دلیل نہیں لی جاسکتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری نہیں رہا۔ ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی' پھر کہا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو لیکن اس کے مفہوم پر اس کو نہیں رہنے دیتے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر کوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھر اسے غیرت نہ آئے اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو عذاب میں گھسیٹ لے۔ اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔ جھوٹ انسان کو ایمان سے ہٹا دیتا ہے۔ ابوامیہ شعبانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ثعلبہ الخشنیؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ ﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ الخ تو انہوں نے کہا کہ تم نے واللہ بہت ہی باخبر آدمی سے پوچھا۔ سنو! میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی پگڑی سنبھالنے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ رہنا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر برابر کئے جاؤ اس وقت تک کہ لوگ تنگ دل اور تنگ حوصلہ ہو جائیں' زکوٰۃ نہ دیں' خواہشات کی پیروی کرنے لگیں' دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں' ہر شخص اپنی ہی رائے پر اڑنے لگے' کسی ناصح کی کچھ نہ سنے اس وقت الگ تھلگ ہو جاؤ' نابکاروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ تمہارے بعد ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہو گا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ اپنے آپ نیک عمل کر لینے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابر اجر پائے گا۔ کہا گیا یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمارے پچاس آدمی یا اس گروہ کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔

ابن مسعودؓ سے کسی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ آج تو خیر تمہاری بات مان بھی لی جاتی ہے' لیکن قریب تر ایسا زمانہ آنے ہی والا ہے کہ تم خیر خواہی کی بات کہو گے اور وہ تمہارے ساتھ ایسا ایسا برابر تاؤ کرنے لگیں گے' اس وقت چپ چاپ دیکھے جاؤ اور کچھ نہ بولو' وہ گمراہ ہو گئے تو تم پر کچھ آنچ نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی دو آدمیوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا تو ایک دوسرے کی طرف لڑنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا' تو حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ میں اٹھ کر دونوں کو سمجھا دیتا ہوں' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہوں' تو برابر والے نے کہا تجھ کو کیا پڑی ہے' اپنی جگہ بیٹھا رہ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ تو ابن مسعودؓ نے سن کر کہا اس کو نہ روکو' اس آیت کا موقع عمل یہ نہیں ہے قرآن جیسا اترا ہے اترا ہے۔ بعض آیتوں کے اترنے سے پہلے ہی ان کی تاویل کا زمانہ گزر چکا اور بعض ایسی آیتیں ہیں کہ ان کی تاویلیں عہد رسول اللہ ﷺ میں ہو چکیں اور بعض کی تاویلیں حضرت ﷺ کے کچھ دن بعد واقع ہوئیں۔ بعض کی تاویلیں اس زمانے کے بعد اور بعض کی قیامت کے دن۔ جب کہ قیامت برپا ہونے لگے گی اور بعض کی قیامت کے دن جب کہ حساب کتاب ہو رہا ہو گا۔ جب تک تمہارے دل اکٹھے ہیں اور تمہارے جذبات ایک ہیں تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہے اور ایک دوسرے کی برائی کے درپے نہیں ہے اس وقت تک امر و نہی برابر کرتے رہو۔ اور جب دل بگڑ جائیں' فرقہ بندی ہو جائے' ایک دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ واسطے کا بیر رکھنے لگے۔ اس وقت بالکل سب سے الگ تھلگ رہو۔ اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ابن جریرؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔

ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ اب تو آپ بیٹھ رہیں تو اچھا ہے نہ امر بالمعروف کر و نہ نہی عن المنکر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دے دیا ہے۔ تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حق نہیں پہنچتا نہ میرے ساتھیوں کو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ حاضر شخص سن کر غائب کو پہنچائے۔ ہم حاضر کے حکم میں ہیں اور تم غائب کے حکم میں۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو ہمارے بعد آنے والے ہیں کہ اگر انہیں کچھ کہا جائے گا تو قبول نہ کریں گے ابن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا تیز مزاج اور تیز زبان اور کہنے لگا یا ابا عبدالرحمن چھ آدمی ہیں سب کے سب قرآن کے جید عالم کوئی خیر کے سوا شریر النفس نہیں' لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتا ہے۔ تو ایک

آدمی اٹھ کر کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر شرارت نفس اور کیا ہوگی کہ ایک دوسرے کو مشرک کہے' تو اس آدمی نے کہا۔ میں تم سے نہیں پوچھ رہا ہوں میں تو شیخ سے یعنی ابن عمرؓ سے پوچھ رہا ہوں۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ ایسے لوگوں کو کیا سمجھیں؟ تو ابن عمرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ جاؤ انہیں قتل کر دو۔ تم کو تو چاہیے کہ انہیں نصیحت کرو۔ اس بدگوئی سے روکو' اگر وہ نہ مانیں تو تم پر کچھ نہیں۔ ابو مازن کہتے ہیں کہ میں زمانہ عثمان میں مدینہ گیا۔ وہاں چند مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے یہ آیت پڑھی ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ ﴾ تو ابن مازن نے کہا کہ لوگ اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا اور میں سب سے کم سن تھا۔ موضوع بحث تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ میں بول اٹھا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ وغیرہ تو سب کے سب میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نہیں جانتے آیت کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ میں نے دل میں کہا۔ کاش میں نہ بولتا۔ پھر وہ تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ جب مجلس برخاست ہونے لگی تو کہا "تم ابھی بچے ہو آیت کا صحیح مصداق نہیں جانتے' لیکن یا عجب تم ایسا زمانہ بھی پالو' جب لوگ تنگ دل ہو جائیں' خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگیں' ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہو کسی کی نہ سنتا ہو"۔ تو یہ وہی زمانہ ہے۔ حسنؒ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے گزشتہ مومنوں میں بھی اور موجودہ مومنوں میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ ہی منافق ہیں لیکن وہ ان کے عمل کو برا سمجھتے ہیں۔ کعبؒ کہتے ہیں کہ یہ زمانہ اس وقت آئے گا جب کہ دمشق کے کنیسہ کو گرا کر مسجد بنا دیا جائے گا۔ یعنی تعصب بڑھ جائے گا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا
عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ
ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى
اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ
اَيْمَانِهِمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے۔ جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو۔ پھر دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہوتا اور

اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے۔ پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا۔ ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے۔ یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو! اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو رہ نمائی نہ کریں گے۔

سفر میں میت کا وصیت کرنا: یہ آیت کریمہ ایک حکم عزیز پر مشتمل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ بحیثیت ترکیب نحوی ﴿ اثنان ﴾ خبر ہے اور ﴿ شھادۃ بینکم ﴾ جملہ میں مبتدا کی حیثیت رکھتا ہے ﴿ یعنی شھادۃ بینکم شھادۃ اثنان ﴾ دوسرا لفظ ﴿ شھادۃ ﴾ بحیثیت مضاف تھا جو حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ یعنی اثنان ہی کو اس کا قائم مقام قرار دے دیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ یشھد اثنان ﴾ سمجھا جائے ﴿ ذوا عدل اثنان ﴾ کی صفت ہے بمعنی ﴿ عدلان منکم ﴾ سے ﴿ من المسلمین ﴾ مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ منکم سے وصیت کرنے والے مراد ہیں۔ ﴿ من غیرکم سے من غیر المسلمین ﴾ یا اہل کتاب مراد ہیں۔ یعنی موصی کے قبیلے کے دو گواہ ہوں اور دو غیر قبیلہ موصی ہو۔ ﴿ ضربتم فی الارض ﴾ سے مراد یہ کہ جب تم سفر میں ہو اور تمہیں موت آ جائے تو تم مسلمانوں میں سے دو گواہ ہوں اور مسلمان نہ ہوں تو غیر مسلم ہی سہی۔ یہاں اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ سفر میں وصیت کے وقت جب مسلمان موجود نہ ہوں تو ذمیوں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ شریح کہتے ہیں کہ سفر اور وصیت کے وقت کے سوا یہود و نصاریٰ کی شہادت کسی اور وقت جائز نہیں۔ تینوں ائمہ نے مسلمان پر اہل ذمہ کی شہادت جائز نہیں سمجھی اور امام ابو حنیفہؒ ذمی کی گواہی ذمی پر جائز قرار دیتے ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ طریق سنت یہی ہے کہ کافر کی شہادت نہ سفر میں جائز ہے نہ حضر میں' شہادت کا حق صرف مسلمان ہی کو ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت اتری جب کہ ایک آدمی مر گیا اور اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ شروع اسلام کا زمانہ تھا سب شہر دار الحرب تھے۔ لوگ کافر تھے' وراثت کا کوئی قانون نہ تھا۔ بطور وصیت تقسیم ہوتی تھی۔ پھر وصیت منسوخ ہو گئی اور وراثت فرض ہو گئی اور لوگ قانون وراثت پر عمل کرنے لگے۔ ابن جریرؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ یہ چیز ذرا قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ﴿ اخرن من غیرکم ﴾ سے کیا مراد ہے کہ دونوں وصی ہوں یا گواہ ہوں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے سفر کیا ہو اس کے ساتھ مال ہو تو اگر مسلمانوں میں سے دو آدمی پائے تو اپنا ترکہ ان کے سپرد کر دے اور دو مسلمان گواہوں کو بھی اس پر گواہ بنالے۔ یہ تو وصی بنانے کی صورت تھی اور اگر ﴿ من غیرکم ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ ہوں اور ظاہر سیاق آیت کریمہ یہی ہے۔ پس اگر ان دونوں کے ساتھ تیسرا وصی موجود نہ ہو تو ان دونوں گواہوں میں وصایۃ اور شہادۃ کے دونوں اوصاف بھی پائے جاتے ہوں۔ جیسا کہ قصہ تمیم داری اور عدی بن بداء میں مذکور ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آئے گا۔ ابن جریرؒ نے ایک اشکال پیش کیا ہے کہ جب یہ دونوں گواہ ہوں تو گواہ پر تو قسم نہیں ہوا کرتی۔ لیکن یہ ایک مستقل حکم سمجھا جائے گا دیگر تمام احکام کا قیاس اس پر نہ ہو گا۔ یہ ایک خاص شہادت ہے اور خاص موقع کے لئے۔ اس میں اور بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں۔ ہاں جب شک کا قرینہ ہو تو اس آیت کے احکام کے مطابق ان گواہوں پر قسم ہے۔ ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو یعنی نماز عصر کے بعد۔ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں گواہوں کی مذہبی نماز کے بعد۔ مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ نماز کے بعد جمع ہوں تاکہ اجتماع کثیر کے موقع پر یہ گواہی عمل میں آئے ﴿ ان ارتبتم ﴾ یعنی اگر تمہیں شک ہو کہ وہ غلط بیان کریں گے یا خیانت کریں گے تو ایسی صورت میں انہیں قسم بھی کھلا دیں کہ دنیائے فانی کی تھوڑی سی کمائی ہم جھوٹی قسم کے ذریعہ نہیں کمائیں گے۔ اگرچہ ہماری قسم سے کسی ہمارے رشتہ دار کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے ہم اللہ تعالیٰ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔ امر شہادت کی اہمیت کے سبب شہادت کی

اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ اگر ہم نے شہادت میں تحریف و تبدیل کر دی یا اس کو بالکلیہ چھپا ڈالا تو ہم گنہ گاروں میں سے ہوں گے۔ پھر اگر ان دونوں گواہوں یا وصیوں کے بارے میں متحقق اور ثابت ہو جائے کہ انہوں نے خیانت کی اور متوفی کا مال وارثوں کو پہنچانے میں کچھ غبن کیا تو جن کا حق مارا گیا ہے ان میں سے دو گواہ ان کی بجائے اٹھ کھڑے ہوں۔ ﴿ اَوْلَیٰنِ ﴾ یہ جمہور کی قراءت ہے اور حسن بصری وغیرہ اس کو ﴿ اَوَّلَانِ ﴾ پڑھتے ہیں۔ علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ﴿ اَوْلَیٰنِ ﴾ پڑھا تھا۔ ابن عباسؓ اولیین پڑھتے ہیں۔ جمہور کی قرآت ﴿ اَوْلَیٰنِ ﴾ کی بناء پر یہ معنی ہیں کہ جب خبر صحیح سے ان دونوں کی خیانت متحقق ہو جائے تو مستحقین ترکہ میں سے دو وارث کھڑے ہوں اور چاہئے کہ یہ دونوں ورثاء میں سے سب قریب تر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کریں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ صحیح ہے۔ ان دونوں نے درحقیقت خیانت کی ہے اور اس الزام میں ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم نے جھوٹ الزام لگایا ہو تو ہم گنہگار ہیں۔ اللہ ہمیں سمجھے۔ یہ وارثوں کی طرف سے گویا قسم ہے جیسا کہ مقتول کے اولیاء قسم کھاتے ہیں جب کہ قاتل کی جانب سے بے ایمانی ثابت ہو رہی ہو جیسا کہ احکام کے باب قسامت میں مقرر ہے اور حدیث نبوی بھی اسی طرح وارد ہوئی ہے جس پر کہ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

تمیم داریؓ مسلمان ہونے کے بعد اس آیت ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس گناہ سے دوسرے سب لوگ بری ہیں لیکن میں اور عدی بن بداء اس جرم کے مجرم ہیں۔ یہ دونوں نصرانی تھے۔ اسلام سے پہلے شام کی طرف آتے جاتے تھے۔ چنانچہ تجارت کی غرض سے شام آئے ہوئے تھے ان کے پاس بنی سہم کا غلام بھی تجارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس کا نام بدیل بن ابی مریم تھا۔ اس کے ساتھ تجارت کی غرض سے چاندی کا ایک پیالہ تھا جو ملک شام کے لئے لایا تھا اور یہ اس کے مال تجارت میں سب سے اہم چیز تھی۔ بیمار ہو گیا تو ان دونوں کو وصی بنایا اور کہا کہ اس کا ترکہ اس کے اہل و عیال کو پہنچا دیا جائے۔ تمیم داری کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو یہ جام ہم نے لے کر ایک ہزار درہم میں بیچ دیا اور آپس میں ہم دونوں نے رقم تقسیم کر لی اور باقی مال اس کے اہل کو لا کر دے دیا۔ ان لوگوں نے جام کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے کہا جو کچھ تھا ہم نے لا کر دے دیا جام کی ہم کو خبر نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے بعد جب میں مسلمان ہو گیا تو میں ان لوگوں کے پاس آیا اور صحیح واقعہ کہہ سنایا اور انہیں پانچ سو درہم اپنے حصے کے دے دیئے اور کہا۔ اتنی ہی رقم میرے ساتھی کے پاس بھی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اس کے پاس آدھمکے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس کے مذہب کی بنا پر قسم لیں۔ اس نے قسم کھالی۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ اب عمرو ابن العاص اور ایک دوسرا شخص اٹھے اور قسم کھائی کہ ﴿ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ چنانچہ عدی سے پانچ سو درہم لے لئے گئے۔ اور یہ جام مکہ میں پایا گیا۔ خریداروں نے کہا کہ ہم نے اس کو تمیم اور عدی سے خریدا تھا۔ تو سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی اٹھے اور قسم کھائی کہ ہماری قسم اس کی قسم سے سچی ہے اور یہ جام ہمارے ساتھی کا ہے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اتری تھی۔ اور بیان کیا گیا کہ یہ تحلیف بعد صلوۃ عصر ہوئی تھی۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ سلف میں اس واقعہ کی صحت مشہور اور عوام میں متعارف ہے۔ اس کی صحت کی یہ بھی دلیل ہے کہ ابو جعفر ابن جریر نے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان کی وفات پردیس میں ہو گئی اور وصی بنانے کے لئے وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا تو مرنے والے نے اہل کتاب میں سے دو افراد کو گواہ بنا لیا۔ اب یہ دونوں ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس کوفے آئے اور مرنے والے کا ترکہ اور وصیت پیش کی تو اشعری نے کہا کہ ایسا ہی ایک واقعہ تو نبی اکرم ﷺ کے پاس پیش ہوا تھا اور اب یہ دوسرا ہے۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ان دونوں کو قسم دی گئی کہ ہم نے نہ خیانت کی ہے نہ جھوٹ کہا نہ کچھ چھپایا اور یہ متوفی کے ترکے اور وصیت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ان کی شہادت صحیح مان لی گئی۔ اور اسی شہادت پر اشعری نے فیصلہ کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایسے ہی واقعہ سے مراد تمیم و عدی کا قصہ تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ تمیم داری کا واقعہ قبول اسلام ۹ ھجری کا ہے اور ظاہر ہے کہ اشعری والا واقعہ دوسرا واقعہ تھا۔

اس آیت میں حکم ہے کہ مرنے والا موت کے وقت وصی بنادے اور دو مسلمان گواہ قرار دے کہ اس کو کیا لینا اور کیا دینا ہے۔
یہ تو بحالت حضر کا مسئلہ تھا جو اس آیت کی بنا پر تھا کہ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ اور سفر کے بارے میں ہے کہ ﴿ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ﴾ جب کہ کوئی مسلمان بوقت مرگ موجود نہ ہو تو یہود و نصاریٰ یا مجوسی سے دو آدمی لے لیں اور انہیں وصیت کر کے میراث ان کے سپرد کر دیں۔ اب اگر اہل میت نے وصیت کو صحیح مان لیا تو ٹھیک ورنہ مقتدر کے پاس مقدمہ پیش ہوگا۔ اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ یعنی اگر تمہیں ان کی صداقت پر شک ہو تو نماز کے بعد انہیں اللہ کی قسم دلاؤ۔ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اہل میت نے انکار کیا تھا اور ان دونوں گواہوں کو ڈرایا دھمکایا۔ تو ابو موسیٰ اشعری نے ان دونوں کو نماز عصر کے بعد قسم دلائی۔ میں نے کہا کہ ہماری نماز کی انہیں کیا وقعت ہو سکتی ہے انہیں تو ان کی نماز کے بعد قسم دلائی جائے چنانچہ اپنے مذہب کی رو سے نماز پڑھنے کے بعد انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم تھوڑے سے مال کے لئے اپنی قسموں کو نہیں بیچیں گے اگرچہ کسی رشتہ دار کی خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔ ورنہ ہم گنہگار ہیں۔ تمہارے ساتھی نے بس یہی وصیت کی تھی اور یہی اس کا ترکہ تھا۔ قسم کھانے سے پہلے امام نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے چھپایا یا خیانت کی تو اپنی قوم میں تم رسوا ہو جاؤ گے اور پھر کبھی تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور تمہیں سزا بھی دی جائے گی۔ تو ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ﴾ یعنی یہی ایک صورت ایسی ہے کہ گواہ اپنی گواہی کو مطابق واقعہ رکھ سکتے ہیں اور انہیں خوف رہے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مسلمانوں کی دوبارہ قسموں کے بعد ہماری پہلی قسمیں رد کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا ﴾ یعنی اگر معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ناجائز طور پر حق دبا لیا ہے تو ان کے قائم مقام اور دو شخص کھڑے ہوں جن کا حق مارا گیا ہے کہ کافروں کی شہادت باطل ہے اور ہم زیادتی نہیں کر رہے ہیں۔ اب کافروں کی شہادت رد کر دی جائے گی اور اولیاء کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

اس آیت کا مقتضیٰ یہی حکم ہے اکثر ائمہ تابعین اور سلف رضوان اللہ علیہم اور امام احمدؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اور قولہ ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ﴾ یعنی اس حکم کی شریعت اسی وجہ پسندیدہ کی بنا پر ہے کہ ذمی شاہدین کو قسم دلائی جائے ﴿ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ﴾ کیا عجب ہے کہ وہ لوگ حلف باللہ کی تعظیم کے لئے اور رسوائی کے خوف سے کہ ورثاء اگر اپنی قسموں سے ہماری قسموں کو رد کر دیں تو پھر ہمیں سزا بھی ملے گی سچ بولیں۔ پھر فرمایا کہ سچ بولو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اس کی بات سنو' اس کی اطاعت کرو ورنہ نافرمانوں اور فاسقوں کو تو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہی نہیں اور ہدایت کرتا ہی نہیں۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کریں گے پھر ارشاد فرمادیں گے کہ تم کو کیا جواب ملا تھا۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں آپ بے شک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں۔

روز قیامت پیغمبروں سے استفسار: اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز پیغمبروں سے اللہ تعالیٰ کس طرح خطاب فرمائے گا کہ جن قوموں کی طرف تم کو بھیجا گیا انہوں نے دعوت تبلیغ کو قبول بھی کیا کہ نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ ﴿ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِیْنَ

اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ کہ ہم ان قوموں سے بھی پوچھیں گے اور ان کے پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ تمہارے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ ہم ان سب سے پوچھیں گے کہ دنیا میں تمہارا عمل کیا تھا۔ رسولوں کا قول ہوگا کہ ﴿ لَا عِلْمَ لَنَا ﴾ ہمیں تو کچھ خبر نہیں یہ اس دن کی دہشت کی بنا پر ہوگا کہ خوف کے مارے انہیں کچھ جواب بن نہ پڑے گا اور کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ اس روز عقلیں ٹھکانے نہیں رہیں گی اور پھر جب کچھ اطمینان کی سانس لیں گے تو پھر اپنی قوم کے بارے میں حسب واقعہ شہادت دیں گے۔ لیکن پہلی دفعہ تو یہی ان کا قول ہوگا کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں کیا خبر تو عالم الغیب ہے تیرے مقابلہ میں ہم کیا جان سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلحاظ حسن ادب یہ بہت اچھا جواب ہے کہ تیرے علم محیط کی بہ نسبت ہمارے علم کی کیا حقیقت' ہمارے علم کی بنیاد محض ظاہر پر ہے اور تیرا علم تو باطن کی بھی خبر لاتا ہے کیونکہ تو علام الغیوب ہے تو جانتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے جواب دیا۔ اب اگر بربناء منافقت کسی کا عمل یا اعتقاد رہا ہو تو ہمیں تو اس کا علم نہیں تو ہی جانتا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیں گے اے عیسیٰ بن مریم میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل تعلیم کیں۔ اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے۔ اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں۔

عیسیٰؑ پر انعامات الٰہی کا تذکرہ: یہاں اللہ تعالیٰ ان احسانات کا ذکر فرماتا ہے جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر وارد فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ان احسانات کو یاد کرو جو معجزات باہرات اور خوارق عادات ہم نے تمہیں دیئے اور تمہیں باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کیا اور تمہاری ذات کو خود اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی قرار دیا اور تمہاری ماں پر بھی یہ احسان کیا کہ تمہیں اس کی پاک

دامنی کی دلیل بنایا اور جو فحش الزام یہ ظالم اور جاہل منسوب کرتے تھے اس سے تمہاری ماں کو بچایا۔ تمہیں جبرئیل کے ذریعہ مدد دی تمہیں طفلی اور شباب میں بھی نبی اور داعی الی اللہ بنایا کہ تم گہوارے میں بھی بولنے لگے اور ماں کی پاک دامنی کی گواہی دینے لگے اور اپنے عبد ہونے کا اعتراف کیا۔ طفلی اور شباب میں بھی لوگوں کو تبلیغ کی۔ بڑی عمر میں بولنا تو کوئی عجیب نہیں لیکن گہوارے میں تمہارا بولنا کیسا عجیب تھا۔ تمہیں کتاب کی تعلیم کی اور توریت کو پڑھنا اور لکھنا سکھایا جو موسیٰ کلیم اللہ پر اتاری گئی تھی۔ حدیث میں بھی توراۃ کا لفظ ہے۔ اور اس سے مراد ہے توریت بھی اور ہر دوسری کتاب بھی۔ تم مٹی سے پرندے جیسی ایک شکل بناتے تھے اور ہمارے حکم سے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک زندہ پرندہ بن جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگتی تھی۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ﴾ سورۃ آل عمران میں اس پر بحث گزر چکی ہے' اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ﴿ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ﴾ یعنی تم مردوں کو بلاتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت سے جیتے جاگتے قبروں سے نکل آتے۔ عیسیٰ علیہ السلام جب ارادہ کرتے کہ کسی میت کو زندہ کریں تو دو رکعت نماز پڑھتے۔ پہلی رکعت میں ﴿ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿ الٓمٓ تَنْزِيْلُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے۔ پھر یہ سات اسماء باری پڑھتے ﴿ يَا قَدِيْمُ. يَا خَفِيُّ. يَا دَائِمُ. يَا فَرْدُ. يَا وِتْرُ. يَا اَحَدُ. يَا صَمَدُ ﴾ اور اگر کوئی سخت پریشانی لاحق ہو جاتی تو یہ سات نام لے کر دعا کرتے۔ ﴿ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ يَا رَبِّ ﴾ یہ زبردست اثر والے نام ہیں۔ اور میری ان نعمتوں کو یاد کرو کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس دلائل نبوت لے کر پہنچے اور انہوں نے تمہیں جھٹلایا' تم پر الزام لگایا کہ تم ساحر ہو' اور تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کی کوششیں کیں۔ تو ہم نے تمہیں ان سے بچالیا۔ اپنی طرف تمہیں اٹھالیا۔ ان کے شر سے تمہیں بچالیا۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ یہ احسان عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے اٹھالئے جانے کے بعد کا ہے یا یہ کہ قیامت کے روز واقع ہونے والا ہے۔ لیکن مستقبل کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس مستقبل بھی ماضی ہی کی طرح یقینی واقع ہونے والی چیز ہے۔ یہ غیب کے اسرار ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو واقف کرایا ہے۔

اور جب ہم نے حواریین کو وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب و انصار بن جاؤ۔ یہاں وحی سے مراد دل میں ایک بات ڈال دینا ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف بھی وحی بھیجی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاؤ۔ ایسے الہام کو بلا اختلاف وحی کہا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی تھی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ اور لوگوں کے محلوں میں۔ اسی طرح حواریین کو بھی الہام کیا گیا تو وہ حکم بجالائے۔ اور محتمل ہے کہ یہ بھی مراد ہو کہ ہم نے تمہارے واسطے سے ان پر وحی بھیجی اور انہیں ایمان باللہ کی طرف بلایا تو انہوں نے قبول کرلیا اور کہنے لگے کہ ﴿ اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴾ یعنی اے پیغمبر! گواہ رہو کہ ہم اسلام لائے۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١١٢ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا
وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝١١٣ قَالَ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا

وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا
عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵ ۷/۵

وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب حوارئین نے عرض کیا اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرمادیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے اور آپ ہم کو عطا فرمادیجئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں۔ پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا

آسمان سے مائدہ کا نزول: یہاں مائدہ کا قصہ بیان کیا جارہا ہے اس لئے اس سورہ کا نام سورہ مائدہ رکھا گیا۔ اس میں بھی اللہ پاک نے اپنے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان کا اظہار فرمایا ہے۔ یعنی نزول مائدہ کی دعا قبول کی گئی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک زبردست معجزہ اور حجت قاطعہ ہے۔ بعض ائمہ نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ انجیل میں مذکور نہیں اور مسلمانوں کے سوا نصاریٰ اس سے واقف نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ انہیں مطلع کردیا۔ قول باری ہے کہ "جب عیسیٰ کے متبعین نے کہا کہ اے عیسیٰ! کیا تمہارے رب سے یہ ہو سکتا ہے کہ آسمان سے ایک بنا بنایا خوان نعمت نازل فرمائے؟" یہاں اکثر قاریوں نے ﴿يَسْتَطِيْعُ﴾ پڑھا ہے (یعنی کیا تمہارے رب سے یہ ممکن ہے؟) دوسرے قاری ﴿تَسْتَطِيْعُ﴾ پڑھتے ہیں یعنی کیا تم سے یہ ممکن ہے کہ اپنے رب سے سوال کرو؟ مائدہ پر از طعام خوان کو کہتے ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے اپنی حاجت اور فقر کی وجہ سے یہ سوال کیا تھا کہ ہر روز ایک خوان اترا کرے جس کو ہم کھائیں اور عبادت کے لئے قوت حاصل کر سکیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم ایمان ہی رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسا سوال نہ کرو، طلب رزق میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی چیز تمہارے لئے فتنہ بن جائے۔ تو حواریوں نے کہا کہ ہم غذا کے محتاج ہو گئے ہیں ہمیں کھانے کے لئے چاہیے اور جب ہم آسمان سے اترتا ہوا مائدہ دیکھیں گے تو ہم کو پورا اطمینان ہو جائے گا اور تم پر ایمان بڑھ جائے گا اور تمہارے رسول ہونے کا کامل یقین ہو جائے گا اور ہم خود اس کے گواہ بن جائیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی ایک نشانی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور سچائی کی دلیل واضح ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ "اے رب! آسمان سے ہم پر ایک مائدہ اتار! اس روز کی یادگار میں ہمارے اگلے اور پچھلے لوگ عید منائیں گے"۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا سے مراد یہ ہے کہ ہم اس روز نمازیں پڑھنے لگیں گے۔ قتادہؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم سے بعد آنے والوں کے لئے یہ دن یوم یادگار بن جائے۔ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ تاکہ ہم سب کے لئے ایک عبرت بن جائے اور تصدیق رسالت کے لئے دلیل کافی ہو سکے۔ اور اے اللہ تعالیٰ ہر بات پر تیری قدرت کی اور میری دعا کی قبولیت کی دلیل بن سکے تاکہ لوگ میری رسالت کی تصدیق کر سکیں۔ اپنی طرف سے بلا کلفت و تعب خوشگوار رزق بھیج۔ تو خیر الرازقین ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ "اچھا میں خوان اتاروں گا۔ لیکن اگر اس پر بھی تمہاری قوم نے کفر کیا اور مخالفت برتی تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی نے ایسا عذاب نہ چکھا ہوگا" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ اور ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے کہ قیامت کے روز شدید ترین عذاب جن پر ہوگا وہ یہ تین ہیں۔

منافق لوگ، مائدہ اترنے کے بعد بھی جنہوں نے کفر کیا۔ اور فرعون کی امت۔

سلف کی وہ روایتیں جو حواریین پر نزول مائدہ سے متعلق ہیں: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ کیا تم تیس دن تک کے روزے رکھو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے نزول مائدہ کا سوال کرو گے تاکہ وہ تمہاری درخواست قبول کرے۔ کیونکہ اجر اسی کو ملتا ہے جس نے خود بھی عمل کیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، تیس دن روزے رکھے اور پھر کہا کہ اے خیر کی تعلیم دینے والے عیسیٰ! تم نے کہا تھا کہ عمل کرنے والوں کو اس کا اجر ضرور ملتا ہے۔ تم نے ہمیں تیس دن روزے رکھنے کے لئے کہا اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ تیس دن ہم کسی کی نوکری کرتے ہیں تو وہ ہم کو روزی یا تنخواہ دیتا ہے تو اب کیا تمہارا اللہ ہم پر مائدہ اتارے گا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حواریوں نے جواب دیا ہم تو اپنے دل کا اطمینان چاہتے ہیں اور خود بھی یقین کر کے دوسروں کے سامنے بھی گواہ بننا چاہتے ہیں۔ غرض یہ کہ آسمان سے مائدہ اترا جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں اور ان کے سامنے آ کر رک گیا۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام لوگوں نے کھایا۔

عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مائدہ میں روٹی اور گوشت تھا اور حکم تھا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور کل کے لئے اٹھا نہ رکھیں۔ لیکن لوگوں نے خیانت کی اور اپنے لئے جمع کر رکھا۔ ایسے لوگوں کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس میں جنت کے میوے تھے۔ کہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ نے نماز پڑھنے کے بعد بازو والے بنی عجل کے ایک آدمی سے کہا، جانتے ہو کہ بنی اسرائیل کا مائدہ کیسا تھا؟ لوگ اس میں سے کھاتے جاتے تھے اور وہ ختم نہیں ہوتا تھا اور کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم اس میں خیانت نہ کرو گے اور کل کے لئے ذخیرہ نہ کرنا چاہو گے تو یہ تمہارے لئے پائیدار رہے گا۔ اگر تم نے ذخیرہ کیا تو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ کسی کو نہ دیا گیا ہو گا۔ لیکن پہلے ہی دن انہوں نے اس میں سے چھپا رکھا اور خیانت کی۔ اور اے اہل عرب! تم بھی اونٹوں اور بکروں کی دمیں مروڑتے تھے۔ یعنی نہایت ذلیل حالت میں تھے اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے ایک رسول پیدا کیا۔ تم اس کا حسب نسب جانتے ہو۔ اس نے تمہیں اطلاع دے دی کہ تم عجم پر بھی غالب آنے والے ہو اور بڑے مالدار بننے والے ہو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تمہارے رسول نے بھی تمہیں منع کر دیا ہے کہ سونے چاندی کا ذخیرہ نہ کرو۔ اللہ کی قسم کوئی دن نہیں جاتا کہ تم اپنا یہ خزانہ بڑھاتے نہ رہتے ہو۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح اللہ تعالیٰ کہیں تمہیں بھی عذاب الیم میں مبتلا نہ کر دے۔ اسحق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ لوگوں نے کھایا اور کل کے لئے بھی اٹھا رکھا۔ چنانچہ مائدہ کا آنا بند ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ہر قسم کا ذائقہ تھا اور جنت کے میوے ہوتے تھے۔ ہر دن اترتا رہا۔ اسے چار ہزار آدمی بیٹھ کر کھاتے تھے اور جب کھا چکتے تو اور اتنا ہی موجود ہوتا۔ جو کی روٹیاں ہوتیں، سب لوگوں کے کھا لینے کے بعد بھی بچ رہتا۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ بکرے کے گوشت کے سوا ہر چیز ہوتی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ چاول کی روٹیاں ہوتی تھیں۔

حضرت وہب اور سلمان الخیر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدے کا سوال کیا گیا تو انہیں برا معلوم ہوا اور کہا کہ زمین سے تمہیں جو رزق دیا گیا ہے اسی پر قناعت کرو اور آسمان سے رزق نازل ہونے کا سوال نہ کرو۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہو گا اور ثمود نے جس طرح اپنے نبی سے سوال کیا تھا لیکن سوال پورا ہونے کے باوجود کفر کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے۔ کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو لیکن وہ اصرار کرتے رہے اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ سے دعا کئے بغیر چارہ نہیں تو اپنا جبہ اتار دیا اور کالے بالوں کا کرتا اور جبہ پہن لیا، کمل اوڑھ لیا، وضو اور غسل کر کے صومعہ گئے۔ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو گئے۔ اپنے قدم جوڑ لئے ٹخنہ سے ٹخنہ ملایا۔ انگلیاں سیدھی رکھ لیں۔ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لیا، سر جھکا لیا اور نظریں نیچی کر لیں۔ رخساروں پر سے آنسو بہتے ہوئے داڑھی پر سے ہوتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ

رہے تھے۔ اب ایک سرخ خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اترنا شروع ہوا۔ لوگ اسے اوپر سے گرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے خوف سے رو رہے تھے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے شرط لگا کر نزول مائدہ کیا تھا کہ اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں گے تو سخت ترین عذاب اٹھائیں گے۔ وہ اللہ سے دعا مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے' اے اللہ! تو اس کو رحمت بنا اور عذاب نہ بنا' کتنی عجیب باتیں جو جو میں نے تجھ سے مانگی تھیں وہ تو نے مجھے عطا کیں۔ اے اللہ ہمیں شاکر بنا۔ اے اللہ! اس مائدے کے سبب غضب بننے سے میں پناہ مانگتا ہوں اس کو سلامت و عافیت بنا اور فتنہ نہ بنا۔ وہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ خوان ان کے حواریوں کے سامنے آ کر ٹک گیا اور اس میں سے ایسی خوشبو پھوٹ پڑی کہ کبھی ایسی خوشبو سونگھنے میں نہ آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حوارین سجدۂ شکر میں گر پڑے کیونکہ ایسی عظیم نشانی اور عبرت ناک چیز انہوں نے دیکھی جس کی انہیں امید نہیں تھی۔ یہود اس امر عجیب کو دیکھ رہے تھے اور ان کے دل رنج و غم سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر وہ آپ ہی آپ بل کھاتے ہوئے چل دیئے۔ اب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی خوان کے پاس آئے' خوان پر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اس پر سے رومال کون ہٹائے گا؟ ہم میں سے جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ مطمئن ہے اور امتحان الٰہی میں سب سے زیادہ نڈر ہے وہ رومال ہٹائے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کو دیکھیں اور اس کا نام لے کر کھانے لگیں۔ حواریوں نے کہا یا روح اللہ! آپ سے بڑھ کر اس کا حق دار کون ہے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے تازہ وضو کیا' مسجد آئے نماز پڑھی۔ کچھ دیر تک روتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مائدے کو کھولنے کی اجازت دے اور اس میں قوم کے لئے برکت و رزق عطا فرما۔ اب خوان کے پاس جا کر رومال ہٹایا۔ دیکھا کہ اس میں ایک بڑی تلی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی ہے جس کے پوست پر نہ فلوس ہیں اور نہ گوشت میں کوئی کانٹا ہے۔ روغن اس میں سے بہہ رہا ہے اس میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں سوائے مولی کے اس کے سر کی طرف سرکہ ہے اور دم کی طرف نمک ہے۔ سبزیوں کے اطراف پانچ روٹیاں ہیں جن میں سے ایک پر روغن زیتون ہے اور دوسری پر کھجوریں ہیں اور پانچ انار ہیں حواریوں کے سردار شمعون نے کہا کہ یا روح اللہ! یہ ہماری دنیا کا طعام ہے یا جنت کا طعام ہے؟ تو عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ جو کچھ عجائبات دیکھ رہے ہو اس سے عبرت لو اور ان سوالات سے باز آؤ مجھے تو ڈر ہے کہ یہی نشانی کہیں تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ شمعون نے کہا نہیں' رب اسرائیل کی قسم! اے سچی ماں کے بیٹے! میرا مقصد اس سے کوئی سوال کرنا نہیں تھا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہ یہ طعام دنیا ہے اور نہ طعام جنت۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان ہی میں پیدا کر لیا ہے۔ وہ صرف کن فرمادیتا ہے اور طرفۃ العین میں وہ چیز مخلوق ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ اور کھا کر شکر کرو' اللہ تعالیٰ اور زیادہ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ وہ بدیع ہے اور قادر ہے۔

حواریوں نے کہا' اے روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ اس معجزے کے اندر اور ایک معجزہ ہمیں دکھائی دے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ سبحان اللہ' کیا یہ نشانی جو تم نے دیکھی کافی نہیں کہ اسی میں پھر دوسری نشانی کا سوال کرتے ہو۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے مچھلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا۔ چنانچہ وہ بھونی ہوئی مچھلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو گئی اور تر و تازہ ہو کر تڑپنے لگی' شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی' اس کی آنکھیں گھومنے اور چمکنے لگیں۔ اس کے جسم پر کھپل بھی نمودار ہو گئے' یہ دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ تم تو اور ایک نشانی مانگ رہے تھے اور تمہیں دکھائی گئی تو ڈرنے لگے۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ تمہارے لئے عقاب اور فتنے کا سبب ہوگا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے مچھلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے جیسی تھی ویسی ہو جا۔ چنانچہ وہ پہلے ہی کی طرح بھونی ہوئی بن گئی۔ لوگوں نے کہا اے عیسیٰ (علیہ السلام) تم پہلے کھاؤ پھر ہم کھائیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا معاذ اللہ' جس نے مطالبہ کیا ہے اسی کو پہلے کھانا چاہیئے۔ جب حواریوں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں کھا رہے ہیں تو ڈر گئے کہ نزول مائدہ ناخوشی کا سبب ہے اور اس کے کھانے میں اندیشہ ہے اور رک گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

فقیروں، غریبوں اور مریضوں کو بلایا اور کہا کھاؤ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف کا رزق ہے اور تمہارے نبی کی طرف سے دعوت ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جس نے یہ تمہیں دیا یہ تمہارے لئے مبارک ہے اور دوسروں کے لئے عقوبت ہے۔ چنانچہ وہ سب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانے لگے، چنانچہ تیرہ سو مرد اور عورتوں نے کھایا اور سب پیٹ بھر کر اٹھے۔ پھر یہ مائدہ آسمان کی طرف چلا گیا اور لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ہر فقیر کھا کر غنی بن گیا اور مریض تندرست ہو گیا پھر یہ ہمیشہ غنی اور تندرست رہے اور جن حواریوں نے کھانے سے انکار کیا تھا وہ سخت نادم رہے اور مرتے دم تک کھانے کی حسرت ان کے دلوں میں باقی رہی۔ اور جب یہ مائدہ اترا ہے تو ہر طرف سے سارے بنی اسرائیل ٹوٹ پڑے۔ غنی فقیر، چھوٹے بڑے، مریض و تندرست، کھانے کے لئے ایک پر ایک گر رہے تھے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب کی باری مقرر فرما دی۔ ایک دن آ کر جو کھاتے وہ دوسرے دن نہ آتے، درمیان میں ایک دن چھوڑ کر آیا کرتے۔ اس طرح چالیس دن گزر گئے۔ دن بھر کھانے کا سلسلہ جاری رہتا، پھر مائدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان کی طرف چڑھ جاتا، حتیٰ کہ لوگ اس کا سایہ زمین پر گرتا ہوا دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مائدہ میں میرا رزق فقراء اور یتامیٰ اور مریضوں کے لئے ہے، تونگروں کے لئے نہیں۔ مالداروں کو یہ بات بری لگی۔ باتیں بنانے لگے۔ خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کو بھی شک میں ڈالنے لگے اور غلط باتیں پھیلانے لگے۔ شیطان نے ان پر قبضہ کر لیا اور اچھے لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالنے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام سچ بتانا کہ کیا یہ نزول مائدہ آسمان سے حق بات ہے۔ کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ شک میں ہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے اللہ تعالیٰ کی قسم تم ہلاک ہو گئے۔ تم نے نبی علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مائدہ کی دعا کرے اور جب اس نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی رحمت اور اپنا رزق اتارا اور تمہیں اپنی نشانی اور عبرتیں بتائیں تو لگے تم انکار اور شک کرنے۔ اب عذاب کی خوش خبری سن لو، وہ تمہیں آ دبوچنے والا ہی [illegible]، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خود رحم فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تکذیب کرنے والوں کو نہیں چھوڑوں گا، جو نزول مائدہ کے بعد کفر کرے اس سے متعلق شرط ہی یہ تھی کہ اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ اب تک نہ دیا گیا ہو۔ یہ شک کرنے والے جب اپنے بستروں پر سو گئے اور سوتے وقت اپنی اچھی خاصی شکل و صورت میں تھے۔ لیکن آخر شب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خنازیر بنا دیا اور یہ گھوڑوں پر کچرے اور گندگیوں میں بھرنے لگے۔ یہ ساری روایت بہت عجیب و غریب ہے۔ ابو حاتم نے اس کو جگہ جگہ سے الگ الگ ٹکڑے کر کے بیان کیا ہے۔ میں نے ان کو سیاق و ترتیب قائم رہنے کے لئے بطور واقعہ مسلسل جوڑ لیا ہے۔

یہ روایت تو دلالت کرتی ہے کہ مائدہ اترا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر بنی اسرائیل کو ملا تھا۔ ظاہر عبارت قرآن سے بھی یہ اخذ ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ﴾ فرمایا ہے۔ لیکن کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ مائدہ اترا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو صرف مثال کے طور پر فرمایا ہے اور یہ کہ جب انہیں عذاب کا ڈر بتایا گیا تو مطالبہ مائدہ سے دست بردار ہو گئے اور کہا نہیں ہمیں مائدہ نہیں چاہیئے۔ مجاہد اور حسن تک اس کی اسانید بہت صحیح ہیں اور سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ نصاریٰ اس مائدہ سے واقف ہی نہیں اور ان کی کتاب انجیل میں مائدہ کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے اگر مائدہ اترا ہی ہوتا تو انجیل میں جگہ جگہ اس کا ذکر آتا اور ایک بار نہیں متواتر انجیل میں مذکور ہوتا لیکن جمہور کا یہی خیال ہے کہ مائدہ اترا تھا۔ ابن جریر نے اسی خیال کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ﴾ فرمایا ہے، اس کا وعدہ اور وعید حق ہے اور یہی بات صواب بھی معلوم ہوتی ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نُصیر نائب بنی امیہ نے فتوح بلاد مغرب کے وقت وہاں مائدہ پایا جس میں موتی جڑے ہوئے تھے اور قسم قسم کے جواہر کندہ تھے۔ تو امیر المومنین ولید بن عبد الملک کے پاس وہ بھیج دیا گیا۔ یہ مائدہ راستے ہی میں تھا کہ وہ مر گیا۔ اب وہ اس کے بھائی سلیمان بن عبد الملک کے پاس بھیجا گیا جو اس کے بعد خلیفہ ہوا۔ لوگوں نے اس کے یاقوت اور جواہر وغیرہ دیکھ کر بہت تعجب کیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ مائدہ سلیمان بن

داؤد علیہ السلام کا تھا۔ واللہ اعلم۔

قریش کا سوال اور پیغام جبرئیل: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قریش نے نبی اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دو تو ہم تم پر ایمان لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایمان لاؤ گے؟ کہا ہاں۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے۔

اور فرماتا ہے کہ اگر تم چاہو تو صبح تک کوہ صفا سونا ہو جائے لیکن اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائیں گے تو بدترین عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر تم یہ چاہو کہ میں ان کی توبہ قبول کرلوں اور ان پر رحمت کروں تو دیسا ہی۔ آپ نے فرمایا اے پروردگار تیری توبہ اور رحمت چاہیے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ تعالیٰ کے معبود قرار دے لو عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو آپ کو منزہ سمجھتا ہوں مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے۔ اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

روز قیامت عیسیٰؑ سے جواب طلبی: اللہ پاک عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے روز ان لوگوں کی موجودگی میں خطاب فرمارہا ہے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اللہ بنا رکھا تھا۔ یہ نصاریٰ کو ڈنکے کی چوٹ تہدید و توبیخ ہے۔ قتادہؒ نے اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ یعنی یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ ملے گا۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ خطاب اور جواب دنیا میں ہے۔ ابن جریر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اس واقعہ سے متعلق ہے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ اور ابن جریر نے اس پر دو طرح سے استدلال کیا ہے ایک تو یہ کہ کلام لفظ ماضی یعنی

﴿قَالَ﴾ کے ساتھ ہے۔ دوسرے یہ کہ قولہ تعالیٰ ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ ﴾ و ﴿ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ یعنی کلام شرطیہ ہے اور بات دنیا ہی میں ہوئی ہو گی' جب تو عذاب یا مغفرت کی شرط آخرت کے لئے اٹھار کھی گئی۔ لیکن یہ دنوں دلیلیں غور طلب ہیں۔ اس لئے کہ لفظ ماضی ہو تو کیا ہوا قیامت کے اکثر امور لفظ ماضی ہی سے بیان کئے گئے ہیں تاکہ وقوع اور ثبوت پر دلیل کافی بن سکے' رہا ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ ﴾ کا شرطیہ کلام سو اس سے تو عیسیٰ کا ان گنہگاروں سے بیزاری ظاہر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کا ان میں نافذ ہونا ظاہر کیا گیا ہے اور شرط پر کسی چیز کا متعلق ہونا وقوع چیز کے لئے مقتضی نہیں ہو سکتا۔ آیات قرآنی میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ قتادہؒ کا جو بیان ہے وہ زیادہ صاف ہے کہ قیامت کے دن کا مکالمہ ہے تاکہ قیامت کے دن سب کے سامنے نصاریٰ کا پول کھل جائے اور تہدید و توبیخ ہو سکے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء اور ان کی امتیں بلائی جائیں گی پھر عیسیٰ علیہ السلام طلب کئے جائیں گے ان پر اظہار احسان فرمایا جائے گا وہ اقرار فرمائیں گے پھر اللہ پاک ان سے یہ سوال بالا فرمائے گا تو وہ انکار کریں گے کہ میں نے اپنی امت سے اپنی پرستش کے لئے نہیں کہا تھا۔ اب نصاریٰ بلائے جائیں گے ان سے پرسش ہو گی وہ کہیں گے کہ ہاں' عیسیٰ نے ہمیں ایسا حکم دیا تھا۔ یہ سن کر خوف کے مارے عیسیٰ علیہ السلام سر اور جسم کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔ فرشتے ان بالوں کو تھام لیں گے اور یہ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ہزار سال تک پاؤں جوڑے بٹھائے رکھے جائیں گے حتیٰ کہ ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اصلیت ان کے سامنے آ جائے گی۔

کذب بیانی کی سزا میں صلیب کو ان کا پیشوا بنا دیا جائے گا۔ پھر یہ لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ وقولہ ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ اس جواب میں حسن ادب کی کس قدر توفیق عنایت ہوئی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے دل میں کیسی اچھی دلیل القاء کی گئی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ جس بات کا مجھے کوئی حق نہیں آخر میں ایسی بات کیسے کہتا ﴿ ولو فرضنا ﴾ اگر میں نے ایسا کہا بھی ہو گا تو ضرور تو جانتا ہی ہو گا کیونکہ تجھ پر تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے ارادے کو نہیں جان سکتا جو کچھ تو نے مجھے حکم دیا تھا میں نے اس سے ایک حرف بھی زیادہ نہیں کہا۔ میں نے تو یہی کہا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں جب تک ان میں رہا ان کے اعمال کا نگراں رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو اب تو ان کا نگراں کار ہو گیا اور تو تو ہر بات کا نگراں ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قیامت کے روز تم ننگے اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے جیسے کہ پیدائش کے وقت تھے۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اب میری امت کے چند لوگ لائے جائیں گے جنہیں دوزخ کی نشانی کے طور پر بائیں طرف رکھا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت ہے تو کہا جائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد تمہاری سنت کو چھوڑ کر کیا کیا بدعتیں ان لوگوں نے جاری کیں۔ تو میں ایک بندہ صالح کی طرح یہی کہوں گا کہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہا جائے گا کہ تمہارے بعد لوگ مرتد اور بدعتی ہو گئے تھے۔

امت کی بخشش کے لئے نبی اکرمؐ کی آہ وزاریں: قولہ ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ ﴾ الی آخرہ۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مشیئات پر متضمن ہے کہ وہ جو چاہے کرے' وہ سب سے پوچھ سکتا ہے لیکن اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ نیز یہ کلام نصاریٰ سے بیزاری پر بھی مشتمل ہے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور ولد' اور مریم علیہا السلام کو بیوی قرار دے دیا تھا نعوذ باللہ تعالیٰ۔ اس آیت کی بڑی شان ہے حدیث میں ہے کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ صبح تک اسی آیت کو نماز میں پڑھتے رہے۔

ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات اسی آیت کو پڑھتے رہے' حتیٰ کہ رکوع اور سجدے میں بھی یہی آیت پڑھی۔ صبح کو جب اس کی وجہ میں نے پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رب عزوجل سے شفاعت امت کے لئے سوال کرتا رہا۔ چنانچہ

شرک کے سوا سب کو بخشنے کا اس نے وعدہ فرمایا۔ جسرہ بنت دجاجہ سے مروی ہے کہ ابوذرؓ کہہ رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی تو اس کے بعد لوگ اپنی الگ الگ نمازیں پڑھنے لگے اب حضرت ﷺ اپنے مسکن پر جا بیٹھے اور جب دیکھا کہ لوگ اپنے گھر چلے گئے ہیں تو پھر مصلی پر آکر نماز میں مشغول ہو گئے اب میں بھی آ گیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ آپ نے سیدھی طرف ہو جانے کا اشارہ کیا۔ میں سیدھی طرف ہو گیا۔ پھر ابن مسعود آئے تو ہمارے پیچھے کھڑے ہو گئے تو انہوں نے بائیں طرف ہو جانے کا اشارہ کیا۔ اب ہم تینوں اپنی الگ الگ نمازیں پڑھنے لگے لیکن آپ نے نماز میں ایک ہی آیت جو شروع کی تو اسی کو پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔ میں نے اب عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ رات بھر ایک ہی آیت پڑھنے کا سبب حضرت ﷺ سے پوچھیں۔ انہوں نے کہا نہیں جبتک آپ از خود بیان نہ فرمائیں میں تو نہیں پوچھوں گا اب میں نے جرآت کر کے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان سارا قرآن آپ کے سینے میں ہے لیکن آپ قرآن کی صرف ایک ہی آیت پڑھ رہے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم اس پر اعتراض کر بیٹھتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا جواب ملا تو فرمایا کہ جس بات کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے اگر اس کو تم لوگ سن پاؤ تو اکثر تو نماز پڑھنا ہی چھوڑ دو گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہانہ لے لو گے۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو کیا اس کی خوشخبری نہ پہنچا دوں؟ فرمایا ہاں پہنچا دو۔ میں کچھ دور ہی چلا تھا کہ عمرؓ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! اگر لوگوں کو یہ بات پہنچا دی جائے گی تو عبادت ہی چھوڑ بیٹھیں گے۔ تو آپ ﷺ نے مجھے واپس بلا لیا۔ اور وہ آیت یہ تھی ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جو نبی اکرم ﷺ تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا ﴿ اللّٰهُمَّ اُمَّتِىْ ﴾ (اے میرے رب! میری امت) اور زار زار رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔ جبرئیل علیہ السلام آکر رونے کی وجہ پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے جو جواب دینا تھا جبرئیل علیہ السلام کو دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد (ﷺ) سے جا کر کہو کہ ہم تمہاری امت کے بارے میں تمہیں راضی کریں گے اور دل نہ دکھائیں گے۔ حذیفہؓ بن الیمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن دیر سے تشریف لائے اور سجدے میں سر پڑھے اور اتنی دیر کی کہ گویا روح ہی پرواز ہو گئی ہو۔ پھر آپ ﷺ نے جب سر اٹھایا تو فرمایا کہ میرے رب نے امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو میں نے کہا اے رب! یہ تو تیرے ہی بندے اور تیری مخلوق ہیں دوسری بار پوچھا۔ پھر بھی میں نے یہی کہا تو اللہ نے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) میں امت کے بارے میں تم کو رسوانہ کروں گا اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ ستر ہزار امتی جائیں گے اور ہر ایک ایسے امتی کے ساتھ اور ستر ہزار امتی ہوں گے کہ یہ سب بغیر حساب داخل جنت کئے جائیں گے۔ پھر فرمایا مانگو تم کو دیا جائے گا تو میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ کیا اللہ پاک میرے سوال کو پورا کرنا چاہتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس اسی غرض سے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کچھ عطا کر دیا۔ میں اس پر غرور نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں اور میں زمین پر زندہ و تندرست چل رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خصوصیت بخشی کہ میری امت قحط سے نہ مرے گی اور مغلوب نہ ہو گی اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عنایت فرمایا ہے یہ جنت کی ایک نہر کا نام ہے جو میرے حوض میں بہتی آئے گی۔ اور مجھے عزت و نصرت اور رعب و شوکت کی خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ جو میری امت کے سامنے لوگوں پر ایک مہینہ بھر کی راہ سے اثر ڈالتی ہے۔ میں جنت میں سب انبیاء سے پہلے داخل ہوں گا اور میری امت کے لئے مال غنیمت بالکل حلال فرما دیا ہے اور اکثر ایسی چیزیں حلال کر دی ہیں جو مجھ سے پہلے کی امتوں پر حلال نہیں تھیں اور مذہبی حیثیت سے میرے دین میں کوئی سختی روا نہیں رکھی۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾ ع

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں' یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

روز محشر کامیاب ہونے والے: اللہ تعالیٰ اپنے بندے عیسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب دیتے ہوئے' جب کہ انہوں نے نصارائے ملحدین کاذبین سے اپنی بیزاری ظاہر کی تھی فرماتا ہے کہ ﴿ هذا يَوْمُ يَنفَعُ الصّٰدِقِينَ ﴾ یعنی آج کا دن موحدین کی توحید کی نفع بخشی کا دن ہے کہ بہتی نہروں والی جنت میں ہوں گے۔ نہ وہاں سے نکالے جائیں گے نہ دم بھر کے لئے جنت کو چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس روز رب کریم جلوہ افروز ہوگا اور فرمائے گا' مانگو میں دینے پر آمادہ ہوں۔ لوگ اس کی رضامندی مانگیں گے تو فرمائے گا میری رضامندی ہی نے تمہیں میرے گھر اتارا ہے۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ لوگ پھر اس کی رضامندی مانگیں گے۔ فرمائے گا' گواہ رہو کہ سبحانہ تعالیٰ تم سے راضی ہے۔ فرماتا ہے ﴿ ذلك الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ یہ بڑی زبردست کامیابی ہے ﴿ لمثل هذا فليعمل العاملون ﴾ عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیے۔ ﴿ وفى ذلك فليتنافس المتنافسون ﴾ اور اسی کی کوشش لوگوں کو کرنی چاہیے وہ ساری اشیاء کا خالق ہے ہر چیز پر متصرف اور قادر ہے۔ سب اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت ہیں' اس کا نہ کوئی نظیر ہے نہ ہم پایہ نہ مددگار ہے۔ اس کے نہ باپ ہے نہ لڑکا نہ بیوی۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں۔

تفسير سورة الانعام مكيه

فضائل سورۂ انعام: سورۂ انعام مکہ میں ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہو گئی۔ اس کو ستر ہزار فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے۔ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور سورۂ انعام اتر رہی تھی۔ میں ناقہ نبی ﷺ کی باگ تھامے ہوئے تھی۔ وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسی دب گئی تھی کہ گویا اس کی ہڈیاں ہی ٹوٹ جائیں گی۔ ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ سورۂ انعام اترنے کے بعد حضرت نبی اکرم ﷺ تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے افق تک گھیرے ہوئے تھے۔ فرشتوں کی ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ﴾ کی گونج سے زمین و آسمان میں ہنگامہ تھا آں حضرت ﷺ بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوری سورۂ انعام ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی ہے اور ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح و تحمید کی گونج کے ساتھ اتری ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ ثُمَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ

مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝٣

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو کہ نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا۔ پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا اور دوسرا معین وقت خاص اللہ تعالیٰ ہی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔ اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی' وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔

اللہ کی قدرت کاملہ اور انسان: اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریمہ کی مدح فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ گویا کہ بندوں کو حمد کرنا سکھلا رہا ہے۔ دن میں نور کو اور رات میں تاریکی کو اپنے بندوں کے لئے ایک منفعت قرار دیتا ہے۔ یہاں لفظ نور کو واحد لایا گیا ہے اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے کیونکہ اشرف چیز کو واحد ہی لاتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿ عن اليمين والشمائل ﴾ اور ﴿ ان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ﴾ یہاں بھی یمین واحد ہے اور شمائل جمع ہے اور اپنے راستے کو لفظ سبیل کہہ کر واحد لایا ہے اور غلط راستوں کو سبل کہہ کر جمع لایا ہے۔ غرض یہ کہ باوجود اس کے بعض بندے کفر کرتے ہیں اور اس کے لئے شریک و عدیل قرار دیتے ہیں۔ اس کے بیوی اور بچے بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی تمہارے باپ آدم مٹی سے بنائے گئے تھے اور مٹی ہی نے ان کے گوشت پوست کی شکل اختیار کی۔ پھر ان ہی سے لوگ پیدا ہو کر مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ پھر آدم علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کی اور اپنے مقررہ وقت موت تک آن پہنچے۔ پہلے لفظ اجل سے حسنؒ کے نزدیک مرنے تک کی زندگی کا وقت مراد ہے اور دوسرے لفظ اجل سے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی تک کا وقت مراد ہے۔ اجل خاص انسان کی عمر رواں ہے اور اجل عام سے مراد ساری دنیا کی عمر ہے۔ یعنی دنیا کے ختم ہونے اور زوال پذیر ہونے تک اور دار آخرت کا وقت آنے تک۔

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ پہلی اجل سے مراد مدت دنیا ہے اور اجل مسمی سے مراد عمر انسان تا بوقت مرگ ہے۔ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے۔ ﴿ وهو الذي يتوفاكم ﴾ الخ یعنی وہ رات میں تم کو مار دیتا ہے اور دن میں تم جو کچھ کرتے ہو اسے جانتا ہے اور رات میں تو تم کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ یعنی نیند میں ہوتے ہو جو قبض روح کی شکل میں ہے۔ اور پھر جاگتے ہو تو اپنے ساتھیوں کے پاس گویا واپس آجاتے ہو۔ اور اس کے قول ﴿ عنده ﴾ کے معنی یہ ہیں اس وقت کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسے کہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اور اسی طرح یہ قول باری ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ سو تمہیں اس کی کیا خبر۔ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ پھر آیت زیر ذکر میں ارشاد ہوتا ہے کہ تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو وہی آسمانوں اور زمینوں کا مالک تمہاری چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے اور کھلی باتوں کو بھی۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس آیت کے مفسرین نے پہلے فرقہ جہمیہ کے قول سے انکار پر اتفاق کیا ہے اور پھر اس آیت کی تفسیر سے متعلق ان کا اختلاف بھی ہے۔ جہمیہ کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اس بات کی حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بذات خود موجود ہے۔ یعنی اس عقیدے سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ہر چیز کے اندر بذات خود اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور آسمانوں میں جو فرشتے اور زمین پر جو انسان ہیں سب اسی کا اقرار الوہیت کرتے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن جن و انس کے کافر اس سے نہیں ڈرتے۔ اور

یہی آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی منطبق ہوتی ہے کہ وہی آسمانوں کا اللہ تعالیٰ اور زمین کا اللہ تعالیٰ ہے۔ مطلب یہ کہ جو آسمانوں میں ہے ان کا اللہ تعالیٰ اور جو زمین پر ہیں ان کا اللہ تعالیٰ۔ نہ یہ کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی بنا پر حکم ہے کہ وہ تمہارے چھپے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے کھلے کو بھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو زمین و آسمان میں ہر ڈھکی کھلی بات کو جانتا ہے اور اس کا قول ﴿ يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ﴾ سے متعلق ہے۔ چنانچہ اس کی تقدیر یوں ہوئی کہ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو زمین و آسمان میں تمہاری ہر بات کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کا علم رکھتا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ﴿ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ پہ وقف تام ہے اس کے بعد پھر خبر کا آغاز ہوتا ہے یعنی ﴿ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ ﴾ مبتدا ہے اور ﴿ فِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ ﴾ خبر ہے۔ ابن جریر کا یہی مسلک ہے۔ پھر آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے تمام اعمال کو جانتا ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۗ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾

اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں۔ سو انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی سو جلدی ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں۔ اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔

معاندین کا انجام: مشرکین معاندین کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی معجزہ یا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کوئی دلیل واضح یا رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی کوئی نشانی۔ تو یہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اور جب حق بات ان کے پاس آئی تو اس کا انکار کرنے لگے۔ اس کے بارے میں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ یہ بات ان کے لئے تہدید اور وعید شدید ہے۔ کیونکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا۔ اب تکذیب کا نتیجہ انہیں دیکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھا رہا ہے اور ڈرا رہا ہے کہ پہلے کے لوگوں نے بھی جو ان سے زیادہ قوی اور کثیر التعداد تھے اور اموال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے۔ دولت و حکومت بھی حاصل تھی۔ پھر بھی انہیں یہ عذاب دنکال پہنچا تھا۔ اسی قسم کے عذاب سے تمہیں بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جو دنیا میں بڑی قدرت رکھتے تھے کہ ایسے اموال و اولاد و اثمار اور ایسی شان و شوکت تمہیں نصیب ہی نہیں۔ آسمان سے ہم ان کے لئے پانی برساتے تھے۔ کبھی انہیں قحط سے سابقہ نہیں پڑا۔ ہم نے باغات چشمے اور نہریں دے رکھی تھیں اور اس سے مقصد فقط انہیں ڈھیل دینا تھا پھر ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور

ان کی جگہ پر دوسری قومیں آباد کیں۔ پہلے لوگ تو جانے والے دن کی طرح چلے گئے اور داستان بن کر رہ گئے۔ لیکن ان بعد کے لوگوں نے بھی پہلے کے لوگوں کی طرح عمل کیا اور سابقہ لوگوں کی طرح یہ بھی ہلاک ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ اے لوگو! اس بات سے ڈرو کہ تمہیں بھی کہیں ایسے ہی حالات سے سابقہ نہ پڑے۔ تم سے نمٹنا اللہ تعالیٰ کے لئے ان سے زیادہ اہم کام تو نہیں۔ تمہارا رسول جس کی تم تکذیب کر رہے ہو تو یہ تو ان کے رسول سے بھی زیادہ اکرم ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ خاص طور پر مہربانی واحسان نہ کرے تو تم زیادہ عقوبت کے مستحق ہو۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا
يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ع
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں۔ اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھر و پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

مشرکوں کی ذہنیت اور صاف دلائل کا بیان: مشرکین کے عناد اور مکابرہ و منازعہ کی خبر دیتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہے کہ اگر ہم تم پر کوئی ایسی بھی کتاب نازل کرتے جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہوتی جس کو وہ ہاتھ سے بھی چھو سکتے' اس کو آسمان سے اترتی دیکھ سکتے' تو پھر بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ جیسے کہ محسوسات کے اندر بھی ان کی فساد پسند طبیعت کا اقتضا یہ ہے کہ اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں جس میں اوپر چڑھنے بھی لگیں' تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں مند گئی ہیں اور ان پر نظر بندی ہو گئی ہے یا جیسا کہ فرمایا اگر آسمان کے ٹکڑے بھی گرتے ہوئے دیکھیں تو کہیں کہ بادل کے ٹکڑے ہیں۔ اور پھر ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی فرشتہ لگا لپٹا کیوں نہیں رہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایسا ہو تو پھر تو بات ختم ہے وہ فرشتے کو دیکھنے کے بعد بھی وہی جادو کی رٹ لگائیں گے تو انہیں اس وقت کی طرح راہ راست پر آنے کے لئے مہلت دی ہی نہیں جائے گی۔ فوراً عذاب الٰہی آ پہنچے گا۔ اور فرمایا کہ جس روز وہ ملائکہ کو دیکھ ہی لیں گے تو پھر مجرمین کے لئے کوئی اچھی خبر ہے ہی نہیں۔ پھر آیت متذکرہ بالا میں ارشاد ہے کہ اگر ہم انسان رسول کے ساتھ کسی فرشتے کو بھی نازل کرتے تو وہ بھی انسان ہی کی شکل و صورت میں ان کے سامنے آتا' تاکہ وہ لوگ اس سے خطاب کر سکیں یا اس سے کوئی انتفاع پا سکیں۔ اور جب یوں ہوتا تو بات ان پر مشتبہ ہو جاتی کہ جیسے رسول بشری کے بارے میں شک کر رہے ہیں' ملک بشری کے بارے میں بھی شک انہیں دامنگیر ہوتا کیونکہ وہ بھی آخر بشر ہی کی شکل و صورت رکھتا۔

جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ آسمان سے تو ہم فرشتہ اس وقت اتارتے جب کہ زمین پر فرشتے چلتے پھرتے ہوتے اور جب ایسا نہیں تو آسمان سے بھی کیوں اتارا جائے گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جب مخلوق کی طرف وہ کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں میں سے بھیجتا ہے تاکہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں اور اس رسول سے انتفاع ان لوگوں کے لئے ممکن ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ان کا رسول انہیں میں کا ایک آدمی ہے جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پیش کرتا ہے اور ان کو پاک بناتا ہے ورنہ وہ فرشتہ کی طرف تو اس کے نور کی وجہ سے نظر بھی نہیں ڈال سکتے۔ اور بات پھر بھی ان پر مشتبہ ہو جاتی۔ اور اے نبی (ﷺ) ! تم سے پہلے کے نبیوں کے ساتھ بھی تو اسی قسم کا مذاق کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس مذاق واستہزاء کے سبب یہ قومیں ہلاک ہو گئیں۔ اس آیت کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کو ڈھارس دی گئی ہے کہ اگر کسی نے تمہاری تکذیب کی تو پروا نہ کرو۔ پھر مومنین کو اپنی نصرت اور عاقبت حسنہ کا وعدہ دیا گیا اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں چل پھر کر تو دیکھو قرون ماضیہ میں جن لوگوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا' ان کی بستیوں کے کیسے کھنڈر پڑے ہیں اور دنیاوی عقوبت کا انہیں کیسا عذاب دیا گیا اور پھر آخرت میں الگ عذاب دیا جائے گا۔ اور پھر رسولوں اور مومنوں کو ہم نے کیسا بچا لیا تھا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے تم کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے اس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے سب جو کچھ رات میں اور دن میں رہتی ہیں اور وہی ہے بڑا سننے والا بڑا جاننے والا۔ آپ کہیئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا اور کسی کو معبود قرار دوں۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔

آسمان و زمین کے مالک کی ہی بندگی کریں: خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ﴿ مالك السموت و الارض ﴾ ہے اور اس نے اپنے نفس پر رحمت واجب قرار دے لی ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو لوح محفوظ میں لکھ

دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ ارشاد ہے کہ یقیناً وہ قیامت کے روز تم سب کو جمع کرے گا۔ یہاں لام بطور قسم کے ہے گویا اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ یوم مقررہ کے وقت وہ اپنے سارے بندوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کو تو اس میں شک نہیں لیکن کافر شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا وہاں چشمے بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہاں چشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے انبیاء اپنے اپنے حوضوں پر وارد ہوں گے۔ اللہ پاک ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جن کے ہاتھوں میں آگ کے ڈنڈے ہوں گے اور انبیاء کے حوضوں پر وارد ہونے والے کفار کو اس سے ہانک دیں گے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور ترمذی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ مجمع ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو آخرت کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں وہی ہیں جو ایمان نہیں لا رہے ہیں اور اس یوم آخرت سے ڈرتے نہیں۔ پھر فرمایا کہ جو مخلوق بھی دن میں بستی ہے یا رات میں وہ سب اس کے تحت تصرف ہے اور زیر انتظام ہے وہ بندوں کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کی حرکات کو اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ پھر اپنے رسول سے جس کو توحید عظیم اور شرع قویم عنایت فرمائی۔ فرماتا ہے کہ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاؤ اور کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا میں کسی دوسرے کو والی بناؤں۔ جیسا کہ فرمایا کہہ دو' اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پوجوں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فاطر السموات والارض ہے۔ بغیر نمونے کے اس نے زمینوں آسمان کو وجود بخشا۔ اس کو چھوڑ کر کسی اور کو کیسے پوجوں' وہ سب کو کھلاتا ہے اس کو نہیں کھلایا جاتا۔ حالانکہ وہ بندوں کا حاجتمند نہیں کہ غرض متعلق ہو جیسا کہ فرمایا کہ جن وانس کو میں نے صرف اپنی عبادت وعبودیت کے لئے پیدا کیا۔ بعض نے لا یَطعَمُ پڑھا ہے یعنی وہ خود کچھ نہیں کھاتا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اہل قبا کے ایک انصاری نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی۔ ہم سب بھی گئے۔ آپ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر جو کھلاتا ہے اور خود کچھ نہیں کھاتا۔ ہم پر احسان فرماتا ہے۔ ہمیں کھانا کھلایا' پانی پلایا ہمارے برہنہ جسم پر لباس پہنایا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کفران نعمت نہیں کر سکتے نہ اس سے بے نیاز بن سکتے ہیں۔ اس نے گمراہی سے بچایا۔ دل کے اندھے پن سے دور رکھا۔ ساری مخلوقات پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ کہہ دو اے نبی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا مسلمان بنوں اور شرک نہ کروں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب یوم عظیم کا ڈر ہے۔ قیامت کے روز جس پر سے عذاب ہٹ گیا اس پر بڑی مرحمت ہوئی اور یہ بہت بڑی کامیابی رہی جیسا کہ فرمایا کہ جو دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں بھیجا گیا وہ بڑا ہی کامیاب شخص ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَىُّ شَىْءٍ
اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ
مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾

اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچادیں تو اسکا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچادیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔ آپ کہیئے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے آپ کہیئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔ کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمادیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بے زار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلاوے ایسے بے انصافوں کو رستگاری نہ ہوگی۔

نفع و نقصان کا مالک صرف ایک اللہ ہے: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ مالک مضرت و نفع ہے وہ اپنی مخلوقات میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ اس کی حکمت کو نہ کوئی پیچھے ڈالنے والا ہے نہ اس کی قضا کو کوئی روکنے والا ہے۔ اگر وہ مضرت کو روک دے تو کوئی جاری کرنے والا نہیں اور خیر کو جاری کر دے تو کوئی روکنے والا نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ جسے جو رحمت دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے ﴿اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ﴾ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے لئے لوگوں کے سر جھک گئے ہیں۔ ہر شے پر وہ غالب ہے اس کی عظمت و کبریائی اور علو و قدر کے سامنے سب پست ہیں' اس کا ہر فعل حکمت پر مشتمل ہے وہ مواضع اشیاء سے باخبر ہے اگر وہ کچھ دیتا ہے تو مستحق ہی کو دیتا ہے' اور روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے روک دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ سب سے بڑی شہادت کس کی شہادت ہے پھر فرماتا ہے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان گواہ کی حیثیت میں ہے اور یہ قرآن میری طرف نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ قرآن پہنچے جیسا کہ فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ یعنی ان لوگوں میں سے جو کفر اختیار کرے گا تو دوزخ اس کا وعدہ گاہ ہے اور جس تک قرآن پہنچ جائے تو گویا اس نے نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کر لی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس تک میرا قرآن پہنچا گویا میں نے خود اسے تبلیغ کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں دوسروں تک پہنچاؤ جس کو کتاب اللہ کی کوئی آیت پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کا اس کو حکم پہنچ گیا۔ ربیع بن انسؓ نے کہا ہے کہ تابع رسول پر لازم ہے کہ اس طرح اسلام کی دعوت دے جس طرح آنحضرت ﷺ دیتے تھے اور اس طرح ڈرائے جیسے آنحضرت ﷺ ڈراتے تھے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ﴾ یعنی اے مشرکو! کیا واقعی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرے اللہ بھی ہیں۔ کہہ دو کہ ایسی گواہی تو میں نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ﴾ اگر وہ گواہی دیں بھی تو اے نبی (ﷺ)! تم ایسی گواہی نہ دینا ﴿ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ پھر اہل کتاب کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ قرآن اور نبی اکرم ﷺ کو ایسے بہتر طور پر جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں مرسلین متقدمین کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ یہ سارے پیغمبر وجود محمد ﷺ کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔ وہ محمد ﷺ کی ہر صفت سے ان کے وطن' ان کی ہجرت' ان کی امت کے اوصاف' غرض یہ کہ اپنی کتابوں میں ان ساری باتوں کا داخلہ پاتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

یُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو نقصان پہنچا لیا وہی ہیں کہ ایمان نہیں لاتے' حالانکہ بات بالکل واضح ہے۔ انبیاء نے آپ ﷺ کی بشارتیں دی ہیں اور قدیم زمانے سے آپ ﷺ کی پیغمبری اور آپ ﷺ کے وجود کی پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ﴾ یعنی اس شخص سے بڑھکر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور دلائل و براہین کو جھٹلا دے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ یہ مفتری اور مکذب کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے۔ پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ تعالیٰ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔ ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر کبھی ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔ اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔

مشرکوں کا حال اور چال: ہم جب قیامت کے روز ان سب کو جمع کریں گے تو ان اقسام و اوثان کے بارے میں ان سے پوچھیں گے جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے رہتے تھے کہ تمہارے وہ بت کہاں گئے جنہیں تم شریک الٰہی قرار دیتے تھے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴾ یعنی ان کی معذرت اور احتجاج یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم تو مشرک نہیں تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا اے ابن عباسؓ! آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴾ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب یہ مشرکین دیکھیں گے کہ اہل صلوٰۃ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہو رہا ہے تو آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم شرک کا انکار کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا

دے گا تو پھر ان کے ہاتھ پاؤں از خود گواہی دینے لگیں گے اور کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ اے شخص اب تو کوئی شک تمہارے دل میں باقی نہیں رہا۔ قرآن میں کوئی ایسی بات باقی نہیں رہ گئی ہے جو وضاحت طلب ہو۔ لیکن تم نہیں سمجھ سکتے اور تاویل و توجیہ نہیں کر سکتے۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں اتری۔ لیکن یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ یہ آیت تو مکہ میں اتری ہے اور مکہ میں منافقین کہاں تھے۔ یہ تو اسلام کے مقبول عام ہونے کے بعد مدینے میں ان کا گروہ پیدا ہوا۔ منافقین کے بارے میں جو آیت اتری ہے وہ آیت مجادلہ ہے یعنی ﴿ یوم یبعثہم اللہ جمیعافیحلفون لہ ﴾ یعنی جس روز اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں جمع کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کھا کر بیان کریں گے اور اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿ اُنظُرْ کَیفَ کَذَبُوْا علیٰ اَنفُسِھِمْ وضَلَّ عنھُم مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴾ یعنی دیکھو تو انہوں نے جان بوجھ کر کیسی جھوٹ بات کہی اور جن بتوں کو وہ پوجتے تھے وہ کیسے ان سے منحرف ہو گئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں سے "بعض تمہاری طرف کان لگا کر سنتے ہیں" حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے اور خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی کیسی ہی نشانی پائیں ایمان نہیں لاتے ہیں وہ سننے کے لئے آتے ہیں لیکن یہ سننا ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ "ان کی مثال ان چوپایوں کی ہے جو اپنے چرواہے کی آواز کو سنتے ہیں لیکن مطلب خاک نہیں سمجھتے"۔ پھر آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ آیات و دلائل و بینات وہ دیکھتے ہیں لیکن انہیں نہ عقل ہے نہ انصاف سے کام لیتے ہیں پھر کیا ایمان لائیں گے۔ اگر ان میں کچھ بھی بھلائی کی صلاحیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سننے کی توفیق دیتا اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو حجتیں کرنے لگتے ہیں اور باطل باتیں پیش کر کے حق کے اندر بحث و مباحثہ شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ تم وحی کے نام سے پیش کر رہے ہو یہ تو پہلے لوگوں کی کتابوں سے منقول ہے۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں۔ ﴿ ینھون ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اتباع حق اور تصدیق رسول اور انقیاد قرآن سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں۔ گویا وہ فعل قبیح کرتے ہیں نہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿ ینھون عنہ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ لوگ نبی اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ تو ابو طالب انہیں روکتے تھے۔ انہیں سے متعلق یہ آیت اتری۔

سعید بن ابی ہلال کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کے دس چچا تھے۔ بہ ظاہر آپ ﷺ کے بڑے ہمدرد لیکن باطن میں آپ ﷺ کے برخلاف۔ یہ سب قبل نبی اکرم ﷺ سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن افسوس کہ ایمان کی برکت حاصل کرنے سے خود محروم رہ جاتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی نفوس کو ہلاک کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں کہ اپنی ہی ذات کو نقصان و مضرت پہنچا رہے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ
تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۗ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۗ قَالَ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آ گئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً بالکل جھوٹے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال کا جینا ہے اور ہم زندہ نہ کئے جاویں گے۔ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے۔ وہ کہیں گے بے شک قسم اپنے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو۔

کفار روز قیامت کیا کہیں گے؟ اللہ تعالیٰ کفار کا حال بیان فرماتا ہے کہ جب وہ قیامت کے روز آگ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس کے طوق اور سلاسل کو دیکھیں گے تو کہنے لگیں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں واپس کئے جائیں اب کی بار ہم صالح عمل کریں گے اور رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے' ایمان لائیں گے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ کفر و تکذیب و معاندت کی جو باتیں انہوں نے اپنے نفوس میں چھپا رکھی تھیں وہ اب ظاہر ہو گئی ہیں اگر چہ دنیا یا آخرت میں اس کا انہوں نے انکار کیا ہو جیسا کہ ابھی ابھی اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ان کی حجت فقط یہ ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ دیکھو کہ انہوں نے کیسی جھوٹی باتیں بنائیں اور یہ بھی محتمل ہے کہ ان پر اب یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ دنیا میں رسول کی صداقت جاننے کے باوجود وہ جو ایمان نہیں لاتے تھے اس وقت یہی معرض بحث میں ہے یعنی جان کر بھی ایمان نہ لانا۔ یہ چیز یہاں آ کر ظاہر ہو گئی ہے۔ دنیا میں یہ راز فاش نہ ہو سکا تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ "اے فرعون تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے"۔ اور اللہ پاک نے بھی فرعون اور قوم فرعون سے متعلق فرمایا کہ انہوں نے انکار کرنے کو کر دیا لیکن ان کے دل یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہماری طرف سے ظلم و زیادتی ہے۔ اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے مراد وہ منافقین ہوں جو لوگوں کے سامنے تو ایمان لائے ہوتے لیکن باطن میں کافر ہوتے۔ یہ کفار کے اس کلام کی خبر دی جا رہی ہے جو وہ قیامت کے روز کریں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور نفاق تو مدینے والوں میں تھا یا اس کے اطراف کے اعراب میں' پھر مکی سورت میں منافقین کیسے مذکور ہو سکتے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مکیہ میں بھی وقوع نفاق کا ذکر فرمایا ہے اور وہ سورۂ عنکبوت ہے فرماتا ہے۔ ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی جانتا ہے اور منافقین کو بھی۔ اسی بنا پر کہا گیا کہ منافقین جب دار الآخرت میں معائنہ عذاب کر لیں گے تو کفر و نفاق کو چھپانے کے بعد ان پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ ہمارا ایمان ظاہری ایمان تھا۔ چنانچہ یہ جو فرمایا کہ وہ چھپاتے تھے۔ اب ظاہر ہو گیا سو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف واپسی جو چاہتے ہیں وہ ایمان کے ساتھ رغبت و محبت کی بنا پر نہیں بلکہ جو عذاب بروز قیامت انہوں نے دیکھ لیا ہے اس سے ڈر گئے ہیں کہ اب اپنے کفر کی سزا ملے گی۔ اس لئے دوزخ سے موقتی طور پر بچنے کے لئے دنیا کی طرف رجعت چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ دنیا میں پھر بھیجے بھی جائیں تو ضرور پھر کفر ہی کرنے لگیں گے اور ان کا یہ کہنا کہ اب کے ہم تکذیب نہیں کریں گے اور ایمان دار بنے رہیں گے سب غلط ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے وہ صرف یہی زندگی ہے۔ کون دوبارہ اٹھایا جاتا ہے۔ کاش تم دیکھ سکتے کہ وہ اپنے رب کے سامنے کیسے مایوس ہو کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں یہ روز قیامت حق ہے کہ نہیں؟ وہ کہیں گے ہاں اے اللہ تعالیٰ تیری قسم سچ ہے۔ حکم ہو گا کہ پھر تو اپنے کفر کا مزہ چکھو۔ کیا یہ جادو ہے یا یہ کہ تمہیں کو دیدۂ بصیرت نہیں تھا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا

فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

بے شک خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تکذیب کی' یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آپہنچے گا کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی۔ اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے' خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے۔ اور دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

منکرین قیامت کا انجام: مکذبین لقاء باری تعالیٰ اور ان کی نامرادی و مایوسی کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اچانک قیامت آپہنچے گی تو اپنے اعمال قبیحہ پر انہیں کیسی ندامت ہوگی اور کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے خلاف حق جو زیادتیاں کی تھیں ﴿ فِيْهَا ﴾ کی ضمیر محتمل ہے کہ حیات دینوی اور اپنے اعمال کی طرف رجوع ہو۔ اور اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائے ہوں گے۔ حیف کہ وہ کیسا برا وزن اٹھائے ہوئے ہیں۔ قتادہ ﴿ يزرون ﴾ کو ﴿ يعملون ﴾ پڑھتے تھے۔ ابو مرزوق سے روایت ہے کہ جب کافر یا فاجر قبر سے اٹھیں گے تو ایک نہایت بدشکل مجسمہ ان کا استقبال کرے گا۔ اس کے پاس سے سخت بدبو آتی ہوگی۔ وہ کافر شخص پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ شکل کہے گی کہ تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرے اعمال خبیثہ کا مجسمہ ہوں' جو تو دنیا میں کرتا رہتا تھا۔ دنیا میں بہت دنوں تو مجھ پر سوار تھا اب میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ هُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ﴾ سدیؒ سے روایت ہے کہ جب کوئی گنہگار قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک نہایت بدشکل صورت سامنے آتی ہے۔ کالا رنگ' بدبودار' میلے کپڑے۔ اس کے ساتھ قبر میں سکونت پذیر ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا ہی برا ہے تیرا چہرہ تو وہ کہے گا کہ تیرے اعمال قبیحہ کا میں عکس ہوں' ایسے ہی تھے تیرے اعمال اور ایسے ہی بدبودار تھے تیرے تمام کام۔ وہ کہے گا تو ہے کون؟ تو کہے گا میں تیرا عمل ہوں۔ پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ قبر میں رہے گا۔ قیامت میں وہ اس سے کہے گا کہ لذات و شہوات کی شکل میں تجھ کو میں دنیا میں اٹھائے ہوئے تھا' آج کے روز تو مجھے اٹھائے گا۔ چنانچہ اس کے اعمال کا مجسمہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ یہی اس آیت کی وضاحت ہے۔ ارشاد ہے کہ اکثر حیات دنیوی لہو ولعب ہے اور متقیوں کے لئے تو صرف دار الآخرت ہی ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي
اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ
كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا
فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ڼ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ

يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ پر جمع کر دیتا سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائیں گے پھر سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لائے جاویں گے۔

آپؐ کا حرص، کہ کوئی جہنم میں نہ جائے: قوم کی تکذیب و مخالفت پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کو تسکین دیتا ہے کہ ہم کو ان کی تکذیب اور تمہارے حزن و تاسف کا علم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا کہ "ہمیں ان کی حرکت خوب معلوم ہے تم ملال نہ کرو"۔ اور فرمایا کہ کیا اگر یہ ایمان نہ لائے تو آپ ان کے پیچھے اپنی جان گھلا ڈالیں گے کہاں تک ان پر حسرت و افسوس کریں گے؟

کفار مکہ کی قلبی شہادت: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت تم کو کذب سے متہم نہیں کر رہے ہیں، بلکہ حق سے عناد کے سبب آیات اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ اسی سے متعلق حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم تمہیں تو نہیں جھٹلاتے بلکہ تم جو دین پیش کرتے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اتارا۔

ابو یزید مدنی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی۔ ابو جہل نے مصافحہ کیا تو اس کے ایک ساتھی نے کہا کہ کیا تم اس شخص سے مصافحہ کرتے ہو؟ تو ابو جہل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا ہوں کہ یقیناً یہ نبی ہے لیکن کیا کبھی اب تک ہم عبد مناف سے دب کر رہے ہیں؟

قصہ ابو جہل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شب میں چھپ کر حضرت ﷺ کی قراءت سننے کے لئے آیا۔ اسی طرح ابو سفیان بن صخر اور اخنس بن شریق بھی۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، صبح تک تینوں چھپ کر حضرت ﷺ سے قرآن سنتے رہے۔ دن کا اجالا ہونے لگا تو واپسی میں ایک سنگم پر تینوں کی ملاقات ہو گئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم کیسے آئے تھے۔ اب سب نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ہم کو قرآن سننے کے لئے نہیں آنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیکھ کر قریش کے نوجوان بھی آنے لگیں اور آزمائش میں پڑ جائیں۔ جب دوسری رات آئی تو ہر ایک نے یہی گمان کیا کہ وہ دونوں تو نہیں آئے ہوں گے چلو قرآن سن لیں۔ غرض یہ کہ صبح کے قریب پھر تینوں کا سنگم ہوا اور خلاف معاہدہ کرنے پر ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا اور دوبارہ معاہدہ کر لیا کہ اب کے نہ جائیں گے اور جب تیسری رات آئی تو پھر تینوں حضرت ﷺ کی مجلس میں گئے۔ پھر صبح کے وقت معاہدہ کر لیا کہ آئندہ سے تو ہرگز نہ آئیں گے۔

اب اخنس بن شریق ابو سفیان بن حرب کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو حنظلہ! تمہاری کیا رائے ہے تم نے محمد ﷺ سے جو قرآن سنا اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ابو سفیان کہنے لگا اے ابو ثعلبہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے جو باتیں سنیں ان کو خوب پہچانتا ہوں اور اس کا جو مطلب ہے اس کو بھی جانتا ہوں لیکن بعض باتیں ایسی سنی ہیں جن کا مقصد اور معنی نہ سمجھ سکا۔ تو اخنس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم یہی میری بھی حالت ہے۔ پھر اخنس وہاں سے چل کر ابو جہل کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو الحکم! محمد ﷺ سے جو کچھ سنا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے اور تم نے کیا سنا؟ تو ابو جہل نے کہا کہ ہم اور بنو عبد مناف مقام شرف کے حاصل کرنے میں ہمیشہ دست و گریباں رہے ہیں انہوں نے دعوتیں کیں تو ہم نے بھی کیں، انہوں نے خیر و سخاوت کی تو ہم نے بھی کی۔ حتیٰ کہ ہم تو پاؤں جوڑے بیٹھے رہے اور وہ کہنے

لگے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک پیغمبر ہے اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ تو اب ہم یہ بات کہاں سے لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اس کی پیغمبری کی تصدیق نہ کریں گے اور اپنے پر اس کی مسابقت کو نہ مانیں گے۔ اخنس یہ بات سن کر چلا گیا۔

اور اس آیت کے بارے میں کہ وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں' سدی کہتے ہیں کہ بدر کے روز اخنس بن شریق نے بنی زہرہ سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارا بھانجا ہے۔ تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ اپنے بھانجے کی طرف سے مدافعت کرو اگر در حقیقت وہ نبی ہے تو آج یوم بدر میں تم کو اس سے لڑنا ہی نہیں چاہیے۔ اور اگر وہ کاذب ہے تو اپنے بھانجے سے رک جانے کے بھی تمہیں زیادہ مستحق ہو کہ اس پر حملہ نہ کرو اور لڑائی سے الگ رہو اور اس کی مدد نہ کرو۔ اچھا ٹھہرو! میں ابوالحکم سے مل لوں۔ اگر وہ محمد ﷺ پر غالب آجائے تو تم بلا مضرت اپنے وطن واپس ہو گے اور اگر اس جنگ میں محمد ﷺ غالب آگئے تو تم نے اپنی قوم کے خلاف جنگ کی ہی نہیں تھی اس لئے شرکت جنگ سے رک ہی کیوں نہیں جاتے۔ اسی دن سے اس کا نام اخنس ہو گیا حالانکہ اس کا نام ابی تھا۔ اب اخنس اور ابوجہل کی باہم خلوت ہوئی۔ اخنس نے پوچھا کہ ابوالحکم! بھلا مجھے بتاؤ کہ محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور اہل قریش نہیں جو ہماری بات سن سکے۔ تو ابوجہل نے کہا کم بخت! اللہ تعالیٰ کی قسم محمد ﷺ ہے تو سچا' کبھی محمد ﷺ نے جھوٹ نہیں کہا لیکن بات یہ ہے کہ جب بنوقصی ہی علم بردار بھی ہوں' ایام حج میں سقایت اور کلید برداری کعبہ کا بھی حق انہیں کو حاصل ہو' پھر نبوت بھی ان کی سب مان لیں تو پھر بقیہ قریش کے لئے رہ کیا گیا۔ اسی بنا پر اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ تم کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں۔ اور محمد ﷺ بھی تو آیت اللہ ہیں۔

اور یہ قول کہ تم سے پہلے کے رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے۔ انہوں نے صبر کیا انہیں تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ حتیٰ کہ انہیں ہماری مدد آپہنچی۔ اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور ان سے نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے جیسا کہ دوسرے نبیوں کی مدد کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ قوم کی تکذیب اور ان سے اذیت بلیغ پہنچنے کے بعد وعدہ کیا گیا کہ عاقبت تمہاری ہے چنانچہ دنیا میں بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت آگئی' جیسے کہ آخرت کی نصرت حاصل ہو ہی چکی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بات نہیں بدلتی اور نصرت کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ الخ پھر فرمایا ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ اور قول پاک ﴿ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ یعنی پیغمبروں کے واقعات تو تمہیں بتائے ہی جا چکے ہیں اور ان کی تاریخ کے اندر تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ﴾ یعنی اگر تم پر ان کا اعراض کر جانا شاق گزرتا ہو تو تم اس کا علاج کر ہی کیا سکتے ہو۔ زمین میں سرنگ لگاؤ اور وہاں سے اللہ تعالیٰ کی نشانی نکال لاؤ یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھو اور اوپر سے کوئی نشانی ڈھونڈ نکالو اور لا کر پیش کرو۔ اگر ہو سکتا ہو تو ایسا بھی کر دیکھو۔ یہ کبھی ایمان لائیں گے ہی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا ایمان لانا منظور ہی ہوتا تو انہیں ہدایت پر لا جمع کرتا۔ اس لئے بات کو سمجھو نا حق کا رنج نہ کرو بے سمجھ نہ بنو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو زمین کے سب ہی باشندے ایمان لائے ہوئے ہوتے۔ ابن عباسؓ سے وَلَوْشَآءَ والی آیت کے بارے میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ سب ہی لوگ ایمان لائیں اور ہدایت کی پیروی کرنے لگیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایمان تو وہی لاتا ہے جس کے لئے سعادت ازل ہی میں مقرر ہو چکی ہے۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ)! تمہاری دعوت پر لبیک تو وہ لوگ کہیں گے جو تمہاری بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور قول پاک ﴿ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ یعنی ان مردوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھائے گا۔ پھر وہ اسکی طرف رجوع کریں گے۔ ''موتیٰ'' سے کفار مراد ہیں کیونکہ ان کے دل مردہ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو بحالت زندگی بھی اموات کے نام سے یاد کیا اور اموات اجساد سے تشبیہ دی۔ یہ ان کی رسوائی اور تذلیل کی خاطر تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ
لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ
اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیاان کے رب کی طرف سے' آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے۔ اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرمادیں لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں اور جتنے قسم کے جان دار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو بہرے اور گونگے ہو رہے ہیں طرح طرح کی ظلمتوں میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگا دیں۔

معجزات کا صدور رب تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے: مشرکین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم جس طرح چاہتے ہیں ایسی کوئی نشانی یا خارق عادت بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کیوں نہیں اترتی۔ مثلاً زمین میں چشموں کا جاری ہو جانا وغیرہ۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر ہے لیکن اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہے اس لئے کہ اگر ان کے حسب منشا نشانی اللہ تعالیٰ نازل فرمادے اور پھر وہ ایمان نہ لائیں تو خود ہی عذاب ان پر نازل ہو جائے گا۔ موت تک بھی فرصت نہ ملے گی جیسا کہ امم سابقہ کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ اہل ثمود کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ ہم تو جو چاہیں نشان بھی دکھا سکتے ہیں اور جو چاہیں عذاب بھی کر سکتے ہیں۔

جانور' الگ امتیں اور روز حشر: اور پھر فرمایا ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ الخ چرنے چگنے والے جانور' اڑنے والے پرند بھی تمہاری طرح قسم قسم کے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ان دواب کی کئی قسمیں ہیں جن کے نام مشہور ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ "طیر" ایک امت ہے۔ انس وجان بھی ایک ایک امت ہیں اور یہ امتیں تمہاری ہی جیسی مخلوق رب تعالیٰ ہیں۔ ﴿ مَافَرَّطْنَا ﴾ الخ یعنی سب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کسی کو رزق دینا وہ بھولتا نہیں' خواہ وہ بری ہوں کہ بحری ہوں۔ جیسے کہ ارشاد ہے ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ الخ یعنی وہ ان کے اسماء اور اعداد و مقامات کو جانتا ہے حتیٰ کہ ان کی حرکات و سکنات تک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور فرمایا ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ﴾ الخ بہت سے جان دار ہیں جن کی روزی تیرے ذمہ نہیں' انہیں اور تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے۔

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہیں آیا۔ آپ نے دریافت کیا تو کچھ معلوم نہ ہوا۔ آپ کو چونکہ تعلق خاطر تھا اس لئے عراق اور شام وغیرہ کی طرف لوگوں کو بھیج کر دریافت کرایا کہ آیا وہاں کوئی ٹڈی دل آیا۔ تو یمن کی طرف سے آدمی نے چند ٹڈیاں نکال کر سامنے ڈال دیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر تین بار اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ

رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں جس میں سے چھ سو سمندری ہیں اور چار سو خشکی کی ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اس ٹڈی والی مخلوق کو ہلاک کرے گا۔ پھر پے در پے مخلوقات کی ہلاکت کا سلسلہ ایسا قائم ہو جائے گا جیسے منکے کے دانے ٹوٹ جاتے ہیں ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴾ یعنی ان ساری امتوں کو پھر موت آ جائے گی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بہائم کی موت ہی ان کا حشر ہونا ہے۔ اس بارے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بہائم بھی قیامت کے روز دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴾ یعنی بہائم بھی محشر میں آئیں گے۔

ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے دو بکروں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کو سینگ مار رہے ہیں کہا اے ابوذر! کیا جانتے ہو کہ یہ کیسے لڑ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ظالم کو جانتا ہے اور قیامت میں ان کا بھی فیصلہ کرے گا۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اڑتے ہوئے پرندے تک کے بارے میں علم دیا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے سینگ کی بکری قیامت کے روز سینگ والی بکری سے انتقام لے گی۔ ﴿ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ کے بارے میں ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بہائم اور دواب اور طیر تک کو پیدا کرے گا۔ ہر ایک دوسرے سے اپنا بدلہ لیں گے پھر فرمائے گا کہ تم سب مٹی بن جاؤ۔

چنانچہ کافر بھی اس وقت یہ کہنے لگیں گے ﴿ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴾ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ﴾ یعنی جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اپنے جہل اور قلت علم اور عدم فہم کے سبب بہرے اور گونگوں کی طرح ہیں۔ اور پھر تاریکیوں میں ہیں کچھ دیکھ بھی نہیں سکتے۔ اب ایسے لوگ ٹھیک راستہ چل سکیں تو کیوں کر۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے "ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ روشن کرے تو آس پاس کی چیزیں اس کو نظر آ جائیں اس وقت آگ بجھ جائے وہ تاریکی میں رہ جائیں اور وہ کچھ نہ دیکھ سکیں"۔ اور اسی لئے فرمایا ﴿ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ وہ جس کو چاہے گمراہ ہونے دے اور جس کو چاہے صراط مستقیم پر رکھے۔ وہ اپنی تخلیق پر اپنی حسب منشا متصرف ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا
تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ ع
یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ
مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰٓی
اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٤٥﴾

آپ کہیئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو بلکہ خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ اور ہم

نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے۔ سو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا' پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

عقیدہ توحید اور مشرکین مکہ: اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں ہر طرح متصرف ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حکم بدل سکتا ہے نہ اس کی حکمت کو پیچھے ڈال سکتا ہے۔ اس سے مانگا جائے تو اگر وہ چاہے تو قبول کر لیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ناگہاں قیامت آ جائے یا یکایک اللہ تعالیٰ کا عذاب آ پکڑے تو تم اس کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ کیونکہ جانتے ہو کہ اس عذاب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا۔ اگر تم غیر اللہ کو رب تعالیٰ بنانے میں سچے ہو تو تجربہ کر دیکھو بلکہ تم تو اسی کو پکارو گے۔ پھر اگر وہ چاہے گا تو یہ عذاب ہٹائے گا۔ ایسے وقت تم اپنے شریکوں اور بتوں سب کو بھول جاتے ہو۔ سمندر میں ہونے کی حالت میں جب کسی مشکل سے دوچار ہوتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا تمام شریکوں کو بھول جاتے ہو۔ تم سے پہلی امتوں کی طرف بھی ہم نے پیغمبروں کو بھیجا۔ اور جب انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے فقر اور تنگی کے عذاب میں جکڑ لیا اور امراض و آلام میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو پکاریں اور اسی کی طرف خشوع و خضوع کریں۔ پھر جب ہم انہیں مبتلائے عذاب کرتے ہیں تو وہ اثر پذیر کیوں نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں کچھ اثر ہی نہیں ہوتا شیطان نے ان کے شرک اور معاندت کے اعمال کو ان کی نگاہوں کے سامنے اچھا بنا کر پیش کیا ہوا ہے۔ پس جب وہ ہماری تنبیہہ کو بھی بھول جاتے ہیں اور ایمان کو پس و پیش ڈال دیتے ہیں تو ہم پورے رزق کے دروازے ان پر کھول دیتے ہیں تاکہ وہ اور ڈھیل میں پڑ جائیں۔ سیاست اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ اور جب وہ دنیوی تمتعات پر پھولے نہیں سماتے اور اپنے اموال و اولاد و ارزاق میں ہم سے غافل ہو جاتے ہیں تو یکایک ان پر عذاب آ جاتا ہے یا موت آ جاتی ہے۔ اس نوبت پر وہ ہر خیر سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

تنگ حالی وخوشحالی 'ایک آزمائش ایک ڈھیل: حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس پر رزق وسیع ہوتا ہے وہ اس بات پر غور ہی نہیں کرتا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک سیاست ہے اور جس کو تنگ حالی ہو وہ بھی غور نہیں کرتا کہ اس کی آزمائش کی گئی ہے اور مہلت دی گئی ہے۔ رب کعبہ کی قسم جب گنہگاروں کو پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو دنیا میں انہیں سرسبز رکھا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس وقت تک نہیں پکڑا جب تک کہ وہ اپنی نعمت میں بدمست نہیں ہو گئے۔ دھوکا نہ کھاؤ۔ فاسق اور گنہگار لوگ ہی دھوکا کھاتے ہیں۔ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ سے دنیاوی راحت و فراخ حالی مراد ہے۔ ابن عامر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کے معاصی کے باوجود دنیاوی عیش و تنعم اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے تو یقین کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کا وقت گزار رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی کہ جب وہ ہمیں بھول جاتے ہیں تو ہم انہیں ہر طرح کا عیش و تنعم بخشتے ہیں اور جب وہ اس پر مغرور ہو جاتے ہیں اور پھر ہماری گرفت میں آ جاتے ہیں تو ہر طرح سے مایوس بن جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتا ہے تو اس کو پاک دامنی اور میانہ روی بخشتا ہے اور جس قوم سے اپنا رشتہ توڑ لینا چاہتا ہے تو اسے کشائش عطا فرماتا ہے اور باب خیانت اس پر کھول دیتا ہے اور جب وہ مغرور ہو جاتے ہیں تو ناگہاں اسے پکڑ لیتا ہے۔ اب وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور اس قوم کا نسیاً منسیا ہو جاتا ہے۔ حمد کی سزاوار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ
اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ
اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

آپ کہیئے کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ آپ کہیئے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ پڑے خواہ بے خبری میں یا خبر داری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو شخص ایمان لے آئے اور درستی کر لے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلائیں ان کو عذاب لگتا ہے۔ بوجہ اس کے کہ وہ دائرہ سے نکلتے ہیں۔

معاندین سے حق کا وعظ: رسول پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ ان مکذبین معاندین سے کہو کہ کچھ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت و بصارت کو اگر سلب کر لے جو تمہیں دے رکھا تھا جیسا کہ فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ﴾ اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کہ سماعت و بصارت کے ہوتے ہوئے انتفاع شرعی سے انہیں محروم کر دے اور حق بات کے استفادہ سے وہ اندھے اور بہرے ہو جائیں اور یہی مطلب تھا ﴿ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ ﴾ جیسا کہ فرمایا ﴿ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ ﴾ یعنی اگر وہ تمہارے دلوں پر بھی مہر لگا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اس مہر کو توڑ سکے۔ اسی لئے فرمایا کہ ذرا غور کرو کہ ہم اپنی باتیں کس قدر وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں' جو اس بات کی سیر حاصل دلیل ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا رب تعالیٰ نہیں اور جتنے معبود اللہ کے سوا ہیں سب باطل ہیں۔ اس واضح چیز کے بعد بھی وہ اتباع حق سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں۔ کچھ جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہیں آ پہنچے کہ اس کا تمہیں سان و گمان بھی نہ ہو یا دیکھتے دکھاتے سامنے آ جائے تو کیا اس گمراہ قوم کے سوا کوئی اور ہلاک ہو گا۔ کیونکہ یہ لوگ شرک باللہ کے سبب اللہ تعالیٰ کے حیطہ اقتدار میں ہیں' لیکن وہ لوگ نجات پا جائیں گے جو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان پر نہ خوف ہے نہ حزن۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے خراب نہ کیا' ان کے لئے امن و امان ہے اور وہ راہ یافتہ ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم پیغمبروں کو تو جنت کی خوش خبری اور دوزخ کی تہدید و تخویف کے لئے بھیجتے ہیں' وہ نیک مومن بندوں کو بشارت دیتے ہیں تو کفر و گناہ کرنے والوں کو تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ جو دل سے ایمان لائے اور نبی کی اتباع میں عمل صالح کرے تو اس پر آئندہ کی نسبت کرتے کوئی خوف نہیں اور ماضی کی نسبت کرتے انہیں کوئی حسرت اور رنج نہیں کیونکہ ان کے پچھلوں کا اللہ والی ہے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے انہیں اپنے کفر و فسق کے

سب عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اوامر الٰہی سے آزاد بن گئے ہیں اور اس کے مناہی اور محارم کا ارتکاب کرنے لگے ہیں اور اس کے حدود کو توڑنے لگے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ
مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾
وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ
وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ
شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ
مِنْكُمْ سُوْۗءًۢ ا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٤﴾

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں۔ آپ کہیئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے۔ سو کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت سے جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اسی طرح ہم نے ایک کو دوسروں کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے' تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑی رحمت والے۔

غیب اور خزانوں کا مالک کون؟: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے رسول (ﷺ) تم ان سے کہہ دو! کہ میں اس کا دعویٰ ہی کب کرتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے گڑے ہیں اور نہ مجھے اس کا دعویٰ ہے کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں۔ غیب کا علم تو صرف

اللہ تعالیٰ کو ہے مجھے اس میں سے صرف اسی قدر معلوم ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے معلوم کرادیا اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں میں تو ایک بشر ہی ہوں صرف یہ ہے کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے مجھے اس نے اس کا شرف بخشا ہے اور احسان فرمایا ہے اسی لئے میں وحی کے سوا اور کسی چیز کی اتباع نہیں کرتا اور حدود وحی سے بالشت بھر بھی باہر نہیں ہوتا۔ اور کہہ دو کہ کیا بینا اور نابینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں یعنی حق کی پیروی کرنے والے اور اس سے گمراہ لوگ دونوں مساوی ہو سکتے ہیں؟ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔ جیسا کہ فرمایا "کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے حق ہے' مثل نابینا شخص کے ہو سکتا ہے؟"

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اس قرآن کے ذریعہ تم ان لوگوں کو خوف دلاؤ جنہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس بات کا خوف کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی ولی ہے' نہ کوئی شفیع کام دے گا۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے ہیں اور روز حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ جنہیں خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس روز ان کے لئے نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی شفیع کہ شفاعت کر کرے انہیں عذاب سے چھٹکارا دلائے۔ انہیں اس دن سے ڈراؤ جس روز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں' شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس دنیا میں ایسے عمل کریں جو انہیں قیامت کے روز عذاب سے نجات دیں اور اگر ثواب ملے تو دگنا ملے۔

صحابہؓ کا دفاع عرش والا خود کرتا ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں مخلصانہ طور پر تو ایسے لوگ کو اپنے پاس سے نہ ہٹانا بلکہ اپنے مخصوص ہمنشین قرار دینا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ وہ لوگ رب کی صبح و شام عبادت کرتے ہیں اور دن رات کی نمازیں پڑھتے ہیں جیسا کہ فرمایا ﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ اور ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ عمل مخلصانہ لوجہ اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ نہ ان کا حساب تم سے لیا جائے گا اور نہ تمہارا حساب ان سے لیا جائے گا۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کا قول ان لوگوں کے جواب میں جنہوں نے کہا تھا کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی تو گھٹیا درجہ کے لوگ کرتے ہیں' تو نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے تو علم نہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو جانے رہو کہ ان کی بات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہی ان کا محاسب ہے۔ اور اے نبی (ﷺ)! اگر تم ان کو اپنے پاس سے ہٹا دو گے تو ظالمین میں سے سمجھے جاؤ گے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ قریش کی جماعت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی' وہاں حضرت خبابؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور عمارؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ان عزت دار لوگوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! کیا تم کو قوم کے لئے یہ لوگ پسند ہیں' کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے؟ اب ہم ان کے گروہ میں مل کر تمہارے تابع کیسے بن سکتے ہیں۔ تم انہیں اپنے پاس سے ہٹا دو تو پھر ہم تمہاری پیروی کریں' تو یہ آیت اتری تھی۔ اس موقع پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اس طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ فتنہ اور آزمائش میں ڈالا۔ نبی اکرم ﷺ کے اطراف ان مومنین ضعفاء کو دیکھ کر ان لوگوں نے ان کی حقارت کی تھی۔ چنانچہ حضرت ﷺ سے خلوت میں کہا کہ ہم آپ کے ساتھ شریک مجلس رہنا چاہتے ہیں' یہ دیہاتی عرب اپنے پر ہماری فضیلت سے واقف ہیں۔ وفود عرب آپ کے پاس آتے رہتے ہیں ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ لوگ ہمیں ان گھٹیا درجے کے لوگوں کے ساتھ دیکھیں ہم جب آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کیجئے اور ہم جب آپ کے پاس سے اٹھ جائیں تو چاہے پھر اپنے پاس بٹھا لیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا اچھا تو ان لوگوں نے کہا کہ اس معاہدہ پر ایک دستاویزی تحریر دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو بلوایا تاکہ لکھیں۔ یہ ضعفاء مومنین ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ آیت اتری کہ انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانا یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے کاغذ حضرت علیؓ سے لے کر پھینک دیا اور ان لوگوں کو اپنے نزدیک بلا لیا۔ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے

اور اقرع بن حابسؓ اور عیینہؓ بعد ہجرت ایمان لائے۔

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت چھ اصحاب نبی ﷺ کے بارے میں اتری ہے جن میں سے ابن مسعودؓ بھی ہیں۔ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ ہم کو قریب بٹھالیتے تھے تو قریش کہتے کہ ہمیں چھوڑ کر آپ ﷺ انہیں اپنے سے قریب تر کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آزمالیا کہ کون ان میں کیسا ہے۔ اس امتحان کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار قریش کہتے تھے کہ کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم پر احسان کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے۔ بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ابتداء تبلیغ کے زمانے میں غالب تر حصہ ان مردوں عورتوں اور غلاموں کا تھا جو کمزور اور نچلے درجے کے لوگ تھے۔ امیروں اور سرداروں میں بہت کم ایمان لائے تھے جیسے کہ قوم نوح علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی تو سطحی اور گھٹیا درجے کے لوگ ہی کرتے ہیں' کوئی ممتاز اور رودار آدمی نہیں کرتا۔ اور اسی طرح ہرقل ملک روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ کیا قوم کے بڑے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں یا غریب لوگ؟ تو ابوسفیان نے کہا تھا کہ ضعفاء اور غرباء زیادہ تر پیرو ہیں۔ تو ہرقل نے کہا تھا رسولوں کی پیروی پہلے ایسے ہی لوگوں نے کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین قریش ان مومن ضعفاء کا مذاق اڑاتے تھے اور اگر بس میں ہوتا تو انہیں اذیت پہنچاتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے خیر کی طرف ان لوگوں کی کیوں راہ نمائی کی۔ جس بات کی طرف ان لوگوں نے پہل کی ہے اگر وہ خیر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا۔ اور کہتے تھے کہ اگر اس کے تسلیم کرنے میں خیر ہوتی تو یہ ہم سے آگے بڑھتے ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ کافر مومنین سے کہتے ہیں کہ بتاؤ دونوں میں اچھا کون رہا اور شریف اور عزت دار اور دولت مند کون ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے پہلے ایسی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو بڑے رتبے اور اعزاز والے اور جاہ و شوکت والے تھے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کو کیوں ترجیح دی؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سچے شکر گزاروں اور نیک دل اور اچھے کردار لوگوں کو نہیں جانتا؟ اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو توفیق دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

عکرمہؒ سے اس آیت کے بارے میں کہ عبرت دلاؤ ان لوگوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے آنے کا اندیشہ تھا' یہ روایت ہے کہ بنی عبد مناف کے چند کافر شرفاء ابوطالب کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اے ابوطالب! کاش تمہارا بھتیجا محمد (ﷺ) ہمارے غلاموں اور حلیفوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتا کیونکہ وہ ہمارے غلام اور خادم ہیں اور یہ بات ہمیں بہت شاق گزرتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم محمد (ﷺ) کی اطاعت کریں گے اور ان کی پیروی اور تصدیق کریں گے۔ تو ابوطالب نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا۔ تو حضرت عمر بن الخطابؓ نبی اکرم ﷺ سے کہنے لگے۔ اچھا ایسا بھی کر دیکھیے معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا ارادہ ہے اور اس کے بعد وہ کیا کریں گے۔ تو یہ آیت اتری۔ یہاں تک کہ فرمایا' کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نہیں جانتا۔ شکر گزار بندوں سے یہ لوگ مراد ہیں بلال' عمار بن یاسر' سالم مولیٰ ابی حذیفہ' صبیح اسید کے آزاد کردہ' ابن مسعود' مقداد بن عمرو' مسعود ابن القاری' واقد بن عبداللہ حنظلی' عمرو بن عبد عمرو' ذوالشمالین' مرثد بن ابی مرثد اور ابو مرثد الغنوی جو حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور یہ آیت قریش کے ائمۃ الکفر اور ان کے حلیفوں کے بارے میں اتری تھی' جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اٹھے' نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور اپنے غلط مشورے کی معذرت کرنے لگے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان سے کہو کہ تم پر سلامتی ہو۔ یعنی انہیں سلام کہہ کر ان کی عزت بڑھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کی خوشخبری دو۔ اور اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کریمہ پر رحمت کو واجب قرار دے لیا ہے۔ اور جو تم میں سے نادانستگی کے سبب کوئی گناہ کر بیٹھے

اور پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور پھر ہمیشہ کے لئے معاصی سے باز رہے اور ارادہ کر لے کہ پھر ایسا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

شان رحیمیت: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنی تقدیر قائم کی تو عرش پر جو اس کی کتاب لوح محفوظ ہے اس میں تحریر فرمادیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا کہ جب مخلوق کے بارے میں نفاذ حکم سے اللہ تعالیٰ فارغ ہوگا تو تحت عرش سے کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہوگا میں ارحم الراحمین ہوں۔ پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے کچھ خیر کے کام نہ کئے ہوں گے اور ان کی آنکھوں کے درمیان ماتھے پر لکھا ہوگا عتقاء اللہ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ سلمانؓ نے قول باری تعالیٰ ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ ہم توراۃ میں مکتوب پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اپنی سو رحمتیں پیدا کیں اور یہ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی پیدا کیں پھر مخلوق کو پیدا کر کے ان میں سے ایک رحمت مخلوق کے درمیان تقسیم کی اور اپنے پاس ننانوے حصے رحمت رکھ لی۔ اسی ایک رحمت کی برکت سے لوگ آپس میں رحمت و محبت برتتے ہیں بذل و کرم کرتے ہیں اور میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ناقہ اور گائے اور بکری اسی رحمت میں سے حصہ لے کر اپنے بچوں کے ساتھ عطوفت برتتے ہیں اور سمندر میں دو سانپ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور قیامت کے روز اللہ پاک ان سب رحمتوں کو اور اپنے پاس کی رحمت' سب کو گنہگار بندوں پر صرف فرمائے گا۔ اس مضمون میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ پھر پوچھا کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ پھر کہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے اور مبتلائے عذاب نہ کرے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾

اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیال کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو' جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب

سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے سابقہ بیانات میں دلائل و براہین کے ذریعہ طریق رشد و ہدایت وغیرہ کو واضح کر دیا اسی طرح وہ آیتیں جن کے مخاطب محتاج ہیں وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ مجرمین کا راستہ کھل کر سامنے آ جائے۔ اے نبی (ﷺ)! کہہ دو کہ جو وحی اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے اس پر بصیرت رکھتے ہوئے قائم ہوں' اور تم نے تو حق کو جھٹلا دیا ہے۔ تم جس عذاب کی جلدی کر رہے ہو وہ میرے ہاتھ کی بات نہیں۔ حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے اگر وہ جلد تر تم پر عذاب لانا چاہے تو فوراً ہی آ جائے اور وہ درنگ کرنا چاہے اور اپنی حکمت عظیمہ سے تمہیں مہلت دے تو اس کا اختیار ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ حق طریق اختیار فرماتا ہے وہ احکام و قضایا کے فیصلہ کرنے میں اور بندوں کے درمیان کوئی حکم نافذ کرنے میں حق پر ہوتا ہے۔ تم کہہ دو کہ اگر تم پر عذاب جلدی لانا میری اختیاری بات ہوتی تو تم جس عذاب کے مستحق ہو' میں تو اس کو تم پر فوراً ہی نازل کر دیتا اور اللہ تعالیٰ تو ظلم کرنے والوں سے خوب واقف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں اور اس حدیث میں جو بخاری و مسلم سے ثابت ہے آپس میں جمع و توافق کیا ہے۔ یعنی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یوم احد سے بھی کوئی شدید دن آپ پر گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ تمہاری اس قوم سے سخت ترین تکلیف جو مجھے پہنچی وہ یوم عقبہ میں پہنچی جب کہ میں نے ابن عبدیالیل پر اپنے کو پیش کیا تو میری دعوت اس نے منظور نہیں کی۔ میں نہایت غمگین ہو کر چل کھڑا ہوا۔ مقام قرن ثعالب میں آ کر میرے حواس ٹھیک ہوئے اور میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر چھایا ہوا ہے اس میں جبرئیل دکھائی دے رہے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ یا محمد ﷺ! تمہاری قوم نے جو تم سے کہا' اللہ تعالیٰ نے سن لیا۔ ملک الجبال اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ تاکہ تم جو چاہو اس کو حکم دو۔ ملک الجبال نے بھی آواز دی اور سلام عرض کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اسی لئے بھیجا ہے کہ اگر تم حکم دو تو یہ دونوں پہاڑ تمہاری قوم پر گرا دوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کافروں کی نسل سے ایسے لوگ بھی پیدا کر دے جو مومن نکلیں اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں کہ ان پر فرشتے نے اپنا عذاب پیش کیا تو حضرت ﷺ نے اس کو مہلت دینے کو کہا اور عذاب میں تاخیر کی خواہش کی تاکہ ان کی نسل سے مومن پیدا ہو سکیں' تو اب شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث اور اللہ تعالیٰ کے قول بالا میں تطابق کس طرح ہوگا۔ سابقہ قول یہ ہے کہ جو عذاب تم مانگے ہو اگر مجھے اس پر دسترس ہوتی' تو ہمارا تمہارا فیصلہ اسی وقت ہو جاتا اور میں اسی وقت تم پر عذاب نازل کر دیتا۔ اور یہاں دسترس ہونے کے باوجود حضرت عذاب نازل نہیں فرما رہے ہیں۔

یہ شبہ یوں دور ہو سکتا ہے کہ آیت پاک تو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جس عذاب کو وہ طلب کرتے ہیں تو طلب کرنے پر وقوع عذاب ہو جاتا ہے اور حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ انہوں نے عذاب طلب کیا تھا۔ بلکہ فرشتے نے اپنی طرف سے عذاب کی پیش کش کی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو یہ اخشبین جو مکہ میں دو پہاڑ ہیں اور جنوباً و شمالاً اس کو گھیرے ہوئے ہیں' ان پر گرا دوں لیکن حضرت ﷺ نے نرمی کرنے اور تاخیر سے کام لینے کی خواہش کی۔

پھر ارشاد باری ہے کہ غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی باتیں پانچ ہیں' وہ یہ کہ قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے پانی کا برسنا۔ تیسرے یہ کہ حمل میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ چوتھے یہ کہ کل کوئی

شخص کیا کرنے والا ہے۔ پانچویں یہ کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس مقام میں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان باتوں سے خبردار ہے۔ حدیث عمرؓ میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ایک وقت ایک اعرابی کی شکل وصورت میں آپ ﷺ کے پاس آئے اور ایمان واسلام واحسان کے بارے میں آپ ﷺ سے سوالات کئے تو نبی اکرم ﷺ نے جواب کے ضمن میں فرمایا تھا کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آیت تلاوت کی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ اور قولہ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی اس کا علم کریم جمیع موجودات بری وبحری پر محیط ہے زمین اور آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ صرصری نے کیا خوب کہا ہے۔

﴿ فلا يخفى عليه الذرّاما ترا ءى للنوا ظر اوتوارى ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ خواہ دیکھنے والوں سے کوئی چیز کھلی رہے یا ڈھکی رہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا ﴾ جب وہ جمادات تک کی حرکات کو جانتا ہے تو پھر حیوانات اور خصوصاً جن وانس کی حرکات واعمال کو کیسے نہ جانے گا کہ جب وہ مکلف بھی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴾ بروبحر کے ہر شجر تک پر ایک فرشتہ موکل ہے جو پتوں کے گرنے تک کی یادداشت رکھتا ہے۔ کتاب لوح محفوظ میں ہر رطب ویابس ہر سیدھی ٹیڑھی بات اور زمین کی تاریکیوں کے اندر کا ایک ایک ذرہ تک لکھا ہوا ہے۔ ہر درخت بلکہ سوئی کے ناکے پر بھی فرشتہ مقرر ہے یعنی لکھتا ہے کہ کب یہ تروتازہ ہوا اور کب سوکھ گیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دوات کو پیدا کیا اور الواح پیدا کئے اور دنیا میں تمام ہونے والے امور درج کئے کہ کیسی مخلوق پیدا ہوگی' رزق اس کو حلال ملے گا یا حرام' عمل اس کا نیک ہوگا یا بد۔ عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ تیسری زمین سے نیچے اور چوتھی کے اوپر کے جنوں نے تمہارے ظاہر ہونا چاہا لیکن ان کا نور اور روشنی کسی زاویہ سے بھی تمہیں دکھائی نہ دے سکی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خواتیم ہیں کہ ہر خاتم پر ایک فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک فرشتہ کو بھیج کر کہتا ہے کہ جو خاتم تیرے حوالے ہے اس کی حفاظت کر۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ
مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا
يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ خوب سن لو فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔

موت صغریٰ وموت کبریٰ کا بیان: اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو رات کے وقت بوقت خواب وفات دیتا ہے۔ اور یہ وفات اصغر ہے جیسا کہ فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تمہیں اٹھا لینے والا ہوں۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفوس کو وفات دے دیتا ہے اور جو بحالت خواب مر نہیں جاتے ہیں وہ ایسے نفوس ہوتے ہیں ان پر طاری

ہونے والی موت روک دی جاتی ہے اور ان پر دوسری موت بھیجی جاتی ہے یعنی نیند اور یہ مقررہ موت تک ہوتا رہتا ہے۔ اس آیت میں دو وفاتوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک موت کبریٰ' دوسری موت صغریٰ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ رات کے وقت تم کو وفات دے دیتا ہے تم کاروبار سے رک جاتے ہو لیکن دن میں تم اپنے کام میں لگے رہتے ہو اور وہ تمہارے دن بھر کے اعمال کو جانتا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی مخلوق پر کیسا محیط ہے۔ رات کے وقت حالت سکون میں اور دن میں بحالت حرکات۔ جیسا کہ فرمایا﴿ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴾ یعنی چھپا و کھلا رات کا یا دن کے سب امور کا اسے علم ہے۔ اور فرمایا﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴾ الخ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تمہارے لئے دن اور رات بنائے تاکہ رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں کماؤ کھاؤ۔ اور فرمایا کہ ہم نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا اور دن کو طلب معاش کا وقت۔ اسی لئے آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ رات کو وہ مار دیتا ہے اور دن میں جو اعمال تم نے کر رکھے ہیں انہیں جانتا ہے۔ پھر اس ظاہری موت کے بعد دن کے وقت پھر تمہیں جیتا جاگتا اٹھاتا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جب وہ سو جائے تو اس کے نفس کو لے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ روک رکھ تو روک لیتا ہے ورنہ پھر اس کے جسم میں واپس کر دیتا ہے ﴿ هُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ یعنی ہر شخص کا مقررہ وقت پورا ہو جانے پر اس کی جان اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دی جاتی ہے۔ اللہ پاک اس کو بتلا دیتا ہے کہ تو کیا عمل کرتا ہے اور پھر اس کا بدلہ دیتا ہے۔ خیر ہو تو خیر کا بدلہ' بد ہے تو بد۔ و قولہ ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ یعنی وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شے اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے اس نے انسان پر ملائکہ مقرر کر رکھے ہیں جو اس کی ہر آن حفاظت کرتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا کہ انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا﴿ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴾ اور فرمایا﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ ﴾۔ اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو ہمارے ملائکہ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ملک الموت کے کئی فرشتے مددگار ہیں۔ جو جسم سے روح کھینچتے ہیں اور جب حلق تک وہ روح آ پہنچتی ہے تو ملک الموت قبض کر لیتے ہیں اور اس کا ذکر بوقت تفسیر آیت﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ میں آگے آئے گا۔ پھر فرمایا﴿ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾ یعنی وہ روح متوفی کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ پھر اس کو وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اگر وہ نیک ہو تو علیین میں جگہ دی جاتی ہے اور اگر فاجر ہو تو سجین میں' جو دوزخ کا طبقہ ہے' اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ پھر یہ ملائکہ ان روحوں کو اپنے مولائے حق کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

نیک اور بد روح کا انجام: یہاں ہم ایک حدیث ذکر کرتے ہیں جس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والے کے پاس ملائکہ آتے ہیں' اگر وہ مرد صالح ہو تو کہتے ہیں کہ آجا اے نفس طیبہ! تو جسد طیب میں تھا' دنیا سے محمود واپس آ۔ تجھ کو جنت کے روح و ایمان کی خوش خبری ہے' اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض نہیں۔ جب یہ مسلسل کہتے رہتے ہیں تو روح جسم سے نکل آتی ہے وہ اسے لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے' کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی روح ہے تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ "مرحبا اے نفس طیبہ تو جسم طیب میں تھا۔ تجھے خوش خبری ہے"۔ یہاں تک کہ وہ اسے لے کر اس آسمان تک پہنچتے ہیں جہاں اللہ پاک ہے۔ اور اگر وہ جان بدکار کی جان ہے تو کہتے ہیں کہ "اے خبیث جسم میں رہنے والی خبیث جان! نکل ذلیل بن کر' تجھے حمیم و غساق کی خوش خبری ہے اور تیرے لئے اسی پیپ اور آب گرم کی طرح اور دوسرے عذاب بھی ہیں"۔ بار بار کہنے کے بعد جب وہ نکلتی ہے تو اسے لے کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ دروازہ کھل جاتا ہے پوچھا جاتا ہے کون ہے؟ کہا جاتا ہے فلاں۔ تو فرشتے کہتے ہیں لعنت ہے تجھ پر اے نفس خبیثہ! تیرے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلے گا پھر وہ جان اپنی قبر کی طرف واپس کر دی جاتی ہے۔ یہ

حدیث غریب ہے۔ اور محتمل ہے کہ یہ مراد ہو کہ ثُمَّ رُدُّوْا یعنی ساری مخلوق کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف رد کیا جائے گا اور اللہ پاک حسب انصاف ان پر حکم صادر فرمائے گا جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ اور پھر وارد ہے ﴿ وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ یعنی اولین و آخرین سب کو بروز قیامت جمع کیا جائے گا۔ ہم سب کو اٹھائیں گے۔ کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ وہ مولائے حق ہے حکم صرف اسی کا چلتا ہے۔ وہ بہت جلد سب کا حساب لے گا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

آپ کہیئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔ آپ کہیئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔

مشرکین مشکل کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے: اللہ اپنے بندوں پر احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ ہم نے بر و بحر کی تاریکیوں سے ان پریشان حالوں کو کیسے نجات دی جب کہ بری مشکلات اور بحری گرداب میں پھنس گئے تھے جہاں مخالف ہوائیں چل رہی تھیں اور اس وقت وہ دعا کے لئے اللہ تعالیٰ واحد کو مخصوص کر رہے تھے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا کہ جب تمہیں سمندر میں کسی مضرت سے سابقہ پڑتا ہے تو اس وقت یہ سارے شرکاء کو بھول جاتے ہیں کوئی بت یاد نہیں آتا اور یاد آتا ہے تو صرف اللہ رب العزت۔ قول پاک ہے کہ تمہارا رب وہی اللہ تعالیٰ تو ہے جو بحر و بر میں تمہیں لے چلتا ہے اور جب جہاز خوشگوار اور موافق ہوا کے ساتھ چلتے ہیں تو بڑے خوش رہتے ہو اور جب باد مخالف چلتی ہے اور ہر طرف سے موجیں ٹکرا دیتی رہتی ہیں اور یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو موت میں گھر گئے تو بڑے خلوص سے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اگر اس مصیبت سے تو ہمیں نجات بخشے گا تو ہم بہت شکر گزار بندے بنیں گے۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ غور تو کرو کہ بحر و بر کی تاریکیوں میں تمہیں سیدھی راہ کون چلاتا ہے۔ اور خوش آئند ہواؤں کو اپنی رحمت سے کون بھیجتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور اللہ تعالیٰ بھی ہے جسے تم نے شریک بنالیا ہو۔ اور یہ آیت کریمہ کہ ظلمات بحر و بر سے کون نجات دیتا ہے جس کو تم سراً و علانیۃً پکارتے ہو کہ اگر تو ہمیں نجات دے تو ہم شکر گزار بنیں گے۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں اس سے اور ہر درد و کرب سے نجات بخشی ہے۔ لیکن تم پھر بھی خوش حالی میں بتوں کو اس کا شریک بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر

ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے جیسا کہ سورۂ سبحان میں ہے کہ تمہارا رب ہی جہازوں کو سمندر میں چلاتا ہے تا کہ تم دولت کماؤ۔ وہ تم پر رحیم و کریم ہے۔ اور جب تمہیں کوئی مضرت آ پہنچتی ہے تو اپنے سب بتوں کو بھول جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی یاد رہ جاتا ہے اور جب سمندر کے خطرات سے بچا کر خشکی پر لا کھڑا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اعراض کر جاتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکر گزار ہے زمین پر آنے کے بعد کیا تم بچ گئے وہ چاہے تو پانی میں ڈبونے کی طرح کیا زمین کے اندر بھی تمہیں نہیں دھنسا سکتا۔ یا تم پر آسمان سے پتھراؤ ہو جائے اور پھر کوئی تمہارا مددگار نہ ہو۔ وہ تمہیں پھر سمندر کا سفر کرا کے اور باد مخالف کو بھیج کر تمہیں غرق کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ چاہے تو تمہارے سر کے اوپر سے یا تمہارے پیروں تلے ہی سے تم پر عذاب بھیج دے۔ یہ مشرکین سے خطاب تھا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ تنبیہ امت محمد ﷺ کے لئے ہے۔ یہاں ہم چند احادیث ذکر کریں گے جو اسی سے متعلق ہیں۔ بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔

بخاریؒ نے اس آیت مندرجہ بالا کے بارے میں فرمایا کہ یَلۡبِسَكُمۡ یعنی تم فرقے بن بن کر آپس میں تفرقہ بندیاں کرنے لگو اور ایک دوسرے سے لڑ بیٹھو۔ یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے عذاب میں بھی تمہیں مبتلا فرما سکتا ہے۔

نبی کی امت کے لئے رحمت دعائیں: جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری یعنی ﴿ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ ﴾ والی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ اَعُوۡذُ بِوَجۡهِكَ اور تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ ﴾ کے وقت بھی فرمایا ﴿ اَعُوۡذُ بِوَجۡهِكَ ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ تیری پناہ۔ اور جب ﴿ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا ﴾ سنا تو فرمایا یہ نسبتاً سہل ہے۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ ﴿قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ ﴾ تو آپؐ نے فرمایا ﴿ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ ﴾ پھر ﴿ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ ﴾ سن کر بھی فرمایا ﴿ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ ﴾ پھر ﴿يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا ﴾ سن کر فرمایا یہ آسان تر ہے۔ اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگتے تو مانگ سکتے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات ہو کر رہے گی اور ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔

ایک حدیث سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چلے اور مسجد بنی معاویہ میں آئے وہاں آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ دیر تک رب عز و جل سے مناجات میں مصروف رہے پھر فرمانے لگے کہ میں نے تین باتوں کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میری امت فرعونیوں کی طرح غرق ہو کر تباہ نہ ہو اور قحط سے ہلاک نہ ہو اور ان کے گروہوں کے اندر جنگ برپا نہ ہو جائے' تو پہلی دو باتیں تو منظور کر لی گئیں اور تیسری بات نامنظور کی گئی۔

جابرؓ بن عتیک سے روایت ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ بن عمرؓ مقام بنی معاویہ میں آئے جو انصار کا ایک گاؤں ہے اور کہا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں نبی اکرم ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی؟ میں نے کہا' ہاں۔ اور ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر پوچھا' وہاں آپ ﷺ نے کن تین باتوں کی دعا کی تھی۔ میں نے کہا' ہاں' آپ ﷺ نے دعا کی تھی کہ کوئی دشمن میری امت پر غالب نہ ہو اور قحط انہیں ہلاک نہ کرے۔ تو یہ دونوں باتیں منظور کر لی گئیں' اور یہ بھی دعا کی تھی کہ ان کی آپس میں جنگ نہ ہو تو یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا۔ چنانچہ قیامت تک مسلمانوں کے آپس میں جنگیں ہوتی رہیں گی۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں درج نہیں ہے لیکن اس کی اسناد جید اور قوی ہے۔

معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کہا گیا کہ ابھی چلے گئے ہیں۔ جہاں جاتا کہا جاتا کہ ابھی یہاں سے چلے گئے۔ حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ نماز پڑھتے دیکھا۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بڑی لمبی نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں صلوۃ خوف و رغبت پڑھ رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں اپنی تین دعاؤں کا ذکر فرمایا۔

خباب بن ارتؓ مولیٰ بن زہرہ سے روایت ہے جو بدر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حاضر تھے' کہتے ہیں کہ ایک دن میں تمام رات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں' یہ نماز امید و رجا کی تھی جس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی درخواست کی تھی۔ اس کے بعد پوری حدیث مذکور ہے۔ اس کو صحاح ستہ میں نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابو مالک کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے نافع بن خالد خزاعی! کیا یہ حدیث تم نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنی ہے؟ تو کہا' ہاں میں نے ان لوگوں سے سنا جنہوں نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبان سے سنا تھا۔

شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کے مشرق و مغرب قریب کر دیے گئے اور یہ کہ میری امت ان سب پر مالک ہو جائے گی۔ اور مجھے دونوں خزانے دیے گئے ہیں۔ خزانہ ابیض بھی اور خزانہ احمر بھی۔ اور میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے ساتھ اے اللہ تعالیٰ یہ بھی ہو کہ میری امت قحط سے نہ مرے اور نہ کوئی دشمن ان پر ایسا مسلط ہو کہ عمومی ہلاکت لا ڈالے اور ان میں گروہ بندی نہ ہو جائے کہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے محمد ﷺ! میں نے جو تقدیر قائم کر دی وہ ہو کر رہے گی۔ میں نے تمہاری دونوں باتیں تو منظور کیں لیکن تمہاری امت بعض کو بعض ہلاک کرے گی یا قید کیا کرے گی۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اگر اپنی امت پر خوف ہے تو گمراہ اماموں اور سرداروں کا ہے۔ جب ایک بار میری امت میں تلوار چل پڑے گی تو پھر نہ رکے گی اور قیامت تک آپس میں جنگ و جدال کا سلسلہ قائم رہے گا۔

نافع بن خالد خزاعیؓ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے جو کہ اصحاب رسول سے تھے اور بیعت رضوان تحت الشجر میں سے تھے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی' لوگ آپ ﷺ کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ہلکی نماز پڑھی لیکن رکوع و سجود کامل کیا۔ لیکن جب جلوس کیا تو جلوس بہت طویل تھا۔ حتیٰ کہ ہم میں سے بعض' بعض کو اشارہ کرنے لگے کہ شاید حضرت ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا' نہیں' میں صلوۃ رغبت و رہبت پڑھ رہا تھا۔ پھر ان تینوں باتوں کی پوری حدیث درج ہے۔ وہ یہ حدیث سنا چکے تو میں نے کہا کیا تمہارے باپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو کہا' ہاں' حضرت ﷺ کی زبان سے سنا ہے اور اپنی ان دس انگلیوں کے برابر دس دفعہ۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ عزوجل سے دعا کی تھی کہ میری امت کو چار چیزوں سے دور رکھ۔ چنانچہ دو باتوں سے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو محفوظ رکھا اور دو سے نہیں رکھا۔ میں نے دعا کی تھی کہ میری امت پر آسمان سے پتھراؤ نہ ہو اور اہل فرعون کی طرح وہ غرق ہو کر نہ مریں اور ان میں تفرقہ گیری نہ ہو اور یہ کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں' تو اللہ تعالیٰ نے پتھراؤ نہ ہونے اور غرق سے محفوظ رہنے کی دعائیں تو قبول کر لیں لیکن آپس میں فرقہ پسندی اور گروہ بندی اور جنگ و قتال باقی رہا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ﴾ تو نبی اکرم ﷺ اٹھے' وضو کیا اور دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ! میری امت پر اوپر اور نیچے سے عذاب نازل نہ فرما اور ان میں گروہ بندی اور جنگ نہ ہو' تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت کو آسمان سے عذاب نازل ہونے اور پاؤں تلے سے عذاب ابلنے سے محفوظ کر دیا ہے۔

اس کے بعد اور کئی حدیثیں اسی نوعیت اور اسی مضمون کی درج ہیں۔ جن کا بار بار ترجمہ و تفسیر پڑھنے والے کے لئے غیر ضروری ہے۔

آسمانی عذاب سے پتھراؤ مراد ہے اور پاؤں تلے کے عذاب سے زمین میں دھنس جانا مراد ہے۔ یہ چار چیزیں تھیں جن میں سے

دو نبی اکرم ﷺ کی وفات سے پچیس برس بعد ہی ظاہر ہونے لگیں یعنی آپس میں اختلاف رائے اور گروہ بندی اور مسلمانوں کی دو پارٹیوں میں جنگ وجدال۔ رجم اور خسف سے امت محمد ﷺ محفوظ و مامون رکھی گئی۔ ١

اس آیت کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں یا منبر پر چیخ چیخ کر فرماتے تھے کہ اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ کی آیت اتر چکی ہے اگر عذاب آسمان سے آئے گا تو کوئی نہیں بچے گا' اور اگر پاؤں تلے سے آئے گا تو تم زمین میں دھنس کر ہلاک ہو جاؤ گے اگر جماعتوں میں بٹ جاؤ گے اور آپس میں جنگ چھڑ جائے گی تو یہ سب سے بدتر بات ہوگی۔ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ اس آیت میں ﴿ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ سے برے پیشوا مراد ہیں اور ﴿ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ سے برے خادم اور برے پیرو مراد ہیں یا یہ کہ امراء اور غرباء مراد ہیں۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ قول ایک توجیہ رکھتا ہے لیکن قول اول اظہر اور قوی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کی صحت کی گواہی اللہ پاک کا یہ قول دیتا ہے ﴿ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ ﴾ یعنی کیا تم اس سے محفوظ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور وہ بھڑ کنے اور ابلنے لگے یا اس بات سے محفوظ ہو کہ آسمان سے پہلے کی قوموں کی طرح پتھر برسائے۔ عن قریب تم جان لوگے کہ میری اندیشہ دہانی کتنی صحیح تھی۔ اور حدیث میں ہے کہ یہ آسمان سے پتھر برسنا' زمین میں دھنسنا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا یہ سب اس امت میں ہوگا اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ قیامت سے پہلے ان آیات کا ظہور ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

﴿ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا ﴾ سے مراد فرقہ ہائے مختلفہ ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک فرقہ کو چھوڑ کے باقی سب ناری اور دوزخی ہوں گے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ بعض کو بعض پر عذاب و قتل کے ساتھ مسلط کیا جائے گا۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ دیکھو کہ ہم کس طرح وضاحت و تفسیر کے ساتھ بار بار بیان کرتے جاتے ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے دلائل پر غور کرو اور سمجھو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جب ﴿ هُوَ الْقَادِرُ ﴾ والی آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں تلوار لے کر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ تو لوگوں نے کہا ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو کسی نے کہا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم میں کا ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے جب کہ ہم صحیح معنی میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ الخ یعنی تمہاری قوم وحی کو جھٹلائے گی حالانکہ وہ حق ہے۔ تم کہہ دو کہ میں تمہارا کوئی سر دھرا تو ہوں نہیں نہ ذمہ دار' ہر بات کا ایک وقت مقرر ہے قریب میں تم کو حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦٦ۭ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦٨ وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٦٩

اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں۔ ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے

اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کوئی اور بات میں لگ جائیں۔ اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا اور لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔

تکذیب نہیں' اطاعت: تمہاری قوم قریش نے قرآن کو جھٹلایا حالانکہ اس کے سوا کوئی دوسری چیز حق نہیں۔ تم کہہ دو کہ میں تمہارا کوئی حفیظ اور ذمہ دار نہیں ہوں۔ جیسا کہ فرمایا' کہہ دو (اے محمد ﷺ) کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے نہ مانے' یعنی میرا فریضہ تو صرف تبلیغ کر دینا ہے اور تمہارا کام سننا اور اطاعت کرنا ہے' جو میری اطاعت کرے گا وہ دین و دنیا میں سرخرو رہے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ دونوں جگہ بد بخت رہے گا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ ہر بات کے لئے ایک معین وقت ہے اور ہر خبر کے لئے ایک وقوع ہے اگرچہ کچھ عرصہ بعد سہی۔ جیسا کہ فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد تم کو اس کا پتہ چل جائے گا۔ اور فرمایا ﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتٰبٌ ﴾ یہ تہدید اور وعید اکبر ہے اسی لئے فرمایا کہ عن قریب تم اس کو جان لو گے۔

مستہزئین کے ساتھ نہ بیٹھنے کا حکم؟: قول باری ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾۔ یعنی جب تم ان کفار کو دیکھو کہ تکذیب و استہزاء کے ساتھ ہماری آیتوں میں بحث کر رہے ہیں تو ان سے روگرداں ہو جاؤ حتیٰ کہ وہ کوئی دوسری باتیں کرنے لگیں۔ اور اگر تم کو شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ان ظالم لوگوں کے ساتھ مل نہ بیٹھنا۔ مراد یہ کہ امت کا ہر فرد ان مکذبین کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تحریف کر دیتے ہیں اور اس کے صحیح اور ظاہر مفہوم پر اس کو قائم نہیں رکھتے۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ میری امت کے لئے قابل معافی قرار دیا گیا ہے خطا اور نسیان سے کوئی کام کرنا یا مجبور ہو کر کرنا اور اسی چیز کی طرف اس قول پاک میں اشارہ ہے کہ کتاب میں تم کو بتلا دیا گیا ہے کہ جب تم معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزاء کیا جا رہا ہے تو ان کے پاس سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ ان کا موضوع سخن بدل جائے ورنہ تم بھی استہزاء کرنے والوں میں سمجھے جاؤ گے اور انہیں کے برابر ہو جاؤ گے۔ اور قولہ ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ یعنی جب تم ان کے پاس سے ہٹ گئے اور ان کے ہمنشین نہ رہے تو تم نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی اور ان کے ساتھ شمولیت گناہ سے محفوظ ہو گئے۔ اور سعید بن جبیرؒ نے اس کا یہ مطلب پیش کیا ہے کہ اگر وہ کفار تنقیص آیات کی کوشش میں لگے ہیں تو اب تم پر کوئی ذمہ داری نہیں' جب کہ تم نے ان سے اجتناب اور اعراض کر لیا ہو۔ اور دوسرے علماء اس کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ اگر تم لوگ ان نالائقوں کے ساتھ بیٹھو بھی تو ان کے اس استہزاء کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں اور گمان کیا ہے کہ یہ آیت سورۂ نساء مدنیہ کی آیت سے منسوخ ہے اور وہ آیت یہ ہے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ یعنی ایسی صورت میں تم بھی ان جیسے ہو گئے۔ یہ توضیح آیت ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ﴾ سے متعلق تھی۔ یہ مجاہد و سدی و ابن جریج وغیرہ کا قول تھا ان کے اس قول کی بنا پر قول پاک ﴿ وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ لیکن ہم نے تم کو ان سے ایسی صورت میں اعراض کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ انہیں تنبیہ اور نصیحت ہو جائے۔ شاید کہ آئندہ کو اس سے محتاط رہیں اور پھر اعادہ نہ کریں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ
نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ
لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز پانی گرم پینے کے لئے ہوگا اور دناک سزا ہوگی۔ اپنے کفر کے سبب۔

دین کو کھیل تماشا سمجھنے والوں کا انجام: اللہ پاک فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو چھوڑو جنہوں نے دین کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے کیونکہ وہ عذاب عظیم کی طرف جا رہے ہیں اسی لئے فرمایا کہ انہیں اس قرآن کے ذریعہ نصیحت و عبرت دلاؤ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ڈراؤ تاکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ کر دیئے جائیں۔ ضحاکؒ ﴿ تُبْسَلَ کو تُسلَم ﴾ کے معنی میں لیتے ہیں یعنی سونپ نہ دیے جائیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں تاکہ رسوانہ ہو جائے۔ قتادہؒ کہتے ہیں تاکہ روک نہ رکھے جائیں۔ اور مرہ وابن زید مواخذہ کے معنی لیتے ہیں۔ یہ تمام اقوال عبارات تقریباً ہم معنی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہلاکت کے لئے چھوڑ دینا اور خیر سے روک لینا اور حصول مطلوب سے باز رہنا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ كُلُّ نَفْسٍ م بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴾۔ ہر شخص اپنے اعمال میں رکا ہوا ہے سوائے داہنے ہاتھ والے کے۔ اور قولہ ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ یعنی نہ ان کا کوئی ولی ہوگا نہ شفیع۔ جیسے فرمایا کہ ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ﴾۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ سودے بازی ہے نہ دوستی و محبت نہ سفارش اور شفاعت۔ کافر ہی پورے ظالم ہیں۔ اور قول پاک ﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ﴾ یعنی اپنے گناہ کے بدلے میں وہ اپنی ساری دنیا جہان بھی فدیہ یا بدلہ میں دے ڈالیں تو نہ قبول ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ ﴾۔ جو لوگ کفر پر رہے اور کفر ہی پر مرے وہ اگر زمین بھر سونا بھی دے ڈالیں تو ناممکن ہے کہ قبول کر کے ان کی گلو خلاصی کر دی جائے۔ پس فرمایا ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ﴾

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۗ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ۗ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم الٹے پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے کچھ ساتھی بھی تھے کہ وہ اس کو ٹھیک رستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ

ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پورے مطیع ہو جائیں پروردگار عالم کے۔ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ تو ہو جا پس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا باا ثر ہے اور جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔ ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔

مشرکوں کو فیصلہ کن جواب: مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ دین محمد ﷺ کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہدو کیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی پرستش کروں جو نہ نفع بخشتے ہیں نہ ضرر اور کیا کفر اختیار کر کے ہم الٹے پیر پھر جائیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں روشنی دیدی ہے۔ ہماری تو ایسی مثال ہو جائے گی جیسے کسی کو شیطان نے بھٹکا دیا ہو۔ یعنی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص سفر کر رہا ہو اور راستہ بھول گیا ہو اور شیطانوں نے اسے بھٹکا دیا ہو اور اس کے ساتھی سیدھی راہ پر ہوں اور اس کو بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم سیدھی راہ پر ہیں' اور وہ انکار کر گیا ہو۔ یہ وہ شخص ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کو اچھی طرح جاننے کے باوجود گمراہوں کی پیروی کر کے کافر ہو جائے اور نبی اکرم ﷺ اس کو سیدھی راہ پر بلا رہے ہوں۔ یہ راہ اسلام کی راہ ہے۔ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا﴾ اس میں بتوں اور بت پرستوں کی مثال بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کی جو ہدایت الٰہی کی طرف بلاتے ہیں۔ جیسے کوئی راستہ سے بھٹک گیا ہو' اور کوئی پکارنے والا اسے پکارتا ہو کہ اے فلاں تو راستہ کی طرف آ۔ اور اس کے دوسرے ہمسفر بلا رہے ہوں کہ بھٹکو نہیں ہماری طرف سیدھی راہ پر آ و پس اگر وہ پہلے داعی کی سن لے تو وہ اس کو لے جا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دے گا۔ اور اگر دوسرے لوگوں کی بات سنے گا تو وہ اس کو سیدھی راہ ہدایت پر پہنچائیں گے۔ پہلا بلانے والا جنگل کے شیاطین میں سے ہے۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جو اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر بتوں کی پرستش شروع کر دے اور وہ اسی میں مصلحت سمجھے۔ اور جب اس کو موت آ جائے گی تو ندامت اٹھانی پڑے گی۔ یہ راہ سے بھٹکانے والے شیاطین ہوتے ہیں جو اس کو اس کی باپ دادا کے نام لے کر اور اس کا نام لے کر بلاتے ہیں تو وہ ان کی پیروی کرنے لگتا ہے اور وہ اسی میں مصلحت سمجھتا ہے۔ اب شیاطین اس کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں' اسے کھا جاتے ہیں یا بھوکا پیاسا جنگل میں بھٹکاتے رہتے ہیں تاکہ ہلاک ہو جائے۔ ﴿حَيْرَانَ﴾ سے حیران ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص بھٹکا ہوا حیران پھر رہا ہو۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتا وہ شیطان کی اطاعت کرنے والا اور گناہ کے کام کرنے والا شخص مراد ہے۔ اس کے ساتھی حالانکہ اس کو ہدایت کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ شیطان کا بھٹکایا ہوا وہ ہے جس کے اولیاء انسان ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور گمراہی وہ ہے کہ جس کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ اس کو ابن جریرؒ نے روایت کیا ہے۔ پھر کہا کہ یہ اس کو مقتضی ہے کہ اس کے ساتھی اس کو گمراہی کی طرف بلا رہے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہی صحیح راہ ہے۔

عوفی کہتے ہیں کہ یہ رائے ظاہر آیت کے خلاف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے ہم سفر ساتھی اسکو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ پس یہ جائز نہیں کہ اس کو گمراہی قرار دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خبر دی ہے کہ وہ ہدایت ہے' اور یہ بات تو وہی ہے جو ابن جریرؒ نے کہا کہ سیاق عبارت اس بات کی مقتضی ہے کہ ﴿ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ﴾ یہ حال ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یعنی حیرت و ضلال و جہل کی حالت میں اور اس کے اصحاب اسی راہ پر چل رہے ہیں تو انہوں نے اس کو اپنی ہی راہ پر چلایا اور اپنے اسی راستہ پر آنے کے لئے کہا جس کو اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر فرمایا۔ اب تقدیر کلام یوں ہوئی کہ وہ ان کے بلانے پر انکار کرتا ہے اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو ہدایت فرماتا اور اس کو سیدھی راہ پر پھیر دیتا۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ جیسا کہ فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور فرمایا کہ ان کے راہ پر آنے کے کتنے ہی حریص کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کو کون راہ پر لائے اور نہ ان لوگوں کا کوئی مددگار ہے۔ پھر

ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یعنی ہمیں حکم ہے کہ خلوص سے اس کی عبادت کریں اور نمازیں پابندی سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ہر حال میں پرہیزگار بنے رہیں۔ اور اسی کی طرف سب قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو اعتدال کے ساتھ پیدا کیا وہ ان کا مالک اور مدبر ہے۔ وہ قیامت کے روز صرف "کن" کہے گا اور طرفۃ العین میں سب چیزیں از خود دوبارہ وجود میں آجائیں گی۔ یہاں ﴿ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ میں یوم کے لفظ کو نصب ہے' یا تو ﴿ وَاتَّقُوْهُ ﴾ پر عطف قرار دے کر جس کی تقدیر یوں ہوگی ﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ یعنی ڈرو ان دنوں سے' یا یہ کہ نصیب ہوگا اس بنا پر کہ ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ﴾ پر عطف ہے۔ یعنی ڈرو اس دن سے جس روز وہ کہے گا "کن" چنانچہ ابتداء خلق اور اعادۂ خلق کا ذکر ہوا اور یہی زیادہ مناسب بھی ہے۔ یا یہ کہ نصب ہوگا اس بنا پر کہ فعل یہاں مقدر رکھا گیا ہے تو تقدیر یوں ہوئی کہ یاد کرو اس دن کو جب کہے گا "کن" یعنی ﴿وَاذْكُرْ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ ﴾ اور اس سے پہلے ﴿ خلق یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ ﴾ تھا۔ پھر ارشاد باری کہ ﴿ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ﴾ یہ دو جملے ہیں ان دونوں جملوں کا محل جر ہے اس بنا پر کہ یہ دونوں لفظ رب العلمین کی صفت واقع ہوئے ہیں اور قول باری تعالیٰ ﴿ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ﴾ محتمل ہے کہ یہ بدل ہو ﴿ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ یَوْمَ یَنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ﴾ کا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ظرف ہو ﴿ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یَنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ﴾ کا جیسا کہ فرمایا ہے ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ یعنی آج سلطنت کس کی ہے' واحد قہار کی سلطنت ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴾ اس روز رحمٰن کی سلطنت برحق ہے اور وہ دن کافروں پر بڑا ہی سخت ہوگا۔

صور اسرافیل کی حقیقت اور ہولناکی: مفسرین نے ﴿ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ﴾ میں اختلاف رائے کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صور جمع ہے صورۃ کی۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ جس طرح "سور" شہر کی شہر پناہ کو کہتے ہیں اور یہ سورۃ کی جمع ہے۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ "صور" سے مراد وہ قرن ہے جس کے اندر اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ صحیح وہی ہے جس پر حدیث نبی سے روشنی پڑتی ہے۔ یعنی حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسرافیل صور کو منہ میں لگائے ہوئے ہیں۔ سر جھکائے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم صادر ہوتا ہے۔ ایک اعرابی نے بھی حضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ صور کیا چیز ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرن جس میں پھونک کر بجاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ ایک وقت اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک جب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو صور کو پیدا کیا اور اسرافیل کو دیا جس کو وہ اپنے منہ میں لگائے ہوئے ہیں' آنکھیں عرش کی طرف لگی ہیں منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ تو ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ صور کیا ہے؟ ارشاد فرمایا وہ قرن ہے۔ پوچھا وہ کیسا ہے۔ کہا بہت بڑا' اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے مجھے بھیجا اس کا عرض اتنا ہے جتنی آسمانوں اور زمین کی پہنائی۔ اس میں تین وقت پھونکا جائے گا۔ پہلی گھبراہٹ اور پریشانی پیدا کرنے والی پھونک ہوگی اور دوسری سب کو بیہوش کر دینے والی اور تیسری پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آکھڑے ہونے کی۔ اللہ پاک پہلی پھونک کا حکم دے گا اس سے ساری دنیا جہان کے لوگ گھبرا اٹھیں گے مگر جس کو اللہ تعالیٰ مستقیم رکھے۔ جب تک دوسرا حکم نہ ہوگا صور پھونکا جاتا رہے گا رکے گا نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴾ یعنی وہ ایک زبردست چیخ اور بہت ہی بلند آواز ہوگی پہاڑ ابر کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور زمین ہلنے اور جھولنے لگے گی' جیسے سمندر میں شکستہ سفینہ جس کو موجیں ہر طرف دھکیلتی رہتی ہیں جیسے کسی قندیل کو جو چھت میں لٹکی ہوئی ہو' ہوا جھولا دیتی رہتی ہے۔ فرماتا ہے ﴿ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴾۔ اس روز لرزا دینے والا صور پھونکا جائے گا اور اس کے بعد پھر دوسری بار پھونکا جائے گا۔ اس روز سب کے سب بے انتہا خوف زدہ ہوں گے' لوگ گر پڑیں گے' مائیں دودھ پینے والے بچوں کو بھول

جائیں گی' حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے' لڑکوں پر خوف کے مارے بڑھاپا طاری ہو جائے گا' شیاطین جان بچانے کے خیال سے زمین کے کناروں تک بھاگ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں مار مار کر واپس لائیں گے۔ ایک دوسرے کو پکارتا رہے گا لیکن کوئی کسی کو پناہ نہ دے سکے گا سوا اللہ تعالیٰ کے۔ لوگ اسی گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے کہ زمین ہر طرف کے گوشے سے پھٹنے لگے گی۔ ایسا امر عظیم ظاہر ہوگا کہ کبھی نہ دیکھا گیا اور ایسا کرب وہول لاحق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اس کے پرزے اڑ رہے ہوں گے ستارے ٹوٹ رہے ہوں گے۔ سورج اور چاند سیاہ پڑ جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لیکن مردوں کو اس کی خبر نہ ہوگی۔

ابوہریرہؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ جب فرمائے گا۔﴿ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ تو اللہ تعالیٰ کس کو مستثنیٰ فرمائے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ شہداء ہیں۔ فزع اور گھبراہٹ تو زندوں کو ہوا کرتی ہے اور وہ زندہ تو ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے فزع سے انہیں محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور عذاب تو اشرار خلق پر اترتا ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ﴾۔ والی آیت میں پیش فرمایا ہے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو جائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے وہ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ طویل عرصہ تک یہ کیفیت رہے گی۔ پھر اللہ پاک بیہوشی لانے والے صور کا حکم اسرافیل کو دے دے گا۔ اس لئے سب اہل سماوات والارض بے ہوش ہو جائیں گے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہوش میں رہے گا۔ ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے' اے اللہ تعالیٰ سب مر گئے۔ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے مگر پوچھے گا باقی کون ہے؟ وہ عرض کریں گے' تو باقی ہے کہ تجھے تو کبھی موت آنے والی نہیں' اور عرش اٹھانے والے ملائکہ بھی ہیں' جبرئیل و میکائیل بھی باقی ہیں اور میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جبرئیل و میکائیل کو بھی مر جانا چاہیئے تو عرش بول اٹھے گا' یارب! جبرئیل و میکائیل بھی مر جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا زبان نہ کھولنا تحت العرش جتنے ہیں سب کو مر جانا ہے۔ ملک الموت پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یارب! جبرئیل اور میکائیل بھی مر گئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اب کون باقی ہے؟ وہ کہیں گے کہ تو باقی ہے تجھے تو موت آئے گی نہیں۔ اب میں اور عرش اٹھانے والے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا عرش اٹھانے والوں کو بھی مر جانا چاہئے۔ وہ بھی مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا اب کون باقی ہے؟ عزرائیل کہیں گے تو نہ مرنے والا اور میں۔ اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دے گا اسرافیل سے صور لے لو اور اسرافیل سے کہے گا کہ تم بھی میری مخلوق ہو' تم بھی مر جاؤ۔ وہ اسی وقت مر جائیں گے اور رب واحد وصمد لم یلد ولم یولد کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا تو آسمان وزمین لپیٹ دیے جائیں گے جیسے کہ طومار لپیٹ دیا جاتا ہے۔ تین دفعہ اس کو کھولا اور لپیٹا جائے گا پھر فرمائے گا میں جبار ہوں میں جبار ہوں میں جبار ہوں۔ پھر تین دفعہ آواز دے گا کیا آج کے روز ہے کسی کی بادشاہت؟ کون جواب دیتا۔ پھر خود ہی فرمائے گا بادشاہت اللہ تعالیٰ واحد القہار کی ہے۔

پھر دوسرے زمین و آسمان پیدا کرے گا انہیں پھیلا دے گا اور دراز کر دے گا جس میں کوئی کجی اور نقص باقی نہ رہے گا۔ پھر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست آواز ہوگی تو از سر نو پیدا شدہ زمین میں سب پہلے کی طرح ہو جائیں گے جو زمین کے اندر رہے وہ اندر اور جو زمین کے باہر ہے وہ باہر۔ پھر تحت عرش سے اللہ تعالیٰ پانی نازل فرمائے گا۔ آسمان کو حکم دے گا کہ برسے۔ چالیس دن تک پانی برستا رہے گا حتیٰ کہ پانی ان پر بارہ گز بلند ہو جائے گا۔ پھر اجسام کو حکم دے گا تو وہ زمین میں سے ایسے نمودار ہونے لگیں گے جیسے نباتات اور سبزیاں اگ آتی ہیں۔ جب اجسام پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو پہلے ملائکہ عرش زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دے گا کہ صور لے لو۔ وہ لے لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا۔ پھر ارواح بلائی جائیں گی۔ مسلمانوں کی روحیں نور کی طرح چمکتی ہوں گی اور کافروں کی روحیں تاریک رہیں گی۔ ان سب کو لے کر صور میں ڈال دیا جائے

گا۔اسرافیل کو حکم ہو گا کہ نفخہ بعث پھونکا جائے چنانچہ زندگی کی پھونک پھونکی جائے گی تو روحیں ایسی اچھل پڑیں گی جیسے کہ شہد کی مکھیاں کہ زمین و آسمان ان سے بھر جائے گا۔ اب حکم باری تعالیٰ ہو گا کہ روحیں اپنے اجسام میں داخل ہو جائیں تو دنیا کی ساری روحیں داخل ہونے لگیں گی اور نتھنوں کی راہ جسموں میں آئیں گی جیسے زہر کسی مار گزیدہ کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ پھر زمین پھٹنے لگے گی اور لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے رب کی طرف رخ کرنے لگیں گے اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ اللہ تعالیٰ طلب کنندہ کی طرف سب جائیں گے۔ کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سنگین معلوم ہوتا ہے۔ لوگ برہنہ اور غیر مختون ہوں گے ایک ہی جگہ کھڑے ہوں گے۔ ستر برس یہی عالم رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نہ انہیں دیکھے گا نہ کوئی فیصلہ کرے گا۔ لوگ آہ و گریہ کرنے لگیں گے۔ آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون آنکھوں سے بہنے لگے گا۔ لوگ اپنے پسینہ میں شرابور ہو جائیں گے۔ ٹھوڑیوں تک پسینہ پہنچا ہوا ہو گا۔

لوگ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کو شفاعت کے لئے جانا چاہیئے تاکہ وہ کوئی تصفیہ کر دے۔ اب آپس میں کہنے لگیں گے کہ باپ آدم علیہ السلام کے سوا ایسا کون ہو سکتا ہے جو زبان کھول سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا' اپنی روح ان کے اندر پھونکی اور سب سے پہلے ان سے بات کی۔ چنانچہ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان کے آگے اپنا مقصد پیش کریں گے' وہ سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے میں اس کے شایان نہیں۔ پھر فرداً فرداً ایک ایک نبی علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ جس کے پاس بھی آئیں گے وہ نبی انکار کر دے گا۔ حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے پاس آئیں گے میں جاؤں گا اور سجدے میں فحص پر گر پڑوں گا۔ ابوہریرہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ افحص کیا چیز ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا عرش کے سامنے کا حصہ۔ اب اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجے گا وہ میرا بازو پکڑ کر اٹھائے گا۔ اللہ عزوجل فرمائے گا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا' یارب! تو نے مجھ سے شفاعت کا حق دینے کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ یہ حق مجھے عطا فرما اور لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اچھا تم شفاعت کر سکتے ہو اور میں انسانوں کے درمیان اپنے فیصلے نافذ کر دوں گا۔

حضرت ﷺ فرماتے ہیں پھر میں واپس آ کر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ ہم سب لوگ کھڑے ہی ہوں گے کہ آسمان سے ایک زور کی آواز ہو گی کہ ہم گھبرا اٹھیں گے۔ زمینی جن و انس سے دگنی تعداد میں آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ وہ زمین سے قریب تر آ جائیں گے زمین ان کے نور سے چمک اٹھے گی۔ وہ صف بندی کر لیں گے ہم ان سے پوچھیں گے کیا اللہ پاک تمہارے اندر ہے۔ وہ کہیں گے نہیں' وہ آنے ہی والا ہے۔ فرشتے آسمان سے دوبارہ اس تعداد میں اتریں گے کہ اترے ہوئے فرشتوں سے دگنی تعداد میں اور جن و انس سے بھی دگنی تعداد میں۔ زمین ان کے نور سے چمک اٹھے گی۔ وہ قرینے سے کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم پوچھیں گے کیا رب پاک تمہارے اندر ہے؟ وہ کہیں گے نہیں' وہ آنے ہی والا ہے۔ پھر تیسری دفعہ اس سے بھی دگنی تعداد میں نزول ملائکہ ہو گا۔ اب رب جبار عزوجل ابر کے چتر لگائے آٹھ فرشتوں سے اپنا تخت اٹھوائے تشریف فرما ہو گا۔ حالانکہ اس وقت تو اس کا تخت چار فرشتے اٹھائے رہتے ہیں۔ ان کے قدم آخری نیچے والی زمین کی تہہ میں ہیں زمین و آسمان ان کے نصف حصہ جسم کے مقابلہ میں ہے۔ ان کے کندھوں پر عرش الٰہی ہے ان کی زبانوں پر تسبیح و تحمید رہے گی' وہ کہہ رہے ہوں گے ﴿ سُبْحَانَ ذِی الْعَرْشِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِی یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر جلال افروز ہو گا۔ ایک آواز ہو گی' یامعشر جن و انس! میں نے جب سے تم کو پیدا کیا ہے آج تک خاموش تھا' تمہاری باتیں سنتا رہا تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو تمہارے اعمال کے صحیفے تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے۔ اگر وہ اچھے ثابت ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور اگر خراب نکلے تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک تاریک ترین چمک دار صورت رونما ہو

گی۔ اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بنی آدم! کیا میں نے حکم نہیں دے رکھا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تم میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اس شیطان نے تو بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔ یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اب اے مجرمو! نیکوں سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اب امتوں کو الگ الگ کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی ﷺ! تم ہر امت کو گھٹنوں کے بل گری ہوئی دیکھو گے۔ ہر امت کے پاس اس کا نامہ اعمال ہو گا اور آج اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔ اب اللہ پاک اپنی تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ شروع کر دے گا لیکن جن وانس کا ابھی نہیں۔

اب وحوش وبہائم کے درمیان فیصلے فرمائے گا حتیٰ کہ ایک ظالم اور سینگ والی بکری کے ظلم کا بدلہ بھی دوسری بکری سے دلوائے گا۔ حتیٰ کہ جب انصاف دلوانے سے کوئی جانور بھی باقی نہ رہے گا تو ان جانوروں سے کہے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو کافر کہنے لگیں گے کہ کاش ہم بھی اس عذاب سے بچنے کے لئے مٹی ہو جاتے۔ غرض یہ کہ اب بندوں کے درمیان فصل مقدمات ہو گا۔ سب سے پہلے قتل و خون کے مقدمات پیش ہوں گے۔ اب ہر وہ مقتول آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کرنے والے نے قتل کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قاتل کو حکم دے گا' وہ مقتول کا سر اٹھائے گا۔ وہ سر عرض کرے گا اے اللہ تعالیٰ! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا (حالانکہ وہ خود جانتا ہے) کہ کیوں قتل کیا تھا؟ وہ غازی کہے گا اے اللہ تعالیٰ! تیری عزت اور تیرے نام کی خاطر۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو سچ کہتا ہے اور اس کا چہرہ نور شمس کی طرح چمکنے لگے گا۔ ملائکہ اس کو جنت کی طرف لے کر چلے جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے مقتول بھی اپنی آنتیں سر پر لئے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں سے بھی پوچھے گا کہ کیوں قتل کیا تھا ان کو کہنا پڑے گا کہ اپنی شہرت و نام کی خاطر۔ تو فرمائے گا' ہلاک ہو جائے تو۔ غرض ہر مقتول کا مقدمہ پیش ہو گا اور انصاف ہو گا اور ہر ظلم کا بدلہ ظالم سے لیا جائے گا اور جس ظالم کو اللہ تعالیٰ چاہے عذاب دے گا اور جس پر چاہے وہ اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ پھر ساری مخلوق کا انصاف ہو گا کہ کوئی مظلوم ایسا نہ بچے گا کہ ظالم سے بدلہ نہ دلایا گیا ہو۔ حتیٰ کہ جو دودھ میں پانی ملا کر بیچتا ہے اور کہتا ہے خالص ہے اس کو بھی سزا دی جائے گی۔ اور خریدنے والے کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اس سے بھی جب فراغت ہو جائے گی تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا اور ساری مخلوق سنے گی کہ ہر گروہ کو چاہیے کہ اپنے اپنے خداؤں کی طرف ہو جاؤ اور اپنے معبودوں کا دامن پکڑ لو۔ اب کوئی بت پرست ایسا نہ ہو گا جس کے بت اس کے سامنے ذلیل پڑے ہوئے نہ ہوں۔ ایک فرشتہ اس دن عزیر علیہ السلام کی شکل میں آجائے گا اور ایک فرشتہ کو عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کی صورت دی جائے گی۔ چنانچہ یہود تو عزیر علیہ السلام کے پیچھے ہو جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے نصاریٰ ہو جائیں گے۔ پھر ان کے یہ فرضی معبود ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ اور وہ کہے گا کہ اگر یہ ان کے رب ہوتے تو اپنے ماننے والوں کو دوزخ کی طرف کبھی نہ لے جاتے۔ اب یہ سب دوزخ میں دوام پذیر ہوں گے۔ اب جب کہ صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی شامل رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا' اپنی جس ہیئت متبدلہ میں کہ چاہے گا اور فرمائے گا اے لوگو اب اپنے اپنے خداؤں سے جا ملے ہیں تم بھی جن کی عبادت کرتے تھے ان سے جا ملو تو یہ سب لوگ مومنین بہ شمول منافقین یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارا اللہ تعالیٰ تو تھا' تیرے سوا ہم کسی اور کو نہیں مانتے اب اللہ تعالیٰ ان کے پاس سے ہٹ جائے گا۔ پھر اپنی حقیقی شان میں آئے گا ان کے پاس رک رہے گا جب تک کہ چاہے۔ پھر سامنے آئے گا اور ارشاد فرمائے گا۔ اے لوگو! سب اپنے اپنے خداؤں سے جا ملے ہیں تم بھی اپنے معبودوں سے جا ملو۔ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی قسم تیرے سوا ہمارا تو کوئی اللہ تعالیٰ نہیں۔ ہم تیرے سوا کسی کو نہیں پوجتے تھے۔ اب اللہ پاک اپنی ساق کھول دے گا۔ اس کی عظمت سے ان پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان کا اللہ تعالیٰ یہی ہے کہ پھر سب کے سب سجدے میں سر کے بل گر پڑیں گے لیکن جو منافق ہوں گے وہ پیٹھ کے بل گریں گے۔ سجدے کے لئے جھک نہ سکیں ان کی پٹھیں گائے کی پیٹھ کی طرح سیدھی رہیں گی۔

اب اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ انہیں اٹھا لے جاؤ۔ اب ان کے سامنے جہنم کا پل صراط آئے گا جو کسی خنجر یا تلوار کی دھار سے بھی تیز تر ہو گا اور جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے اور بڑی پھسلتی ہوئی اور خطرناک ہو گی۔ اس کے نیچے اور ایک پست تر پھسلواں پل بھی ہو گا۔ نیک لوگ ایسے گزر جائیں گے جیسے آنکھ جھپک جاتی ہے یا بجلی چمک جاتی ہے یا تیز چلنے والی ہوا کی طرح یا تیز رو گھوڑے یا تیز تر سواری یا تیز دوڑنے والے آدمی کی طرح کہ بعض تو پوری طرح محفوظ رہیں گے اور نجات پا جائیں گے بعض زخمی ہو کر اور بعض کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے اور پھر جب اہل جنت جنت کی طرف بھیجے جانے لگیں گے تو کہیں گے اب ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کے پاس کون کرے گا۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور درخواست شفاعت کریں گے تو وہ اپنے گناہ کا ذکر کریں گے اور کہیں گے کہ میں تو اس کا اہل نہیں' تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا رسول کہا جاتا ہے۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور کہیں گے میں تو اہل نہیں' اور کہیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل کہا ہے۔ وہ بھی اپنی خطاؤں کا ذکر کریں گے اور کہیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ باتیں کی ہیں اور ان پر توریت جیسی کتاب سب سے پہلے اتاری ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر درخواست کریں گے تو وہ بھی اپنے قتل کے گناہ کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں بھی اس کا اہل نہیں تم روح کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہیں گے کہ نہیں میں اس قابل نہیں' تم محمد ﷺ ہی کے پاس پہنچو۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اب لوگ میرے پاس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تین شفاعتوں کا حق دیا اور وعدہ فرمایا ہے۔ اب میں جنت کی طرف چلوں گا حلقہ باب کو کھٹ کھٹاؤں گا دروازۂ جنت کھلے گا مجھے خوش آمدید کہا جائے گا۔ میں جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف نظر اٹھاؤں گا' سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے تحمید و تمجید کی اجازت دے گا کہ کسی کو ایسی تحمید نہیں سکھائی تھی' پھر فرمائے گا اے محمد (ﷺ)! سر اٹھاؤ کیا شفاعت کرتے ہو' کرو! تمہاری شفاعت سنی جائے گی' تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں کہوں گا یا رب! تو نے مجھے شفاعت کا حق دیا ہے۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما کہ وہ داخل جنت ہو سکیں۔ تو فرمائے گا' اچھا میں نے اجازت دی' یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تم جنت کے اندر اپنے مساکن اور اپنے ازواج کو اس سے جلد پہچان لو گے جتنا کہ دنیا میں پہچانتے ہو۔ ہر آدمی کو بہتر بیویاں ملیں گی دو اولاد آدم میں سے اور ستر حوروں میں سے۔ ان دونوں کو ان ستر حوروں پر فضیلت حاصل رہے گی' کیونکہ دنیا میں ان نیکوکار عورتوں نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی عبادت کی تھی۔ وہ ایک کے پاس آئے گا تو وہ ایک یاقوت کے مکان میں موتیوں سے آراستہ سونے کے تخت پر بیٹھی ہو گی جو سندس اور استبرق کے ستر جنتی حلے پہنے ہو گی۔ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے گا تو اپنے ہاتھ کا عکس اس کے سینہ کے ورے اس کے کپڑوں' جسم اور گوشت کے ورے ہوتا ہوا دوسری طرف دکھائی دے گا۔ جسم اس قدر مصفا ہو گا کہ پنڈلی کا گودا نظر آتا ہو گا' گویا تم یاقوت کی چھڑی کو دیکھ رہے ہو۔ اس کا دل اس کے لئے آئینہ بنا ہو گا اور اس کا دل اس کے لئے' نہ یہ اس سے تھکے گا نہ وہ اس سے تھکے گی۔ وہ جب کبھی اس عورت کے پاس آئے گا اس کو باکرہ پائے گا نہ یہ اس سے خستگی کی شکایت کرے گا نہ وہ اس سے خستگی کی شکایت کرے گی۔ ایسے میں آواز آئے گی کہ ہمیں علم ہے کہ تم میں سے کسی کا جی بھرے گا نہیں' لیکن تیری دوسری ازواج بھی تو ہیں چنانچہ وہ باری باری سے ان کے پاس آئے گا اور جس کسی کے پاس وہ آئے گا' کہے گی اللہ تعالیٰ کی قسم جنت میں مجھ سے زیادہ خوبتر کوئی نہیں اور نہ میرے پاس تجھ سے زیادہ کوئی محبوب تر ہے۔

لیکن جب اہل نار دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو آگ کسی کے تو قدموں تک ہو گی اور کسی کے نصف ساق تک اور کسی کے گھٹنوں اور کمر تک اور چہرے کو چھوڑ کر کسی کے پورے جسم تک کیونکہ چہرے پر آگ حرام کر دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا یا رب! میری امت کے اہل دوزخ کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ تو فرمائے گا کہ نکال لو دوزخ سے جن اپنے امتیوں کو تم جانتے ہو۔ چنانچہ کوئی امتی بچا نہ رہے گا' پھر شفاعت عام کی اجازت ملے گی۔ چنانچہ ہر نبی اور شہید اپنی اپنی شفاعتیں پیش کریں گے۔ اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں دینار کے وزن کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو۔ پھر فرمائے گا اگر دو ثلث دینار برابر بھی ہو۔ فرمائے گا اگر ثلث دینار برابر بھی ہو۔ اگر چوتھائی دینار برابر بھی ہو۔ پھر قیراط برابر بھی۔ پھر رائی کے برابر بھی اگر ہو۔ چنانچہ سب دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ پھر وہ بھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی کار خیر کیا ہو۔ اب کوئی باقی نہ رہے گا جو قابل شفاعت ہو۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت عامہ کو دیکھ کر ابلیس کو بھی طمع ہوگی کہ کوئی اس کی بھی شفاعت کرے۔ اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب ایک میں باقی رہ گیا ہوں میں تو سب رحم کرنے والوں میں بڑا رحم کرنے والا ہوں' چنانچہ جہنم میں وہ اپنے ہاتھ ڈالے گا اور ایسے لاتعداد دوزخیوں کو نکال لے گا جو جل کر کوئلوں کی طرح ہو گئے ہوں گے انہیں جنت کی ایک نہر میں جس کو نہر حیوان کہتے ہیں ڈالا جائے گا وہ از سر نو ایسے سرسبز ہو جائیں گے جیسے جھیل کے کنارے کے نباتات' دھوپ انہیں پہنچے تو سبز دکھائی دیں اور سائے میں ہوں تو زرد معلوم ہوں۔ وہ شاداب سبزیوں کی طرح اگ آئیں گے اور ذرات کی طرح پھیلے ہوں گے ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا "اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ جہنمی"۔ اس تحریر سے اہل جنت ان سے متعارف ہو جائیں گے کہ انہوں نے کچھ نیک کام کئے تھے۔ ایک عرصہ تک جنت میں وہ اسی طرح رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ یارب! یہ تحریر مٹا دے۔ چنانچہ مٹا دی جائے گی۔ یہ مشہور حدیث ہے اور طویل تر ہے۔ بہت غریب ہے اور متفرق احادیث میں متفرق ٹکڑے ہیں' بعض باتیں قابل نکارت ہیں۔ اسمعیل بن رافع قاضی مدینہ اس کی روائت کے منفرد ہیں اس کی صحت میں اختلاف ہیں۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے بعض نے انکار کیا ہے' جیسے احمد بن حنبل' ابو حاتم رازی' عمر بن علی فلاس۔ بعض نے متروک کہا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ ساری حدیث قابل غور ہے اور اس کے سب راوی ضعیف ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے اسناد میں کئی وجوہ سے اختلاف ہے۔ میں نے اس کو علیحدہ ایک جزء میں بیان کر دیا ہے۔ اس کا سیاق عبارت بھی عجیب ہے۔ احادیث کثیرہ ملا کر اسے ایک حدیث بنالیا گیا ہے اور اس کو ایک ہی سیاق قرار دے لیا گیا اسی لئے وہ قابل انکار ہو گئی۔ میں نے اپنے استاذ حافظ ابوالحجاج المزی سے سنا ہے کہ یہ ولید بن مسلم کی ایک تصنیف ہے جس کو اس نے جمع کر رکھا ہے۔ گویا کہ یہ شواہد ہیں بعض الگ الگ احادیث کے' واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْاٰفِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں۔ اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بے زار ہوں۔ میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم کا خاندان اور آواز: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں تھا بلکہ تارخ تھا۔ قولہ ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ ﴾۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آزر سے صنم مراد ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تو تارخ اور ماں کا نام شانی اور بیوی کا نام سارہ تھا اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ماں کا نام جو ابراہیم علیہ السلام کی کنیز تھیں' ہاجرہ تھا۔ علماء نسب میں سے اکثر کا یہی قول ہے۔ آزر نام تھا ایک بت کا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اس بت کے خادم اور پجاری تھے اس لئے یہی نام ان پر غالب آ گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ طریق کلام ان لوگوں کی گفتگو میں ایک عیب کی بات اور ناروا کلام سمجھا جاتا تھا۔ اس لفظ آزر کے معنی ہیں ٹیڑھا۔ لیکن کسی سے اس کی روایت پیش نہیں کی اور نہ کسی سے اس کو منسوب کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ آزر کے معنی اعوج یعنی ٹیڑھا بتاتے تھے اور یہ ایک سخت کلمہ ہے جس کو ابراہیم نے کہا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ درست تو یہ ہے کہ ان کے باپ کا نام آزر تھا۔ پھر نسب جاننے والوں کا اعتراض پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ ممکن ہے دو نام ہوں جیسا کہ اکثر لوگوں کے ہوتے ہیں یا ایک نام لقب اور عرف کے طور پر ہو۔ یہ ایک جید وجہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آزر کو درس توحید اور اس کا انجام: قول باری تعالیٰ میں قاریوں کا اختلاف ہے۔ حسن بصری اور ابویزید مدنی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے آزر! کیا تم بتوں کو رب قرار دے رہے ہو؟ گویا آزر کو منادی بنایا ہے اور جمہور اس کو فتحہ سے پڑھتے ہیں۔ حسن بصریؒ کے نزدیک پیش سے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لفظ ایک معرفہ اور علم ہے' اس بنا پر غیر منصرف سمجھا جائے گا۔ اور گویا قول ﴿ لِاَبِيْهِ ﴾ سے بدل ہے اور اسی بنا پر منصوب ہے۔ یا عطف بیان سمجھا جائے اور یہی زیادہ ٹھیک ہو سکتا ہے اور جو لوگ اس کو نعت قرار دیتے ہیں جیسے احمر اور اسود غیر منصرف ہیں لیکن جن کا یہ گمان ہے کہ وہ محمول ہونے کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ ﴿ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا ﴾ کی تقدیر یوں ہوئی ﴿ يَا اَبَتِ اَتَتَّخِذُ اٰزَرَ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ﴾ یعنی اے باپ! کیا آزر بتوں کو تم رب بناتے ہو۔ لیکن لغت کے لحاظ سے یہ قول بعید ہے اس لئے کہ جو حرف استفہام کے بعد ہو وہ اپنے ماقبل پر عمل نہیں کیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس حرف استفہام کے لئے تو صدر کلام چاہیئے۔ ابن جریر وغیرہ نے اس کی تقریر و تصدیق کی ہے اور قواعد عربیہ میں یہی مشہور ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی' عبادت اصنام پر ان کی مخالفت کی۔ انہیں اس سے روکا۔ لیکن ان کے باپ باز نہ آئے۔ انہوں نے کہا کیا تم نے صنم کو رب بنا لیا؟ میں تو تم کو اور تمہارے مسلک پر چلنے والوں کو بڑی گمراہی میں پاتا ہوں۔ اس سے بھٹکتے رہو گے بلکہ حیرت و جہل میں رہو گے۔ ان کو جہالت و گمراہی میں قرار دینا ہر صاحب عقل سلیم کے لئے ایک دلیل واضح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قرآن حکیم میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر دیکھو۔ وہ صدیق اور نبی تھے۔ اپنے باپ سے انہوں نے کہا

تھا کہ "اے باپ! اس کی عبادت نہ کرو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہارا کوئی کام نکالتا ہے۔ اے باپ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو تم کو نہیں ہوا اس لئے میری بات سنو! میں تم کو بالکل سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اے باپ سخت اندیشہ ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا اور تم شیطان کے دوست قرار پاؤ گے"۔ تو آزر نے جواب دیا کہ "اے ابراہیم! کیا تم میرے الٰہوں سے روگرداں ہو۔ اگر تم اس روش سے باز نہ آؤ گے تو میں تم کو سنگسار کر دوں گا اور تم کو بالکل چھوڑ دوں گا"۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا سلام عرض ہے میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ میرا اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لیکن میں تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور تمہارے معبودان باطل کو بھی۔ میں تو اللہ تعالیٰ ہی سے اپنا رابطہ جوڑوں گا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا میں مجھے ناکام نہ رکھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تاحیات اپنے باپ کے لئے استغفار کرتے رہے اور جب باپ شرک پر ہی مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ شرک کے لئے استغفار کام نہیں دیتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے تو صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے باپ سے وعدہ کر لیا تھا لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کی۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے الہ پرست اور حلیم تھے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے روز ابراہیمؑ اپنے باپ سے ملیں گے تو آزر ان سے کہے گا کہ "اے بیٹے! آج میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا" تو ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے عرض کریں گے کہ "اے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہ فرمایا تھا کہ مجھے قیامت کے دن ذلیل نہ کرے گا۔ اور آج میرے لئے اس سے بڑی اور کون سی رسوائی ہو سکتی ہے کہ میرا باپ اس حال میں ہے" تو ارشاد فرمایا جائے گا کہ اے ابراہیمؑ تم اپنے پیچھے دیکھو تو وہ اپنے باپ کو دیکھنے کے بجائے ایک بجو کو دیکھیں گے۔ جو کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر اس کو دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے۔

آسمان وزمین کے ملکوت پر نظر: چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمان وزمین کے ملکوت پیش نظر کر دیتے ہیں اور اس کی نظر میں یہ دلیل قائم کر دیتے ہیں کہ کس طرح وحدانیت اللہ عزوجل پر زمین و آسمان کے خلق کی بنیاد ہے جس سے یہ دلیل لی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب نہیں۔ ایسی ہی دلالت فی النظر کو ملکوت کہتے ہیں۔ کیونکہ دلالت فی النظر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو حاصل رہی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور دوسری جگہ ہے۔ ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾۔ یعنی لوگوں کو آسمان وزمین کی مخلوق پر عبرت کی نظر کرنی چاہیئے انہیں اپنے آگے پیچھے زمین و آسمان کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں اور چاہیں تو آسمان سے ٹکڑا ان پر گرا دیں۔ رغبت اور رجوع کرنے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ لیکن ملکوت کے بارے میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی نگاہوں کے سامنے آسمان پھٹ گئے تھے اور ابراہیم علیہ السلام آسمان کی سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچی اور ساتوں زمینیں ان کے لئے کھل گئیں اور وہ زمین کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگے۔ بعض نے اس مضمون کا بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کے معاصی کو بھی دیکھنے لگے تھے اور ان گنہگاروں پر بددعا کرنے لگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں اے ابراہیم میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر کریم ہوں' کیا عجب کہ بعد کو وہ توبہ کر لیں اور رجوع کر لیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے آسمان وزمین کی چھپی ہوئی اور علانیہ ساری چیزیں دکھلا دیں' ان میں کچھ بھی چھپا نہ رہا۔ اور جب وہ اصحاب گناہ پر لعن کر رہے تھے تو فرمایا کہ ایسا نہیں اور ان کی بددعا کو رد کر دیا۔ پھر وہ حسب سابق ہو گئے۔ اس لئے محتمل ہے کہ ان کی نگاہوں پر سے پردہ ہٹ گیا ہو اور نہاں ان کے لئے عیاں ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس کو دل کی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت باہرہ اور دلالت قاطعہ کو معلوم کر لیا ہو۔ جیسا کہ امام احمدؒ اور ترمذیؒ سے مروی ہے کہ

عالم خواب میں اللہ تعالیٰ ایک بہترین شکل میں میرے پاس آیا اور فرمانے لگا اے محمد (ﷺ) ملاءاعلیٰ میں کیا بحث ہو رہی ہے؟ میں نے کہا یا رب میں نہیں جانتا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں اپنے سینے میں پانے لگا۔ اب ہر چیز مجھ پر کھل گئی اور میں سب کچھ دیکھنے لگا۔ اور قول پاک ﴿ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾ میں کہا گیا ہے کہ اس آیت میں واؤ زائدہ ہے اس کی تقدیر یوں ہوئی کہ ﴿ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾ یعنی بغیر واؤ کے۔ جیسا کہ اس آیت میں ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ اس میں الایات کے بعد واؤ زائد ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زائد نہیں ہے بلکہ سابقہ بات کی بنیاد پر بات کو اٹھایا گیا ہے۔ یعنی ہم نے اس پر ملکوت ظاہر کر دیا تاکہ وہ دیکھے اور یقین بھی کر لے۔ اب قول باری ہے کہ جب تاریک رات ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے جب ستارے کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہو گا لیکن جب وہ غائب ہو گیا تو کہا کہ ڈوب جانے والوں کو تو میں پسند نہیں کرتا نہ غائب ہو جانے والی چیز اللہ تعالیٰ ہو سکتی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہونا چاہیئے جو زائل نہ ہو۔ پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا اللہ تعالیٰ ہو گا۔ وہ بھی ڈوب گیا تو کہا یہ بھی اللہ تعالیٰ نہیں۔ اگر سچا اللہ تعالیٰ میری راہ نمائی نہ فرمائے تو میں گمراہ ہی ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو طالع دیکھا تو کہا یہ روشن ہے اور سب سے بڑا ہے لیکن وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے اے قوم! میں تو دست بردار ہوتا ہوں تمہاری ان تمام چیزوں سے جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اب میں نے تو اپنا رخ کر لیا ہے اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اب میں بالکل اس کا ہوں اور مشرکین میں سے نہیں ہو سکتا اور اپنی عبادت و پرستش اسی لئے خاص کرتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہوا ہے حالانکہ اس کی کوئی نظیر تخلیق کے وقت اس کے سامنے نہ ہو گی۔ اس طرح میں شرک سے توحید کی طرف آتا ہوں۔

میدان مناظرہ یا مقام غور و فکر: مفسرین نے اس مقام پر اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور و فکر ہے یا قوم سے مناظرہ کا مقام ہے اور وہ قوم سے ایک مناظرہ کرنے والے کے موقف میں آ کر سوال کر رہے ہیں۔ ابن عباسؓ اس کو ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور و فکر قرار دیتے ہیں' اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہ اگر میرا رب ہی مجھے ہدایت نہ فرمائے تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب کہ وہ پہلی دفعہ اس غار سے باہر نکلے' جس میں کہ ان کی ماں نے انہیں جنا تھا' کیونکہ نمرود بن کنعان کے خوف سے ولادت کے وقت وہ غار میں گھس گئی تھیں۔ نمرود سے منجمین نے کہا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے کہ جس کے ہاتھوں تمہارا ملک برباد ہو گا۔ تو اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس سال جتنے لڑکے پیدا ہوں' سب قتل کر دیئے جائیں۔ ام ابراہیم جب حاملہ ہوئیں اور وقت وضع حمل قریب آیا تو وہ شہر کے باہر ایک غار میں چلی گئیں اور لڑکے کو وہیں چھوڑ کر چلی آئیں۔ اس سلسلے میں وہ بہت سے خارق عادات چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی بنیاد پر مفسرین سلف و خلف نے بھی ذکر کیا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ بیان بہ حیثیت ایک مناظرہ کے ہے' اس عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے کہ تم جو ہیاکل و اصنام کو پوجتے ہو یہ سب ہیچ ہیں۔ چنانچہ مقام اول میں وہ عبادت اصنام سے متعلق اپنے باپ کی خطا ظاہر کرتے ہیں یہ اصنام انہوں نے فرشتوں کی شکل کے بنا رکھے تھے تاکہ یہ پتلے خالق عظیم کے سامنے ان کی شفاعت کریں' حالانکہ یہ بت خود ان کی اپنی نظروں میں بھی حقیر اور بے معنی تھے۔ لیکن وہ گویا ملائکہ کی عبادت کر کے یہ چاہتے تھے کہ وہ رزق اور دوسری ضروریات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کیا کریں چنانچہ اس مقام میں ان کی خطا اور گمراہی ظاہر کی گئی ہے۔ یہ ہیاکل سات ستاروں کے تھے یعنی قمر' عطارد' زہرہ' شمس' مریخ' مشتری' زحل' سب سے زیادہ چمکدار ستارہ شمس ہے پھر قمر ہے پھر سب ستاروں میں روشن تر زہرہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اسی ستارہ زہرہ کو لیا اور قوم کو بتایا کہ الہیت کی ان ستاروں میں صلاحیت نہیں یہ خود پابند ہیں ان کی رفتار معین مقدر ہے۔ یہ سیدھے یا بائیں ذرا بھی اپنے اختیار سے نہیں جھک سکتے۔ یہ تو اجرام فلکی ہیں

جنہیں اللہ تعالیٰ نے روشن بنا کر پیدا کیا ہے اور اس میں اس کی بڑی حکمت پوشیدہ ہے یہ مشرق سے نکلتے ہیں پھر مشرق و مغرب کا درمیانی راستہ طے کرتے ہیں پھر نگاہوں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ دوسری رات پھر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسی چیزیں جو اپنی عادت مستمرہ پر پابند ہوں' اللہ تعالیٰ کیسے ہو سکتی ہیں۔ پھر وہ قمر کی طرف آتے ہیں اور زہرہ کے بارے میں جو بیان کیا تھا وہی بیان کرتے ہیں' پھر شمس کا ذکر کرتے ہیں اور ان تین اجرام سے جب الہیت کا انتفاء فرماتے ہیں جو اجرام فلکی میں روشن ترین تھے اور دلیل قاطع سے اپنا دعویٰ ثابت کر چکتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے قوم! میں تو ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ ہیں تو ان سب کو مددگار بنا کر تم میری مخالفت کر و اور ذرا بھی میرے ساتھ رعایت نہ کرو۔ میں تو فاطر السموت والارض کا ہو چکا ہوں' میں تمہاری طرح شرک نہ کروں گا۔ میں تو ان اشیاء کے خالق کو پوجوں گا جو ان کا مخترع ہے مسخر ہے مدبر ہے۔ ہر شئے کا رشتہ انقیاد اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا "تمہارا رب فقط وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ رات کو دن اور دن کو رات سے ڈھانپتا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے آ جا رہا ہے۔ سورج' چاند اور تارے سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ خلق وامر کا مالک وہی ہے' وہ رب العالمین ہے بڑی برکتوں والا۔

چنانچہ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر نظر غور و فکر ڈالے اور شرک کے خیالات میں پہلے مبتلا ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرما دیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت بخش رکھی ہے۔ ہم اس کو خوب جانتے ہیں۔ وہ خود اپنے باپ اور قوم سے کہتے تھے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنے والا اور بہت مخلص بندہ ہے۔ اس نے کبھی شرک نہیں کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو برگزیدہ بنایا ہے اور اس کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے اور دنیا میں بھی اس کو خوبیاں اور نیکیاں عطا فرمائیں۔ اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے پھر ہم تمہاری طرف اے نبی وحی بھیجتے ہیں کہ ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو' وہ حنیف تھا مشرک نہیں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہہ دو اے نبی! کہ میرے رب نے صراط مستقیم کی مجھے ہدایت فرمائی ہے جس پر کہ ابراہیم قائم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مولود فطرت پر خلق ہوتا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ہو کر رہنے والا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر کہ انسان کی پیدائش ہوئی اور جو چیز جیسی پیدا کر دی گئی اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور فرمایا ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي ﴾ جس کے معنی ایک قول کی رو سے یہی ہیں جیسے کہ ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ کے ہیں جس کا بیان آئے گا۔ یعنی یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی تبدیلی نہیں۔ جب یہ اللہ پرستی کی فطرت اور اعتراف عبودیت تمام ہی مخلوق کے بارے میں ہے تو ابراہیم خلیل اللہ علیہ اسلام کے بارے میں کیسے نہ ہو اور وہ اللہ شناسی کے بارے میں متفکر اور متردد کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو فطرت سلیم کے لحاظ سے بہترین ہستی تھے۔ بلاشک بات یہی ہے کہ وہ اس مقام میں اپنی قوم سے مناظرہ اور مباحثہ فرما رہے ہیں اور جس شرک میں وہ لوگ مبتلا تھے۔ ان کے خیالات کو دلیل اور برہان کے ذریعہ دور کر رہے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ خود متردد ہیں۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ؀ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ

وقف لازم ٥ ع ١٥

اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ

الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ

بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾ۧ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي

قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾

اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی آپ نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس ذات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں۔ اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

مشرکوں کے سامنے کھری کھری توحیدی باتیں: اللہ پاک خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرماتا ہے جب کہ آپ توحید سے متعلق اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے تھے اور آپ اپنی قوم سے فرما رہے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھ سے جھگڑ رہے ہو' وہ تو واحد یکتا ہے وہ مجھے حق کی طرف بصیرت و ہدایت فرما چکا ہے اور میں اس کی یکتائی پر دلائل رکھتا ہوں۔ پھر تمہارے اقوال فاسدہ اور شبہات باطلہ کی طرف کیسے توجہ دے سکتا ہوں۔ تمہارے قول کے بطلان پر میرے پاس دلیل ہے۔ تمہارے یہ خود ساختہ بت تو کسی بات پر اثر انداز نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں نہ ان سے ڈرتا ہوں نہ ذرہ بھر ان کی پروا کرتا ہوں۔ اگر یہ بت میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اچھا بگاڑ دیکھیں بلکہ مجھے سنبھلنے کے لئے ذرہ بھر مہلت بھی نہ دیں۔ قولہ ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَـيْـــًٔا ﴾ ہاں اللہ تعالیٰ ہی اگر کچھ بگاڑنا چاہے تو بگاڑ سکتا ہے۔ تمام اشیاء پر اس کا احاطہ علم وسیع ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں' تم اس سے کچھ بھی عبرت نہیں لیتے؟ تاکہ ان کی عبادت سے باز آئیں۔ یہ صورت احتجاج بالکل ایسی ہی ہے جیسی ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھی' اور اس قوم عاد کا قصہ قرآن میں موجود ہے کہ ﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ﴾۔ یعنی اے ہود! تم نے کوئی معجزہ تو پیش نہیں کیا' خالی تمہارے کہنے سے کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے' ہم تو تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں کی کوئی لعنت بر سی ہے۔ تو ہود علیہ السلام نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو جو شریک کر دیتے ہو' ان سے بری ہوں۔ اب تم اور تمہارے بت سب مل کر خوب میری برائی چاہو نہ کوئی کسر اٹھا رکھو' نہ مجھے مہلت دو۔ میرا بھروسہ تو میرے رب پر ہے جو تمہارا بھی رب ہے وہ تو ہر جان دار کو اپنے پاس پکڑ بلائے گا۔ پھر آیت زیر ذکر میں فرماتا ہے کہ میں آخر تمہارے ان اصنام باطلہ سے کیوں ڈروں' جب تم خود اس بات سے نہیں ڈرتے' جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل ہی نہیں' جیسے کہ ایک جگہ فرمایا ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا ﴾۔ نیز فرمایا ﴿ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ ﴾۔ پھر ارشاد ہوتا ہے' پس تم ہی بتاؤ کہ تمہاری اور میری

جماعت میں سے حق پر کون ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ جو سب کچھ کر سکتا ہے یا وہ جو ذرہ بھر نفع وضرر کا مالک نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کا پیوند نہیں لگایا' امن واطمینان تو انہیں کا حق ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ انہوں نے اپنی عبادت شائبہ شرک سے خالص رکھی تھی' دنیا و آخرت پر انہیں کا قبضہ ہے۔

جب صحابہؓ کو مفہوم ظلم کا پتہ نہ چل سکا: بخاری میں عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ نازل ہوئی تو اصحاب نے کہا' یارسول اللہ! کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کرلیا ہے تو آیت نازل ہوئی ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ یعنی ظلم عظیم جو ہے وہ شرک ہے۔ جب آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی تھی اور لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جیسا سمجھتے ہو ویسا نہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ عبد صالح یعنی لقمان حکیم نے کہا تھا ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔ عبداللہؓ سے مروی ہے کہ جب ﴿ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ تم انہیں ایمان دار لوگوں میں سے ہو۔ جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور جب مدینہ سے باہر ہوئے تو ایک سوار ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سوار تم سے ملنے کے لئے آرہا ہے۔ جب وہ ہم تک پہنچا تو ہمیں سلام کہا۔ حضرت ﷺ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا اپنے اہل وعیال اور اپنے قبیلہ والوں کے پاس سے۔ پھر آپ ﷺ نے کہا کہاں جاؤ گے؟ کہا رسول اللہ ﷺ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو' میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایمان کی تعلیم دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ﴿ اله ﴾ نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اور نماز پڑھا کرو' زکواۃ دیا کرو' رمضان کے روزے رکھو' اور حج کرو۔ اس نے کہا مجھے ان سب باتوں کا اقرار ہے۔ پھر جب وہ روانہ ہو چکا تو اس کے اونٹ کا پاؤں ایک جنگلی چوہے کے ایک سوراخ میں پھنس گیا اور اونٹ گر پڑا اس کے ساتھ ہی یہ سوار بھی گر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا' گردن ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر اس کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ ساتھ ہی عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ نے دوڑ کر اسے اٹھایا پھر کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! یہ تو مر چکا۔ آپ ﷺ دوسری طرف پلٹ گئے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس کی طرف سے رخ کیوں پلٹا۔ میں نے دو فرشتوں کو دیکھا تھا کہ جنت کے پھل اس کے منہ میں دے رہے ہیں جس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھوکا مرا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو شامل نہیں کرتے۔ پھر فرمایا' اپنے بھائی کا انتظام کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کو غسل دیا کفن پہنایا' خوشبو ملی اور جب قبر کی طرف لے جانے لگے تو حضرت ﷺ تشریف لائے پھر قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بغلی قبر بناؤ' کھلی نہ رکھو ہماری قبریں بغلی ہوتی ہیں اور کھلی قبریں دوسروں کی' اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جو بہت ہی تھوڑا عمل کر کے اجر کثیر حاصل کر لیتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ ابن عباسؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی سامنے سے آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! قسم اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں اپنے وطن اپنی اولاد اور اپنے مال کو چھوڑ کر آرہا ہوں تاکہ آپ کے ذریعہ ہدایت حاصل کروں اور اس طرح آپ تک پہنچا ہوں کہ زمین کی گھانس پات راہ میں کھاتا ہوا آیا اب مجھے دین سکھایئے۔ آپ ﷺ نے اس کو دین سکھایا اس نے قبول کیا۔ ہم اس کے اطراف جمع ہو گئے۔ وہ جانے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہے کے بل میں پھنس گیا وہ گر پڑا اور دھکے سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے سچ کہا تھا کہ اپنے وطن اور بال بچوں کو چھوڑ کر وہ مجھ سے صرف ہدایت اور دین حاصل کرنے کے لئے آیا تھا' اس نے تعلیمات دینی حاصل کر لی۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے ایام سفر زمین کی صرف گھانس پات کھا کر گزارے تھے' اس نے عمل کیا تھوڑا اور اجر پایا بہت۔ کیا تم نے ان لوگوں کے بارے میں سنا' جنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم شرک کو شامل نہیں کیا۔ یہی لوگ

امن واطمینان قلب کے حق دار ہیں۔ یہی اصل ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ انہیں میں سے تھا۔

عبداللہ بن سخبرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا "جس کو دیا گیا اور اس نے شکر کیا' اور جس کو نہ دیا گیا اور اس نے صبر کیا' اور جس نے ظلم کیا پھر مغفرت طلب کی' اور جس پر ظلم ہوا اور اس نے بخش دیا"۔ اتنا کہہ کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کو کیا ملے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن کے اندر آ گئے' ہدایت یافتہ یہی ہیں۔ اور قول پاک ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ﴾ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم سے مناظرہ کرنا اور دلیلیں لانا سکھایا۔ مجاہدؒ وغیرہ اس آیت سے حسب ذیل دلیل پیش کردہ باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں یعنی یہ حجت ابراہیمی کہ میں تمہارے معبودوں سے کیوں ڈروں جب کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے نہیں ڈرتے جس کی کوئی سند اور دلیل ہی نہیں۔ اب تم خود جان لو کہ دونوں میں سے کس نے اپنا زیادہ بچاؤ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو امن وہدایت کا نام دیا ہے۔ پھر فرمایا ﴿ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا ﴾ پھر اس کے بعد فرمایا ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ یہاں درجات کا لفظ بالا ضافۃ اور بلا اضافۃ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے اور بات دونوں طرح یکساں ہے۔ اور قول ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ یعنی وہ اپنے اقوال میں حکیم ہے اور اپنے افعال میں علیم ہے یعنی جس کو چاہے ہدایت کرے اور جس کو چاہے گمراہ ہونے دے جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ الخ یعنی جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ محقق ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے خواہ کیسی ہی نشانی انہیں کیوں نہ بتائی جائے کہ عذاب الٰہی سے انہیں سابقہ نہ پڑے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نے ان کو اسحٰق دیا اور یعقوب۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو

اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں اور نیز زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو' سب پورے شائستہ لوگوں میں تھے اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت وہ یہی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ابراہیمؑ پر انعامات: اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحق (علیہ السلام) جیسا بیٹا بخشا۔ حالانکہ بڑھاپے کے سبب وہ اور ان کی بیوی سارہ اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔ فرشتے ان کے پاس آئے اور قوم لوط کی طرف بھی وہ جا رہے تھے۔ فرشتوں نے میاں بیوی کو اسحاق کی ولادت کی بشارت دی۔ بیوی حیران ہو کر رہ گئیں اور کہا'' ہے ہے اب میرے ہاں بچہ ہو گا'' میں بڑھیا' میرا شوہر شیخ فانی یہ کیسی عجیب بات ہے''۔ تو فرشتوں نے کہا'' اے بی بی! کیا اللہ کے کاروبار پر تعجب کرتی ہو؟ اے گھر والو! اللہ کی رحمت اور برکتیں تم پر ہیں''۔ چنانچہ فرشتوں نے انہیں یہ بھی بشارت دی کہ وہ نبی بھی ہو گا اور اس کی نسل بھی بڑھے گی' یعنی فرمایا ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اور یہ بڑی بشارت اور بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ یعنی اس مولود اسحق کو تمہاری حیات ہی میں لڑکا ہو گا اور تمہاری آنکھیں جیسے بیٹے سے ٹھنڈی ہوں گی' پوتے سے بھی ٹھنڈی ہوں گی کیونکہ بقاء نسل کے ثبوت کے سبب پوتے کی ولادت سے خوشی اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بوڑھے اور بڑھیا کی اولاد میں جب شک ہو سکتا ہے کہ ضعف کی وجہ سے ان کے بچہ نہیں ہو سکتا' تو بیٹے اور پھر پوتے جس کا نام یعقوب ہو گا اس کی خوشی کیسے نہ ہو گی۔ یعقوب کا اشتقاق عقب سے ہے یعنی اسحاق کے بعد اس کے عقب میں بھی آنے والا۔ یہ صلہ ہے ابراہیم علیہ السلام کا۔ جس نے اپنے وطن اور قوم کو چھوڑا' ان کے شہروں سے ہجرت کر کے عبادت الٰہی کی خاطر دور دراز چل دیا۔ اس کی جزا ان کی صلبی اولاد صالحین تھی تاکہ ان سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ جیسا کہ فرمایا' جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور ان کے معبودوں کو چھوڑا تو ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا کئے اور دونوں کو نبی بنایا۔ اور یہاں فرمایا ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا ﴾ اور پھر فرمایا ﴿ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی اس سے پہلے ہم نوح کی ہدایت کر چکے تھے۔ اور ہم نے ابراہیم کو صالح نسل عطا فرمائی اور اسحاق اور یعقوب ان دونوں کو خصوصیت عظیمہ حاصل ہے۔ لیکن نوح علیہ السلام کہ جب اللہ تعالیٰ نے سارے اہل زمین کو غرق کر دیا۔ بجز ان کے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کے ساتھ سفینے میں بیٹھ چکے تھے۔ یہ باقی لوگ ہی نوح علیہ السلام کی ذریت تھے اور ساری دنیا کے لوگ ان کی ذریت ہیں' اور ابراہیم علیہ السلام کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا بجز ان افراد کے جو ان کی ذریت میں تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ اور یہ بھی فرمایا کہ نبیوں میں سے یہ بھی ہیں جن پر انعام الٰہی ہوا۔ آدم کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں لے لیا تھا اور ابراہیم و اسرائیل کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی اور پسند کر لیا تھا۔ ان کے سامنے جب آیات الٰہی پڑھی جاتی ہیں تو روتے اور گڑگڑاتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ﴾ سے مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی ذریت کو بھی ہدایت دی یعنی داؤد اور سلیمان کو بھی لیکن اگر ذریت کی ضمیر کو نوح علیہ السلام کی طرف پھیریں کہ قریب تر نوح کا لفظ ہی ہے اور ضمیر اقرب کی طرف ہی جاتی ہے تو یہ بات تو صاف ہے کوئی اشکال نہیں۔ ابن جریرؒ نے بھی اس کو اختیار

کیا ہے۔ لیکن اگر ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف پھیریں کہ سیاق کلام ایسا ہی ہے تو یہ تو بہت اچھا ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے سلسلے میں لوط کا لفظ بھی آیا ہے اور لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں بلکہ ان کے بھائی ہارون بن آزر کے بیٹے ہیں کیا عجب کہ غلبہ اور اکثریت کے طور پر ان کی ذریت کے ضمن میں ذکر کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ اس قول باری میں بھی ہے ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ یہاں آباء یعقوب علیہ السلام کے سلسلہ میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی نام آ گیا حالانکہ اسماعیل علیہ السلام تو ان کے چچا تھے۔ یہ سلسلۂ کلام میں غلبہ و اکثریت کی بناء پر ہوا۔ اور اسی طرح کی دوسری آیت ہے ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ﴾ جہاں ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور مخالفت کی مذمت کی گئی وہاں ابلیس کو بنا بر غلبہ ملائکہ میں شامل قرار دے کر استثنٰی کیا گیا۔ کیونکہ وہ ملائکہ کے ساتھ تشابہ رکھتا تھا۔ ورنہ تو ملک نہیں تھا۔ جنوں میں سے تھا۔ اس کی طبیعت نار تھی اور فرشتوں کی طبیعت نور تھی۔ نیز اس لئے کہ عیسٰی علیہ السلام کو ذریت ابراہیم علیہ السلام یا نوح علیہ السلام کے سلسلے میں لایا گیا ہے۔ گویا انہیں بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں کہا گیا۔ اس دلیل کی بنا پر کہ بیٹی کی اولاد بھی آدمی کی نسل ہی میں سے سمجھی جاتی ہے۔ اب اگر عیسٰی علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے تو صرف اس بنا پر کہ ان کی ماں مریم علیہا السلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں' ورنہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تو باپ تھے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ حجاج نے یحیٰی بن یعمر سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ حسن اور حسین ذریت نبیؐ میں سے ہیں حالانکہ وہ علی اور ابو طالب کی ذریت سے ہیں اور پھر یہ بھی دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن سے ہے۔ میں نے قرآن کو اول سے آخر تک پڑھا کہیں اس کو نہ پایا۔ تو ابن یعمر نے کہا کہ کیا تم نے سورۂ انعام میں نہیں پڑھا کہ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ حتیٰ کہ وہ يَحْيٰى اور عِيْسٰى تک پڑھتے چلے گئے۔ کہا کہ ہاں پڑھا ہے۔ کہا کہ عیسٰی علیہ السلام کو ذریت ابراہیمؑ میں بتایا گیا ہے اور حالانکہ وہ باپ نہیں رکھتے تھے' صرف بیٹی کے تعلق سے ذریت میں قرار دیا گیا تو پھر بیٹی کے تعلق سے حسن اور حسین ذریت نبیؐ میں کیوں نہ ہوں۔ حجاج نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔

اسی لئے جب کوئی آدمی اپنی میراث کو اپنی ذریت کے نام پر وصیت کرتا ہے یا وقف یا ہبہ کرتا ہے تو اس ذریت میں اولاد بنات بھی داخل سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جب وہ اپنے بیٹوں کے نام سے دیتا ہے یا وقف کرتا ہے تو خاص صلبی بیٹے ہی مستحق ہوتے ہیں یا پوتے۔ اور دوسروں نے تو کہا ہے کہ اس میں اولاد بنات بھی داخل ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علیؓ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کر دے گا اور جنگ کا فتنہ دب جائیگا۔ چنانچہ حسن کو ابن کے لفظ سے تعبیر کیا جو دلالت کرتا ہے کہ وہ اولاد میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں۔ اور قول باری ﴿ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ﴾ یہاں ان کی نسل اور نسب دونوں کا ذکر ہے اور ہدایت و برگزیدگی ان سب پر شامل ہے۔ اسی لئے فرمایا ﴿ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ یعنی ہم نے ان کو چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ پھر فرمایا ﴿ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ یعنی یہ بلحت ان کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی ہدایت کے سبب حاصل ہوئی ہے۔

شرک ایک انتہائی گھناؤنی بیماری: ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی اگر وہ شرک کریں گے تو ان کے سارے اعمال نیک سلب کر لیے جائیں گے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ امر شرک کس قدر سخت ہے اور اس کی برائی کی اہمیت کتنی زبردست ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾۔ یہ جملہ محل شرط میں ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ واقع ہی ہو۔ جیسے کہ فرمایا ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ﴾۔ یعنی اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے ماننے والا بن جاؤں۔ اور فرمایا ﴿ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ﴾۔ یعنی اگر کھیل تماشا بنانا ہی چاہتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے۔ اور فرمایا ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴾۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اولاد کا ہی ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا'

لیکن وہ اس سے پاک ہے اکیلا اور غالب ہے۔
اور زیرِ ذکر آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ انہیں لوگوں کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت دی اور اپنے بندوں پر ان کے سبب نعمت و کرم مبذول فرمایا۔ پس اگر وہ نبوت کا انکار کریں تو ان اہل مکہ اور قریش پر ہم ایسے لوگوں کو مسلط کر دیں گے جو انکار نہیں کریں گے اور ہمارے شکر گزار بندے ہوں گے۔ اب خواہ وہ غیر قریش عرب و عجم ہوں یا اہل کتاب ہوں' ان پر ہم مہاجرین وانصار کو مسلط کر دیں گے وہ ہماری کسی بات کا انکار نہیں کرتے ہیں اور نہ کوئی بات رد کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کی سب باتوں پر خواہ وہ آیتیں محکم ہوں یا متشابہ ہوں ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اپنے رسول سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ وہ انبیاء مذکور اور ان کے آباء و ذریت واخوان ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ تو اب تم انہیں کی اقتداء اور اتباع کرو۔ جب رسول کے لئے یہ حکم ہے تو ان کی امت ان کے تابع ہے۔
ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ تو فرمایا ہاں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ تا فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ پھر کہا کہ وہ انہیں کے گروہ میں سے ہے۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ یعنی میں تم سے اپنا کوئی حق تبلیغ نہیں مانگتا' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ یہ تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے تاکہ گمراہی سے ہدایت حاصل کرلیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جس کو یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی۔ آپ یہ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے۔ جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے۔ اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔

آیت کا شان نزول: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب انہوں نے رسول کی تکذیب کی تو اللہ کا حق تعظیم ادا نہیں کیا۔ عبداللہ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہود کے بارے میں ہے۔ یا یہ کہ انہیں کے ایک آدمی

فخاص کے بارے میں ہے یا مالک بن صیف کے بارے میں۔ ان بے سمجھوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کتاب نہیں اتاری۔ شان نزول کے بارے میں پہلی بات زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ آیت مکیہ ہے اور یہود تو اس بات کے قائل نہ تھے کہ انسان پر کوئی کتاب نہیں اتری کیونکہ وہ توریت کے اترنے کے قائل ہیں' اور اہل وطن قریش اور عرب محمد ﷺ کے منکر تھے اس حجت میں کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بشر پر کتاب نہیں اترتی جیسا کہ فرمایا ﴿ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ یعنی لوگوں کو تعجب کیوں ہے اگر ہم انہیں میں سے کسی پر وحی بھیجیں کہ لوگوں کو کفر سے ڈرائے۔ اور ارشاد ہے ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی ﴾ یعنی جب ان کے پاس ہدایت پہنچی تو ایمان لانے سے جو چیز مانع تھی وہ یہ کہ ان کا کہنا تھا کہ کیا اللہ نے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اے نبی! کہہ دو کہ ملائکہ اگر زمین پر چلتے پھرتے ہوتے تو ہم بھی آسمان سے کسی ملک ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ اب یہاں اللہ پاک فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسا کہ چاہئے نہیں پہچانی۔ یعنی کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کہدو کہ کس نے کتاب اتاری تھی موسیٰ پر جو لوگوں پر نور اور ہدایت ثابت ہوئی۔ موسیٰ کی پیش کی ہوئی کتاب توریت کس کی نازل کی ہوئی تھی۔ تم اور ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ موسیٰ بن عمران کی کتاب اللہ کی نازل کردہ تھی جس سے لوگ کشف مشکلات میں روشنی پاتے تھے اور شبہات کی تاریکیوں میں سیدھی راہ کو ڈھونڈ لیتے تھے۔ پھر فرمایا کہ تم توریت کو ورق ورق بنا کر لکھتے ہو لیکن اس میں لکھتے ہوئے تحریف و تبدیل بھی اپنی طرف سے کرتے جاتے ہو اور کہتے یہ ہو کہ یہ بھی اللہ ہی کی آیت ہے اسی لئے فرمایا کہ کچھ تو حقیقی آیتوں کو ظاہر کر دیتے ہو اور اکثر کو چھپا دیتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ تم نے وہ کچھ جان لیا جس کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے اسلاف۔ یعنی کس نے اتارا اس قرآن کو جس نے تم کو ساری گزشتہ خبریں بتادیں اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی کر دی جس کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں اور مجاہد کہتے ہیں کہ مسلمان مراد ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سوال کے جواب میں تم آپ ہی جواب دے دو کہ اللہ ہی نے نازل فرمایا۔ اور وہ جس کو ابن عباسؓ نے کہا ہے وہ اس کلمہ کی تفسیر میں متعین ہے' ایسا نہیں جیسا کہ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا یہ خطاب ان کے لئے نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ کلمہ صرف ایک کلمہ یعنی لفظ اللہ ہے اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک مفرد کلمہ بھی جملہ ہو سکتا ہے جو غیر مرکب ہو۔ لیکن کلمہ مفردہ کالا نالغت عرب میں غیر مفید سمجھا گیا ہے اور اس پر سکوت نہیں ہو سکتا۔ اور قول باری تعالیٰ ہے کہ انہیں ضلالت و جہل میں بھٹکنے دو حتیٰ کہ موت کے سبب ان کی یقین کی آنکھیں کھل جائیں اور آخر کار وہ اللہ کو جان لیں۔

قرآن اور صاحب قرآن کی شان: اور قول باری ہے کہ یہ قرآن مبارک ہے اور توریت و انجیل کی تصدیق کرنے والا ہے اور تاکہ تم اس کے ذریعہ مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے قبائل عرب کو اور عرب و عجم کے بنی آدم کو کفر و شرک کے برے نتیجہ سے ڈرا سکو۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ﴾ یعنی کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سارے انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تاکہ تنبیہ کر سکوں' اور انہیں بھی جن تک میرا پیام پہنچے۔ اور فرمایا کہ جو لوگ کفر کریں گے ان کے لئے دوزخ کا وعدہ ہے۔ اور فرمایا ﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴾ مبارک ہے وہ ذات جس نے قرآن کو نازل فرمایا اپنے رسول پر' تاکہ ساری دنیا جہان کے لئے وہ ڈرانے والا بنے۔ اور فرمایا ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ﴾ یعنی اہل کتاب اور ان پڑھ سب ہی لوگوں سے کہہ دو کہ اب بھی تم ایمان لاؤ گے یا نہیں' اگر وہ اسلام لائیں گے تو ہدایت پالیں گے اور اگر رو گردانی کریں گے تو کرنے دو تمہارا کام بات کو صرف ان تک پہنچا دینا تھا۔ اپنے بندوں سے اللہ خوب واقف ہے۔ اور بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں بخشی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے

کہ ہر نبی خاص اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ساری دنیا جہان کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور اسی لئے فرمایا ﴿ والذین یؤمنون بالاٰخرۃ یؤمنون بہ ﴾ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر وہ اس مبارک کتاب پر بھی ایمان لائے گا جو اے محمد (ﷺ)! ہم نے تم پر اتاری ہے۔ اور وہ مومنین ایسے ہیں کہ پابندی سے اپنی نماز ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے اوقات میں ادا کرنے کے لئے ان پر فرض کر دی ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ ع ۱۷

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔ ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آگئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

سب سے بڑا ظالم کون: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا کہ وہ اس کے لئے شرکاء قرار دیتا ہے یا اس کے اولاد قرار دیتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بھیجا اور اسی لئے فرمایا کہ "وہ کہتا ہے کہ مجھ پر بھی وحی بھیجی گئی ہے۔ حالانکہ نہیں بھیجی گئی"۔ عکرمہؓ اور قتادہؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں اتری ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کہتا ہے کہ میں بھی ایسا قرآن نازل کر سکتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسے سنا' لیکن اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی ہم بھی کہہ سکتے ہیں"۔ آیت زیر ذکر میں ارشاد ہے کہ کاش تم ان ظالموں کو سکرات اور کربات موت کے عالم میں دیکھتے جب کہ ملائکہ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھا رہے ہوں جیسا کہ فرمایا لئن بسطت الیّ یدک یعنی مجھے قتل کرنے کے لئے اگر تو اپنا ہاتھ اٹھائے بھی (قصہ ہابیل و قابیل) اور فرمایا۔ ﴿ یبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء ﴾ وہ اپنے ہاتھ اپنی زبانیں تمہاری طرف دراز کرتے ہیں تاکہ تم کو مضرت پہنچائیں اور برا بھلا کہیں۔ ضحاک و ابو صالح کہتے ہیں کہ عذاب کے

لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا "کاش تم دیکھتے کہ مرنے والے کافروں کو ملائکہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر بوقت مرگ مار رہے ہیں۔ اور اسی لئے فرمایا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ﴾ تاکہ ان کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالیں۔ وہ فرشتے ان کافروں سے کہیں گے کہ اپنی روحوں کو باہر نکالو۔ کافروں کا جب وقت مرگ قریب آئے گا تو ملائکہ ان کو خبر دیں گے عذاب و نکال کی' بیڑیوں' دوزخ اور حمیم کی اور غضب رحمٰن کی' تو ان کی روح ان کے جسم میں پھرنے لگے گی' نکلنے سے انکار کرے گی' تو ملائکہ ان کو مارنے لگیں گے حتیٰ کہ روحیں نکل جائیں' اور کہیں گے کہ اپنی روحیں نکال پھینکو آج تم کو بڑا ذلیل عذاب دیا جائے گا' اس سزا میں کہ کیسے کیسے بہتان اللہ پر تراشا کرتے تھے۔ مومن اور کافر کے وقت مرگ سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ قول باری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں قول ثابت کے ذریعہ ثابت و قائم رکھا ہے۔ ابن مردویہ نے یہاں ایک بہت طویل حدیث سند غریب سے ذکر کی ہے۔ جو ابن عباسؓ سے مروی بتائی گئی ہے۔

ارشاد باری ہے تم ہمارے پاس ایسے فرداً فرداً آؤ گے جیسے خلق اول میں پیدا کئے جاتے ہو' اور یہ بات ان سے معاد میں فرمائی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کے سامنے صف بصف پیش کئے جائیں گے اور اسی کیفیت میں آؤ گے جیسے کہ پہلے خلق کے وقت تھے یعنی جیسا پیدا کیا تھا ویسے ہی اٹھائے جائیں گے اور تم اس بات کا انکار کرتے تھے اور اس یوم قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کہ دنیا میں تم نے جو مال و متاع جمع کر رکھا تھا اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو صرف اتنا ہی تھا جتنا کہ تو نے کھایا اور فنا کر دیا' پہنا اور پرانا کر دیا یا دوسروں کو دیا اور گویا باقی رکھ لیا' اس کے سوا تیری ساری دولت دوسروں کے لئے ہے۔ اللہ پاک ابن آدم سے پوچھے گا کہاں جمع کر رکھا ہے تو کہے گا اے رب جمع کیا اور بڑھا کر وہیں چھوڑ آیا۔ پھر فرمایا کہ اس دن کے لئے کیا آگے بھیجا۔ وہ دیکھے گا کہ کچھ بھی نہیں بھیجا۔ پھر فرمائے گا کہ تیرے وہ شفعاء کہاں ہیں جن کو تو سمجھتا تھا کہ وہ میرے ساتھ شریک ہیں۔ اب وہ کیوں شفاعت نہیں کرتے۔ یہ اس کو ملامت اور سرزنش کی جا رہی ہے کیونکہ وہ دنیا میں اوثان و اصنام کو پوجتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کی حیات دنیاوی اور حیات آخرت میں فائدہ بخش ہوں گے۔ قیامت کے روز تو سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے گمراہی ختم ہو جائے گی۔ بتوں کا راج جاتا رہے گا اور اللہ پاک انسانوں سے خطاب کرے گا کہ تمہارے وہ بت اب کہاں ہیں جنہیں تم میرے شرکاء قرار دیتے تھے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے وہ معبودان باطل کہاں ہیں وہ کیا تمہاری اس وقت کوئی مدد کر سکتے ہیں یا تم ان کی مدد کر سکتے ہو۔ اور اسی لئے فرمایا کہ تمہارے ساتھ اب وہ شرکاء نہیں دکھائی دے رہے ہیں جنہیں تم میرے پاس شفیع سمجھتے تھے اور انہیں بھی مستحق سمجھتے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ پھر فرمایا کہ تمہارے آپس کے تعلقات اب سب قطع ہیں۔

﴿ بَيْنُكُمْ ﴾ کو اگر رفع سے پڑھیں یعنی ﴿ بَيْنُكُمْ ﴾ تو مراد یہ ہو گی کہ تمہاری جماعتیں توڑ دی جائیں گی اور اگر نصب سے پڑھیں تو مطلب ہو گا کہ باہمی اسباب و تعلقات ختم ہو جائیں گے اور اصنام و انداد سے تم نے جو امیدیں قائم کر رکھی تھیں وہ سب جاتی رہیں گی۔ جیسا کہ فرمایا اس وقت یہ معبودان باطل اپنے متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے باہمی تعلقات نسب منقطع ہو جائیں گے اور ان کے متبعین کہیں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں بھیجے جائیں تاکہ جس طرح ان معبودوں نے ہم سے بیزاری ظاہر کی ہے ہم بھی ان سے بیزار بنیں۔ دیکھو اللہ پاک کس طرح ان کے اعمال ان پر حسرت بنا کر پیش کرتا ہے۔ اب یہ آگ سے نکل نہیں سکتے اور فرمایا جب صور پھونک دیا جائے گا تو آپس میں حسب نسب کچھ باقی نہ رہے گا نہ کوئی باپ نہ کوئی بیٹا اور نہ کوئی ایک دوسرے کی پرسش کرے گا۔ اور فرمایا تم جو دنیا میں ان کی پرستش کرتے تھے تو صرف دنیاوی زندگی میں محبت و مودت کی خاطر پھر قیامت کے روز ایک دوسرے کا انکار کر بیٹھے گا اور آپس میں لعنت و ملامت کرنے لگیں گے۔ تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور کوئی تمہاری مدد کو

نہ اٹھے گا۔ اور فرمایا اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ وہ بلائیں گے تو ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پائیں گے۔ اور فرمایا کہ جس روز ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے تو مشرکین سے ہم کہیں گے ..... (تا آخر) اس سے متعلق قرآن میں بہت کثیر التعداد آیتیں ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو' وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے اور وہ بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہے سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ صبح کا نکالنے والا ہے۔ اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ ٹھہرائی بات ہے ایسی ذات کی کہ جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو۔ بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔

زندگی اور نظام کائنات کے خالق ومالک کا ایک تعارف: اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ زمین میں بوئے ہوئے دانے کو وہ اوپر لا کر چیر دیتا ہے اور اس میں سے مختلف نوع کی سبزیاں اور روئیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کے رنگ الگ شکلیں الگ اور ذائقے الگ۔ اور اسی فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ ایک بے جان چیز کے اندر سے ایک جاندار چیز یعنی نباتات پیدا کرتا ہے اور جاندار کے اندر سے بے جان چیز نکالتا ہے۔ جیسے بیج اور حبوب کہ بے جان چیز ہیں جو جاندار پودے کے اندر پیدا ہوتے ہیں' جیسا کہ فرمایا سمجھنے کے لئے یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ زمین تو ہوتی ہے خشک اور مردہ لیکن پانی برسا کر ہم اسے پھر زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے اناج اور غلہ پیدا کرتے ہیں جسے تم کھاتے ہو۔ ﴿مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ یہ فَالِقُ الْحَبِّ﴾ پر معطوف ہے۔ پھر اس کی تفسیر کی گئی پھر آیت مُخْرِجُ الْمَيِّتِ کو اس پر عطف کیا گیا۔ یہ ساری عبارت آپس میں متقارب ہے سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بے جان انڈے سے جاندار مرغی کا پیدا کرنا مراد ہے یا اس کا عکس کوئی مراد لیتا ہے کہ فاجر سے ولد صالح اور مرد صالح سے ولد فاجر مراد ہے کیونکہ نیک بمنزلہ زندہ کے ہے اور بد بمنزلہ مردہ کے۔ اس کے سوا اور بہت سے امور مراد ہو سکتے ہیں۔

فرمایا ہے کہ ان سب کا فاعل اللہ واحدہ لاشریک ہے تو پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو حق سے منہ موڑتے ہو' غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو۔ وہ روشنی اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ ابتدائے سورت میں فرمایا کہ اسی نے تاریکی اور روشنی بنائی یعنی دن کی روشنی کے اندر سے رات کی تاریکی نکالی۔ پھر رات کے اندر سے دن نکالا جس نے سارے افق کو روشن کر دیا۔ رات ختم ہو گئی تاریکی جاتی رہی دن چمک اٹھا جیسا کہ فرمایا رات دن کو ڈھانک دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اشیاء متضاد کی تخلیق پر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے اسلئے فرمایا کہ رات کے اندر سے دن کو چیر کر نکالنے والا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس۔ اور رات کو تاریک اور محل سکون بنایا تاکہ ساری چیزیں اس میں سکون چین اور راحت لے سکیں۔ جیسا کہ فرمایا' قسم ہے دن کی روشنی کی اور قسم ہے رات کی جو تاریک تر ہو جاتی ہے اور فرمایا قسم ہے رات کی جو گھٹاٹوپ تاریکی بن جاتی ہے اور دن کی قسم ہے جو خوب روشن ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا قسم ہے دن کی جب اس کی ضیاء خوب

پھوٹ پڑتی ہے اور رات کی جو ساری دنیا کو گھیر لیتی ہے۔ صہیب رومیؓ کی بیوی ان کی کثرت شب بیداری کی شکایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے رات کو محل سکون بنایا لیکن صہیبؓ کے لیے نہیں۔ کیونکہ صہیبؓ کو جب جنت یاد آتی ہے تو اس کے شوق میں رات بھر نہیں سوتے اور عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اور جب دوزخ یاد آتی ہے تو ان کی نیند ہی اڑ جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور فرمایا کہ سورج اور چاند اپنے اپنے ضابطہ اور حساب سے چلتے رہتے ہیں ان کے قانون رفتار میں ذرہ بھر تغیر نہیں ہوتا نہ ادھر ادھر بھٹکتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک کی منازل مقرر ہیں سردیوں اور گرمیوں میں اپنے اپنے اصول پر چلتے رہتے ہیں اور اسی مرتبہ قاعدے سے دن اور رات گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا' اسی اللہ تعالیٰ نے سورج کو روشن تر بنایا اور چاند کو ٹھنڈی روشنی دی اور اس کے گھٹنے بڑھنے کی منازل قرار دیں۔ اور فرمایا کہ نہ شمس قمر سے ٹکراتا ہے اور نہ اس سے آگے بڑھ جاتا ہے کہ رات کو بھی نمودار ہونے لگے اور نہ رات دن کو آ پکڑتی ہے۔ ہر سیارہ اپنے اپنے مدار اور محیط پر گردش میں ہے۔ اور فرمایا کہ شمس و قمر اور سب نجوم امر الٰہی ہی کے محکوم اور مسخر ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ رب عزیز و علیم کا قرار دادہ قانون ہے کہ کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ کوئی چیز اس کے علم سے ہٹ نہیں سکتی' خواہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ہی کیوں نہ ہو۔

جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے خلق لیل و نہار اور خلق شمس و قمر کا ذکر فرمایا ہے تو کلام کو عزیز و علیم ہی کے الفاظ پر ختم فرمایا ہے۔ جیسا کہ یہاں بھی ہے اور جیسا کہ فرمایا۔ ان کے سمجھنے کے لئے یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ رات جس کے اندر سے ہم دن نکالتے ہیں' وہ ان کے لئے کیسی تاریک رہتی ہے اور سورج بھی اپنی ہی قرار گاہ پر حرکت کر رہا ہے اور اپنے مستقر کی طرف جا رہا ہے یہ رب عزیز و علیم کا قرار دادہ معیار ہے۔ جب اللہ پاک نے اول سورہ ﴿ حم السجدة میں خلق السّمٰوٰتِ وَالْاَرْض ﴾ کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس آسمان کو چراغوں سے مزین کر رکھا ہے اور یہی چراغ دنیا کی حفاظت کا کام دیتے ہیں۔ یہ تقدیر عزیز و علیم ہے۔ اور فرمایا کہ اس نے تمہارے لئے ستارے بنا رکھے ہیں تا کہ جب تم بحر و بر کی تاریکیوں میں ہو تو ان سے راہ شناسی کا کام لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ستارے ایک تو آسمان کی زینت ہیں اور دوسرے یہ کہ شیاطین کو اس سے رجم کیا جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ ان سے ظلمات بحر و بر میں راستہ پہچانا جاتا ہے۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ نجوم کا مقصد صرف یہی تین چیزیں ہیں اس سے زیادہ اور کوئی مقصد اگر ان کا کوئی سمجھے تو اس نے خطا کی اللہ تعالیٰ کی آیات پر اضافہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی آیتیں بہت تفصیل و وضاحت سے بیان کی ہیں تا کہ لوگ کچھ عقل پکڑیں اور حق کو پہچان کر باطل سے اجتناب کریں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝۹۸ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی' بے شک ہم نے دلائل خوب کھول

کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نبات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے میں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو۔ ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مزید قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا بیان: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اسی نے تم کو ایک روح یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ جیسا کہ فرمایا' اے لوگو! اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے آدم علیہ السلام کو بنایا اور اس سے اس کی بیوی کو اور پھر ان دونوں سے بے انتہا مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ اور فرمایا کہ پھر تم قرار پذیر ہوتے ہو اور پھر دوسری جگہ سونپ دیئے جاتے ہو۔ اس جملہ کے معنی میں مفسرین کے اختلافات ہیں۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر ہے اور مستودع سے مراد پشت پدر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد قرار گاہ دنیا اور مستودع سے مراد آخرت بعد از موت۔ سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ "استقرار فی الارض" اور "ودیعت بعد مرگ" مراد ہے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ مرنے پر جو عمل رک گئے یہ مستقر ہے اور مستودع دار آخرت ہے۔ لیکن قول اول زیادہ درست ہے۔ ہم سمجھنے والوں کے لئے بات کو کس قدر واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اسی نے آسمان سے پانی برسایا جو مبارک ہے اور بندوں کے لئے رزق مہیا کرتا ہے۔ مخلوق کی مدد کرتا ہے اسی سے ہم ہر قسم کی نباتات اگاتے ہیں' جیسا کہ فرمایا کہ پانی ہی سے ہر شے زندگی پاتی ہے اسی سے زراعت اور سرسبز درخت اگتے ہیں' انہیں درختوں میں پھر دانے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ہم انہیں کے اندر سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک سے ایک جڑے ہوتے ہیں جنہیں خوشے اور گچھے کہتے ہو۔ درخت خرما میں خوشہ دار ڈالیاں ہوتی ہیں۔ قنوان قنو کی جمع ہے جس کے معنی ہیں تازہ خرما کے گچھے جو قریب قریب اور ایک دوسرے کے ساتھ جڑے جڑے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قنوان دانیہ سے چھوٹے چھوٹے درخت خرما جن کے خوشے زمین سے لگے ہوں مراد ہیں۔ اہل حجاز تو اسے "قنوان" کہتے ہیں لیکن بنو تمیم کے قبیلہ والے قنیان (یاء کے ساتھ) کہتے ہیں اور یہ "قنو" کی جمع ہے جیسے صنوان' صنو کی جمع ہے۔ پھر فرمایا کہ "انگور کے باغات" یعنی انگور کے باغات ہم زمین پر پیدا کرتے ہیں۔ خرما اور انگور کا ذکر فرمایا کیونکہ یہی دونوں اہل حجاز کے بہترین ثمر سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ ساری دنیا کے بہترین ثمر ہیں۔ اللہ پاک اپنے احسان کا ذکر فرماتا ہے کہ ان خرما اور انگور کے پھلوں سے تم شراب بناتے ہو اور اچھی غذا اپنے لئے تیار کرتے ہو۔ یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے۔ اور فرمایا کہ زمین میں ہم نے خرما اور انگور کے باغات بنائے اور فرمایا کہ زیتون اور انار کے بھی باغات جو پتوں اور شکل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متشابہ اور قریب ہیں لیکن پھل اور شکل اور ذائقہ اور طبیعت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ پھر فرمایا کہ جب وہ پک جائے تو اس کے پھل کی طرف دیکھو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تفکر کرو کہ کسطرح ان کو عدم سے وجود میں لایا حالانکہ پھل بننے سے پہلے یہ بھی جلانے کی لکڑی تھی۔ پھر یہی لکڑی خرما اور انگور اور دوسرے میوے بن گئی' جیسا کہ فرمایا کہ زمین پر گنجان درخت اور انگور اور زراعت کے باغات میں جو خوشہ دار بھی ہیں اور غیر خوشہ کی بھی' سکو پانی ایک ہی قسم کا ملتا ہے لیکن کھانے میں ایک بہت افضل ہوتا ہے دوسرے سے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ اے لوگو! اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی کمال دلالتیں ہیں۔ اسکو ایمان دار لوگ ہی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ / ۱۸

اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں' وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

غیر اللہ کی پرستش اور بطلاق: یہاں مشرکین کا رد ہے جو عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک کرتے ہیں اور شیطان کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو اصنام کی پرستش کرتے تھے' پھر شیطان کی پرستش کا کیا مطلب؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بتوں کی پرستش کرتے بھی تھے تو شیطان کے بہکانے اور اس کی اطاعت کرنے کی بنا پر' جیسا کہ فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرنے لگے (یعنی ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہہ کر ان ملائکہ اناث کو پوجنے لگے) وہ تو محض شیطان سرکش کی عبادت کرتے ہیں' جس نے کہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ میں تیرے بندں کا ایک بڑا حصہ اپنی طرف کھینچ لوں گا' انہیں گمراہ کروں گا ان میں دور رس امیدیں پیدا کروں گا' میں انہیں حکم دوں گا اور وہ مویشیوں کے کان کاٹ دیا کریں گے میں انہیں ایسا ہی حکم کروں گا تاکہ وہ تیری بنائی ہوئی صورت کو گاڑ دیں۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی اور سرپرست بنالیا۔ وہ بہت کھلے خسارے میں رہا۔ وہ ان مشرکین سے بڑے خوش آئندہ وعدے کرتا ہے' دور رس تمنائیں ان میں پیدا کراتا ہے اور اس کے سارے وعدے دھوکا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو اپناتے ہو' حالانکہ تم کو تو میرا دامن پکڑنا چاہئے تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے باپ! کیا تم شیطان کی عبادت کرتے ہو' شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اور جیسا کہ فرمایا اے بنی آدم! کیا میں نے تم کو نہ بتادیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تم میری ہی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

اور ملائکہ قیامت کے روز کہیں گے۔ تو پاک ہے' تو ہمارا ولی ہے' یہ مشرکین اگرچہ ہمیں "بنات اللہ" کہہ کر پوجتے رہے لیکن ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں' یہ تو دراصل شیطان کو پوجتے رہے اسی لئے آیت زیر ذکر میں فرمایا کہ ان مشرکین نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا۔ حالانکہ ان کو بھی اللہ واحد نے ہی پیدا کیا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی کیسے پوجتے ہیں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ "کیا تم انہیں چیزوں کو پوجنے لگے ہو جن کو خود اپنے ہاتھوں سے بنایا' حالانکہ تم کو بھی اور تمہاری ان مصنوعات کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ تم مفرد بالعبادت ہو کر رب لاشریک سے تعلق رکھو"۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے بے سمجھی سے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بناڈالیں۔ یہاں اوصاف باری تعالیٰ میں گمراہ کی گمراہی پر تنبیہ کی جارہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں' جیسے یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ وہ پیغمبر ہیں اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین عرب ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے یہ ظالم جس بات کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت بالاتر ہے۔ ﴿ خرقوا ﴾ کے معنی ہیں انہوں نے دل سے گھڑلیا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے اٹکل لگائی۔ عوفیؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرار دیا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں انہوں نے جھوٹی بات بنائی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ جن کو شریک عبادت کرتے ہیں' حالانکہ رب واحد ہی نے انہیں بلاشرکت غیرے پیدا کیا ہے وہ حقیقت سے واقفیت کے بغیر ایسا کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت سے جاہل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ ہے اس کو بیٹا' بیٹی' بیوی کیسے ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ پاک ہے ان کے ہفوات و بیہودہ گوئیوں سے بالاتر ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ 

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں' اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

شرکیہ عقیدے کا بطلان، منطقی انداز میں: وہ زمین و آسمان کا موجد ہے خالق ہے۔ کوئی مثال زمین و آسمان کی اس کے سامنے نہیں تھی۔ چنانچہ بدعت کو بدعت اس لئے کہتے ہیں کہ سلف میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی ہے لوگ کسی عمل کو اپنی طرف سے ایجاد کر کے اس کو بزعم خود ثواب کا کام سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کا بیٹا کیسے ہوتا۔ اس کے تو بیوی ہی نہیں اور بیٹا تو دو مشاکل متناسبین سے پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مناسب و مشابہ تو کوئی چیز بھی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنا ایک بیٹا بنالیا ہے۔ یہ بڑی جھوٹ بات ہے اسی نے ہر شے پیدا کی۔ پھر اسی کی مخلوق اس کی بیوی کیسے ہوگی' اس کی کوئی نظیر نہیں' پھر اس کا بیٹا اس کی نظیر بن کر کیسے آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' ہر چیز کا پیدا کرنے والا تو تم اس کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے۔ اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا بیان: یہی تمہارا رب ہے جس نے ہر شے پیدا کی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی ہر شے کا خالق ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اس کا کوئی لڑکا ہے نہ کوئی باپ نہ بیوی نہ کوئی اس کا عدیل و نظیر۔ وہ ہر شے پر حفیظ و رقیب ہے۔ ہر چیز کا مدبر ہے وہی رزق دیتا ہے رات اور دن اسی نے بنائے۔ اس کو نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ سلف کے کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اگرچہ آنکھیں اس کو آخرت میں دیکھ سکیں' لیکن دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں۔ نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے بالتواتر یہی ثابت ہے' جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا تو وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہی آیت پڑھی۔ ابن عباسؓ سے اس کے برخلاف مروی ہے۔ انہوں نے رویت باری تعالیٰ کو مطلق رکھا ہے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دو دفعہ دیکھا ہے اور یہ مسئلہ اول سورۃ النجم میں انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں نگاہیں اس کو نہیں دیکھیں گی' اور دوسروں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ بھر کر اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے تخصیص ہوتی ہے اس رویت کی جو مومنین کو دار الآخرت میں حاصل ہوگی۔ اور معتزلہ نے اپنے اقتضاء فہم کی بناء پر اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ نہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں نہ آخرت میں۔ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے جو نادانی کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایماندار لوگوں کے چہرے اس روز شگفتہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف وہ نظر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ نیز کافروں سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھنے سے حجاب میں ہوں گے یعنی وہ رب کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ مومنین کے لئے رویت باری تعالیٰ میں حجاب نہیں ہوگا اور متواتر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مومنین دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کو روضات جنت میں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ بات نصیب فرمائے' آمین۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ عقول ادراک نہیں کر سکیں گے اور ایسا خیال بہت عجیب ہے اور ظاہر آیت کے خلاف ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ادراک کے معنی رویت کے ہیں' واللہ اعلم۔ نیز دوسروں کا یہ خیال ہے کہ رویت کو ثابت مانتے ہوئے ادراک کے انکار کا خلاف نہیں' اس لئے کہ ادراک رویت سے خاص تر ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ اب جس ادراک کی یہاں

نفی کی گئی ہے یہ ادراک کس قسم کا ہے۔ اس میں کئی قول ہیں جیسے معرفت حقیقت۔ اور حقیقت کو جاننے والا تو بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ مومن کو رویت ہوگی لیکن حقیقت اور ہی چیز ہے۔ چاند کو سب دیکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت اس کی ذات اور کنہ تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ تو بے مثل ہے۔ ابن علیہؒ کہتے ہیں کہ نہ دیکھنا مخصوص ہے دنیا کے اندر' یعنی دنیا میں آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ادراک رویت سے خاص تر ہے کیونکہ ادراک احاطہ کر لینے کو کہتے ہیں اور عدم احاطہ سے عدم رویت لازم نہیں آتی۔ جیسے سارے علم کا احاطہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علم ہی حاصل نہیں۔ انسان کو احاطہ علم کا حاصل نہ ہونا اس آیت سے ثابت ہے کہ ﴿ لَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ اور صحیح مسلم میں ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ مطلق ثنا بھی نہیں کر سکتا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کسی کی نگاہ اللہ تعالیٰ کو گھیر نہیں سکتی۔ عکرمہؒ سے کہا گیا کہ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ تو کہا کہ کیا تم آسمان کو نہیں دیکھ سکتے ہو؟ کہا کہ ہاں دیکھ سکتے ہیں۔ تو کہا' کیا پورا آسمان بیک نظر دیکھتے ہو۔ غرض یہ کہ اس کی شان اس سے بالاتر ہے کہ اس پر نگاہیں پڑ سکیں۔

اللہ پاک نے فرمایا کہ مومنین کے چہرے اس درجہ شگفتہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھیں گے۔ لیکن اس کی عظمت کی وجہ سے نگاہیں اس پر محیط نہ ہو سکیں گی۔ اور اس آیت کی تفسیر میں حدیث وارد ہے کہ اگر تمام جن وانس اور شیاطین وملائکہ جب سے پیدا کئے گئے ہیں سب کی ایک صف بنائی جائے تو بھی اس کا احاطہ نہ ہو سکے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور صحاح ستہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ جب کہا گیا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا ہے کہ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ تو کہا' آپ ﷺ بھی تو اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہی ہیں لیکن اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ یہ تمامہ اپنے نور کے ساتھ تجلی کرے تو آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں' اور بعض یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ کوئی شے اس کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے نہ سونا اس کو سزاوار ہے۔ وہ میزان قائم کئے ہوئے ہے دن کے اعمال رات ہونے سے پہلے اور رات کے اعمال دن ہونے سے پہلے اس کے سامنے پیش ہو جاتے ہیں اس کا حجاب نور ہے یا نار ہے۔ اگر وہ اٹھ جائے تو اس کی تجلی ساری دنیا کو جلا ڈالے گی۔ کتب متقدمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! کوئی زندہ میری تجلی پا کر زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور کوئی خشک چیز بغیر فنا کے نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو وہ شکستہ وسوختہ ہو کر رہ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ہوش میں آئے تو کہا ﴿ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ادراک خاص یوم قیامت میں رویت کی نفی نہیں کرتا ہے وہ عباد مومنین پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اس کی تجلی اور جلال وعظمت اس کے حسب منشا ہوگی۔ نگاہیں اس کو بہ تمامہ ادراک نہیں کر سکتیں۔ اسی لئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آخرت میں رویت کی قائل ہیں اور دنیا میں رویت کی نفی کرتی ہیں۔ انہوں نے بھی احتجاج اسی آیت سے کیا ہے۔ پس جس بات کی نفی ادراک کرے کہ اس کے معنیٰ بھی رویت عظمت وجلال کے ہیں وہ بات کیسے ممکن ہے کہ کسی بشر یا کسی فرشتے سے ہو سکے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ یعنی وہ لوگوں کے ابصار کا ادراک اور احاطہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسی نے ابصار انسان کو پیدا کیا ہے پھر وہ کیسے احاطہ نہ کر سکے۔ ارشاد ہے کہ کیا وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو نہیں جانے گا وہ لطیف وخبیر ہے اور کبھی لفظ ابصار سے مبصرین مراد ہوتی ہے یعنی مبصرین اس کو نہیں دیکھ سکتے وہ لطیف ہے یعنی کسی بات کے استخراج میں بہت باریک بین ہے اور ہر چیز کے ٹھکانہ سے باخبر ہے' واللہ اعلم۔ جیسے کہ لقمان اپنے بیٹے کو پند دیتے وقت کہتے ہیں۔ ﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ ﴾۔ یعنی اے میرے بچے اگر کوئی بھلائی یا برائی رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو خواہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں' اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نہایت باریک بین اور خبردار ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا

عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ وَلِيَـقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔ اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو پہنچادیں اور تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کس سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں۔

مومن' کافر اور روشن دلائل: بصائر یعنی مبینات اور نشانیاں جو قرآن میں ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ نے پیش کی ہیں۔ پس جس نے بصیرت سے کام لیا اس کی ذات کو فائدہ پہنچا جیسے فرمایا کہ جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنی ذات کے لئے کرے گا اور جو بھٹک جائے گا اس کی مضرت اسی پر رہے گی اسی لئے فرمایا کہ جو اندھا بنے گا اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا جیسے فرمایا کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں اور میں تم پر کچھ حافظ و رقیب و نگران کار تو ہوں نہیں۔ بلکہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں' ہدایت تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جس کو چاہے اور گمراہ ہونے دیتا ہے جس کو چاہے اور اس طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس سورت میں بیان توحید پیش کیا گیا ہے اور اس بناء پر بھی کہ مشرک اور کافر کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! یہ باتیں تم نے سابقہ اہل کتب سے نقل کرلی ہیں اور انہیں سے سیکھ کر کہہ رہے ہو۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لفظ "دارست" ہے بمعنی تلوت۔ ان کی یہ بات مخاصمت و مجادلت کے محل میں ہے' جیسے ان کفار کے کذب و عناد کی اللہ تعالیٰ نے یوں خبر دی ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو بنایا ہوا جھوٹ ہے اور دوسروں نے بھی اس کتاب قرآن کے بنانے میں مدد دی ہے یہ بڑے ظلم اور کذب کی بات ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے کے لوگوں کے ملفوظات و مکتوبات ہیں جس کو انہوں نے بھی لکھ لیا ہے۔ اور ان کفار کے زعم و کذب کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس نے فکر کیا' سوچا' اندازہ لگایا۔ کمبخت ہلاک ہو جائے کیسا غلط اندازہ لگایا۔ پھر سوچا ترش رو ہوا' منہ بگاڑا' غرور کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو ایک پڑھا ہوا جادو ہے یہ اللہ تعالیٰ کا نہیں بشر کا کلام ہے۔ اور فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے بات بولتے ہیں جو حق کو جان کر اس کی اتباع کرتے ہیں' باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔ کافروں کی گمراہی اور مومنوں کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہے۔ جیسا کہ فرمایا' غلط تعبیر کرنے والے قرآن سے گمراہ بھی ہوتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ جن کے دل میں مرض ہے اور جن کے دل پتھر ہیں شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے اور یہ چیز ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو صراط مستقیم کی راہ بتاتا ہے

اور فرمایا ہم نے دوزخ پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اور ان کی (۱۹) کی مقرر کردہ تعداد اہل کفر کے لئے ایک فتنہ ہے لیکن اسی سے اہل کتاب اور ایمانداروں کا ایمان بڑھتا ہے۔ اہل کتاب اور مومنین اس میں شک نہیں کرتے (کیونکہ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں یہ مقررہ تعداد کا ذکر پاتے ہیں) لیکن کافر اور بیمار دل والے لوگ بول اٹھتے ہیں کہ یہ بات پیش کرنے کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہی کیا تھی اسی طرح بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لشکر کو اس کے سوا کون جانتا ہے۔ اور فرمایا ہم نے قرآن کو مومنین کے لئے شفا اور رحمت بنا کر نازل فرمایا اور یہی چیز ظالموں کے لئے خسارے کا سبب ہے۔ اور فرمایا کہ کہدو' یہ قرآن مومنین کے لئے ہدایت و شفا ہے اور کافروں کے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں اور وہ اندھے ہیں۔ قرآن کا متقین کے لئے ہدایت ہونا اور ہدایت و ضلالت اس کے منشاء پر موقوف ہونا' اس موضوع پر بہت آیتیں ہیں' اسی لئے یہاں فرمایا کہ ہم آیتیں کیسے کیسے پھیر پھیر کر

بیان کرتے ہیں لیکن کافر یہی کہتے ہیں کہ کہیں سے لکھوا لائے ہو۔ ابن عباسؓ نے ﴿ دَرَسْتَ بمعنی قرأت و تعلّمت ﴾ بیان کیا ہے۔ اور حسنؒ نے معنی تقاومت کہتے ہیں۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ابن زبیرؓ کہتے تھے کہ بچے یہاں دارست پڑھتے ہیں اور یہ لفظ ﴿درست قرأت ﴾ ابن مسعودؓ ﴿ دَرَسْتَ ﴾ نصب سین اور وقف تاء کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں تقاومت۔ مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم ہمیں سنا رہے ہو' ہم متقدمین کے ذریعے اس سے واقف ہیں۔ ابن مسعودؓ کی قراءت میں درس ہے یعنی محمد ﷺ نے اس کو سیکھ رکھا ہے۔ یہ اختلاف عجیب ہے۔ ابی بن کعبؓ کہتے تھے کہ حضرت ﷺ نے مجھے یوں سنایا تھا ﴿ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ ﴾ یعنی سین کے جزم اور تا کے زبر کے ساتھ۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

آپ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ﷺ مختار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم' نبیؐ اور امت کے لئے: اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور ان کی امت کو حکم دیتا ہے کہ وحی کی ہی تم اقتدا کرو اور اسی پر عمل کرو کیونکہ یہی حق ہے اور اس میں کوئی آمیزش نہیں ہے اور ان مشرکین سے اعراض کرو' ان سے درگزر کرو' ان کی ایذا رسانی کو برداشت کر لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان معاندین پر فتح اور ظفر عطا فرمائے اور جان لو کہ ان کی گمراہی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ساری دنیا ہی کو ہدایت یافتہ کر دیتا سب ہدایت پر متفق ہو جاتے اور شرک کرنے والے شرک کرتے ہی نہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے وہ جو کرتا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں وہ سب سے باز پرس کرتا ہے۔ ہم نے تم کو ان کا ذمہ دار نہیں بنایا ہے ان کے جی میں جو آئے کہیں اور کریں' تم ان پر نگران کار نہیں ہو' نہ تم ان کو رزق دیتے ہو' تمہارا کام تو صرف تبلیغ کر دینا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ان کو نصیحت کر دو تم صرف نصیحت و خیر خواہی کرنے والے ہو تم ان کے لئے ربانی فوجدار نہیں اور فرمایا کہ تبلیغ تمہارا کام ہے اور پھر باز پرس ہمارا کام ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے۔ سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

معبودان باطلہ کو گالیاں دینے کی ممانعت: اللہ پاک رسول اللہ ﷺ کو اور مومنین کو منع فرما رہا ہے کہ مشرکین کے خداؤں کو گالیاں نہ دو اور برا بھلا نہ کہو اگرچہ اس میں یک گونہ مصلحت سہی لیکن مفاسد اس سے بڑھ کر پیدا ہوتے ہیں یعنی مقابلتہً وہ بھی

مسلمانوں کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔ مشرکین کہتے تھے کہ اے محمد ﷺ! ہمارے بتوں کو گالی دینے سے تم کو باز رہنا چاہئے ورنہ ہم بھی تمہارے رب کی ہجو کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔ قتادہؒ سے مروی ہے کہ مسلمان اصنام کفار کو گالی دیتے تھے۔ پس کفار بھی بغیر حقیقت کو سمجھے عناد سے اللہ تعالیٰ کو بھی برا بھلا کہنے لگے۔ جب ابو طالب بستر مرگ پر تھے تو قریش نے مشورہ کیا کہ ابو طالب کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ اپنے بھتیجے کو روک دو ہمیں یہ عار کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو طالب کے مرنے کے بعد محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں۔ عرب کہیں گے کہ ابو طالب کی زندگی میں تو کچھ نہ چلی' اب جب کہ وہ مر گئے تو بزدلوں نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ ابو جہل' ابو سفیان' عمرو بن العاص اور کئی لوگ بصورت وفد آئے اور مطلب نامی ایک شخص کو اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ ابو طالب نے بلالیا۔ وہ کہنے لگے اے ابو طالب! تم ہمارے بڑے اور ہمارے سردار ہو' محمد ﷺ نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے اور ہمارے خداؤں کو اذیت دی ہے ہم چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر روک دو تاکہ وہ ہمارے خداؤں کا نام ہی نہ لے ہم بھی اسکو اور اس کے رب تعالیٰ کو چھوڑ دیں گے۔ تو آپ نے نبی اکرم ﷺ کو بلایا اور کہا یہ تمہاری ہی قوم ہے اور تمہارے ہی چچا کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چچا! بات کیا ہے اور یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تم ہم سے اور ہمارے خداؤں سے دست بردار ہو جاؤ اور ہم بھی تم سے اور تمہارے اللہ تعالیٰ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتلاؤں کہ اگر تم نے اس کو اپنالیا تو تم عرب اور عجم کے مالک ہو جاؤ گے اور سب ملکوں سے تمہارے پاس خراج کی دولت آنے لگے گی۔ تو ابو جہل نے کہا کہ تمہاری ایسی ایک بات نہیں دس باتیں بھی قبول کر لیں گے' بتاؤ وہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہدو ﴿ لا الہ الا اللہ ﴾ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ منہ بنالیا۔ ابو طالب کہنے لگے اے بھتیجے! اس کے سوا دوسری بات بتاؤ' تمہاری قوم اس کلمہ سے تو اور بھڑکتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' چچا! مجھے کیا حق ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بات بولوں' اگر سورج کو بھی لاکر وہ میرے ہاتھ میں رکھ دیں تو میں اس کے سوا تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مطلب یہ تھا کہ ان کو مایوس کر دیں۔ چنانچہ وہ غصے میں بھر گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کو برا کہنے سے رک جاؤ ورنہ ہم تم کو اور تمہارے رب کو بھی گالیاں دیں گے۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ دشمنی کی بناء پر بغیر سمجھے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

یہ وہ صورت ہے جہاں مصلحت کو بھی اس لئے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بالمقابل فساد بڑھ جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے والدین کو گالیاں دے وہ بڑا ملعون ہے۔ کہا گیا یارسول اللہ (ﷺ)! کوئی ماں باپ کو کیسے گالیاں دے گا؟ تو فرمایا کہ یہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو گویا کہ اسی پہلے شخص نے اپنے ماں باپ کو گالیاں دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم ہر امت کو اسی کا عمل اس کی نظروں میں بہتر قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ قوم محبت اصنام ہی کو پسند کرتی ہے چنانچہ گزشتہ امتیں بھی گمراہی پر تھیں اور اسی کو اپنا عمل حسن سمجھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اسی میں بڑی حکمت ہوتی ہے۔ پھر ان لوگوں کی بازگشت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو گی۔ اس وقت انہیں اپنے معتقدات کی خوبی یا برائی معلوم ہو جائے گی۔ اگر عمل نیک ہو تو نیک بدلہ اور برا ہو تو برا بدلہ ملے گا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جائیں گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس سے پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

کفار کا معجزات کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب: مشرکین اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی معجزہ اور خرق عادت بتائی جائے تو وہ ایمان لائیں گے۔ تو اے نبی (ﷺ)! کہہ دو کہ معجزے تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اگر وہ چاہے تو معجزہ بتادے اور نہ چاہے تو نہ بتائے۔ قریش نے حضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ! تمہیں نے ہمیں بتلایا ہے کہ موسیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تھا تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے اور عیسیٰ مردے کو زندہ کرتے تھے اور ثمودؑ کو بھی ناقہ کا معجزہ ملا تھا۔ اگر تم بھی کوئی ایسا ہی معجزہ پیش کرو تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا تم کو کیا معجزہ چاہیئے؟ کہا کہ اس صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونے کی بنا دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا تم توحید کی تصدیق کرو گے؟ کافروں نے کہا' ہاں ہم سب تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ اٹھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا بن جائے گا لیکن اگر اس پر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے تو فوری ان پر عذاب نازل ہو جائے گا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو یہ لوگ یونہی بلا عذاب چھوڑ دیئے جائیں تاکہ بعد کو ان میں سے کوئی ایمان بھی لے آئیں اور توبہ کر لیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے ہیں (الی آخرہ) لیکن بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔ اور فرمایا کہ ہمیں معجزات بھیجنے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ ان کے پہلوں نے بھی معجزے دیکھنے کے باوجود انکار کر دیا تھا اور یہ بھی انکار کر دیں گے تو فوری عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے اور جو مہلت کہ حاصل ہے وہ بھی جاتی رہے گی۔ تم کو کیا خبر وہ تو معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ﴿ یُشْعِرُكُمْ ﴾ کے ذریعے مشرکین کو مخاطب بنایا گیا ہے' گویا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ کیا یہ ایمان والی بات جو قسمیں کھا کر بیان کی جاتی ہے تم در حقیقت سچ سمجھتے ہو۔ ﴿ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ ایک ﴿ قراۃ ﴾ میں ﴿ اِنَّ ﴾ زیر سے ہے اس بناء پر کہ معجزات دیکھنے کے بعد نفی ایمان کی خبر شروع کی جارہی ہے اور جملہ شروع ہوتا ہے تو ﴿ اِنَّهَا ﴾ سے پڑھنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ﴿ تُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی (ت) سے اس لفظ کو پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ قول ﴿ وَمَا یُشْعِرُكُمْ ﴾ کے مخاطب مومنین ہیں۔ یعنی اے مومنو! کیا تم جانتے ہو کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس صورت میں ﴿ اَنَّهَا الف ﴾ کے زیر کے ساتھ بھی آ سکتا ہے اور الف کے زبر کے ساتھ بھی۔ یعنی ﴿ یُشْعِرُكُمْ ﴾ کا معمول ہو کر اور اس صورت میں ﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ کا لا صلہ ﴾ واقع ہوگا جیسا کہ فرمایا ﴿ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَاِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ یہاں بھی ان ﴿ لا ﴾ کا ﴿ اَنْ ﴾ صلہ واقع ہوا ہے۔ اور قول باری تعالیٰ ﴿ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴾ یعنی جب میں نے تجھ کو حکم دے دیا تھا تو کس چیز نے تجھ کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔ تقدیر اس آیت کی یوں ہے کہ اے مومنو! تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اپنی مطلوبہ نشانی اور معجزہ پا کر ایمان ضرور لے ہی آئیں گے۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ اَنَّهَا بمعنی لَعَلَّهَا ﴾ ہے۔ بلکہ ابی بن کعبؓ کی قراءت میں ﴿ اَنَّهَا ﴾ کے بدلے ﴿ لَعَلَّهَا ﴾ ہی ہے۔ اہل عرب سے سنا گیا ہے ﴿ اذهب الی السّوق انك تشتری لنا شیئًا ﴾ یعنی بازار جاؤ تم میرے لئے وہاں سے کچھ خرید و گے بمعنی ﴿ لَعَلَّكَ تشتری ﴾ ہے یعنی شاید خرید و گے۔ اسی طرح اس دعوے پر اشعار عرب بھی پیش کئے گئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ان کے انکار اور کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں ہم نے پھیر دی ہیں۔ اب یہ کسی بات پر جمنے والے نہیں۔ ایمان میں اور ان میں فرق پڑ گیا ہے۔ یہ دنیا جہان کی نشانیاں دیکھ لیں گے

لیکن ایمان نہ لائیں گے۔ جیسا کہ پہلی دفعہ ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے ان کے کہنے سے پہلے ہی کہ یہ کیا کہنے والے ہیں اور عمل کرنے سے پہلے ہی اطلاع دے دی کہ کیا عمل کریں گے۔ اور فرمایا کہ شخص آگاہ کے مانند کوئی تم کو پکی بات نہیں بتا سکتا۔ انسان کہے گا کہ ہائے افسوس جو زیادتی اور جو گناہ کہ میں نے کئے ہیں۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیوی زندگی کا ایک اور موقع ملتا تو ہم نیکوں میں سے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ دنیا میں پھر واپس بھی کئے جائیں تو بھی ہدایت پر نہ چلیں گے۔ اور فرمایا کہ اگر دنیا میں پلٹائے گئے تو منہیات کا پھر ضرور ارتکاب کریں گے۔ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ نیک بنیں گے۔ دوبارہ دنیا میں جانے کے بعد بھی وہ حسب زندگی سابقہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اس وقت کی طرح اس وقت بھی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھوں کو منقلب کر دیں گے اور پھر بھی ان کے اور ہدایت متوقع کے درمیان پردہ حائل ہی رہے گا۔ اور ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیں گے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ ساتویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۤئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کافروں کے تمام مطالبات پورے ہو جائیں تو بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

کفار حق پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کا سوال پورا کر دیں جو قسمیں کھا کر یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی نشانی آئے تو ہم ضرور ایمان لائیں گے۔ اور پھر ہم ان پر فرشتے بھی نازل کر دیں جو رسولوں کی تصدیق اور تمہاری رسالت کی گواہی دے دیں تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو لا کر بتاؤ اور ہم تو اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے کہ دوسرے رسولوں کی طرح تم بھی نشانیاں پیش کر دو۔ اور جنہیں ہم سے سامنا کرنے کا کوئی یقین نہیں کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کئے گئے یا اللہ ہی کو ہم دیکھ لیتے۔ ایسے لوگ بڑی سرکشی اور عناد میں ہیں، اور اگر فرشتے بھی آ کر ان سے بات کریں اور رسولوں کی تصدیق کر دیں اور ہر چیز کا ذخیرہ ان کے پاس لا کر جمع کر دیں۔ (تب بھی ان کے دلوں پر کوئی اثر نہ ہو گا) بعض نے ﴿"قبلا"﴾ کو کسر قاف اور فتحہ باء کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی مقابلہ اور معائنے کے ہیں اور بعض نے دونوں حرفوں کو پیش سے پڑھا ہے جس کے سبب معنی ہوئے کہ گروہ در گروہ فوج در فوج لوگ بھی آ کر تصدیق رسل کر دیں تو بھی ایمان نہ لائیں۔ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کتنے ہی لوگ کیوں نہ ہوں انہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ وہ جو چاہے کرے وہ سب سے سوال کرے گا لیکن اس سے سوال نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ فرمایا وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہو چکی ہے۔ وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے خواہ وہ کتنی ہی نشانیاں کیوں نہ دیکھیں۔ عذاب الیم آ گھیرے گا تو ان کی آنکھیں کھلیں گی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۤءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعض دوسرے بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ مرتکب ہو جائیں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔

ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں اللہ نے نبی ؐ کی حوصلہ افزائی فرمائی: ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جیسا

کہ تمہارے مخالفین اور اعداء ہیں ہر نبی کے اسی طرح معاندین اور دشمن گزرے ہیں اس لئے تم ان کی مخالفت پر رنج نہ کرو۔ اور فرمایا "تم سے پہلے کے نبیوں نے تکذیب وایذارسائی پر صبر کیا تھا"۔ اور فرمایا یہ لوگ جو تم سے کہتے ہیں پہلے کے رسولوں سے بھی ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت والا بھی ہے اور عقاب الیم والا بھی ہے۔ اور فرمایا کہ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنا رکھے تھے۔ ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اے محمد (ﷺ) ! یہ قریش تمہارے ساتھ بھی دشمنی کریں گے اور جس نبی نے بھی تمہاری جیسی باتیں اپنی امت سے کہیں' ان کے ساتھ بھی ضرور دشمنی کی گئی ہے۔

قولہ ﴿ شَیاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ﴾ یہ بدل ہے اور ﴿ عَدُوًّا ﴾ مبدل منہ ہے یعنی ان کے اعداء شیاطین انس و جن ہیں۔ اور شیطان ہر وہ ہے جو شر میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو اور ان رسولوں سے تو دشمنی ان شیاطین کے سوا کون کرے گا جو انہیں کی نوع میں سے ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جنوں میں بھی شیطان ہیں اور انسانوں میں بھی شیاطین ہیں کہ اپنے اپنے لوگوں کو گناہ کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ ابوذرؓ ایک روز نماز پڑھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! شیاطین انس و جن سے اعوذ باللہ پڑھ لو! تو ابوذرؓ نے کہا کہ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہوتے ہیں۔ ابوذرؓ سے ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ میں حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا مجلس طویل ہو گئی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ میں نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو دو رکعت نماز پڑھ لو۔ میں آپ ﷺ کے قریب آ کر نماز پڑھنے لگا' تو فرمایا کیا تم نے شیطان جن و انس سے تعوذ کر لیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ جن کے شیاطین سے زیادہ شر انگیز ہوتے ہیں۔ عکرمہؓ کہتے ہیں کہ جن کے شیاطین انسانی شیاطین کی طرف وحی لاتے ہیں اور انسانی شیاطین جنی شیاطین کی طرف۔ قولہ ﴿ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ عکرمہؓ نے کہا کہ انسان میں بھی شیاطین ہیں اور جن میں بھی۔ اب انسانی شیاطین جنی شیاطین پر القاء کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں کے بعض دوسرے بعض کی طرف بیہودہ باتوں کی وحی کرتے رہتے ہیں۔ عکرمہؓ نے کہا کہ انسانی شیاطین وہ ہیں جو انسانوں کو گناہ کے مشورے دیتے ہیں اور جنوں کے شیاطین جنوں کو گمراہ کرتے ہیں چنانچہ ہر ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میں نے تو اپنے ساتھی کو بھٹکا دیا ہے' تو بھی اس اس طرح اپنے ساتھی کو بھٹکا دے۔ اس طرح ایک دوسرے کو گناہ کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ غرض اس سے ابن جریرؒ نے یہ سمجھا کہ عکرمہؓ اور سدی کے نزدیک شیاطین انس سے مراد وہ شیاطین جن ہیں جو انسان کو بھٹکاتے ہیں یہ مراد نہیں کہ شیاطین انس بھی انسان کے اندر ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کلام عکرمہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن کلام سدی اس معنی کا حامل نہیں ہے اگرچہ اس کا احتمال ہو۔

روایت ضحاکؒ میں ہے کہ جن میں بھی شیاطین ہیں جو ان کو گمراہ کرتے ہیں جیسے کہ انسان شیاطین انسان کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ اب انسانی شیاطین جنی شیاطین سے مل کر کہتے ہیں کہ اس کو اس سے بھٹکاؤ اور اس طرح بھٹکاؤ جیسا کہ قول باری ہے ﴿ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ بہر حال صحیح وہ ہے جو حدیث ابی ذرؓ میں گزرا کہ انسانوں میں بھی انسانی شیطان ہیں اور ہر شے کا شیطان اس کی جنس سرکش ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے' جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں کا شیطان ہے۔ مجاہدؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جن کے کفار شیاطین جن ہیں وہ شیاطین انس کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور شیاطین انس کفار انس ہیں۔ عکرمہؓ سے روایت ہے کہ میں مختار کے پاس گیا میری مہمانداری کی رات میں بھی مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر مجھ سے کہا کہ قوم کی طرف جاؤ اور انہیں حدیث سناؤ! میں گیا ایک آدمی میرے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ وحی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا وحی دو طرح کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ﴾ یعنی یہ قرآن ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے اور یہ بھی فرمایا ﴿ شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ یعنی انس وجن کے شیاطین اپنے اپنے لوگوں کی طرف بیہودگیوں کی وحی کرتے رہتے ہیں لیکن یہ کہنے پر انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور مار پیٹ کرنا چاہا میں نے کہا کہ تمہاری یہ کیا حرکت ہے میں تو تمہیں ایک بات بتا رہا ہوں اور تمہارا مہمان ہوں۔ غرض انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ عکرمہؒ نے یہ چیز مختار پر پیش کی تھی اور وہ ابن ابی عبید ہے' اللہ اس کا برا کرے وہ یہ زعم کرتا ہے کہ اس کے پاس بھی وحی آتی ہے۔ اس کی بہن حفیہ عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی تھیں اور نیک عورت تھیں۔ جب عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ مختار اپنے پر بھی وحی آنے کا دعویٰ کرتا ہے تو عکرمہؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو جھوٹ اور غلط باتیں پہنچاتا ہے جس سے سننے والا اس کے اثر میں آ جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ یعنی یہ سب اللہ کی تقدیر اور مشیت وارادت سے ہے کہ ہر نبی کا انہیں لوگوں میں سے ایک دشمن ہوتا ہے۔ پس اے نبی (ﷺ)! تم ان سے درگزر کرو اور ان کے اس جھوٹ وافتراء سے بھی اعراض کر جاؤ ان کی عداوت کی بابت میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرو' وہ تمہارے لئے کافی ہے۔

اور قولہ ﴿ لِتَصْغٰىٓ اِلَيْهِ ﴾ یعنی ایسے شیاطین کی طرف آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل جھک جاتے ہیں اور ان کے دوست وہمدم بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو خوش کرنے لگتے ہیں جیسے کہ فرمایا ﴿ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴾ اور فرمایا ﴿ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴾ یعنی اے نبی (ﷺ)! اگر وہ شیطان بن کر بہکاتے ہیں اور لوگ ان کی طرف جھکتے ہیں تو انہیں کمانے دو جو وہ کمار ہے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾

تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں۔ اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں خوب جان رہے ہیں۔

اللہ کا قرآن قول فیصل ہے: فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ! ان مشرکین سے کہہ دو کہ میں اپنے اور تمہارے درمیان کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حکم قرار دوں' حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک تفصیلی کتاب اتار دی ہے اور صرف تمہیں پر نہیں بلکہ یہ کتاب اہل کتاب کے لئے بھی اتری ہے اور یہ یہود ونصاریٰ سب جانتے ہیں کہ یہ درحقیقت اللہ کے پاس سے اتری ہوئی ہے کیونکہ تمہارے بارے میں ان کی کتابوں کے اندر انبیاء متقدمین کی بشارتیں موجود ہیں۔ بس تم شک میں نہ پڑو۔ جیسا کہ فرمایا ہم نے تمہاری طرف جو نازل کیا ہے اگر اس کی طرف سے تم شک میں ہو تو ان لوگوں سے پوچھو جو اہل کتاب ہیں۔ تمہاری طرف آئی ہوئی وحی بالکل برحق ہے پس شک میں نہ پڑو۔ یہ آیت بہ طور شرط ہے اور یہ ضروری نہیں کہ شرط واقع بھی ہو جائے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ

سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ تمہارے رب کی بات سچائی اور عدل پر ختم ہوتی ہے جو کچھ وہ فرماتا ہے امر حق ہے۔ امر حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جو کچھ وہ حکم دیتا ہے وہ عدل کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ جس بات سے روکتا ہے وہ باطل ہوتی ہے فساد انگیز چیز ہی سے وہ روکتا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ یعنی دنیا اور آخرت میں اس کے احکام بدلنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا ہے ان کی حرکات و سکنات کو جانتا ہے اور ہر عامل کے عمل کا بدلہ اسی کے مطابق دیتا ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بے راہ کر دیں۔ وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔

دنیا میں گمراہ لوگوں کی کثرت ہے: فرماتا ہے کہ اکثر بنی آدم کے احوال گمراہی سے پر ہیں جیسا کہ فرمایا پہلے کے اکثر لوگوں نے گمراہی اختیار کر لی تھی۔ اور فرمایا کہ تم کتنی ہی تمنا کیوں نہ کرو اکثر لوگ تو ایمان لانے والے ہی نہیں ہیں وہ گمراہی میں ہیں اور لطیفہ یہ کہ خود انہیں اپنے عمل اور کردار پر یقین نہیں وہ ظن باطل میں بھٹک رہے ہیں انکل سے باتیں بنا لیتے ہیں تو ہم پرستی میں گھرے ہوئے ہیں۔ ﴿ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ خرص کے معنی انکل اور اندازہ "خرص النخل" کہتے ہیں کہ درخت اور پودوں کا اندازہ لگانا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اندازہ یہ ہے کہ وہ اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب جانتا ہے اسی وجہ سے بھٹکنا ان پر آسان کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور ان پر بھی ہدایت کو آسان بنا دیتا ہے ہر ایک کے لئے جو مناسب ہے وہی اس پر آسان ہوتی ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾

سو جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ اور تم کو کون امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے۔ جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں اس میں

کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے کو کھانا چاہیے: اللہ پاک اپنے مومن بندوں کو اجازت دیتا ہے کہ جس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو وہ تم کھا سکتے ہو۔ یعنی جس جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو وہ حرام ہے جیسا کہ کفار قریش مردار چیزوں کو کھا جاتے تھے اور بتوں وغیرہ پر جو جانور ذبح کیا گیا اس کو بھی کھاتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا گیا ہو اس کو تم کیوں نہ کھاؤ اس نے تو حرام چیز تمہیں بتا دی ہے اور وضاحت سے سمجھا دیا ہے۔ بعض نے ﴿ فَصَّلَ ﴾ کو تشدید کے ساتھ پڑھا اور بعض نے تخفیف کے ساتھ۔ دونوں صورتوں میں معنی بیان وضوح کے ہیں۔ ہاں اضطرار اور سخت مجبوری کی حالت میں جو کچھ تم پاؤ تمہارے لئے حلال ہے۔ پھر اللہ پاک مشرکین کی آراء فاسدہ کا ذکر فرماتا ہے کہ میتۃ کو اور غیر اللہ تعالیٰ کے نام پر کئے ہوئے ذبیحہ کو کس طرح انہوں نے اپنے لئے حلال بنالیا ہے۔ ان میں سے اکثر بغیر علم اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے گمراہ ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان تجاوز کر جانے والوں سے خوب واقف ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔

مخفی اور پوشیدہ گناہوں کو چھوڑ دو: ارشاد ہوتا ہے کہ معصیت ظاہری و علانیہ سب کو چھوڑ دو۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ اس سے وہ معصیت مراد ہے جس کے انجام دینے کی کسی عمل کرنے والے نے نیت کی ہو۔ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس سے مخفی اور علانیہ کم اور زیادہ معصیت مراد ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر معصیت یہ ہے کہ فاحشہ عورتوں سے تعلق ہو اور باطن معصیت یہ ہے کہ چوری چھپی بدکارہ عورتوں کے ساتھ معصیت عمل میں آئے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ ظاہر معصیت محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ آیت اس بارے میں بالکل عام ہے کسی بات کی تخصیص نہیں ہے۔ جیسے کہ فرمایا ”میرے رب نے ہر قسم کے فواحش حرام کر دیئے ہیں خواہ وہ علی الاعلان ہوں یا مخفی طور پر“۔ اسی لئے فرمایا کہ جو لوگ گناہ کے کام کرتے ہیں ضرور ان کو اپنے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”اثم“ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جس کی کھٹک تمہارے دل میں ہو اور تم کو یہ منظور نہ ہو کہ کوئی تمہارے اس عمل پر واقف ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ امر بے حکمی ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔

بوقت ذبح جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو ایسے جانور کو کھانا جائز نہیں: اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب کسی ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ ائمہ فقہ کے اس میں تین اختلافات ہیں۔ بعض کہتے ہیں

کہ اس طرح کا ذبیحہ حلال نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو خواہ عمداً نہ لیا گیا ہو یا سہواً۔ اس قول کی تائید اصحاب متقدمین اور متاخرین میں سے ایک جماعت نے کی ہے۔ متاخرین شافعیہ نے اپنی کتاب "اربعین" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اپنی رائے کی تائید میں اسی آیت سے اور آیت صید سے دلیل لی ہے کہ "کھاؤ جس کو تمہارے شکاری جانور نے تمہارے لئے روک رکھا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرو"۔ پھر اس آیت میں قول باری تعالیٰ ﴿ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ﴾ سے تاکید کی ہے اور کہا گیا ہے کہ ﴿ اِنَّهٗ ﴾ کی ضمیر ﴿ اَكْل ﴾ کی طرف عائد ہوتی ہے یعنی ایسا ذبیحہ کھانا فسق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذبح ﴿ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کی طرف عائد ہوتی ہے یعنی ایسا ذبیحہ کرنا فسق ہے۔ اور وہ احادیث جو ذبیحہ اور صید کے وقت نام لینے کے بارے میں وارد ہیں عدی ابن حاتم اور ابی ثعلبہ کی احادیث کی مانند ہیں کہ جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر بھیجو اور بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو تو وہ تمہارے لئے شکار کو پکڑ رکھے اور اس میں سے کھائے نہیں تو تمہیں وہ شکار کھانا جائز ہے خواہ وہ زخمی ہو کر مر چکا ہو۔ یہ دونوں احادیث بخاری مسلم میں ہیں۔ اور یہ حدیث رافع بن خدیج بھی بخاری و مسلم میں ہے کہ جس سے خون بہا ہو اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا گیا ہو تو وہ کھا سکتے ہو۔ اور حدیث جندب بن سفیان میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بقر عید میں جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا، چاہئے کہ اب نماز کے بعد دوسرا ذبیحہ کرے اور جس نے نماز سے پہلے ذبح نہ کیا ہو تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کر لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) لوگ گوشت کا تحفہ ہمیں دیتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہوا ہے یا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں شک ہو تو تم خود اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور کھالو۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ نو مسلم لوگ ہوتے تھے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ ان لوگوں نے سمجھا کہ نام لینا ضروری ہے اور شاید تحفہ بھیجنے والے اس لئے نام نہ لے سکے ہوں کہ نو مسلم تھے اس لئے حضرت ﷺ نے احتیاطاً کھاتے وقت نام لینے کی ہدایت فرمائی تاکہ ﴿ وَلَوْ فَرَضْنَا ﴾ ذبح کے وقت نام متروک بھی ہو گیا ہو تو اس وقت نام رب لینا اس کا بدل ہو جائے۔ اور ان لوگوں کو حکم دیا تاکہ ٹھیک طور پر احکام اسلام کا اجراء ہو سکے۔ اور مسئلہ میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ ذبح کے وقت نام لینا ہی کچھ مشروط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر عمداً یا سہواً نام نہ بھی لے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ بھی یہی کہتے ہیں اور شافعیؒ نے آیت ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ﴾ کو ذبح لغیر اللہ پر محمول کیا ہے جیسا کہ قول باری ہے ﴿ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ اور ابن جریج نے کہا کہ اس ممانعت اکل سے مراد ہے کہ وہ ذبیحہ نہ کھاؤ جس کو قریش نے "اوثان" کے لئے ذبح کیا ہو۔ اسی طرح مجوس کا ذبیحہ کھانے کی بھی ممانعت ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جس پر امام شافعیؒ چلتے ہیں اور یہی قوی بھی ہے۔ بعض متاخرین نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس قول کو اس طرح قوی بنائیں کہ ﴿ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ﴾ کے واؤ کو حالیہ قرار دیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لئے ہوئے ذبیحہ کو نہ کھاؤ۔ درانحالیکہ ایسا کرنا فسق ہے اور فسق وہی ہے جو غیر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح ہو۔ پھر یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ متعین ہے اور یہ جائز نہیں کہ واؤ عاطفہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف جملہ فعلیہ طلبیہ پر لازم آئے گا جو غلط بات ہے کیونکہ یہ دلیل اس کے بعد کے جملہ ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ ﴾ سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہاں تو یقیناً عطف ہے تو جس طرح اگلی واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملہ کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے جملہ فعلیہ طلبیہ پر عطف کیا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے ہیں وہی ان پر عائد ہوگا۔ ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض مٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا وہ سرے سے باطل ہو جائے گا، واللہ اعلم۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد مردار جانور ہے جو آپ مر گیا ہو۔ اس مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ اس نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ نام لیتا تو اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیتا۔ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی تائید دار قطنی کی اس حدیث سے ہوتی ہے

جو ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اگر مسلم ذبح کرے اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ بھی لیا ہو تو کھا سکتے ہیں کیونکہ وہ مسلمان خود گویا اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے اور وہ جب ذبح کرے گا تو نیت یہی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتا ہوں۔ بیہقی ؒ نے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی جو پہلے گذر چکی حجت لی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ الوگ نو مسلم ہوتے ہیں گوشت کا تحفہ لاتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا گیا ہے یا نہیں۔ تو فرمایا تم اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور کھالو۔ چنانچہ اگر نام لینا ضروری بھی ہوتا تو آپ ﷺ بغیر تحقیق کے کھانے کی اجازت ہی نہ دیتے۔ واللہ اعلم۔

اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا اگر بھول گیا تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر عمداً چھوڑ دے گا تو جائز نہ ہو گا۔ امام مالک ؒ اور امام احمد ؒ کا مشہور مذہب یہی ہے اور امام ابو حنیفہ ؒ اور ان کے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوالحسن نے اپنی کتاب ''الہدایہ'' میں لکھا ہے کہ امام شافعی ؒ سے پہلے اجماع اس پر تھا کہ عمداً تسمیہ اگر ترک ہو تو حرام ہے اسی لئے ابو یوسف ؒ اور دیگر مشائخ نے کہا کہ اگر کوئی حاکم ایسے ذبیحہ کے گوشت کی بیع کی اجازت دے تو یہ حکم نافذ نہ کیا جائے گا کیونکہ اس میں اجماع امت کی مخالفت ہے اور اجماع کی مخالفت کے ساتھ کوئی بات جائز نہیں ہو سکتی۔ صاحب ہدایہ کی یہ بات عجیب ہے' حالانکہ شافعی ؒ سے پہلے بھی ایسا اختلاف ثابت ہے 'واللہ اعلم۔ امام ابو جعفر ابن جریر ؒ کہتے ہیں کہ جس نے بھول جانے والے کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اس نے مجتمعہ دلیل کے قائل ہونے سے اپنے کو الگ کر لیا اور جو حدیث کہ حضرت ﷺ سے ثابت ہے اس کی مخالفت کی۔ وہ حدیث یہ ہے کہ مسلم کے لئے خود اس کا مسلمان ہونا کافی ہے خواہ وہ ذبح کے وقت بھول گیا ہو اور نام نہ لیا ہو 'تم اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور کھالو۔ اور اس حدیث کو خطاً مرفوع کہا ہے اور دوسروں نے اس کی توثیق کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ ابن جریر ؒ اور محمد بن سیرین نے بھول کر تسمیہ ترک کر دینے کو مکروہ قرار دیا ہے اور سلف لفظ کراہت کا اطلاق حرام پر کرتے تھے۔ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ کو حرام کہا ہے' انہوں نے علاوہ اور دلائل کا خلاف کرنے کے اس حدیث کا بھی خلاف کیا ہے جو ثابت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلم کو اس کا مسلم ہونا ہی کافی ہے اگر وہ ذبح کے وقت نام لینا بھول گیا تو اب کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے اور کھالے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس کو مرفوع کہنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبید اللہ جزری کی ہے۔ بقول امام بیہقی یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ امام ابن جریر ؒ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ان دو ایک اقوال کو کچھ وقعت نہیں دیتے جو قول جمہور کے خلاف ہوں اور اس اجماع کو قابل عمل اجماع ہی سمجھتے ہیں۔ حسن بصری ؒ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص کے پاس بہت سے ذبح شدہ پرندے لائے گئے جن میں سے بعض پر تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا تھا اور بعض پر نام لینا بھول گئے تھے اور یہ اور وہ پرندے آپس میں مخلوط ہو گئے تھے۔ تو حسن ؒ نے کہا تم سب کو کھا سکتے ہو۔ محمد بن سیرین ؒ سے یہی سوال کیا گیا تو کہا جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا ہے نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے ﴿ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ اور اپنے فتوے کی اس حدیث سے دلیل لی جو ابن ماجہ میں بھی مروی ہے یعنی اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر سے خطا اور نسیان کو معاف فرما دیا ہے اور مجبور ہو کر ارتکاب خطا کرنے کو بھی معاف کر دیا ہے۔ لیکن یہ قابل غور چیز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اس میں کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا مسلمان کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ مروان بن سالم ابو عبد اللہ شامی اس کے روای ہیں اور ان پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر ایک علیحدہ رسالہ لکھا ہے اور ائمہ کے مذاہب اور ان کے ماخذ اور ان کی دلیلوں اور وجہ دلالت اور وجہ معارضت وغیرہ سب باتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اہل علم نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا اس آیت کا حکم منسوخ ہے یا نہیں۔ تو بعض نے کہا کہ حکم منسوخ نہیں بلکہ محکم اور قابل عمل ہے اور اسی بنا پر مجاہد اور عام اہل علم کا قول ہے۔ حکم منسوخ ہو جاتا تو مجاہد وغیرہ ایسا قول نہ کرتے۔ عکرمہ اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو وہ کھاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ یہ فسق ہے۔ چنانچہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن اس سے مستثنیٰ ہے قول باری تعالیٰ ﴿ وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم و طعامکم حل لھم ﴾ یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ اہل کتاب کے لئے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمادیا ہے کہ نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرمادیا اور مسلمانوں پر رحم کیا اور فرمایا کہ اب سارے طیبات تمہارے لئے حلال ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ چنانچہ پہلی بات کو اس آیت کے ذریعہ منسوخ فرمادیا اور اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دے دیا۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ صحیح تو یہی ہے کہ اہل کتاب کے طعام کے حلال ہونے اور نام نہ لئے ہوئے ذبیحہ کے حرام ہونے میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہی بیان ہے جو صحیح کہے جانے کا مستحق ہے اور جس نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے تو سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کو خاص کر دیا واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ ﴿ ان الشیطین لیوحون الی اولیٓـئھم لیجادلوکم ﴾ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف اپنی باتیں اس لئے وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث مباحثہ اور مناظرہ کر سکیں۔ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے کہا کہ مختار کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی طرف وحی آتی ہے تو کہا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ یعنی شیطان اپنے اولیاء کی طرف تو وحی کیا ہی کرتا ہے۔

ابو زمیل سے مروی ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مختار حج کرنے کو آیا ہوا تھا تو ایک آدمی ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابن عباس! ابو اسحٰق گمان کرتا ہے کہ آج کی رات اس پر وحی آئی ہے۔ تو ابن عباسؓ نے کہا سچ کہتا ہے۔ میں یہ سن کر پریشان ہو گیا اور کہا کہ ابن عباسؓ اس کے قول کی تصدیق کرتے ہیں تو ابن عباسؓ کہنے لگے کہ وحی دو قسم کی ہوتی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی وحی ایک شیطان کی وحی۔ اللہ تعالیٰ کی وحی حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی طرف ہے اور شیطان کی وحی اس کے اولیاء کی طرف ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت فرمایا۔ عکرمہ کا بھی ایسا ہی قول پہلے گزر چکا ہے۔ قولہ ﴿ لیجادلوکم ﴾ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہود نبی اکرم ﷺ سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم جس جانور کو قتل کریں اس کو تو کھالیں اور جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہو اسے نہ کھائیں اور حرام سمجھیں۔ تو یہ آیت اتری ﴿ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق ﴾ اس کو مرسلاً روایت کیا اور ابوداؤد نے متصلاً روایت کیا ہے۔ یہ کئی وجوہ سے غور طلب ہے۔ ایک تو یہ کہ یہود میتہ کے کھانے کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ پھر وہ اس بارے میں خلاف ہی کیوں کریں گے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکی ہے اور یہود تو مدینہ میں رہتے تھے اور تیسرے یہ کہ اس حدیث کو ترمذیؒ نے روایت کیا ہے جو ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور ترمذی کہتے ہیں کہ لوگ یعنی یہود نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ پھر اس حدیث کا ذکر کیا۔ اور یہ عجیب بات ہے۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ طبرانی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لئے ہوئے کو نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ محمد ﷺ سے اس بارے میں بحث کرو اور کہو کہ اپنی چھری سے قتل کیا گیا تو وہ حلال ہو گیا اور جس کو اللہ نے اپنی سنہری تلوار سے ذبح کیا یعنی میتہ تو وہ حرام ہو گیا' یہ کیسی بات ہے؟ تو یہ آیت اتری کہ شیاطین اپنے اولیاء کو سکھاتے ہیں کہ تم سے لڑیں بحث و مجادلہ کریں۔ اگر تم نے ان کی بات مان لی اور میتہ کو بھی حلال سمجھنے لگے تو تم بھی مشرک قرار پاؤ گے۔ مراد یہ کہ فارس کے شیاطین قریش کو وحی بھیجتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں یہود کا ذکر نہیں ہے اور یہی اعتراض سے بچنے کی

محفوظ صورت ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہ بھی کہ یہود تو میتہ کو پسند ہی نہیں کرتے تھے اور بعض الفاظ میں ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ تم جس کو قتل کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا ہے اور جو خود بخود مر جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہیں ہوتا۔ اہل فارس کے سکھانے پر مشرکین نے اصحاب رسول پر جب یہ اعتراض وارد کیا تو مسلمانوں کے دلوں میں ایک شبہ جاگزیں ہو گیا' تو یہ آیت اتری اور مجادلہ کرنے والوں کی سازش کھل گئی۔ سدیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم دعویٰ تو کرتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پسند کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے قتل کئے ہوئے کو نہیں کھاتے اور اپنے قتل کئے ہوئے کو کھاتے ہو۔ تو فرمایا کہ اگر تم ان کی دلیل کے دھوکے میں آ جاؤ گے تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اپنے پیشواؤں اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کی بجائے انہوں نے اپنے ارباب بنا لیا ہے اور انہیں کی عبادت کرنے لگے ہیں۔ تو عدی بن حاتم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ ان رہبان اور احبار کی تو عبادت نہیں کرتے ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان پیشواؤں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا اور ان لوگوں نے ان کی مان لی' تو یہی تو عبادت کرنا ہوا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں۔

ایمان روشن جبکہ کفر تاریکی ہے: یہ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ایمان لانے والا جو پہلے میت تھا یعنی ضلالت میں ہالک اور حیران تھا' اس کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا یعنی اس کے قلب کو ایمان کی دولت بخشی اور اتباع رسول ﷺ کی توفیق و ہدایت فرمائی۔ اور اس کے لئے ایک نور قرار دیا جو اس کے چلنے میں راہنمائی کرتا ہے۔ یہ نور قرآن ہے۔ یہ مومن اس شخص کی طرح تھوڑا ہی ہو سکتا ہے جو اپنی جہالتوں اور گمراہی کی تاریکیوں میں ہو جو ان تاریکیوں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا جس سے اس کو چھٹکارا ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا' پھر ان پر نور کی بارش کی جس نے اس نور کو پا لیا اس نے ہدایت پالی اور جس نے اس نور کو نہیں لیا وہ دنیا میں گمراہ رہ گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ پاک ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لے آئے جو ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے اولیاء شیطان ہیں جو ان کو نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی اہل دوزخ ہیں جو ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو سر جھکائے جھک کر ٹیڑھا ہو کر چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا اور صراط مستقیم پر چلتا ہے۔ اور فرمایا دو قسم کے لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک تو ہیں اندھے اور بہرے اور دوسرے آنکھوں اور کان والے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اس بات کو ذرا نہیں سمجھتے۔ اور فرمایا نابینا اور بینا دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی اور نور اور نہ سایہ اور گرمی اور نہ زندہ اور مردہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے تم قبر کے مردے کو نہیں سنا سکتے۔ تم تو فقط عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہو۔ اس موضوع پر بہت سی آیتیں ہیں وجہ مناسبت ان مثالوں میں نور اور ظلمات ہیں کہ اس سورت کے اول میں اسی مثال سے ابتدا ہوئی ہے۔ یعنی ﴿ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ﴾ سے ابتداء کی ہے۔

بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مثال سے مراد دو معین شخص ہیں اور وہ عمر بن خطابؓ' جو گویا پہلے میت تھے پھر اللہ

تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا اور انہیں نور عطا فرمایا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں کے اندر چلتے ہیں۔ اور کہا گیا کہ عمار بن یاسرؓ مراد ہے۔ لیکن جو ظلمات میں ہیں وہ اس سے نکل نہیں سکتے وہ ابو جہل یعنی عمرو بن ہشام ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے اس میں ہر مومن اور کافر داخل ہیں۔

اور قولہ تعالیٰ ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے اعمال اچھے بنا کر ہی دکھاتا ہے اور یہ بات ان کی جہالت اور گمراہی کے سبب ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

وقف لازم

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں۔ اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی جاتی ہے۔ اس موقع کو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلے میں۔

نبی اکرم ﷺ حسب و نسب کے لحاظ سے پوری دنیا سے افضل ہیں: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جیسا کہ تمہاری بستی میں بڑے بڑے لوگ مجرم اور کافر ثابت ہوئے ہیں جو خود بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے رکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی کفر ہی کی طرف بلاتے ہیں اور تمہاری مخالفت اور عداوت میں سبقت لئے ہوئے ہیں اسی طرح تم سے پہلے بھی رسولوں سے دشمنی کرنے والے ایسے ہی دولت مند اور زردار لوگ ہوا کرتے تھے پھر انہیں جو سزا ملی وہ معلوم ہی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اسی طرح ہم نے ہر نبی (علیہ السلام) کے لئے ایسے مجرموں کو دشمن بنا دیا تھا۔ اور فرمایا کہ جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو برباد کر دیں تو ان کے مالداروں کو توفیق ہوتی ہے کہ وہ بستی میں فساد مچائیں اور فسق و فجور کرنے لگیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو اطاعت کا حکم کرتے ہیں لیکن وہ مخالفت کرتے ہیں بنابریں ہم انہیں ہلاک کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم انہیں وہ امر کرتے ہیں جو ان کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے تاکہ اس میں وہ شیطنت اختیار کریں۔ اور فرمایا کہ جس بستی میں بھی ہم نے اپنا ڈرانے والا بھیجا تو سب سے پہلے وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم تو تمہیں نہیں مانتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تم سے اموال و اولاد میں بڑھے ہوئے ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا اور فرمایا کہ یہ دولت مند کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی ڈھنگ پر پایا اور ہم تو انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے مکر سے یہاں مراد یہ ہے کہ وہ اپنی بیہودہ بکواس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے ہیں جیسے کہ قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ اور فرمایا کہ کاش تم دیکھتے ان ظالموں کو کہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے اپنے ساتھی سے یوں کہہ رہا ہے اور چیلا اپنے پیشوا اور تابع اپنے متبوع سے کہہ رہا ہے کہ اگر تمہارے زیر اثر ہم نہ ہوتے تو ایمان لائے ہوئے ہوتے۔ تو پیشوا اور متبوع اپنے چیلوں اور تابعوں سے کہیں گے ہم نے ہدایت سے تمہیں روکا تھوڑا ہی تھا تم تو آپ گنہگار اور مجرم تھے اور یہ کہ تمہارا مشورہ تھا کہ ہم کفر

اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنائیں۔ چنانچہ اپنے ساتھ ہم کو بھی تم نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں مکر سے مراد عمل ہے۔ اور فرمایا کہ نہیں چالبازی کرتے ہیں وہ مگر اپنے ہی نفسوں کے ساتھ لیکن اس بات کو وہ نہیں جانتے۔ یعنی اس چالبازی اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال خود ان کی اپنی ذات پر پڑے گا جیسا کہ فرمایا کہ یہ پیشوا اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ دوسروں کے گناہوں کا وزن بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور فرمایا کہ گمراہ کرنے والے کیسا برا بوجھ اٹھارہے ہیں اور جانتے نہیں کہ دوسرے کا بھی گناہ ہم لے رہے ہیں اور فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس جب ہماری کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اس جیسی نشانیاں نہ پیش کرو جیسی کہ پہلے پیغمبروں نے بتائی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ رسول ﷺ کے ساتھ فرشتے بھی بطور دلیل کیوں نہیں ہوتے جیسے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم سے ملنے کا یقین نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم پر بھی فرشتے کیوں نہیں اترتے' یا یہ کہ ہم اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔

اور قولہ تعالیٰ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ محل رسالت کس کو بنانا چاہیے اور کون درحقیقت رسول بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیم اپنی صوابدید سے کرلیں گے ﴿قَرْيَتَيْنِ﴾ سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ یہ بات وہ کمبخت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو بغاوت اور حسد کی وجہ سے اپنے سے حقیر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب یہ کافر تم کو دیکھتے ہیں تو تم کو مذاق اور ٹھٹھول میں لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے کیا یہی ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کے متعلق بولتا پھرتا ہے۔ حالانکہ وہ رحمٰن کے ذکر کو بھول بیٹھے ہیں۔ اور فرمایا کہ جب کبھی وہ تم کو دیکھتے ہیں تو مذاق میں لے اڑتے ہیں کہ کیا یہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور فرمایا کہ تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ اسی طرح کا مذاق اور استہزاء کیا جاتا رہا ہے لیکن انہیں کے مذاق نے انہیں ہلاک کر دیا۔ حالانکہ ان کمبختوں کو نبی اکرم ﷺ کے فضل و شرف اور نسب کا اعتراف تھا اور آپ ﷺ کے خاندان کی شرافت اور قبیلہ کی عزت اور وطن مکہ کی بزرگی کے معترف تھے' اللہ تعالیٰ اور سارے ملائکہ اور مومنین کی طرف سے آپ ﷺ پر درود ہو۔ حتیٰ کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے نبی ہونے کے پہلے ہی سے آپ ﷺ کے ایسے معترف حسن اخلاق تھے کہ آپ ﷺ کو امین کا خطاب دے رکھا تھا۔ اور رئیس کفار ابوسفیان تک آپ ﷺ کی سچائی سے اس قدر مرعوب تھے کہ ہرقل ملک روم نے جب آپ ﷺ کی بابت اور آپ ﷺ کے حسب نسب کی بابت پوچھا تو کہنے لگے کہ وہ ہم لوگوں میں بہت شریف النسب ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا اس سے پہلے کبھی جھوٹا بھی مشہور رہا ہے تو ابوسیفان نے کہا کبھی نہیں۔ غرض یہ کہ حدیث طویل ہے جس سے شاہ روم نے یہ استدلال کیا کہ وہ اچھی صفات والا معلوم ہوتا ہے یہ چیزیں تو اس کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا اور بنی اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب فرمایا۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم کے اچھے قرن یکے بعد دیگرے آتے رہے حتیٰ کہ وہ اچھا قرن بھی آگیا جس میں میں ہوں۔ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ منبر پر چڑھ کر فرمانے لگے کہ بتاؤ میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کیں اور مجھ کو اپنی مخلوقات میں سب سے بہتر پیدا کیا اور لوگوں کو دو فریق میں تقسیم کیا اور مجھ کو اچھے فرقہ میں سے قرار دیا۔ اور جب اس نے قبائل پیدا کئے تو سب سے اچھے قبیلہ میں سے مجھے قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے گھرانے میں پیدا کیا۔ میں از روئے خاندان تم میں سب سے اچھا ہوں نیز از روئے ذات تم میں سب سے اچھا ہوں۔ سچ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے

مجھ سے کہا کہ اے محمد ﷺ! دنیا بھر میں مشرق و مغرب سب میں نے چھان ڈالے لیکن محمد ﷺ سے بڑھ کر میں نے کسی کو افضل نہیں پایا اور سارے مشرق و مغرب ڈھونڈ ڈالے تو کوئی خاندان بنو ہاشم کے خاندان سے زیادہ فضیلت رکھنے والا نہ ملا۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کے دلوں پر نظر ڈالی تو اصحاب کے قلوب کو سب کے دلوں سے اچھا پایا چنانچہ انہیں کو نبی کے وزراء اور مددگار بنایا جو نبی کے ساتھ دین کے لئے قتال کرتے ہیں پس مسلمان جس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے اچھا ہوتا ہے۔ اور جس کو مسلمان برے سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھی برا ہوتا ہے سلمانؓ نے روایت کیا ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھنا اور ناراض نہ رہنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ سے کیسے بغض رکھوں گا' آپ ﷺ ہی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت فرمائی۔ تو فرمایا تم قوم عرب سے بغض رکھو گے تو گویا مجھ سے بغض رکھو گے۔

روایت ہے کہ ایک آدمی نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ مسجد میں داخل ہو رہے ہیں پس جب ان کی طرف دیکھا تو ڈر گیا اور پوچھنے لگا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ تو کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محل نبوت و رسالت کو خوب جانتا ہے کہ کون نبوت کا مصداق بن سکتا ہے۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ سَيُصِيبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾ یہ رسالت کی اتباع سے تکبر اور انقیاد رسول سے غرور کرنے والوں کے لئے وعید شدید ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس حقارت اور ذلت دائمہ نصیب ہوگی۔ اسی طرح جو لوگ غرور کرتے ہیں تو قیامت کے روز اس کے نتیجہ میں انہیں ذلت ملے گی۔ جیسا کہ فرمایا "کہ جو لوگ میری عبادت سے غرور کرتے ہیں اور منہ موڑتے ہیں وہ اوندھے منہ جہنم میں پڑے ہوں گے"۔ اور فرمایا کہ ان کے اس عمل بد کے سبب انہیں عذاب شدید لاحق ہوگا۔ کیونکہ مکر عموماً خفی ہوتا ہے۔ مکر کہتے ہیں نہایت لطیف طور پر حیلہ بازی اور مکاری کو' وہ اسی کے بالمقابل قیامت کے روز پوری جزا اور پورا عذاب شدید دیے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴾ یعنی اس روز ساری چھپی ہوئی باتیں اور سب مکنونات ظاہر ہو جائیں گی۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر باغی اور غدار کے لئے قیامت میں ایک جھنڈا ہوگا اور یہ اس کی سرین سے لگا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں غدار ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ غدر چونکہ خفی ہوتا ہے لوگ اس سے آگاہ نہیں ہو پاتے اس لئے قیامت کے روز وہ ایک علم اور جھنڈا بن جائے گا جو غدار کی غداری کا اعلان کرتا رہے گا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔

شرح صدر سے کیا مراد ہے؟ اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اسلام کے لئے اس کا دل کھول دیتا ہے یعنی دین اسلام اختیار کرنا اس کے لئے سہل بنا دیتا ہے چنانچہ یہ چیز علامت ہے اس بات کی کہ اس کی قسمت میں خیر لکھی ہے جیسا

کہ فرمایا کہ اسلام کے لئے جس کا دل کھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے نور متعین کر دیا جاتا ہے۔ اور فرمایا' لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی جو تمہارے قلوب کی زینت کا سبب ہے۔ اور کفر و فسوق و عصیان سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی ہے۔ ایسے ہی لوگ رشد و ہدایت پائے ہوئے ہیں۔ ابن عباسؓ نے اس آیت کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ توحید اور ایمان کو قبول کرنے کے لئے اس کے دل میں وسعت دے دیتا ہے۔ ابو مالک اور اکثر نے کہا کہ یہی بات زیادہ ظاہر و ثابت ہے۔ ابو جعفر سے مروی ہے کہ حضرت علیؐ سے پوچھا گیا کہ کونسا مومن زیرک و دانا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جو اکثر موت کو یاد کرتا رہے اور جو سب سے زیادہ موت کے بعد کے لئے اپنے کو تیار کرتا رہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا اسی آیت کے بارے میں' چنانچہ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! شرح صدر کیا ہوتا ہے تو فرمایا ایک نور ہوتا ہے جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے دل کھل جاتا ہے اور وسیع ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان میں تنگ دلی باقی نہیں رہتی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم اس چیز کو کیسے پہچانیں کہ اس کو شرح قلب حاصل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کا پتہ اس بات سے چلے گا کہ کون دار الآخرت کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے اور دنیا کے تمتعات سے کس قدر دور رہتا ہے اور موت آنے سے پہلے ہی موت کے لئے اپنے آپ کو کس قدر تیار رکھا ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے دل کو بہت تنگ کر دیتا ہے۔ ضیق کا لفظ فتح ضاد اور سکون یاء کے ساتھ ہے اور اکثر لوگ تشدید یاء اور کسر یاء سے قرار دیتے ہیں۔ یہ دونوں لغت مثل ﴿هَيِّنْ﴾ اور ﴿ هَيْن ﴾ کے ہیں اور لفظ ﴿حَرِجَ ﴾ کو بعض نے فتح حاء اور کسر راء کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسری قراءت فتح حاء اور فتح راء سے ہے یعنی وہ گمراہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا دل ہدایت کے لئے ذرا بھی کشادہ نہیں' اس میں ایمان راہ نہیں پاتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک بدوی سے پوچھا کہ ﴿ حرجة ﴾ کیا چیز ہے؟ تو کہا وہ ایک درخت ہے درختوں ہی کے درمیان ہوتا ہے نہ کوئی چرواہا اس تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی جانور اور نہ کوئی اور شئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ منافقین کا قلب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ امر خیر کی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر اسلام کو تنگ کر دیتا ہے کیونکہ اسلام تو ایک وسیع چیز ہے اور کافر کا دل تنگ ہوتا ہے کیسے سما سکے گی۔ ﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ یعنی دین قبول کر لینے کے بعد تمہارے دل میں کوئی تنگی نہیں رہ سکتی اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ لیکن منافق کا دل شک میں مبتلا رہتا ہے اور ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کا اقرار اور اپنی تنگ دلی کے سبب وہ کر ہی نہیں سکتا۔ ایمان لانا اس پر اس قدر دشوار ہے جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا دشوار ہے کہ جس طرح ابن آدم آسمان پر نہیں چڑھ سکتا۔ اسی طرح توحید کا عقیدہ اس کے دل میں گھر نہیں کر سکتا۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تنگ بنایا ہو وہ کس طرح اسلام لا سکتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو قلب کافر سے متعلق کہی گئی ہے کہ ایمان اس کے دل پر چڑھنا اس قدر مشکل ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھے اور چونکہ آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں' اسی طرح اس کافر کا ایمان لانا ممکن نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے دل کو تنگ کر دیا' اسی طرح شیطان کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کو بھٹکاتے رہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں ﴿ رجس ﴾ کے معنی شیطان اور ہر وہ چیز جس میں کوئی خیر نہ ہو اور عذاب کے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔ ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔

قرآن صراط مستقیم اور جنت سلامتی کا گھر ہے: اللہ تعالیٰ جب ان گمراہوں کا ذکر فرما چکا تو اب دین اور ہدایت کے شرف کو بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ تمہارے رب کا راستہ یہی سیدھا راستہ ہے ﴿ مُسْتَقِيمًا ﴾ بنا بر حال منصوب ہے۔ یعنی یہ دین اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو ہم نے تمہیں دیا ہے یہ اس وحی کے ذریعہ ہے جس کو قرآن کہتے ہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ جیسے کہ حضرت علیؓ نے قرآن کی تعریف میں فرمایا کہ وہ صراط مستقیم ہے حبل اللہ المتین ہے ذکر حکیم ہے۔ اور ہم نے قرآن کی آیتوں کو نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنہیں عقل و فراست حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں نیاز مندانہ غور و فکر کرتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے لئے قیامت کے دن جنت دار السلام ہے۔ جنت کو دار السلام کا نام اس لئے دیا گیا کہ جیسی سلامتی کی راہ وہ یہاں چلے قیامت کے دن بھی سلامتی کا گھر انہیں ملے گا۔ اللہ پاک ان کا حافظ و ناصر موید ہے کیونکہ وہ نیک عمل کرتے تھے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾

اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے اے جماعت جنات کی تم نے انسانوں میں بڑا حصہ لیا۔ جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ کو رہو گے ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔

جن و انس کا ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا اور اسکا انجام: ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دن کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ ان جن و شیاطین اور ان کے انسانی اولیاء جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے اور انہیں کے پاس پناہ لیتے تھے اور دنیا سے تمتعات کے بارے میں ایک دوسرے کو وحی بھیجتے تھے ان سب کو جمع کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ اے گروہ جن و شیاطین تم نے انسانوں کو بہت بھٹکا لیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لے لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا سخت دشمن ہے اور میری عبادت کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اے لوگو! تم میں سے بہت بڑے گروہ کو ان شیطانوں نے گمراہ کر دیا ہے۔ کیا اب بھی تم کو عقل نہیں آئے گی۔ اور ان کے انسان اولیاء کہیں گے کہ اے رب! بے شک تیری بات درست ہے۔ ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے تمتع حاصل کرتا رہا۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ یہ استمتاع یہ تھا کہ شیاطین حکم دیتے تھے اور یہ نادان انسان اس پر عمل کرتے تھے۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص سفر کرتا ہوا کسی وادی میں بھٹکتا تھا تو کہتا تھا کہ میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ لیتا ہوں۔ یہ ہوتا تھا ان انسانوں کا استمتاع۔ چنانچہ قیامت کے دن اسی کا عذر پیش کر رہے ہیں۔ اور جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انسانوں سے انہیں بزرگی ملتی تھی۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہیں۔ اور تو نے جو وقت ہمارے لئے قرار دے دیا تھا اس وعدہ تک ہم پہنچ گئے اس سے مراد موت ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب دوزخ تمہارا اور تمہارے اولیاء کا ٹھکانہ ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی جو چاہے کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ استثناء کے معنی برزخ کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مدت دنیا کی طرف رد ہے اور بعض نے وہ باتیں کہیں جن

کا بیان سورۂ ہود میں آئے گا۔ جہاں کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے' جب تک کہ زمین و آسمان رہیں گے۔ ہاں اس کے سوا اللہ تعالیٰ کچھ اور چاہے تو اس کی مرضی' وہ تو جو ارادہ کرتا ہے اپنے ارادہ کو عمل میں لانے کا حق رکھتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر اس آیت سے ہوتی ہے کہ دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے مگر ہاں پھر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ یہ ایک ایسی آیت ہے کہ کسی کو بھی یہ سزاوار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم لگائے اور کسی کو جنتی یا دوزخی قرار دے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

اور اسی طرح بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب

ظالم ظالموں کا مومن مومنوں کا دوست ہے: اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو ایک جیسے اعمال رکھتے ہوں تو آپس میں دوست بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مومن ولی ہے مومن کا خواہ کہیں ہو اور کیسا ہی ہو۔ اور کافر ولی ہے کافر کا خواہ کہیں کا ہو اور کسی ذات پات کا ہو۔ ایمان تمناؤں اور ظاہر داریوں کا نام نہیں۔ مالک بن دینار ؒ نے کہا کہ میں نے زبور میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں منافقین کا انتقام منافقین ہی کے ذریعہ لوں گا اور پھر اس کے بعد سارے ہی منافقین سے اور یہ قرآن میں بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے ہم اسی طرح ایک ظالم کو دوسرے ظالم کا دوست بنا دیتے ہیں یعنی جن کے ظالموں کو انسانی ظالموں کا دوست بناتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو ہم ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ابن مسعود ؓ سے مرفوع حدیث ہے کہ جس نے ظالم کی مدد کی تو اسی کو ہم اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ کوئی ہاتھ ایسا نہیں جس سے بالاتر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہو اور کوئی ظالم ایسا نہیں جس کو دوسرے ظالم سے سابقہ نہ پڑے۔ آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح ہم نے ان نقصان یافتہ انسانوں کے دوست ان کے بہکانے والے جن و شیاطین کو بنا دیا اسی طرح ظالموں میں سے بعض کو بعض کا ولی بنا دیتے اور بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم ان کے ظلم و سرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض سے بعض کو دلاتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾

اے جماعت جنات اور انسانوں کی کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیاوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ مقر ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔

جنوں میں نبوت نہیں آئی: روز قیامت کافر کفر کا اقرار کریں گے: اللہ پاک یہاں کافرین جن و انس کو متنبہ فرما رہا ہے کہ ہم قیامت کے روز ان سے پوچھیں گے کہ کیا ہمارے رسولوں نے تمہارے پاس حق نبوت ادا کر دیا تھا۔ یہ پوچھنے کا ڈھنگ ہے جو اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی اے جن و انس کیا تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ رسول صرف انسانوں میں ہوئے ہیں جنوں میں نہیں ہوئے ہیں۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول بنی آدم میں ہوتے ہیں اور جنوں میں صرف ڈرانے والے ہوتے

ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ ابن مزاحم کا خیال ہے کہ جنوں میں بھی رسول ہوتے ہیں اور اپنے دعویٰ میں اسی آیت کریمہ سے دلیل لاتے ہیں۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے۔ کیونکہ یہ کوئی یقینی بات نہیں ہے کیونکہ کہیں بھی کسی آیت میں اس چیز کی صراحت نہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہ احتمال ہے اس عدم تصریح کی آیت ربانی سے یہ دلیل ہے کہ فرمایا ہے ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ. فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ اور پھر فرمایا ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴾ اور ظاہر ہے کہ لولو اور مرجان کھاری سمندر کے اندر ہوتے ہیں میٹھے سمندر میں نہیں ہوتے۔ چنانچہ جس طرح لولو اور مرجان کو میٹھے اور کھاری دونوں سمندروں کی طرف منسوب کیا بالکل اسی طرح رسولوں کو جن وانس دونوں کے اندر شمار کیا۔ ابن جریرؒ نے بھی بالکل یہی جواب دیا ہے۔ اور اس بات کی دلیل کہ رسول صرف انسانوں میں ہیں یہ قول باری تعالیٰ ہے ﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ﴾ الی قولہ ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ اور قولہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے متعلق ﴿ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ﴾ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو انہیں کی ذریت میں موقوف کر دیا گیا اور کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نبوت جن میں تھی اور ان کے مبعوث ہونے کے بعد جنوں سے منقطع ہو گئی۔ غرض یہ کہ جنوں میں ثبوت نبوت نہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ثابت ہے نہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد۔ اور فرمایا کہ تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے وہ بھی کھانا وغیرہ کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ اور فرمایا کہ تم سے پہلے جس قدر ہم نے رسول بھیجے وہ انہیں کے اہل وطن تھے اور معلوم ہے کہ جن اس باب رسالت میں تابع انسان ہیں اور اسی لئے جنوں سے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ "جنوں کی ایک جماعت کو ہم نے تمہاری طرف پھیر دیا ہے کہ وہ قرآن سننے لگتے ہیں اور جب حاضر مجلس رہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خاموش ہو جاؤ سننے دو اور جب قرآن ختم ہو جاتا ہے تو اپنی قوم کی طرف جا کر اللہ تعالیٰ سے انہیں ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتری ہے اور جو توریت کی تصدیق کرتی ہے اور حق باتوں اور طریق مستقیم کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو لبیک کہو ان پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور عذاب الیم سے تمہیں نجات عطا کرے گا۔ اور اگر کسی نے داعی اللہ تعالیٰ کو لبیک نہیں کہا اور کافر رہ گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ عاجز نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ بڑی گمراہی میں ہوں گے"۔ ترمذیؒ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ رحمن کی تلاوت فرمائی اور اس میں اس آیت کو پڑھا ﴿ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ﴾ اور فرمایا کہ اے جن وانس کی جماعت کیا تم میں سے اللہ تعالیٰ کے رسول تمہارے پاس نہیں آئے تھے جو میری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتے تھے اور آج کے دن میری ملاقات سے تمہیں متنبہ کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسولوں نے اپنی تبلیغ ہم تک پہنچا دی اور ہمیں تیری ملاقات سے ڈرایا بھی تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہ آج کا دن ضرور وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ اور فرمایا حیات دنیا نے انہیں مبتلائے فریب کر رکھا تھا۔ وہ حیات دنیا میں افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے اور تکذیب رسل اور مخالفت معجزات کر کے ہلاک ہو گئے کیونکہ حیات دنیوی کی خوش عیشیوں اور زینت و شہوات میں گرفتار ہو گئے اور بروز قیامت وہ خود اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے کہ ہم کافر تھے۔

ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ (ﷺ) کا رب کسی بستی والوں کو کفر کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں

اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

کسی بستی پر عذاب اتمام حجت کے بعد آتا ہے: اللہ پاک فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ تمہارا رب بستیوں کو ہلاک کرے اور ظلم سے ہلاک کرے ایسی حالت میں کہ وہ لوگ بالکل غفلت میں ہوں۔ نہیں بلکہ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ہم نے جن وانس کے عذرات کو ختم کر دیا ہے تاکہ کوئی ظلم سے نہ پکڑا جائے اور اس کو دعوت توحید نہ پہنچی ہو۔ ہم نے لوگوں کا کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا اگر ہم نے قوموں پر عذاب بھیجا بھی تو رسولوں کو بھیج کر تکمیل حجت کرنے کے بعد جیسا کہ فرمایا۔ کوئی بستی ایسی نہیں جہاں ہم نے کوئی ڈرانے والا رسول اپنی طرف سے نہ بھیجا ہو"۔ اور فرمایا کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی پرستش کرو اور شیطان سے بچو جیسا کہ فرمایا کہ ہم کبھی کسی پر عذاب نازل کرنے والے نہیں جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دیں۔ اور فرمایا کہ "جس وقت جہنم میں لوگ جھونکے جائیں گے تو اس کے متعینہ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں ضرور آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا تھا"۔ اس موضوع سے متعلق بہت سی آیتیں ہیں۔

امام ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ بظلم ﴾ دو وجود کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ بات اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی قوم کو اس کے شرک کے سبب اس طرح ہلاک کر دے کہ اسے اپنے شرک کی خبر بھی نہ ہو یعنی وہ عقوبت میں کبھی جلدی نہیں کرتا ہے جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دے جو انہیں عذاب سے متنبہ کر دے اور اللہ تعالیٰ کی حجت تمام کر دے اور روز آخرت کے عذاب سے انہیں ڈرا نہ دے۔ اگر وہ غفلت میں کسی کو پکڑ تا تو وہ کہتے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہ تھا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ انہیں بغیر متنبہ کر دینے اور رسل اور آیات کے ذریعہ نصیحت کئے بغیر ہلاک نہیں کیا کرتا ورنہ ان پر ظلم کرنا لازم آتا اور اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ اس کے بعد ابو جعفر وجہ اول کو ترجیح دیتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ اقویٰ اور افضل ہے واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ ﴿ ولكلٍ درجاتٌ مِمَّا عملوا ﴾ یعنی ہر نیک و بد عمل کرنے والے کے بلحاظ عمل کئی مراتب و منازل ہیں کہ جس کا جیسا عمل ہے اس کے نتیجہ تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ اگر عمل خیر ہو تو نتیجہ خیر تک اور عمل بد ہو تو نتیجہ بد تک۔ اور یہ بھی محتمل ہے کہ یہ مطلب ہو کہ ان کافرین جن وانس کے کئی درجات ہیں اور ہر کافر کے لئے دوزخ میں اس کے حسب معصیت مدارج و منازل ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہر ایک کے لئے دوگنا تین گنا عذاب ہے اور فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم کی طرف آنے سے لوگوں کو روکا ہم عذاب پر عذاب ان کے لئے زیادہ کریں گے۔ کیونکہ وہ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی کفر کی راہ پر لائے اور فساد برپا کرتے رہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ تو عمل کرنے والے کے عمل سے غافل نہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں جب وہ اس کی طرف لوٹیں گے تو انہیں سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿١٣٣﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾
قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١٣٥﴾

اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ یہ فرمادیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں' سو اب جلد ہی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہو گا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! تمہارا رب جمیع خلق سے من جمیع الوجوہ غنی ہے جمیع احوال میں سب اس کے محتاج ہیں۔ اور اس کے علاوہ وہ رحیم و کریم بھی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اگر تم اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرو گے تو اگر وہ چاہے تو تم کو ہلاک و برباد کر دے گا اور پھر جس قوم کو چاہے گا تمہارا جانشین بنا دے گا تاکہ یہ دوسری قوم اس کی فرماں برداری کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک دوسری قوم کی ذریت سے پیدا کیا۔ وہ اس بات پر قادر ہے اس پر یہ چیز آسان ہے۔ جیسا کہ اس نے قرون اولیٰ کو ہلاک کر دیا اور پھر بعد کی قوموں کو لا بسایا اسی طرح وہ اس قوم کو ہلاک کرنے اور دوسری قوم کو لانے پر قادر ہے۔ اور فرمایا کہ اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اس کے فقیر ہو' غنی اور حمید صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ چاہے تو تم کو فنا کر کے ایک دوسری مخلوق پیدا کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر دشوار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اس سے منہ پھیرو گے تو تمہاری بجائے دوسری قوموں کو بدل دے گا۔ پھر تمہارا ذکر بھی باقی نہ رہے گا۔

ابان بن عثمان اس آیت سے متعلق کہتے ہیں کہ ذریت اصل کو بھی کہتے ہیں اور ذریت نسل کو بھی کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ ﴿ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ یعنی اے محمد ﷺ! انہیں خبر دے دو کہ امر معاد سے متعلق جس بات کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہے گی۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تو اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں پھر سے زندہ کرے خواہ تم خاک کیوں نہ بن جاؤ اور تمہاری ہڈیاں تک کیوں نہ گل جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے بنی آدم! اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو اپنے کو مردوں میں شمار کرو' اللہ تعالیٰ کی قسم جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بات ہو کر رہے گی۔ تم اس پر غالب آ ہی نہیں سکتے اور اس سے بچ نہیں سکتے۔

پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں اپنی جگہ کرتا رہوں گا اور اس بات کو تم قریب میں جان لو گے۔ یہ بڑی سخت وعید اور زبردست تہدید ہے۔ یعنی اگر گمان کرتے ہو کہ تم ٹھیک راہ پر ہو تو اسی پر چلو اور میں بھی اپنے منہج اور اپنے طریق میں چلتا ہوں جیسا کہ فرمایا کہ "ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دو کہ تم بھی اپنا کرتے رہو اور میں بھی اپنا کرتا رہوں گا۔ تم بھی میرا انتظار کرو اور میں بھی تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ قریب میں تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کی بھلائی کس کے لئے ہے یاد رکھو ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے رسول سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کیا ان کے لئے بیسیوں شہر فتح کئے' انہیں ملکوں پر قابض و متصرف بنایا اور مخالفین کو چوٹی سے پکڑ کر نیچا دکھایا' مکے کو نبی اکرم ﷺ کے لئے فتح کرا دیا اور سب مکے والوں پر انہیں غالب کر دیا اور تمام جزیرۂ عرب پر ان کا حکم نافذ ہو گیا۔ اسی طرح یمن اور بحرین پر بھی۔ اور خود انہیں کی زندگی میں یہ سب کچھ ہوا۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں امصار و اقالیم بھی فتح ہونے لگے۔ جیسا کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسول غالب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے۔

اور فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مدد کریں گے جس روز کہ ظالمین کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی۔ ان پر لعنت ہے اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔ اور فرمایا ہم نے بعد الذکر زبور میں لکھ دیا تھا کہ ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ اور رسولوں سے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ ہم نے رسولوں کی طرف وحی بھیج دی تھی کہ ان کفار

ظالمین کو ہم ہلاک کر دیں گے اور پھر دنیا میں ہم تم لوگوں کو بسائیں گے۔ یہ ہماری عنایت ان لوگوں کے لئے ہے جو ہم سے ڈرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ تمہارے ایمانداروں اور صالحوں سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور جو دین کہ اس نے پسند فرمایا ہے اس پر انہیں چلائے گا اور خوف کے بعد ان کی زندگی امن سے بدل دے گا کیونکہ وہ میری عبادت کرتے ہیں اور شرک نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اسی سرفرازی سے امتیاز خاص بخشا ہے اس کا اول و آخر شکر ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔

مشرک اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا حصہ بھی نکالتے تھے: یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو ملامت کی جارہی ہے جنہوں نے کہ بدعتیں اور شرک و کفر پھیلایا اور دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا' حالانکہ ہر چیز کا خالق وہی پاک پروردگار ہے اور اسی لئے فرمایا کہ یہ لوگ کھیتی کی پیداوار یا مویشیوں کی نسل سے جو کچھ پیدا کرتے ہیں تو اس میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے ہیں اور اپنے زعم باطل کی رو سے کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نام ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے نام کا ہے لیکن جو شرکاء کے نام کا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ نہیں کیا جاتا اور جو اللہ تعالیٰ کے نام کا ہے وہ شرکاء کے اغراض میں خرچ کر دیتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ اعدائے رب جب زراعت یا نخلستان وغیرہ کی کاشت کرتے تھے اور پیداوار اور ثمر حاصل ہوتے تھے تو اس میں سے کسی قدر حصہ اللہ تعالیٰ کا قرار دیتے اور کچھ بتوں کے نام کا۔ پس جو بتوں کے نام کا ہوتا تھا اس کو تو محفوظ کر لیتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کا کچھ حصہ اس میں سے گر جائے یا کچھ آسیب پہنچے تو اس کو بتوں کے حصہ میں شریک کر ڈالتے تھے۔ اور اگر بتوں کے لئے قرار داہ حصہ سے پانی آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لئے قرار داوہ حصے تک پہنچ جاتا تو کہتے یہ تو ہمارے بت کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حصہ کے پھل یا پیداوار گر جاتی یا بتوں کے حصے میں آکر مل جاتی تو کہتے یہ تو مستحقین کا حصہ ہے' بتوں کے حصہ میں ملا لیتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رد نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حصہ کا قرار دیا ہوا پانی آگے بڑھ کر بتوں کی کاشت والی زمین کو سیراب کرتا تو ایسا ہونے دیتے اور اس کو بتوں ہی کے لئے خاص کر دیتے۔ اور بحیرہ اور سائبہ اور حام اور وصیلہ جانوروں کو بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے اور دعویٰ کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر ہم ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آیت مندرجہ بالا اسی مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا کوئی جانور ہوتا اور اس کو وہ ذبح کرتے تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام بھی لیتے۔ اور بتوں کا نام اگر اس پر لیا گیا نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو تو اس ذبیحہ کو نہ کھاتے اور جو بتوں کے نام کے جانور ہوں ان کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیتے صرف بتوں کا نام لیتے۔ پھر یہ آیت پڑھی ﴿ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ یعنی ان کی کیسی بری تقسیم ہے۔

پہلے تو تقسیم میں انہوں نے غلطی کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا رب ہے اور خالق ہے۔ اور پھر جو تقسیم فاسدہ کی اس کو بھی اپنی جگہ قائم نہ رکھا بلکہ اس میں بھی جور اور ناانصافی سے کام لیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور اپنے لئے اپنے حسب انتخاب بیٹے قرار دیتے ہیں انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور فرمایا کیا تمہارے لئے بیٹا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹی۔ یہ تمہاری کیسی غلط تقسیم ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے طریقہ کو مخبوط کر دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں ہی رہنے دیجئے۔

مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس طرح شیاطین نے انہیں یہ بات پسندیدہ بتلائی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بتوں سے الگ ایک حصہ قرار دیں اسی طرح افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا یا اپنی لڑکیوں کو سسرالی رشتہ سے عار کی بناء پر مستحسن بنانا۔ ان کے شرکاء شیاطین ہیں جو انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو زندہ دفن کر دیں۔ یا تو نیت ہی ہلاک کرنے کی ہوتی تھی یا اس کو ایک مذہبی بات سمجھتے تھے اور دین ان پر مشتبہ ہو گیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب کہا جاتا تھا کہ تمہارے لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کا چہرہ ناراضی سے سیاہ پڑ جاتا منہ بن کر رہ جاتا اور اس شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا۔ اور جیسا کہ فرمایا "کیا جواب دو گے جب زندہ دفن کردہ لڑکی سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ تو کس گناہ کے بدلہ میں قتل کی گئی ہے"۔ نیز وہ اس لئے بھی اولاد کو قتل کر دیتے کہ انہیں مفلسی کا خوف دامن گیر ہوتا اور انہیں پالنے میں مال کے تلف ہونے کا خوف ہوتا۔ یہ سب شیاطین کی کارستانیاں ہوتیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں اس کی حکمت تامہ ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ تم اے نبی (ﷺ)! انہیں بھی چھوڑ دو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ عن قریب ہی تمہارا اور ان کا فیصلہ فرما دے گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور مویشی جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی اور مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے محض اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے طور پر۔ ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیے دیتا ہے۔

مشرکین کے خود ساختہ حلال و حرام: ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ حجر کے معنی حرام کے ہیں یعنی وہ جو بصورت وصیلہ حرام کر

لیا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ مویشی اور یہ کھیتی حرام ہے ہماری مرضی کے بغیر کوئی اس کو نہیں کھا سکتا۔ یہ تحریم اور یہ سخت گیری اپنے اوپر شیاطین کی طرف سے تھی اللہ تعالیٰ کی قرار دی ہوئی نہیں تھی۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اپنے خداؤں کی خاطر اس کو حرام قرار دے لیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا کہ یہ تمہیں کیا ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق بنایا تھا' اس کو تم نے اپنے اوپر حرام کر لیا اور حرام کو حلال کر لیا۔ ان سے پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسا حکم دیا تھا' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کی کوئی سند نہیں۔ مگر یہ کہ یہ کافر اللہ تعالیٰ پر تہمت رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ سدی کہتے ہیں کہ بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام تو وہ جانور ہیں جن پر سواری لینا حرام قرار دیا گیا ہو۔ یا یہ کہ وہ جانور ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے نہ بوقت پیدائش نہ بوقت ذبح۔ ابو وائل نے کہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس آیت میں کہ بعض مویشیوں پر سوار ہونا حرام تھا' اور بعض پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں یاد کیا جاتا تھا' اس سے کون جانور مراد ہیں۔ اس سے بحیرہ جانور مراد ہیں کہ جن پر سوار ہو کر حج کو نہیں جاتے تھے' نہ ان پر سوار ہوتے' نہ بوجھ لادتے' نہ ان کا دودھ پیتے' نہ نسل کشی کرتے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر کذب و افتراء ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم' نہ رضا جوئی کے لئے ذریعہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس افتراء کا انہیں بدلہ دے گا۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر تو حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیے دیتا ہے بلاشبہ وہ حکمت والا ہے وہ بڑا علم والا ہے۔

مشرکین کے متعین کردہ حلال و حرام: وہ کہتے ہیں کہ جو اس مادہ کے پیٹ میں ہے وہ خالص مردوں کا حق ہے۔ اس سے مراد دودھ ہے کہ اس طرح بعض جانوروں کا دودھ عورتوں پر حرام کر دیتے اور مرد پیتے رہتے۔ اگر بکری کو کوئی نر بچہ ہوتا تو ذبح کر کے صرف مرد کھاتے عورتوں کو نہ دیتے' کہتے تم پر حرام ہے۔ اور مادہ بچہ ہوتا تو ذبح نہ کرتے بلکہ پال لیتے اور اگر مرا ہوا پیدا ہوتا تو سب مل کر کھاتے مردوں کو کھانے کی ممانعت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ممانعت فرمائی۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ بحیرہ جانور کا دودھ صرف مرد پیتے تھے اور کوئی جانور مر جاتا تو مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اس میں حصہ دیا جاتا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے اس کذب کی قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾ یعنی تمہاری زبانیں جو جھوٹ بکتی ہیں اس طرح نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام' تاکہ اللہ پر بہتان باندھو' جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ اللہ پاک بڑا حکیم ہے' اپنے افعال و اقوال کے اندر۔ اور بندوں کے اچھے برے اعمال سے خوب واقف ہے وہ انہیں پوری پوری جزا دے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے طور پر بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

مشرکین عرب کی جہالت: اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو یہ افعال کرتے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان میں ہیں۔ دنیا میں تو اس طرح کہ اپنی اولاد کو قتل کر کے خسارے میں پڑے ان کی دولت چھن گئی ان پر مفلسی آ گئی۔ اور خود اپنی طرف سے جو نئی باتیں انہوں نے رائج کر دی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان نفع بخش اشیاء سے محروم ہو گئے اور آخرت کے لحاظ سے یوں کہ سب سے برے ٹھکانے کے مستحق بن گئے۔ جیسا کہ فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر کذب کا افتراء کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ دنیا میں چند روزہ تمتع حاصل کر لو۔ پھر آخر تم کو ہماری طرف آنا ہی ہے اور اپنے کفر کے سبب عذاب شدید کو چکھنا ہی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو کہ جہل عرب کو معلوم کرو تو سورۂ انعام میں ایک سو تیس آیات کی بعد (والی آیات) پڑھو ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ ﴾ الخ۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو اور حد سے مت گزرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہیں۔ اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔ بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے: زروع ثمار اور انعام جن پر یہ مشرکین تصرف کرتے ہیں اور اپنے فاسد آراء سے اس کی تقسیم کر کے کسی کو حلال اور کسی کو حرام بنا لیتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ چھتوں اور منڈوے والے اور بے سقف باغات جو ٹیٹوں پر چڑھے ہوئے نہیں ہیں سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ معروشات تو وہ بیلیں ہوں اور ٹیٹوں پر چڑھائی ہوئی ہوں جیسے انگور وغیرہ اور غیر معروشات وہ ثمر دار درخت جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اگ آتے ہیں جو یکساں بھی ہوتے ہیں اور جداگانہ بھی یعنی دیکھنے میں یکساں اور ذائقہ میں جداگانہ۔ جب خوب پھل پھول جائیں تو ان کے پھل کھاؤ اور کھیت کاٹنے کے وقت غریبوں کو دینے کا جو حق ہے وہ بھی ادا کر دو۔ بعض نے اس سے زکوٰۃ مفروضہ مراد لیا ہے جب کہ وہ پیداوار ناپی یا تولی جائے تو اسی روز یہ حق ادا کر دیا جائے۔ پہلے لوگ نہیں دیا کرتے تھے۔ پھر شریعت نے دسواں حصہ مقرر کر دیا۔ اور جو خوشوں میں سے گر جائے وہ بھی مسکینوں کا حق ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کی کھجوریں دس وسق سے زیادہ ہوں تو وہ ایک خوشہ مساکین کے لئے مسجد میں لا کر لٹکا دے۔ اس حدیث کی اسناد جید اور قوی ہیں۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ یہ حبوب و ثمار کا صدقہ ہے اور زکوٰۃ کے سوا غریبوں کا ایک مزید حق ہے اور کھیت کاٹنے اور زکوٰۃ کے سوا یہ دیا جاتا تھا۔ اور جب مساکین اس روز آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے اور کہا کہ کم از کم ایک ایک مٹھی دیا جائے یہ

کاشت کے روز، اسی طرح کاٹنے کے وقت بھی ایک ایک مٹھی بھر گرا پڑا بھی مساکین ہی کا حق ہے۔

ابن جبیرؒ نے کہا ہے کہ یہ زکوٰۃ کے فرض ہونے سے قبل کی بات ہے کہ مساکین کے لئے مٹھی بھر کی مقدار تھی اور جانور کے لئے چارہ تھا اور گرا پڑا بھی غریبوں کا حق تھا۔ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ یہ چیز واجب تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور عشر یا نصف عشر کو اس کے بجائے قرار دے دیا۔ ابن جریرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو منسوخ قرار دینا غور طلب بات ہے کیونکہ یہ تو ایسی چیز تھی جو اصل میں واجب تھی پھر تفصیل سے اس کا بیان کیا گیا اور یہ مقدار مقرر کی گئی کہ کتنا نکالا جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ سن دو ہجری میں فرض ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کھیت کاٹ تو لیتے ہیں لیکن غریبوں کو اس میں سے صدقہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ ایک باغ والوں کا ذکر سورۂ "ن" میں کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے عہد و پیمان کیا کہ صبح ہوتے ہی جا کر کھیت کاٹ لیں گے، لیکن ان شاء اللہ نہیں کہا تھا۔ تو رات ہی اس کھیت پر ایک ہوا چلی کہ سارا کھیت برباد ہو گیا اور وہ صبح تک سوتے ہی رہے اور کھیت کے سارے ہی دروازے کالے جلے ہوئے بن گئے۔ پس جب صبح کو اٹھے تو کہنے لگے کہ سویرے سویرے کھیت کو چلو جب کہ تمہیں کھیت کاٹنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ چلے اور چپکے چپکے بولتے جا رہے تھے کہ دیکھو یہ غریب غرباء آنے نہ پائیں۔ چنانچہ صبح ہی جلدی پہنچ گئے۔ پہنچ کر جب انہوں نے اپنے باغ کو دیکھا تو کہنے لگے ہم بھٹک کر شاید دوسرے باغ میں آ نکلے ہیں۔ پھر کہنے لگے نہیں باغ ہمارا ہی ہے مگر یہ کہ ہم اس باغ سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک بہتر آدمی نے کہا۔ میں نے کیا تم سے نہیں کہا تھا پھر کیوں نہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے رہے۔ اب وہ کہنے لگے اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے۔ اس امر میں زیادتی ہماری ہی طرف سے ہوئی تھی۔ اب ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا افسوس ہم پر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی تھی۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بھی بہتر باغ عنایت فرما دے۔ ہم اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھو عذاب دنیاوی اس طرح ہوتا ہے اور عذاب آخرت تو اس سے بڑا ہے بشرطیکہ ذرا غور کریں۔

قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ یعنی دینے میں حسب ضرورت سے زیادہ نہ دینے لگو۔ بعض لوگ کھیتی کٹنے کے وقت اس قدر زیادہ دے دیتے تھے کہ یہ بات اسراف میں داخل ہو جاتی، تو فرمایا کہ ﴿ وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ ثابت ابن قیس نے اپنے درخت خرما کے پھل اتارے اور کہہ دیا کہ آج جو بھی میرے پاس لینے آئے گا اس کو دوں گا، حتیٰ کہ اتنے لوگ آ کر لے گئے کہ ایک بھی پھل ان کے لئے باقی نہ رہا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہر بات میں اسراف سے کام لینے کی ممانعت ہے۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ حکم اللہ کی انجام دہی میں تجاوز سے کام لیا گیا تو وہ اسراف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس قدر نہ دو کہ خود محروم ہو کر بیٹھ رہو اور فقیر بن جاؤ۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے نہ رکو ورنہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آئے گی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہر شے میں اسراف کی مخالفت ہے لیکن سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جب پک جائیں تو اس کے پھل کھاؤ اور فصل کاٹنے کے وقت غریبوں کو ان کا حق بھی دے دو اور تم اس کے کھانے میں اسراف سے کام نہ لو کیونکہ زیادہ کھانے میں مضرت عقل و بدن ہے جیسا کہ فرمایا کھاؤ پیو لیکن زیادتی نہ کرو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کھاؤ پیو پہنو، لیکن ان باتوں میں اسراف نہ کرو اور شان نہ بناؤ۔

قولہ عزوجل ﴿ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ﴾ یعنی تمہارے لئے مویشی پیدا کر دیئے جو تمہاری بار برداری کا کام دیتے ہیں اور سواری کے کام میں آتے ہیں جیسے اونٹ ہیں۔ اور "فرش" سے چھوٹے مویشی مراد ہیں یا چھوٹی قامت کے اونٹ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "حمولۃ" سے اونٹ گھوڑے خچر گدھے اور ہر جانور جس پر بار برداری ہو مراد ہے۔ اور "فرش" سے بکرے مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ "فرش" اس لئے کہا گیا ہو گا کہ وہ پست قامت ہونے کی وجہ سے گویا فرش زمین بنے ہوئے ہیں۔

عبدالرحمن بن زید کا خیال ہے حمولۃ سواری کا جانور ہے اور فرش سے وہ مویشی مراد ہیں جن کو ذبح کر کے کھاتے ہیں یا ان کا دودھ پیتے ہیں بکری پر بوجھ نہیں لادا جاتا بلکہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور اس کے بالوں سے کمبل اور فرش بنائے جاتے ہیں۔ یہی وہ معنی ہیں جو عبدالرحمن نے اس آیت کی تفسیر میں کئے اور یہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ﴿ اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون و ذللنھا لھم فمنھا رکوبھم و منھا یاکلون ﴾ یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ ہم نے یہ چیزیں ان کے فائدے کے لئے پیدا کیں اور ان جانوروں کو بنانے میں ہمارے ہاتھوں نے کام کیا جن کے وہ مالک بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے یہ جانور ان انسانوں کے لئے مسخر کر دیئے ہیں کہ بعض پر تو وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کو ذبح کر کے کھاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ ان جانوروں میں تمہارے لئے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ ان کے خون سے بنا ہوا دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں یہ خالص دودھ پینے والوں کے لئے کس قدر خوشگوار ہوتا ہے اور ان کے بال تمہارے لئے لباس اور اوڑھنے کا کام دیتے ہیں اور دوسرے اغراض سے استعمال میں آتے ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ جانور جو تمہارے لئے پیدا کئے تم ان پر سوار ہوتے ہو انہیں کھاتے ہو اور تمہارے لئے اور دیگر مصالح بھی ہیں۔ اور تم اپنے دلی مقاصد ان سے پورے کرتے ہو۔ تم ان پر سوار ہوتے ہو' اور جہازوں اور کشتیوں میں بار برداری اور سواری کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی کتنی ہی نشانیاں پیش کرتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو پھل پھلاری حبوب و زروع اور مویشی وغیرہ دیئے ہیں انہیں چاہو تو کھاؤ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور تمہارا رزق بنادیا ہے۔ اور تم شیطان کے طریق اور اوامر کی پیروی نہ کرو جیسے کہ ان مشرکین نے اتباع کی' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بعض رزق کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اے لوگو! شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی ذرا بھی سوچو تو اس کی عداوت بالکل ظاہر ہے۔ تم بھی شیطان کو اپنا دشمن قرار دے لو' وہ اپنا شیطانی لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہوتا ہے تاکہ اہل دوزخ میں سے ہو جاؤ۔ اے بنی آدم شیطان تم کو فتنے میں نہ ڈالے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا اور ان کا لباس ان پر سے اتروادیا اور وہ کھلے دکھائی دینے لگے۔ اور فرمایا کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی ذریت کو اپنے اولیاء بناؤ گے۔ یہ شیاطین تو تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت بری جزا ہے۔ قرآن کے اندر اس موضوع پر بہت کثرت سے آیتیں ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو۔ اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم آپ کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہ دکھائیں گے۔

مشرکین کی حلال و حرام میں خود ساختہ تقسیم: اسلام سے پہلے کے جاہل عربوں نے بعض مویشی اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اور ان کی قسمیں قرار دے لی تھیں۔ یعنی بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حام وغیرہ۔ جانوروں میں بھی اور زروع و ثمار میں بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے یہ باغ اور کھیت اور یہ بار برداری اور سواری وغیرہ کے جانور سب اس نے پیدا کئے ہیں۔ پھر اقسام انعام ذکر فرمائے اور بکری کا ذکر فرمایا جو سفید رنگ کی ہوتی ہے اور بھیڑ جو سیاہ رنگ کی ان کی نر اور مادہ کا بھی ذکر کیا۔ پھر اونٹ نر مادہ کا اور ایسے ہی گائے۔ اس نے ان چیزوں میں سے کسی کو حرام نہیں قرار دیا نہ ان کے بچوں کو۔ کیونکہ یہ سب بنی آدم کی غذا اور سواری' بار برداری اور دودھ وغیرہ سے استمتاع کے لئے مخلوق کیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے ان جانوروں میں سے آٹھ جوڑے تمہارے لئے اتارے۔ ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ یہ کافروں کے اس قول کا رد ہے کہ "ان جانوروں کے پیٹ میں جو ہے وہ صرف ہم مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے"۔ اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے یقین سے بتاؤ کہ وہ چیزیں جن کے حرام ہونے کا تم گمان کرتے ہو' اللہ تعالیٰ نے تم پر کیسے حرام کر دیں۔ تم بحیرہ سائبہ وغیرہ کو کیوں حرام قرار دیتے ہو۔ ابن عباس؆ کہتے ہیں کہ آٹھ جوڑوں میں سے دو بھیڑ اور دو بکری کے چار جوڑے ہوئے۔ فرماتا ہے کہ ان میں سے میں نے کسی کو حرام نہیں بنایا۔ اور ان کا بچہ خواہ نر ہو یا مادہ کسی کو حلال اور کسی کو حرام کیسے بنا دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو یقین سے بتاؤ۔ یہ تو سب کے سب حلال ہیں۔ ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ﴾ انہیں ملامت کی جا رہی ہے کہ کس طرح اپنے جی سے ایک نئی نئی بات نکالتے ہیں اور خود حرام قرار دے کر اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تا کہ لوگوں کو بھٹکاوے' اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ اس کے مصداق میں عمرو بن لحی بن قمعہ کو بتایا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے دین انبیاء کو متغیر کر دیا تھا اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کا اعتقاد پیدا کیا تھا۔ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ کا کام ہے: اپنے رسول کو حکم فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے کہہ دو' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو حرام کر لیا کہ میری طرف جو وحی اتری ہے اس میں تو کہیں نہیں پاتا کہ اس کا کھانا حرام ہے کسی پر حیوانوں میں سے' سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں اور کچھ حرام نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے مفہوم کا رفع کرنے والی اس آیت کے

بعد کی سورۂ مائدہ کی آیات ہیں' اور دوسری حدیثیں بھی جن میں حرمت کا بیان ہے۔ بعض لوگ اس کو بھی منسوخ کہتے ہیں لیکن اکثر متاخرین کے نزدیک یہ منسوخ نہیں۔ کیونکہ اس میں تواصل کے جواز کو بھی رفع کرنا لازم آئے گا۔ "دم مسفوح" بہتے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو لوگ اس خون کو بھی لے لیتے جو رگوں میں پھر رہا ہے' جیسا کہ یہود نے کیا۔ عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے خون کے بارے میں دریافت کیا یعنی اس خون کے بارے میں جو ذبیحہ کے سر اور گلے وغیرہ سے چمٹا ہوا ہو اور پکانے کی ہنڈیا کے اندر جو خون کی سرخی نمودار رہتی ہے' تو کہا اللہ تعالیٰ نے تو بہتے ہوئے خون کو منع فرمایا ہے۔ گوشت کے ساتھ اگر خون لگا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ قاسم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ جنگلی جانور کے گوشت اور ہنڈیا کے اندر کے خون میں کوئی حرج نہیں جانتی تھیں۔

جابر بن عبداللہ ؓ سے سوال کیا گیا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھے کے گوشت کی مخالفت فرمائی تھی۔ تو کہا ہاں' حکم بن عمرو ؓ رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابن عباس ؓ جو علم تفسیر کے سمندر ہیں اس کا انکار کرتے ہیں اور یہ آیت پڑھ کر سناتے ہیں ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗۤ ﴾ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے اور بعض کو مکروہ و ناپاک جان کر ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر احکام نازل فرمائے اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتادیا اور جن چیزوں سے متعلق کوئی حکم نہیں دیا ان کا کھانا مباح ہے اور پھر اسی آیت کا اعادہ فرمایا۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک بکری مر گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری بکری مر گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی کھال کی تم نے مشک کیوں نہ بنالی۔ چنانچہ سودہ کہتی ہیں کہ بکری مر جاتی تھی تو ہم اس کی کھال سے مشک بنالیا کرتے تھے۔ پھر اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ میتہ اور بہتا خون اور لحم خنزیر نہیں کھانا چاہیئے کہ یہ حرام ہے لیکن اگر تم نے مردار کی کھال کی دباغت دے دی تو اس کو استعمال کر سکتے ہو۔ چنانچہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی کھال کی مشک بنائی جو بہت دنوں ان کے پاس رہی۔ ابن عمر ؓ سے ایک آدمی نے خارپشت یعنی ساہی کے کھانے سے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی یعنی وحی میں اس کی حرمت سے متعلق کوئی ذکر نہیں' تو ایک بوڑھا جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا کہ میں نے ابو ہریرہ ؓ سے سنا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ خارپشت ایک شئے خبیث ہے خبائث میں سے۔ تو ابن عمر ؓ نے کہا کہ اگر حضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ یعنی کوئی اگر حرام چیز کھانے پر مجبور اور مضطر ہو جائے اور وہ نہ خواہش نفس کی بنا پر ایسا کر رہا ہو اور نہ زائد از ضرورت کھاتا ہو تو اس کے لئے خیر جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے' رحیم ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی اور کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس آیت کے سیاق سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ یہاں مشرکین پر رد مقصود ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر بعض چیزوں کو حرام کرنے کی بدعت رائج کر لی تھی۔ جیسے بحیرہ و سائبہ وغیرہ کی حرمت۔ چنانچہ حضرت ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں خبر کر دو کہ ایسے جانوروں کی حرمت کا تو کہیں ذکر نہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کے کھانے سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف مردار' خون جاری اور لحم خنزیر کی ممانعت ہے اور غیر اللہ کے ذبیحہ سے منع فرمایا ہے اس کے سوا اور کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا' سکوت فرمایا تو معاف ہونا چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جس کو حرام نہیں کیا تم کہاں سے اس کو حرام بنا رہے ہو۔ اسی بنا پر دوسری چیزوں کی حرمت جیسے پالتو گدھے یا درندوں کا گوشت یا پنجہ والے پرندے جیسا کہ علماء کا مشہور مسلک ہے' ان سب کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے)

وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

حرام چیز کی خرید و فروخت بھی حرام ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے یہودیوں پر سم والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکرے کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ ہاں وہ چربی حلال تھی جو انکی پیٹھ سے یا ہڈیوں سے یا آنتوں اور معدے سے چمٹی ہوئی ہو۔ یہ سم والے جانور مویشی اور پرندے ہیں جن کی انگلیاں کٹی کٹی اور جدا جدا نہ ہوں۔ جیسے اونٹ اور شتر مرغ' قاز اور بط۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ وہ جانور مراد ہیں جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں۔ اور ایک روایت میں سعید سے یوں بھی مروی ہے کہ وہ جن کی انگلیاں متفرق ہوں جیسے مرغ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے اونٹ اور شتر مرغ مراد ہیں اور پرندے اور مچھلیاں۔ اور انہیں سے ایک روایت میں ہے کہ پرندے اور بط اور ایسے ہی جانور جن کی انگلیاں کھلی کھلی نہ ہوں۔ چنانچہ یہود ان جانوروں اور پرندوں کو کھاتے تھے جن کے پنجے کھلے ہوئے ہوں۔ اسی طرح گور خر وغیرہ بھی نہیں کھاتے تھے۔ کیونکہ اس کے پنجے بھی اونٹ کی طرح کھلے ہوئے نہیں ہوتے۔ بقر اور غنم کی چربی سے وہ چربی مراد ہے جو پٹھوں پر الگ جمع ہوتی ہے۔ یہود کہتے تھے کہ یعقوبؑ چونکہ اس کو حرام سمجھتے تھے اس لئے ہم بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ پیٹھ پر کی چربی حرام نہیں تھی۔ امام ابو جعفر کہتے ہیں کہ حوایا جمع ہے جس کا واحد حاویۃ ہے یہ پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کہتے ہیں جیسے آنتیں اور اوجھ وغیرہ۔ یا جو ہڈیوں پر چمٹی ہوئی چربی ہو وہ بھی حلال تھی اور اسی طرح پاؤں' سینہ' سر اور آنکھ کی چربی بھی حلال تھی۔ یہ تنگی جو ہم نے ان پر کی تھی' ان کی بغاوت اور مخالفت کی سزا کے طور پر تھی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ الخ۔ یعنی جو چیزیں ان پر پہلے حلال تھیں وہ ان کی بغاوت اور راہ رب سے دوسروں کو روکنے کی سزا کے طور پر پاک چیزیں بھی ہم نے ان پر حرام کر دیں تھیں اور اس سزا میں ہم سچے اور عادل ہیں۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ یعنی اے محمد ﷺ! ہم نے تمہیں اس کی حرمت سے متعلق جو بتایا یہی درست ہے نہ وہ جو یہود نے گمان کر لیا ہے کہ یعقوب اس کو حرام سمجھتے تھے۔ عمر بن خطابؓ کو خبر ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے تو فرمایا اللہ تعالیٰ سمرہ کو ہلاک کرے کیا اسے معلوم نہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے کہ جن پر چربی حرام کر دی گئی تھی تو اس کو نکال کر صاف کر کے بیچ دیتے تھے۔

فتح مکہ کے دنوں میں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور مردار' خنزیر اور اصنام کی بیع کو بھی حرام قرار دیا ہے تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میتہ کی چربی سے کھال کو روغن دیتے ہیں کشتیوں پر یہ چربی مڑھتے ہیں اور اس کو جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ حرام ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے کہ جب ان کی چربی حرام کر دی گئی تو وہ اسے صاف کر کے بیچنے لگے اور اس کی قیمت کھانے لگے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کا کھانا حرام ہے اس کو بیچ کر نفع اٹھانا بھی حرام ہے۔ اسامہ بن زیدؓ سے بھی یوں مروی ہے کہ ہم حضرت ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ مریض تھے ہم عیادت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے اور چادر عدنی سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے چادر ہٹا دی اور فرمایا کہ یہود پر چربی حرام ہوئی تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے' اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے' جس کا کھانا حرام ہے اس کا بیچنا بھی حرام ہے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾

پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔

اللہ کی رحمت کی امید اور عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے: اے محمد (ﷺ) اتمہارے مخالف یہود اور مشرکین وغیرہ وا گر تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہدو کہ تمہارا رب بڑی رحمت والا ہے۔ یہ اس بات کے لئے ترغیب ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت واسعہ طلب کرو تاکہ انہیں اتباع رسول کی توفیق ہو جائے کیونکہ اگر وہ رحمت نہ کرے تو مجرموں سے عذاب الٰہی کو کوئی نہیں لوٹا سکتا۔ یہاں ترہیب و تخویف ہے کہ مخالفت رسول نہ کرو ورنہ اس کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے ترغیب و تخویف دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس سورت کے آخر میں ہے کہ اللہ سریع العقاب ہے اور غفور رحیم ہے اور لوگوں کے گناہوں پر ان کو بخشنے والا بھی ہے اور شدید العقاب بھی ہے اور میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں رحم کرنے والا بھی ہوں اور میرا عذاب بڑا سخت عذاب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا اور پھر شدید العقاب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ پیدا بھی اسی نے کیا اور واپس بھی اسی کی طرف جانا ہے وہ غفور بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس مضمون سے متعلق بہت سی آیات ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ
كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ
الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۵

یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا آپ فرما دیجئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لے آتا۔ آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اس شہادت کی سماعت نہ فرمائے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کا ایک بلا دلیل دعویٰ: یہاں ایک مناظرہ کا ذکر ہے اور مشرکین کا ایک شبہ ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنے شرک اور حلال کو حرام کر لینے سے متعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے شرک اور ان کی تحریم سے انہیں آگاہ فرما رہا ہے۔ وہ یہ شبہ تھا کہ وہ ہمارے دل کو بدل سکتا تھا ہم کو ایمان کی توفیق دے سکتا تھا اور حاجب ہو کر ہم کو کفر سے روک سکتا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ اس کی مشیت اور اس کا ارادہ ہی ایسا ہے اور وہ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ الخ۔

یعنی اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے اسلاف' نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دے لیتے۔ اسی طرح وہ کہتے تھے' ﴿ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ﴾۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ یعنی اسی شبہ کے سبب پہلے کے لوگ بھی گمراہ ہوتے رہے اور یہ بڑی ہی پست اور باطل اور طفلانہ حجت ہے اگر یہ صحیح ہوتی تو ان کے اسلاف پر اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی نہ آتا اور وہ ہلاک نہ کئے جاتے اور مشرکین کو انتقام کا عذاب نہ چکھنا پڑتا۔ اے نبی (ﷺ)! کہہ دو کہ تم کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ تمہارے ان کاموں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اگر اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہے تو ظاہر تو کرو تم بھلا اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہو۔ تم فقط اپنے قیاس اور ایک ظن باطل کی پیروی کر رہے ہو۔

ظن سے یہاں مراد اعتقاد فاسد ہے۔ تم فقط انکل چلا رہے ہو' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان لگا رہے ہو۔ یہ مشرکین کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی جو عبادت کرتے ہیں تو اس سے فقط اللہ تعالیٰ کے پاس تقرب تلاش کرنا مقصد ہوتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے انہیں تقرب حاصل نہیں ہوگا۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہم چاہتے تو وہ سب ہدایت پر متفق ہو جاتے۔ کہہ دو کہ حجت بالغہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے' اگر وہ چاہے تو سب ہدایت یافتہ بن جائیں۔ اے محمد (ﷺ)! تم کہہ دو کہ اس کی حجت حجت بالغہ ہے اور حکمت حکمت تامہ ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت کا۔ ہر چیز اس کی قدرت اور ارادت میں ہے' وہ مومنین سے راضی ہے اور کافروں سے ناراض ہے اگر وہ چاہتا تو سارے اہل زمین بھی ایمان لے آتے' اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی قوم اور ایک ہی ملت بنا دیتا۔ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ میں جہنم جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ بغاوت کرنے کے لئے کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے پاس گواہ ہیں تو انہیں لا حاضر کرو جو اس بات کی گواہی دیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں حرام کر دی تھیں اور اگر ایسے جھوٹے گواہ وہ لائیں بھی تو اے نبی تم ایسی گواہی نہ دینا کیونکہ ان کی یہ شہادت بالکل کذب اور مکاری ہے ان لوگوں کا ساتھ نہ دو جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں' آخرت پر ایمان نہیں لاتے' اپنے رب سے اعراض کر کے اس کے لئے شریک وعدیل قرار دیتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾

آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو ہم تم کو اور ان کو رزق دیں گے اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اہم اخلاقی اور معاشرتی وصیتیں: ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کی آخری وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ

بالا آیتوں کو پڑھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ سورۂ انعام میں چند آیات محکمات ہیں اور وہ ام الکتاب ہیں۔ پھر ﴿ قُلْ تَعَالَوْا ﴾ والی آیتیں پڑھیں۔ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا پھر آپ ﷺ نے ﴿ تعالوا ﴾ والی آیتیں آخر تک پڑھیں۔ جو ان باتوں کی قرار واقعی تعمیل کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کو عقوبت دے اور اگر امر عقوبت کو آخرت تک اٹھا رکھے تو اس وقت اس کی مرضی چاہے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔ اس کی تفسیر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے نبی (ﷺ) ان مشرکین سے کہدو جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام بنا دیتے ہیں اور اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں' یہ شیاطین کے بہکاوے ہیں اور ان کی من گھڑت باتیں ہیں تو ان سے کہدو کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کن باتوں کو حرام بتایا ہے۔ میں یہ اٹکل اور ظن سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ آیت کا سیاق عبارت بتا رہا ہے کہ یہاں ﴿ اَوْصَاكُمْ ﴾ کا لفظ محذوف ہے یعنی ﴿ اَوْصَاكُمْ اِنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ ﴾ اور اسی لئے آخر آیت میں فرمایا ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ خوش خبری دی کہ جو مر جائے اور اس نے شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں' زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ تیسری بار کے پوچھنے پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں اگرچہ شراب بھی پی ہو' بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ تین دفعہ سوال کرنے والے خود ابوذرؓ تھے اور تیسری دفعہ حضرت ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا تھا کہ "ہاں ابوذر کی ناک نیچی' خواہ زنا کیا ہو یا چوری کی ہو"۔ ابوذرؓ جب کبھی یہ حدیث سناتے تو حدیث پوری کرنے کے بعد ساتھ ہی یہ بھی ضرور فرما دیتے کہ "ابوذر کی ناک نیچی"۔ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے امید قائم رکھے گا اور دعا مانگتا رہے گا' میں تجھے بخشتا رہوں گا جو کچھ تجھ سے گناہ اور میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے۔ اگر تو میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں بھی زمین بھر کر مغفرت دوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اگر تیری خطائیں آسمان بھر کے بھی ہوں اور تو نے مغفرت مانگی ہو تو میں مغفرت دوں گا۔

قرآن سے اس کی شہادت یوں ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا باقی سب گناہوں کو چاہے تو بخش دے۔ جس نے شرک نہ کیا اور توحید کا قائل رہا اور مر گیا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ آیات اور احادیث اس مضمون سے متعلق بہت ہیں۔ ابوالدرداءؓ سے حدیث مروی ہے کہ شرک اختیار نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جاؤ یا جلا دیے جاؤ۔ ابن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات خصلتوں کی وصیت فرمائی کہ خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاؤ مگر شرک نہ کرو۔

پھر ارشاد ہے کہ والدین کے ساتھ بہت نیکی بر تو جیسا کہ فرمایا کہ تمہارے رب کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ عموماً اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین سے احسان کرنے کو بھی متصل ہی بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ میرا اور اپنے والدین کا احسان مانو تم کو میری طرف آنا ہے۔ اگر تمہارے والدین تم کو اس بات پر مجبور کریں کہ میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک بناؤ جو تمہارا عقیدہ ہی نہیں ہے تو ان کی بات نہ سننا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ جاری رکھو اور جو میری طرف رجوع ہیں' ان کی پیروی کرو' تم کو میری ہی طرف لوٹنا ہے جہاں میں تم کو تمہارے سارے اعمال سے باخبر کر دوں گا۔ چنانچہ والدین کے مشرک ہونے پر بھی والدین کے حسب حال ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل

سے یہ بھی وعدہ لیا تھا کہ توحید اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ نیک سلوک بھی ضروری ہے۔ اس مضمون پر بہت آیتیں ہیں۔ بخاری مسلم میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنے وقت پر نماز پڑھنا"۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا "والدین کے ساتھ نیک سلوک"۔ میں نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ" ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اگر میں مزید سوال کرتا تو حضرت مزید جواب دیتے۔ ابن صامتؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اے ابن صامت! اپنے والدین کی اطاعت کرو اگر وہ تمہیں یہ بھی حکم دیں کہ ساری دنیا جہان بھی تمہیں دے دو' تو دے دو"۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔

جب والدین اور اجداد کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تو اب بیٹوں اور پوتوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ شیاطین کے بہکانے سے مشرکین اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور عار و ننگ کی بنا پر لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور بعض وقت لڑکوں کو فقر و تنگ حالی کے خوف سے مار دیتے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑا گناہ تو شریک اللہ ٹھہرانے کا ہے۔ حالانکہ یہ شریک خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا پھر کونسا گناہ؟ تو فرمایا کہ لڑکوں کو مار ڈالنا اس خوف سے کہ انہیں بھی اپنے ساتھ شریک غذا بنانا پڑے گا۔ پوچھا گیا پھر کونسا گناہ؟ فرمایا اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرنا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ الخ۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کو نہیں ملاتے اور اللہ تعالیٰ نے جس جان کی عزت کی ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق بات پر اور جو زنا نہیں کرتے۔ مذکورہ فقیر کو "املاق" کہتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق تو ان کو اور تم کو ہم ہی دیتے ہیں۔ رزق کی ابتداء میں ان بچوں کا نام لیا کیونکہ اہتمام انہیں سے مقصود تھا۔ یعنی ان کو رزق پہنچانے کے سبب محتاج ہو جانے سے نہ ڈرو کیونکہ سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ لیکن یہاں چونکہ فقر حاصلہ موجود ہے اس لئے فرمایا کہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اس لئے کہ یہاں اہم یہی بات ہے کہ تمہارا رزق ہمارا ہی دیا ہوا ہے اس لئے اپنے رزق سے خوف نہ کرو۔

قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ یعنی فواحش کے قریب بھی نہ جانا خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن میں۔ جیسا کہ فرمایا کہہ دو اے نبی (ﷺ) ! رب نے فواحش ظاہری و مخفی سب کو حرام قرار دیا ہے۔ اور گناہ اور بغاوت سے بچو جو خلاف حق ہے اور شرک سے بچو جس کی کوئی سند نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے سے بچو جن کو تم نہیں جانتے۔ ﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴾ میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اس نے سارے ظاہر و باطن فواحش حرام کر دیئے ہیں۔ سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو تلوار سے اسے قتل ہی کر دوں۔ جب حضرت ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اسی لئے سارے فواحش اس نے حرام کر دیئے ہیں۔ اور اسی سند سے مروی ہے کہ میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے مابین ہے۔

قولہ تعالیٰ کسی نفس کو قتل نہ کرو جب تک کہ بر بناء حق نہ ہو۔ حضرت امیر المومنین عثمانؓ نے 'جب ان کو باغی قاتلوں نے گھیر رکھا تھا' فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین باتوں کے بغیر کسی مسلمان کا خون روا نہیں۔ جب کہ اسلام لانے کے بعد پھر کافر ہو گیا ہو۔ یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ یا کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو' یعنی بغیر قصاص کے۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا' نہ جاہلیت کے زمانہ میں نہ اسلام میں۔ اور کبھی میری یہ خواہش نہ رہی کہ اسلام لانے کے بعد پھر اپنا دین بدل دوں اور نہ میں نے کبھی کسی کو قتل کیا ہے پس تم مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو۔ جس غیر مسلم سے معاہدہ ہو چکا ہو' اور جس حربی کو

اسلامی شہر میں رہنے کے لئے امن دیا گیا ہو اس کو قتل کی سخت ممانعت اور زجر و وعید آئی ہے۔ جو کسی بیان بستہ کو قتل کریگا تو جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ سکے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت کی راہ سے بھی پہنچتی ہے۔ جو کسی معاہد کو قتل کریگا جس کے لئے امن کے ذمہ دار بن چکے ہیں اور جو اللہ اور رسول ﷺ کی ذمہ داری میں آکر ذمی بن چکا ہو تو اس کے قاتل کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔ اور قولہ ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ یہ ہیں وہ وصیتیں جو تمہیں کی گئیں کیا عجب تمہیں کچھ عقل آجائے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

چند اور فیصلہ ہدایات: جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یتیم کا مال نہ کھاؤ تو جس کے گھر کوئی یتیم رہتا تھا اس نے یتیم کا کھانا پینا اس ڈر کے مارے کہ کہیں اس کا طعام میرے کھانے میں نہ آجائے اپنے کھانے پینے سے جدا کر دیا اور یتیم کی غذا کھا لی کر بچنے لگی تو وہ اسی کے لئے اٹھا کر رکھی جانے لگی تاکہ وہ دوبارہ کھائے یا یہ کہ وہ سڑ کر خراب ہو جاتی تھی۔ یہ بات دونوں کے لئے گراں اور تکلیف دہ تھی اس کا ذکر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے پاس سے وحی نازل ہوئی کہ یتیموں کے بارے میں تم سے پوچھتے ہیں کہہ دو کہ خیر کی جو بات ہے وہ ان کی خیر خواہی ہے اس لئے اگر تم ان سے مل جل کر اور غذا ایک ساتھ ملا کر پکاؤ کھاؤ تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے ہی تو بھائی ہیں حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ سدی نے اس کی مدت ۳۰ سال ۴۰ سال بلکہ ۶۰ سال تک بھی قرار دی ہے اور یہ باتیں یہاں بعید از مبحث ہیں۔ اور پیمانہ اور ترازو کو انصاف کے ساتھ استعمال کرو۔ فرمان الٰہی ہے کہ لین دین میں عدل برتو۔ اس کا لحاظ نہ رکھنے پر سخت وعید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہلاکت ہے ان ناپنے والوں پر کہ جب ناپ کر لیتے ہیں تو بھرپور ناپ کے ساتھ، اور جب ناپ یا تول کر دوسروں کو دیتے ہیں تو بے ایمانی کرتے ہیں کیا انہیں خبر نہیں کہ قیامت کے روز اٹھائے جانے والے ہیں اور اللہ کا سامنا کرنا ہے۔ پہلی ایک قوم اسی لئے تباہ و ہلاک ہوئی تھی کہ ناپ تول میں بے ایمانی کرنے لگی تھی۔ و قولہ تعالیٰ ﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ جس نے اداء حق میں پوری کوشش کر لی پھر بھی کوتاہی ہو گئی تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت ﷺ نے اس آیت کے بارے میں کہ ناپ تول میں انصاف سے کام لو، فرمایا کہ جس نے صحت نیت کے ساتھ ناپا اور تولا اور اللہ تو نیت کو جانتا ہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں۔ لفظ وسعت کی یہی تاویل ہے۔ اور یہ ارشاد کہ جب بولو تو انصاف کا پاس رکھو اگرچہ کسی عزیز قریب ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو جیسا کہ فرمایا کہ اے ایمان والو عدل و انصاف کے ساتھ شہادت پر قائم رہو۔

اسی طرح سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ فعل اور قول میں عدل کا حکم دیتا ہے چاہے قریب کے لئے ہو یا بعید کے لئے اللہ پاک ہر ایک کے لئے اور ہر وقت اور ہر حال میں عدل کا حکم دیتا ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت کی ہے اس کو پورا کرو اس کا ایفاء اس طرح ہے کہ اس کے امر و نہی میں اس کی اطاعت کرو اور اس کی کتاب اور سنت رسول پر عمل کرو۔ یہی وفا

بعہد اللہ ہے۔ اس کی نصیحت تم کو اللہ تعالیٰ نے کی ہے ممکن ہے کہ تم پند حاصل کرو اور ماسبق کی برائیوں سے باز آ جاؤ۔ بعض لوگ ﴿تَذَّكَّرُوْنَ﴾ کے ذال کو تشدید سے پڑھتے ہیں اور بعض تخفیف سے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو۔

ہدایت کا ایک ہی راستہ ہے' اللہ اور رسول کی اطاعت: ارشاد ہے کہ ادھر ادھر کے دوسرے راستوں پر نہ چل پڑو' ورنہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاؤ گے اور دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اس قسم کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم دے رہا ہے کہ جماعت کو نہ چھوڑو۔ جماعت میں افتراق اور اختلاف سے بچو۔ پہلے کے لوگ دین کے بارے میں لڑائی جھگڑے خصومات اور اختلافات بہت پیدا کرتے تھے اور اسی سے تباہ ہوئے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے زمین پر ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ۔ پھر دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور اپنی طرف بلا رہا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ الخ۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے سامنے زمین پر اس طرح ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو ہوا اللہ تعالیٰ کا راستہ پھر سیدھی طرف دو خط اور بائیں طرف دو خط کھینچے اور فرمایا یہ سب شیطان کے راستے ہیں' پھر بیچ کے خط پر انگلی رکھی اور یہی آیت تلاوت فرمائی کہ ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ ایک آدمی نے ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ "صراط مستقیم" کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنے پاس جگہ دی تھی۔ آپ ﷺ کی نگاہیں گویا جنت پر ہیں۔ اور آپ ﷺ کی سیدھی طرف بھی راستے بنے ہوئے ہیں اور بائیں طرف بھی ان پر لوگ متمکن ہیں جو لوگ ان کے پاس سے گزرتے ہیں وہ انہیں بلاتے ہیں جو ان کے بلائے ہوئے راستوں پر ہو لیا وہ دوزخ میں پہنچ گیا اور جو سیدھا راستہ لئے ہوئے رہا وہ جنت تک پہنچ گیا۔ پھر ابن مسعودؓ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

نواس بن سمعانؓ سے مروی کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال پیش کی ہے۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کھلے دروازے لگے ہوئے ہیں دروازوں پر پردے چھوٹے ہیں اور سیدھے راستے کے دروازے پر ایک داعی الی اللہ بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! آؤ سیدھے راستے کے اندر داخل ہو جاؤ ادھر ادھر بھٹکو نہیں۔ اور ایک داعی دروازے کے اوپر بیٹھا بلا رہا ہے جب کوئی انسان ان دوسرے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولتا ہے تو کہتے ہیں کہ تجھ پر افسوس اسے نہ کھول۔ اگر اسے کھولے گا تو اس میں داخل ہی ہو جائے گا۔ اب یہ سیدھا راستہ تو اسلام کا ہے اور دیواریں حدود اللہ ہیں اور یہ کھلے دروازے اللہ تعالیٰ کے محارم ہیں اور یہ راستے کے سرے پر بیٹھنے والی چیز کتاب اللہ ہے اور دروازے کے اوپر بیٹھا ہوا شخص انسان کا اپنا ضمیر ہے جو برے کاموں سے اس کے دل میں خلش پیدا کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کا واعظ ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو مجھ سے ان تین آیتوں کے بارے میں عہد کرے' پھر ﴿ تَعَالَوْا ﴾ والی آیت تلاوت فرمائی' اس کی تینوں آیتیں پڑھنے کے بعد فرمایا جس نے ان کا حق ادا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر مقرر ہو چکا اور جس نے اس کی تعمیل میں کوتاہی کی دنیا میں اس کو عقوبت مل گئی اور نہ ملی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ تو سزا

دے گا ورنہ معاف کر دے گا۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى
19 وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ۠ (۱۵۴) وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۵۵)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔

تورات بھی اللہ کی نازل کردہ اور قرآن بھی: ﴿ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسٰی ﴾ کی تقدیر یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) ہم سے متعلق چہر یہ کہدو کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی' بدلالتہ قول ﴿ قُلْ تَعَالَوْا ﴾ لیکن یہ غور طلب ہے۔ ﴿ثُمَّ ﴾ یہاں صرف عطف خبر بعد خبر کے لئے ہے ترتیب بتانے کے لئے نہیں ہے۔ (ثم کا حرف عموماً ترتیب بتانے کے لئے آیا کرتا ہے)۔

یہاں جب اللہ پاک اپنے قول ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ﴾ کے ذریعہ قرآن سے متعلق خبر دے چکا تو مدح توریت پر ثم کے ذریعہ عطف فرماتا ہے کہ اب تمہیں ہم یہ خبر بھی دیتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی تھی۔ اکثر جگہ اللہ پاک قرآن اور تورات کا ایک جگہ یعنی متصلاً ذکر فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب امام و رحمت تھی اور یہ تمہاری کتاب قرآن زبان عربی میں اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس سورت کی ابتداء میں فرمایا پوچھو وہ کتاب جو موسیٰ کو ہم نے دی جسے ہم نے لوگوں کے لئے نور اور ہدایت بنا کر پیش کیا تھا وہ کس نے اتاری تھی جس کو تم کاغذوں میں لکھتے ہو جس میں سے کچھ چھپا ڈالتے ہو اور کچھ رہنے دیتے ہو۔ پھر اس کے بعد ہی فرمایا کہ اس کتاب قرآن کو ہم نے مبارک بنا کر پیش کیا ہے۔ اب مشرکین کے بارے میں فرماتا ہے کہ جب ہمارے پاس سے حق یعنی قرآن انہیں پیش کیا گیا تو کہنے لگے کہ ویسی کتاب کیوں نہ دی گئی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے ساتھ کیا کفر نہیں کیا تھا اور کیا یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ یہ دونوں تو جادوگر ہیں جو آدھمکے ہیں' ہم تو انہیں نہ مانیں گے۔ اور جنوں سے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ جنوں نے اپنے لوگوں کو یہ خبر دی کہ اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتری اور توریت کے مضمون کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ پھر قرآن سے متعلق ارشاد ہے کہ اس میں سب باتیں خوبی اور تفصیل سے لکھی ہوئی ہیں اور شریعت کی سب باتیں درج ہیں جیسے کہ توریت میں ہر بات ہم نے بتا دی تھی۔

اس طرح قرآن کو ﴿ عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ ﴾ فرمایا ﴿وقولہ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ اور ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ ﴾ الخ۔ اور ﴿ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی جو عطیات میں سب سے اچھا عطیہ تھا۔ جو دنیا میں بھی احسن اور آخرت میں بھی کامل۔ ابن جریر نے اس کی تقدیر یوں بتائی ہے کہ ﴿ تَمَامًا عَلٰى اِحْسَانِهٖ ﴾ گویا کہ ﴿ الَّذِیْ ﴾ کو مصدریہ قرار دیا یعنی وہ کتاب کامل تھی احسن ہونے کی بنا پر جیسے کہ قولہ تعالیٰ ﴿ خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا ﴾ اب یہاں ﴿ الَّذِیْ خَاضُوْا ﴾ کے معنی خوض کے ہو گئے۔ دوسروں کا قول ہے کہ ﴿ الَّذِیْ ﴾ بہ معنی ﴿ الَّذِیْنَ ﴾ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ یوں قراءت کرتے تھے ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا ﴾ مجاہد

﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ﴾ سے ﴿مومنین﴾ اور ﴿محسنین﴾ مراد لیتے تھے۔ اور بغویؒ ﴿محسنین و انبیاء﴾ مراد لیتے تھے' یعنی توریت کی فضیلت ہم نے مومنین و محسنین پر ظاہر کر دی تھی' جیسے کہ فرمایا ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ الخ۔ یعنی اے موسیٰ ہم نے تم کو اپنی رسالت و کلام کے سبب سب پر برگزیدہ بنایا۔ یہاں یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو فضیلت محمد ﷺ اور خلیل علیہ السلام پر بھی ہے۔ یحییٰ بن یعمر احسن کو زبر کے بجائے پیش سے پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿الَّذِيْ هُوَ اَحْسَنُ﴾ کے معنی میں ہے اس لئے پیش سے ہونا ضروری ہے پھر یہ بھی کہا کہ اس طرح پڑھنا میں مناسب نہیں سمجھتا اگرچہ عربیت کے لحاظ سے ایک وجہ صحیح بھی ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ﴿تَمَامًا عَلٰٓى اِحْسَانُ اللّٰهِ اِلَيْهِ﴾ اور فرمایا کہ اس میں ہر شئے تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے شاید کہ تم اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان لاؤ۔ ہماری یہ نازل کردہ کتاب مبارک ہے اس کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو' شاید تم پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو جائے۔ اس میں اتباع قرآن کی طرف دعوت ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو اپنی کتاب کی طرف ترغیب دے رہا ہے اور اس میں تدبر کا حکم دے رہا ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾

کبھی تم لوگ یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی' اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے۔ سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آ چکی ہے۔ سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلا دے اور اس سے روکے ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں۔ ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

اللہ نے کتاب نازل فرما کر حجت قائم کر دی ہے: یعنی تاکہ تم یہ نہ کہو کہ یہود و نصرانیوں پر تو ہم سے پہلے کتابیں اتار دی گئیں اور ہم پر کوئی نہیں اتری۔ یہ بیان ان کے عذر کو ختم کر دینے کے لئے ہے جیسا کہ فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کی مصیبت انہیں کے اعمال کا نتیجہ ہے تو وہ یہ کہتے کہ اے رب! کوئی رسول اگر تو ہماری طرف بھی بھیجتا تو ہم بھی تیرے احکام کی پیروی کرتے۔ وقولہ ﴿وَاِنْ كُنَّا﴾ الخ۔ یعنی ہم ان یہود و نصرانی کی زبان تو سمجھتے نہیں اس لئے ہم غفلت میں رہے اور ان کے جیسے صحیح عمل نہ کر سکے اور تاکہ تم یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر بھی ہماری زبان میں کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ رہتے چنانچہ ہم نے ان کے عذر کو ختم کر دیا جیسا کہ فرمایا وہ قسمیں کھا کر بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس بھی کوئی رسول آتا تو ہم سب سے بڑھ کر نیک نیت بنتے اور ہدایت پر ہوتے۔ چنانچہ فرمایا کہ اب تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے ہدایت و رحمت والی کتاب آ گئی ہے اور تمہاری ہی زبان میں یہ قرآن عظیم ہے اس میں حلال و حرام سب کا بیان ہے اور عبادت گزار بندوں کے دلوں کے لئے رحمت ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

آیتوں کو جھٹلانے والے سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا کہ نہ خود قرآن سے فائدہ اٹھایا نہ احکام کی تعمیل کی بلکہ آیات اللہ کے اتباع سے لوگوں کو بھی پھیر دیا اور ہدایت کی راہ پانے سے انہیں محروم رکھا۔ جیسا کہ آغاز سورت میں گذرا کہ وہ خود بھی ایمان لانے سے باز رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور فرمایا جو لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں انہیں دوگنا عذاب ہوگا۔ اور اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ "ہم ان لوگوں کو سخت عذاب دیں گے جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں"۔ جیسا کہ فرمایا کہ "نہ تصدیق کی' نہ نماز پڑھی بلکہ تکذیب کی اور منہ پھیر لیا"۔

غرض یہ کہ بہت سی آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کافر دل سے تکذیب کرتے ہیں اور جوارح سے بھی عمل نیک نہیں کرتے۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آپہنچے گی' کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

قیامت اور اسکی نشانیاں: رسول کے مخالفین اور کافروں کو دھمکی دی جارہی ہے کہ تم تو صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ ملائکہ تم تک آپہنچیں' یا رب سے سامنا ہو جائے' اور یہ قیامت کے روز ضرور ہونے والا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں تم پر کھل جائیں اور جب وہ نشانیاں کھل جائیں گی تو پھر کسی کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا۔ اور یہ قیامت آنے سے پہلے قیامت کی نشانیوں کے طور پر ضرور ہوگا۔ بخاری میں ابوہریرہ؄ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ کرے اور جب یہ صورت حال لوگ دیکھ لیں گے تو سارے اہل زمین کو یقین ہو جائے گا اور ایمان لائیں گے اور اگر پہلے ایمان نہیں لاچکے تھے تو اب ایمان نفع بخش نہیں ثابت ہو سکتا۔

ابوہریرہ؄ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں اگر ظاہر ہو جائیں گی تو ان کے ظہور سے پہلے اگر ایمان نہیں لایا تھا تو اب ایمان لانا بے کار ہے اور پہلے اگر نیک عمل نہیں کئے تھے تو اب کرنا بے کار ہے۔ پہلی نشانی یہ کہ سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا۔ دوسرے دجال کا نکلنا۔ تیسرے دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ابوہریرہ؄ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے تک توبہ کرلی تو اسکی توبہ قبول ہو سکے گی ورنہ نہیں۔ اصحاب ستہ میں سے ایک نے اس کو روایت نہیں کیا باقی پانچ کتابوں میں موجود ہے۔

جندب بن جنادہ؄ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سورج ڈوب جاتا ہے تو کہاں چلا جاتا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ فرمایا کہ وہ عرش کے سامنے آتا ہے' سجدہ میں گر پڑتا ہے' پھر اٹھتا ہے تاکہ اس سے کہا جائے کہ اپنا رخ بدل دے۔ اور اے ابوذر! قریب ہے وہ دن کہ اس سے کہا جائے گا کہ پچھلے پاؤں گردش کر اور یاد رکھو کہ اس روز اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا' کفر کو چھوڑ دینا کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔

ایک دوسری حدیث: کمرہ سے رسول اللہ ﷺ نکل آئے ہم قیامت سے متعلق باتیں کرنے بیٹھے تھے حضرت ﷺ فرمانے لگے کہ اس کی نشانیاں جب تک ظاہر نہ ہو جائیں گی قیامت نہ ہو گی۔ سورج کا مغرب سے طلوع کرنا' ایک زبردست دھواں اٹھنا' دابتہ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا نکل آنا' عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول' دجال کا نکلنا' تین زلزلے اور زمین کا دھنس جانا۔ ایک مشرق میں' ایک مغرب میں' ایک جزیرہ عرب میں۔ بیچ عدن سے ایک آگ کا نمودار ہونا کہ جس کی وجہ سے لوگ بھاگے دوڑے پھر رہے ہوں وہ رات کو کہیں سونا چاہتے ہیں تو وہاں بھی موجود اور دن کو کہیں لیٹنا چاہتے ہیں تو وہاں حاضر۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ مغرب کی طرف سے طلوع شمس کی کیا نشانی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن رات اتنی طویل ہو جائے گی کہ دو راتوں کے برابر۔ راتوں کو نماز پڑھنے والے جاگ اٹھیں گے اور جس طرح نماز تہجد پڑھتے تھے پڑھیں گے ستارے اپنی جگہ قائم دکھائی دیں گے' ڈوبیں گے نہیں۔ یہ لوگ سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے' پھر نماز پڑھیں گے' پھر سو جائیں گے' پھر اٹھیں گے' لیٹے لیٹے ان کے پہلو سن ہو جائیں گے۔ رات بہت لمبی ہو جائے گی' لوگ گھبرا جائیں گے اور صبح ہو گی نہیں۔ اس انتظار میں ہوں گے کہ سورج مشرق سے ہی طلوع کرے گا کہ یکایک وہ مغرب سے نکلتا دکھائی دے گا۔ اب ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ ابن مردویہ نے اس کو روایت کیا ہے لیکن اس ڈھنگ کے ساتھ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔

ایک دوسری حدیث: صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ کھول رکھا ہے' جس کا عرض ستر برس کی مسافت ہے یہ توبہ کا دروازہ ہے۔ سورج کے رخ بدل کر نکلنے سے پہلے بند نہ ہو گا۔ ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو لکھا ہے۔

ایک دوسری حدیث: ایک رات لوگوں پر ایسی آئے گی جو تین راتوں کے برابر ہو گی' جب ایسا ہو گا تو تہجد پڑھنے والے پہچان لیں گے وہ نفل پڑھیں گے' سو جائیں گے۔ اٹھیں گے پھر پڑھیں گے۔ پھر بار بار ایسا ہی کریں گے کہ یکایک ایک شور اٹھے گا لوگ چیخ پکار شروع کر دیں گے ڈر کر مسجدوں کی طرف بھاگیں گے کیونکہ سورج مغرب سے طلوع ہوا ہو گا۔ اب وہ وسط آسمان تک آ کر پھر مغرب کی طرف واپس جائے گا۔ اس کے بعد حسب عادت مشرق سے نکلتا رہے گا اس وقت ایمان بے سود ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں۔

ایک دوسری حدیث: تین مسلمان مدینہ میں مروان کے پاس تھے اور وہ آیات قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ خروج دجال قیامت کی نشانی ہے۔ اب یہ لوگ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور مروان سے جو سنا تھا بیان کیا۔ انہوں نے کہا مروان نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد رکھا ہے تم کو سناتا ہوں۔ پہلی نشانی یہ کہ سورج مغرب سے نکلے۔ پھر دابتہ الارض کا خروج یا کوئی ایک پہلے اور پھر دوسری نشانی اس کے بعد ظاہر ہو گی۔

عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب سورج مغرب سے طلوع کرے گا تو ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور چلائے گا کہ یارب مجھے حکم کر تاکہ تو جس کو کہے سجدہ کروں' تو اس کے نگران کار جمع ہو کر کہیں گے کہ یہ سب تضرع کیوں ہے' تو کہے گا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ "وقت معلوم تک مجھے مہلت دے" اور آج ہی کا دن وقت معلوم ہے۔ پھر دابتہ الارض نکلے گا۔ پہلا قدم جو وہ رکھے گا انطاکیہ میں ہو گا۔ ابلیس آ کر اس کو طمانچہ مارے گا یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے شاید ابن العاصؓ نے اس ذخیرہ میں سے یہ حدیث لی ہو گی جس کو عبداللہ بن عمرؓ نے جنگ یرموک میں پڑا پایا تھا' واللہ اعلم۔ ابن السعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ دشمن جنگ کر رہا ہے اور تنگ کر رہا ہے۔ معاویہؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت دو قسم کی ہے۔ ایک تو برائیوں سے ہجرت کر کے نیکیوں

کی طرف آنا اور دوسری اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف کرنا اور یہ باقی رہے گی جب تک کہ دروازۂ توبہ بند نہیں ہوگا اور شمس جب مغرب سے نکلے گا تو ہر شخص کے دل پر مہر لگ جائے گی جو کچھ اس کے اندر ہے سو بس وہی ہے اور جو عمل ہو چکا سو بس ہو چکا۔ یہ حدیث اچھے اسناد والی ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آیات قیامت میں سے سب گذر گئیں، چار نشانیاں آنا باقی ہیں۔ طلوع شمس مغرب سے۔ دجال۔ دابتہ الارض، یاجوج ماجوج، اور وہ نشانی جو اعمال پر مہر لگادے گی وہ طلوع شمس ہے۔ ابن عباسؓ سے ایک حدیث مرفوعاً ذکر ہے۔ حدیث طویل اور غریب ہے۔

اس کی سند نہیں، وہ یہ ہے کہ سورج اور چاند اس روز مل کر مغرب سے طلوع کریں گے اور نصف آسمان تک پہنچ کر الٹے پیر واپس ہو جائیں گے۔ یہ حدیث منکر اور موضوع ہے لیکن اس کے مرفوع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور وقف راوی ابن عباسؓ اور وہب بن منبہؒ تک آ کر ہوتا ہے اس لئے بالکلیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلی علامت کے ظاہر ہوتے ہی کراماً کاتبین کا عمل ختم ہو جائے گا اور اجساد کے اعمال پر گواہی دینے کا وقت آ جائے گا اور اس سے پہلے ہی جو صاحب ایمان تھا اور نیک عمل بھی کرتا تھا تو وہ بڑے فائدہ میں رہے گا اور اگر نیک نہ ہو اور توبہ کرنے لگے تواب توبہ سے کیا حاصل اور ﴿ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ کا یہی مطلب ہے یعنی اب عمل صالح قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ اس سے پہلے عمل صالح نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی (ﷺ)! کہہ دو اس دن کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ یہ کافروں کے لئے سخت تنبیہ ہے جو اپنے ایمان اور توبہ سے غافل رہے حتیٰ کہ وقت آ پہنچا۔ جیسا کہ فرمایا یہ بے سمجھ وقت قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ ناگہاں وارد ہو جائے۔ اور جب ایسا ہو جائے گا تو پھر موقع کہاں باقی رہے گا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب وہ ہمارا عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ واحد پر ایمان لائے اور شرکاء سے منکر ہو گئے۔ لیکن عذاب دیکھ چکنے کے بعد ایمان کی ساری باتیں بے کار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

فرقہ باز لوگوں سے آپؐ کا کوئی تعلق نہیں: یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری ہے۔ یہود و نصاریٰ قبل بعثت محمدی ﷺ آپس میں اختلاف کرتے تھے اور اپنا اپنا دین الگ قرار دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو یہ آیت اتری کہ جن لوگوں نے اپنے دینوں میں تفرقہ ڈال لیا اور گروہ بندیاں کر لیں تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں، انہیں بھی تم سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ اہل بدعت، اہل شبہات اور اہل ضلالت ہیں اور اسی امت میں ہیں۔ لیکن اس حدیث میں ایک سند ٹھیک نہیں ہے۔ ابوہریرہؓ اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسی امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ﴿ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ سے خوارج مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس سے اصحاب بدعت مراد ہیں۔ یہ حدیث بھی غریب ہے اور مرفوعاً بھی صحیح نہیں۔ اور ظاہر بات تو یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جو دین اللہ تعالیٰ سے فرقہ بندی اختیار کئے ہوئے ہو اور مخالف دین ہو۔ اس لئے کہ اللہ

تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے تا کہ تمام ادیان پر دین اسلام کو غالب فرمائے اسلام کا راستہ ایک ہی ہے اس میں کوئی اختلاف وافتراق نہیں جس نے الگ فرقہ اختیار کر لیا جیسے کہ بہتر (۷۲) فرقے والوں نے تو اللہ تعالیٰ کا رسول اس سے بری ہے۔ یہ آیت مثل اس آیت کے ہے جیسے کہ فرمایا ہے "اے نبی! تمہارے لئے بھی ہم نے وہی دین پسند کیا ہے جو نوح علیہ السلام کے لئے تھا"۔ اور حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء گویا کہ علاتی اولاد ہیں' جیسے علاتی اولاد کا باپ ایک ہی ہوتا ہے ہم سب کا دین بھی ایک ہی ہے اور یہی صراط مستقیم ہے اور یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت سے متعلق رسولوں نے پیش کی' اور آخری رسول کی شریعت سے تمسک کو صراط مستقیم بنایا۔ اس کے سوا ساری چیزیں ضلالتیں اور جہالتیں ہیں اور اپنی ذاتی خواہشات ہیں۔ پیغمبر اس سے بری ہیں۔ جیسے کہ آیت زیر ذکر میں فرمایا "اے نبی! تم پر کوئی ذمہ داری نہیں"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو وہ بروز قیامت ان کے اعمال سے ان کو باخبر کر دے گا۔ جیسے کہ ایک جگہ فرمایا ہے' جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے یا ستارہ پرست یا جو نصاریٰ اور مجوسی ہیں یا جو مشرکین ہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کا باہم فیصلہ کر دے گا۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ بروز قیامت اپنے حکم اور عدالت کے اندر بھی اپنے لطف و کرم کو یوں بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

نیکی کا ثواب کئی گنا جبکہ بدی ایک ہی لکھی جاتی: یہ آیت کریمہ تفصیل سے روشنی ڈال رہی ہے اور اس کے بعد کی آیت میں اجمال ہے اس آیت کی مطابقت میں بہت سی احادیث ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہاں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں) تمہارا رب عزوجل بڑا رحیم و کریم ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی نیک کام کا ارادہ کیا لیکن عمل میں نہ لا سکا تو بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر عمل کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہ اضافہ حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے سات سو گنا تک بھی جا پہنچتا ہے۔ اور اگر کسی نے ایک گناہ کا ارادہ کیا لیکن اس کو عمل میں نہ لایا تو اس کے لئے بھی ایک نیکی درج ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو گناہ دس نہیں بلکہ ایک لکھا جائے گا اور اگر چاہے تو اس کو بھی مٹا دیتا ہے۔ ابوذرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک عمل نیک کیا اس کو دس حصے زیادہ ثواب ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اگر ایک بدی کی تو اس کی سزا ایک حصہ ہی ہے بلکہ شاید وہ بھی معاف ہو جائے۔ جو مجھ سے ملے اور دنیا بھر کی خطائیں بھی لائے لیکن شرک نہ لائے تو بھی میں اس پر اتنی ہی مغفرت نازل کروں گا۔ جو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں' اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا آتا ہے میں اس کے پاس دوڑتا آتا ہوں۔ یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ جس شخص نے گناہ کا ارادہ کر کے پھر اس کو عمل میں لایا ہو ان کی تین اقسام ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہ کا ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی گناہ سے رکنے کے سبب ایک نیکی دی جائے گی۔ اور یہ چیز عمل اور نیت پر موقوف ہے اور اسی لئے اس کے واسطے ایک نیکی لکھی جاتی ہے جیسے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اس نے گناہ کا کام میری خاطر سے ترک کر دیا تھا۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ گناہ کا کام وہ شخص باوجود ارادہ کے بھول کر چھوڑ دیتا ہے' تو اب اس کے لئے نہ سزا ہے نہ جزا۔ کیونکہ اس نے خیر کی نیت تو نہیں کی تھی لیکن شر کا فعل بھی نہیں کیا تھا۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص گناہ کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے اس کے اسباب

فراہم کرتا ہے لیکن عملاً وہ اس کو صادر کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ایسا شخص اگرچہ مرتکب گناہ نہ ہوا ہو لیکن بمنزلہ مرتکب ہی کے سمجھا جائے گا اور اسے سزا ملے گی جیسے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ اگر دو مسلمان دو تلواریں لے کر آپس میں لڑنے لگیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔لوگوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! قاتل تو ظاہر ہے کہ دوزخی ہوگا لیکن بے چارہ مقتول کیوں دوزخی ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کے درپے تھا اگر مقتول کا داؤ چل جاتا تو وہی قاتل بن جاتا۔ اب اگر وہ قاتل نہیں بنا ہے تو یہ ایک مجبوری کی بنا پر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی نیکی کا ارادہ کر لیا ہو تو اس کے عمل میں لانے سے پہلے ہی اس کے نام ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر عمل میں لا چکا تو من جانب اللہ تعالیٰ دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں۔ لیکن جس نے کسی بدی کا ارادہ کیا تو صرف ارادہ کی بنا پر اس کے نام بدی کا اندراج نہیں ہوگا جب تک کہ وہ عمل نہ کرے۔پس اگر عمل کرلے گا تو دس بدیوں کے بجائے ایک ہی بدی اس کے نام پر لکھی جائے گی۔اور ارادے کے باوجود اگر اس گناہ سے باز آ گیا تو بلا عمل بھی ایک نیکی کا اندراج ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا گناہ سے باز رہنا مجھ سے خوف کی بنا پر تھا۔

خریم بن فاتک اسدی سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں اور اعمال چھ (٦) قسم کے۔ بعض تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ خوش نصیب نکلتے ہیں اور بعض صرف دنیا میں صاحب نصیب ہوتے ہیں اور آخرت میں صاحب نصیب نہیں ہوتے۔اور بعض دنیا میں بدنصیب ہوتے ہیں اور آخرت کے لحاظ سے صاحب نصیب اور بعض بدبخت تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ بدنصیب ثابت ہوتے ہیں۔

اعمال کی چھ (٦) قسمیں یہ ہیں: دو قسمیں تو واجب کردینے والی یعنی برابر کو برابر بدلہ ملے گا یا دس گنا زیادہ یا سات سو گنا زیادہ دوسری نتیجہ بخش چیزیں دو ہیں۔یعنی کوئی شخص مومن مر جائے اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو نتیجہ میں جنت اس کے لئے ہے۔اور جو کافر مر گیا ہو تو نتیجہ میں اس کے لئے دوزخ ہے۔اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن عمل میں نہ لا سکا تو اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات تھی اور وہ اس کو عمل میں لانے پر حریص تھا اس لئے اس کے لئے نیکی لکھ دی جاتی ہے۔اور کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ نفقہ کیا تو کبھی تو دس حصے زیادہ ثواب ملتا ہے اور کبھی اس کے حسب حسن نیت سات سو تک اجر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز جمعہ میں تین آدمی حاضر ہوتے ہیں۔ایک تو ایسے کہ جو بطور رسم آ گئے ان کا آنا تو لغو ہے اور ان کا حصہ بھی لغو ہے۔دوسرا ایسا شخص جو مسجد میں حاضر ہو کر دعا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی دعا قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ تیسرا ایسا شخص ہے جو مسجد میں حاضر ہو کر بالکل خاموش رہتا ہے۔ نمازیوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آگے نہیں بڑھتا ہے۔ کسی کو دھکے نہیں دیتا اور تکلیف نہیں پہنچاتا تو اب آئندہ جمعہ تک اور اس کے بعد اور تین دن تک بھی اس کی یہ نماز گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ تم ایک نیکی کرو تو دس حصے اس کا اجر دوں گا۔

ابوذرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو ہر مہینے تین دن روزہ رکھے تو اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھ لیے۔ یہ اجر بھی اسی اصول موضوعہ کی بنا پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا روزہ دس دن کے برابر' تو سال بھر میں چھتیس روزوں کا اجر تین سو ساٹھ روزوں کا اجر بن جاتا ہے۔اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے نیز سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ آیت ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید یعنی ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ ہے اور ﴿ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ ﴾ الخ۔ میں لفظ ﴿ سَیِّئَة ﴾ سے شرک مراد ہے۔اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی احادیث آئیں ہوئی ہیں لیکن میں نے جس قدر بیان کیں وہی بہت کافی ہیں۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ

حَنِيْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے مستحکم جو طریقہ ہے ابراہیم کا جس میں ذرا کجی نہیں۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

نبی ﷺ پر انعامات الٰہی: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دے رہا ہے کہ انہیں خبر کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر کیسے کیسے انعامات کئے ہیں کہ صراط مستقیم کی طرف ان کی ہدایت کی جس میں کوئی کجی نہیں ہے جو ایک دین پر قائم ہے اور جو ملت ابراہیم ہے۔ وہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا تھا۔ اس نے کبھی شرک نہیں کیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ملت ابراہیم سے بے سمجھ کے سوا کون روگردانی کرے گا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو سب سے برگزیدہ تر بنایا اور دین کے بارے میں کوئی تنگی تم سے متعلق نہیں رکھی۔ یہ وہی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اور مسلک ہے۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام بڑا اللہ پرست انسان تھا وہ مخلص شخص تھا اور شرک سے ہمیشہ دور رہا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار رہا۔ ہم نے اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی تھی۔ دنیا میں بھی اس کو نیکیاں حاصل تھیں اور آخرت میں بھی وہ نیک ترین بندوں میں شامل ہے۔ اب ہم تمہاری طرف وحی بھیجتے ہیں کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ اس برتری کے اعتراف سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی اکرم ﷺ کو چونکہ اتباع ملت ابراہیم کا حکم ہے اسلئے ابراہیم علیہ السلام نبی اکرم ﷺ سے اکمل و افضل ہو گئے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ان کے مسلک کو اپنے اتباع سے قیام عظیم بخشا ہے اور ان کے دین کی تکمیل آپ ﷺ سے ہوئی ہے۔ اور کوئی نبی اس دین کی تکمیل نہ کر سکا اور یہ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں' اولاد آدم کے مطلقاً سردار ہیں' اور مقام محمود پر فائز ہیں کہ قیامت کے روز ساری مخلوق آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع کرے گی' حتیٰ کہ خود خلیل علیہ السلام بھی۔ ابن ابزیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو حضرت ﷺ فرمایا کرتے کہ ہم ملت اسلام اور کلمہ اخلاص پر صبح کرتے ہیں۔

ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا دین اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف کا دین۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنی ٹھوڑی حضرت ﷺ کے شانہ پر رکھ دیتی اور آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے ہو کر حبشیوں کا سرود و رقص دیکھتی اور جب تھک جاتی تو ہٹ جاتی۔ اس روز حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہود اس بات کو جان لیں کہ ہمارا دین بہت بڑا ہے اور میں شرک سے بالکل الگ رہنے والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اور فرمایا اللہ پاک نے کہ کہہ دو اے نبی (ﷺ)! کہ میری نماز' میری ساری عبادت' میرا جینا اور مرنا سب رب العالمین کے لئے ہے۔ اور جیسا کہ فرمایا کہ اے نبی (ﷺ)! تم اپنے رب ہی کی نماز پڑھو اور اسی کے لئے قربانی کیا کرو۔ مشرکین تو اصنام کی عبادت کرتے تھے' اور اصنام کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ اللہ پاک ان سے مخالفت اور انحراف کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ نیت و عزم کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ میری نماز اور میری عبادت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ "نسک" زمانہ حج و عمرہ میں قربانی کو کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بقر عید کے دن دو دنبے ذبح کئے اور جب ذبح کرنے لگے تو فرمایا۔ ﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ

انا من المشرکین ان صلاتی ﴾الخ۔ اول المسلمین سے مراد اس امت کا پہلا مسلمان۔ تمام انبیاء، آپ ﷺ سے پہلے اسلام ہی کی دعوت دیتے تھے۔ اصل اسلام اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا ہے اور اس کو واحدہ لاشریک سمجھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان سب کی طرف یہی وحی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نوح اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تم مجھ سے منہ موڑتے ہو تو کیا میں نے تم سے تبلیغ و تعلیم کا کوئی معاوضہ مانگا تھا؟ مجھے تو اجر اللہ تعالیٰ دے گا مجھے تو حکم ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام لاؤں۔ اور فرمایا جو ملت ابراہیم سے اعراض کرتا ہے وہ بڑا ہی بے سمجھ ہے۔ ہم نے اس کو دنیا میں بھی انتخاب کیا ہے اور وہ آخرت میں بھی بڑے اللہ پرستوں میں سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہدیا کہ اسلام لاؤ۔ وہ فوراً بول اٹھے ﴿ اسلمت لرب العلمین ﴾ ابراہیم علیہ اسلام نے اپنے بیٹو کو وصیت کی تھی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی کہ اے لڑکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو مخصوص کر دیا ہے۔ نہ مرنا جب تک کہ مسلمان نہ رہو۔ اور یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے رب! تو نے مجھے ملک و دولت بخشی اور مجھے خوابوں کی تعبیر اور باتوں کی تاویل سکھائی۔ تو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے تو دنیا و آخرت میں میرا اولی ہے تو مجھے مرنے تک مسلمان ہی رکھ اور مرنے کے بعد صالحین میں میرا شمار کر۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اے لوگو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو۔ تو ان کی امت نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں کہ اے رب! ہمیں ظالموں کا نشانہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ان کافروں کے تسلط سے ہمیں نجات عطا فرما۔ اور فرمایا کہ ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت ہے اور نور ہے جس کے ذریعہ ان کے بعد اسلام لانے والے انبیاء، یہودیوں اور ربانیوں اور احبار کے درمیان فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کہ جب ہم نے حواریوں سے کہا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے ہاں ہم ایمان لائے اور اے اللہ تعالیٰ تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے تمام رسولوں کو اسلام دے کر بھیجا تھا لیکن انبیاء کی یہ امتیں اپنی اپنی شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے الگ الگ مسلک پر تھیں اور بعض نبی بعض کے فروعی مسلک کو نسخ کر کے اپنا مسلک جاری کرتے یہاں تک کہ شریعت محمدی کے ذریعہ دوسرے سب ادیان منسوخ ہو گئے اور دین محمدی کبھی منسوخ نہیں ہو گا ہمیشہ قائم اور منصور رہے گا۔ قیام قیامت تک اس کے جھنڈے بلند رہیں گے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم معاشر انبیاء علاتی اولاد ہیں یعنی جیسے علاتی اولاد کا باپ ایک ہوتا ہے ہم سب کا دین بھی ایک ہے۔ سب وحدہ لاشریک کو مانتے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ شریعتیں بدلی ہوئی ہوں۔ یہ شریعتیں بمنزلہ ماؤں کے ہیں جیسا کہ اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں کہ ماں ایک ہی ہوتی ہے اور باپ الگ الگ ہوتے ہیں اور حقیقی بھائی ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ تو گویا امت کی مثال باہم سگے بھائیوں کی طرح ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کی تکبیر کہنے لگتے تو یہ کہہ کر شروع کرتے۔ ﴿ وجھت وجھی للذی ﴾ (الی آخرہ) پھر نماز سے پہلے یا بعد یہ دعا مانگتے ﴿ اللھم انت الملك لا الہ الا انت ربی وانا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لا یصرف عنی سیئھا الا انت تبارکت و تعالیت استغفرك واتوب الیك ﴾

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر وہ تم کو جتلادیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اسلاف کو اخلاف کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے: اے نبی (ﷺ)! ان مشرکین سے اخلاص عبادت اور توکل سے متعلق کہدو کہ کیا میں رب کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب بناؤں اور وہ تو ہر اس چیز کا رب ہے جس کو میں رب بناؤں گا۔ وہ رب یکتا میری تربیت کرتا ہے میری حفاظت فرماتا ہے وہ میرے ہر امر میں میرا مدبر ہے۔ میں تو اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جھکوں گا۔ کیونکہ ساری مخلوق اسی کی ہے۔ حکم کا حق صرف اسی کو ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں اخلاص و توکل کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت میں اخلاص عبادت کی تعلیم تھی۔ اور یہ مضمون قرآن میں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیکھا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم یوں کہا کرو کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور فرمایا اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔ اور فرمایا کہہ دو وہ رحمٰن ہے ہم ایمان لائے اور اسی پر توکل کیا۔ اور فرمایا وہ شرق و غرب کا رب ہے وہ یکتا ہے۔ اسی کو اپنا وکیل سمجھو۔ اور اسی جیسی آیتیں ہیں۔ فرماتا ہے کہ کوئی شخص اگر نامناسب عمل کرے گا تو اس کے گناہ کا رد عمل خاص اسی پر ہوگا۔ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا اور اس کا کفارہ نہیں بنے گا۔ ان آیتوں کے ذریعہ خبر دی جارہی ہے کہ قیامت کے روز جو سزا ہوگی وہ حکمت اور عدل کی بنیاد پر ہوگی' اعمال کا بدلہ عمل کرنے والے نفوس ہی کو ملے گا۔ نیکی کی تو نیک بدلہ اور بدی کی تو بد بدلہ ایک کی خطا دوسرے کے سر نہیں منڈھی جائے گی۔ یہی تو اس کا عدل ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ گناہ کا کام کوئی کرے تو اس کا بوجھ کوئی اور نہیں اٹھائے گا خواہ اس کا کتنا ہی کوئی قریبی کیوں نہ ہو۔ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا کی تفسیر میں علماء نے کہا کہ کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے سر لے اور نہ یہ ظلم ہوگا کہ اس کی نیکی میں سے کچھ کمی ہو۔ اور فرمایا کہ ہر نفس اپنے عمل بد کی وجہ سے محبوس رہے گا سزا ملنے تک چھٹکارا نہ ہوگا مگر اصحاب یمین یعنی سیدھی طرف والے آزاد رہیں گے کہ ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی ذریات اور اہل قرابت تک جا پہنچے گی۔ جیسا کہ سورۂ طور میں فرمایا جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے اتباع میں ان کی ذریت بھی مومن بنتی ہے تو ذریت کے ایمان اور اعمال صالحہ کا اثر ان کے اسلاف تک پہنچتا ہے۔ یعنی اسلاف کو بھی اخلاف کے اعمال نیک کا ثواب ملتا ہے لیکن اخلاف کے اجر میں سے کمی نہیں ہوتی اور جنت میں مدارج عالیہ میں ان کی نیک ذریت کے پاس ان کے اسلاف کو بھی ہم پہنچا دیتے ہیں اور بیٹے کی نیکی کا بدلہ باپ کو بھی ملتا ہے اگرچہ وہ اعمال نیک میں بیٹے کا شریک نہیں تھا۔ اور ان بلند مدارج اخلاف کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور دونوں کو ہم برابر کر دیں گے بلکہ ابناء کو بھی منزل آباء تک ان کی برکت اعمال کے سبب پہنچا دیتا ہے۔ یہ اس کا خاص فضل ہے۔ اور فرمایا کہ ہر آدمی اپنے کئے کے لئے رہن ہے یعنی اپنی بدکرداری کے اندر ماخوذ ہے۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جاؤ گے۔ یعنی جو کرنا چاہتے ہو اپنی جگہ پر کرو اور ہم بھی اپنی جگہ پر اپنا کام کریں گے۔ آخر تم کو ایک دن تو ہمارے سامنے آنا ہی پڑے گا اور وہ اللہ تعالیٰ تو مومنین اور مشرکین سب کو ان کے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور دنیا میں آخرت سے متعلق جو جو اختلافات رکھتے تھے سب عیاں ہو جائیں گے۔ اور فرمایا کہ اے نبی (ﷺ)! کہدو کہ تم نے جو گناہ کئے ہوں گے اس کی بابت سوال ہم سے نہیں ہوگا اور ہمارے اعمال کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا پھر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ وہ فتاح علیم ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَ

كُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾ ع ۲۰ ۷

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا۔ تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔ بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

درجات کی تقسیم ایک آزمائش ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ تم یکے بعد دیگرے زمین میں بستیاں بساتے تھے اور اسلاف کے بعد اخلاف کا زمانہ آتا رہتا تھا۔ ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ جیسا کہ فرمایا اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین تمہاری اولاد یا کسی اور کو بنانے کی بجائے فرشتوں کو بنادیتے اور تمہارے بعد وہ تمہاری جگہ لے لیتے۔ اور فرمایا کہ یہ زمین اس نے تمہیں یکے بعد دیگرے دی۔ اور فرمایا کہ میں زمین میں ایک اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ اور فرمایا ممکن ہے کہ عن قریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو اس کی جگہ پر لا بٹھائے اور پھر یہ دیکھے کہ اس کے بعد تم آ کر کیا کردار پیش کرتے ہو۔ اور فرمایا کہ ایک سے اوپر ایک کے درجات بنائے گئے ہیں یعنی ارزاق اور اخلاق اور محاسن اور مساوی' مناظر اور اشکال ان میں سب ایک دوسرے سے کم زیادہ ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی باہمی معیشت کو تقسیم کر دیا ہے اور بعض کے درجے بعض سے اونچے رکھے ہیں۔ کوئی امیر ہے کوئی غریب اور کوئی آقا ہے اور کوئی اس کا نوکر۔ اور فرمایا غور تو کرو کہ ہم کس کو کس پر کیسی برتری اور ترجیح دیتے ہیں لیکن دنیاوی درجات سے قطع نظر آخرت کے درجات بڑی چیز ہیں اور بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ تفریق مدارج اس لئے ہے تاکہ ہم تمہیں آزمائیں۔ دولتمند کو دولت دے کر اس سے پوچھا جائے گا کہ اس دولت کا شکر کس طرح ادا کیا تھا۔ اور غریب سے پوچھا جائے گا کہ اپنی غربت پر صبر بھی کیا تھا یا نہیں۔

ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا شاداب و سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے بعد اب تم کو دنیا سے متمتع ہونے کا موقع دیا ہے اور تمہیں ان کا جانشین بنایا۔ اب ہم دیکھیں گے کہ ان کے بعد اب تم کیا کردار پیش کرتے ہو۔ اے لوگو! دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو۔ پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوا تھا وہ عورتوں ہی سے متعلق تھا۔ اور فرمایا کہ رب تعالیٰ جلد تر سزا دینے والا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی جلد تر ختم ہو جائے گی اور عاقبت و سزا سے سابقہ پڑ جائے گا اور وہ بڑا غفور اور رحیم بھی ہے۔

یہاں خوف بھی دلایا جا رہا ہے اور ترغیب بھی دی جا رہی ہے کہ اس کا حساب اور عقاب جلد تر آ جائیں گے اور اللہ کی نافرمانی اور رسولوں کی مخالفت کرنے والے ماخوذ ہو جائیں گے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو دوست بنایا اللہ تعالیٰ اس کا والی اور غفور ہے اور رحیم ہے۔ اکثر جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں یعنی غفور اور رحیم ہمیشہ ساتھ ساتھ آئی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے بارے میں بڑا صاحب مغفرت ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہوتی ہے۔ اور فرمایا' اے نبی (ﷺ)! میرے بندوں سے کہہ دو کہ میں غفور اور رحیم ہوں' اور میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب ہے۔ ترغیب و ترہیب پر مشتمل آیات بڑی کثرت سے ہیں۔ کبھی تو بندوں کو جنت کے صفات بیان کر کے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوزخ کا ذکر فرما کر اس کے عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتا ہے اور کبھی ایک ساتھ دونوں کا ذکر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں ہمیں اپنا اطاعت گزار بنائے اور گنہگاروں کے زمرے سے دور رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا سخت ہوتا ہے تو کوئی جنت کی طمع تک نہ کرے گا کہے گا کہ دوزخ سے چھٹکارا پا جاؤں تو بس ہے اور اگر کافر یہ معلوم کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسی زبردست ہے تو وہ بھی جنت سے مایوس نہ ہو حالانکہ اس کو جنت کا استحقاق ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے رکھے ہیں اس میں سے ایک حصہ اپنی ساری مخلوقات کے درمیان تقسیم کر دیا کہ اسی کے حصہ رسدی کے سبب دنیا میں لوگ اور جانور ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ہمدردی کرتے ہیں۔ اور باقی ننانوے حصے رحم کے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے رکھ لئے ہیں' اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی رحمت کیسی زبردست

ہو گی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے جو اس کے پاس فوق العرش ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ اسی ایک حصہ کی یہ برکت ہے کہ جانور گائے' اونٹنی وغیرہ بھی بچے کو کچل دینے سے بچتی ہے اور بچہ پاؤں کے نیچے آ رہا ہو تو بچتی اور احتیاط کرتی ہے۔

تفسیر سورۂ اعراف مکیہ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفِيْهَا اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

الٓمّٓصٓ ﴿١﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونا چاہیے اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔ تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔

قرآن نصیحت اور کتاب ہدایت ہے: حروف مقطعات اور ان کے معنی اور ان سے متعلق اختلاف کے بارے میں سورۂ بقرہ میں بات گزر چکی ہے۔ ﴿ الٓمّٓصٓ یعنی انا اللہ افصل ﴾ یہ کتاب تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اب اس کی تبلیغ اور انذار میں تم اپنے دل کے اندر کوئی کوتاہی اور تنگی نہ آنے دو۔ اور ایسا صبر اختیار کرو جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر اختیار کیا تھا۔ اس تنزیل کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کافروں کو ڈراؤ۔ اور مومنین کے لئے تو یہ قرآن نصیحت ہے ہی۔ ان مومنین نے تو قرآن نازل شدہ کا اتباع کر لیا ہے اور نبی امی ﷺ نے جو کتاب پیش کی ہے اس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اب اس کو چھوڑ کر غیر کے پیچھے نہ پڑنا ورنہ اللہ تعالیٰ کے دائرہ حکم سے نکل کر غیر کے حکم میں چلے جاؤ گے۔ لیکن عبرت و نصیحت حاصل کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں اور تم سب ہی کو عبرت نہیں دلا سکتے' خواہ کتنی ہی حرص و کوشش کیوں نہ کرو۔ اور فرمایا کہ اگر تم ہر کسی کو خوش رکھنے کی کوشش کرو گے تو یہ لوگ تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں اور مشرک رہ جاتے ہیں۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿٤﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿٦﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے۔ سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔

ظالموں کی بستیوں کی تباہی: کتنی ہی بستیوں کو ہم نے مخالفت رسول (ﷺ) کے سبب ہلاک کر دیا ہے اور دنیا اور آخرت کی رسوائی ان کے پیچھے لگادی۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا اور یہ استہزاء کرنے والے اس کی سزا میں ہلاک کر دیے گئے جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ان کے گناہوں کے سبب جب ہلاک کر دیا تو ان کے بڑے بڑے محل اور مضبوط مکانات اجڑے اور گرے پڑے ہو گئے ان کے چشمے اور نہریں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور فرمایا وہ اپنی فراخیٔ معیشت پر۔ اترائے تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ان کے گھر ایسے ہوئے گئے گویا کوئی ان میں رہا ہی نہ تھا مگر تھوڑے سے لوگ بچ رہے۔ اب ان کے وارث ہم ہی ہیں۔ اور فرمایا کہ ہمارا عذاب ان کے پاس سوتے میں آیا یا دوپہر کی استراحت کے وقت اچانک طور پر۔ اور یہ دونوں وقت غفلت کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کیا ان لوگوں کو اس کا ڈر نہیں کہ ہمارا عذاب رات میں سوتے ہوئے اچانک ان کو آگھیرے گا یا صبح سویرے آجائے گا اور وہ اپنے خرافات ہی میں مبتلا رہیں۔ اور یہ اپنے گناہوں سے چالبازی کرنے والے کیا اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا سکتا ہے یا ایسا ایسا اچانک عذاب آسکتا ہے کہ ان کے وہم اور گمان میں بھی نہ ہو۔ یا ان کے سفر میں انہیں آپکڑے گا اور وہ اس کا توڑ نہیں کر سکتے۔ اور فرمایا کہ جب عذاب ان پر آہی پڑتا ہے تو بجز یہ کہنے کے بن نہ پڑے گی کہ قصور ہمارا ہی تھا۔ جیسا کہ فرمایا کہ بہت سی ایسی بستیوں کو جو حد سے تجاوز کر گئی تھیں ہم نے برباد کر دیا ہے۔ یہ آیت بالا نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کی واضح دلیل ہے کہ کوئی قوم نہیں ہلاک کی گئی جب تک ان کے سارے عذرات ختم نہیں کر دیے گئے۔

عبدالملک سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہو گا تو یہی آیت پڑھی تھی کہ جب ہمارا عذاب آہی پہنچا تو یہی کہتے ہیں کہ زیادتی ہماری ہی طرف سے تھی۔ اور فرمایا کہ جن کی طرف نبی بھیجے گئے ان سے ضرور بازپرس ہو گی۔ جیسا کہ فرمایا ان سے پوچھا جائے گا کہ رسولوں کو تم نے کیا جواب دیا تھا جب کہ انہوں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کیا تھا۔ اور فرمایا اس روز اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا اور پوچھے گا کہ تمہاری قوم نے تمہیں کیا جواب دیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم کو علم نہیں تو غیب کی بات جاننے والا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ بروز قیامت ان لوگوں سے پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم یہ سوال رسولوں سے بھی کریں گے اور ان کی قوموں سے بھی کریں گے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ ذمہ دار افسر ہو تم سب سے اپنے اپنے زیر اثر اور ماتحتوں کے بارے میں پرسش ہو گی۔ بادشاہ سے پرسش ہو گی رعیت کے بارے میں مرد سے پرسش ہو گی بیوی بچوں کے بارے میں' اور خادم سے پرسش ہو گی اسکے آقا کے مال کے بارے میں۔ اور فرمایا ہم یقین کے ساتھ ان کو سب کچھ بتادیں گے اور ہم بے خبر تو ہیں نہیں۔ قیامت کے روز ان کا نامہ اعمال کھولا جائے گا اور ان کے اعمال کی جانچ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کو دیکھتا ہے وہ تو چوری سے نظر ڈالنے پر بھی واقف ہے۔ دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ پتا گر جائے یا اندھیرے میں کوئی دانہ پڑا ہو اس کو علم ہے کتاب مبین میں کیا نہیں رطب و یابس سب کچھ ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

قیامت کے دن ترازو عدل: ارشاد ہے کہ اعمال کو قیامت میں وزن کرنا حق ہے تا کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ فرمایا ہم بروز قیامت عدل کی ترازو قائم کریں گے تا کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ رائی کے دانے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو وہ بھی رہ نہ جائے گا۔ شمار کے لئے ہم کافی ہیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اگر ایک نیکی ہو تو اس کو دوگنا تگنا کرتا جاتا ہے۔ یہ اجر عظیم اس کے اپنی طرف سے بطور انعام ہے اور فرمایا تول میں جو بھاری اترا وہ بڑے مزے میں رہا اور جو ہلکا اترا وہ دوزخ میں جا گرا۔ جانتے ہو "ہاویہ" کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔ اور فرمایا جب صور پھونکا جائے گا تو رشتے ناطے سب ختم ہو جائیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ جس کا وزن بھاری رہا وہ تو کامیاب رہا اور جو ہلکا رہا وہ بڑے خسارے میں پڑا اور ہمیشہ کا جہنم اس کا ٹھکانہ ہوا۔ میزان میں جو چیز تولی جائے گی بعض نے کہا وہ نفس اعمال ہیں۔ اگرچہ وہ اعراض ہیں یعنی غیر مادی چیز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جسم دے دے گا۔ اسی مضمون کی حدیث ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران قیامت کے روز دو بادلوں کی صورت میں سامنے آئیں گی یا دو سائبانوں یا آسمان پر پھیلے ہوئے پرندوں کے جھنڈ کی صورت میں ہوں گی۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ قرآن پڑھتے رہنے والے کے پاس قرآن ایک نوجوان خوش رنگ کی شکل میں آئے گا۔ قاری پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں قرآن ہوں' رات بھر تمہیں جگاتا رہا اور دن بھر تمہیں تعمیل حکم۔ صوم میں پیاسا رکھا۔ قصہ سوال قبر میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت نوجوان خوشبودار آئے گا۔ صاحب قبر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ حدیث بطاقہ میں ہے کہ ایک آدمی کو ایک کاغذ کا پرزہ دیا جائے گا اور وہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں ننانوے کاغذ کے طومار رکھے جائیں گے۔ ہر ایک اتنا بڑا ہوگا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ اس بطاقہ میں لکھا ہوگا ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ وہ کہے گا کہاں یہ کاغذ کا ٹکڑا اور کہاں یہ پورے کے پورے دفتر تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا مگر تمہارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ گناہوں کے طومار دفتر کے دفتر ترازو میں ہلکے ہو جائیں گے اور وہ کاغذ کا چھوٹا سا بطاقہ وزنی ہو جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمل یا اعمال نامہ نہیں وزن کیا جائے گا بلکہ صاحب عمل وزن کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز ایک موٹا سا آدمی لایا جائے گا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پر پشہ کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴾ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کو ابن مسعود کی پتلی پتلی ٹانگوں پر تعجب کیوں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ میزان میں تلے گا تو اس کی پتلی ٹانگیں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ثابت ہوں گی۔ ان تینوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ کبھی اعمال تولے جائیں گے اور کبھی اعمال نامے' کبھی عمل کرنے والا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ ع ١/٨

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا' تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

خالق کے مخلوق پر احسانات: اللہ بندوں پر اپنے احسان کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے اس قدر تسلط دیا کہ دنیا میں تم حکومت کرنے لگے اور زمین پر اپنی جڑیں مضبوط کر لیں' اپنی نہریں جاری کر دیں' اپنے گھر اور شاندار محل بنا لئے اور ساری منفعتیں اپنے لئے پیدا کر لیں۔ ہم نے ان کے لئے ابر کو مسخر کر دیا تا کہ پانی برسا کر زمین سے ان کے لئے رزق پیدا کرے اور زمین میں ان کے لئے ذریعہ معاش حاصل ہو جس میں وہ تجارت کریں' اور قسم قسم کے اسباب راحت اپنے لئے پیدا کریں۔ پھر بھی یہ ان ساری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جیسا کہ

فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکر گزار ہے۔ لفظ مَعَايِشْ کو سب لوگ (ی) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی ہمزہ کے ساتھ ''مَعَائِشْ'' نہیں پڑھتے لیکن عبدالرحمن بن ہرمز اس کو ہمزہ سے پڑھتے ہیں۔ اور صحیح تو یہی ہے کہ جو اکثر کا خیال ہے یعنی بلا ہمزہ۔ اس لئے کہ ''معایش'' جمع ﴿ معیشة ﴾ کی ہے۔ یہ مصدر ہے اس کے افعال ﴿ عاش' یعیش' معیشة ﴾ اس مصدر کی اصلیت ہے۔ ﴿ مَعْيُشَة ﴾ کسرہ (ی) پر ثقیل تھا اس لئے عین کی طرف منتقل کر دیا گیا اور لفظ ﴿ مَعِيْشَة' مَعِيْشَة ﴾ بن گیا۔ پھر اس واحد کی جب جمع بنائی گئی تو (ی) کی طرف حرکت پھر لوٹ آئی کیونکہ اب ثقالت باقی نہیں رہی چنانچہ کہا گیا کہ ﴿ معایش ﴾ کا وزن مفاعل ہے اس لئے کہ اس لفظ میں (ی) اصلی ہے۔ بخلاف مدائن صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدینہ۔ صحیفہ اور بصیرۃ کی جمع ہیں۔ اس لئے کہ (ی) اس میں زائد ہے لہذا جمع بروزن فعائل ہوگی اور ہمزہ بھی آئے گا' واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ (11)

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم ہی نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

پیدائش اور فضیلت آدمؑ: اللہ پاک اس مقام پر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کے دشمن ابلیس کا ذکر فرما رہا ہے جس کو بنو آدم اور آدم علیہ السلام سے بغض ہے تاکہ لوگ اس دشمن ابلیس سے بچنے لگیں اور اس کے راستہ پر نہ چلیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تمہاری صورتیں ڈھالیں۔ پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا۔ رب نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں جس کو کھنکھناتی سوکھی مٹی سے بناؤں گا۔ پس جب میں نے اس کو تیار کرنے کے بعد اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ ایک زندہ جسم بن گیا تو میری اس قدرت کو دیکھ کر سب اس آدم کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے۔ اور اس کی ضرورت اس لئے تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے چکنی لیسدار مٹی سے بنایا اور اس کو ایک راست قامت بشر کی صورت بخشی اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی تو ملائکہ کو حکم دیا کہ کن سے بنی ہوئی مخلوق کو نہیں بلکہ خود میرے ہاتھوں سے بنے ہوئے پتلے کو سجدہ کرو لیکن دراصل یہ قدرت الٰہی کو سجدہ کرنا تھا اور اس کی شان کی تعظیم کرنی تھی۔ چنانچہ سب فرشتوں نے تعمیل حکم میں سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہ کیا۔ اول سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس پر کافی بحث گزر چکی ہے۔ اب اس وقت ہم نے یہاں جو تقریر کی ہے وہ ابن جریرؒ کی اختیار کردہ ہے۔

﴿ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ کی تفسیر میں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لوگ مردوں کی پیٹھوں کے اندر پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد عورتوں کے ارحام میں ان کی شکل بندی ہوتی ہے۔ قتادہؒ اور ضحاکؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا پھر اس کی ذریت کی تشکیل کی۔ لیکن اس میں غور طلب مقام ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ ﴿ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ تو یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور یہاں جمع کے ساتھ جو کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ خطاب تو فرماتا ہے نبی علیہ السلام کے زمانے کے بنی اسرائیل سے یعنی ﴿ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ (تا آخر) یعنی غمام اور من وسلویٰ تو موجودہ بنی اسرائیل کے آباء واجداد پر آیا تھا۔ چنانچہ مراد تو وہی لوگ ہیں جو بزمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے لیکن آباء واجداد پر احسان کرنا بھی دراصل ان کی نسل پر بھی احسان کرنا ہوتا ہے تو گویا یہ احسان اولاد پر بھی ہوا تھا' اس لئے خطاب کم کے ساتھ ہوا تو گویا آدم آدم اور اولاد آدم سے سب مراد ہیں۔ یعنی سب کو جمع کیا گیا۔ برخلاف اس

قول باری کے کہ ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ یہاں لفظ انسان سے جنس انسان مراد نہیں ہے یعنی جمع مراد نہیں بلکہ ایک متنفس یعنی آدم علیہ السلام کی ذات مراد ہے جو مٹی سے بنے تھے۔ لیکن ان کی تمام ذریت مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے بنی ہے۔ اب انسان کو مٹی سے بنا ہوا صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے باپ آدم انسان کی طرح نطفہ سے نہیں بلکہ مٹی سے بنے ہوئے تھے' واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا کہ میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔

ابلیس کا قیاس فاسد: بقول بعض نحویوں کے اس آیت ﴿ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ میں لاَ زائد ہے اور تاکید انکار کے طور پر زیادہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر کہہ گیا ہے کہ ﴿ مَا اِنْ رَاَيْتُ وَلاَ سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ ﴾ اس مصرعہ میں ان نفی کے لئے ہے جو ﴿ما﴾ نافیہ پر تاکید نفی کے لئے لایا گیا ہے۔ گویا یہاں ﴿ اِنْ ﴾ زیادہ ہے۔ اسی طرح اس آیت میں ﴿ لا ﴾ زیادہ ہے۔ ﴿لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ یہ قول باری اس سے پہلے ہی آیا ہوا ہے۔ ابن جریرؒ کا یہ قول ہے کہ ﴿ منعك ﴾ ایک دوسرے فعل کو متضمن ہے جس کی تقدیر یوں ہوگی کہ کس بات نے تجھے اس کے لئے مجبور کر دیا تھا کہ سجدہ نہ کرے جب کہ میرا حکم موجود تھا۔ اور یہ قول قوی اور حسن ہے' واللہ اعلم۔

فائدہ یہاں ابن کثیرؒ سے کچھ تسامح ہو گیا ہے کہ ﴿لا﴾ کو دوسرے بعض لوگوں کی طرح زائد سمجھتے ہیں یا یہ کہ ایک دوسرا فعل اس سے پہلے مقدر مانتے ہیں۔ یعنی ﴿ مَا اَحْوَجَكَ ﴾ یا ﴿ مَآ اَلْزَمَكَ ﴾ یا ﴿ مَاضْطَرَّكَ ﴾ تاکہ ﴿ تَسْجُدَ ﴾ پر ﴿لاَ﴾ کے لانے کو کھینچ تان اور تاویل کر کے صحیح ثابت کیا جا سکے۔ حالانکہ لاَ کو نہ زائد ماننے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے پہلے کسی فعل ﴿اِضْطَرَكَ ﴾ وغیرہ کو محذوف نکالنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ دراصل ﴿مَنَعَ﴾ میں تجرید واقع ہوئی ہے۔ یعنی ﴿مَنَعَ﴾ بمعنی ﴿قَالَ﴾ ہے کیونکہ بعد میں جب لائے انکار یہ آ رہا ہے تو ﴿مَنَعَ﴾ میں انکاریت کو باقی رکھنے کی ضرورت نہ رہی اور اس میں سے معنائے انکار کی تجرید کر کے صرف قول کے معنی میں باقی رکھ دیا گیا۔ چنانچہ معنی یہ ہوئے کہ کس چیز نے تجھ سے کہا تھا کہ سجدہ نہ کرے۔ تجرید کا یہ سیدھا سادا راستہ جو عین مطابق قانون نحو ہے اور جس کو اکثر ضرورتاً اختیار کرنا پڑتا ہے اختیار کر لیا جائے تو وہ دونوں تکلف بھری باتوں کو ماننا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ یعنی ﴿لا﴾ کی زیادتی یا جملہ کو صحیح بنانے کے لئے فعل مقدر ﴿اضطرك﴾ کو ماننا ابلیس نے کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں اور فاضل سے سجدہ نہیں کرایا جاتا ہے۔ مفضول کے لئے۔ یعنی میں اس سے بہتر ہوں تو مجھے سجدہ کرنے کا کیوں حکم ہے۔ وہ دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ میں آگ سے پیدا شدہ ہوں اور آگ اشرف ہے مٹی سے جس سے کہ آدم پیدا شدہ ہے۔ ابلیس کی نظر اصل عنصر پر ہے لیکن اس نے اس تشریف دہی آدم پر نظر نہیں ڈالی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی روح بھری ہوئی ہے۔ اس نے ایک قیاس فاسد قائم کر لیا جو نص کے مقابلہ میں عارض ہو رہا ہے۔ یعنی قیاس' حکم اللہ کے خلاف بیٹھ رہا۔ غرض سارے ملائکہ سجدہ میں گر پڑے۔ ابلیس ترک سجود کی وجہ سے فرشتوں سے الگ ہو گیا اور رحمت خداوندی سے مایوس بن گیا۔ یہی ناامیدی دراصل اس کی خطا ہے اور قیاس میں بھی غلطی کی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ نار مٹی سے اشرف ہے۔ لیکن مٹی کی شان تحمل' حلم'

بردباری، مستقل مزاجی، ثابت قدمی ہے۔ نیز طین (مٹی) محل نبات و نمود ہے۔ اور نار کی شان جلانا، طیش، سرعت ہے۔ اس لئے ابلیس کے عنصر نے اس کے ساتھ خیانت کی اور آدم کے عنصر نے رجوع اور انابت و استکانہ و عاجزی اور انقیاد کر کے آدم کو نفع بخشا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلہ سے اور آدم مٹی سے حوریں زعفران سے۔ ابلیس نے قیاس قائم کیا اور سب سے پہلے قیاس قائم کرنے والا وہی ہے اور شمس و قمر کی عبادت بھی قیاس ہی کی بنا پر کی جانے لگی ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔

ابلیس کو قیامت تک مہلت: اللہ پاک ابلیس سے خطاب فرما رہا ہے ایک ایسے امر سے متعلق جو لامحالہ وقوع پذیر ہونے والا ہے کہ میرے حکم سے نافرمانی اور اطاعت سے باہر ہو جانے کے سبب تو یہاں سے نکل جا تجھے کوئی حق نہیں تھا کہ تکبر کرتا۔ اکثر مفسرین منہا کی ضمیر کو جنت کی طرف عائد کرتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس رتبہ و منزلت کی طرف عائد ہو جو اس کو ملکوت اعلیٰ میں حاصل تھا۔ فرماتا ہے تو نکل جا تو ذلیل و حقیر ہے۔ یہ ابلیس کی ضد کا نتیجہ تھا۔ اس موقع پر ابلیس نے ایک بات سوچی اور یوم قیامت تک اللہ تعالیٰ سے مہلت چاہی۔ اور یوں عرض کیا کہ "اے اللہ تعالیٰ مجھے سزا دینے میں یوم قیامت تک مہلت دے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جا تجھے مہلت دے دی"۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت مخفی تھی اور اسی کا ارادہ کام کر رہا تھا۔ اس کی مشیت کی مخالفت نہیں کی جا سکتی، اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں وہ سریع الحساب ہے۔

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائے گا۔

شیطان کی مکاریاں: جب ابلیس کو یوم قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا تو اس نے معاندت اور تمرد شروع کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ اے اللہ مجھے جس طرح تو نے بھٹکنے دیا ہے میں بھی تیرے بندوں کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر انہیں بھی بھٹکاؤں گا۔ ابن عباسؓ ﴿ اَغْوَيْتَنِیْ ﴾ کا ترجمہ ﴿ اَضْلَلْتَنِیْ ﴾ کرتے ہیں اور دوسرے ﴿ اَهْلَكْتَنِیْ ﴾ کرتے ہیں۔ میں آدم علیہ السلام کا بدلہ آدم علیہ السلام کی نسل سے لوں گا۔ کیونکہ میں آدم ہی کی وجہ سے راندۂ درگاہ بنا ہوں۔ صراط مستقیم سے طریق حق اور سبیل نجات مراد ہے۔ بھٹکانا اس طرح ہو گا کہ وہ تیری عبادت نہیں کریں گے۔ تیری توحید سے دور رہیں گے۔ اور بعض نحویوں نے کہا کہ ﴿ فَبِمَا ﴾ کا (ب) یہاں قسمیہ ہے۔ گویا کہ یوں کہا گیا کہ قسم ہے تیرے اغوا کی جو مجھ پر صادر ہوا۔ مجاہدؒ صراط = مراد امر حق لیتے ہیں۔ اور محمد بن

سوقہ طریق مکہ مراد لیتے ہیں۔ اور ابن جریرؒ نے کہا کہ صحیح تر تو یہی بات ہے کہ یہ لفظ ان سارے معانی سے عام تر ہے۔ سبرہ بن ابی الفاکہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیہ السلام فرماتے تھے کہ شیطان مختلف طریقوں سے ابن آدم کی راہ مارتا ہے۔ وہ اسلام کی راہ پر آ کر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو اسلام لائے گا اور اپنا اور اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دے گا؟ لیکن وہ شخص شیطان کی نافرمانی کرتا ہے اور اسلام لاتا ہے پھر وہ اس کی راہ ہجرت میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیوں ہجرت کرتا ہے کیا اپنا وطن چھوڑ دے گا۔ مہاجر کی عزت ایک جانور اور گھوڑے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن وہ نافرمانی کرتا ہے اور ہجرت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر راہ جہاد کھوٹی کرنے کے لئے آ بیٹھتا ہے۔ جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی' چنانچہ کہتا ہے کہ کیا جنگ کرنے کے لئے نکلے گا' ارے تو قتل ہو جائے گا تو تیری عورت دوسرے سے نکاح کر لے گی' تیرا مال لوگ آپس میں بانٹ لیں گے لیکن پھر بھی وہ جہاد کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ایسا کرتا ہے اور مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اس کو جنت میں جگہ دے' خواہ وہ قتل ہو جائے یا راہ میں ڈوب جائے یا اثنائے راہ میں جانور اسے کچل دے۔ پھر شیطان نے کہا کہ میں بنی آدم کے سامنے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی' یعنی آخرت کے بارے میں ان کے دلوں میں شکوک پیدا کروں گا اور دنیا پسندی کے لئے بھی ترغیب دوں گا۔ اور سیدھی طرف سے بھی آؤں گا' یعنی امر دین ان پر مشتبہ کر دوں گا اور ان کی بائیں طرف سے بھی آؤں گا' یعنی معاصی ان کے لئے دل پذیر بنا دوں گا۔

پھر مختلف لوگ اس کے مختلف معنی مراد لیتے ہیں جو تقریباً قریب قریب ہیں۔ اور شیطان نے یہ نہیں کہا کہ اوپر سے آؤں گا کیونکہ اوپر سے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی آسکتی ہے۔ اور تو اے اللہ تعالیٰ! ان بندوں میں اکثر کو شاکر یعنی موحد نہیں پائے گا۔ یہ بات ابلیس نے اپنے وہم و گمان کی بنا پر کہی تھی لیکن واقعہ کے مطابق آ کر بیٹھ گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا یہ گمان ٹھیک تھا کیونکہ مومنین کے سوا سب نے اس کی پیروی کی' لیکن مومنین پر اس کی چال کارگر نہ ہوئی۔ اور ہم نے شیطان کو ایسی کوشش اس لئے کرنے دی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون آخرت پر یقین رکھنے والا ہے اور کون شک و شبہ میں پڑنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا نگران ہے۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس شیطان سے یوں پناہ مانگو کہ "اے اللہ تعالیٰ! وہ کسی جہت سے بھی ہم پر تسلط نہ پائے"۔ جیسا کہ نبی اکرم علیہ السلام دعا مانگا کرتے تھے کہ "اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے عفو و عافیت مانگتا ہوں دین کے لئے بھی اور دنیا کے لئے بھی اور اہل اور مال کے لئے بھی۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو ڈھانک دے' مجھے خوف سے امن میں رکھ اور سامنے سے بھی میری حفاظت فرما اور پیچھے سے بھی اور سیدھی طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی اور اوپر سے بھی' اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ نیچے سے میرے ساتھ شیطان فریب چلائے"۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۸

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔

ابلیس راندہ درگاہ ہوا: اللہ پاک محل ملاء اعلیٰ سے ابلیس کو نکالتے ہوئے حکم دیتا ہے کہ ذلیل اور راندہ بنا ہوا یہاں سے نکل جا۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ "مذءوم" بہ معنی معیب و ذلیل ہے۔ عیب کے موقع پر ذم کا لفظ استعمال کرنے سے "ذیم" کا لفظ استعمال کرنا زیادہ بلیغ ہے اور "مدحور" کے معنی دور اور راندہ۔ مذءوم اور مذموم دراصل ایک ہی ہیں۔ اور یہ فرمان کہ "جو تیری پیروی کرے گا' میں ایسے سب لوگوں سے اور تیرے گروہ سے جہنم کو بھر دوں گا"۔ جیسا کہ فرمایا شیطان سے "نکل جا' جو لوگ تیری پیروی کریں گے' جہنم ان کی پوری

پوری جزا ہے۔ جس جس پر تو قدرت رکھتا ہے سب کو آواز دے کر بلا لے اور اپنے لشکر اور ذریت کے ذریعہ ان کو فتح کر لے اور اموال و اولاد میں ان کا شریک بن جا اور خوب خوب ان سے جھوٹے وعدے کر۔ شیطان کا وعدہ تو محض دھوکا دینے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن میرے خاص بندوں پر تیرا ہرگز بس نہ چلے گا۔ رب ان کی کفالت و وکالت کرے گا''۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو پھر جس جگہ سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانیے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

ابلیس کی مکاری اور فریب: ارشاد ہوتا ہے کہ آدم اور ان کی زوجہ حوا کے لئے جنت کو مسکن قرار دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ جنت کے سب پھل کھا سکتے ہو سوا ایک درخت کے۔ اس پر سیر حاصل بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہ بات دیکھ کر شیطان کو ان دونوں پر حسد ہوا اور مکاری اور فریب سے کام لینے کی کوشش کی تاکہ جو نعمت اور لباس حسن ان کو حاصل ہے اس سے انہیں محروم کر دے۔ اب ابلیس نے آدم و حوا سے کہا کہ رب نے جو تمہیں اس درخت سے منع فرمایا ہے وہ اس مصلحت سے ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ اور ہمیشہ یہاں رہنے کا حق نہ حاصل کر لو۔ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو پھر یہ بات تمہیں حاصل ہو جائے گی۔ جیسا کہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ایک درخت بتاؤں اور ایسی ملکیت کا پتہ دوں جو کبھی مٹنے والی اور فنا ہونے والی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہیں واضح طور پر یہ بات اس لئے سمجھا رہا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ''۔

﴿ اَنْ تَضِلُّوْا ﴾ کا مطلب ہے ﴿ اَنْ لَا تَضِلُّوْا ﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ ہلنے اور جھکنے نہ لگے یہاں ﴿ تَمِيْدَبِكُمْ ﴾ سے ﴿ لَا تَمِيْدَبِكُمْ ﴾ مراد ہے۔ ابن عباسؓ اور یحییٰ بن ابی کثیر ﴿ مَلَكَيْنِ ﴾ کو ﴿ مَلِكَيْنِ ﴾ کسرہ سے پڑھتے تھے لیکن جمہور فتحہ ہی سے پڑھتے ہیں۔

﴿ وَقَاسَمَهُمَا ﴾ یعنی ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تم دونوں سے پہلے یہاں رہتا تھا اور اس جنت کی جگہ جگہ سے خوب واقف ہوں ﴿ قَاسَمَ ﴾ باب مفاعلہ سے ہے جس میں شرکت کی خاصیت ہوتی ہے۔ لیکن بعض وقت ایک ہی رخ مراد ہوتا ہے یعنی آدم و ابلیس دونوں نے نہیں بلکہ صرف ابلیس نے قسم کھائی تھی۔ یہاں تک کہ دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مومن کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں جس نے ہم کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دھوکا دیا ہم نے ہمیشہ دھوکا کھا لیا تو آدم بھی کیسے دھوکا نہ کھا جاتے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔ دونوں کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

آدمؑ کی اللہ سے رحم کی اپیل: ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام درخت خرما کی طرح طویل القامت تھے۔ سر کے بال گھنے اور لمبے تھے۔ جب ان سے خطا سرزد ہو گئی تو ان کا چھپا ہوا جسم کھل گیا اور اس سے پہلے اپنے مستور جسم کو دیکھتے نہ تھے۔ اب بدحواسی میں جنت کے اندر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ جنت کے ایک درخت سے سر کے بال الجھ گئے' کہنے لگے مجھے چھوڑ دے۔ درخت بول اٹھا کہ میں نہ چھوڑوں گا۔ رب عزوجل نے ندا دی کہ اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ آدم علیہ السلام کہنے لگے' اے رب! میں تجھ سے حیا کر رہا ہوں کیونکہ کھل گیا ہوں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ درخت جس سے آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا وہ خوشہ گندم تھا۔ جب آدم و حوا نے اس کو کھا لیا تو ان کے چھپے اعضاء ان پر ظاہر ہو گئے۔ اب وہ درختوں کے پتوں سے اور انجیر کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے اور ایک سے ایک کو جوڑ کر جسم پر چپکانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم میں نے تمہیں جنت بخش دی تھی اور ہر چیز جائز کر دی تھی سوائے اس درخت کے جس سے منع کر دیا تھا۔ آدم علیہ السلام نے کہا ہاں اے رب! لیکن تیری عزت کی قسم میرے تو گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ تیری قسم کھا کر کوئی جھوٹ کہے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ قسم کھا کر اس نے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ میں تمہیں زمین کی طرف بھیج دوں گا تم کو اس زندگی میں محنت و رنج کے سوا کوئی راحت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا جنت سے نیچے اتر جاؤ اگر تم جنت میں ہر قسم کی نعمتیں کھاتے تھے تو اب طعام و شراب کی کوئی خوش گوار نعمتیں تمہیں نہیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آدمؑ کو لوہے سے کام لینا سکھایا کاشتکاری سکھائی۔ انہوں نے زراعت شروع کی' کھیتوں کی آبیاری کی۔ کھیت پک گئے تو فصل کاٹی۔ اسے کوٹا' دانے نکالے' پھر پیسا' گوندھ کر روٹی پکائی اور کھایا اور جو زحمت انہیں ہوئی قسمت میں لکھی تھی' اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوئی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں انجیر کے پتے لباس کی شکل میں جوڑ کر باندھتے تھے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ آدم و حوا کا لباس نورانی تھا کہ ایک دوسرے کو برہنہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور جب برہنگی ظاہر ہو گئی تو اس برہنگی کو چھپانے کا خیال قدرتی طور پر پیدا ہوا۔ قتادہؒ نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا تھا' اے رب کیا میں توبہ و استغفار کر سکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں' اس صورت میں پھر تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا۔ لیکن ابلیس نے بجائے توبہ کی اجازت مانگنے کے مہلت کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز دی گئی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے گندم کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں

نے تمہیں اس درخت سے منع کیا تھا تو تم نے کیوں کھایا؟ تو کہنے لگے کہ حوا نے مجھے ایسا مشورہ دیا تھا۔ تو کہا کہ میں حوا کو یہ سزا دیتا ہوں کہ حمل کے زمانے میں بھی اس کو تکلیف اور وضع حمل کے وقت بھی اس کو درد و کرب لاحق رہیں گے۔ یہ سن کر حوا رونے لگیں تو کہا گیا کہ ولادت کے وقت تم اور تمہارا بچہ دونوں رویا کرو گے۔ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ کلمات سیکھے تھے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (سکتہ) وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾

ع ۲ ۹

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن رہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک۔ فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔

آدم و حوا عرش سے فرش پر: یہ جنت سے نیچے اتر جانے کا خطاب آدم علیہ السلام و حوا و ابلیس کو ہو رہا ہے اور بعض نے اس میں سانپ کو شامل کر لیا ہے۔ کیونکہ سانپ ہی آدم و ابلیس کے درمیان عداوت حاصلہ کا سبب بنا تھا۔ اس لئے سورۂ طہٰ میں فرمایا ہے کہ تم سب کے سب اتر جاؤ۔ حوا تو آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور سانپ بھی اگر شامل سمجھا جائے تو وہ ابلیس کا تابع ہے۔ مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جہاں ان میں سے ہر ایک پھینکا گیا تھا۔ یہ ساری خبریں اسرائیلیات سے لی گئی ہیں ان کی صحت سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔ اگر ان مقامات موقوعہ کی تعیین میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ذکر فرماتا یا حدیث میں کہیں مذکور ہوتا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اب زمین ہی تمہارا مستقر ہو گی اور موت آنے تک زمین ہی سے تمتع کرتے رہو گے۔ تقدیر میں بھی لکھا ہوا ہے اور لوح محفوظ میں بھی مسطور تھا۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ "مستقر" سے مراد قبور ہیں یا فوق ارض و تحت ارض مراد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اب تمہیں زمین پر ہی زندگی گزارنی ہے وہیں مرو گے اور پھر وہیں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ زمین زندگی بھر آدم کا گھر بنائی گئی ہے۔ یہیں جینا ہے' یہیں مرنا' یہیں قبور ہوں گی اور قیامت کے روز یہیں سے اٹھائے جاؤ گے' پھر اپنے اپنے اعمال کا جائزہ دو گے۔

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے اولاد آدم کی ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوے کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔

لباس جسم اور لباس تقویٰ: اللہ پاک بندوں پر اپنے احسانات کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں لباس آرائش دیا۔ لباس تو جسم کو اور عورات کو چھپانے کے کام میں آتا ہے اور "ریش" وہ لباس ہے جو تجمل اور زیب و زینت کے لئے پہنا جاتا ہے۔ پہلی چیز تو ضروریات میں داخل ہے اور ریش تکملات و زیادات میں شامل ہے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ ریش کلام عرب میں گھر کے ساز و سامان اور ضرورت سے زیادہ لباس کو کہتے ہیں۔ ابن عباس ؓ اس کے معنی مال بتاتے ہیں اور عیش و تنعم کو کہتے ہیں۔ ابو امامہؓ نے نیا کپڑا پہنا' اور جب گلے تک

پہن لیا تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنے جسم کو ضروری طور پر چھپاتا ہوں اور اس سے اپنی زینت بھی کرتا ہوں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے کوئی نیا کپڑا پہنا اور گلے تک پہن لینے پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنے مخفی جسم کو چھپاتا ہوں اور میری زیست میں وہ میرے لئے تجمل و شان کا سبب ہے پھر اتارا ہوا کپڑا کسی غریب کو دے دے' تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آ گیا' زندگی میں بھی اور مرنے پر بھی۔ حضرت علیؓ نے ایک لڑکے کے پاس سے تین درہم میں ایک قمیص خریدی اور پہنچے سے ٹخنے تک پہن لی تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے ریش سے مجھے تجمل بخشا اور اس سے میں اپنی عورات کو چھپاتا ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ یہ آپ اپنے طور پر کہہ رہے ہیں یا نبی اکرم ﷺ سے سن کر؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ سے سن کر کہہ رہا ہوں۔ اور ارشاد ربانی کہ تقویٰ کا لباس یہ سب سے بہتر لباس ہے۔ لباس کو بعض نے نصب سے پڑھا ہے اور بعض نے رفع سے اس بنا پر کہ یہ مبتدا ہے اور ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ یہ خبر ہے۔ مفسرین نے اس کے معنی میں بھی اختلاف کیا ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ وہ لباس مراد ہے جو قیامت کے روز متقیوں کو پہنایا جائے گا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ایمان۔ عروہ "لباس التقویٰ" کے معنے اللہ تعالیٰ کا خوف بتاتے ہیں۔ یہ سب معنی متقارب ہیں اور اس حدیث کی تائید میں ہیں کہ عثمان بن عفانؓ منبر رسول ﷺ پر آئے' آپ ایک قمیص پہنے ہوئے تھے جس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے رہے تھے اور کبوتر بازی سے روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! چھپ چھپ کر کام کرنے سے بچو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی چوری کا کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس چوری چھپے کے کام کو ظاہر کر دے گا وہ کام اچھا ہو گا تو نیک نامی اور برا ہو گا تو بدنامی ہو گی۔ پھر یہی متذکرہ بالا آیت پڑھی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷

اے اولاد آدم شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو ہم شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

اولاد آدم کو تنبیہ: اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ابلیس اور اس کی ذریات سے ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام سے اس کی پرانی دشمنی ہے کہ جنت سے انہیں نکال کر دنیا کے دار التعب میں بسایا۔ ان کے چھپے ہوئے بدن کھل گئے اور یہ سب زبردست عداوت کی بنا پر تھا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کو بہت ہی برا بدلہ ملے گا۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا

وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمۡ
تَعُوۡدُوۡنَ ؕ﴿۲۹﴾ فَرِيۡقًا هَدٰى وَفَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے رکھا کرو۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے ان لوگوں نے شیطانوں کو رفیق بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

اللہ فحش کام کا حکم نہیں کرتا: مشرکین عرب کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے مشرکین عرب کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ ہم پیدائش کے وقت جیسے تھے اسی کیفیت سے طواف کریں گے۔ عورت کپڑے کے بجائے چمڑے کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا یا اور کوئی چیز لگا لیتی تھی اور باقی سب برہنہ رہتی۔ وہ کہتی جاتی تھی کہ "آج جسم کا بعض حصہ یا پورا حصہ کھلا رکھا جائے گا۔ لیکن جو بھی کھلا ہوا ہو وہ کسی پر حلال نہیں ہے"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہے۔ قریش کو چھوڑ کر سارے عرب اپنا رات دن کا لباس پہنے ہوئے طواف نہیں کرتے تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے کہ جو کپڑے پہن کر انہوں نے گناہ کئے ہیں ان کپڑوں کے ساتھ طواف کیسے کریں۔ لیکن قبیلہ قریش والے کپڑے پہنے ہوئے کرتے اور کسی قریشی ﴿احمسی﴾ نے اگر کوئی کپڑا کسی کو عاریتاً دے دیا ہو تو پھر وہ عام عرب بوقت طواف کپڑا پہن لیتا' یا وہ عرب جس کے پاس بالکل نیا کپڑا ہوتا۔ پھر یہ کپڑے اتار دیے جاتے اور ان کا کوئی مالک نہ سمجھا جاتا اور کسی کے پاس نیا کپڑا نہ ہو' یا کسی قریشی سے کپڑا بھی عاریتاً نہ ملا ہو تو وہ برہنہ ہی طواف کرتا' عورتیں بھی عموماً برہنہ طواف کرتیں اور رات کے وقت کرتیں۔ یہ چیز ان لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کرلی تھی اور اس ذہنیت میں اپنے آباء کا اتباع کیا تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے آباء کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس بات کا انکار فرماتا ہے کہ "اے محمد (ﷺ) ان سے کہہ دو کہ یہ فحش اور نازیبا کام تم جو کرتے ہو اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جس کی صحت کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ کہہ دو کہ میرا رب تو عدل اور استقامت کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی جگہ پر استقامت سے انجام دو"۔ اسی میں رسولوں کی متابعت ہے۔ جنہوں نے شریعت ربانی پیش کی اور معجزات دکھا کر تاکید کی کہ اب اخلاص اختیار کرو اور جب تک یہ دونوں باتیں یعنی پابندی شریعت اور اخلاص فی العبادۃ نہ ہو تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں کی جا سکے گی۔ قولہ تعالیٰ ﴿ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ. فَرِيۡقًا هَدٰى وَ فَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ﴾ اس کے معنی میں مفسرین میں اختلافات ہیں۔ یعنی مرنے کے بعد پھر زندہ کرے گا۔ دنیا میں پیدا کیا اور آخرت میں اٹھائے گا۔ پیدا کیا جب کہ لاشئے تھے پھر مرگئے پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پند و وعظ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو تم کھلے ننگے غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔ کیونکہ پیدائش کے وقت تم ایسے ہی تھے۔ یہ ہم پر فرض ہے اگر ہم کو کرنا ہے تو یہی کریں گے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ

مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر اٹھایا جائے گا۔ ابو العالیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اٹھائے جائیں گے یا جیسا تقدیر میں لکھا ہے یا جیسا تمہارا عمل تھا۔ محمد بن کعب کا خیال ہے کہ شقاوت پر اگر اس کی خلقت ہوئی ہے تو شقی بنا کر ورنہ سعید بنا کر جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے جادوگر کہ عمر بھر اہل شقاوت کے عمل کرتے رہے لیکن چونکہ ان کی خلقت سعادت پر بنیاد پر ہوئی تھی اس لئے اسی بنیاد پر ان کا نشر ہوگا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مومن پیدا کیا ہے اور کسی کو کافر' جیسا کہ فرمایا ﴿ هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ پھر ایسا ہی تمہیں اٹھائے گا جیسا کہ پیدا کیا۔ اس قول کی تائید حدیث ابن مسعودؓ سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اسکے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ نوشتہ تقدیر اس پر غالب آتا ہے اور وہ اہل نار کے عمل کرنے لگتا ہے اور اسی پر مر جاتا ہے اور داخل نار ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص عمر بھر اہل نار کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ سے ایک گز کی دوری رہ جاتی ہے کہ کتاب الٰہی اس پر غالب آ جاتی ہے پھر وہ جنتیوں کے سے عمل کر کے مرتا ہے اور جنتی بنتا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں جنتیوں کے سے عمل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور وہ درحقیقت ہوتا ہے اہل دوزخ۔ اور ایک دوسرا شخص ہوتا ہے کہ دوزخیوں کے سے اعمال کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ دراصل ہوتا ہے جنتی۔ سند تو ان اعمال کی ہے جو خاتمہ کے وقت سرزد ہوتے ہوں اور کلمہ شہادت پر دم نکلتا ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ مرنے کے وقت جیسا تھا ویسا ہی اٹھے گا۔ اب ضروری ہے کہ اس قول اور اس آیت کے درمیان کہ ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ﴾ توافق قائم رہے۔ اور یہ بھی حدیث قول باری کی تائید میں ہے کہ ہر مولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے ماں باپ یا تو اسکو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔ اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تو اپنے بندے نیک فطرت پیدا کئے تھے لیکن شیاطین نے ان کو بہکا بہکا کر دین سے بھٹکا دیا۔ غرض توافق یوں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو یوں پیدا کیا ہے کہ پہلے تو وہ مومن ہوں گے۔ کیونکہ فطرت میں ایمان ہی ہے اور یہ بھی تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ پھر کافر ہو جائیں گے اگرچہ ساری مخلوق معرفت اور توحید کی فطرت رکھتی ہے جیسا کہ ان سے ایسا عہد بھی لے لیا گیا تھا' اور اسکو انکی فطری چیز بنایا تھا لیکن باوجود اسکے انکے مقدر میں یہ تھا کہ وہ یا تو شقی ثابت ہونگے یا سعید اور حدیث میں ہے کہ لوگ صبح اٹھتے ہیں تو یا تو اپنی جان نجات کے حوالے کرتے ہیں یا ہلاکت کے حوالے۔ اس کی نجات میں اللہ تعالیٰ ہی کا حکم نافذ ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے کہ ﴿ اَلَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴾ یعنی قراریوں دیا کہ وہ ہدایت پائے گا۔ ﴿ اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ جس نے کہ ہر شے کو اس کی خلقت عطا فرمائی پھر راستے پر لگایا۔ بخاری مسلم میں ہے کہ جو اہل سعادت ہیں ان کو اہل سعادت کے سے عمل کرنے میں دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ اور جو اہل شقاوت سے ہیں ان پر شقی لوگوں کے سے عمل آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ایک فریق تو ہدایت پر ہے اور ایک فریق پر گمراہی چھائی ہوئی ہے پھر اس کی یہ علت یہاں بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے شیاطین کو اپنا اولیاء بنا لیا تھا۔ یہ بڑی کھلی دلیل ہے ان لوگوں کی غلطی پر جو یہ زعم کرتے ہیں کہ اللہ کسی کو معصیت یا کسی غلط عقیدہ پر عذاب نہیں دے گا جب کہ اسکو اپنے عمل کے صحیح ہونے کا یقین کامل ہو۔ ہاں کسی علم و یقین کے باوجود اگر ضد سے نہ مانے تو اسی کو عذاب ہوگا۔ اسلئے کہ اگر ان کا یہی خیال صحیح ہوتا تو اس گمراہ میں جو اپنے کو ہدایت پر یقین کر رہا ہے اور اس فریق پر جو درحقیقت گمراہی پر نہیں بلکہ ہدایت پر ہے صحیح عمل کرتا ہے اور صحیح عقیدہ پر ہے کوئی فرق نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے دو قسم کے لوگوں میں فرق بتا دیا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ
لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾

اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔

اچھا لباس کون سا ہے: ان آیات میں ان مشرکین کا رد ہے جو برہنہ ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرنے پر اعتماد رکھتے تھے کہ دن میں مرد اور رات میں عورتیں کپڑے اتار کر طواف کرتی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہر نماز کے وقت (جس میں بیت اللہ شریف کے طواف کی عبادت بھی شامل ہو سکتی ہے) اپنی زینت یعنی لباس پہنے رہو جو تمہارے جسم کو برہنگی سے چھپالے۔ اس کے علاوہ اچھے اچھے کپڑے اور زیب وزینت بھی کرلو۔ ائمہ سلف نے یہی لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے برہنہ ہو کر طواف کرنے ہی سے متعلق ہے اور انس ؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ یہ نماز کے وقت جوتی پہن کر پڑھنے سے متعلق وارد ہوئی ہے لیکن اس کی صحت غور طلب ہے۔ اور اسی بنا پر حدیث میں کہا گیا ہے کہ نماز کے وقت تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور لائق صواب ہے۔ خصوصاً یوم جمعہ اور یوم عیدین اور بہتر ہے کہ خوشبو بھی ملیں کیونکہ یہ بھی زینت ہے اور سب سے اچھا لباس سفید لباس ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سفید کپڑے پہنو یہی سب سے اچھے کپڑے ہیں اپنی اموات کو بھی اس میں کفناؤ۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا کرو یہ بصارت کو تیز کرتا ہے اور بال اگاتا ہے۔ یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ تمیم داری نے ایک چادر ہزار درم میں خریدی تھی اسی کو اوڑھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ اس آیت میں ساری طب جمع ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو میں تم پر کوئی الزام نہیں رکھتا لیکن دو خصلتیں بری ہیں ایک تو اسراف دوسرے غرور اور اکڑنا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھاؤ پیو پہنو دوسروں کو دو لیکن اسراف نہ ہونے پائے اور شان وغرور کے لئے نہ ہو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اس کی نعمتوں کا اثر نمایاں ہو۔ یہ تو پہننے سے متعلق بات تھی اور کھانے سے متعلق یہ کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس برتن سے زیادہ منحوس کوئی برتن نہیں جس کو بھرا ہوا پیٹ کہا جائے۔ انسان کے لئے تو چند لقمے بھی کافی ہیں۔ جو اس کو اپنی حالت پر قائم رکھ سکیں اور اگر کچھ کھانا ہی چاہتا ہے تو ایک تہائی پیٹ غذا کھالے اور ایک تہائی پانی پی لے اور ایک تہائی۔ آسانی سانس لینے کے لئے چھوڑ دے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسراف یہ ہے کہ جو جی میں آیا انسان کھالیا کرے۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ برہنہ طواف بیت اللہ کرتے تھے وہ حج کے زمانے میں چربی اپنے پر حرام کرلیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چربی حرام نہیں ہے کھاؤ پیو اور چربی کی تحریم میں جو زیادتی تم نے کر رکھی ہے یہ نہ کرو۔ مجاہد کہتے ہیں کھاؤ پیو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ ﴿ لَا تُسْرِفُوْا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کھاؤ لیکن حرام نہ کھاؤ کیونکہ یہ زیادتی ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ کھاؤ پیو لیکن زیادہ کھاؤ پیو نہیں کیونکہ یہی اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿ مُسْرِفِيْنَ ﴾ سے ﴿ مُعْتَدِيْنَ ﴾ مراد ہیں جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ غلو کر کے حلال کو بھی بزعم احتیاط اپنے پر حرام کرلیتے تھے یا حرام کو حلال بنا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ حلال کو حلال رکھو اور حرام کو حرام۔ یہی عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

آپ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے۔ اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

کھانے پینے اور پہننے کی حلال چیز کو حرام کرنا؟: اس آیت میں رد ہے اس شخص کا جو کھانے پینے یا پہننے کی کوئی چیز اپنے پر حرام کر لیتا ہے حالانکہ شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہوتی۔ کہہ دو اے محمد (ﷺ)! ان مشرکین سے جنہوں نے اپنی آراء فاسدہ سے اپنے اوپر ایک ایک چیز حرام کر لی ہے کہ کس نے اللہ تعالیٰ کی اس دی ہوئی زینت کو حرام کر دیا' جو حق تعالیٰ نے بندوں کے لئے قرار دی۔ جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس دنیوی زندگی میں اپنے عبادت گزار مومنوں کے لئے۔ اگرچہ کفار بھی اس میں شریک ہیں۔ لیکن ان نعمتوں کا حق تو دراصل مومن ہی رکھتے ہیں اور یہ نعمتیں تو خصوصیت کے ساتھ قیامت میں انہیں ملیں گی جن میں کفار شریک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جنت کی نعمتیں کفار پر حرام ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرب بیت اللہ شریف کا عریاں طواف کرتے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "لباس تو اللہ تعالیٰ کی زینت ہے" اس کو پہنے ہوئے طواف کیا کرو۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو ان کو جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھو۔

سب سے زیادہ غیرت مند ہستی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں۔ اسی لئے کھلی چھپی ساری گناہ کی باتیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے جو ہر آن اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہے۔ اور ناحق اور ناروا اثم اور بغی کو بھی حرام کر دیا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اثم کے معنی معصیت اور بغی کے معنی ہیں بغیر استحقاق لوگوں کا مال یا ناحق عزت چھیننے میں زیادتی کرنا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو خود اپنے نفس پر بغاوت کرے اور حاصل بحث تفسیر یہ ہے کہ "اثم" وہ خطایا ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور "بغی" وہ تعدی ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا ہے اور فرمایا کہ شرک باللہ بھی حرام ہے جس کی کوئی سند ہی نہیں ہے اور کسی کو شریک باللہ بنانے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے یعنی یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور اسی قسم کی باتیں جن کا کوئی علم و یقین ہی نہیں' جیسا کہ فرمایا کہ بت پرستی کی گندگی سے بچو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اے اولاد آدم کی اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتائیں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

نیکوں کو بشارت اور بدوں کو عذاب کی وعید: ارشاد ہوتا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک میقات معلوم اور وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آ جائے تو پھر گھنٹے بھر کی بھی تو تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ پھر بنی آدم کو اللہ پاک ڈراتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس ہمارے رسول آئیں گے تم کو ہماری آیات سنائیں گے بشارت بھی دیں گے اور خوف بھی دلائیں گے اب جو ڈر گیا اور اپنی اصلاح کر لی' محرمات ترک کر دیے اطاعت کے کام کرنے لگا تو اس کو نہ کسی خوف کا سامنا ہوگا اور نہ کوئی رنج و غم گھیرے گا۔ لیکن جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور غرور سے کام لیں گے یہی لوگ اہل نار ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ
الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلاوے ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

ظالموں کی فرشتہ موت سے ملاقات: ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ پر کذب کا افترا کرے یا اس کی آیتوں اور معجزات کو جھٹلائے' یہ لوگ نوشتہ تقدیر سے اپنا حصہ پا لیں گے۔ مفسرین نے اس کے معنی میں اختلافات کئے ہیں۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ان کا چہرہ کالا ہو جائے گا۔ یا یہ کہ جو خیر کرے گا اس کی جزا خیر ملے گی اور بد کی جزا بد ملے گی۔ یا اپنے حصے سے مراد اپنا عمل اپنا رزق اور اپنی عمر۔ اور یہ قول معنی اور سیاق عبارت کے لحاظ سے قوی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "ہمارے فرشتے جب ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے"۔ اور اس آیت کے معنی کی مثال یہ قول پاک ہے کہ "جو لوگ اللہ تعالیٰ پر کذب کا افترا کرتے ہیں وہ دنیا میں تمتع کے لحاظ سے کوئی فلاح نہیں پائیں گے اور جب پھر وہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے کفر کے سبب ہم انہیں عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے"۔ پھر فرمایا کہ 'اگر کوئی کفر کرتا ہے تو کرنے دو تمہیں اس کا کفر رنج و کوفت میں نہ ڈالے۔ ان کو آخر ہماری طرف آنا ہے ہی اس وقت ان کے اعمال ان پر کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات کو جاننے والا ہے۔ ہم نے تو چند روزہ تمتع ان کو دے رکھا ہے۔ اللہ پاک آیت بالا میں خبر دیتا ہے کہ ملائکہ جو مشرکین کی روح قبض کریں گے تو موت کے وقت ان کو

ڈرائیں گے اور روح قبض کر کے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے' انہیں سے دعا مانگتے تھے اور انہیں کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں کو بلاؤ تا کہ وہ تم کو دوزخ سے چھڑائیں۔ تو وہ کہیں گے وہ اب کہاں وہ تو سب بھاگ گئے۔ ہم کو تو اب ان کی خیر کی بھی امید نہیں' اور اپنے منہ آپ اقرار کرنے لگیں گے کہ ہم کفر کرتے رہے تھے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۠ ﴿۳۹﴾

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہو گی اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم کو خبر نہیں۔ اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلے میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

کافروں کا ایک دوسرے کو مورود الزام ٹھہرنا: اللہ پاک مشرکین کی ان باتوں کی خبر دے رہا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے تھے جب کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے جیسے ان گروہوں میں جا کر شامل ہو جاؤ جو تمہاری صفات والے تھے اور جو تم سے پہلے گزرے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسان میں سے اور پھر دوزخ کی راہ لو۔ ﴿ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ﴾ محتمل ہے کہ ﴿ فِیْٓ اُمَمٍ ﴾ کا بدل ہو اور یہ بھی محتمل ہے کہ ﴿ فِیْٓ اُمَمٍ ﴾ معنی میں ہو مع امم کے۔ اور قولہ ﴿ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ﴾ یعنی جب ایک نیا گروہ دوزخ میں جھونکا جائے گا تو ایک دوسرے کو برا کہنے لگیں گے (خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک کافر دوسرے کافر سے سرکش ہو جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگیں گے)۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس وقت یہ کفار تابعین اپنے متبوعین سے سخت اظہار ناراضگی کریں گے اور جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھ لیں گے اور تعلقات باہم ٹوٹ جائیں گے' یہ تابعین کہیں گے کہ کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہو تو جس طرح اس وقت یہ ہم سے الگ ہو گئے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزاری کا اظہار کر کے بدلہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے اعمال حسرت کے رنگ میں پیش کر کے انہیں بتلائے گا۔ لیکن دوزخ سے وہ کسی طرح خارج نہ ہو سکیں گے۔ حتیٰ کہ وہ سب جب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد کے داخل دوزخ ہونے والے تابعین اپنے متبوعین کے بارے میں کہیں گے' وہ متبوعین جن کا جرم بہ نسبت تابعین کے زیادہ شدید تھا اور وہ پہلے ہی سے داخل ہو چکے تھے' اللہ تعالیٰ سے اپنے متبوعین کی شکایت کریں گے کہ انہیں نے ہم کو سیدھے راستے سے گمراہ کیا تھا' اس لئے اے رب ان کو دوزخ میں دگنا عذاب دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جس روز آگ میں جل کر ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے' وہ کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے

رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔ اور اے رب! ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی اور انہوں نے ہمیں بہکا دیا۔ اے اللہ ان کو دگنا عذاب دے "تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہیں تم میں سے ہر ایک کو دگنا عذاب ہو گا۔ جیسا کہ فرمایا کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں ہم ان کا عذاب زیادہ کر دیں گے اور وہ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کے گناہوں کا بھی۔ غرض متبوعین اپنے تابعین سے کہیں گے کہ اب تم کو ہم پر کیا فضیلت رہی 'تم بھی ایسے ہی از خود گمراہ ہو گئے' جیسے ہم ہو گئے تھے 'تو اب اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ ان کی یہ حالت ویسی کچھ ہے جس کی خبر اللہ پاک نے یوں دی ہے کہ اے نبی (ﷺ)! کاش تم ان کافروں کو دیکھتے کہ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں اور تابعین اپنے متبوعین سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بنتے تھے اور متبوعین اپنے تابعین سے کہیں گے کہ ہدایت حاصل کرنے سے ہم نے تم کو روک تھوڑا لیا تھا 'تم تو آپ بھٹک گئے تھے عقل سے کام کیوں نہیں لیا تھا۔ اور تابعین متبوعین سے کہیں گے کہ یہ تو تمہارا رات دن کا بہکانا تھا کہ تم ہم کو کفر پر مجبور کرتے تھے اور خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔ پھر آپ ہی چپکے چپکے نادم ہو جائیں گے 'جب عذاب الٰہی کو دیکھیں گے اور ہم ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے اور جیسا وہ کرتے تھے ویسی ہی ان کو جزا ملے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگ ہماری آیات کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہو گا اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

کافروں کا اوڑھنا بچھونا آگ ہی ہے: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور اس سے روگردانی کی' ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے یعنی نہ ان کا عمل صالح اوپر چڑھایا جائے گا نہ دعائیں۔ رسول اللہ ﷺ قبض روح فاجر کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان پر چڑھیں گے' اور ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں پر سے گزر ہو گا وہ پوچھیں گے کہ یہ کس کی خبیث روح ہے؟ تو اس کا قبیح ترین نام لے کر کہا جائے گا کہ فلاں کی ہے حتیٰ کہ آسمان تک پہنچیں گے اور کہیں گے کہ دروازہ کھولو۔ لیکن دروازہ کھلے گا نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ﴾ براء بن عازب ؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے کی مشایعت کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے' اور قبر تک پہنچے تو حضرت ﷺ وہاں بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے اطراف بیٹھے تھے اور ایسے خاموش گویا پرندے ہمارے سروں پر بیٹھ گئے ہیں (ہمیں خاموش و بے حرکت دیکھ کر) آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی زمین پر اس سے ایک شغل کے طور پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمانے لگے عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ مانگو دو یا تین دفعہ فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ مومن جب دنیا سے اٹھنے لگتا ہے اور آخرت کا رخ کرتا ہے تو آسمان سے روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں جنت کا کفن لئے ہوئے ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبوئیں ساتھ لاتے ہیں۔ اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں "اے مطمئن روح! مغفرت ربانی کی طرف چل! یہ سنتے ہی روح نکل پڑتی ہے جیسے کہ مشک کے منہ سے پانی کے قطرے نکلنے لگتے ہیں روح نکلتے

ہی چشم زدن میں وہ اس کو جنتی کفن پہنا دیتے ہیں اور جنتی خوشبو میں اس کو بساتے ہیں وہ مشک کی ایسی بہتر خوشبو ہوتی ہے کہ دنیا میں جو بہترین ہو سکتی ہے۔ اس کو لے کر آسمان پر چڑھنے لگتے ہیں۔ جہاں کہیں سے گزرتے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ یہ کس کی پاک روح لے جا رہے ہو؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ابن فلاں کی۔ آسمان تک پہنچ کر دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ دوسرے تمام فرشتے بھی آسمان دوم تک ساتھ آتے ہیں۔ اسی طرح آسمان بہ آسمان ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو علیین کے دفتر میں لکھ لو اور زمین کی طرف واپس کر دو۔ کیونکہ میں نے اس کو مٹی ہی سے پیدا کیا ہے اسی کے اندر اس کو واپس کرتا ہوں اور پھر دوسری بار اسی کے اندر سے اس کو اٹھاؤں گا۔ اب اس کی روح واپس کی جاتی ہے۔ یہاں دو فرشتے آتے ہیں۔ اس کے پاس بیٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے پھر پوچھتے ہیں تمہارا دین کون سا ہے وہ کہتا ہے اسلام میرا دین ہے۔ پھر پوچھتے ہیں وہ کون شخص ہیں جو تمہاری طرف بھیجے گئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ تھے۔ پھر پوچھتے ہیں تمہارا ذریعہ علم کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی تھی اس پر ایمان لایا تھا۔ اب آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لئے جنت کا فرش لاؤ۔ جنت کے کپڑے پہناؤ اور جنت کا ایک دروازہ اس کے لئے کھول دو تاکہ جنت کی ہوا اور خوشبو اس کو پہنچتی رہے۔ اس کی قبر تا حد نگاہ کشادہ ہو جاتی ہے۔ ایک خوبصورت شخص اچھے لباس میں خوشبو میں بسا ہوا اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جاؤ کہ آج تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا پورا کیا جاتا ہے۔ وہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ شخص کہے گا میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ تو متوفی کہے گا اے اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت قائم کر دے۔ میں اپنے اہل اور مال سے ملوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بندۂ کافر جب دنیا سے منہ موڑنے لگتا ہے تو سیاہ رنگ کے فرشتے ٹاٹ لئے ہوئے آ پہنچتے ہیں اور تا حد نظر ہوتے ہیں۔ اب ملک الموت آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث روح نکل اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور غضب کی طرف جا تو وہ جسم کے اندر گھسنے لگتی ہے' فرشتے اس کو کھینچ کر نکالتے ہیں جیسے کہ لوہے کی سیخ بھیگے ہوئے بالوں کے اندر سے نکالی جاتی ہے۔ وہ اس کو لیتے ہی طرفتہ العین میں اس کو ٹاٹ کے اندر لپیٹ لیتے ہیں۔ اس کے اندر سے سڑے ہوئے مردار کی طرح بدبو نکلتی ہے اس کو لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں اور جہاں کہیں سے گزرتے ہیں فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی روح خبیث ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ابن فلاں کی۔ اور جب آسمان تک پہنچ کر کہتے ہیں کہ دروازہ کھولو! تو نہیں کھولا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ﴿ لا تفتح ﴾ والی آیت پڑھی۔

اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ اس کو زمین کے طبقہ زیریں کی ''سجین'' میں لے جاؤ۔ چنانچہ اس کی روح وہاں پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''جو اللہ تعالیٰ کا شریک کرتا ہے گویا آسمان سے گر پڑا اور پرندے اس کا گوشت نوچ رہے ہوں یا ہوائیں دور دراز اس کو لئے اڑ رہی ہوں''۔ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے۔ دو فرشتے آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا۔

پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کونسا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ہائے میں واقف نہیں۔ اب دریافت کرتے ہیں کہ تیری طرف کون بھیجا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے حیف مجھے علم نہیں۔ اب آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس کے لئے دوزخ کا فرش لاؤ اور دوزخ کا دروازہ اس پر کھول دو تاکہ اس کو دوزخ کی حرارت اور بادگرم پہنچتی رہے۔ اس کی قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور اتنا دباتی ہے کہ ہڈی پسلی مل جائے۔ ایک قبیح چہرے والا میلے کچیلے کپڑے پہنے بدبودار اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے اپنی بدبختیوں کی بشارت ہے یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا۔ وہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا عمل بد ہوں۔ کافر کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے قیامت قائم نہ ہو (تاکہ مجھے دوزخ میں نہ جانا پڑے)۔

براء بن عازب ؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ﷺ کے ساتھ باہر نکلے' جنازے کے ساتھ تھے' (باقی بیان سابقہ بیان کی طرح

ہے)۔ حتیٰ کہ مومن کی روح جب نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ سارے فرشتوں کی دعا یہی ہوتی ہے کہ اس کی روح کو ہمارے سامنے سے لیتے جائیں۔ کافر کی روح پر ایک ایسا فرشتہ متعین ہوتا ہے جو اندھا بہرا اور گونگا ہے۔ اس کے ہاتھ میں گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ پر مارے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کی ایک ہی چوٹ سے اس کا چورا ہو جاتا ہے بالکل مٹی بن جاتا ہے پھر وہ جیسا کا ویسا بحکم الٰہی بن جاتا ہے۔ پھر ایک اور مار پڑتی ہے وہ چیخ اٹھتا ہے کہ جن وانس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے۔ اب دوزخ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور آگ بچھ جاتی ہے۔ (ابوہریرہؓ سے ایک روایت بھی قریب قریب ایسی ہی ہے اس لئے ترجمہ غیر ضروری ہے۔) وقولہ تعالیٰ ﴿لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ یعنی اگر سوئی کے ناکے سے اونٹ باہر نکل سکتا ہے تو پھر کافر بھی داخل جنت ہو سکے گا۔ غرض یہ کہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو جمل پڑھتے تھے۔ یعنی ضم جیم اور تشدید میم کے ساتھ "جمل" موٹی رسی کو کہتے ہیں جس سے کشتیاں باندھی جاتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتلاتے ایسے لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کر دیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال کے بدلے۔

اہل ایمان کی سعادت مندی: اللہ پاک جب اشقیاء کا حال ذکر فرما چکا تو اب صاحب سعادت لوگوں کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو دل سے ایمان لا چکے ہیں اور اپنے جوارح سے عمل صالح کر چکے ہیں وہ برعکس ہیں ان لوگوں کے جنہوں نے آیات ربانی سے کفر کیا۔ یہاں اس بات کو روشنی میں لایا جا رہا ہے کہ ایمان اور عمل کچھ دشوار چیزیں نہیں 'بلکہ بہت سہل ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تکلیفات شرعی جو عائد کئے ہیں اور ایمان اور عمل صالح کو جو فرض قرار دیا ہے یہ انسان کی وسعت سے کچھ باہر نہیں۔ ہم کسی کو بھی اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے' یہی لوگ اہل جنت ہیں اور اہل ایمان کے دلوں میں جو کچھ باہمی بغض و کینہ ہو گا وہ ہم نکال دیں گے جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مومنین جب نار سے نجات پا جائیں گے تو وہ جنت اور دوزخ کے درمیان والے پل پر روک لئے جائیں گے پھر ان کے وہ مظالم زیر بحث آئیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان تھے حتیٰ کہ ان مظالم اور اس بغض و حسد سے جب ان کے دل پاک و صاف کر دیے جائیں گے تو پھر ان کو جنت کی طرف راہ دے دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی قسم ان کو جنت کی منزل اپنے دنیا کے مسکن سے زیادہ سہل معلوم ہو گی۔ اہل جنت جب جنت کی طرف بھیجے جائیں گے تو وہ باب جنت کے پاس ایک درخت پائیں گے جس کے

نیچے دو چشمے بہتے ہوں گے ایک میں سے پانی لے کر پئیں گے تو ان کے دل میں جو کچھ باہمی کینہ ہو گا سب دھل جائے گا۔ یہی شراب طہور ہے اور دوسرے چشمے میں نہائیں گے تو جنت کی سی تازگی ان کے چہروں پر نمایاں ہو جائے گی۔ پھر نہ تو بال بکھریں گے اور نہ سرمہ لگانے کی ضرورت ہو گی۔ پھر یہ لوگ جنت کی طرف گروہ در گروہ روانہ کئے جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان شاءاللہ انہیں لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دلوں میں کینہ تھا لیکن سب کا سینہ کینہ سے صاف کر دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم میں اہل بدر بھی ہیں اور انہیں کی شان میں یہ آیت اتری ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر جنتی کو دوزخ کا ٹھکانہ بتادیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری ہدایت نہ فرماتا تو میرا یہی ٹھکانہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا بڑا شکر ہے۔ اور ہر دوزخی کو جنت کا ٹھکانہ بتایا جائے گا وہ کہے گا کاش اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہدایت فرماتا تو یہ ٹھکانا میرا ہوتا اس طرح اس پر حسرت چھائی رہے گی۔ اور جب ان مومنین کو جنت کی بشارت مل جائے گی تو کہا جائے گا کہ یہ جنت اعمال صالح کے نتیجے کے طور پر تمہارا انعام ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے تم جنت میں داخل کئے گئے اپنے حسب اعمال اپنا ٹھکانہ بنالو اور یہ سب رحمت ربانی کا سبب ہے بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک تم میں سے جان لے کہ کسی کے عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچاتے ہیں۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے بھی شامل حال نہ ہو۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

وقف لازم

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا؟ وہ کہیں گے ہاں پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان ظالموں پر۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔

جنتیوں کا اہل جہنم سے سوال: اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے کے بعد بہ طور توبیخ و سرزنش ان سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ اصحاب جنت اصحاب نار سے کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا اس کو تو حق ثابت کر دکھایا کیا تم کو بھی حق کے اس وعدہ سے سابقہ پڑا جو تمہارے ساتھ رب نے کیا تھا۔ یہاں حرف "ان" قول محذوف کی تفسیر کر رہا ہے اور "قد" تحقیق کے لئے آیا ہے تو وہ کافر جواب دیں گے کہ ہاں۔ جیسا کہ سورۂ ﴿ صافات ﴾ میں حق تعالیٰ نے فرمایا اور اس شخص کے بارے میں خبر دی ہے جو زندگی میں کسی کافر کا رفیق تھا یہ کہ وہ مومن جب اپنے کافر رفیق کو دوزخ میں جھانک کر دیکھے گا تو کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو مجھے دنیا میں اپنی غلط رہ نمائی سے آج ہلاک ہی کر دینے والا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کرم شامل نہ ہوتا تو آج میں اسی کے ساتھ ہوتا۔ یہ کافر کہتے تھے کہ بس یہی ہم جو مر گئے سو مر گئے نہ پھر اٹھیں گے نہ کوئی عذاب ہو گا۔ فرشتے اب ان کے کان کھولیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو یہ ہے وہ دوزخ جس کا تم انکار کرتے تھے۔ یہ کوئی جادو ہے یا یہ کہ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ آؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ چار و ناچار اب تم کو صبر کرنا ہی پڑے

گا۔ تم اپنے کئے کا بدلہ پا رہے ہو۔ اسی طرح حضرت علیہ السلام نے مقتولین بدر کے کفار سے یوں خطاب فرمایا تھا کہ اے ابو جہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ 'اے شیبہ بن ربیعہ اور دیگر مقتول سرداران قریش کے نام لے لے کر فرمایا کہ کیوں! رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا پورا فرما لیا کہ نہیں' مجھ سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ علیہ السلام! آپ مردوں کو تخاطب فرما رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ تم سے کم نہیں سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے ہیں۔

پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالمین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے۔ انبیاء (علیہم السلام) کی راہ شریعت سے لوگوں کو منحرف کر دیتے تھے کہ لوگ ٹیڑھی راہ چلیں اور پیغمبر علیہ السلام کی پیروی نہ کریں۔ یہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا سامنا ہونے سے منکر تھے کیونکہ انہیں یوم حساب کا ڈر ہی نہیں تھا۔ یہ بڑے ہی بد لوگ تھے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ ع ۵ ۱۲

اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم! ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے اور اس کے امیدوار ہونگے۔ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے۔

اصحاب اعراف اور ان کا انجام: اہل جنت کا اہل نار سے تخاطب کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک آڑ ہوگی جو دوزخیوں کو جنت تک پہنچنے سے روک دے گی۔ جیسا کہ فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی گئی ہے۔ جس کے اندر کی طرف ایک دروازہ ہے جس میں رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہے وہی اعراف ہے جس کی نسبت فرمایا کہ اعراف پر لوگ ہوں گے۔ سدی سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ان کے درمیان آڑ ہوگی" میں "آڑ" یہی اعراف ہے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اعراف جمع ہے عرف کی۔ ہر مرتفع جگہ کو عرف کہتے ہیں۔ مرغ کی کلغی کو بھی اسی لئے عرف کہا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے۔ یہاں بھی لوگ روک رکھے گئے ہیں' یہ گنہگار ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اعراف اس لئے نام رکھا گیا ہے کہ یہاں کے لوگ اپنے لوگوں کو پہچان لیں گے۔ مفسرین کی تعبیریں اصحاب اعراف کے بارے میں مختلف ہیں۔ تقریباً سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں۔ رسول اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں وہ کہاں رہیں گے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہی لوگ صاحب اعراف ہیں یہ جنت میں تو نہیں داخل کئے جائیں گے لیکن انہیں جنت کی توقع ضرور ہوگی۔ پھر اسی قسم کے ایک سوال پر حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اصحاب اعراف وہ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے اور پھر قتل ہو گئے دخول جنت سے تو انہیں اس لئے روک دیا گیا کہ اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کیا تھا اور دوزخ سے اس لئے بچ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے تھے۔ اور ایک حدیث ہے کہ فرمایا' یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر برابر تھیں۔ برائیوں نے تو جنت میں جانے سے انہیں روک دیا اور نیکیوں نے دوزخ میں جانے سے باز رکھا' اب یہ لوگ اسی دیوار کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کرنے تک یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ اب ان کی نگاہیں

جب اصحاب نار کی طرف اٹھیں گی تو وہ کہیں گے یارب ان ظالمین میں سے ہمیں نہ بنا۔ یہ اسی طرح دعائیں مانگتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا' اچھا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب لے گا۔ جس کی ایک نیکی بھی بڑھ جائے گی وہ داخل جنت کر دیا جائے گا اور جس کی ایک برائی بھی بڑھ جائے گی اس کو دوزخ کی راہ بتادی جائے گی۔ پھر آپ ﷺ نے ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ والی آیت پڑھی۔

پھر فرمایا کہ میزان تو ایک دانہ کے فرق سے بھی جھک جائے گا اور چڑھ جائے گا اور نیکیاں اور بدیاں برابر ہوتی ہیں تو وہ پل پر ٹھہرا دیے جاتے ہیں وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچان لیتے ہیں۔ اہل جنت کو دیکھ کر سلام کہیں گے اور بائیں طرف اہل دوزخ دکھائی دیں گے تو کہنے لگیں گے کہ اے اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے ہمیں نہ بنانا۔ اصحاب حسنات کے سامنے ایک نور ہو گا جس کی راہنمائی میں وہ چلیں گے ایسے ہر نیک مرد اور عورت کے آگے نور ہو گا۔ صراط پر جب پہنچیں گے تو یہ نور ان لوگوں سے چھن جائے گا جو منافق ہوں گے۔ جب اہل جنت اس حال میں منافقین کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے اللہ! ہمارے نور کو قائم رکھ لیکن اصحاب اعراف کا نور ان کے سامنے ہو گا وہ دور نہ ہو گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ جنتی تو نہیں ہیں لیکن جنت کی توقع رکھتے ہیں۔ بندہ جب کوئی نیکی کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور کوئی بدی کرتا ہے تو ایک ہی بدی کا اندراج ہوتا ہے۔ وہ شخص بدنصیب ہے جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آگئی ہوں۔ جب اللہ پاک انہیں معاف فرمادے گا تو ایک نہر کی طرف بھیجے گا اس کو نہر حیات کہتے ہیں۔ جس کے کنارے سونے کے ہیں جن پر ہیرے اور موتی ٹکے ہیں۔ اس کی مٹی مشک ہے یہ لوگ اس نہر میں نہلائے جائیں گے تو ان کے رنگ درست ہو جائیں گے اور ان کی گردنوں پر سفید اور روشن علامات ظاہر ہو جائیں گی۔ اسی نشانی سے ان کا صاحب اعراف ہونا معلوم کیا جائے گا۔ جب ان کے رنگ نکھر جائیں گے تو اللہ پاک ان سے خطاب فرمائے گا کہ مانگو کیا چاہتے ہو؟ وہ اپنی خواہش ظاہر کریں گے۔ ان کی امیدیں پوری کی جائی گی اور کہا جائے گا کہ تمہاری درخواست سے اور ستر حصے تمہیں زیادہ دیا جاتا ہے وہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے ان کا نام ہو گا مساکین اہل جنت۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب کے آخر میں ان کا فیصلہ ہو گا۔ سب بندوں کا فیصلہ ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے صاحبان اعراف! تمہاری نیکیوں نے تم کو دوزخ سے بچالیا۔ لیکن جنت کا حق دار تم کو ثابت نہ کر سکیں۔ اب تم میرے آزاد کردہ ہو جاؤ۔ جنت سے استفادہ کرو جس طرح بھی تم چاہو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جو ناجائز پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنات کے مومنین' ان کے لئے بھی ثواب اور عذاب ہے۔ لوگوں نے ان کے ثواب کے بارے میں اور ان کے مومنین سے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب صاحب اعراف ہیں۔ یہ جنت میں امت محمدیہ کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ پوچھا کہ اعراف کیا ہے؟ فرمایا جنت کے قریب ایک دیوار ہے جس میں نہریں بھی ہیں' درخت اور پھل بھی ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ نیک لوگ ہیں جو فقہاء اور علماء ہیں۔ ﴿ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ج وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ ﴾ کے بارے میں ابو مجلز کہتے ہیں کہ جو لوگ اعراف پر متعین ہوں گے وہ فرشتے ہوں گے جو اہل جنت اور اہل نار کو پہچانتے ہوں گے اور اہل جنت کو ندا کر کے کہتے ہوں گے السلام علیکم۔ وہ جنت میں تو نہیں ہوں گے لیکن جنت کے آرزو مند ہوں گے اور دوزخیوں کو دیکھ کر دوزخ سے پناہ مانگیں گے۔ اصحاب اعراف ایسے لوگوں کو آوازدیں گے جن کو وہ روشن پیشانی سے پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غرور اور سرتابی نہیں کرتے تھے۔ یہ گنہگار لوگ تو جنتی نہیں ہو سکتے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پائی۔ اور جب جنتی جنت میں داخل کئے جائیں گے تو کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں' اب تم کو نہ کوئی خوف ہے نہ تم کو حزن و غم سے سابقہ ہو گا۔ یہ قول بہت غریب ہے اور سیاق عبارت بھی ظاہر کے خلاف ہے اور جمہور کا قول ہی مقدم ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے۔ حضرت مجاہد کا قول بھی جو اوپر بیان ہوا غرابت سے خالی نہیں۔ قرطبی نے اس بارے میں بارہ

قول نقل کئے ہیں۔ صلحاء انبیاء ملائکہ وغیرہ یہ جنتیوں کو ان کے چہرے کی رونق اور سفیدی سے اور جہنم والوں کو ان کے چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ پاک نے یہ منزلت ان کو اس لئے بخشی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ وہ اہل نار کو چہرے کی سیاہی سے پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں میں سے ہمیں نہ بنا۔ اسی حالت میں وہ اہل جنت کو سلام کہیں گے اور خود جنت میں داخل تو نہیں ہوئے لیکن امید رکھتے ہیں اور انشاء اللہ داخل ہوں گے۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ طمع ان کے دل میں صرف اس کرامت و مہربانی کے سبب ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر شامل رکھتا ہے اور وہ جو امید رکھیں گے اس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ بھی فرمادیا ہے یعنی کہدیا ہے کہ اہل دوزخ کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بچا۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ وہ اہل دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو ان کے چہرے جھلس اٹھیں گے اور جب اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو یہ بات جاتی رہے گی۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا۔ کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہ کرے گا۔ ان کو یوں حکم ہو گیا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے۔

قیامت کے دن حضرت محمد ﷺ کی شفاعت: اللہ تعالیٰ اس ملامت کا ذکر فرمارہا ہے جو اہل اعراف بروز قیامت مشرکین کے سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر کریں گے کہ تمہاری کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور عذاب الٰہی سے تمہاری سرکشی نے بھی تمہیں کوئی نفع نہ بخشا اور تم مستحق عذاب و نکال ہو گئے۔ یہی مشرکین اہل اعراف کے بارے میں کہتے تھے اور قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی نہیں ملے گی۔ اب اللہ تعالیٰ اہل اعراف سے کہے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہیں نہ خوف ہے نہ رنج و غم۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال برابر ہیں۔ یعنی اتنے نہیں کہ جنت میں جاسکیں اور نہ ایسے ہیں کہ دوزخ میں ڈالے جائیں۔ چنانچہ وہ اعراف کے اندر رہ کر دوزخیوں اور جنتیوں کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیں گے۔ پھر قیامت کے روز جب سب بندوں کے فیصلے ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔ لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے 'آپ ہمارے باپ ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے میرے سوا اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو اور اس میں خاص اپنی روح پھونکی ہو اور کیا ملائکہ نے میرے سوا کسی اور کو بھی سجدہ کیا ہے۔ لوگ کہیں گے نہیں۔ آدم علیہ السلام کہیں گے پھر بھی میں کنہ ذات الٰہی سے واقف نہیں، میں تو شفاعت کی طاقت نہیں رکھتا۔ تم میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ وہ کہیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے میرے سوا کسی کو خلیل قرار دیا ہے اور میرے سوا کیا کسی کو اس کی قوم نے آگ میں جھونکا ہے؟ لوگ کہیں گے نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میں شفاعت نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی کنہ سے واقف نہیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کہیں گے کیا میرے سوا اللہ تعالیٰ نے کسی سے براہ راست باتیں کی ہیں۔ مگر پھر بھی میں حقیقت الٰہی سے واقف نہیں تم

عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کیا میرے سوا اللہ تعالیٰ نے کسی کو بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور کیا کسی نے کوڑھی اور جذامی جیسے لا علاج مریض کو درست کیا ہے۔ اور میرے سوا کیا کسی نے مردے کو زندہ کیا ہے کہیں گے نہیں۔ پھر بھی میں اس کی ذات سے واقف نہیں۔ مجھے اپنی فکر ہے۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں سینے پر ہاتھ مار کر کہوں گا میں تمہاری سفارش کروں گا۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے آگے آکر کھڑا ہوں گا۔ اور میری زبان اللہ تعالیٰ کی تعریف میں ایسی کھل جائے گی کہ کبھی تم نے ایسی تعریف نہ سنی ہو گی۔ پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد (ﷺ)! سر اٹھاؤ' بولو کیا چاہتے ہو' شفاعت کرتے ہو تو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اب میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا۔ پھر سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اٹھو درخواست کرو۔ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا "یارب میری امت کو بخش دے"۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا "ہاں بخش دیا"۔ اس کیفیت کو دیکھ کر کوئی نبی مرسل اور کوئی فرشتہ نہ ہو گا جس کو رشک نہ ہو۔ یہی مقام محمود ہے۔

اب میں سب امتیوں کو لے کر جنت کی طرف آؤں گا۔ جنت کا دروازہ میرے لئے کھل جائے گا۔ اب ان سب امتیوں کو نہر کی طرف لے جایا جائے گا جس کو "نہر حیوان" کہتے ہیں۔ جس کے دونوں کنارے موتی' ہیرے اور زر سے مرصع ہونگے۔ اس کی مٹی مشک ہو گی' اس کے کنکر پتھر یاقوت ہوں گے۔ اس نہر میں یہ لوگ نہائیں گے اور ان کے رنگ جنتیوں کے سے ہو جائیں گے اور ان سے جنتیوں کی خوشبو پیدا ہو جائے گی ایسے معلوم ہوں گے گویا چمکتے تارے ہیں لیکن ان کے سینوں پر روشن نشانات ہوں گے جن سے وہ پہچانے جائیں گے۔ انہیں مساکین اہل الجنتہ کہا جائے گا۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے۔ جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

جہنم کی ہولناکیاں: اللہ تعالیٰ ذلت اصحاب نار کو بتا رہا ہے اور یہ کہ وہ کس طرح اہل جنت سے شراب و طعام مانگ رہے ہیں لیکن جنتی انہیں کچھ نہیں دیتے۔ دوزخی جنتیوں سے کہیں گے کہ کچھ پانی اور کچھ طعام ہمیں بھی دے دو۔ باپ سے بیٹا یا بھائی سے بھائی مانگے گا اور کہے گا کہ میں تو جل اٹھا ہوں تھوڑا سا پانی دے دو۔ لیکن وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ابو موسیٰ صفار نے ابن عباس ؓ سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ پانی ہے۔

کیا تم نے نہیں سنا کہ اہل نار اہل جنت سے پانی اور طعام مانگیں گے۔ ابو صالح سے روایت ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کے پاس کہلا بھیجو کہ انگور کا ایک جنتی خوشہ منگوادو شاید کہ اس کی برکت سے شفا ہو جائے۔ قاصد حضرت علیہ کے پاس آیا۔ ابو بکرؓ نبی اکرم علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے کہ کافروں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کی ہر چیز حرام کر دی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کافروں نے کس طرح دنیا میں مذہب و دین کو کھلونا بنا رکھا ہے اور دنیا کے اندر کس طرح بھول میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا کی زینت و آرائش میں کیسے مبتلا ہیں۔ اور آخرت کا سودا کرنے سے کیسے غافل ہیں۔ پھر فرمایا آج ہم بھی ان کو بھلا دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس یوم آخرت کو بھلا دیا تھا۔ یہ بھلانے کا لفظ بہ طور معاملہ اور بدلے کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو فراموش نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ فِیْ کِتَابٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی ﴾ یہاں مقصد صرف ﴿مقابلۃ﴾ بات کہنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ﴾ اور ﴿ کَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴾ اور ﴿ اَلْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ ابن عباسؓ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کرنا بھلا دیا ہے اور ان کو سزا دینا نہیں بھلایا۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیے تھے اور کیا تجھ پر انعام واکرام نہیں کیا تھا اور کیا اونٹ گھوڑے اور فیل و حشم نہیں دیے تھے اور کیا تو سرداری اور افسری نہیں کرتا تھا۔ بندہ کہے گا ہاں اے اللہ تعالیٰ تو نے سب کچھ دیا تھا۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تجھے یقین تھا کہ میرا سامنا کرنا پڑے گا وہ کہے گا اے اللہ تعالیٰ مجھے یقین نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جیسا تو نے مجھے بھلا دیا تھا آج میں بھی تجھے بھلا دیتا ہوں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۵۳

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح واضح کر کے بیان کر دیا ہے ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے۔ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آوے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کرے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جا سکتے ہیں تاکہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں۔ بے شک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں تراشتے تھے سب گم ہو گیا۔

مشرکین پر تکمیل حجت: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تکمیل حجت کر دی تھی یعنی پیغمبر بھیجے تھے کتابیں بھیجی تھیں جن میں بڑی کھلی کھلی دلیلیں تھیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ﴾ الخ یعنی ایسی کتاب جس کی آیتیں محکم ہیں اور ہر بات صاف صاف بیان کر دی گئی ہے۔ اور قول ﴿ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ﴾ یعنی جن باتوں پر ہم نے روشنی ڈالی ہے اس کو خوب جانتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس قول باری تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے کہ ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ یعنی یہ کتاب جو تم پر نازل کی گئی ہے اس سے تمہارے دل میں کوئی خلش نہ ہو جائے' اور آیت مندرجہ بالا ﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ ﴾ الخ۔ یہ بات جو ابن جریرؒ نے کہی ہے یہ قابل اعتراض ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں فصل طویل ہے اور اس دعوے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور یہاں بات تو صرف یہ ہے کہ جب اس بات کی خبر دے دی کہ وہ آخرت میں کیا خسارہ اٹھانے والے ہیں تو پھر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں رسول بھیج کر اور کتاب اتار کر ان کے سارے عذرات ختم کر دیے گئے ہیں' جیسا کہ فرمایا﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ یعنی ہم عذاب نہیں دیا کرتے جب تک کہ رہنمائی کے لئے رسول نہ بھیج دیں۔ اور اسی لئے آیت بالا میں فرمایا ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ﴾ یعنی وہ تو اس عذاب اور نکال اور جنت یا دوزخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ تاویل سے مراد عوض اور جزا ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ یوم حساب آنے تک یہ عوض ملتا رہے گا۔ حتیٰ کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ اس وقت جزا کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور جب کہ قیامت کے دن ایسا ہو گا تو وہ لوگ جنہوں نے عمل ترک کر دیا تھا اور دنیا میں اس کو بھول گئے تھے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حق بات لے کر آئے تھے تو کیا وہ ہماری نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے یا کم از کم پھر دنیا میں ہمیں بھیج دیا جائے گا کہ اب کے ہم سابقہ عمل کی طرح عمل نہ کریں۔ جیسے کہ فرمایا ' کاش تم ان لوگوں کو دیکھتے جب کہ وہ دوزخ میں جھونکے جانے کے لئے دوزخ کے منہ پر کھڑے کئے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کاش ہمیں پھر لوٹا دو' اب کے ہم قرآن کی تکذیب نہیں کریں گے اور مومن بنے رہیں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ کونسی بات پہلے سے ان کے دل میں چھپی ہوئی تھی۔ اور اگر دوبارہ وہ دنیا میں لوٹائے بھی جائیں تو پھر وہی کریں گے جس کی ممانعت کی گئی ہو گی' ان کی بات جھوٹ ہے کہ اب کے ایسا نہ کریں گے۔

جیسا کہ یہاں فرمایا ہے کہ ان کے نفوس بڑے نقصان اور خسران میں پڑ گئے اور جو کچھ وہ افترا کرتے تھے سب ہوا ہو گیا اور اب تو ہمیشہ کی دوزخ پلے پڑ گئی۔ ان کے بت ان کی سفارش نہیں کر سکتے اور نہ ان کو عذاب سے چھڑا سکتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔

آسمانوں و زمین کی پیدائش: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اس نے زمین و آسمان کو چھ (۶) دن میں پیدا کیا ہے جس کا قرآن میں کئی بار ذکر آیا ہے۔ وہ چھ دن یہ ہیں اتوار۔ پیر۔ منگل۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ۔ جمعہ ہی کے روز ساری مخلوق مجتمع ہوئی اور اسی روز آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ ایام کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ان' ان دنوں کی طرح تھا جیسا کہ ذہن فوراً اسی خیال کی طرف منتقل ہوتا ہے یا یہ کہ ایک ہزار سال والا دن تھا۔ اب رہ گیا ہفتہ کا دن۔ اس دن کچھ پیدا نہیں کیا گیا۔ پیدائش اس روز منقطع تھی اسی لئے اس ساتویں دن یعنی ہفتہ کے دن کو یوم السبت کہتے ہیں اور "سبت" کے معنی قطع کے ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز زمین پیدا کی اور اتوار کے روز پہاڑ پیدا کئے۔ اور پیر کے روز درخت پیدا کئے۔ برائیاں اور مکروہات منگل کے روز نور بدھ کے روز اور تمام جانور اور ذی روح جمعرات کے روز اور آدم علیہ السلام کو عصر کے بعد بروز جمعہ آخری گھنٹے میں عصر اور مغرب کے درمیان۔ اس حدیث سے تو ساتوں دن مصروف ثابت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ چھ دن مصروفیت کے تھے اس لئے بخاری وغیرہ نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ابوہریرہؓ نے کعب احبارؓ سے سن کر کہہ دیا ہوگا واللہ اعلم۔

ان چھ دن کی مصروفیت کے بعد وہ عرش پر جلوہ افروز ہو گیا۔ اس مقام پر لوگوں نے بہت کچھ خیال آفرینیاں کی ہیں اور بہت خیالات دوڑائے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ ہم اس بارے میں صرف سلف صالحین کا مسلک اختیار کرتے ہیں یعنی مالک اوزاعی ثوری لیث بن سعد شافعی احمد اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ اور نئے پرانے ائمۃ المسلمین۔ اور وہ مسلک یہ ہے کہ اس پر یقین کر لیا جائے بغیر کسی کیفیت و تشبیہ کے اور بغیر اس فوری خیال کی طرف ذہن لے جانے کے کہ جس سے تشبیہ کا عقیدہ ذہن میں آتا ہے اور جو صفات اللہ تعالیٰ سے بعید ہے۔ غرض جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بغیر اس پر کچھ خیال آرائی اور شبہ کرنے کے تسلیم کر لیا جائے اور چون وچرا اس میں نہ پڑیں۔ کیونکہ اللہ پاک کسی شے کے مشابہ اور مماثل نہیں ہے وہ سمیع اور بصیر ہے۔ جیسا کہ مجتہدین نے فرمایا جن میں سے نعیم بن حماد الخزاعی بھی ہیں جو بخاریؒ کے استاد ہیں کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے تشبیہ دی وہ کفر کا مرتکب ہو گیا۔ اور اللہ پاک نے جن صفات سے اپنے کو متصف فرمایا ہے اس سے انکار کیا تو کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن باتوں سے اللہ تعالیٰ کی توصیف نہیں کی ویسی توصیف کرنا یہی تشبیہ ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ اوصاف ثابت کئے جن کی صراحت آیات الٰہی میں اور احادیث صحیحہ میں ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال کو ثابت کرتی ہیں اور ہر نقائص سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو بری کرتی ہیں تو ایسا ہی شخص صحیح خیال پر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ڈھانکتا ہے رات سے دن کو یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی سے اور دن کی روشنی رات کی تاریکی سے ڈھانک دیتا ہے اور اس رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کو بڑی تیزی سے پالیتے ہیں۔ یعنی یہ ختم ہونے لگتا ہے تو وہ آدھمکتا ہے اور وہ رخصت ہونے لگتا ہے تو یہ فوراً آپہنچتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴾ یعنی ان کے لئے اس میں نشانی ہے کہ رات کے ذریعہ دن کی پوست کشی ہوتی ہے اور یکایک تاریکی پھیل جاتی ہے اور سورج اپنی قرارگاہ کی طرف دوڑتا ہے۔ یہ عزیز و علیم کا مقرر کردہ اصول ہے۔ قمر کے ہم نے منازل قرار دے رکھے ہیں وہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ کسی روز کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح باریک ہو جاتا ہے۔ شمس سے یہ ناممکن ہے کہ وہ قمر سے آگے بڑھے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے ہر ایک اپنے مقررہ دائرہ اور مدار پر گردش کرتے رہتے ہیں اسی لئے ﴿ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ﴾ فرمایا۔ بعض شمس و قمر کو نصب سے پڑھتے ہیں اور بعض رفع سے اور دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی سب چیزیں اس کے تحت تصرف میں اور اسی کی تسخیر و مشیت کے اندر ہیں اسی لئے فرمایا ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ یعنی ملک اور تصرف اسی کا حق ہے۔ قولہ ﴿ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ جیسا کہ فرمایا ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا ﴾ الخ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عمل صالح کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے بلکہ اپنی تعریف کرے اس نے کفر کیا اور اس کا عمل سلب کر لیا جائے گا اور جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی کوئی حکومت یا قدرت منتقل کر دی ہے۔ تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ فرمایا ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ دعائے ماثورہ میں ہے کہ یوں دعا مانگا کرے ﴿ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَاِلَیْكَ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ كُلِّهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ ﴾

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ۭ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۞ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں۔ اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

دعا میں عاجزی و انکساری: اللہ پاک اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھاتا ہے جو دین اور دنیا میں ان کا سبب بن سکے۔ فرمایا کہ نہایت خلوص کے ساتھ مخفی طور پر دعا کیا کرو۔ جیسا کہ فرمایا ''رب کو اپنے دل میں یاد کیا کرو''۔ لوگ بہت بلند آواز سے دعائیں مانگنے لگتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! اپنے نفسوں پر رحم کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس سے تم دعا کر رہے ہو وہ قریب تر ہے وہ سن رہا ہے''۔ دعا میں تذلل اور تضرع اختیار کرو اور عاجزی کے ساتھ مخفی طور پر دعا مانگو، خشوع قلب حاصل رہے۔ اس کی وحدانیت پر یقین کامل ہو۔ ریاکاری کے طور پر بلند آواز سے دعا نہیں مانگنا چاہئے۔ ریاکاری سے بچنے کے لئے پہلے کے لوگ اگرچہ حافظ ہوتے تھے۔ لیکن لوگوں کو اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا تھا، ایک شخص بڑا فقیہ اور عالم ہوتا اور لوگ اس کے علم سے واقف تک نہ ہوتے۔ لوگ رات کو اپنے گھروں میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے اور ان کے گھر میں مہمان ہوتے مگر انہیں خبر تک نہ ہوتی۔ لیکن آج کل ہم ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اگرچہ عبادت کو چھپا کر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن ہمیشہ علانیہ کرتے دیکھے گئے ہیں۔ پہلے کے مسلمان جب دعا مانگتے دیکھے جاتے تھے تو سوائے کھسر پھسر کے ان کے منہ سے آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تضرع کے ساتھ اور مخفی طور پر دعا مانگو۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایک برگزیدہ بندے کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ جب اپنے رب کو پکارتا تھا تو بہت ہی پست آواز میں پکارتا تھا۔ آواز کو بلند کرنا بہت ہی مکروہ ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ کی تفسیر میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دعا میں اپنی حد سے تجاوز کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ ابو مجلز کہتے ہیں کہ منازل انبیاء حاصل ہونے کی دعا نہ مانگا کرو۔ سعد نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ یوں دعا مانگ رہا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں جنت اور جنت کی نعمتیں اور جنت کے ریشمی کپڑے مانگتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور اس کی زنجیروں اور بیڑیوں سے۔ تو باپ نے کہا کہ تم نے خیر مانگنے میں بھی انتہا کر دی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زمانہ قریب میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دعا کرنے میں حد سے آگے بڑھ جائیں گے اور وضو کرنے میں حد سے زیادہ پانی پھینکنے لگیں گے، اور پھر یہ آیت پڑھی ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا ﴾ الخ۔ تمہارے لئے تو صرف اس قدر دعا مانگنا کافی ہے کہ ''اے اللہ! میں تجھ سے جنت اور جنت سے قریب کرنے والے قول و عمل مانگتا ہوں اور دوزخ اور دوزخ سے قریب کرنے والے قول و فعل سے پناہ مانگتا ہوں''۔ عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ یوں دعا مانگ رہا ہے کہ ''اے اللہ تعالیٰ! میں جنت کی سیدھی طرف کا سفید محل مانگتا ہوں''۔ تو کہا اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے صرف جنت کا سوال کر اور صرف دوزخ سے پناہ مانگ۔

اللہ پاک کا قول ہے کہ دنیا میں امن کی حالت کے بعد فساد نہ پیدا کرو کیونکہ امن کے بعد فساد بہت برا ہوتا ہے کیونکہ امور جب اپنی حالت امن پر چل رہے ہوں اور فساد ڈال دیا جائے تو بندے بڑے بڑے تباہ ہو جاتے ہیں، اسی لئے اللہ پاک نے ﴿ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ کی قید لگائی اور دعا کو عاجزی کے ساتھ مانگنے کے لئے کہا ہے اور فرمایا کہ ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ یعنی عذاب و عقاب سے ڈر کر اور اللہ تعالیٰ کی نعمت و ثواب کی طمع کر کے دعا مانگو۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔ یعنی اس کی رحمت نیکوکاروں کے انتظار میں ہے جو لوگ امر ربانی کی پیروی کرتے ہیں اور زواجر و منہیات سے باز رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ

شئیٍ﴾ ﴿رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ﴾ فرمایا ہے ﴿ قَرِیۡبَةٌ ﴾ نہیں فرمایا حالانکہ رحمت مونث ہے تو صیغہ بھی مونث ہونا چاہیے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت کو ثواب کے معنی میں لے کر معنوی طور پر اس کو مذکر قرار دیا اور اس لئے بھی کہ ذات ربانی کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہے۔ طاعت کے سبب محسنین کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا سہارا مل گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب ہو گئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

اور وہ ایسا ہے کہ اپنے باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو۔ اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

باران رحمت کا نزول: اللہ پاک جب اس ذکر سے فارغ ہو چکا وہ خالق ارض و سما ہے متصرف اور حاکم اور مدبر ہے۔ اور دعا مانگنے کے طریقہ کی بھی جب تعلیم دے دی' تو اب اس بات سے آگاہ فرماتا ہے کہ وہی رازق ہے مرنے والے کو وہی قیامت کے روز اٹھائے گا۔ ہواؤں کو وہی بھیجتا ہے کہ پانی بھرے بادلوں کو ہر چہار طرف پھیلائیں۔ بعض نے ﴿ نَشۡرًا ﴾ کو ﴿ بُشۡرًا ﴾ پڑھا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے ﴿ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ یُّرۡسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ ﴾ یعنی ہوائیں بارش کی بشارت دیتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ﴾ یہاں رحمت سے مراد بارش ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ لوگوں کے ناامید ہو چکنے کے بعد وہ بادل کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت کو برساتے ہیں یعنی پانی کو۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت پر نظر ڈالو کہ زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد کس طرح اس کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے ﴿ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا ﴾ یعنی ہوائیں بوجھل بادلوں کو اٹھائے ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان میں وزن دار پانی ہوتا ہے جو زمین سے قریب تر ہوتی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ﴿ سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ ﴾ اور ہم مردہ اور قحط زدہ خشک زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَةُ اَحۡیَیۡنٰهَا ﴾۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے ﴿ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی ﴾ یعنی جس طرح ہم زمین کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کرتے ہیں اسی طرح اجسام کو خاک ہو جانے کے بعد بھی بروز قیامت زندہ کریں گے۔ اللہ پاک آسمان سے پانی برسائے گا اور چالیس دن تک زمین پر بارش ہوتی رہے گی اور کالبدہائے انسانی اپنی اپنی قبور سے اس طرح اٹھنے لگیں گے جیسے کہ زمین سے دانہ اگنے لگتا ہے۔ اس مضمون کی آیتیں قرآن میں کثرت سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز کو بہ طور مثال ذکر فرمایا ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ﴾ اس غرض سے کہ شاید تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ وقولہ ﴿ وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ﴾ اچھی زمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نباتات اگتے ہیں۔ ﴿ وَالَّذِیۡ

خُبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا﴾ اور جو خراب زمین ہے جیسے سنگلاخ اور ریتلی اس سے ویسی ہی پیداوار ہو گی یا نہ ہو گی۔ یہ بات مومن اور کافر کے لئے بہ طور مثال بیان کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس ابر کی سی ہے جو زمین پر برسے۔ چنانچہ جو زرخیز زمین ہوتی ہے وہ پانی کو قبول کرتی ہے اور سبزہ اور پیداوار اگاتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لوگ پیتے سیراب ہوتے اور زراعت کرتے ہیں۔ اور ایک دوسری زمین ہوتی ہے چٹیل بنجر زمین کہ پانی ڈھل جاتا ہے۔ گھاس اور سبزہ نہیں اگتا۔ یہ ان دو قسم کے لوگوں کی مثالیں ہیں کہ ایک نے علم سیکھا دین الٰہی سے واقف ہوا اور میرے مبعوث ہونے سے فائدہ اٹھا لیا اور ایک وہ ہوتا ہے جس نے کچھ نہ سیکھا نہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل کی جو میری معرفت بھیجی گئی ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ان کی قوم کے آبرودار لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔

نوحؑ کا اپنی قوم کو وعظ کرنا: اللہ پاک جب اول سورۃ میں آدم علیہ السلام اور ان سے متعلقات کا قصہ بیان کر چکا تو انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرماتا ہے۔ ابتداذکر نوح علیہ السلام سے فرمائی جاتی ہے کیونکہ آپ ہی سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بعد دنیا میں بھیجا۔ وہ نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ ہیں' اخنوخ ہی کا نام ادریس نبی ہے' انہیں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ فن تحریر انہیں نے ایجاد کیا' اخنوخ بن برد بن مہلیل بن قنین ابن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ کسی نبی نے ایسی تکلیفیں نہیں اٹھائیں جیسی نوح علیہ السلام نے۔ ہاں بعض نبی قتل بھی کئے گئے ہیں۔ نوح علیہ السلام اپنے نفس پر بہت نوحہ کرتے تھے اسی لئے نوح ان کا نام پڑ گیا۔ آدم علیہ السلام سے زمانہ نوح علیہ السلام تک دس صدیاں گزری ہیں۔ یہ سب اصول اسلام و توحید پر تھے۔

علماء تفسیر کہتے ہیں کہ اصنام پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ وہ لوگ جو صالحین تھے جب مر گئے تو ان کے معتقدین نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان کی تصویریں بنا کر اس میں رکھنے لگے تاکہ انہیں دیکھ کر ان کی حالت اور عبادت کو یاد کرتے رہیں اور انہیں جیسے بننے کی کوشش کرتے رہیں۔ جب کچھ زمانہ گزر گیا تو ان کی تصویروں کے بجائے ان کے پتلے بنا دیئے گئے۔ کچھ دنوں بعد ان پتلوں کا احترام کرنے لگے اور پرستش ہونے لگی۔ ان پتلوں کے نام بھی انہیں صالحین کے نام پر تھے یعنی ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر وغیرہ۔ جب یہ مجسمہ پرستی بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا کہ پرستش صرف اللہ واحد کی کی جائے کہ ''اے قوم! عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو' اس کے سوا اقتدار اور کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب عظیم نازل ہو جائے''۔ تو ان کی قوم نے

جواب دیا کہ ہمارے آباء واجداد بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ تم ان کی پرستش سے ہمیں روکتے ہو۔ ہم تو تم کو اس بارے میں بڑی غلطی اور گمراہی میں سمجھتے ہیں۔ آج کل کے فجار کا یہی حال ہے کہ وہ خود نیکو کاروں پر گمراہی کا الزام لگاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ ﴿ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴾ یعنی یہ بدکار جب نیکوکاروں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ گمراہ ہوگئے ہیں اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ اگر اس کی بات درست ہوتی تو ان سے پہلے ہمیں اسکو اختیار کرتے۔ اور چونکہ خود انہوں نے ہدایت نہیں پائی تھی تو کہنے لگے کہ گمراہ تو یہ خود ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اس قسم کی بہت آیات ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے نوح علیہ السلام کہتے ہیں کہ اے لوگو! میں گمراہ نہیں ہو گیا ہوں۔ میں وہ پیام پہنچا رہا ہوں جو خاص اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم ہے جو تمہیں نہیں ہے۔ رسول کی یہی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ ایک فصیح و بلیغ اور ناصح مبلغ ہو۔ اللہ کی مخلوقات میں ان صفات سے متصف دوسرے نہیں ہوا کرتے۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے یوم عرفہ میں فرمایا جہاں ہزاروں لوگ جمع تھے کہ اے لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا اور میرے ادائے فریضہ کی تم سے تصدیق طلب کی جائے گی تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم اس کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ و خیر خواہی ادا کر دیا اور رسالت کا فریضہ پورا کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔ پھر ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ "اے اللہ تعالیٰ گواہ رہ گواہ رہ کہ یہ میری تصدیق کر رہے ہیں"۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔

قوم نوح ؑ کا پانی میں غرق ہونا: اللہ پاک قوم نوح علیہ السلام سے متعلق فرماتا ہے کہ تمہیں اس بات پر تعجب کیوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کسی آدمی پر وحی بھیجتا ہے۔ یہ تو تم پر لطف و کرم ہے۔ وہ تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دور رہو اور شرک نہ کرو شاید کہ تم پر رحم و کرم ہو جائے۔ لیکن قوم نے نوح علیہ السلام کو جھٹلا دیا نوح علیہ السلام کی مخالفت کرنے لگے اور بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دی اور ہماری تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ اپنے گناہوں کے سبب وہ غرق کر دیے گئے اور دوزخ میں جھونکے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کے سوا کون ان کا مددگار ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ اندھے تھے کہ حق چیز کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دشمنی کرنے کی کیسی سزا ملی رسول اور مومنین نجات پا گئے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں غلبہ اور کامیابی نیکوں ہی کو حاصل ہے خواہ دنیا میں یا عاقبت میں ہو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قوم نوح اتنی کثیر تھی کہ شہر اور جنگل بھر گئے تھے ہر حصہ زمین پر ان کا قبضہ تھا۔ نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والے اسی (۸۰) لوگ تھے انہیں میں سے ایک جرہم تھا جس کی زبان عربی تھی۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں' سو کیا تم نہیں ڈرتے۔ ان کی قوم میں جو آبرو دار لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں ذرا کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

ہودؑ کی اپنی قوم کو تبلیغ: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے قوم نوح کی طرف رسول بھیجا تھا قوم عاد کی طرف بھی انہیں میں سے ایک شخص ہود کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ یہ عاد بن ارم کی اولاد تھے بڑے بڑے مکانات میں رہتے تھے' جیسے کہ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے کیسی سزا دی ان کے مکان اور باغ بڑے بڑے ستون والے تھے۔ شہروں میں ایسے بڑے مکانات کہیں بھی نہیں تھے اور یہ ان کی زبردست قوت جسمانی کی دلیل تھی۔ جیسا کہ فرمایا کہ لیکن قوم عاد فخر وناز میں پڑ گئی ناحق غرور کرنے لگی اور کھلا دعویٰ کرنے لگی کہ ہم سے بڑھ کر قوی کون ہے؟ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا کیا ہے' وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ وہ ہماری آیتوں اور معجزوں کا انکار کرتے تھے۔ ان کے مساکن ملک یمن میں احقاف میں تھے اور وہ ایک ریگستانی اور پہاڑی قوم ہے۔ حضرت علیؓ نے حضر موت کے رہنے والے ایک آدمی سے کہا کہ کیا تم نے سرزمین حضر موت میں کوئی سرخ ٹیلہ دیکھا جس کی مٹی سرخ ہے۔ اس ٹیلے کے فلاں فلاں کنارے پر بیری اور پیلو کے بہ کثرت درخت ہیں۔ اس نے کہا ہاں اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی قسم آپ تو اس طرح بتا رہے ہیں جیسے کہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ آپ نے فرمایا دیکھا تو نہیں' لیکن مجھے ایسی حدیث پہنچی ہے۔ اس نے کہا' یا امیر المومنین! آپ اس بارے میں کیا فرمانا چاہتے تھے؟ آپ نے کہا یہیں ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ قوم عاد کے مساکن یمن میں تھے اور ہود علیہ السلام وہیں مدفون ہیں۔ ہود علیہ السلام اپنی قوم میں شریف ترین خاندان سے تھے۔ سارے رسول افضل القبائل ہوتے ہیں۔ لیکن ہود علیہ السلام کی قوم جسمانی حیثیت سے جس طرح بڑی سخت تھی' دل بھی ان کا ایسا ہی سخت تھا اور حق کی تکذیب سب امتوں سے بڑھ کر انہوں نے کی۔ اسی لئے "ہود علیہ السلام ان کو رب واحد کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلاتے تھے۔ لیکن ہود علیہ السلام کی اس کافر جماعت نے یہ کہا کہ "اے ہود! ہم تو تمہیں بڑا بے سمجھ اور گمراہ پاتے ہیں کہ

ہم کو ترک عبادت اصنام کی دعوت دیتے ہو اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مشورہ دیتے ہو"۔ جیسا کہ قریش نے نبی اکرم ﷺ کی ایسی ہی دعوت پر تعجب کیا تھا کہ کیا اس نے اتنے سارے خداؤں کو ایک (رب) اللہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ غرض ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے لوگو! مجھ میں بے سمجھی نہیں ہے بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' رب کی طرف سے حق بات لے کر آیا ہوں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے وہ ہر شے کا رب ہے۔ میں رب کے پیغامات تم کو پہنچا رہا ہوں۔ میں تمہارا صحیح معنی میں خیر خواہ ہوں۔ یہی وہ صفات ہیں جن سے رسول متصف رہتے ہیں' یعنی نصیحت اور امانت' اگر تمہارے ہی ایک آدمی پر وحی آئی اور تمہاری ہی بہتری کی خاطر اس نے تم تک پہنچائی' تو اس میں تعجب کیوں کرتے ہو؟ بلکہ یہ تو تمہارے لئے شکر کی جگہ ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو ان کی جگہ دی اور وہ قوم تو ہلاک ہو گئی جس نے اپنے رسول کا کہا نہیں مانا تھا اور پھر یہ کہ جسمانی حیثیت سے تم کو بہت ہی توانا بنایا ہے۔ تم دوسری قوموں کی بہ نسبت بہت دراز قامت ہو اور چوڑے چکلے ہو۔ اسی قسم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قصہ طالوت میں کیا ہے کہ علمی اور جسمانی قوت میں طالوت بہت ہی خصوصیت رکھتے تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو' اس کے احسانات کو زیر غور لاؤ' شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹

وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان کو چھوڑ دیں۔ اور ہم کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے ان کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

قوم عاد کی تباہی و بربادی: اللہ پاک خبر دے رہا ہے کہ یہ کفار ہود علیہ السلام کے ساتھ کس طرح انکار اور طغیان و عناد سے پیش آئے اور کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اسی لئے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور ہمارے آباء واجداد جن کی عبادت کرتے تھے' ان سب کو چھوڑ دیں۔ اچھا اگر تم سچے ہو تو جن عذابوں سے ڈرا رہے ہو' لا نازل کرو۔ جیسا کہ کفار قریش کہتے ہیں کہ اگر عذاب کی تمہاری یہی دھمکی سچ ہے تو آسمان سے پتھر برسا دو اور عذاب الیم میں ہمیں ماخوذ کر ہی لو۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ لوگ اصنام کی پرستش کرتے تھے۔ ایک صنم کا نام تھا صمد اور دوسرے کا نام تھا صمود اور ایک کا نام تھا ہبا۔ اسی لئے ہود علیہ السلام نے کہا تھا کہ تمہارے اس کہنے کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب واجب ہو چکا ہے۔ کہا گیا ہے کہ رجس سے مراد ہے رجز یعنی عذاب۔ کیا تم

مجھ سے ان اصنام کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے نام خود تم نے یا تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں۔ یہ اصنام تو نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ ضرر اور نہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کی عبادت کی تمہیں کوئی سند دی ہے نہ اس بات کی کوئی دلیل ہے۔ اگر یہی بات ہے تو اچھا عذاب کے منتظر رہو' تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ یہ رسول کی طرف سے اپنی قوم کو بڑی زبردست تہدید ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ہود علیہ السلام کو تو بچالیا اور ان کے ساتھیوں کو بھی' اور جو ہود علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی ان کا قصہ ہی پاک کر دیا۔ ان کی ہلاکت کے واقعات قرآن میں دوسرے مقامات پر اس طرح مذکور ہیں کہ ان پر ایک سخت آندھی بھیجی گئی اور جن تک وہ پہنچی ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ عاد ایک ہوائے صرصر کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ آندھی آٹھ دن اور سات راتوں تک چلتی رہی۔ یہ سرکش لوگ ایسے مرے پڑے تھے کہ جیسے کھجور کے درختوں کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ ان کی سرکشی کے سبب ایک زبردست آندھی بھیج کر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ہوا ان کو آسمان پر لے اڑتی تھی پھر سر کے بل زمین پر گرا دیتی تھی۔ سر ٹوٹ کر دھڑ سے الگ ہو جاتا تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ درخت خرما کے تنے کے مانند ہو گئے تھے جن کی ڈالیاں اور سرے خالی ہوں۔ یہ لوگ ملک یمن میں عمان و حضر موت کے درمیان رہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ساری سرزمین میں دور دور پھیل گئے اور اپنی قوت کے مظاہرہ میں لوگوں پر ظلم و زبردستی کرنے لگے تھے۔ یہ بتوں کو پوجتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ہود علیہ السلام کو بھیجا اور وہ بہ لحاظ نسب ان سب میں شریف تر تھے۔ ان کی تاکید تھی کہ اللہ تعالیٰ کو واحد قرار دیں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آئیں' لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ان کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر طاقت ور کون ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگ بہت تھوڑے تھے۔ جب عاد نے اس طرح سرکشی سے کام لیا اور دنیا میں فساد مچاتے پھرنے لگے اور بلاضرورت بڑی بڑی عمارتیں اور محل بنانے لگے تو ہود علیہ السلام ان سے یوں مخاطب ہوئے کہ تم لوگ ہر جگہ بلاضرورت مکانات بناتے ہو اور ایسے مستحکم محل بناتے ہو گویا تمہیں یہاں ہمیشہ ہی رہنا ہے اور جب تم کسی پر تسلط پاتے ہو تو بڑی سختی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میری سنو! تو وہ کہنے لگے اے ہود! تم ایک بے دلیل آدمی ہو تمہارے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑ سکتے اور ہم تم پر ایمان نہیں لا سکتے۔ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ تم پر ہمارے کسی خدا کی لعنت پڑی ہے کہ دیوانے ہو گئے ہو۔ ہود علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تمہاری مشرکانہ ذہنیت سے میں بالکل بری ہوں۔ اب تم سب مل کر میرے ساتھ جو چال چلنا چاہتے ہو چلو اور مجھے مہلت تک نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے وہ میرا اور تمہارا بھی رب ہے۔ تم تو کیا کوئی جانور بھی ایسا نہیں جو اس کی گرفت میں نہ ہو۔ میرا رب جو کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے۔ یہ لوگ جب کفر پر بالکل ہی اڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے تین برس تک ان سے بارش روک رکھی۔ وہ سخت فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور اس طرح جب وہ کسی سخت آفت میں مبتلا ہو جایا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ سے کشادکار کی دعائیں مانگنے لگتے اور ان کا یہ دستور تھا کہ کسی کو بیت اللہ بھیجتے۔ اس زمانے میں مکہ میں ان کے قبیلہ کے چند لوگ عمالیق سکونت پذیر تھے اور یہ عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی نسل سے تھے اس قبیلہ کا سردار ان دنوں وہاں معاویہ بن بکر نامی ایک شخص تھا اس کی ماں قوم عاد میں سے تھی اس کا نام جلہذہ تھا' خبیری کی بیٹی تھی۔ چنانچہ قوم عاد نے ستر آدمیوں کا ایک وفد حرم کی طرف بھیجا تاکہ کعبۃ اللہ میں جا کر پانی برسنے کی دعا کریں۔ یہ لوگ اپنے قبیلہ والے معاویہ ابن بکر کے پاس مکے سے باہر ٹھہرے۔ ایک مہینے تک اس کے پاس قیام کیا۔ شرابیں پیتے اور اس کے پاس دو مغنیہ کنیزوں کے گانے سنتے رہتے۔ مہینہ بھر تک ان کا قیام طویل ہو گیا۔ ادھر معاویہ کا اپنی قوم عاد کی پریشاں حالی اور قحط کے سبب دل بہت زیادہ تنگ تھا۔ لیکن مہمانوں سے رخصت ہونے کے لئے کہنے سے شرم کرتا تھا۔ چند شعر بنائے اور ان مغنیات کو کہا کہ یہ اشعار ان کے سامنے گائیں۔ وہ یہ تھے۔ "اے قیل! تجھ پر افسوس' اٹھ' جا دعا مانگ۔ شاید اللہ تعالیٰ بادلوں کو برسنے کے لئے بھیج دے تاکہ سرزمین

عاد سیراب ہو جائے کیونکہ قوم عاد کی حالت تو اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بات تک اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ پیاس سے دم نکل رہا ہے۔ بوڑھے اور جوان کسی کو زندگی کی آس باقی نہیں رہی' ان کی عورتوں کی بھی خیر نہیں۔ وہ بھوک پیاس سے بے سدھ ہو گئی ہیں۔ وحوش کھلے بندوں ان کی بستیوں میں گھس آئے ہیں کیونکہ کسی اہل عاد سے انہیں خوف نہیں رہا کہ تیر مار کر انہیں ہلاک کریں گے کیونکہ تیر چلانے کی قوت ہی نہیں رہی ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ ان کے روز و شب اب ختم ہی ہو رہے ہیں۔ کسی قوم کا وفد تم جیسا منحوس وفد نہ ہو گا۔ تم پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو''۔ یہ سن کر اس وفد کے لوگوں کو احساس ہوا۔ کعبۃ اللہ میں گئے اور اپنی قوم کے لئے دعا مانگنے لگے۔ اس وفد کے سربراہ کا نام قیل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تین ابر ظاہر ہوئے۔ ایک سفید ایک کالا ایک سرخ۔ آسمان سے ایک ندا سنائی دی کہ اپنی قوم کے لئے ان تینوں میں سے ایک ابر پسند کر لے۔ قیل نے کہا میں یہ سیاہ ابر پسند کرتا ہوں سیاہ ابر بہت برسنے والا ہوتا ہے۔ ندا آئی کہ تو نے تو رماد اور خاک کو پسند کیا ہے قوم عاد سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ یہ ابر نہ تو باپ کو چھوڑے گا نہ بیٹے کو' سب کو برباد کر کے رکھ دے گا لیکن عاد کا قبیلہ بنی الوذیہ محفوظ رہے گا۔ عاد کا یہ قبیلہ مکہ میں قیام پذیر تھا اس پر کچھ آنچ نہ آئی' ساری قوم عاد تباہ ہو گئی۔ جو لوگ بچ گئے وہ اسی قوم کے قبیلہ بنی الوذیہ والے تھے اس کی نسل اور ذریت سے وہ قوم باقی رہی جس کو عاد ثانی کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کالا ابر بھیجا جس کو قیل نے پسند کیا تھا اور یہی اس قوم کے عذاب کا سبب بنا۔ مغیث نامی ایک وادی سے اٹھا' لوگوں نے اس کو دیکھا تو خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو برسنے والا ابر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بادل کو ہوا ز وروں سے بہاتی ہوئی لائی' اس میں عذاب الیم تھا' جو ہر شے کو ہلاک کر دے۔ اس ابر کے اندر ایک شے کو سب سے پہلے جس نے دیکھا وہ ایک عورت تھی جس کا نام ممید تھا۔ اس نے اس ابر کے اندر جو کچھ دیکھا وہ اس کے سبب بیہوش ہو کر گر گئی۔ ہوش میں آئی تو کہا کہ اس ابر کے اندر آگ کے شعلے تھے کچھ لوگ دکھائی دیئے جو ان شعلوں کو کھینچے لا رہے ہیں۔ چنانچہ سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ بادل برستا رہا اور کوئی عادی ہلاک ہونے سے نہیں بچا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنین یہاں سے ہٹ گئے تھے اور ایک کھیت میں پناہ گزیں ہو گئے تھے وہاں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا۔ باغ کی ٹھنڈی ہوا ان کے جسموں کو چھوتی رہی اور روح کو تازگی بخشتی رہی۔ لیکن قوم عاد پر یہ باد و باراں سنگ باری کرتا رہا' ان کے سر ٹوٹتے رہے۔ اس قصہ کا ذکر بہت طویل ہے اور سیاق عبارت بھی عجیب ہے۔ اس سے کئی نتیجے بھی نکلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہمارا عذاب آ ہی پہنچا تو ہم نے ہود کو بچا لیا اور ان کے ساتھ کے مومنین کو بھی۔ عذاب الیم سے وہ محفوظ رہے۔ حارث البکری سے روایت ہے کہ علاء بن الحضرمی کی شکایت لے کر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہا تھا اور اقوام ربذہ پر سے گذر رہا تھا کہ بنی تمیم کی ایک بڑھیا جو اس قبیلہ سے چھوٹ گئی تھی اور اکیلی ہو گئی تھی کہنے لگی' اے اللہ تعالیٰ کے بندے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف لے چل' مجھے آپ ﷺ سے کام ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو اونٹ پر بٹھا لیا اور مدینے آیا۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور ایک سیاہ علم بلند تھا۔ بلال ؓ اپنی تلوار لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا یہ لوگ کیسے جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ عمرو بن العاص ؓ کی سرکردگی میں لشکر بھیجا جا رہا ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ اپنے کمرے میں داخل ہوئے' میں نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ مجھے اجازت دی۔ میں نے آ کر سلام کیا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم میں اور بنی تمیم میں کوئی رنجش ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں مجھے ان سے شکایت ہے اور الزام انہیں پر ہے۔ اب میں آپ ﷺ کے پاس آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک بڑھیا مل گئی قبیلہ بنی تمیم کی ہے جو ان سے چھوٹ گئی تھی۔ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے کام ہے مجھے لے چلو۔ چنانچہ وہ بھی دروازے پر کھڑی ہے۔ تو آپ ﷺ نے اسے بھی بلا لیا۔ وہ آ گئی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں اور بنو تمیم میں آڑ کر دیجئے۔ یہ سن کر قبیلہ بنی تمیم کی اس بڑھیا کو حمیت پیدا ہوئی اور تیز ہو کر بولی کہ "یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ کے پریشان حال کہاں پناہ لیں گے"۔ میں کہنے لگا ارے میری

مثال تو اس ضرب المثل کی سی ہو گئی کہ بکری اپنی موت کو آپ کھینچ لائی۔ میں اس بڑھیا کو سوار کر کے لے آیا مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری دشمن ثابت ہو گی۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ وفد قوم عاد کی طرح بن جاؤں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وفد عاد کا کیا قصہ ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ مجھ سے بہتر جانتے تھے لیکن مجھ سے سننے کے خواہشمند تھے۔ میں نے کہا کہ قوم عاد قحط میں مبتلا ہو گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد مکہ بھیجا وفد کے قائد کا نام قیل تھا۔ وہ مکہ آ کر معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرے' ایک مہینہ قیام کیا شراب پیتے رہے جراد تان نامی دو لونڈیوں کا گانا سنتے رہے۔ پھر سردار وفد قیل مہرہ کی پہاڑیوں کی طرف نکلا اور دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کی دعائے صحت کے لئے نہیں آیا ہوں نہ کسی قیدی کے چھڑانے کے لئے فدیہ مانگتا ہوں' بلکہ اے اللہ تعالیٰ عاد کو پانی دے۔ چنانچہ بحکم رب تین ابر نمایاں ہوئے۔ ندا آئی کہ ایک ابر کو اختیار کر لے اس نے سیاہ ابر کا انتخاب کیا ندا آئی کہ تجھ کو تو خاک ملے گی قوم عاد کا کوئی فرد باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جو خزانہ باد میں گویا اتنی ہی تھی جتنا کہ میری اس انگوٹھی کا دائرہ ہے جس سے یہ ساری قوم تباہ ہو گئی۔ اب عرب کے لوگ جب کسی وفد کو بھیجتے ہیں تو بطور ضرب المثل کہتے ہیں کہ وفد عاد کی طرح نہ ہو جانا۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو بیان کیا ہے اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے' واللہ اعلم۔

وقف لازم

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ قَدْ جَآءَ
تْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِۦ نَاقَةُ ٱللَّهِ لَكُمْ ءَايَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِىٓ أَرْضِ ٱللَّهِ ۖ وَلَا
تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَٱذْكُرُوٓا۟ إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ
عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ ٱلْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ
فَٱذْكُرُوٓا۟ ءَالَآءَ ٱللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ ٱلْمَلَأُ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُ
وا۟ مِن قَوْمِهِۦ لِلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ لِمَنْ ءَامَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَٰلِحًا
مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ قَالُوٓا۟ إِنَّا بِمَآ أُرْسِلَ بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾ قَالَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَكْبَرُوٓا۟ إِنَّا
بِٱلَّذِىٓ ءَامَنتُم بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا۟ ٱلنَّاقَةَ وَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا۟
يَٰصَٰلِحُ ٱئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا۟
فِى دَارِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٧٨﴾

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ تعالیٰ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ

تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ پیغمبر ہیں۔ پس آ پکڑا ان کو زلزلہ نے سو اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

صالحؑ کا پیغام توحید: ابراہیم خلیل اللہ سے پہلے عرب قدیم کے جو قبائل تھے انہیں میں سے ثمود بھی تھے جو قوم عاد کے بعد ہوئے۔ حجاز و شام کے درمیان وادی قریٰ اور اس کے اطراف ان کے مساکن مشہور ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سن نو ہجری میں تبوک کی طرف جا رہے تھے تو ان کے مساکن اور دیار پر سے گزرے۔ ایک مقام تھا حجر نامی یہاں ثمود کی بستی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ اصحاب سمیت یہاں فروکش ہوئے تو لوگوں نے ان چشموں سے پانی پی لیا جنہیں ثمود استعمال کرتے تھے اس پانی سے آٹا گوندھا اور ہانڈیوں میں ڈالا تو نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں اوندھا دی جائیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔ پھر یہاں سے آپ ﷺ کوچ کر گئے۔ پھر آپ ﷺ ایک دوسرے چشمے پر اترے جو ثمود کے پینے کا چشمہ نہیں تھا بلکہ ناقہ ثمود کے پینے کا چشمہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا تھا کہ وہ عذاب کی ہوئی قوم پر سے گزریں۔ کیونکہ مجھے تو خوف ہوتا ہے کہ ثمود جس طرح مبتلاء عذاب ہو گئے تھے کہیں تم بھی نہ ہو جاؤ' اس لئے اس چشمہ پر قیام نہ کرو اور حجر پر سے جو مسکن ثمود تھا اگر گزرنا بھی پڑے تو اللہ تعالیٰ کے آگے زاری کرتے ہوئے گزرو۔ اگر زاری نہیں کر سکتے تو ادھر سے گزرنا ہی نہیں' ورنہ تم پر بھی وہی عذاب اتر جائے گا۔ غزوۂ تبوک میں لوگ اہل حجر کی طرف تیزی سے جا رہے تھے تاکہ وہاں اتریں۔ حضرت ﷺ کو اطلاع ملی تو ندا کرا دی کہ نماز تیار ہے۔ ابی کبشہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور فرما رہے تھے ایسی قوم کی طرف نہ جاؤ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا تھا تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان لوگوں کو دیکھ کر تعجب کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے اس تعجب سے بڑھ کر تعجب کی بات میں تمہیں نہ سناؤں۔ تمہیں میں سے ایک آدمی یعنی میں تمہیں غیب سے ان لوگوں کی خبر سنا رہا ہے جو تم سے پہلے تھے اور گزشتہ کے علاوہ آئندہ کی باتیں بھی بتا رہا ہے۔ اس لئے سیدھے ہو جاؤ اپنی اصلاح کر لو۔ کیونکہ تم پر بھی عذاب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کو کیا پرواہ ہو سکتی ہے اور وہ قوم بھی آنے والی ہے کہ وہ خود بھی اپنے نفسوں پر سے کچھ نہ ٹال سکے گی۔ غرض جب آں حضرت ﷺ حجر پر سے گزرے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معجزات اور نشانیاں نہ مانگو۔ قوم صالح نے بھی مانگا تھا اور معجزے کے طور پر انہیں ناقہ ملی تھی کہ وہ ایک راستے سے آتی اور دوسرے راستے سے جاتی۔ ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے سرکشی کی۔ اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ وہ ایک دن چشمے سے پانی پیتی اور دوسرے دن یہ لوگ اس کا دودھ پیتے۔ جب اس کو مار ڈالا تو ایک ایسی کڑکدار آواز آسمان سے آئی کہ سب مر گئے۔ ان کی قوم کا صرف ایک آدمی بچ گیا۔ وہ اس لئے کہ اس وقت وہ کعبۃ اللہ کے اندر تھا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ابو رغال۔ لیکن جب حرم سے نکلا تو وہ بھی مبتلا عذاب ہو کر مر گیا۔ (یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے)۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ثمود کی طرف ان کے ایک ہم قوم صالح علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ تمام پیغمبروں کی طرح آپ کی بھی یہی دعوت و تعلیم تھی کہ اے لوگو! رب واحد کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب ہے ہی نہیں۔ سارے پیغمبر اسی کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں جیسا کہ فرمایا کہ تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے گئے سب کی طرف یہی وحی تھی کہ اللہ تعالیٰ واحد میں ہی ہوں صرف میری ہی عبادت کرنا۔ اور فرمایا کہ ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجے ہیں وہ سب توحید کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور طاعت شیطان

سے روکتے رہے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نشانی آچکی ہے وہ نشانی یہ ناقہ ہے۔ ان لوگوں نے خود صالح علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھلایا جائے اور درخواست یہ کی تھی کہ اس خاص چٹان کے اندر سے جس کو ہم بتا رہے ہیں ایک ناقہ پیدا ہو۔ یہ چٹان مقام حجر کی ایک طرف اکیلی ایک ہی چٹان تھی جس کا نام کاتبہ تھا۔ اور وہ اونٹنی دس ماہ کا حمل بھی رکھتی ہو دودھ بھی دیتی ہو۔ صالح علیہ السلام نے ان سے عہود و مواثیق لئے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کر لی تو وہ ایمان لے آئیں گے اور میرے کہے پر عمل کریں گے۔ جب یہ وعدے وعید ہو چکے تو صالح علیہ السلام دعا کے لئے اٹھے' دعا کی۔ چٹان کو یک بیک حرکت ہوئی' وہ پھٹ پڑی اور ایک اونٹنی اس کے اندر سے نکلی' جس کے پیٹ میں بچہ ہونے کی وجہ سے چلنے میں ادھر ادھر حرکت ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ان کفار کا سردار جندع بن عمرو اور اس کے ماتحت لوگ ایمان لے آئے اور دوسرے اشراف ثمود بھی لا رہے تھے کہ ذواب بن عمرو اور حباب پجاری اور رباب نے ان کو روک دیا اور جندع کا ایک چچیرا بھائی شہاب نامی بھی جو اشراف ثمود میں سے تھا ارادہ کر رہا تھا کہ ایمان لائے' لیکن ان لوگوں کے کہنے سے رک گیا۔ اسی سے متعلق ثمود کے مومنین میں سے ایک آدمی مہوش کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جندع نے دین نبی کی طرف شہاب کو بلایا تھا اور اس نے ایمان لانے کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن آل حجر کے گمراہوں نے ہدایت کے بعد اس کو گمراہ کر دیا۔ غرض یہ کہ ناقہ کے بچہ ہوا اور وہ ایک عرصہ تک اس قوم میں رہی۔ ایک چشمے سے ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن ناغہ کرتی تھی تاکہ دوسرے لوگ اور ان کے جانور پی سکیں اور وہ لوگ اس کا دودھ پیتے اور پھر جس قدر چاہتے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم شدہ تھا' کبھی یہ پیتی کبھی وہ پیتے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ پانی پینے کا ایک مقررہ دن ناقہ کا ہے اور ایک تمہارا ہے۔ اس وادی میں وہ چرنے کو جاتی تو ایک راستے سے جاتی اور دوسرے راستے سے باہر آتی تاکہ آنے جانے والوں کو آسانی ہو کیونکہ پانی پی کر وہ بہت موٹی تازی ہو جاتی تھی اور وہ بہت شاندار اور پر رعب وہیبت منظر رکھتی تھی۔ جانوروں کے پاس سے گزرتی تو دوسرے جانور ڈر کر بھاگ جاتے۔ اس حالت پر کچھ عرصہ گزرا اور اس قوم کی سرکشی شدید ہو گئی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس اونٹنی کو قتل ہی کر دیا جائے تاکہ ہر روز پانی کا حق حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ان سب کفار نے مل کر قتل ناقہ کی رائے کی۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جس نے اس کو قتل کیا تھا سب اس کے پاس گئے حتیٰ کہ عورتیں بھی اور بچے بھی تاکہ اس سے قتل کرائیں۔ ساری جماعت کا اس میں حصہ لینا اس آیت پاک سے معلوم ہو رہا ہے کہ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا﴾ یعنی انہوں نے نبی کو جھٹلایا' ناقہ کو قتل کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین پر ان کو ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور فرمایا کہ ثمود کو ہم نے ناقہ کا معجزہ دیا اور یہ ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن ان ظالموں نے ظلم سے کام لیا۔ غرض یہ کہ قتل ناقہ کی نسبت ساری جماعت کی طرف کی گئی ہے کہ اس کام میں سب ہی کا ہاتھ تھا۔

امام ابو جعفرؒ اور دیگر علماء تفسیر نے سبب قتل یہ بتایا ہے کہ ایک عورت تھی عنیزہ نام' بڑھیا اور کافر تھی۔ صالح علیہ السلام سے اس کو دشمنی تھی۔ اس کی خوبصورت لڑکیاں تھیں' مال و دولت حاصل تھا۔ اس کا شوہر ذؤاب بن عمرو رؤساء ثمود میں سے تھا۔ اور ایک دوسری عورت صدقہ بنت مہیا نامی جو حسب و نسب مال و جمال والی تھی یہ ایک مومن کی بیوی تھی اور شوہر کو چھوڑے ہوئے تھی۔ ناقہ کے قاتل سے ان دونوں نے وعدے کر رکھے تھے۔ صدقہ نے ایک آدمی حباب نامی کو ابھارا کہ اگر تو ناقہ کو مار ڈالے تو میں تیری ہو جاؤں گی۔ اس نے انکار کر دیا۔ پھر اپنے چچیرے بھائی مصدع ابن مہرج سے کہا تو اس نے قبول کر لیا۔ اور عنیزہ بنت غنم نے قدار کو بلایا۔ وہ نیلا پست قامت آدمی تھا۔ لوگ اس کو ولد الزنا سمجھتے تھے اور اس کو اس کے باپ سالف کا بیٹا نہیں سمجھتے تھے۔ اس آدمی کا نام ضیان تھا جس کا درحقیقت یہ لڑکا تھا حالانکہ اس کی ماں اس وقت سالف کی بیوی تھی۔ اس عورت نے ناقہ کے قاتل سے کہا تھا کہ میری جو لڑکی تو چاہے اس خدمت کے بدلے میں حاصل کر سکتا ہے کہ ناقہ کو قتل کر ڈالے۔ چنانچہ قدار بن سالف اور مصدع بن مہرج نے ثمود کے

غنڈوں سے ساز باز کر لی اور سات آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس طرح یہ سب مل کر نو افراد ہوئے۔ چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ شہر میں نو افراد تھے جو بجائے اصلاح کرنے کے فساد پر کمربستہ تھے اور یہ اپنی قوم کے سردھرے تھے۔ ان کافروں نے کافر قبیلہ کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ سب کے سب چلے اور ناقہ کا انتظار کرنے لگے۔ جب یہ پانی پی کر واپس چلی تو قدار اس کی راہ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا رہا اور مصدع دوسری چٹان کے پیچھے تھا۔ ناقہ مصدع کے پاس سے گزری۔ اس نے ایک تیر مارا' وہ پنڈلی کو لگا۔ بنت غنم عنیزہ نکلی اور اپنی سب سے خوبصورت لڑکی کو لے آئی اور قدار اور اس کی جماعت کے سامنے اپنی لڑکی کے بے پناہ حسن کا مظاہرہ کیا۔ قدار اس پیش کش سے متاثر ہو کر تلوار لے کر اٹھا اور اس ناقہ کے کونچے کاٹ ڈالے۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ اس نے اپنے بچے کو دیکھ کر ایک چیخ ماری گویا کہ اس کو آگاہ کر رہی ہے کہ بھاگ جا۔ پھر قاتل نے اس کے سینے پر نیزہ مارا پھر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کا بچہ ایک پہاڑ کی طرف بھاگ گیا اور چوٹی پر چڑھ کر ایک چیخ ماری' گویا کہ کہتا ہے کہ اے رب! میری ماں کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ تین دفعہ وہ چلایا پھر چٹان کے اندر گم ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے اس کا پیچھا کر کے اسے بھی مار ڈالا' واللہ اعلم۔ یہ خبر جب صالح علیہ السلام کو ملی تو وہ مقتل میں آئے۔ لوگوں کا مجمع تھا۔ ناقہ کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا (بقول تعالی) کہ تم تین دن اور جی لو۔ ناقہ کا قتل بدھ کے روز ہوا۔ جب رات ہوئی تو ان نو افراد نے قتل صالح کا بھی قصد کر لیا اور مشورہ کیا کہ اگر یہ سچا ہے اور تین دن بعد ہم ہلاک ہونے والے ہیں تو اپنے سے پہلے ہی اس کو کیوں نہ بھیج دیں۔ اور اگر جھوٹا ہے تو ہم ناقہ ہی کے پاس اس کو کیوں نہ بھیج دیں۔ قولہ تعالی ان لوگوں نے قسموں سے اپنے عہد کو موکد کیا کہ صالح اور اس کی بیوی کو قتل کر دیں گے اور اس کے اولیاء سے کہہ دیں گے کہ 'ہمیں کیا خبر' ہم ان کے واقعہ ہلاک کے وقت موجود تو تھے نہیں کہ قاتل کو جانتے' ہم تو سچی بات کہنے والے ہیں۔ انہوں نے چالبازی کرنا چاہی اور ہم جس چالبازی پر تھے اس کی انہیں خبر بھی نہ تھی۔ دیکھو مکاروں کا نتیجہ کیسا ہوتا ہے۔ جب ان لوگوں نے تہیہ کر لیا اور اتفاق کر کے رات کے وقت اللہ تعالی کے نبی کو قتل کرنے کے لئے آئے تو حکم الہی سے پتھر برسنے شروع ہو گئے۔ جمعرات کا دن مہلت کا پہلا دن تھا۔ اس روز ان لوگوں کے چہرے قدرۃ زرد پڑ گئے جیسا کہ صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا اور دوسرے دن جمعہ کو سرخ پڑ گئے اور تمتع دنیوی کا تیسرا دن سنیچر تھا اس روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ اتوار کا دن تھا تو یہ لوگ خوشبو مل کر انتظار عذاب کر رہے تھے کہ نہ معلوم اب ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور عذاب کی کیا صورت ہو گی۔ سورج نکلا اور آسمان سے ایک چیخ بھی نکلی اور پاؤں تلے سے ایک شدید زلزلہ پیدا ہوا اور روحیں نکلیں اور یک لخت سب مر گئے۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں لاشیں بن کر پڑ گئے۔ چھوٹا بڑا مرد عورت کوئی نہ بچا صرف ایک عورت بچ گئی کلبہ بنت السلق نامی' یہ بڑی کافرہ اور سخت ترین دشمن تھی۔ اس نے عذاب کو دیکھا اس کے پاؤں کو تیز تر بھاگنے کی قوت مل گئی۔ ایک قبیلہ کے پاس پہنچی۔ جو کچھ دیکھا اس کی اطلاع دی اور ساری قوم جس ہلاکت سے دوچار ہوئی اس کا ذکر کیا' پھر پینے کے لئے پانی مانگا اور پانی پیتے ہی مر گئی۔ افراد قوم ثمود میں سے صالح علیہ السلام اور ان کے امتیوں کے سوا کوئی نہ بچ سکا۔ اس قوم کا ایک آدمی ابو رغال تھا جو عذاب کے وقت مکے میں تھا وہ کچھ دیر محفوظ رہا لیکن کسی ضرورت سے جب مکے سے باہر نکلا تو آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ابو رغال طائف کے رہنے والے قبیلہ ثقیف کا جد اعلی ہے۔ نبی اکرم ﷺ ابو رغال کی قبر پر سے گزرے اور فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے' یہ ثمود کے ایک فرد ابو رغال کی ہے جو حرم میں تھا' حرم نے عذاب سے اس کو روک رکھا۔ جب حرم سے باہر ہوا تو عذاب سے دوچار ہوا اور یہاں دفن ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی سونے کی چھڑی بھی یہی دفن ہے۔ لوگوں نے تلواروں سے اس کی قبر کھودی اور یہ لکڑی نکال لی۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا

تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۷۹﴾

اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔

قوم ثمود کا انجام: یہ صالح علیہ السلام کی طرف سے قوم کو تہدید ہو رہی ہے اس وقت جب کہ ان کی مخالفت اور تمرد اختیار کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیے گئے تو وہ ان مردوں کو خطاب کر رہے ہیں گویا کہ وہ سن رہے تھے۔ چنانچہ بخاری مسلم سے بھی یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کفار بدر پر غالب آگئے تو تین دن وہاں قیام کیا تھا۔ پھر آ کر شب میں وہاں سے چل پڑے اور قلیب (کھائی) پر ٹھہر گئے یہ مدفن تھا کفار قریش کا۔ آپ ﷺ اس مدفن کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اے ابو جہل بن ہشام' اے عتبہ' اے شیبہ' اے فلاں اے فلاں! کیا رب کے وعدے کو پورا ہوتا ہوا تم نے دیکھ لیا؟ میں نے اپنے رب کے وعدے کو ہمیشہ پورا پایا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ البتہ سن کر وہ جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ سیرت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ والوں میں سے تم بہت ہی برے لوگ تھے۔ باہر کے لوگ تو میری تصدیق کر رہے تھے اور تم میرے قبیلہ کے ہو کر میری تکذیب کر رہے تھے۔ مدینے کے لوگوں نے مجھے پناہ دی اور تم نے مجھے اپنے وطن سے نکالا۔ تم نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور دوسروں نے میری مدد کی۔ نبی اکرم ﷺ کے لئے تم بہت ہی برا قبیلہ ثابت ہوئے۔ اسی طرح صالح علیہ السلام بھی اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ میں نے پیغام ربانی تمہیں پہنچا دیا' تمہاری خیر خواہی کی' لیکن تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا' کیونکہ تم حق بات کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ میں نے تمہیں نصیحت کی تھی لیکن نصیحت تمہیں تو پسند ہی نہیں تھی۔ کسی مفسر نے ذکر کیا ہے کہ ہر نبی جس کی امت ہلاک ہو گئی ہو' وہ حرم میں آ کر قیام پذیر ہو جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حج کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ جب وادی عسفان سے گزرے تو فرمایا کہ اے ابو بکر! یہ کون سا مقام ہے؟ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ یہ وادی عسفان ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ صالح اور ہود (علیہما السلام) ناقہ پر سوار کسی زمانے میں یہاں سے گزرے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی رسیوں کی تھیں' کمبلوں کے تہہ بند تھے پوستین کی چادریں تھی۔ اور لبیک کہتے ہوئے بیت عتیق کے حج کے لئے جا رہے تھے۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾
اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔ تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو۔

قوم لوط کا فعل بد: اور اس وقت کو یاد کرو کہ ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا تھا اور وہ اپنی قوم سے کہہ رہے تھے۔ لوط ابن ہاران بن آزر ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی ایمان لائے تھے اور ارض شام کی طرف ان کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل سدوم کی طرف بھیجا تھا۔ وہ اہل سدوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کرتے۔ اس قوم نے ایسے فواحش اختراع کئے ہوئے تھے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ان کے سوا کسی نے جس کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اور وہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتا تھا۔ یہ چیز اب تک کسی کے دل میں بھی نہیں گزری تھی اور بنی آدم آج تک اس کے عادی نہیں تھے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی بانی جامع دمشق نے کہا تھا کہ اگر اللہ پاک قوم لوط کا قصہ ذکر نہ فرماتا تو مجھے اس بات کا یقین بھی نہ آتا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ ایسا ارتکاب کر سکتا ہے۔ چنانچہ لوط علیہ السلام ان سے فرمارہے ہیں کہ کیا تم ایسا فحش اختیار کئے ہوئے ہو کہ دنیا میں کسی نے تم سے پہلے کبھی ایسا کام نہ کیا تھا۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو' اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لئے عورتیں پیدا کی ہیں۔ یہ تمہاری بڑی زیادتی اور بڑی جہالت ہے۔ جس چیز کا جو محل نہیں تم اس کو محل بناتے ہو۔ پھر دوسری آیت میں ان سے فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ سب عورتیں ہیں سب میری بیٹیاں ہیں جس سے چاہو رشتہ جوڑو۔ لیکن ان لوگوں نے کہا' لوط! تمہیں تو معلوم ہے کہ تمہاری ان دنیا جہان کی بیٹیوں سے ہمیں کوئی غرض نہیں اور ہماری جو غرض ہے تمہیں اس کا علم ہے۔ مفسروں نے ذکر کیا ہے کہ مرد اپنی حاجت مرد سے پوری کرتے تھے اور اسی طرح عورتیں اپنی حاجت بھی عورتوں سے پوری کر لیتی تھیں' اور اس کے لئے وہ مجبور بھی تھیں۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔

قوم لوط کا رد عمل: اس کے جواب میں قوم کا رد عمل یہی تھا کہ وہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط کو نکال دو' دیس نکالا دے دو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے لوط کو زندہ سلامت وہاں سے نکال لیا اور ان کفار کو ذلت کی موت مار ڈالا۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴾ انہوں نے عیب کے بغیر عیب کو منسوب کیا اور لوط علیہ السلام کی اس نیک کرداری کو عیب بتایا کہ وہ بڑے پاکباز بنتے پھرتے ہیں۔ یا یہ کہ لوط علیہ السلام اور ان کے لوگوں میں یہ عیب ہے کہ ادبار رجال اور ادبار نساء سے بچتے ہیں۔ یہ ابن عباس ؓ کا قول ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

سو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔ اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا سو دیکھو تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

اغلام بازی کی سزا فقہا کا موقف: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوط اور ان کے گھرانے کو بچالیا اور ان کے گھرانے کے علاوہ کوئی بھی ایمان لایا ہوا نہیں تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو عذاب کی جگہ سے نکال لیا جو ایمان لا چکے تھے۔ اور ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھرانا تو تھا ہی نہیں' لیکن ان کی عورت نہیں بچائی گئی کیونکہ وہ ایمان نہیں لائی تھی۔ قوم کے دین پر ہی تھی اور لوط علیہ السلام کے خلاف قوم سے ساز باز رکھتی تھی۔ لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا نوجوانوں کی شکل میں آنا اور قوم کا اس سے واقف ہو جانا' یہ سب اس عورت کی جاسوسی کے سبب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھرانے کو لے کر رات کے وقت نکل

وقف لازم

جاؤ اور اس عورت کو معلوم نہ ہونے دو اور اس کو شہر سے لے کر نہ چلو۔ اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بھی لوط علیہ السلام کے ساتھ چلی تھی اور نکلتے ہی جب قوم پر عذاب نازل ہو گیا تو ہمدردی سے پلٹ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی اور خود بھی مبتلائے عذاب ہو گئی۔ لیکن یہی زیادہ صحیح ہے کہ وہ شہر سے نہیں نکلی اور لوط علیہ السلام نے اس کو خبر بھی نہ ہونے دی۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام کی عورت رہ گئی اور وہ پس ماندگان میں سے تھی۔ تفسیر باللازم یہی ہے۔ ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ﴾ یہ آیت اس قول کی تفسیر کر رہی ہے کہ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾۔ اور اسی لئے فرمایا کہ آخر کار مجرموں کا نتیجہ دیکھو کہ معاصی اختیار کرنے اور تکذیب کے سبب کیسی سزا ملی۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اغلام باز کو بلندی سے نیچے گرا دو پھر اس پر پتھر برساؤ کہ قوم لوط علیہ السلام کے ساتھ بھی سزا دہی کی یہی صورت اختیار کی گئی تھی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ رجم کر دو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا کنوارا۔ شافعیؒ کا بھی ایک روایت کی بنا پر یہی خیال ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو تم قوم لوط کے عمل پر دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ بعض نے کہا کہ وہ مثل زانی کے ہے۔ اگر شادی شدہ ہے تو رجم کر دو ورنہ سو کوڑوں کی سزا دو۔ عورتوں سے اغلام کرنا بھی لواطت ہے اور یہ بھی بہ اجماع امت حرام ہے۔ اس کے برخلاف صرف ایک قول شاذ ہے۔ اس کی بھی ممانعت میں رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس پر تفصیل گزر چکی ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔

شعیب کا اپنی قوم سے خطاب: شعیب علیہ السلام کا اصلی نام سریانی زبان میں یثرون تھا۔ مدین کا لفظ قبیلے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور شہر کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ مقام معان کے قریب ہے جو حجاز کے راستے میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ مدین کے چشمے پر پہنچا تو وہاں ایسے لوگ پائے جو اس چشمہ سے پانی لے رہے تھے۔ یہ اصحاب ایکہ سے مراد ہے جس کا ان شاء اللہ قریب میں ذکر کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے کہ شعیب علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اے قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ تمام رسولوں کی یہی تبلیغ ہوا کرتی تھی۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تکمیل حجت ہو چکی ہے۔ شعیب علیہ السلام لوگوں کو ان کے معاملاتی کاروبار میں ہدایت کر رہے ہیں کہ اپنے ناپ تول صحیح رکھو لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ دوسروں کے مال میں خیانت نہ کرو۔ ناپ تول میں چوری سے کمی کر کے کسی کو دھوکا نہ دو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے"۔ یہ بڑی زبردست تنبیہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شعیب علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرماتا ہے کہ وہ قوم سے کہہ رہے ہیں۔ (شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی فصیح و بلیغ الفاظ میں بات کہتے تھے اور استعارے استعمال کرتے تھے اور نصیحت کرتے تو کنایۃً کرتے)

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ
وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۶ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ
يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷

اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو۔ اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ایمان لے آئے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ۔ یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

شعیب کا اپنی قوم کی وعظ: شعیب علیہ السلام لوگوں کو حسی اور معنوی طور پر قطع طریق سے منع فرما رہے ہیں۔ یعنی راستوں پر نہ بیٹھا کرو کہ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر کچھ حاصل کر لو' اور اگر لوگ مال حوالے نہ کریں تو قتل کی دھمکی دینے لگو۔ یہ لٹیرے چنگی وصول کرنے کے نام سے لوٹتے تھے۔ اور جو لوگ شعیب علیہ السلام کے پاس ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے انہیں روکتے اور نہ آنے دیتے تھے۔ یہ دوسرا قول ابن عباسؓ کا ہے۔ پہلا قول زیادہ واضح اور قریب سیاق عبارت ہے۔ کیونکہ صراط کے معنی راستہ ہے اور ابن عباسؓ کے مفہوم کو تو اللہ تعالیٰ نے دوسری ہی آیت میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ "جو ایمان لاتے ہیں تم ان کی راہ مارتے ہو اور میرے پاس آنے سے نیکو کاروں کو روکتے ہو اور غلط راستوں پر موڑ دیتے ہو"۔ اے میری قوم کے لوگو! شکر کرو کہ تم تعداد میں کم تھے کمزور تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعداد بڑھا دی اور تمہاری اجتماعی طاقت بڑھ گئی۔ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان تھا۔ اور عبرت حاصل کرو کہ دنیا میں اور قرون ماضیہ میں گنہگاروں اور مفسدین کو کس عذاب اور نکال سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی پر بہت جری ہو گئے تھے۔ اور اگر تم میں سے ایک گروہ میری تبلیغ پر ایمان لاتا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لاتا ہے تو انتظار کرو' صبر سے کام لو' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر کر دے۔ وہ سب سے اچھا حاکم اور قاضی ہے۔ حسن عاقبت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو ہی حاصل ہے اور کافروں کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ تفسیر ابن کثیر کے آٹھویں پارہ کا ترجمہ مکمل ہوا۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ
مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ
فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

قوم شعیب کی اپنے نبی کو دعوت شرک: کفار اپنے نبی شعیب علیہ السلام کے ساتھ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے ساتھ جس بدسلوکی کے ساتھ پیش آئے اور جس طرح شعیب علیہ السلام کو اور مومنین کو ڈرایا دھمکایا کہ یا تو ہماری بستی چھوڑ دو یا پھر یہ کہ ہماری ملت اختیار کر لو اور ہمارے وفادار بن جاؤ۔ ان سب باتوں کی اللہ پاک خبر دے رہا ہے۔ یہ خطاب بظاہر تو رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن مراد ان کے امتی ہیں۔ قوم شعیب علیہ السلام کے متکبرین نے کہا تھا کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ پھر تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا پڑے گا۔ تو شعیب علیہ السلام کہتے ہیں کہ کیا تم ایسا کرنا چاہتے ہو اگرچہ ہمیں شرک اختیار کرنا ناپسند ہو اگر ہم تمہاری ملت میں واپس آ جائیں اور تمہارے ہی نظریات کو اپنا لیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر بڑا زبردست بہتان لگائیں گے کہ ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائیں۔ اس طرح کفار کے اتباع سے نفرت ظاہر کی جا رہی ہے۔ ہم سے تو یہ نہ ہو گا کہ ہم پھر مشرک بن جائیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی ہمیں بھٹکنے دے تو اور بات ہے یہاں بھی بات کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیرا جا رہا ہے کیونکہ اس کو آئندہ کی ہر بات کے علم پر احاطہ حاصل ہے۔ ہم جو اختیار کرتے ہیں اور جو اختیار نہیں کرتے سارے امور میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ ہماری اس قوم کے اور ہمارے درمیان حق بات کو کھلم کھلا ظاہر فرما دے اور ہمیں ان پر فتح عنایت فرما تو خیر الفاتحین ہے' خیر الحاکمین ہے ایسا عادل و منصف ہے کہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾
فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن

لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ﴿٩٢﴾

اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب علیہ السلام کی راہ پر چلنے لگو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔

قوم شعیب کا کفر پر عزم و مصمم اور نتیجہ ہلاکت: خبر دی جا رہی ہے کہ ان کا کفر، تمرد اور ضلالت کس شدت کی ہے اور مخالفت حق ان کے دلوں میں کس قدر جبلی اور فطری بن گئی ہے۔ اسی لئے انہوں نے آپس میں قسمیں کھالیں اور عہد کر لیا کہ دیکھو اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی بات مان لی تو بڑے خسارے میں رہو گے۔ ان کے اس عزم راسخ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عزم کے سبب ان پر ایک ایسا زلزلہ بھیجا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں دھرے کے دھرے رہ گئے اور یہ سزا تھی اس بات کی کہ شعیب علیہ السلام اور اصحاب شعیب علیہ السلام کو انہوں نے بلاوجہ ڈرایا انہیں جلاوطنی کی دھمکی دی جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر ہے کہ "جب ہمارا عذاب ان پر آ پہنچا تو ہم نے شعیب علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور ان ظالموں کو ایک ایسی کڑک نے آ پکڑا کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور فنا ہو گئے"۔ ان دونوں آیتوں میں مناسب یہ ہے کہ ان کافروں نے جب ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ ﴾ ۔ کہہ کر تذلیل کی تو ایک زبردست چیخ نے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سورۂ شعراء میں اللہ پاک یوں واقعہ بیان فرماتا ہے کہ جب انہوں نے نبی کو جھٹلایا تو ابر سے ان پر عذاب آنازل ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ایسا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ چنانچہ بتایا گیا کہ انہیں آسمانی عذاب آ پہنچا اور ان پر تین عذاب جمع ہو گئے۔ ایک تو آسمانی عذاب کہ ابر سے آگ کی چنگاریاں اور شعلے گرنے لگے پھر آسمان سے ایک رعد اور کڑک پیدا ہوئی اور ان کے قدموں تلے زمین سے ایک شدید زلزلہ پیدا ہوا کہ ان کی جانیں نکل گئیں اور جسد بے روح بن کر رہ گئے اور اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے۔ گویا کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے حالانکہ وہ رسول کو دیس نکالا دے رہے تھے۔ اب مقابلۃً انہیں کے لفظ کو اللہ پاک دہراتا ہے کہ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا وہی خسارے میں رہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

اس وقت شعیب علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔

شعیب نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا: کافروں کے اس طرح کہنے سے شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے گئے اور کہہ دیا کہ اے قوم! میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے تھے۔ میں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا اس پر بھی میری خیر خواہی سے تم نے فائدہ نہ اٹھایا تو تمہاری اس بدانجامی کو دیکھ کر میں کیوں افسوس کروں اور اپنے کو کیوں ہلکان کر لوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ پھر ہم نے اس بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء و اجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے ان کو دفعۃً "پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔

صحت اور خوش حالی بھی ایک امتحان ہے: اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ سابقہ امتیں جن کی طرف انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے انہیں تکلیف پہنچا کر اور شادمانی دے کر ہر طرح ہم نے آزمایا۔ ﴿ بَأْسَاء ﴾ یعنی بدنی تکلیف جسمانی امراض و اسقام۔ اور ﴿ ضَرَّاءَ ﴾ وہ مصیبت جو فقر و حاجت کی ہوتی ہے' شاید کہ وہ ہماری طرف رجوع کریں ہم سے ڈریں اور اس مصیبت کے دور ہونے کی درخواست کریں۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سختیوں میں مبتلا کیا تاکہ ہمارے سامنے عاجزی پیش کریں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس پر بھی ہم نے ان کی حالت راحت و مالداری کی طرف پھیر دی انہیں دولت مند و خوش حال بنا دیا تاکہ انہیں آزمائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ شدت اور سختی سے نرمی و راحت کی طرف ہم نے انہیں پھیر دیا۔ مرض کے بجائے صحت و عافیت دے دی۔ فقر کے بجائے دولت مندی بخشی تاکہ وہ شکر ادا کریں اور کفران نعمت چھوڑ دیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ﴿ حَتّٰى عَفَوْا ﴾ یعنی ان کی اولاد و اموال میں برکت دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مسرت و مضرت دونوں چیزوں سے ہم نے انہیں آزمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھک پڑیں۔ لیکن نہ وہ ہمارے شکر گزار ہوئے نہ صبر و عاجزی اختیار کی اور کہنے لگے کہ ہم تو مصیبت و مضرت میں پھنس گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے انہیں راحت و خوشی دی تو کہنے لگے کہ یہ انقلاب راحت و مصیبت تو آباء و اجداد کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے یہی دور رہتا ہے زمانہ کبھی ایسا ہوتا ہے کبھی ویسا۔ اسی طرح ہم بھی کبھی راحت میں رہے' کبھی مصیبت میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ چاہئے تھا کہ وہ اس اشارے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو تاڑ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش کی طرف ان کا ذہن جاتا۔ لیکن مومنین کا حال ان کے برخلاف تھا۔ وہ شادمانی و راحت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور مضرت و مصیبت پر صبر اختیار کرتے۔ جیسا کہ حضرت علیہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے حال پر بڑا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی اس سے متعلق ہو' اس میں اس کے لئے خیر کا ہی پہلو نکل آتا ہے' اگر مصیبت پہنچی اور صبر کیا تو بھی اس مضرت کے اندر نفع ہی میں رہا۔ اور اگر شادمانی ملی اور شکر کیا تو بھی مزے میں رہا۔ مومن تو وہ ہے کہ مضرت و مسرت پہنچے تو ہر صورت میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضرت یا مسرت دے کر آزمایا جا رہا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ مصیبتیں مومن کو گناہوں سے پاک کرتی رہتی ہیں۔ اور منافق کی مثال مثل گدھے کے ہے جو نہیں جانتا کہ اس پر کیا لدا ہے اور کس غرض سے اس سے کام لیا جا رہا ہے اور کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انہیں یکایک عذاب میں پھانس لیا کہ عذاب آنے کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ناگہاں موت مومن کے لئے تو رحمت ہو سکتی ہے اور کافر کے لئے حسرت و تاسف ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا

وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔ اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہرے آ پڑے جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

ایمان و تقویٰ پر رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں: بستی والوں کے قلت ایمان کی خبر دی جا رہی ہے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے جیسا کہ فرمایا کہ یہ بستی والے ایمان کیوں نہیں لائے کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا۔ قوم یونس جب ایمان لائی تھی تو ہم نے انہیں دنیا کے رسوا کن عذاب سے بچا لیا اور ایک عرصہ تک وہ دنیوی راحتوں سے دوچار رہے یعنی سب کے سب نے ایمان قبول نہیں کیا سوا قوم یونس علیہ السلام کے کہ جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو مومن ہو گئے جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے اس کو ایک لاکھ سے بڑھ کر انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتیں ان پر نازل کرتے۔ یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ اس کی سزا میں ہم نے بھی انہیں عذاب کا مزا چکھایا۔ یعنی رسولوں کی تکذیب کی تو ان کے افعال بد کے سبب انہیں عذاب کے شکنجے میں کسا۔ پھر اللہ پاک اپنے اوامر کی مخالفت اور گناہوں پر جرات کرنے سے انہیں ڈراتا ہے۔ کیا یہ بستی والے کافر ہمارے عذاب و نکال سے محفوظ ہو گئے وہ سوتے ہی رہیں گے اور رات ہی رات میں ہمارا عذاب انہیں آ پہنچے گا یا اس بات سے وہ مامون ہو گئے کہ دن میں کسی وقت عذاب انہیں گھیرے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار اور اپنی غفلت میں لگے ہوئے ہوں۔ کیا اس بات سے وہ امن میں ہو گئے کہ ہمارا انتقام کسی وقت بھی انہیں آ پکڑے گا اور وہ اس وقت اپنے سہو اور غفلت میں ہوں گے۔ سمجھ رکھو کہ کمبخت قوم کے سوا کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے فکر نہیں رہ سکتا اسی لئے حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ مومن طاعت کرتا ہے نیک عمل کرتا ہے اور پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے خوف زدہ رہتا ہے اور فاجر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ان زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے نہیں۔

گناہوں کے سبب ہلاکت اور دلوں پر قفل: ارشاد ہوتا ہے کہ جانتے ہو کہ پہلے کے لوگوں کو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا تھا اور اب یہ وارث زمین بنے ہیں اور زمین پر انہیں بسایا گیا ہے لیکن کیا یہ بات اب بھی ان پر واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم

چاہیں تو انہیں بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ان کافروں نے اپنے سے پہلے لوگوں کی سیرت اختیار کر رکھی ہے انہیں کے سے اعمال کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے سرکش بنے ہوئے ہیں۔ اس سرکشی کی سزا میں ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے کہ پھر وہ کسی اچھی بات کو نہ سن سکیں نہ سمجھ سکیں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے کہ "کیا انہیں اس بات سے عبرت نہیں ہوتی کہ اس سے پہلے کتنی ہی قومیں تباہ کر دی گئی ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں کیسے رہتے بستے تھے؟ کیا یہ سمجھ داروں کے لئے نشانیاں نہیں ہیں"۔ اور فرمایا کیا اس سے پہلے تم پختہ عزم کے ساتھ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ تم کو زوال ہوگا ہی نہیں حالانکہ ان کو زوال ہو گیا اور آج انہیں ظالموں کی جگہ تم لیتے ہو۔ اور فرمایا کہ ان سے پہلے کتنی قومیں تباہ ہو گئیں کہ آج ان کا نام و نشان تک نہیں نہ ان کی کوئی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ اور فرمایا کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں یہاں راج کرتی تھیں کہ وہ راج تمہیں بھی نصیب نہیں اور پھر آسمان سے بارش کا عذاب اور زمین تلے سے سیلاب ابل پڑا اور وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے اس کے بعد ہم نے دوسری قوم کو لا بسایا۔ عاد کی قوم کی تباہی کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اب صرف ان کے کھنڈر دیکھے جا سکتے ہیں مجرمین کا یہی حشر ہوتا ہے۔ جس میں آج ہم نے تمہیں بسایا ہے۔ کبھی ان کو بسایا تھا' ان کو سننے والے کان' دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل دیئے تھے لیکن ان کے کانوں ان کی آنکھوں ان کے دلوں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جو استہزاء وہ کرتے تھے اس کی سزا پائی۔ تمہاری سرزمین کے اطراف ہی کی کتنی بستیاں اجڑ گئیں اور کتنی ہی نشانیوں کا ہیر پھیر ہو گیا ہے' سمجھو شاید کہ کچھ عبرت پکڑو۔ اور فرمایا کہ "ان سے پہلے کے لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کا کیسا نتیجہ دیکھنا پڑا اور تم تو ان کے دسویں حصہ کے برابر بھی قوت نہیں رکھتے ہو"۔ اور فرمایا "کتنی بستیاں اجڑ گئیں' ان کے گھروں کی چھتیں گر گئیں چشمے بیکار ہو گئے بڑے بڑے محل ویران پڑے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں گھوم پھر کر کیوں نہیں دیکھا کہ انہیں سمجھنے والا دل اور سننے والے کان ملتے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اور فرمایا کہ رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا ان پر اسی مذاق کا عذاب نازل ہوا۔ غرض اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جو دشمنان رب کے ساتھ انتقام پر روشنی ڈالتی ہیں اور اولیاء اللہ کے ساتھ احسان و کرم پر۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حسب ذیل ارشاد ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے پھر جس چیز کو انہوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا۔ اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔

خرق عادت امور دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے: نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب علیہم السلام کی قوموں کا ذکر کرنے کے بعد کہ وہ تو ہلاک کر دیئے گئے اور مومن بچا لئے گئے اور یہ کہ رسولوں کے ذریعہ معجزات اور دلائل پیش کر کے ان کی تکمیل حجت کر دی گئی ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد ﷺ ان بستیوں کے حالات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس رسولوں نے کھلی نشانیاں پہنچا دی تھیں اور ہم تو رسول بھیج کر تکمیل حجت کرنے کے بغیر کبھی عذاب نہیں کرتے۔ یہ ان بستیوں کے قصے ہیں کہ جن میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ

کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔ یہ ظلم ہم نے نہیں کیا انہیں نے اپنی جانوں پر کر لیا ہے وہ آپ ذمہ دار ہیں۔ اور وہ کیا ایمان لاتے جب کہ اس سے پہلے انہوں نے جھٹلا دیا تھا۔ ﴿ بما كذبوا ﴾ کا (ب) سببیہ ہے یعنی وحی کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ایمان لانے کے وہ حقدار ہی نہ رہے۔ جیسے کہ فرمایا تم کیا جانو یہ تو معجزے پیش کرنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے کیونکہ یہ پہلی بار بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ ان میں کی اکثر گذشتہ قوموں کو اپنے عہد و میثاق کا پاس ہی نہیں۔ ان میں سے اکثر تو ہمیں فاسق ہی ملے جو طاعت اور فرماں برداری سے خارج ہیں۔ یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں ان سے لیا گیا تھا اور اسی پر وہ پیدا کئے گئے اور وہی بات ان کی فطرت و جبلت میں بھی رکھی گئی۔ وعدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب ہے اور مالک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں۔ اس کا انہوں نے اقرار کیا تھا گواہی دی تھی لیکن پھر اس کی مخالفت کر کے عہد کو انہوں نے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرنے لگے جس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت نہ عقل کی بات ہے نہ شرع کی۔ فطرت سلیمہ تو اس بت پرستی کے خلاف ہے۔ شروع سے آخر تک تمام انبیاء علیہم السلام بت پرستی سے روکتے رہے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو توبت پرستی سے الگ پیدا کیا تھا شیاطین آئے اور ان کے سچے دین سے انہیں بھٹکا دیا اور میں نے جو حلال کیا تھا وہ انہوں نے حرام کر لیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر مولود اپنی فطرت اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے یہودی یا نصرانی والدین اس کو یہودی یا نصرانی بنا ڈالتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی بھیجے سب ﴿ لا الہ الا اللہ ﴾ کی تلقین کرتے رہے۔ ارشاد ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان سے ہم پوچھیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب بھی پرستش کے قابل قرار دیا گیا تھا۔ اور فرمایا ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجے کہ پرستش صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اور شیطان کی پرستش سے بچے رہو۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ آیت بالا کے بارے میں ابی بن کعب کہتے ہیں کہ یوم میثاق میں بندوں نے جو اقرار وحدانیت کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لئے بنا بر علم الٰہی وہ ایمان لانے والے نہیں۔ اور یہی ہو کر رہا کہ دلائل سامنے آنے کے باوجود ایمان نہ لائے اگرچہ بروز میثاق ایمان قبول کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ ناخوشی کے ساتھ ہے جیسے فرمان ہے کہ اگر یہ دوبارہ دنیا کی طرف بھیجے جائیں تو پھر بھی وہی بت پرستی اور شرک و معاصی کرنے لگیں، جن سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔

فرعونیوں کو تکذیب حق کی سزا: ارشاد ہوتا ہے کہ سابقہ پیغمبروں نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات بینات دے کر فرعون کی طرف بھیجا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم نے انکار اور کفر کیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ انہوں نے سرکشی کے سبب انکار کیا ہے حالانکہ ان کے دل مانتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا ہے اور رسولوں کی تکذیب کی، اے محمد ﷺ! تم غور تو کرو کہ ہم نے انہیں کیسی سزا دی اور موسیٰ علیہ السلام کے دیکھتے ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ دیکھو ان مفسدین کا کیسا نتیجہ رہا۔ فرعون اور اس کی قوم کے عذاب سے متعلق بات کس بلیغ طریقہ سے بیان کی گئی ہے اور

موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے کیسی تشفی بخش ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٤ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝١٠٥ۭ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١٠٦

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ میرے لئے یہی شایاں ہے کہ بجز سچ کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

موسیٰ اور فرعون کا مناظرہ۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مناظرہ ہوتا ہے۔ فرعون کے دربار میں اور اس کی قوم قبطیوں کے سامنے آیات بینات کا اظہار ہوتا ہے اور دلائل وحجت پیش کئے جاتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں اس نے بھیجا ہے جو ہر شے کا خالق اور مالک ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ حق بات ہی پیش کروں۔ بعض نے ﴿ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ ﴾ کے معنی ﴿ حَقِيْقٌ بِاَنْ ﴾ مراد لئے ہیں اور کہا ہے کہ (ب) اور (علیٰ) ایک دوسرے کے عوض آسکتے ہیں جیسے ﴿ رَمَيْتُ بِالْقَوْسِ ﴾ اور ﴿ عَلَى الْقَوْسِ ﴾ اور ﴿ جاء على حال حسنة ﴾ اور بحال ﴿ حسنة ﴾ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ﴿ حَقِيْقٌ ﴾ سے مراد ﴿ حَرِيْصٌ ﴾ ہے یعنی میں یہی بات ہی کہنے پر حریص ہوں۔ بعض مدنی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ﴿ عَلٰى ﴾ نہیں ﴿ عَلَيَّ ﴾ ہے جس کے معنی ہیں واجب یعنی مجھ پر واجب اور حق ہے کہ حق بات کے سوا دوسری بات نہ کہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی دلیل لے کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کردو انہیں اپنی قید سے آزاد کردو کیونکہ وہ اسرائیل یعنی یعقوب بن اسحٰق علیہم السلام نبی کی نسل سے ہیں اور ان کی اولاد ہیں تو فرعون نے کہا تمہارے دعوائے رسالت کو ہم نہیں مانتے اگر تم پیغمبر ہو اور کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو بتاؤ تاکہ تمہاری بات کی تصدیق کی جاسکے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝١٠٧ۚۖ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝١٠٨ۧ

پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا سو دفعتاً وہ صاف ایک اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا سو وہ یکا یک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

موسیٰ کے ساتھ سے قدرت الٰہی کا ظہور: موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سامنے ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ایک اژدھا بن گیا اور اپنا منہ پھاڑ کر فرعون کی طرف لپکا فرعون تخت سے کود پڑا اور موسیٰ علیہ السلام سے چلا کر کہنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لو۔ آپ نے روک لیا اور وہ پھر عصا بن گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا محل کی دیوار پر تھا۔ جب وہ فرعون کی طرف بڑھا تو وہ کانپ اٹھا۔ کود کر بھاگنے لگا اور چیخ اٹھا کہ اے موسیٰ اس کو پکڑ لو! میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کردوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا اور وہ عصا بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس آئے تھے تو فرعون نے کہا میں بتاؤں تم کون ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اچھا بتاؤ۔ اس نے کہا تم وہی تو ہو کہ ہمارے ہی پاس بڑھے اور

پلے' ہمیں تمہیں پالتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دے دیا تو فرعون نے حکم دیا اس کو پکڑ لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر فوراً عصا پھینک دیا وہ ایک بڑا سا اژدھا بن کر لہرانے لگا اور لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس ہنگامے میں پچیس ہزار آدمی مر گئے لوگ کچل کر مرنے لگے فرعون اپنے محل میں بھاگ گیا۔ اس روایت میں بہت غرابت ہے' واللہ اعلم۔

اب ارشاد ہوتا ہے کہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر جب باہر نکالا تو وہ انتہائی روشن اور چمکدار ہو کر نکلا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی اس کی روشنی میں کوئی کوتاہی نہیں تھی اور جب اپنی آستین میں واپس لے جاتے تو وہ پھر حسب سابق ہو جاتا تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔

موسیٰ کے معجزات نے فرعونیوں کو فکر مند کر دیا: جب ان لوگوں کا خوف ختم ہوا اور اصلی حالت پر آئے تو فرعون نے اپنے ارکان سلطنت کی جماعت سے کہا کہ یہ تو بڑا ہی ذی کار ساحر معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور مشورے کے لئے بیٹھے کہ اب اس بارے میں کیا کیا جائے۔ اس کے نور کو بجھانے اس کی بات کو دبانے اور موسیٰ کے کذب افتراء کو ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ انہیں اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ لوگ اس کے معتقد ہو کر اس کے سحر کی طرف مائل ہو جائیں گے جس سے موسیٰ کا غلبہ ہو جائے گا اور وہ لوگوں کو ان کی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن جس بات کا اندیشہ انہیں تھا اسی میں مبتلا ہونا پڑا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ فرعون وہامان کو وہی خوف سامنے آیا جو انہیں تھا۔ اور جب یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشورہ کر چکے تو ایک رائے پر اتفاق کر لیا جس کی حکایت اللہ پاک نے فرمائی۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چڑاسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔

موسیٰ سے مقابلے کے لئے ماہر جادوگروں کی خدمات: سرداروں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو روک لیا جائے اور ملک بھر کے تمام شہروں میں لوگ بھیج دیئے جائیں اور مشہور مشہور جادوگر جمع کئے جائیں۔ اس زمانے میں سحر کا بہت بول بالا تھا۔ سب کا یہی وہم اور گمان ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ سحر اور شعبدہ کاری تھا چنانچہ انہوں نے تمام جادوگروں کو جمع کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی اس فن کاری کا معارضہ اور مقابلہ کیا جائے۔ جیسے کہ اللہ پاک نے فرعون کی بات نقل فرمائی ہے کہ اے موسیٰ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ ہم بھی تمہاری طرح کے سحر سے تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اب امتحان مقابلہ کی کوئی تاریخ قرار دو۔ اس کے خلاف نہ تم کرو نہ ہم۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا عید کے روز صبح کے وقت سب لوگ جمع کئے جائیں۔ اب فرعون نے جا کر اپنی فریب کارانہ تدبیریں اختیار کیں اور آخر کار وقت مقررہ آ گیا۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔

جادوگروں کا فرعون سے مطالبہ: یہاں اس قرارداد کو بیان کیا جارہا ہے جو فرعون اور جادوگروں کے درمیان ہوئی تھی جو معارضہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے بلائے گئے تھے کہ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں گے تو انہیں بڑا انعام دیا جائے گا اور ان کو منہ مانگی مراد دی جائے گی اور انہیں ہم نشینوں اور مقربوں میں سے بنالیا جائے گا۔ جب فرعون سے وعدہ لے لیا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

ان ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں۔ (موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔

موسیٰ اور جادوگر میدان مقابلہ: یہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کی مبارزت اور جنگ ہے۔ جادوگر کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) یا تو تم پہلے اپنا ہنر بتاؤ یا ہم پہلے بتائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہیں پہلے اپنا شگوفہ چھوڑو۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس میں مصلحت یہ تھی کہ تاکہ لوگ پہلے ان جادوگروں کا تماشا دیکھ لیں اور سوچ سمجھ لیں اور جادوگر اپنی شعبدہ کاری سے فارغ ہولیں تو حق بات طلب اور انتظار کے بعد واضح اور جلی ہو کر ان کے سامنے آجائے کیونکہ کوئی بات طلب کے بعد ہی دل پر زیادہ کارگر ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی نظر بندیاں کر دیں اور یوں دکھائی دینے لگا کہ جو کچھ یہ دکھا رہے ہیں حقیقت میں ایسا ہی وجود پذیر ہو رہا ہے حالانکہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں درحقیقت لاٹھیاں ہی تھیں' دیکھنے والوں کا فقط وہم و خیال تھا کہ یہ سانپ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "ان کے جادو سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چلتے اور رینگتے ہیں۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر دہشت طاری ہوگئی۔ ہم نے کہا ڈرو نہیں غالب تم ہی رہو گے۔ اپنے ہاتھ کا عصا تم بھی میدان میں پھینک دو یہ اژدھا بن کر ان سب سانپوں کو نگل جائے گا۔ یہ جادو تو ان کا فریب ہے جادوگر اپنے تماشے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگروں کی صف بندی تھی۔ ہر ساحر کے ساتھ اس کی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو لے کر عصا ٹیکتے ہوئے نکلے۔ میدان میں آئے۔ فرعون اپنے تخت پر ارکان سلطنت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جادوگروں نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں پر اپنے جادو سے بندش کر دی' پھر فرعون اور لوگوں کی آنکھوں پر۔ اب ہر جادوگر نے اپنی رسی اور لاٹھی ڈالی۔ وہ سب سانپ بن گئے' سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ ایک پر ایک رینگ رہے تھے' سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ جادوگر تھے۔ سب کے ساتھ لاٹھی اور عصا تھا۔ عوام کی بھی نظر بندی ہوگئی' تو یہ منظر دیکھ کر سب ڈر گئے۔ ابن ابی بزہ کہتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر بلائے تھے۔ ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں سانپ بنے ہوئے رینگ رہے تھے۔ اسی لئے اللہ پاک نے

فرمایا ہے کہ ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ یعنی انہوں نے بہت بڑا جادو بنایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ
وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا ونایا تھا سب آتا جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے۔ اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے۔ کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر' جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

حق کی فتح موسیٰ ؑ نے میدان مار لیا: اللہ تعالیٰ نے اس زبردست آزمائش گاہ میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنی وحی بھیجی جس نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا ڈال دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ان تمام وہمی سانپوں کو نگلا جا رہا ہے اور ایک بھی ان کا جھوٹا سانپ نہ بچا۔ یہ دیکھ کر ان جادوگروں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں کوئی آسمانی مدد ہے اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ چنانچہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے آگے سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب میدان مار لیا تو اپنے عصا پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ اگر یہ نبی نہ ہوتا اور جادوگر ہوتا تو کبھی ہم پر غالب آ ہی نہیں سکتا۔ قاسم بن ابی بزہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے اپنا سر سجدے سے اٹھانے سے پہلے ہی جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى
الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ
مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں بے شک یہ کارروائی تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم مر کر اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔ اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اسکے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالئے۔

جادوگروں کو ان کے ایمان کی سزا: جادوگر جب مومن بن چکے اور فرعون کو اپنے مقصد میں شکست ہو گئی تو جادوگروں کو

دھمکی دے رہا ہے کہ آج موسیٰ کو جو تم پر غلبہ ملا ہے دراصل یہ تم لوگوں کا باہمی سمجھوتہ اور سازش تھی کہ اس طرح حکومت پر غالب آ کر اصلی اہل وطن کو ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ یقیناً یہ تم سب کا استاد تھا جس نے تمہیں جادو سکھایا تھا۔ ہر شخص جس کو ذرا بھی عقل سلیم ہے سمجھ جائے گا کہ فرعون کا یہ الزام اس بنا پر تھا کہ باطل کے باطل ثابت ہو جانے کی وجہ سے وہ جزبز سا ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے آتے ہی فرعون کے پاس پہنچ کر اس کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اپنے معجزات باہرہ ظاہر کر کے رسول ہونے کی تصدیق کر دی تھی اس کے بعد فرعون نے اپنے ملک کے تمام شہروں اور ہمہ گیر علاقہ میں لوگوں کو بھیج بھیج کر بلاد مصر کے الگ الگ ساحروں کو جمع کیا تھا جن کو اس نے اور اس کی قوم نے منتخب قرار دیا تھا اور ان سے بہترین انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس لئے انہیں اس بات کی بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح موسیٰ پر غالب آ جائیں اور فرعون کے پاس تقرب حاصل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام تو کسی بھی جادوگر سے واقف نہیں تھے نہ انہیں کبھی دیکھا تھا نہ ان سے ملے تھے اور فرعون اس بات کو بھی جانتا ہی تھا۔ مگر جاہل عوام کی ذہنیت کو متاثر ہونے سے بچانا چاہتا تھا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون کی قوم اس کی مطیع تھی اور اس کی ہم خیال بنی ہوئی تھی اور وہ لوگ بڑی زبردست گمراہی میں پڑے ہوئے تھے جو فرعون کے ﴿ انا ربکم الاعلیٰ ﴾ والے دعوے کی تصدیق کرتے تھے۔ سدی کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جادوگروں کے سردار سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا تھا کہ اگر میں غالب آ جاؤں اور تم ہار جاؤ تو کیا مجھ پر ایمان لاؤ گے اور کیا تسلیم کر لو گے کہ میری پیش کردہ چیز اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہوگی۔ تو ساحر نے کہا تھا کہ کل میں تو ایسا جادو پیش کروں گا کہ کوئی جادو تو اس پر غالب نہیں آ سکتا اگر تم غالب آ گئے تو میں مان لوں گا کہ تم منجانب اللہ پیغمبر ہو۔ فرعون نے ان کی یہ گفتگو سن لی اسی لئے سازش کا الزام لگا تھا کہ تم اس لئے جمع ہوئے تھے کہ حکومت پر تمہیں غلبہ و سطوت حاصل ہو جائے تم ملک سے اکابر و رؤساء کو نکال دینا چاہتے ہو اور تخت پر خود قابض ہونے کے درپے ہو۔ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہیں کیا سزا دینے والا ہوں۔ سمجھے رہو کہ میں تمہارا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دوں گا یا اس کے برعکس، پھر تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا تمہاری لاشیں درختوں کی ٹہنیوں سے بندھی اور لٹکی ہوں گی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی تعزیر سب سے پہلے فرعون ہی کی نکالی ہوئی ہے۔ جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو اب اللہ تعالیٰ کے ہو چکے ہیں اس کی طرف رجوع کر چکے۔ آج تم ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو، اس سے شدید تر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ ہم تمہارے عذاب پر آج صبر کر لیتے ہیں تاکہ کل اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمیں چھٹی مل سکے۔ اسی لئے وہ بول اٹھے کہ "اے اللہ تعالیٰ! اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے اور فرعون کے عذاب سے نہ ڈرنے کے لئے ہمیں صبر عنایت فرما اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ہمیں دنیا سے مسلمان اٹھا۔ چنانچہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیا کہ تو ہمارا جو کچھ بگاڑنا چاہتا ہے بگاڑ لے۔ یہی نا کہ ہماری اس دنیوی زندگی کو ختم کر دے گا۔ ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارا سچا رب ہے۔ تاکہ وہ ہماری گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دے اور جو جادو پیش کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے اس سے درگزر فرمائے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس کافر بن کر حاضر ہوگا، اس کی قسمت میں جہنم ہوگی کہ نہ زندوں میں شمار نہ مردوں میں اور جو مومن اور پھر نیکوکار بن کر حاضر ہوگا اس کو آخرت میں بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ چنانچہ یہ سب جادوگر صبح کے وقت تو کافر جادوگر تھے اور شام کے وقت نیکوکار اور شہداء تھے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ
فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ | ۵

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جس کو چاہیں مالک بنا دیں اپنے بندوں میں سے، اور اخیر کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے۔

درباریوں کی فرعون کو ملامت: فرعون اور اس کی جماعت کی باہمی مشاورت کی خبر دی جا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان لوگوں کے دلوں میں کیسا کینہ تھا فرعون سے اس کے مقربین کہہ رہے ہیں کہ کیا آپ موسیٰ کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ دنیا میں فساد مچاتا پھرے اور اہل ملک کو فتنے میں ڈالے اور ان میں اپنے اللہ تعالیٰ کی تبلیغ کرے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ یہ لوگ تو دوسروں کو موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کی فساد انگیزی سے ڈرا رہے ہیں حالانکہ یہی لوگ اصلی مفسد ہیں۔ انہیں آپ اپنی خبر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿ وَيَذَرَكَ ﴾ کا واو "اور" کے معنی میں نہیں بلکہ حال کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام کو اجازت دے دیں گے کہ فساد مچاتا پھرے دراں حالیکہ اس نے آپ کی اطاعت اور آپ کے خداؤں کی عبادت چھوڑ دی ہے۔ ابی بن کعبؓ نے اس کو اس طرح پڑھا ہے ﴿ وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَّعْبُدُوْا الِهَتَكَ ﴾ یہ ابن جریر کا بیان ہے۔ بعض نے اس واؤ کو عاطفہ کہا ہے یعنی کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے کہ فساد مچائے اور آپ کو اور آپ کے خداؤں کو چھوڑ دے، اور بعض نے اس کو ﴿ الاهتك ﴾ پڑھا ہے بمعنائے ﴿ عبادتك ﴾ بنا بر قراءت اولیٰ بعض اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فرعون بھی پوشیدہ طور پر ایک بت کی پرستش کرتا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے گلے میں ایک مورتی لٹکی ہوتی تھی۔ یہ اس کو سجدہ کرتا تھا۔ اسی بنا پر ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب کسی خوبصورت گائے کو پاتے تھے تو فرعون انہیں حکم دیتا تھا کہ اس کی پرستش کریں اسی لئے سامری نے ایک گوسالہ بنایا تھا جس کے اندر سے آواز نکلتی تھی۔ غرض یہ کہ فرعون نے اپنے اہل دربار کی درخواست منظور کر لی اور کہا کہ ان کی نسل کو قطع کرنے کے لئے ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا کریں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اس قسم کا یہ دوسرا ظلم تھا اور اس سے پہلے بھی پیدائش موسیٰ علیہ السلام سے قبل اس نے ایسا ہی کیا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کا وجود ہی دنیا میں نہ آنے پائے اور واقع ہوا اس کے برخلاف جو فرعون چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آخر کار زندہ بچ رہے۔ دوبارہ اس نے ایسا ہی قصد کیا جب کہ بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور ان پر غالب آنا چاہتا تھا۔ یہاں بھی اس کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عزت دی اور فرعون کو ذلیل کیا اور اس کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔ جب فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ برائی کرنے کا عزم مصمم کر چکا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ صبر کرو اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حسن عاقبت کا وعدہ کیا اور یہ کہ ملک تمہارا ہو جائے گا۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جس کو چاہے ملک کی بادشاہت سونپے اور حسن عاقبت متقین ہی کے لئے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا کہ آپ کے آنے سے

پہلے بھی ہمیں بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیا ذلیل کیا جارہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام انہیں حالت موجودہ پر اور پیش آنے والے حالات پر متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بہت قریب میں اللہ پاک تمہارے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اس آیت کے ذریعہ انہیں نعمتوں پر شکر گزاری کے لئے ابھارا جارہا ہے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔ سو جب ان پر خوش حالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے۔ اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔

فرعونی اپنی ہی نحوست کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا ہوئے: ہم نے آل فرعون کو قحط میں مبتلا کر کے آزمانا چاہا۔ ان کی کھیتوں میں غلہ نہیں ہوا۔ درختوں میں پھل نہیں آئے۔ درخت خرما میں ایک ہی کھجور لگتی تھی۔ تاکہ وہ کچھ عبرت حاصل کریں۔ جب یہ خوب سرسبز رہتے تھے' غلہ خوب ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اس کے مستحق ہی تھے یہ ہمارا اپنا حق ہے کیسے نہ شاد کام ہوتے۔ اور اگر قحط ہو جاتا بھوکوں مرنے لگتے تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ارے یہ نحوست تو خود ان کی اپنی قسمت کی بات ہے۔ ابن عباس لفظ طائر سے مصائب مراد لیتے ہیں۔ نحوست کے اس اصلی سبب کو لوگ سمجھتے نہیں۔ ابن عباس ﴿ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ سے ﴿ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ ﴾ مراد لیتے ہیں یعنی ﴿ مِنْجَانِبِ اللّٰهِ ﴾

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور یوں کہتے کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔ سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔

فرعونیوں پر مختلف قسم کے عذاب: قوم فرعون کے تمرد اور سرکشی کی خبر دی جارہی ہے کہ انہیں کیسا حق سے عناد اور باطل پر اصرار تھا کہ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ "اگر موسیٰ علیہ السلام کوئی نشانی بتائے کہ جس کے ذریعہ ہم پر سحر کر دے تو بھی ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہم نہ اس کی دلیل کو قبول کریں گے نہ اس پر نہ اس کے معجزے پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ "ہم نے ان پر طوفان بھیجا"۔ طوفان کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں "کثرت بارش جو غرق کر دے یا کھیتوں اور باغات کو نقصان پہنچائے یا یہ کہ "وبائے عام"۔ مجاہدؒ کہتے ہیں سیلاب اور طاعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ طوفان یعنی موت۔ ایک دوسری روایت میں ہے "اللہ کا ناگہانی اور آسمانی عذاب"۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ **فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ** ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا ناگہانی عذاب ان کے سوتے ہوئے انہیں آ پہنچا۔ جراد یعنی ٹڈی جو ایک مشہور پرندہ ہے جس کا کھانا حلال ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے ہیں اور ہر وقت جراد کھانے کا موقع ملا۔ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا' دو میت اور دو دم ہمارے لئے حلال ہیں ایک مچھلی اور دوسری جراد کہ یہ مری ہوئی بھی ہوں تو جائز ہیں۔ اور خون میں دو منجمد خون' یعنی تلی اور کلیجی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اکثر جاندار جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں جن کو نہ میں کھاتا ہوں نہ دوسروں کے لئے حرام کہتا ہوں بلکہ وہ حلال ہیں اگرچہ میں نہ کھاؤں۔ حضرت ﷺ کے نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آپ کی طبیعت کو بھاتا نہیں تھا۔ جیسے جانور گوہ کہ آپ کو اس کا کھانا پسند نہیں تھا لیکن دوسروں کو اجازت دے رکھی تھی۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ٹڈی اور گوہ اور گردے نہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ کہ اس کو حرام نہیں کہا۔ ٹڈی سے اس لئے اجتناب تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے۔ جس طرف ٹڈی دل گزر جاتا ہے کھیت کے کھیت برباد ہو جاتے ہیں گردے اور مثانوں سے اس لئے اجتناب تھا کہ یہ پیشاب سے قریب کے اجزاء ہیں اور گوہ اس لئے کہ غالباً یہ کوئی مسخ شدہ امت ہے۔ پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ روایت بھی غریب ہے میں نے اس لئے اس کو نقل کیا ہے کہ اس سے اس کے اجتناب کے وجوہات پر روشنی پڑے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب جراد کو بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ حلال ہے تو فرمایا کاش دو ایک لپیں دو ایک ٹڈیاں مل جاتیں تو ہم بڑے مزے سے کھاتے۔ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ ازواج النبی ﷺ طباق بھر بھر کر جراد تحفہ کے طور پر بھیجا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جراد کھلائی۔ تو مریم نے کہا اے اللہ تعالیٰ! پرورش کے بغیر بھی اس کو زندگی دے اور بغیر آواز اور شور کے اس کو ایک دوسرے کے پیچھے رکھ۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جراد کو نہ مارو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست لشکر ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے ﴿ **فَاَرْسَلْنَا** ﴾ والی آیت کے بارے میں مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عذاب اس لئے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں یہ دروازوں کی کیلیں کھا جاتے تھے اور لکڑی چھوڑ دیتے تھے۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ میں جنگل کی طرف نکلا تھا کہ ناگہاں ایک ٹڈی دل دیکھا کہ زمین و آسمان پر چھایا ہوا ہے۔ اور ایک آدمی اس ٹڈی دل کے اندر ہے اور وہ مسلح ہے اور جس طرح اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اور دھکیلتا ہے تو ٹڈیاں ہٹ جاتی ہیں اور وہ بار بار کہتا جاتا ہے کہ دنیا اور مافیہا سب باطل ہیں باطل ہیں۔

قاضی شریحؒ سے جراد کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا' اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے اس میں سات طاقتوروں کی شان ہے۔ اس

کا سر تو سر ہے گھوڑے کا' گردن ہے بیل کی' سینہ ہے شیر کا' بازو ہیں گدھ کے' پاؤں ہیں اونٹ کے' دم ہے سانپ کی اور پیٹ کثر دم کا پیٹ ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ ﴾ کے ذکر کے وقت یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے کے لئے جا رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹڈی دل سے سامنا ہوا۔ ہم اسے لکڑیوں سے دھکیلتے اور مار رہے تھے حالانکہ ہم حالت احرام میں تھے۔ ہم نے یہ بات حضرت ﷺ سے کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہ حالت احرام صید بحر کی ممانعت نہیں۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب جراد کے لئے یوں بددعا کی تھی کہ "الٰہی! چھوٹے بڑے سب جراد کو ہلاک کر دے' ان کے انڈوں کو تباہ کر' ان کی نسل کو قطع کر دے اور ہمارا چھینا ہوا رزق ان کے منہ سے لے لے"۔ تو جابرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک لشکر ہے آپ اس کو قطع نسل کی بددعا دے رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ سمندر کی مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ زیاد نے خبر دی ہے کہ جس شخص نے مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہوئے انہیں دیکھا ہے اس کا بیان ہے کہ مچھلی جب ساحل بحر کے قریب انڈے دیتی ہے اور ساحلی پانی سوکھ جاتا ہے' دھوپ چمکتی ہے تو انڈوں میں سے یہ جراد نکل کر اڑنے لگتے ہیں۔ اور قولہ ﴿ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ﴾ کے تحت ہم نے یہ حدیث بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے چھ سو سمندر کی ہے اور چار سو خشکی والی اور جلدی ہلاک ہونے والی مخلوق جراد ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنگ کے مہلوکین کے سامنے وبا بھی کوئی چیز نہیں اور جراد کے مقابلے میں لکڑی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے ﴿ قُمَّلَ ﴾ کے بارے میں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ گیہوں کے اندر کے کیڑے ہیں یا یہ کہ وہ چھوٹے چھوٹے جراد ہیں جن کے پر نہیں ہوتے اور اڑتے نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ﴿ قُمَّلَ ﴾ چھوٹے سیاہ رنگ کے کیڑے ہیں یا مچھروں کو کہتے ہیں یا وہ ایک ایسا کیڑا ہے جو اونٹوں کو چمٹی رہنے والی چیچڑیوں کے مشابہ ہے۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوفان آیا ہوا تھا وہ بارش تھی کہ موسلا دھار برس رہی تھی فرعونی سمجھ گئے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ کہنے لگے اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اس بارش کو بند کرا دیجئے' ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی' لیکن نہ وہ ایمان لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ اس سال بارش کی وجہ سے خوب کھیتی ہوئی' غلہ اور پھل خوب پیدا ہوئے سبزیاں اگیں۔ لوگوں نے کہا بس ہماری یہی آرزو تھی۔ لیکن ایمان نہ لانے کے سبب جراد ان پر مسلط کر دیئے گئے وہ سب کھیت کھا گئے سبزیاں تباہ کر دیں' سمجھ گئے کہ اب کوئی فصل باقی نہیں رہے گی۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس عذاب کو ہٹا دیجئے' ہم ایمان لائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جراد ختم ہو گئے لیکن پھر بھی ایمان نہ لائے اور غلہ گھروں میں خوب جمع کر کے رکھ لیا اور کہنے لگے کہ اب کیا ڈر ہے غلہ ڈھیروں جمع کیا ہوا موجود ہے کہ یکایک کرمہائے گندم کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اگر کوئی پسوانے کے لئے دس جریب پیمان غلہ لے کر نکلتا تو پسنے تک تین قفیز غلہ بھی نہ رہتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ یہ "قمل" کا عذاب دور کر دو ہم آپ کی بات سنیں گے لیکن عذاب دور ہونے کے بعد پھر بھی سرکشی کی۔ ایک وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے مل رہے تھے کہ مینڈک کی ٹرٹر سنی گئی۔ آپ نے فرعون سے کہا کہ تم پر اور تمہاری قوم پر یہ کیا عذاب ہے۔ اس نے کہا اس سے تو کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ لیکن شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں کے سارے جسم پر مینڈک کودنے لگے۔ کوئی بات کرنے کے لئے منہ کھولتا اور مینڈک پھدک کر منہ میں ہو جاتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی۔ اور عذاب دور ہونے پر ایمان نہ لائے۔ اب کے خون کا عذاب نازل ہوا۔ نہروں اور باؤلیوں سے پانی لاتے ہیں تو خون بن جاتا ہے۔ برتنوں میں پانی رکھتے ہیں تو خون ہو جاتا ہے۔ فرعون سے لوگوں نے شکایت کی کہ خون کے عذاب میں ہم مبتلا ہیں' پینے کو پانی نہیں ملتا۔ فرعون نے کہا کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ کس نے

جادو کیا ہوگا ہمارے برتنوں میں خون ہی خون بھرا ہوا ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر درخواست کی اور وعدے کئے۔ لیکن اب بھی ایمان نہ لائے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب جادوگر ایمان لائے' اور فرعون مغلوب اور ناکام واپس ہوا تو پھر بھی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا تو پے در پے اس پر نشانیوں کا ظہور ہوا۔ قحط سے سابقہ پڑا' بارش کا طوفان آیا' پھر جراد کا عذاب' پھر جوں اور کیڑوں کا' پھر مینڈک اور خون۔ یہ مسلسل نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ طوفان آیا ساری زمین دلدل ہو گئی نہ ہل چلا سکتے تھے نہ کچھ بو سکتے تھے۔ بھوک سے تڑپنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ عذاب کھل جائے لیکن ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کیا۔ پھر جراد کا عذاب آیا جو ساری کھیتی کھا گئے۔ دروازوں کی کیلیں چاٹ گئے جس کی وجہ سے ان کے گھر گر پڑے۔ پھر جوؤں کا عذاب آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ ایک پتھر پر لکڑی ماری جس سے بے شمار چیچڑیاں نکل پڑیں' گھروں میں ہر جگہ پھیل گئیں' غذا کو چمٹنے لگیں نہ سو سکتے تھے نہ قرار لے سکتے تھے پھر مینڈک کا عذاب آیا۔ کھانوں میں مینڈک برتنوں میں مینڈک' کپڑوں میں مینڈک۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ پانی کے ہر برتن میں پانی کے بجائے خون ہی خون۔ غرض مختلف عذابوں سے دوچار ہونا پڑا۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مینڈک کو نہ مارا کرو' کیونکہ مینڈک کا عذاب جو قوم فرعون پر بھیجا گیا تھا تو ایک مینڈک آگ کے ایک تنور میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر گر پڑا تھا۔ چنانچہ مینڈکوں کا مسکن اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز بنائی یعنی پانی کا مقام اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ زید بن اسلم "دم" کے عذاب سے نکسیر پھوٹنے کا عذاب مراد لیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝١٣٦ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝١٣٧ ربع

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔

فرعونی فنا کے گھاٹ میں: قوم فرعون کو باوجودیکہ متواتر نشانیاں بتائی گئیں اور یکے بعد دیگرے انہیں کئی عذاب دیئے گئے لیکن ان کی سرکشی دور نہ ہوئی' تو انہیں دریا میں ڈبو دیا گیا۔ جس میں موسیٰ علیہ السلام کے لئے راستہ بنا دیا گیا وہ اس میں اتر پڑے اور اس کو پار کر گئے۔ بنی اسرائیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر بھی ان کی تقلید میں ان کے پیچھے اترا۔ جب وہ بیچ دریا میں ہو گئے تو پانی مل گیا اور وہ ڈوب گئے۔ یہ آیات الٰہی کی تکذیب کرنے اور اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ تھا۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس سرزمین کو شرقاً و غرباً بنی اسرائیل کے سپرد کر دیا جس کو نہایت ضعیف سمجھا جاتا تھا۔ جو کمزور بنے ہوئے غلامی میں زندگی گزار رہے تھے۔ جیسا کہ فرمایا "ہم چاہتے ہیں کہ اس قوم پر احسان کریں جو دنیا میں کمزور سمجھی جاتی ہے۔ ہم ان کو بادشاہ اور سردار بنانا

چاہتے ہیں انہیں اپنی زمین کا وارث اور قادر قرار دیں گے اور جس عذاب سے فرعون اور ہامان اور قوم فرعون کو اندیشہ تھا وہی ان پر عذاب نازل کریں گے"۔ اور فرمایا کہ وہ کیسے کیسے باغات' کھیتیاں اور بہترین مقامات چھوڑ کر تباہ ہو گئے جس میں وہ بڑے مزے سے گزار رہے تھے۔ ہم اگر چاہتے ہیں تو اسی طرح کسی دوسری قوم کو سردار اور بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ حسن بصریؒ اور قتادہؒ شرق و غرب سے ملک شام مراد لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مبارک بات بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی کیونکہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا تھا' اور اللہ تعالیٰ کی وہ بات اور وعدہ ﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴾ ہے ﴿ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ ﴾ یعنی فرعون اور اس کی قوم نے جو عمارتیں اور باغات بنا رکھے تھے اور محل کھڑے کئے ہوئے تھے سب ہم نے تباہ کر دیئے اور اجاڑ دیئے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے ہیں کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔

بنی اسرائیل کا جہالت پر مبنی مطالبہ: بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں کا مطالبہ بیان کیا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب دریا کو پار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم نشانی وہ دیکھ چکے' تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کو لئے بیٹھی تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کنعانی تھے یا قبیلہ لخم کے تھے۔ گائے کے جیسے جانور کا بت بنا رکھا تھا۔ اسی لئے بعد میں اسی کے مشابہ ایک گوسالہ کی پرستش میں وہ مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ "اے موسیٰ! ہمارے لئے ایک معبود بنا دو' جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں"۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو' اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بھول بیٹھے ہو۔ وہ تو ایسی باتوں سے منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل ہو سکے۔ ان کا مذہب بھی باطل ہے اور ان کا عمل بھی باطل ہے۔

بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ﷺ کے ساتھ مکے سے حنین کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کفار کا ایک بیری کا درخت تھا۔ جس پر وہ دھرنا جمائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہتھیار اس درخت پر باندھ رکھے تھے اس درخت کی عظمت کرتے تھے۔ اس درخت کو کہا جاتا تھا "ذات انواط" جب ہم اس درخت کے پاس پہنچے جو بہت سرسبز اور عظیم الشان تھا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی قرار دیجئے جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی قسم تم نے تو وہ بات کہی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسا ان لوگوں کا ہے' تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا تم بڑے ہی جاہل ہو۔ ان کا طریق اور ان کے اعمال سب جھوٹے اور باطل ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی انہیں کے قدم چلنا چاہتے ہو۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَ
فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۱۴۱ۧ

فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کردوں حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔

فرعون کی قید نجات دینے والا ہی لائق عبادت ہے: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون کی قید سے اور غلبہ سے نجات دی اور رسوائی و ذلت سے چھٹکارا دیا۔ یہاں اوج و عزت عطا کی۔ تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے برباد کیا' اس کے سوا اور کون قابل عبادت ہے۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ
وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴۲

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب اور ان تیس شب کا تتمہ بنایا سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنے اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔

موسیٰ کی کوہ طور پر روانگی اور ھارون کی جانشینی: بنی اسرائیل پر احسان جتایا جا رہا ہے کہ تم کو ہدایت حاصل ہوئی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ اس نے توریت دی جس میں احکام ہیں اور شرع کی تمام تفصیلی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دنوں روزہ رکھا تھا۔ جب یہ تیس دن تمام ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مزید حکم دیا کہ چالیس دن کی تکمیل کریں۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ تیس دن ذیقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ اس طرح عید کے دن تک چالیس دن کا تکملہ ہوا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا۔ جیسا کہ فرمایا کہ آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا' اپنی نعمت تم پر پوری اتار دی اور تمہارے لئے دین اسلام اختیار کیا۔ غرض یہ کہ جب میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام طور کی طرف گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو دشمن سے نجات دی اور طور کی سیدھی طرف بلایا تھا"۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا اور حالات کو بہترین رکھنے کی وصیت کی تاکہ فسادات نہ پیدا ہوں۔ یہ بات بہ طور تنبیہ و تذکیر کے ہے ورنہ ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور وجاہت و جلالت والے نبی تھے ۞ والصلوۃ علی سائر الانبیاء ۞

وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ
تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى

رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے۔ پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

موسیٰؑ کی اللہ سے ہم کلامی: موسیٰ علیہ السلام سے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام وعدہ گاہ پر آئے اور آپ کو اللہ پاک سے تکلم کا شرف حاصل ہوا تو یہ بھی درخواست کی کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں مجھے دیکھنے کا موقع عنایت فرما۔ تو اللہ پاک نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لفظ ﴿لن﴾ نے جو ﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ میں ہے اکثر علماء کے لئے اشکال پیدا کر دیا ہے۔ اسلئے کہ لنْ ہمیشہ کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس بنا پر معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا ہو یا آخرت رویت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس بارے میں متواتر احادیث مروی ہیں کہ مومنین کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ اس میں مومنین کو خوش خبری دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ پھر کفار کے بارے میں کہا ہے کہ وہ نہ دیکھ سکیں گے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نفی دنیا کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے اس طرح اب کلام میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے کہ آخرت میں رویت صحیح ہے اور دنیا میں نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مقام میں یہ کلام بالکل ایسا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ سورۂ انعام میں اس پر کافی بحث گزر چکی ہے۔ کتب متقدمہ میں ہے کہ اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ کوئی زندہ مرنے سے پہلے مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ خشک چیزیں بھی میری تجلی سے فنا ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رب نے جب اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی (اس وقت آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ بھی کیا) تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ابو اسماعیل نے بھی یہ کہتے ہوئے ہمیں اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی کا نام مبہم ہے بتایا نہیں گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے آیت ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى ﴾ پڑھتے وقت اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگیا کے اوپر کے پورے پر رکھ کر بتایا کہ اتنی سی تجلی کے سبب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حمید نے ثابت سے کہا کہ دیکھو اس طرح چنانچہ ثابت نے اپنا ہاتھ حمید کے سینے پر مارا اور کہا اس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ انسؓ نے روایت کی ہے تو کیا میں اس کو چھپاؤں گا۔ امام احمدؒ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رب نے صرف چھنگیا برابر تجلی کی تھی کہ پہاڑ جل اٹھا اور خاک بن گیا۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ زمین میں دھنس گیا اور دھنستا جا رہا ہے اور اب وہ قیامت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ جب پہاڑوں پر تجلی ہوئی تو چھ پہاڑ اڑ گئے' تین مکہ میں آ کر گرے اور تین مدینے میں۔ مدینے میں احد ہے ورقان ہے رضوی ہے۔ اور مکے میں حراء ہے ثبیر ہے۔ ثور ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے۔

تجلی سے پہلے کوہ طور چکنا اور صاف تھا۔ تجلی کے بعد اس میں غار اور درے پڑ گئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ قول کہ "اے موسیٰ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ قائم رہے تو سمجھو کہ تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ پہاڑ کی پیدائش اور استحکام تو انسان سے کہیں اکبر

اور اشد ہے اور جب پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوئی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تو پہاڑ کی یہ کیفیت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿ صَعِقَ ﴾ کے معنی غشی کے ہیں' جیسا کہ ابن عباسؓ نے تفسیر کی۔ قتادہؒ اس کے معنی موت لیتے ہیں اور از روئے لغت یہ معنی بھی صحیح ہیں جیسا کہ آیت قرآن ہے کہ ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ یعنی صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز مر جائے گی فنا ہو جائے گی۔ غرض یہاں قرینہ موت کا ہے اور غشی کا بھی ہے۔ غشی کا اس لئے کہ پھر اللہ پاک نے فرمایا کہ ﴿ فَلَمَّا اَفَاقَ ﴾ اور افاقہ تو غشی ہی سے ہوتا ہے نہ کہ موت سے' اس لئے غشی کے معنی لینا ہی صحیح ہے۔

افاقہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے' تجھ پر کوئی نظر نہیں ڈال سکتا ورنہ مر جائے گا جل جائے گا' میں سوال رویت کی خطا سے توبہ کرتا ہوں' اب مجھے اس کا یقین ہو گیا' اور سب سے پہلے مجھے یقین ہے۔ یہاں ایمان سے' ایمان و اسلام مراد نہیں بلکہ ایمان اس بات کا کہ تیری مخلوق تجھے نہیں دیکھ سکتی۔

ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاقؒ کی روایت سے ایک عجیب و غریب حدیث نقل کی ہے اور غالباً انہیں یہ بات اسرائیلیات کے دفتر سے ملی ہے' واللہ اعلم۔ ﴿ خَرَّمُوْسٰی صَعِقًا ﴾ سے متعلق ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے آ کر حضرت ﷺ سے شکایت کی کہ آپ کے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس انصاری کو بلا کر حضرت ﷺ نے پوچھا' تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس یہودی کو کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے تو میں نے کہا' کیا محمد ﷺ پر بھی تو اس نے کہا' ہاں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہ السلام پر فضیلت نہ دو' لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور جب افاقہ ہو گا تو سب سے پہلے مجھے ہو گا' لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام پایہ عرش کو تھامے کھڑے ہیں' میں نہیں جانتا کہ مجھ سے پہلے انہیں ہوش آئے گا یا یہ کہ وہ بے ہوش ہوں گے ہی نہیں کیونکہ وہ ایک بار تجلی طور سے بے ہوش ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ فرما دے گا۔ بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔

ابو بکر ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ اس قضیہ کے فریق حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے لیکن بخاری و مسلم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ انصار کا ایک آدمی تھا اور ابو بکرؓ تو انصار میں سے نہیں تھے بلکہ مہاجر تھے۔ اور یہ بات کہ کہ ﴿ لا تخیرونی علی موسیٰ ﴾ مثل اس حدیث کے ہے کہ ﴿ لا تفضلونی علی الانبیاء ولا علی یونس ابن متی ﴾ کہتے ہیں کہ یہ بات از روئے تواضع تھی یا یہ فرمان اس سے پہلے کا ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہو' یا یہ کہ غصے میں آ کر تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو' یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے فضیلت قائم نہ کرو' واللہ اعلم۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بے ہوشی عرصہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ہو گی۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اس وقت کا حال ہو جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی کی برداشت نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے افاقہ ہو گا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہیں ہوئے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو آپ کی نظر ایسی تیز ہو گئی کہ دس کوس کی مسافت سے تاریک رات میں بھی کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس لحاظ سے کوئی بعید نہیں کہ یہ خصوصیت ہمارے نبی ﷺ کو بھی حاصل ہو کیونکہ معراج میں آپ ﷺ نے تو آیات کبریٰ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تھیں۔ اس بات کے ذریعہ گویا کہ حدیث کی تصحیح ثابت کی' لیکن اس کی صحت غور طلب بات ہے کیونکہ اس حدیث میں راوی غیر معروف لوگ ہیں اور ایسی باتیں جب تک عادل اور ثقہ راویوں سے منسوب نہ ہوں' قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی۔ تو ان کو کوشش کے ساتھ عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔

موسیٰ کے چند امتیازی اوصاف: ارشاد ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے کہ ہم نے تم کو رسالت اور کلام کے لئے سب لوگوں میں سے چن لیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا۔ جن کی شریعت قیامت تک کے لئے جاری ہوگی اور آپ کے امتی سارے انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔ شرف و فضل میں آپ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں' پھر حضرت موسیٰ بن عمران کلیم اللہ۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں جو کلام اور مناجات دی ہے اس کو لے لو اور شکر ادا کرو اور جس کے سہنے کی تمہیں طاقت نہیں اس کا مطالبہ نہ کرو۔ پھر خبر دی جاتی ہے کہ ان الواح میں ہر بات کی نصیحت اور ہر حکم کی تفصیل موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الواح جواہر کے تھے۔ اللہ پاک نے اس میں مواعظ اور احکام تفصیل سے لکھ دیئے تھے اور سب حلال و حرام بتا دیا گیا تھا۔ ان الواح پر توریت لکھی ہوئی تھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ قرون اولیٰ کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جس میں لوگوں کے لئے بصیرت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الواح توریت لکھنے سے پہلے ہی دیئے گئے تھے۔ بہر حال یہ ضروری ہے کہ یہ سوال رویت کو نامنظور کرنے کا معاوضہ تھا۔ قوت کے ساتھ لو' یعنی طاعت کا عزم مصمم کر کے لو اور اپنی قوم کو بھی حکم کرو کہ اس پر اچھی طرح عمل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے ساتھ قوت کا لفظ ہے اور قوم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ احسن کا لفظ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو تاکید ہے کہ سب سے پہلے تم اس پر سختی سے عمل کرو' اور تمہاری قوم بھی احسن طریق سے عمل کرے ﴿ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ یعنی قریب میں تم میری مخالفت کرنے والے اور میری طاعت سے سرتابی کرنے والے کا انجام دیکھ لو گے کہ وہ کس طرح ہلاک اور برباد ہو جائے گا۔ یہ بات بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی اپنے مخاطب سے کہے کہ اگر تم میرے حکم کے خلاف کرو گے تو کل میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ یہاں خلاف امر کرنے والوں کو وعید اور تہدید کی جا رہی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے ہم اطاعت کرنے والوں کو فاسقوں کا ملک یعنی شام عطا کریں گے یا یہ کہ منازل قوم فرعون مراد ہیں' لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے' واللہ اعلم۔ کیونکہ یہ فرمان موسیٰ علیہ السلام کے بلاد مصر کو چھوڑنے کے بعد کا ہے اور یہ دوسرا قول تو بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور یہ تخاطب میدان تیہ میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اور اگر تمام نشان دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں۔ اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں۔ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اور ان سے غافل رہے۔ اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔

تکبر کا نتیجہ وانجام: ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ہماری اطاعت سے انکار ہے جو بلاوجہ لوگوں سے غرور کرتے ہیں شریعت اور احکام کے سمجھنے ہی سے محروم کردیں گے جو ہماری عظمت ووحدانیت پر دلیل قاطع ہیں۔ انہیں جہالت سے واسطہ پڑا ہے' اللہ تعالٰی نے انہیں ذلیل کر دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ ہی دیا ہے کیونکہ سمجھانے بجھانے پر بھی وہ ایمان لائے ہی نہیں۔ اور فرمایا کہ وہ جب ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا تاکہ نہیں سمجھتے تو کبھی بھی نہ سمجھنے پائیں۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ غرور کرنے والا علم اور معرفت سیکھ ہی نہیں سکتا اس کی تو ناک چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس نے کچھ عرصے کے لئے علم سیکھنے کی مذلت کو برداشت نہیں کیا اس کو ہمیشہ کے لئے علم سے محروم رہنے کی مذلت برداشت کرنی پڑے گی۔

اسی لئے اللہ پاک نے ان سے فہم قرآن کا مادہ چھین لیا ہے اور اپنی آیات سے ان کو محروم کر دیا۔ اس آیت کا اشارہ اس امت کی طرف بھی ہے۔ یہ ابن عیینہؒ کا خیال ہے لیکن یہ کوئی ضرور نہیں۔ ابن عیینہ تو ہر امت کے حق میں اس کو قرار دیتے ہیں اور امتوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے' واللہ اعلم۔

ارشاد ہے کہ وہ کیسی ہی آیت کیوں نہ سنیں' ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ فرمایا جن لوگوں کے حق میں کلمہ رب پورا ہو چکا کہ وہ راہ راست پر نہیں آئیں گے' تو وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے خواہ کیسی ہی آیت کیوں نہ آئے حتیٰ کہ وہ عذاب الیم دیکھ لیں گے اور اگر راہ ہدایت اور طریق نجات ان پر ظاہر ہو جائے لیکن کبھی سیدھی راہ اختیار نہیں کریں گے اور اگر ہلاکت وگمراہی کی راہ ان کے سامنے آ جائے تو فوراً اختیار کرلیں گے۔ اب ان کی اس نادانی کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے ان پر عمل نہیں کیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہماری آیتوں کے ماننے سے انکار ہے اور روز قیامت ہم سے سامنا ہونے کا یقین نہیں اور مرتے دم تک اپنے اسی خیال پر قائم رہے تو ایمان کی معیت میں نیک عمل نہ ہونے کے سبب یہ سارے نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور سلب کر لئے جائیں گے۔ ارشاد ہے کہ ان کے اعمال کی یہی جزا ہے۔ ہم ان کے حسب اعمال جزا دیتے ہیں۔ اگر وہ ایمان کے ساتھ نیکی کرتے تو نیک جزا دیتے اور برائی تو برائی ہے جیسا عمل ویسا بدلہ۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا

أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا
سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا۔ اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے۔

سامری کا تیار کردہ بچھڑا اور اس کی حقیقت و نوعیت: بنی اسرائیل میں سے گمراہ لوگوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ سامری نے ان زیورات سے جو قبطیوں سے مستعار لے گئے تھے ان کے سونے چاندی سے بچھڑے کا سا ایک مجسمہ بنایا اور اس کے پیٹ کے اندر ایک ایک مٹھی بھر وہ مٹی ڈال دی جو جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے حاصل کر رکھی تھی چنانچہ اس بچھڑے کے اندر سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے گائے کی ہوتی ہے۔ یہ سارا کھیل موسیٰ علیہ السلام کے غیاب میں ہوا جب کہ آپ میقات رب کی خاطر طور پر گئے ہوئے تھے۔ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے آگاہ فرمادیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوتا ہے کہ لے موسیٰ! تمہاری قوم کو تمہارے پیچھے ہم نے آزمائش میں ڈال دیا ہے یعنی سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ گوشت اور خون کا بن چکا تھا اور آواز دینے لگا تھا یا سونے ہی کا بنا ہوا تھا صرف اس میں ہوا داخل ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بچھڑا تیار ہونے کے بعد جب گائے کی طرح آواز دینے لگا تو ناچتے ہوئے اس کے اطراف طواف کرنے لگے اور بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہی ہے تمہارا رب اور موسیٰ کا رب "موسیٰ بھول میں پڑ گئے ہیں" ارشاد ہوتا ہے کہ کیا وہ اتنی سی بات کو نہیں سمجھتے کہ آواز نکالتا ہے تو کیا ہوا وہ تمہاری کسی بات کو جواب دیتا تو ہے نہیں نہ تمہیں کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ نہ وہ ان سے بات کرتا ہے نہ انہیں کوئی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان گوسالہ پرستوں کو سرزنش ہو رہی ہے کہ بچھڑے کو لے کر گمراہ ہو گئے خالق السموات والارض کو بھول گئے" ان کی آنکھوں پر جہل و گمراہی کے پردے پڑ گئے ہیں جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی شے کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دے گی۔ اور جب یہ اپنے فعل پر نادم ہوئے اور سمجھ میں آ گیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گناہ کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے زاری کی۔

بعض نے ﴿ يَرْحَمْنَا ﴾ کے بجائے (ت) سے ﴿ تَرْحَمْنَا ﴾ اور ﴿ تَغْفِرْلَنَا ﴾ پڑھا ہے۔ اس طرح ﴿ رَبَّنَا ﴾ فاعل ہونے کے بجائے منادی ہو جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ
بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ
قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ

وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب میری خطا معاف فرمایئے۔ اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

موسیٰ کی طور سے واپسی اور ہارون پر اظہار خفگی: موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے باتیں کر کے قوم کی طرف لوٹے تو نہایت غضبناک تھے اور رنج وافسوس میں تھے۔ اور کہنے لگے کہ میرے پیچھے گوسالہ کی پرستش کر کے تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو تم جلدی بلا لینا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں سے ہٹا کر مجھے جلدی لوٹانا چاہتے تھے۔ مگر یہی بات مقدر میں تھی۔ اور شدت غضب میں یہ الواح انہوں نے زمین پر ڈال دیں اور بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ الواح زمرد کے تھے یا یاقوت کے یا کپڑے کے یا لکڑی کے۔ اس واقعہ سے دلالت ہوتی ہے اس حدیث پر جو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ لَیْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَایَنَةِ ﴾ یعنی شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اور ظاہر سیاق عبارت یہ ہے کہ آپ نے غضبناک ہو کر الواح قوم کے سامنے پھینک دیئے۔ یہ سلف وخلف تمام جمہور کا قول ہے۔ ابن جریرؒ نے روایت کی ہے کہ یہ قول غریب ہے اس کی اسناد صحیح نہیں۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ رد کرنے کے قابل ہے شاید بعض اہل کتاب کے ذخیرہ سے قتادہؒ نے نقل کر لیا ہو اور اہل کتاب میں تو جھوٹ تصرف کرنے والے بات بنانے والے اور زندیق بہت ہیں۔ بھائی کا سر پکڑ کر گھسیٹا تو اس خیال کے تحت کہ لوگوں کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں اس نے کوتاہی کی ہو گی۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ اے ہارون جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہی اختیار کر رہے ہیں تو میرے حکم پر چلنے سے تم کو کس نے روکا تھا۔ کیا تمہیں میری نافرمانی کی جرأت ہو گئی۔ تو ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کے نہ کھینچو مجھے تو یہ خوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ میرا انتظار کیوں نہیں کیا اور بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا' اے بھائی یہ لوگ تو میری پروا نہیں کرتے تھے مجھے کمزور خیال کر لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل بھی کر دیتے' دشمنوں کو مجھ پر مت ہنساؤ اور ان ظالموں میں مجھے شمار نہ کرو"۔ میری ماں کے بیٹے کے الفاظ اس لئے کہے تاکہ یہ الفاظ اثر انداز ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کو رحم آ جائے۔ ورنہ وہ تو ان کے ماں باپ دونوں طرف سے سگے بھائی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھائی کی بے قصوری ثابت ہو گئی تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ ارشاد ہے کہ ہارون نے پہلے ہی لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اے لوگو! تم فتنے میں مبتلا ہو رہے ہو' تمہارا رب یہ گوسالہ نہیں" بلکہ رحمٰن ہے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات سنو۔ اس لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ "الٰہی! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ہم دونوں کو تو اپنی رحمت میں لے لے' تو ارحم الراحمین ہے"۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے' دیکھنے والے کی بات الگ اور سننے والے کی الگ ہوتی ہے۔ رب عزوجل نے خبر دی تھی کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے یہ سن کر انہوں نے الواح نہیں پھینکے اور جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو غصہ کے مارے الواح پھینک دیئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی۔ اور ہم افتراپردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کردینے والا رحمت کرنے والا ہے۔

گوسالہ پرستی سے توبہ کا طریقہ: گوسالہ پرستی کی سزا میں اللہ تعالیٰ کا جو غضب بنی اسرائیل پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوئی کہ بحکم الٰہی آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرڈالیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں توبہ پیش کرو کہ باہم اپنی جانوں کو قتل کرڈالو۔ اللہ تعالیٰ اسی میں تمہاری بہتری جانتا ہے''۔ اور جب انہوں نے ایسا کیا تو ان کی توبہ قبول کرلی گئی۔ وہ تو رب رحیم ہے۔ لیکن دنیا میں انہیں ذلت وخواری نصیب ہوئی۔ قولہ ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴾ اور یہ ذلت تو ہر مفتری کے لئے یوم قیامت تک رہتی ہے۔ سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ اسی طرح ہر صاحب بدعت ذلیل ہوگا۔ جو بدعت نکالتا ہے اس کو یہی سزا ملے گی۔ مخالفت رسول اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آپڑتا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ دنیوی شان وشوکت رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرہ پر برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک یہ سزا جھوٹ باندھنے والے اور افترا کرنے والے کو ملتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ خواہ کیسا ہی گناہ ہو' لیکن توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتا ہے اگرچہ کفر وشرک وشقاق ونفاق ہی ہو۔ حکم ہوتا ہے کہ جو گناہ کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت تمہارا رب اس کے بعد بھی غفور رحیم ہے۔ ابن مسعودؓ سے سوال کیا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ کسی عورت سے زنا کرے پھر اس سے نکاح کرلے تو اس کے بارے میں کیا ہوگا؟ تو اس آیت کی تلاوت کی کہ ''جن لوگوں نے برے کام کئے پھر توبہ کرلی' ایمان لائے اور راستی پر آگئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی بخشنے والا اور رحیم ہے۔ عبداللہؓ نے دس بار اس کی تلاوت کی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِىْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔

موسیٰ اور امت محمدیہ: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھم گیا تو انہوں نے تختیاں اٹھالیں جو شدت غضب کے سبب پھینک دی تھیں۔ یہ حرکت بت پرستی پر غیرت اور غصے کی وجہ سے تھی۔ ارشاد ہے کہ ''اس کے اندر ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں''۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب انہیں پھینک دیا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں۔ پھر انہیں جمع کر لیا اور اسی بنا پر بعض سلف نے کہا ہے کہ ان ٹوٹی ہوئی تختیوں میں ہدایت ورحمت کے احکام درج تھے لیکن تفصیل سے متعلق احکام ضائع ہو گئے۔ گمان کیا گیا ہے کہ اسرائیلی بادشاہوں کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانے تک یہ ٹکڑے موجود تھے' واللہ اعلم۔ لیکن اس بات پر دلیل واضح ہے کہ پھینک دینے سے وہ ٹوٹ گئے تھے وہ تختیاں جنت کے جوہر کی بنی ہوئی تھیں۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ جب

انہیں اٹھالیا تو اس میں ہدایت و رحمت پائی۔ رہبت کے معنی خشوع و خضوع کے ہیں ﴿ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ﴾ سے متعلق قتادہؒ نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یارب میں الواح میں لکھا پاتا ہوں کہ ایک بہترین امت ہوگی جو ہمیشہ اچھی باتوں کو سکھاتی رہے گی اور بری باتوں سے روکتی رہے گی۔ اے اللہ تعالیٰ وہ امت میری امت ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ وہ تو احمد ﷺ کی امت ہوگی۔ پھر کہا یا رب ان الواح سے ایک ایسی امت کا پتہ چلتا ہے جو سب سے آخر میں پیدا ہوگی۔ لیکن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوگی' اے اللہ تعالیٰ وہ میری امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ احمد (ﷺ) کی امت ہے۔ پھر کہا یارب اس امت کا قرآن ان کے سینوں میں ہوگا دل میں دیکھ کر پڑھتے ہوں گے حالانکہ ان سے پہلے کے سب ہی لوگ اپنے قرآن پر نظر ڈال کر قرآن پڑھتے ہیں دل سے نہیں پڑھتے حتیٰ کہ ان کا قرآن اگر ہٹالیا جائے تو پھر ان کو کچھ بھی یاد نہیں اور نہ وہ کچھ پہچان سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ کی ایسی قوت دی ہے کہ کسی امت کو نہیں دی گئی۔ یارب وہ میری امت ہو۔ کہا اے موسیٰ! وہ تو احمد (ﷺ) کی امت ہے۔ پھر کہا یارب! وہ امت تیری ہر کتاب پر ایمان لائے گی' وہ گمراہوں اور کافروں سے قتال کریں گے حتیٰ کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے' الٰہی وہ میری امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ احمد کی امت ہوگی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا یارب الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے نذرانے اور صدقات خود آپس کے لوگ ہی کھالیں گے حالانکہ اس امت سے پہلے تک کی امتوں کا کیا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ کوئی صدقہ یا نذر پیش کریں گے اور وہ قبول ہوگی تو اللہ تعالیٰ آگ کو بھیجے گا اور آگ اسے کھا جائے گی اور قبول نہ ہوئی تو رد ہوگئی تو پھر بھی وہ اس کو نہ کھائیں گے بلکہ درندے اور پرندے آکر کھا جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے صدقے ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے گا۔ یارب وہ میری امت ہو تو فرمایا یہ احمد (ﷺ) کی امت ہوگی۔ پھر کہا یارب میں الواح میں پاتا ہوں کہ وہ اگر کوئی نیکی کا ارادہ کرے گی لیکن عمل میں نہ لاسکے گی تو پھر بھی ایک ثواب کی حقدار ہو جائے گی اور اگر عمل میں لائے گی تو دس حصے ثواب ملے گا بلکہ سات سو حصے تک' اے اللہ تعالیٰ وہ میری امت ہو۔ تو فرمایا وہ احمد (ﷺ) کی امت ہے۔ پھر کہا کہ الواح میں ہے کہ وہ دوسروں کی شفاعت بھی کریں گے اور ان کی شفاعت بھی دوسروں کی طرف سے ہوگی' اے اللہ تعالیٰ وہ میری امت ہو' تو کہا نہیں' یہ احمد (ﷺ) کی امت ہوگی۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے پھر الواح رکھ دیئے اور کہا یارب! مجھے اس احمد (ﷺ) کی امت میں سے بنا دے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ

اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین کے لئے منتخب کئے۔ سو جب ان کو زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰ عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے۔ کہیں آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں ہم پر مغفرت اور رحمت فرمایئے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ ہیں۔ اور ہم لوگوں

کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی' ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کوہ طور پر ستر آدمیوں کی موت: اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو ستر آدمی انتخاب کر لینے کا حق دیا تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ایسے منتخب ستر لوگوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لئے گئے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو کچھ اس طرح کی کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں وہ کچھ عنایت کر جواب تک ہم سے پہلے تو نے کسی کو نہ دیا ہو اور نہ ہمارے بعد پھر کسی اور کو دے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزری چنانچہ زلزلے نے انہیں گھیرا۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس آدمیوں کے ساتھ آنے کے لئے کہا جو گوسالہ کی پرستش کے سبب اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور دعا کے لئے ایک وقت اور مقام قرار دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی انتخاب کئے جنہیں اعتذار کے لئے اپنے ساتھ لے گئے لیکن جب وعدہ گاہ پر پہنچے تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم تو تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں' تم نے تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کر لیں' اب ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کو دکھلا دیجئے۔ اس جسارت کی سزا میں ان پر بجلی گری اور سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے اٹھے اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! اب میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا یہ تو ان میں کے اچھے لوگ تھے انہیں بھی تو نے ہلاک کر دیا۔ کاش اے اللہ تعالیٰ تو ان کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر اچھے سے اچھے آدمی چنے تھے اور کہا تھا کہ چلو اللہ تعالیٰ کی طرف اور اپنی بقیہ قوم کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس معذرت پیش کرو' توبہ کرو' روزے رکھو' جسم اور کپڑوں کو پاک کر لو۔ پھر انہیں وقت مقررہ پر طور سیناء کی طرف لے چلے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی اجازت اور علم سے تھا۔ اب یہ سب ہی ستر افراد جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے' کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ سے تمہاری باتیں ہوتی ہیں ہمیں بھی یہ باتیں سنے دیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اچھا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو وہ ایک بہت ہی گہرے اور اڈے ہوئے بادل کے اندر چھپ گئے' پہاڑ بھی بادل کے اندر ڈھک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بادل میں آئے۔ قوم سے کہا تم بھی قریب تر ہو جاؤ۔ اور موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے ہوتے تو آپ کے چہرے پر ایک بہت ہی چمکدار نور ضیابار ہو تا کہ کوئی آپ کے چہرے پر نظر ڈالنے کی قدرت نہ رکھتا۔ اس لئے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے۔ جب لوگ اس ابر کے قریب آکر اس میں داخل ہو گئے تو سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی باتیں سنیں کہ اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام کو امر دے رہا ہے اور نہی کر رہا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو' اور اس سے جب فارغ ہو گئے' ابر ہٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم تو اس وقت تم پر ایمان لائیں کہ تم ہمیں علانیہ رب دکھلا دو۔ اس گستاخی میں انہیں بجلی نے آپکڑا۔ ان کی روحیں جسم سے نکل گئیں مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے پاس آہ وزاری کرنے لگے کہ اللہ اگر تو انہیں ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا تو ان کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتا' انہوں نے بیوقوفی کی حرکت کی۔ میرے پیچھے کیا تو بنی اسرائیل کو ہلاک کر دے گا۔

علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ موسیٰ اور ہارون و شبر و شبیر یہ سب مل کر ایک پہاڑ کی وادی کی طرف گئے۔ ہارون ایک ٹیلے پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو انہوں نے ہارون کو پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ مر گئے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں تم نے قتل کیا ہو گا وہ بڑے نرم مزاج اور مرنج و مرنجاں آدمی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اچھا تم کچھ آدمی چن لو! انہوں نے ستر آدمی چن لئے۔ اب ہارون علیہ السلام کی لاش پر گئے اور پوچھا ہارون علیہ السلام! تم کو کس نے قتل کیا؟ ہارون سے آواز آئی "مجھے تو کسی نے بھی قتل نہیں کیا' میں تو اپنی موت مرا ہوں"۔ اب یہ لوگ کہنے لگے۔ "اے موسیٰ (علیہ السلام)! اس کے بعد ہم تم سے کبھی سرکشی نہیں کریں گے"۔ سزا یہ ملی کہ انہیں ایک کڑک نے آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام سیدھے اور

بائیں بے معنی گردش کرتے اور کہتے کہ اے اللہ تعالیٰ! کیا ان بیہودوں کی گفتگو پر تو ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تیری آزمائش تھی تو جس کو چاہے گمراہ کرے جس کو چاہے ہدایت دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زندہ کر دیا اور ان سب کو انبیاء بنایا۔

یہ بہت غریب اور نا قابل یقین حدیث ہے راویوں میں عمارہ بن عبید تو بالکل مجہول شخص ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس لئے ان پر عذاب نازل ہوا تھا کہ گوسالہ پرستی کو چپ چاپ دیکھتے رہے تھے اور قوم کو اس شرک سے منع تک نہیں کیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بیوقوفوں کا نام دیا تھا اور کہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ تیرا ابتلاء اور امتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یوں حمد و ثنا کی کہ یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تو جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے' ہدایت و گمراہی تیرے ہی پاس ہے' جسے تو راہ دکھائے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ تو جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے دے اس سے کوئی چھین نہیں سکتا' ملک کا مالک تو ہی ہے اور حکم کا حاکم بھی صرف تو ہی ہے' خلق و امر سب تیری ہی طرف سے ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ "اے اللہ تعالیٰ! تو ہمارا ولی ہے ہمیں بخش دے ہم پر رحم فرما۔ تو خیر الغافرین ہے"۔ غفر کے معنی ڈھانپنا' چھپانا اور گناہ پر مواخذہ کرنا' اور غفران کے ساتھ جب رحمت کا جوڑ ہو جائے تو یہ مطلب ہے کہ بخش دینے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ مبتلائے گناہ نہ ہونے دے۔ اے اللہ تعالیٰ! دنیا میں بھی تو ہمیں نیکی دے اور آخرت میں بھی (حسنة کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے) ہم توبہ کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ان کا نام یہود اس لئے پڑ گیا کہ انہوں نے ﴿ هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ کہا تھا۔

قَالَ عَذَابِيٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور لکھوں گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

رحمت الٰہی کی وسعتیں: موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ یہ تیرا فتنہ تیرا عذاب ہے' تو ارشاد ہوتا ہے کہ عذاب اسی کو پہنچتا ہے جس کے لئے میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کو عذاب ہونا چاہئے ورنہ میری رحمت تو ہر شے پر وسیع ہے میں جیسا چاہوں کروں۔ ہر بات میں حکمت اور عدل میرا ہی حق ہے۔ رحمت والی آیت بہت عظیم ہے اور سب پر شامل ہے۔ جیسا کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کی زبان میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا' اونٹنی کو بٹھا کر باندھ دیا' پھر حضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنی اونٹنی کھولی' اس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ پر اور محمد ﷺ پر اپنی رحمت کر' ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ بنا۔ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے فرمایا' بتاؤ تو یہ زیادہ گمراہ اور بیوقوف ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا جو اس نے کہا؟ لوگوں نے کہا' ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اس کی بڑی وسیع رحمت ہے' اس نے رحمت کے سو حصے کئے ہیں ایک حصہ ساری خلقت پر تقسیم کیا ہے۔ جن و انس و بہائم سب کو اسی ایک میں سے حصہ ملا ہے اور باقی ننانوے حصے اپنے لئے خاص رکھے ہیں' اب تمہیں بتاؤں کہ ان دونوں میں کون زیادہ بے وقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا' اسی

سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے' اسی سے حیوان اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہوگا اور بروز قیامت اسی حصے کے ساتھ اور ننانوے حصے جو موخر ہیں ملا دیئے جائیں گے۔ اور روایت ہے کہ اسی نازل کردہ ایک حصے میں چرند و پرند بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جو بلحاظ دین فاجر ہے جو بہ لحاظ کسب معاش احمق ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ بھی جنت میں جائے گا جس کو آگ نے گناہوں کے سبب گھیر رکھا ہو اس کی رحمت قیامت میں ایسی چھا جائے گی کہ ابلیس کو بھی اس میں سے کچھ ملنے کی توقع پیدا ہو جائے گی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے سعد اس کے راویوں میں ایک غیر معروف شخص ہے۔ میری رحمت کے مستحق وہ ہوں گے جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا' تمہارے رب نے اپنی ذات کے لئے رحمت کو فرض قرار دے لیا ہے۔ پرہیزگاری کرتے ہیں یعنی شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں۔ کہا گیا کہ زکوۃ سے زکواۃ نفوس مراد ہے یا زکوۃ اموال یا یہ کہ دونوں مراد ہوں' کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؀ۧ

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں: جو لوگ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں اور مسلمان ہو جاتے ہیں' انہیں اس پیش گوئی کا علم ہے جو ان کی کتابوں توریت وانجیل میں نبی امی سے متعلق لکھی ہوئی ہیں۔ کتب انبیاء میں نبی اکرم ﷺ کی صفت مذکور ہے۔ جنہوں نے اپنی اپنی امت کو آپ کی بعثت کی خوشخبری دی ہے اور ان کا مذہب اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ان کے علماء اور راہب اس چیز کو جانتے ہیں۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک بدوی نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں' میں دودھ بیچنے کے لئے مدینے گیا۔ بیع سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا چلو ان (محمد ﷺ) سے بھی مل لوں' اور ان سے کچھ باتیں سنوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ جا رہے ہیں' میں بھی پیچھے ہو لیا۔ یہ تینوں ایک یہودی کے گھر پہنچے جو تورات جانتا تھا۔ اس کا لڑکا قریب الموت تھا نوجوان اور خوبصورت۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تعزیت نفس کی خاطر توریت پڑھ رہا تھا۔ حضرت ﷺ اس یہودی سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ تمہیں توریت نازل کرنے والے کی قسم ہے سچ بتاؤ اس میں میرا ذکر اور میری بعثت کی خبر بھی ہے کہ نہیں۔ اس

نے سر ہلا کر کہا ''نہیں'' تو اس کا قریب الموت نوجوان لڑکا بول اٹھا کہ توراۃ نازل کرنے والے کی قسم کہ ہم اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفت اور بعثت کی خبر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جب وہ مر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسلمان ہے یہودیوں کو یہاں سے ہٹادو۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے کفن اور نماز کا انتظام کیا۔ یہ حدیث جید اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں انس ؓ سے مروی ہے۔

ہشام بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ ہرقل شاہ روم کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے میں اور ایک آدمی بھیجے گئے ہم چلے اور غوطہ دمشق تک پہنچے' جبلہ بن ایہم الغسانی کے محل کو گئے۔ وہ صاحب تخت تھا۔ ہمارے پاس ایک سفیر کو بھیجا کہ بات کرے کہ کیا کہنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تم سے بات نہیں کریں گے۔ ہم بادشاہ سے بات کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں' اس نے بلالیا تو اسی سے بات کریں گے۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس نے جا کر بادشاہ کو خبر کی۔ اس نے بلالیا اور کہنے لگا' کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ ہشام بن العاص ؓ نے اس سے گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے تھا۔ ہشام ؓ نے کہا یہ سیاہ کپڑے کیوں ہیں؟ جبلہ نے کہا میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ یہ سیاہ لباس نہ اتاروں گا جب تک کہ تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہم یہ تخت تم سے لینے والے ہیں اور ملک اعظم کا ملک بھی انشاء اللہ ہمارے قبضہ میں آجائے گا۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اس کی پیش گوئی فرمادی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہو۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں' راتوں کو نماز پڑھتے ہیں۔ تم بتاؤ تمہارا روزہ کیسا ہے۔ ہم نے پوری طرح بتادیا۔ تو گویا اس کے چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی۔ اس نے کہا اچھا جاؤ بادشاہ سے ملو' اور ہمارے ساتھ ایک رہبر کر دیا۔ ہم اس کی راہنمائی میں چلے اور جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو ہمارے راہبر نے ہم سے کہا کہ تم ان سواریوں اور اونٹنیوں کو لے کر شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تم چاہو تو ہم تمہارے لئے گھوڑے اور خچر مہیا کر دیں۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہم تو انہیں پر سوار رہیں گے۔ اس نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ انہیں دوسری سواریوں پر بیٹھنے سے انکار ہے۔ بادشاہ نے اونٹنیوں پر ہی سوار آنے کی اجازت دے دی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے محل تک پہنچے اپنی سواریاں وہاں بٹھادیں۔ بادشاہ اپنے محل کے بالا خانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اترتے ہی کہا ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہماری آواز تکبیر سے سارا محل لرز اٹھا گویا آندھیوں نے اس کو ہلا دیا ہو۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ تم کو اپنے دین کا اس طرح مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے پھر ہمیں بلا بھیجا۔ ہم داخل دربار ہوئے' وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا اور پوپ' پادری اور عمائد سلطنت اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سرخ تھی' سارا ماحول سرخ' اس کے کپڑے بھی سرخ۔ ہم اس کے قریب گئے' وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ تم آپس میں جس طرح سلام کر لیا کرتے ہو' مجھے کیوں نہیں کیا؟ اس کے پاس ایک فصیح الکلام عربی جاننے والا ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ یہ کہا کہ ہم باہم جو سلام کہہ لیا کرتے ہیں وہ آپ کے سزاوار ہیں اور آپ کو جو طریقہ ادب و سلام ہے وہ ہمارے لئے سزاوار نہیں کہ وہ طریقہ تعظیم وہ شیوہ سلام وکلام ہم آپ کے لئے برتیں۔ اس نے کہا تمہارا باہمی سلام کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے کہا ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ ﴾ اس نے پوچھا' تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا انہیں بھی اسی طرح۔ اس نے پوچھا کہ وہ کس طرح جواب دیتے ہیں؟ ہم نے کہا وہ بھی یہی الفاظ کہہ کر جواب دیتے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہارا امتیازی نعرہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ جب ہم نے بہ آواز بلند یہ کہا تو سارا محل لرز گیا۔ حتیٰ کہ وہ گھبرا کر سر اٹھا کر دیکھنے لگا کہ چھت تو نہیں گرے گی۔ وہ کہنے لگا یہ کلمہ جو تم نے کہا جس سے مکان ہل گیا تو جب کبھی تم اپنے گھروں میں کہتے ہو تو کیا تمہارے گھر بھی کانپ اٹھتے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں' ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا بجز آپ کے محل کے۔ کہا کیا اچھا ہوتا کہ جب کبھی تم لوگ یہ نعرہ لگاتے تو تمہاری ہر چیز بھی لرزاٹھتی اور اس نعرہ کی زد سے میرا آدھا ملک مار کھا جاتا' اور آدھا رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا ایسا کیوں؟ تو کہا یہ آسان ہے اس بات سے کہ امر نبوت مستحکم اور قائم ہو جائے۔ پھر ہم سے آنے کی غرض پوچھی' ہم نے مقصد تبلیغ بتادیا۔ پوچھا تمہارا نماز روزہ کیسا ہوتا ہے؟ ہم نے

معلوم کرا دیا۔ اس نے اب ہمیں رخصت کیا۔ ہمیں ضیافت خانے میں ٹھہرایا ہماری مہمانی کی۔ ہم وہاں تین دن ٹھہرے۔ پھر ایک رات ہمیں بلا بھیجا۔ ہم گئے پھر ہم سے دریافت کیا' پھر ہم نے اپنا مقصد دہرایا۔ اب اس نے ایک بہت بڑی چیز سونے چاندی سے جڑاؤ منگوائی' اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے اس میں دروازے لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کی تصویر تھی جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں' موٹی رانیں' لمبی اور گھنی ڈاڑھی' سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت اور لمبے لمبے۔ کہنے لگا کیا اس کو جانتے ہو۔ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگا یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ پھر اور ایک ڈبے کا قفل کھولا۔ اس میں بھی ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک گورے رنگ کے آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گھونگھر والے بال' سرخ آنکھیں' بڑا سا سر' خوبصورت داڑھی۔ کہنے لگا یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک ڈبے میں سے ایک اور تصویر نکالی۔ بہت ہی گورا رنگ خوبصورت سی آنکھیں' کشادہ پیشانی' کھڑا چہرہ' سفید ڈاڑھی' ہنس مکھ صورت' کہا جانتے ہو کہ کون ہیں؟ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور ڈبہ کھولا۔ ایک روشن اور گورے رنگ کی تصویر تھی اور وہ محمد ﷺ کی تھی۔ پوچھا کیا انہیں جانتے ہو' ہم نے کہا ہاں' یہ محمد ﷺ ہیں' تصویر دیکھ کر ہم پر رقت طاری ہو گئی۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ ہی محمد ﷺ ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کیا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں اس تصویر کو دیکھ کر تم یہ سمجھ لو کہ آپ ہی کو دیکھا ہے۔ پھر کچھ دیر تک اس صورت کو گھورتا رہا۔ پھر کہا یہ آخری ڈبہ تھا۔ لیکن میں نے اس کو سب کے آخر میں بتانے کے بجائے دوسرے ڈبے چھوڑ کر درمیان میں بتا دیا تاکہ تمہاری سچائی کا امتحان کروں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی جو گندم گوں اور نرم صوت تھی۔ گھونگر والے بال' گڑی ہوئی آنکھیں' تیز نظر' غصیلا چہرہ' جڑے ہوئے دانت' موٹے ہونٹ۔ کہنے لگا یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے' اس کے متصل ایک اور تصویر تھی جو شکل و صورت میں اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ مگر یہ کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا کنگھی کی ہوئی' کشادہ پیشانی' آنکھیں بڑی۔ کہنے لگا یہ ہارون بن عمران ہیں۔ پھر ایک ڈبہ میں سے ایک تصویر نکالی۔ گندمی رنگ' میانہ قامت' سیدھے بالوں والا۔ چہرے سے رنج و غضب آشکار۔ یہ لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سفید رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا۔ ایک سنہرے رنگ کا آدمی جس کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے چہرہ خوبصورت تھا۔ کہا یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا اس کی شکل اسحاق علیہ السلام کی تصویر سے بہت مشابہ تھی مگر اس کے ہونٹ پر تل تھا۔ کہا یہ یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک سیاہ کپڑے پر کی تصویر بتائی۔ گورا رنگ بہت خوبصورت چہرہ' چہرے پر نور اور اخلاص و خشوع کے آثار نمایاں' رنگ سرخی مائل' کہا یہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک ڈبے میں سے سفید ریشمی کپڑا نکالا' جس کے اندر کی تصویر آدم علیہ السلام کی تصویر سے ملتی جلتی تھی' چہرے پر آفتاب چمک رہا تھا۔ کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ سرخ رنگ' بھری پنڈلیاں' بڑی آنکھیں بڑا پیٹ چھوٹا قد شمشیر آویزاں۔ کہا یہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی۔ موٹی رانیں' لمبے پاؤں' گھوڑے پر سوار' کہا یہ سلمان علیہ السلام ہیں۔ پھر اور ایک تصویر نکالی' جوان' سیاہ ڈاڑھی' گھنے بال' خوبصورت آنکھیں' خوبصورت چہرہ کہا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ ہم نے کہا یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں' ہم جانتے ہیں کہ یہ تصویریں ضرور انبیاء علیہم السلام کی ہوں گی۔ کیونکہ ہم نے اپنے نبی کی تصویر بھی صحیح پائی ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ میری انبیاء اولاد کو مجھے بتا تو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہ السلام کی تصویریں حضرت آدم علیہ السلام کو دیں' اس کو آدم علیہ السلام نے مغربی ملک میں محفوظ رکھ دیا تھا ذوالقرنین نے اس کو نکالا اور دانیال علیہ السلام کے سپرد کیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اپنا ملک چھوڑ دوں اور تم میں سے کسی کمترین کا غلام ہو رہوں' حتیٰ کہ مجھے موت آجائے۔

اب ہمیں رخصت کر دیا' انعام و اکرام دیا' جانے کے انتظامات کر دیئے۔ جب ہم ابو بکر صدیق ؓ کے پاس آئے ان سے یہ

واقعہ بیان کیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا اگر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیتا تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر فرمایا کہ حضرت ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہود اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی صفات پاتے ہیں۔ عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ سے میں نے ملاقات کی اور توریت میں حضرت ﷺ سے متعلق پیش گوئی کو دریافت کیا' تو کہاہاں اللہ تعالیٰ کی قسم توریت میں بھی آپ کا ایسا ہی ذکر ہے جیسے قرآن میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تم کو امت کا گواہ بنا دیا اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور عوام کا پشت پناہ بنایا ہے۔ تم میرے بندے اور رسول ہو تمہارا نام متوکل ہے' تم نہ سخت گیر ہو نہ سنگ دل۔ تم کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ نہ بلائے گا جب تک کہ اس غلط راہ چلنے والی قوم کو تم سیدھا نہ کر لو' اور جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ان کے دلوں سے پردے نہ اٹھ جائیں اور کان سننے اور آنکھیں دیکھنے نہ لگیں۔ پھر عطاءؒ کی ملاقات حضرت کعبؓ سے ہوئی تو یہی سوال ان سے کیا تو بیان میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہ پایا سوا اس کے کہ وہ اپنی زبان میں ﴿ غُلْفًا ﴾ کو ﴿ غلوفیا ﴾ اور ﴿ صما ﴾ کو ﴿ صوميا ﴾ اور ﴿ عميًا ﴾ کو ﴿ عموميًا ﴾ کہتے تھے۔ لیکن یہ جملے بڑھا دیئے کہ وہ بازاروں میں شور و غل نہ کریں گے' وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہیں' درگزر کر دیتے ہیں' اور عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث کا ذکر کیا پھر کہا کہ سلف کے کلام میں لفظ توراۃ کا اطلاق عموماً "کتب اہل کتاب پر ہوتا ہے اور کتب احادیث میں بھی کچھ ایسا ہی وارد ہے' واللہ اعلم۔ جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے نکلا۔ جب میں ملک شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے ملک میں کوئی شخص نبی آیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیا تم اس کی تصویر پہچان سکتے ہو میں نے کہا ہاں۔ تو وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جس میں تصویریں تھیں۔ مگر میں نے نبی اکرم ﷺ کی کوئی تصویر نہیں دیکھی۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اور شخص آیا۔ اس نے کہا کیا بات ہے؟ ہم نے خبر دے دی تو وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے نبی اکرم ﷺ کی تصویر دیکھی اور یہ بھی کہ تصویر میں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے جو ان کے پیچھے انہیں تھامے کھڑا ہے؟ اس نے کہا' یہ نبی تو نہیں ہے لیکن اگر ان کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا' ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن یہ ان کا جانشین ہوگا۔

اقرع موذن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے ایک پادری کو بلا لانے کے لئے بھیجا۔ میں بلا لایا۔ اس سے حضرت عمرؓ نے پوچھا' کیا تم کتاب میں میرا بھی ذکر پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ آپ نے اپنا درہ اٹھا کر کہا قرن کیا بات؟ اس نے کہا اس سے مراد ہے "مرد آہنی" "امیر شدید"۔ پھر عمرؓ نے پوچھا اچھا میرے بعد؟ کہا ہاں تمہارا جانشین ایک مرد صالح ہوگا' لیکن وہ اپنے اہل قرابت کو بہت ترجیح دے گا۔ تو عمرؓ کہنے لگے "اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم کرے"۔ تین بار کہا۔ پھر کہا' اس کے بعد کون؟ کہا' پارہ آہن کی طرح ایک شخص عمرؓ سمجھ گئے کہ علیؓ مراد ہیں۔ آپ نے اپنا سر پکڑ لیا اور افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا یا امیر المومنین وہ خلیفہ صالح ہے لیکن وہ اس وقت خلیفہ ہوگا جب کہ تلوار میان سے نکال لی گئی ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ نبی نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صفت ہے جو کتب مقدسہ میں درج ہے اور واقعی حضرت ﷺ کا یہی حال تھا کہ خیر کے سوا کچھ نہ کہتے اور اسی بات سے روکتے جو شر کی ہوتی۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب تم قرآن میں یہ پڑھو ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ تو کان لگا دو کہ شاید کوئی خیر کا حکم دیا جانے والا ہے' یا کسی شر سے روکا جانے والا ہے۔ اور سب سے اہم چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیرے عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ تمام انبیاء اسی مقصد کے تحت بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم کے اندر اپنے پیغمبر بھیجے ہیں کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اور بتوں کی پرستش سے باز رہو۔

ابی اسیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جس کو تمہارے دل مان لیں

تمہارے شعور اس سے نرم ہو جائیں اور تم یہ بات محسوس کرو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت سے قریب تر ہے تو یقیناً" تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت اس سے قریب تر ہو گی۔ یعنی وہ میری حدیث ہو سکتی ہے اور اگر خود تمہارے دل اس حدیث کا انکار کریں اور وہ بات تمہاری ذہنیت اور شعور سے دور ہو تو سمجھو کہ تمہاری بہ نسبت میری ذہنیت سے دور تر ہو گی اور وہ میری حدیث نہ ہو گی۔ علیؓ سے مروی ہے کہ جب تم رسول اللہ علیہ کی کوئی حدیث سنو' تو اس کے بارے میں وہی گمان کرو جو زیادہ صحیح گمان ہو اور جو زیادہ مبارک ہو اور زیادہ پاکیزہ ہو۔ ارشاد باری ہے کہ "اس نے طیبات تمہارے لئے حلال کر رکھے ہیں اور خبائث حرام کر دیئے ہیں' جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام' یہ حلال ہیں لیکن زبردستی حرام کر رکھے ہیں۔ اس سے اپنی ذات پر اور تنگی کر لی ہے اور جو خبائث اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں' جیسے لحم خنزیر اور ربا اور کھانے کی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی تھیں' انہیں حلال بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو حلال کر رکھی ہے اس کا کھانا بدن کو نفع بخشتا ہے دین کا مددگار ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا وہ جسم اور دین دونوں کے لئے مضر ہے۔ وہ لوگ جو عقلی طور پر خوبی اور خرابی کو جانچتے ہیں وہ اسی آیت سے تمسک کرتے ہیں۔ اس تخیل کا جواب بھی دیا گیا ہے لیکن یہاں ان تمام تفصیلات کا محل نہیں ہے اور اسی آیت سے حجت قائم کی ہے ان علماء نے بھی جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی حلت اور حرمت سے متعلق کوئی حدیث نہ ہو تو حلال اور حرام کو جانچنے کا یہ معیار ہو سکتا ہے کہ بہ لحاظ افادیت کس چیز کو عرب مفید اور طیب سمجھتے ہیں اور کس کو خبیث اور مضر سمجھتے ہیں۔ اس تخیل میں بھی بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ بوجھ جو لوگوں کے دلوں پر تھا رسول اس کو ہلکا کرتے ہیں اور رواج کی جن زنجیروں میں وہ جکڑے ہوئے تھے' رسول ان کو ہٹا دیتے ہیں۔ وہ آسانی اور بخشش و معافی لے کر آئے ہیں۔ جیسے حدیث ہے کہ میں آسان اور آمیزش سے پاک دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔

نبی اکرم علیہ نے جب معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو امیر یمن بنا کر بھیجا تھا تو ہدایت کی تھی کہ خوش مزاج اور خندہ جبیں رہو' لوگ تم سے وحشت پذیر نہ ہوں' ان کے لئے آسانیاں پیدا کرو' تنگی نہ ڈالو۔ لوگوں میں عادت مان لینے کی ہو اختلافات کی ذہنیت نہ ہو۔ حضرت علیہ کے صحابی ابو برزہ اسلمیؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ علیہ کے ساتھ رہا ہوں آپ کی آسانیاں بخشنے کا خوب مشاہدہ کر چکا ہوں۔ اگلی امتوں میں بڑی سختیاں تھیں۔ اس امت پر وہ احکام ہلکے کر دیئے گئے ہیں۔ اسی لئے حضرت علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت سے دل کے خیالات اور ارادوں پر گرفت نہیں کرتا جب تک کہ وہ زبان سے بول نہ چکیں یا عمل نہ کر چکیں۔ فرمایا کہ میری امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔ بھول چوک سے اگر کچھ کیا ہو یا بہ حالت جبر کیا ہو تو اس کو قابل معافی سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْ لَنَا وقفه وَارْحَمْنَآ وقفه اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ اس دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مانگا جاتا ہے تو ہر سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اچھا میں نے دیا' میں نے قبول کیا"۔ قول باری ہے کہ جو لوگ نبی اکرم علیہ کی عظمت کرتے ہیں اور ان کے لائے ہوئے کی پیروی کرتے ہیں' یہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ا۟لَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ صلے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آ جاؤ۔

نبی ﷺ کی عالم گیر نبوت: اے نبی (ﷺ) اعرب و عجم اور دنیا جہان کے لوگوں سے کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ ﷺ کے شرف اور عظمت کی دلیل ہے کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی اور وہ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں۔ اور کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ تمہیں تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ جو قوم نبی کو نہ مانے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور فرمایا کہ ''اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب سے کہہ دو کہ اسلام لاتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ اسلام لائیں تو ہدایت پائیں گے' ورنہ تمہارا کام تو صرف تبلیغ کرنا تھا''۔ اس مضمون کی اس قدر زیادہ احادیث ہیں کہ شمار دشوار ہے۔ اور دین اسلام کی یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ ساری دنیا کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں کچھ تیز گفتگو ہو گئی' ابو بکرؓ نے عمرؓ کو ناراض کر دیا۔ عمرؓ رنجیدہ واپس ہو گئے۔ ابو بکرؓ کو احساس ہوا' اور وہ عمرؓ سے معافی مانگنے کے لئے ان کے پیچھے ہی گئے لیکن عمرؓ نے گھر میں آنے نہیں دیا' دروازہ بند کر لیا۔ اب ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا' تمہارے اس ساتھی نے عمر کو غصہ دلایا ہے۔ پھر عمرؓ کو بھی صدیقؓ کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دینے پر ندامت ہوئی۔ وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ سلام کر کے بیٹھ گئے اور واقعہ حضرت ﷺ کے سامنے بیان کیا۔ حضرت ﷺ کو عمرؓ پر غصہ آ گیا۔ ابو بکرؓ یہ کہتے ہی رہ گئے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! زیادتی میری ہی طرف سے تھی''۔ لیکن حضرت ﷺ فرما رہے تھے کہ ''کیا تم لوگ میرے دوست اور ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو۔ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوں' تو تم کہتے تھے کہ جھوٹ کہتے ہو اور ابو بکر نے میری تصدیق کر دی تھی''۔

رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک میں رات کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو آپ ﷺ کے بعض اصحابؓ آپ کی حفاظت و نگرانی کرنے لگے۔ نماز پڑھ چکنے کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا کہ آج کی رات پانچ چیزیں خصوصیت کے ساتھ مجھے دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے یہ مخصوص رعایتیں کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں دی گئیں (۱) یہ کہ میں دنیا جہان کے لوگوں کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں اور اس سے پہلے کوئی رسول صرف اپنی قوم ہی کی طرف رسول ہو کر آتا رہا ہے۔ (۲) مجھے صرف رعب ہی سے دشمن پر نصرت حاصل ہو جاتی ہے اگر چہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینہ بھر کی مسافت کی دوری ہو' مگر اس پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔ (۳) مال غنیمت میرے اور میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجھ سے پہلے مال غنیمت کو کھا جانا گناہ کبیرہ تھا اس کو جلا دیا جاتا تھا۔ (۴) ساری زمین میرے لئے پاک ہے اور مسجد ہے۔ جہاں کہیں نماز کا وقت آیا اسی مٹی سے مسح کیا اور اسی مٹی پر نماز پڑھ لی۔ مجھ سے پہلے کے لوگ صرف اپنے گرجاؤں' کنیسوں اور مندروں ہی میں عبادت کرتے تھے۔ (۵) پانچویں یہ چیز کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک درخواست کی اجازت ہے مانگ لو۔ ہر نبی نے مانگ لیا' میں نے اپنا سوال یوم قیامت پر اٹھا رکھا اور وہ تمہارے لئے ہے اور قائل توحید کے لئے ہے۔ اس کی اسناد بہت قوی اور جید ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے کسی یہودی یا نصرانی نے میرے آنے کی خبر سن لی' مگر مجھ پر ایمان نہیں لایا تو جنت

میں نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ایک دوسری طرح سے ہے۔ مگر سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اسی کی ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ حضرت علیؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھے بھیجا وہ ہر شے کا خالق ہے' رب ہے مالک ہے۔ مارنا اور جلانا اسی کی قدرت میں ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی امی پر ایمان لاؤ۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ان کا اتباع کرو' ان پر ایمان لاؤ' انہیں کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کتب متقدمہ میں انہیں کی بشارت ہے اور کتب سابقہ میں نبی امی ہی کے الفاظ سے آپ کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو اس پر اور اس کے کلمات پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کرے تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا جائے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں ایک جماعت حق پر بھی: آگاہ فرمایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایسے بھی لوگ ہیں جو امر حق کی پیروی کرتے ہیں حق کی رہبری کرتے ہیں اور عدل و انصاف حق کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ "اہل کتاب میں بھی ایک جماعت ہے جو راتوں کی گھڑیوں میں آیات اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور نمازیں پڑھتی ہے۔ اور فرمایا کہ بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تم پر اور ان پر جو کچھ اترا ہے سب کو مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔ دوسرے اہل کتاب کی طرح اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو روپے کے لالچ میں نہیں بیچتے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کو بڑا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ کلام حق ہے' ہم اب بھی مسلمان ہیں' اس سے پہلے بھی مسلمان تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دو دفعہ اجر دیا جائے گا اور فرمایا کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں' یہی مومن لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے یعنی کتاب' جب یہ کتاب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے تو سر کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سجدے میں ان کا خشوع و خضوع بہت بڑھ جاتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کو قتل کیا اور کفر اختیار کیا تو وہ بارہ گروہ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بقیہ گیارہ کے عقائد سے بیزار تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ "اے اللہ! ہم میں اور ان میں تفریق کر دے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر ان کے لئے ایک سرنگ پیدا کر دی وہ اس پر چلتے رہے یہاں تک کہ اسی راہ ملک چین میں جا نکلے۔ وہاں ہمارے موحد مسلمان تھے جو ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب زمین پر رہو بسو۔ اور جب وعدہ آخرت آئے گا تو ہم تمہیں حاضر کریں گے۔ کہتے ہیں کہ سرنگ میں ڈیڑھ سال تک چلتے رہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ

اسْكُنُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اور ہم نے ان بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی' اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنا عصا کو فلاں پتھر پر مارو پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر ابر کو سایہ فگن کیا اور ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں۔ کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید بر آں اور دیں گے۔ سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔

ان تمام آیتوں کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وہ مدنی سورت ہے اور یہ سیاق آیت مکی ہے۔ ان آیتوں اور ان آیتوں کا فرق بھی ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَسْـَٔـلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ڔ كَذٰلِكَ ڔ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔

اصحاب سبت کی حیلہ سازی: اللہ پاک کا قول تھا ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ﴾ یعنی تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو سنیچر کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے۔ اسی آیت کی روشنی میں یہاں کی آیت کی وضاحت ہو رہی ہے۔ اللہ پاک اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ جو یہودی تمہارے پاس ہیں ان سے ان لوگوں کے واقعات دریافت کرو جنہوں نے امر اللہ ہی کی مخالفت کی۔ تو ان کی سرکشی کی کیسی اچانک سزا انہیں دی گئی۔ اور انہیں اس بات کے نتیجہ بد سے ڈراؤ جو تمہاری ان صفات کو چھپاتے ہیں جو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں تاکہ دوسرے یہودیوں کو بھی اس عذاب سے سابقہ نہ پڑے جو ان کے اسلاف کو پڑا تھا۔ اس بستی کا نام ایلہ تھا اور یہ بحر قلزم کے کنارے پر واقع تھی۔ اور اس آیت میں کہ "ان بستی والوں سے پوچھو جو سمندر کے کنارے رہتے ہیں"۔ جس بستی کا ذکر ہے اس کا نام از روئے بیان ابن عباس ؓ ایلہ تھا۔ جو مدین اور طور کے درمیان واقع ہے اور یہ بھی قول ہے کہ اس کا نام متنا ہے اور وہ

مدین اور عینونا کے درمیان ہے ﴿ یعدون ﴾ کا مطلب ہے کہ وہ یوم سبت کے بارے میں حکم اللہ ہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس دن تو وہ مچھلیاں آزادی کے ساتھ چڑھی آتی تھیں اور پانی پر پھیل جاتی تھیں۔ اور جب سنیچر کا دن نہیں ہوتا تھا تو کنارے کے پانی تک ہرگز نہ آتیں۔ یہ ہم نے کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ ان کی فرماں برداری کو آزمائیں کہ صید کی مخالفت والے روز تو مچھلیاں خلاف توقع زد میں رہتی اور جس دنوں شکار حلال ہے، چھپ جاتیں۔ یہ ایک آزمائش تھی کیونکہ وہ طاعت اللہ تعالیٰ سے کوتاہی کرتے تھے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو توڑنے کے لئے مختلف طریقوں سے حیلے ڈھونڈے، اور ممنوع کا ارتکاب کرنے کے لئے چور دروازے سے گھسنا چاہا۔ حضرت علیہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم نہ کرو جیسا کہ یہود نے کیا کہ حیلے سوچ سوچ کر حرام کو حلال کر لیا۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے شاید یہ ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کیا کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بوجہ اس کے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔ یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔

ہلاک ہونے والوں اور کرنے والوں کی وضاحت: ارشاد ہوتا ہے کہ یہ بستی والے اس خصوص کے اندر تین قسم کے ہو گئے۔ ایک تو وہ کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ اختیار کر کے ممنوع کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے ان مرتکبین گناہ کو منع کیا روکا اور اس فعل میں ان سے الگ رہے۔ اور تیسری وہ جماعت جو اس بارے میں بالکل خاموش رہی، نہ خود ایسا کیا نہ کرنے والوں کو روکا بلکہ منع کرنے والوں سے کہا کہ "ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ مستحق عذاب ہو گئے ہیں نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے"۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہم تو معذور سمجھے جائیں گے کہ کیوں نہیں روکا تھا۔ کیونکہ اچھی باتیں سکھانا اور بری باتوں سے روکنا چاہیے۔ بعض نے ﴿ مَعْذِرَةٌ ﴾ کے بجائے ﴿ مَعْذِرَةً ﴾ پڑھا ہے۔ یعنی یہ معذرت ہے اور بعض نے ﴿ مَعْذِرَةً ﴾ یعنی ہم معذرت کی خاطر انہیں روکتے ہیں اور کیا عجب کہ وہ اس فعل سے باز آ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس توبہ کر لیں۔ لیکن جب انہوں نے قبول نصیحت سے انکار کر دیا تو جو لوگ اس برائی سے انہیں روک رہے تھے ان کو تو ہم نے بچا لیا اور ان ارتکاب معصیت کرنے والے ظالموں کو ہم نے پکڑ لیا اور انہیں دردناک عذاب دیا۔ یہاں روکنے والوں کی نجات اور گناہ گاروں کی ہلاکت بتائی گئی اور غیر جانب دار لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کر لیا گیا اس لئے کہ جزا ویسی ہی ہوتی ہے جیسا عمل ہوتا ہے اس لئے وہ نہ مستحق مدح ہوئے کیونکہ مدح کے قابل کام نہیں کیا تھا اور نہ مستحق مذمت ہوئے کیونکہ ارتکاب گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی آئمہ کا اختلاف ہے کہ کیا ان کی نجات ہوئی ہو گی یا ہلاکت ہوئی ہو گی۔ ابن

عباسؓ کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز تو بہت آتیں لیکن دوسرے دنوں میں نہ آتیں۔ اس پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان میں سے بعض لوگ ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ اس روز تو مچھلیوں کا شکار حرام ہے۔ لیکن ان کی سرکشی قائم رہی۔ لیکن کچھ لوگ انہیں برابر منع کرتے رہے۔ جب اس پر بھی کچھ عرصہ گزر گیا تو روکنے والوں کی ایک جماعت نے ان اپنوں سے کہا کہ ان کم بختوں کو منع کرنے سے کیا فائدہ' ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب متحقق ہو چکا ہے ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو۔ یہ لوگ منع کرنے والوں کی بہ نسبت راہ اللہ میں زیادہ غضبناک تھے۔ چنانچہ منع کرنے والوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے ہم معذرت کرتے ہیں۔ گویا یہ دونوں جماعتیں بھی منع کرنے والوں کی تھیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے تو یہ دونوں جماعتیں تو بچ گئیں اور یہ چور دروازے سے بھاگنے والے سرکش گنہگار بندر بنا دیئے گئے۔

عکرمہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کے پاس آیا وہ آبدیدہ تھے اور مصحف ان کی گود میں تھا۔ میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا' قرآن کے یہ ورق رلا رہے ہیں۔ سورۂ اعراف زیر تلاوت تھی' کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا' ہاں وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی' ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پر رہتے تھے۔ تر و تازہ موٹی اور عمدہ بہ کثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ حکم اللہ ہی کی عظمت کرتے رہے اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ قیاس ڈال دیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے دوسرے روز کھالینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا۔ لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے۔ ان کی سیدھی طرف روکنے والی جماعت تھی جو ان سے الگ رہی' اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کرلی۔ سیدھی جانب والوں نے کہا "دیکھو ہم تمہیں منع کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاؤ"۔ اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ "ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی قوم کو کیا نصیحت کر رہے ہو' یہ کہیں ماننے والے ہیں؟" اصحاب یمین نے کہا' اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتار عذاب نہ ہوں اگر وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انہوں نے کہا اے دشمنان رب آخر تم نے نہ مانا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم کو دن بھی نہ نکلے گا یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پتھر برس پڑیں گے یا ایسا ہی کوئی اور عذاب یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب اللہ سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے۔ اور یہ گنہگار شہر کے اندر رہے' شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا اب باہر رہنے والے صبح ہی فصیل کے دروازے پر پہنچے۔ لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ بہت کچھ کھٹکھٹایا' آوازیں دیں' لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ اب فصیل کہ دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے' دیکھا کہ یہ سب بندر بنے ہوئے ہیں' ان کی لمبی لمبی دمیں ہیں۔ اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا' اندر داخل ہوئے۔ ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا۔ یہ بندر نزدیک آتے' ان کے پاؤں پر لوٹتے' تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں۔

پھر ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی "جب انہوں نے نصیحت نہیں مانی' تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا"۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پاگئے لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے' تو عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا' میں آپ پر فدا' یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر

کے کیا کرو گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے۔ تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے۔ کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل پر بہت دکھائی دیتیں اور جب شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا اور وہاں لگا دیا ایک بڑی سی مچھلیاں ہفتہ کے روز اس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گزرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑ کر اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑ آئے۔ اس سے پوچھا' اس نے انکار کیا۔ اور جب بہت اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر ایسا ہی کیا اور شب یک شنبہ میں اس کو بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی خوشبو پائی تو پھر آ کر پوچھا۔ تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ کہا' تو کیا کرتا ہے۔ اس نے انہیں اپنا حیلہ بتایا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلے پر عمل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ بات بہت عام ہو گئی۔ ان کا ایک شہر تھا اس کو ربض کہتے تھے۔ اس شہر کا دروازہ رات میں بند کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ ان کے پڑوس کے دیہاتی جو ان کی بستی کے اطراف ہی رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں شہر کے اندر جاتے تھے' تو دروازے کو بند پایا' آوازیں دیں' جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے' نزدیک آ رہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی ہے۔ وہاں دیکھ لینا کافی ہے۔

دوسرا قول ایک یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا۔ تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو' انہیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے' ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے' باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہؒ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباسؓ نے اپنے قول سے گویا رجوع کر لیا' کیونکہ انہیں انعام میں حلہ اور لباس دیا۔ اور اس قول سے تو یہ رجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے۔ اور قول باری ﴿ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ ﴾ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے انہیں ضرور نجات مل گئی ہوگی۔

﴿ بَئِيْسٍ ﴾ کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں یہ سب معنی آپس میں متقارب ہیں' واللہ اعلم ﴿ خَاسِئِيْنَ ﴾ کے معنی ذلیل و حقیر کے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا۔ بلاشبہ آپ کا رب واقعی جلدی ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔

یہودیوں کی پوری تاریخ ذلت اور رسوائی کی تاریخ ہے: ﴿ تَاَذَّنَ ﴾ بروزن ﴿ تَفَعَّلَ ﴾ اذان سے مشتق ہے یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا۔ اور چونکہ اس آیت میں قوت کلام کی شان ہے اس لئے ﴿ لَيَبْعَثَنَّ ﴾ کا (ل) معنائے قسم کا فائدہ دے رہا ہے' اس لئے (ل) کے بعد ہی ﴿ يَبْعَثَنَّ ﴾ لایا گیا۔ ﴿ھم﴾ کی ضمیر یہود کی طرف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم لگا دیا ہے کہ ان یہودیوں پر قیامت تک برا

عذاب نازل رہے گا۔ یعنی ان کے عصیان و مخالفت اور ہر بات میں حیلہ جوئی کے سبب انہیں ذلت و حقارت کا عذاب ملتا رہے گا۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات یا تیرہ سال تک خراج لگا رکھا تھا۔ اور سب سے پہلے خراج آپ ہی نے لگایا۔ پھر ان یہودیوں پر یونانیوں' کشدانیوں' کلدانیوں کا تسلط رہا۔ پھر نصرانیوں کے تحت غضب رہے وہ انہیں ذلیل کرتے رہے' جزیہ اور خراج لیتے رہے۔ اسلام آیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان پر اپنا غلبہ رکھا۔ وہ ذمی تھے جزیہ دیتے تھے۔ پھر آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے لیکن مسلمان ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس غرض میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ یہ سب قرب قیامت کے وقت ہوگا۔ قولہ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ گنہگاروں سے بہت جلد بدلہ لینے والا ہے۔ لیکن وہ بڑا غفور رحیم ہے' جو توبہ کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ عذاب اور رحمت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے' تاکہ عذاب سے ڈرانے کے سبب لوگ یاس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے ترغیب و ترہیب دونوں ساتھ ہیں تاکہ لوگ خوف و رجاء کے درمیان رہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح تھے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید باز آ جائیں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی' حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں' کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیز رکھتے ہیں' پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔

یہود و نصاریٰ کے راشی قاضی اور جج: ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گروہ در گروہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ "اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین پر سکونت پذیر رہو' جب آخرت کا دن آئے گا تو ہم پھر تم سب کو جمع کر لیں گے۔ اس بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی ہیں اور وہ بھی جو اچھے نہیں' جیسا کہ جن کہتے تھے کہ ہم میں صالح جن بھی ہیں اور غیر صالح بھی ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے ہیں۔ ہم نے انہیں راحت و آرام کا زمانہ اور خوف و بلا کا زمانہ دے کر دونوں طرح آزمایا تاکہ وہ عبرت حاصل کر کے برے کاموں سے باز آ جائیں۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ثابت ہوئے کہ کتاب کے

وارث بننے کے باوجود اس دنیا کی تھوڑی سی دولت و شان شوکت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان جانشینوں میں کوئی خیر نہیں یہ توریت تو صرف آپ ہی پڑھنے کے وارث بن گئے دوسروں کو پڑھایا نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں بلکہ یہ آیت تو اور بھی عام تر ہے نصاریٰ اور غیر نصاریٰ سب حق بات کو بیچتے ہیں اور اس سے دنیاوی کمائی حاصل کرتے ہیں اور اپنے نفس کو یوں بہلا لیتے ہیں کہ پھر توبہ کر لیں گے۔ لیکن اسی جیسی دوبارہ کوئی وجہ پیدا ہو گئی تو پھر حسب سابق دنیا کے عوض دین کو بیچ دیا' آیتوں میں تحریف کر دی' غلط مسئلہ اور غلط فتویٰ بتا دیا' دنیاوی جو چیز بھی حاصل کرنے کے صورت پیدا ہو گئی پھر نہ حلال کو دیکھا نہ حرام کو' لے لیا اور پھر توبہ کرنے کو بیٹھ گئے۔ توبہ کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگی اور پھر دنیا کا کوئی مال سامنے آیا تو پھر ان کے قدم ڈگمگائے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ بڑے ناخلف لوگ تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد یہی لوگ توریت وانجیل کے وارث تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ان سے عہد بھی لے لیا تھا۔ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان اچھے لوگوں کے بعد ایسے برے جانشین آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ سے دور دراز امیدیں باندھ رکھیں اور اپنے نفس کو دھوکا دیتے گئے۔ دنیا کمانے کا موقع آیا تو پھر کچھ نہ دیکھا' کوئی چیز گناہ کے ارتکاب سے انہیں نہ روک سکی' جو ملا کھا گئے نہ حلال کی پرواکی نہ حرام کی۔ بنو اسرائیل کا جو قاضی ہوتا تھا وہ مرتشی ہوتا تھا ان کے اچھے لوگ اس رشوت خوار حاکم کو نکال کر دوسرے کو لاتے۔ اس کو تاکید رہتی کہ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ نہ کیا کرے۔ وہ وعدے وعید کر کے جب قاضی اور جج بن جاتا تو دونوں ہاتھوں سے رشوت لینے لگتا اور کہتا کہ ارے اللہ بخشنے والا ہے۔ دوسرے اس پر اعتراض اور طعن تشنیع کرنے لگتے۔ لیکن جب یہ رشوت خوار مر جاتا' یا معزول کر دیا جاتا اور یہی طعن کرنے والا قاضی بنا دیا جاتا تو یہی شخص آپ رشوت لینے لگتا۔ اسی لئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ دنیا ان کے پاس آئی اور انہوں نے اسے سمیٹنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کتاب میں ان سے عہد نہیں لے لیا گیا تھا کہ حق بات کے سوا کوئی دوسری بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا۔ عہد یہ لیا گیا تھا کہ لوگوں کو حق بات کی تلقین کیا کرنا اور امر حق کو چھپانا نہیں۔ لیکن انہوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑے سے روپیوں کی خاطر آیتوں میں تحریف کر دی یا ان کا غلط مطلب نکال لیا۔ ان کی یہ کمائی کیا بری کمائی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھتے ہیں گناہوں کی بخشش کی' بخشش کی آرزو تو رکھتے ہیں مگر گناہوں کو چھوڑتے نہیں' توبہ پر قائم رہتے نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہو تو دار آخرت تمہارے لئے بہتر ہے دنیا پر کیوں جان دیئے جاتے ہو' کیا اتنی سی بات سمجھتے نہیں۔ اللہ پاک بڑے اجر کی ترغیب دے رہا ہے اور گناہوں کے نتیجہ بد سے ڈرا رہا ہے۔ یہ دین بیچنے والوں کو کیا ذرا بھی عقل نہیں پھر اللہ پاک ان لوگوں کی تعریف فرماتا ہے جنہوں نے کتاب ربانی سے تمسک کر رکھا ہے جو انہیں اتباع محمد ﷺ کی طرف بلا رہی ہے اور یہ چیز ان کی کتاب توریت وانجیل میں درج ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو کتاب ربانی کو تھامے ہوئے ہیں اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہیں' گناہوں سے باز رہتے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' تو ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ع ۲۱/۹

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ متقی بن جاؤ۔

بنی اسرائیل پر پہاڑ معلق، مانتے ہو یا نہیں: اور جب کہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا' جیسا کہ ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ ﴾ سے ظاہر ہے۔ اس پہاڑ کو فرشتوں نے ان کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ

جب موسیٰ علیہ السلام ان کو ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد تختیاں اٹھالیں' اور فریضہ تبلیغ سے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم انہیں سنایا' تو انہیں گراں گزرا اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ لا کھڑا کیا جیسے کہ سروں پر چھت ہو اور ملائکہ اس کو تھامے ہوئے تھے اور کہا گیا کہ دیکھو یہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے احکام ہیں اس میں حلال و حرام اور امر و نہی کا ذکر ہے قبول کرتے ہو یا نہیں؟ وہ کہنے لگے سنائیے کیا احکام ہیں۔ اگر یہ فرائض اور حدود آسان تر ہیں تو ضرور قبول کر لیں گے۔ نبی علیہ السلام نے کہا جو کچھ بھی ہو قبول کر لو۔ انہوں نے کہا نہیں' جب تک کہ ہم واقف نہ ہو جائیں کہ کیا حدود و فرائض ہیں' کیسے قبول کر لیں۔ کئی دفعہ یہ سوال جواب رہے۔ آخر کار پہاڑ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آسمان میں اڑتا ہوا ان کے سروں پر چھا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' رب عز و جل جو کچھ فرماتا ہے' مانتے ہو کہ نہیں' اگر توریت اور اس کے احکام کو نہیں مانو گے تو تمہارے سروں پر پہاڑ گر پڑے گا۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ پہاڑ گرا ہی چاہتا ہے تو سجدے میں بائیں رخ پر گر پڑے اور سیدھی آنکھ سے کنکیوں کے طور پر پہاڑ کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں گر تو نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک یہودی جب بھی سجدہ کرتے ہیں اپنے بائیں رخ پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ سجدہ ہے جو رفع عذاب کی یادگار ہے۔ ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے الواح پھینک دیئے تھے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے ہاں کی تحریر کردہ تھی تو زمین کا ہر پہاڑ' ہر درخت' ہر پتھر لرز اٹھا اور جنبش میں آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر یہودی جب توریت پڑھتا ہے تو اپنا سر ہلانے اور جھومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ اپنے سر ہلانے لگتے ہیں"۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

مع عند المتاخرین ۱۲

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں' تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آ جائیں۔

عالم ارواح اور وعدہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی ذریت کو ان کی پشت سے روز ازل میں باہر نکالا اور انہوں نے اپنے نفوس پر آپ گواہی دے لی کہ اللہ ہمارا رب اور مالک ہے اللہ وہی ہے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ یہی اعتراف فطرت انسانی ہے اور یہی ان کی جبلت ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم اپنی پوری توجہ دین حق کی طرف قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی فطرت پر انسان کی جبلت بنائی ہے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس طرح پیدا کر دیا وہ اسی طرح قائم رہے گی اس میں تبدیلی نہیں ہو گی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر مولود اور ہر مخلوق اپنی فطرت پر پیدا ہوئی ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو شرک سے بنا کر پیدا کیا ہے لیکن شیاطین آتے ہیں اور دین حق سے اس کو پھیر دیتے ہیں اور میں نے جو حلال رکھا ہے اس کو حرام کرا دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں

ہے کہ ہر مولود اسی مذہب اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔ جیسے کہ مویشی بھلے چنگے پیدا ہوتے ہیں کیا کوئی کان کٹا پیدا ہوتا ہے لیکن ان کے کان کاٹ کر ان کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اسود بن سریع ؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ چار غزوات میں شریک رہا۔ مجاہدین نے کافروں کو قتل کر کے ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ اس کی خبر حضرت ﷺ کو ملی۔ آپ ﷺ کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری کہنے لگے' لوگوں کو کیا ہوا بچوں کو پکڑ رہے ہیں۔ کسی نے کہا' یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے اچھے سے اچھے لوگ بھی تو مشرکین ہی کی اولاد ہیں۔ کوئی جان ایسی نہیں جو بناء اسلام پر پیدا نہ ہوتی ہو اور وہ مسلمان ہی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ ماں باپ کی زبان سیکھتے ہیں اور ماں باپ انہیں نصرانی یا یہودی بنادیتے ہیں۔ احادیث میں وارد ہے کہ آدم علیہ السلام کی صلب سے ذریت لی گئی اور انہیں یا تو اصحاب یمین یا اصحاب شمال بنایا اور ان سے گواہی لی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب ہے۔ انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہ روز قیامت ایک دوزخی سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تو اگر ساری زمین اور اس کے املاک تمہاری ملک ہوں اور تم سے کہا جائے کہ فدیہ میں یہ سب دے کر کیا نجات حاصل کرو گے؟ تو وہ کہے گا یقیناً ایسا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے بہت ہی کم کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے آدم علیہ السلام کی پشت ہی میں تم سے عہد لے لیا تھا کہ کسی کو میرا شریک نہ بناؤ گے لیکن تم شریک کر بیٹھے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ مقام نعمان میں بروز عرفہ روحوں سے وعدہ لیا گیا تھا اور آدم علیہ السلام کی صلب سے نکال کر انہیں ذروں کی طرح پھیلا دیا گیا تھا اور ان سے یوں گفتگو ہوئی تھی کہ "بتاؤ! کیا میں تمہارا رب نہیں؟" سب روحیں کہنے لگیں "کیوں نہیں ضرور"۔ جریر سے روایت ہے کہ ضحاک بن مزاحم کا لڑکا مر گیا جو صرف ۶ چھ دن کا تھا۔ تو ضحاک نے کہا کہ اے جابر جب تم اس کو لحد میں رکھو تو اس کا چہرہ قبر میں کھلا رکھنا کیونکہ بچے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال بھی ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے ضحاک سے پوچھا کہ تمہارے بچے سے کیا پوچھا جانے والا ہے اور کون پوچھے گا؟ تو کہا اس سے میثاق ازل کے بارے میں سوال ہوگا۔ جب کہ صلب آدم میں روحوں سے اقرار عبودیت لیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا اقرار ہے؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جب صلب آدم کو چھوا تو اس سے وہ روحیں نکل پڑیں جو قیامت تک نسل آدم سے ہونے والی ہیں۔ پھر ان سے وعدہ لیا گیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کریں گے اور کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ پھر اللہ پاک ان روحوں کے رزق کا کفیل بنا اس کے بعد صلب آدم میں انہیں واپس کر دیا گیا۔ جب تک یہ اہل میثاق پیدا ہوتے رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ اب ان میں سے جس کو میثاق آخر سے سابقہ پڑے گا اور وہ اس کو بہ طریق احسن پورا کرے گا تو اسی کو میثاق اول بھی نفع دے سکتا ہے اور جو میثاق آخر میں کامیاب نہیں' اس کو میثاق اول بھی نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتا اور جو بچپن ہی میں مر گیا قبل اس کے کہ میثاق آخر کی نوبت آئے اور دنیا میں اچھے اچھے کام انجام دے' تو سمجھا جائے گا کہ وہ میثاق اول یعنی ازل کے وعدہ پر قائم تھا جو بر بنائے فطرت اسلام ہے۔ اس تمام تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس ؓ ان تمام باتوں سے بخوبی واقف تھے' واللہ اعلم۔

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے ذریات نکالے تو اس طرح ذریات نکلے جیسے کنگھی کرنے میں بال کنگھی کے اندر ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" تو روحوں نے کہا کہ تو ضرور ہمارا رب ہے۔ فرشتے کہنے لگے کہ ہم گواہ ہیں کہ قیامت کے روز کہیں تم یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمیں تو اس کا کوئی علم نہیں۔

حضرت عمر ؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پیٹھ پر سے جب ہاتھ پھیرا تو ذریات نکلنا شروع ہوگئے۔ تو فرمایا کہ فلاں فلاں تو جنتی ہیں کیونکہ اہل جنت ہی کا سا عمل کریں گے اور یہ دوزخی ہیں کیونکہ اہل نار کا سا عمل کریں گے۔ کسی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! جب یہ وہیں طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کا کیا مقصد رہا؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وہی بندہ جنت کے لئے پیدا ہوا ہے جس کے عمل جنتیوں کے سے ہوں گے اور سمجھو کہ دوزخی وہی ہے جو دوزخیوں کے سے کام کرے اور اسی عمل بد پر قبل از توبہ اس کا دم ٹوٹے۔

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب روحیں صلب آدم سے ظاہر ہوئیں تو ہر انسان کے ماتھے پر ایک روشنی چمک رہی تھی۔ اس تمام نسل کو آدم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا اے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا گیا' یہ سب تمہاری نسل ہے۔ ایک شخص کے چہرے پر بہت زیادہ روشنی تھی۔ پوچھا یارب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' کہ ایک عرصہ دراز کے بعد تمہاری نسل سے ایک شخص ہوگا جس کو داؤد کہیں گے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا یارب! اس کی کیا عمر ہوگی؟ کہا ساٹھ برس۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا' یارب! میں نے اپنی عمر میں سے چالیس سال اس کو دے دیئے۔ لیکن جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوگئی ملک الموت آئے تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ ابھی سے کیوں آگئے ابھی تو چالیس سال میری عمر کے باقی ہیں۔ تو کہا گیا کہ یہ چالیس سال کیا تم نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے۔ تو آدم علیہ السلام نے انکار کیا' چنانچہ ان کی نسل میں بھی انکار کی خو پڑ گئی اور چونکہ آدم علیہ السلام بھول گئے تھے اس لئے بھول چوک بھی اولاد آدم کی خصلت بن گئی اور آدم علیہ السلام سے چونکہ خطا سرزد ہو گئی تھی' اس لئے خطا کرنا بھی اولاد آدم کی فطرت ہے۔ جب آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو دیکھا تھا تو ان میں بیمار بھی تھے' جذامی اور برص والے بھی تھے اندھے وغیرہ بھی تھے۔ آدم علیہ السلام نے کہا' یارب! یہ ایسے کیوں بنا دیئے گئے۔ فرمایا تاکہ انسان ہر حال میں میرا شکر کرے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا یارب! یہ کون ہیں جو سرتاپا نور ہیں؟ کہا گیا یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

حضور اکرم ﷺ سے کسی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! کیا اعمال از سر نو نتیجہ آور ہیں' یا جو کچھ طے ہو گیا سو ہو گیا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ذریت نکالی' پھر انہیں کی اپنی زبان سے توحید اللہ کی گواہی لی پھر دو مٹھیاں ان سے بھریں اور کہا یہ تو ٹھہرے جنتی اور وہ ٹھہرے دوزخی۔ اگرچہ عمل پر جنت و دوزخ کا انحصار ہے لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اہل جنت کے سے عمل کرنا کس پر آسان رہے گا اور کس پر دوزخیوں کے سے عمل کرنا آسان رہے گا۔ اب اسی بنا پر وہ جنتی یا دوزخی ہوں گے۔ کچھ ہم نے ازل میں انہیں جنتی یا دوزخی نہیں بنایا۔ ان کے اعمال اس کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ ہم ابھی سے دونوں کا علم رکھتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ فلاں جنتی ہوں گے اور فلاں دوزخی یہ تقسیم ہمارے کہہ دینے کی بنا پر نہیں ہوئی ہے بلکہ عمل کی بنا پر ہوئی ہے۔ یہ ہم نے ابوہریرہؓ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے قسمت بنا دی تو دائیں بائیں روحیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' دونوں نے اعتراف کیا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ پھر دائیں بائیں دونوں طرف کی روحیں مخلوط کر دی گئیں۔ کسی نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا یارب یہ دونوں ممتاز طور پر تھے خلط ملط کیوں کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا' اس میں کوئی حرج نہیں اپنے اپنے عمل کے سبب وہ اب بھی ممتاز رہیں گے۔ ملا دینے پر بھی نیک و بد دونوں کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں۔ ہم ایسا نہ کرتے تو قیامت کے دن گنہگار کہتے کہ ہم کو تو اس کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔ اور نیک تو کسی صورت میں نہ کہتے۔ اب بات صرف عمل پر رہ گئی ہے تو گنہگاروں کو اعتراض کرنے اور عدم علم کا عذر کرنے کا حق نہیں رہا۔ یہ ہم نے ابوامامہؓ کی حدیث کی وضاحت کی ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں کو شکلیں دی گئیں۔ بولنے کی قوت دی' ان سے میثاق لیا' اس میثاق پر آسمان و زمین گواہ بنائے گئے۔ آدم علیہ السلام بھی گواہ ہوئے ورنہ قیامت میں تو وہ صاف انکار کر بیٹھتے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے' کسی کو شریک نہ بناؤ۔ میں تمہارے پاس پیغمبر بھیجوں گا تاکہ وہ تم کو عہد و میثاق یاد دلائے' میں کتابیں بھیجوں گا۔ تو روحوں نے کہا کہ تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار کیا۔ آدم ان کے سامنے لائے گئے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان میں غنی بھی ہیں اور فقیر بھی' خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی۔ کہا گیا یارب! سب لوگ برابر ہی کیوں نہیں پیدا کئے گئے؟ تو کہا کہ مجھے یہ محبوب تھا کہ دیکھوں شاکر و صابر کون ہے۔ سب ایک ہی جیسے ہوتے تو یہ امتحان کہاں ہو سکتا۔ انبیاء ان لوگوں میں نور بھرے چراغ کے سے تھے۔ یہ رسالت و

نبوت دوسرا امیثاق تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے بعد اقرار رسالت بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نبیوں سے بھی میثاق لیا ہے وہ یہ کہ دین حنیف پھیلانے کے لئے عزم مصمم کر لو جو ایک فطری دین ہے۔ اس اشہاد سے غرض یہ تھی کہ انسان فطرت توحید پر پیدا شدہ ہے۔ اسی لئے ﴿ مِنْ بَنِى اٰدَمَ ﴾ کہا گیا نہ کہ ﴿ مِنْ اٰدَمَ ﴾ یعنی نہ صرف آدم بلکہ آدم کی ساری اولاد فطرت توحید پر مخلوق ہے۔ اور اسی لئے ﴿ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ کہا گیا نہ کہ ﴿ مِنْ ظَهْرِهٖ ﴾ یعنی سب بنی آدم کی نسلوں سے نسل بعد نسل۔ جیسا کہ فرمایا کہ اس نے تم سب کو فرداً فرداً زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ اور فرمایا کہ "جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا دوسری قوموں کی ذریت سے" اور خود آپ اپنا انہیں گواہ بنایا جبھی تو گواہی دی کہ "ہاں تو ہمارا رب ہے" یعنی حالاً و قالاً دونوں طرح وہ معترف رہے۔ کیونکہ شہادت کبھی تو قول کے ذریعہ ہوتی ہے کقولہ ﴿ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ﴾ اور کبھی حال کے ذریعہ ہوتی ہے کقولہ ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ﴾ یعنی مشرکین کو کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجد کو بسائیں اپنی ہی ذات پر کفر کی شہادت دیتے ہوئے یعنی ان کا حال ان کے کفر کا شاہد ہے۔ یہ شہادت قولی شہادت نہیں حالی شہادت ہے اور سوال کبھی قال کے ذریعہ ہوتا ہے کبھی حال کے ذریعہ کقولہ ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ﴾ یعنی تم نے جو کچھ مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی۔ پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تاکہ اس پر حجت رہے۔ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسول ﷺ سے خبر پالینا کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں ہی کو نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح مانیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت اللہ ہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے اسی لئے فرماتا ہے کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس توحید کا علم ہی نہیں تھا اور یہ کہ شرک تو ہمارے باپ داداؤں نے کیا تھا۔ ان کے ایجاد کردہ کام پر ہمیں سزا کیوں ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَاۗءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی۔ کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اپنا نقصان کرتے ہیں۔

طالب دنیا کا حال کتے کی طرح ہے: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا بلعم بن باعورا نامی اہل بلقاء میں سے تھا اور وہ اسم اعظم جانتا تھا۔ یہودی علماء کے ساتھ بیت المقدس میں رہتا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ اہل یمن میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی نشانیاں اور کرامتیں دی تھیں، لیکن اس نے ناقدری کی۔ وہ مستجاب الدعوات تھا، اس کی دعائیں قبول ہو جاتی تھیں۔ لوگ مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے لئے اسی کو آگے بڑھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ دین کے لئے ملک مدین کی طرف بھیجا۔ یہاں کے بادشاہ نے اس کو اپنا بنالیا اس پر بہت سر فرازیاں کیں۔ چنانچہ اس نے اس بادشاہ کے دین کو قبول کر لیا اور دین موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ اس کا نام بلعام تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امیہ بن ابی صلت ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کہنے سے یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا اس کو بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ حضرت ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا تھا آپ کے آیات بینات دیکھے تھے، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، دین الٰہی میں داخل ہوتے ہوئے ہزاروں کو دیکھا، لیکن مشرکین کے میل جول ان میں اس کا امتیاز اور وہاں کی سرداری نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا۔ اس نے بڑے مرثیے بدر کے کافروں کے ماتم میں کہے ہیں۔ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا۔ یہ سارا بیان ممکن ہے امیہ ابن ابی صلت سے متعلق ہونہ کہ بلعام سے۔

بلعام کا ذکر قرآن میں ہو رہا ہے کہ ہم نے اس کو اپنی آیتیں یعنی کرامتیں بخشی تھیں، لیکن وہ ان سے ہٹ گیا یعنی ان سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تین دعاؤں کا حق دیا تھا کہ قبول ہوں گی۔ ایک عورت اور ایک لڑکا اس کا تھا۔ اس کی عورت نے کہا کہ ایک دعا میرے حق میں خاص کر دو۔ اس نے کہا اچھا کہو کیا دعا ہے۔ عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ سارے بنی اسرائیل میں مجھ سے زیادہ حسین کوئی عورت نہ ہو۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اور وہ حسین ترین عورت بن گئی۔ جب عورت نے یہ محسوس کر لیا کہ اس جیسی حسین اب کوئی عورت نہیں، تو شوہر سے بے پروا اور بے رغبت بن گئی اور اس کے خیالات اور اعمال کچھ اور ہی ہو گئے تو بلعام نے دعا کی کہ وہ کتیا بن جائے۔ چنانچہ وہ کتیا بن گئی۔ دو دعائیں ختم ہو گئیں۔ اس کے لڑکے آ کر کہنے لگے کہ ہم سے تو نہیں دیکھا جا سکتا کہ ہماری ماں کتیا ہو، لوگ ہمیں عار دلا رہے ہیں دعا کرو کہ وہ اپنے سابقہ حال پر آ جائے۔ چنانچہ دعا کی اور وہ عورت جیسی پہلے تھی ویسی ہی ہو گئی۔ اب تینوں دعائیں صرف ہو گئیں۔ یہ روایت غریب ہے۔ اس آیت کا سبب نزول جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا اور وہ جبارین یہود کے شہر کا رہنے والا تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی دعا منجانب اللہ قبول ہوا کرتی تھی۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا مگر اس کی نبوت چھین لی گئی۔ ابن جریرؒ کا ایسا قول ہے لیکن یہ مطلقاً صحیح نہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب شہر جبارین میں آئے تو بلعام کے پاس اس کے لوگ آئے اور کہا کہ موسیٰ ایک مرد آہنی ہے اس کے ساتھ بڑی فوج ہے اگر وہ ہم پر غالب آ جائے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی مصیبت ہم سے دور ہو جائے۔ اس نے کہا کہ اگر میں ایسی دعا کروں تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جائیں، لیکن لوگ اس کو تنگ ہی کرتے رہے۔ چنانچہ اس نے ایسی دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بزرگی اور کرامتیں سب اس سے چھین لیں۔ چنانچہ فرمایا﴿ فانسلخ منها فاتبعه الشيطن ﴾ یعنی وہ کرامتوں سے محروم ہو گیا، یہیں سے شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے لئے میدان تیہ کی چہل سالہ گردش ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون نبی کو بھیجا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنے نبی ہونے کی خبر دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ جبارین سے جنگ کرو جبارین نے یوشع کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصدیق کی۔ لیکن بنی اسرائیل کا ایک آدمی بلعام نامی نافرمانی کر کے جبارین کے پاس چلا گیا، اور ان سے کہا کہ تم نہ ٹھہراؤ جب تم لڑنے کے لئے نکلو گے تو میں اپنے بددعا کے ہتھیار سے کام لوں گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ جبارین کے پاس اس کے

دنیوی تمتع کے لئے سب کچھ موجود تھا بجز اس کے کہ وہ ان کی عورتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ ان عورتوں کی عصمت اس پر چھائی ہوئی تھی وہ صرف اپنی ہی گدھی یعنی عورت سے تعلق رکھتا تھا۔ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا یعنی اس پر چھا گیا۔ اب وہ شیطان کی فرماں برداری کرنے لگا ﴿ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾ یعنی ہالکین حائرین میں سے بن گیا۔ نیک لوگ بھی بعض وقت بد بن جاتے ہیں' چنانچہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو تم پر کچھ اس قسم کا اندیشہ ہے جیسے وہ آدمی جو قرآن کا علم رکھتا تھا' قرآن کی برکت اور رونق اس کے چہرے سے ظاہر تھی' اسلامی شان تھی' لیکن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بدبختی نے اس کو آگھیرا۔ اسلام کے احکام اس نے پس پشت ڈال دیئے۔ وہ اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑا' یہ الزام لگا کر کہ اس نے شرک کیا ہے۔ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ الزام لگانے والا خطاکار تھا یا جس پر الزام لگایا گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خطاکار الزام لگانے والا تھا۔

ارشاد باری ہے کہ اگر ہم چاہتے تو دنیا پرستی کی گندگی سے اس کو بالاتر رکھتے اور جو کرامتیں اس کو دی تھیں ان سے اس کو محروم نہ کرتے لیکن وہ زینت دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور دنیا میں ایسا پھنس گیا جیسے دوسرے بے سمجھ لوگ ﴿ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ وہ شیطان کا ہم کار بن گیا اور پستی اختیار کر لی۔ اس کی سواری نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن بلعام نے شیطان کو سجدہ کیا۔ ابن یسار سے اس آیت ''اور اس شخص کی خبر پڑھو جس کو ہم نے کرامتیں بخشی تھیں'' کے بارے میں مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر اس سرزمین کا رخ کیا جس میں بلعام رہتا تھا یا شام کا رخ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی فوج کشی سے وہاں کے لوگ گھبرا گئے اور بلعام کے پاس آ کر کہنے لگے کہ موسیٰ اور ان کے لشکر کے لئے بددعا کرو۔ تو اس نے کہا کہ ٹھہرو میں رب سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے مشورہ کیا یا استخارہ کیا تو اس سے کہا گیا کہ نہیں بددعا نہ کرنا کیونکہ وہ میرے بندے ہیں اور ان میں میرا نبی بھی ہے۔ تو اس نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میں نے رب سے مشورہ کیا لیکن مجھے بددعا کرنے کی ممانعت ہوئی ہے۔ اب لوگوں نے اس کے پاس بہت سے ہدیے اور تحفے بھیجے' چاہئے تھا کہ وہ قبول نہ کرتا لیکن اس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد یہ لوگ پھر اس کو مجبور کرنے لگے۔ اس نے کہا اچھا پھر مشورہ کر لوں۔ اب کے اس کو کوئی مشورہ نہ ملا۔ اس نے کہا مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا گیا۔ اس لئے بددعا نہ کروں گا لیکن لوگوں نے اس کو بہکایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہ ہوتا تو پہلے کی طرح روک دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ خاموش ہے تو گویا تم کو بددعا کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ دھوکا کھا گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے لئے بددعا کرنے لگا۔ جب کبھی وہ بددعا کے الفاظ موسیٰ علیہ السلام کے لئے نکالنا چاہتا تو اپنی ہی قوم کے لئے بددعا کے الفاظ زبان سے نکلتے اور اپنی قوم کی فتح کے لئے الفاظ ادا کرنا چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے الفاظ زبان سے نکل جاتے' یا انشاء اللہ کا جملہ بھی آخر میں زبان سے نکل جاتا۔ جس کے سبب بددعا مشروط ہونے کے سبب عبث بن کر رہ جاتی۔ لوگ کہنے لگے' ارے تم تو بددعا موسیٰ کے بجائے ہمارے حق میں کر رہے ہو۔ وہ کہتا' میں کیا کروں میری زبان سے بلا ارادہ ایسا ہی کچھ نکل جاتا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اگر بددعا کروں گا بھی تو قبول نہیں ہو گی۔ اب میں تم کو ایک تدبیر بتاؤں جس سے یہ لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کر دیا ہے اور فعل زنا سے سخت ناراض ہے اگر یہ لوگ کسی طرح زنا میں مبتلا کر دیئے جائیں تو یقیناً ان کی ہلاکت کی امید ہے۔ چنانچہ ایسا کرو کہ ان کی فوج میں اپنے پاس کی عورتیں بھیج دو۔ یہ تو بیوی بچے چھوڑے ہوئے مسافر لوگ ہیں کیا عجب کہ زنا میں پڑ جائیں اور ہلاک ہو جائیں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ عورتوں کو موسیٰ علیہ السلام کی فوج کی طرف بھیج دیا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی بیٹی بھی نہ چھوڑی۔ شہزادی کو اس کے باپ نے یا بلعام نے تاکید کر دی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی کے تصرف میں نہ آنا۔ کہتے ہیں کہ واقعی لوگ زنا میں پڑ گئے۔ شہزادی کے پاس بنی اسرائیل کا ایک سردار آ پہنچا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے کہہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوا میں اور کسی کو نہ آنے دوں گی۔ سردار نے بتایا کہ میرا عہدہ ایسا برتر ہے اور میری یہ شان و شوکت ہے تو لڑکی نے اپنے باپ کو لکھ بھیجا اور اس بارے میں اس کی ہدایات مانگیں۔ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں مان جاؤ۔ وہ دونوں جب مصروف کار تھے تو ہارون علیہ السلام کا ایک بیٹا وہاں پہنچا

اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا ایسا مارا کہ دونوں اپنی موجودہ حالت کے اندر ایک ہی نیزہ میں پرو گئے۔ وہ نیزہ بلند کر کے لوگوں کے سامنے آیا اور لوگ دیکھتے رہ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مرض طاعون کا عذاب بھیجا' جس سے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ ابن سیار کا بیان ہے کہ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر معلولی تک آیا۔ یہاں سے اس کی سواری آگے نہیں چل رہی تھی وہ اس کو مار رہا تھا اور وہ بیٹھی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی اور وہ کہنے لگی کہ مجھ کو کیوں مار رہا ہے' سامنے دیکھ کیا ہے؟ دیکھا تو وہاں شیطان کھڑا تھا وہ اتر کر شیطان کو سجدہ کرنے لگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ فانسلخ منها ﴾ سالم ابو النضر کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب ارض شام سے بنی کنعان میں آئے تو بلعام کی قوم آکر ان سے کہنے لگی کہ موسیٰ اپنی قوم کو لے کر ہمارے ملک میں آیا ہوا ہے تاکہ ہمیں قتل کرے اور یہاں انہیں بسائے۔ ہم تمہاری قوم ہیں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ تم مرد مستجاب الدعوات ہو' اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا کرو! اس نے کہا یہ تمہاری کم بختی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی مدد پر فرشتے بھی ہیں اور مومنین بھی ہیں' میں کیسے بددعا کروں' میں جو جانتا ہوں سو جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا ہم رہیں کہاں۔ اور ہر گھڑی اس پر دباؤ ڈالتے رہے اور عاجزی کرتے رہے حتیٰ کہ ان لوگوں نے اس کو فتنے میں ڈال ہی دیا چنانچہ وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چلا جس پر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھے۔ اس کو جبل حسبان کہتے ہیں کہ کچھ دور چلا تھا کہ اس کی سواری بیٹھ گئی اتر کر اس کو مارنے لگا۔ کچھ دور چل کر وہ پھر بیٹھ گئی۔ جب بار بار اس کو مارنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی اور وہ کہنے لگی کہ "بلعم! تو مجھے کدھر لئے جا رہا ہے کیا نہیں دیکھتا کہ فرشتے میرے سامنے ہیں' مجھے دھکیل کر پیچھے کی طرف واپس کر رہے ہیں' تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور مومنین پر بددعا کرنے کے لئے جا رہا ہے"۔ لیکن وہ باز نہ آیا' اور پھر اس کو مارنے لگا۔ چنانچہ اب کی مرتبہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ وہ وہاں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے بددعا کرنے لگے لیکن اس کی زبان الٹ جاتی تھی اور بددعا اپنی قوم کے لئے اور دعا موسیٰ کے لئے نکلتی تھی۔ کہتے ہیں کہ بددعا کرنے پر اس کی زبان باہر نکل پڑی اور اس کے سینہ پر لمبی ہو کر لٹک گئی۔ اب وہ بول اٹھا کہ میری دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ قوم سے کہنے لگا' اب تو صرف مکر و حیلہ ہی سے کام لیا جا سکتا ہے اپنی لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کر کے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجو' ان سے کہہ دو کہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ایک شخص بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو سمجھو تم نے مقصد پا لیا۔ چنانچہ عورتیں بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجی گئیں۔

اہل کنعان کی ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا صور کی بیٹی تھی جو قوم کا سردار اور بادشاہ تھا۔ اس عورت کا ملاپ ہو گیا بنی اسرائیل کے ایک سردار سے جس کا نام زمری بن شلوم تھا۔ جو شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا پوتا تھا اور سردار تھا۔ اس نے اس عورت کو دیکھا تو پسند آگئی' اس کا ہاتھ پکڑ کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور کہنے لگا' موسیٰ تم تو یہی کہو گے کہ یہ تجھ پر حرام ہے اس کے نزدیک نہ ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا' ہاں یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے کہا موسیٰ علیہ السلام واللہ میں یہاں تو تمہاری بات نہ سنوں گا۔ پھر اس لڑکی کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور ہم بستر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون بھیج دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا سردار فنحاص ابن عیزار بن ہارون نائی' زمری بن شلوم کی اس حرکت کے وقت وہاں موجود نہ تھا اور اس حرکت سے ساری قوم میں طاعون پھیل گیا۔ یہ سارا واقعہ فنحاص کو معلوم ہوا اس نے اپنا لوہے کا نیزہ اٹھایا اور زمری کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ دونوں لیٹے ہوئے تھے۔ دونوں کو ایک ہی نیزے میں پرو لیا اور نیزے کو سر پر بلند کر کے نکلا۔ فنحاص نوجوان اور قوی تھا یہ بوجھ اٹھا لیا اور اٹھائے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ "اے اللہ تعالیٰ! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ اب طاعون ختم کر دے"۔ طاعون ختم ہو گیا۔ طاعون سے ہلاک ہونے والے بنی اسرائیل اس مدت میں کہ اس نے عورت حاصل کی پھر فنحاص کے ہاتھوں قتل ہوا' ستر ہزار آدمی مر گئے یا کم سے کم بیس ہزار۔ فنحاص کی اسی شکر گزاری میں بنو اسرائیل جب کبھی ذبیحہ کرتے ہیں تو جانور کی سری اور دست اور اپنے پھلوں اور اموال کی پہلی چیز

اولاد فنحاص کو نذرانہ کے طور پر دیتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلافات ہیں کہ "اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر مشقت لادو تو بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا رہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا رہے"۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بلعام کی زبان بھی لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی تھی۔ تو اس کی تشبیہ بھی ایسے کتے سے دی گئی ہے جو دونوں حالتوں میں ایک سا ہو کہ اس پر کرامتیں نازل کر و یا رحمتیں ہر دو حالت میں یکساں ہے۔ یا یہ مثال اس کی گمراہی اور گمراہی کی پائیداری میں اور ایمان کی طرف بلانے یا نہ بلانے دونوں حالتوں میں اس سے نفع گیر نہ ہونے کے اندر اس کتے کی سی ہے جو رگید نے اور نہ رگید نے دونوں صورتوں میں زبان لڑکائے ہانپتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بلعام بھی کہ ایمان کی طرف بلانے سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا اور نہ بلانے سے بھی نہیں۔ اسی طرح کی ایک بات ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ "چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ یا اور ایک مثال کہ "تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو' اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔" یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کافر اور منافق اور گمراہ کا دل کمزور اور ہدایت سے فارغ ہوتا ہے کتنی ہی کوشش کی جائے ہدایت نہیں پاتا۔

اللہ پاک اپنے نبی کریم محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں کو یہ واقعات سناؤ تاکہ بنی اسرائیل کے حالات سے واقف ہونے کے بعد' وہ غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام کا کیا حال ہوا۔ رب کے علم جیسی زبردست دولت اس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دی' آخر نہ یہ ملا نہ وہ۔ اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں اور آپ کے اوصاف اس میں لکھے پاتے ہیں انہیں چاہیئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اور اپنے مریدوں کو پھانس کر بھول اور غفلت میں نہ پڑ جائیں ورنہ یہ بھی اسی طرح دین و دنیا سے کھو دیئے جائیں گے انہیں چاہیئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں اور تمہاری طاعت کی طرف جھکیں اور دوسروں پر بھی حق بات کو ظاہر کر دیں۔ دیکھو لوگو کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح کھانے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کو پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بری مثال ہم پر صادق نہیں آنی چاہیئے یعنی کسی کو دے کر پھر واپس لے لینے والے کی مثال اس کتے کی سی ہے جو قے کرے پھر اسی کو کھا جائے۔ اور فرمایا کہ "انہوں نے آپ اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے" کیونکہ ہدایت کا اتباع نہیں کیا' دنیا اور دنیا کی لذات میں پھنس گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔

ہدایت اور گمراہی اللہ کے قبضہ میں: جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے کوئی اس کو گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے' کس کی مجال ہے کہ اس کی ہدایت کرے' اللہ تعالیٰ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ﴿ ان الحمد لله نحمده ونستعينه و نستهديه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادی له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله ﴾ (عن ابن مسعودؓ)

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بھٹکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ

معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں' جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں' یہ لوگ غافل ہیں۔

دل آنکھ کان وغیرہ کا صحیح استعمال نہ کرنے والے جانور ہیں: حضرت ﷺ کو ایک بار کسی انصار کے لڑکے کے جنازے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! یہ بچہ تو جنت کی ایک چڑیا ہے نہ اس نے کوئی برے کام کئے نہ دوزخ اس کا کوئی ٹھکانہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب مجھ سے بھی کچھ سنو کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور وہ لوگ بھی پیدا کئے جو اہل جنت ہوں گے۔ اور یہ مستحقین جنت اسی روز قرار دیئے گئے کہ ابھی صلب آدم ہی میں تھے اور دوزخ اور اہل دوزخ پیدا کئے گئے اور ابھی وہ صلب آدم ہی میں تھے۔

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ پاک رحم مادر میں ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو چار باتیں اس سے متعلق لکھ دیتا ہے۔ اس کا رزق' اس کی عمر' اس کے اعمال اور نیک یا بد۔ اور یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ آدم علیہ السلام کی صلب سے جب اللہ تعالیٰ نے ذریت کو نکالا تو اصحاب یمین اور اصحاب شمال دو فریق بنائے ایک جنت کے لئے اور ایک دوزخ کے لئے۔ اور فرمایا مجھے اس کی پروا نہیں کہ کون اپنے کو مستحق جنت بنا رہا ہے اور کون مستحق دوزخ۔ اس بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہیں اور مسئلہ تقدیر ایک اہم مسئلہ ہے یہاں مزید وضاحت کی گنجائش نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ نہیں سمجھ سکتے' آنکھیں ہیں اور دیکھتے نہیں' کان ہیں اور سنتے نہیں' یہ چیزیں جن کو ہدایت حاصل کرنے کے لئے سبب بنایا گیا تھا۔ ان سے کچھ بھی منتفع نہیں ہوتے جیسا کہ فرمایا "انہیں کان' آنکھ' دل دیئے گئے لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ کیونکہ ان چیزوں سے انہوں نے کام نہیں لیا اور آیات اللہ ہی کا انکار کر بیٹھے"۔ منافقین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ اور کافروں کے حق میں ہے ﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ اور فرمایا کہ "اگر اللہ ان میں کوئی خیر معلوم کرتا تو ضرور ان کو سننے کے قابل بنا تا تو ضرور وہ ہدایت پاتے"۔ اور فرمایا کہ "آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں"۔ اور فرمایا کہ "جس نے وحی رحمان سے روگردانی کی تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر وقت اس سے لگا لپٹا رہتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ یہی ٹھیک راہ پر ہیں"۔ اب یہاں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں کہ نہ حق بات کو سنتے ہیں نہ حق کی مدد کرتے ہیں' نہ ہدایت کو دیکھتے ہیں اور اپنے حواس خمسہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتے سوائے اس کے کہ دنیوی حیات کے اندر اس سے فائدہ اٹھا لیا جیسا کہ فرمایا کہ کافروں کی مثال اس جانور جیسی ہے جو کہ راعی کے الفاظ کو تو نہیں سمجھتا صرف آواز کو سنتا ہے کہ انہیں بھی ایمان کی طرف بلایا جائے تو اس کی افادیت کو تو نہیں سمجھتے البتہ آواز سن پاتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ یہ ان جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں کہ جانور اپنے راعی کی بات اگرچہ نہ سمجھیں لیکن اس کے بلانے پر اس کا رخ تو کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان جانوروں سے نہ سمجھ سکنے کا فطری وخلقی فعل سرزد ہوتا ہے یا تو از روئے طبیعت یا سدھانے کی بنا پر' برخلاف کافر کے کہ وہ تو بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے پیدا

کیا گیا تھا لیکن اس نے کفر اور شرک کیا اور اسی لئے جس نے اللہ تعالیٰ اطاعت کی وہ بروز قیامت ملائکہ سے بھی افضل ہے اور جس نے کفر کیا وہ جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں سوان ناموں سے اللہ تعالیٰ ہی کو موسوم کیا کرو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

اللہ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد اور فضیلت: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' ایک کم سو' جو ان کا ورد رکھے گا وہ جنت میں جائے گا اللہ تعالیٰ وتر ہے اس لئے عدد میں بھی وتر ہی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نامہائے پاک یہ ہیں۔

﴿ هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ' لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ' الرَّحِیْمُ' اَلْمَلِكُ' الْقُدُّوْسُ' السَّلَامُ' الْمُؤْمِنُ' الْمُهَیْمِنُ' الْعَزِیْزُ' الْجَبَّارُ' الْمُتَكَبِّرُ' الْخَالِقُ' الْبَارِیُ' الْمُصَوِّرُ' الْغَفَّارُ' الْقَهَّارُ' الْوَهَّابُ' الرَّزَّاقُ' الْفَتَّاحُ' الْعَلِیْمُ' الْقَابِضُ' الْبَاسِطُ' الْخَافِضُ' الرَّافِعُ' الْمُعِزُّ' الْمُذِلُّ' السَّمِیْعُ' الْبَصِیْرُ' الْحَكَمُ' الْعَدْلُ' اللَّطِیْفُ' الْخَبِیْرُ' الْحَلِیْمُ' الْعَظِیْمُ' الْغَفُوْرُ' الشَّكُوْرُ' الْعَلِیُّ' الْكَبِیْرُ' الْحَفِیْظُ' الْمُقِیْتُ' الْحَسِیْبُ' الْجَلِیْلُ' الْكَرِیْمُ' الرَّقِیْبُ' الْمُجِیْبُ' الْوَاسِعُ' الْحَكِیْمُ' الْوَدُوْدُ' الْمَجِیْدُ' الْبَاعِثُ' الشَّهِیْدُ' الْحَقُّ' الْوَكِیْلُ' الْقَوِیُّ' الْمَتِیْنُ' الْوَلِیُّ' الْحَمِیْدُ' الْمُحْصِیْ' الْمُبْدِیُٔ' الْمُعِیْدُ' الْمُحْیِیْ' الْمُمِیْتُ' الْحَیُّ' الْقَیُّوْمُ' الْوَاجِدُ' الْمَاجِدُ' الْوَاحِدُ' الْاَحَدُ' الْفَرْدُ' الصَّمَدُ' الْقَادِرُ' الْمُقْتَدِرُ' الْمُقَدِّمُ' الْمُؤَخِّرُ' الْاَوَّلُ' الْاٰخِرُ' الظَّاهِرُ' الْبَاطِنُ' الْوَالِیُ' الْمُتَعَالِیْ' الْبَرُّ' التَّوَّابُ' الْمُنْتَقِمُ' الْعَفُوُّ' الرَّؤُفُ' مَالِكُ' الْمُلْكِ' ذُوالْجَلَالِ' وَالْاِكْرَامِ' الْمُقْسِطُ' الْجَامِعُ' الْغَنِیُّ' الْمُغْنِیُّ' الْمَانِعُ' الضَّارُّ' النَّافِعُ' النُّوْرُ' الْهَادِیْ' الْبَدِیْعُ' الْبَاقِیْ' الْوَارِثُ' الرَّشِیْدُ' الصَّبُوْرُ ﴾

یہ حدیث غریب ہے۔ کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اس طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ نام راویوں نے قرآن میں سے چھانٹ لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام ہی اللہ تعالیٰ کے ہوں اور نہ ہوں' یہ بات نہیں۔ مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جسے کبھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے۔

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَاَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَآءَ حُزْنِیْ وَذِهَابَ هَمِّیْ ﴾ کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم یاد نہ کرلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بلکہ جو بھی اسے سنے چاہئے کہ یاد کرلے۔ بعض لوگوں نے تو قرآن و سنت سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام نکالے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جانے بھی دو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں کہ یہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ''لات'' کا لفظ بھی شریک کردیتے ہیں کہ لات کو اللہ تعالیٰ کا مونث لفظ بتاتے ہیں کہ عزیٰ کو عزیز کا لفظ۔ یہ دونوں نام کافروں کے پاس مونث خداؤں کے ہیں۔ الحاد کے معنی تکذیب کے ہیں اور کلام عرب میں اعتدال سے ہٹنے کو کہتے ہیں۔ لحد بہ معنی قبر اسی سے ہے کیونکہ قبلہ کی طرف رخ پھیر کر بنائی جاتی ہے۔

۲۲ ع ۱۰ ۱۲

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اس کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

ایک جماعت قیامت تک حق پر ہے: ہماری پیدا کردہ قوموں میں سے بعض قوم قولاً و عملاً حق پر قائم ہے' حق بولتی ہے اور حق کی طرف بلاتی ہے اور از روئے حق ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اس امت سے مراد امت محمد یہ ہے۔ حضرت ﷺ جب اس آیت کو پڑھتے تھے تو فرماتے تھے کہ یہ تم ہو۔ اور وہ قوم جو تم سے پہلے گزری یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام کہ یہ لوگ بھی دوسروں کو حق کی طرف بلاتے تھے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی حتیٰ کہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں' اور وہ جماعت حق پر غالب رہے گی' ان کا کوئی مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا اور قیامت کے آنے یا وہ اپنے مرنے تک اس پر کاربند رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ اور ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

کثرت رزق باعث وبال بھی ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ابواب رزق کھل جائیں گے۔ دنیوی مفاد زیادہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اسی دھوکے میں رہیں گے اور یہ گمان کرنے لگیں گے کہ ان کی ہمیشہ یہی حالت رہے گی۔ جیسا کہ فرمایا "انہوں نے جب ہماری یاد بھلا دی تو ہم نے ابواب رزق ان پر کھول دیئے اور جب وہ غرور میں اتر آئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ ان ظالموں کی نسل ہی قطع کر دی گئی۔ حمد کے لائق تو اللہ رب العالمین ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہماری سیاست بہت قوی ہوتی ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔

نبی مجنون نہیں بلکہ اللہ کے سچے رسول ہیں: ان تکذیب کرنے والوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو درحقیقت کوئی جنون نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں۔ جس شخص کو عقل سلیم ہے اور اس سے کام لینا چاہتا ہے' وہ اس کو صاف صاف تنبیہ کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تبلیغ کے لئے ایک ایک اور دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ پھر اس بات پر تو کچھ غور کرو کہ تمہارے رفیق کو جنون نہیں' بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب شدید سے ڈرانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے خلوص اختیار کرو۔ تعصب و عناد کو چھوڑ دو اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقت تم پر کھل جائے گی کہ یہ رسول سچے ہیں اور خیر خواہ ہیں۔

نبی اکرم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے۔ قریش کو جمع کیا اور ایک ایک قبیلہ کا نام لے لے کر بلانے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے

عذاب اور حادثات متوقعہ سے انہیں ڈرایا تو بعض بیوقوف کہنے لگے کہ یہ تو کچھ دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ صبح تک بکواس کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اتری تھی۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۵﴾

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔

موت کا علم نہیں حق کو قبول کر لینا چاہئے: ارشاد ہوتا ہے کہ ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے کیا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہمیں کیسا غلبہ حاصل ہے آسمانوں اور زمین پر اور ان میں جو کچھ ہے ان سب پر۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس پر تدبر و تفکر کرتے اور عبرت لیتے اور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ یہ سب اس کا ہے جس کا کوئی نظیر و شبیہ نہیں وہی اس بات کا مستحق ہے کہ عبادت اور خلوص صرف اسی سے برتیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں' اس کی طاعت کی طرف جھک جائیں' بتوں کو نکال پھینکیں اور اس بات سے ڈریں کہ موت قریب ہے اگر کفر ہی پر مر جائیں گے تو عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ اب اس کے بعد پھر اور کونسی تخویف اور ترہیب چاہیے کہ جو دھمکی آئی ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے اگر وہ اس وحی و قرآن کی تصدیق نہ کریں جو محمد ﷺ نے پیش کی ہے تو پھر کس بات کی تصدیق کریں گے۔

ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا شب معراج میں میں نے دیکھا کہ آسمان ہفتم تک جب میں پہنچا تو اوپر نظر کی تو رعد و برق دیکھے۔ اور ایسی قوم پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں اور جب اس پہلے آسمان پر اترا تو میں نے اپنے سے نیچے کی طرف نظر ڈالی تو ایک دھند اور دھواں تھا اور شور و غوغا برپا تھا۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل یہ کیا ہے؟ تو کہا یہ وہ شیاطین ہیں جو انسانوں کی آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں اور آڑ بن جاتے ہیں تاکہ ارض و سماء کے ملکوت میں انسان نظر ہی نہ کر سکے اگر یہ حائل نہ ہوتے تو انسان آسمان کی عجیب عجیب باتیں دیکھتا۔ اس کے ایک راوی علی بن زید سے بہت سی منکر روایات بھی منسوب ہیں۔

مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔

اللہ کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا: اللہ تعالیٰ نے جس کے نام گمراہی لکھ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا' وہ کتنی ہی نشانیاں دیکھے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہی فتنے میں ڈالے اس کو کون راہ راست پر لائے۔ جیسا کہ فرمایا دیکھو آسمانوں اور زمین میں ہماری کیا کچھ نشانیاں ہیں۔ لیکن نشانیاں' معجزات اور دھمکیاں کوئی چیز بھی ان کافروں کو مفید نہیں پڑتی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْــٴَـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا۔ وہ تم پر محض اچانک آ پڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قیامت کا وقوع اور اس کی نشانیاں: یہ آیت قریش سے متعلق اتری ہے' یا یہود کی ایک جماعت سے متعلق۔ لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود تو مدینے میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کا وقت جو تم سے پوچھتے ہیں سو اس کا یقین نہ کریں گے' تکذیب کے انداز میں پوچھتے ہیں جیسا کہ اس آیت کے انداز بیان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ ہو گی کب اور کس تاریخ؟'' اور فرمایا کہ یہ کافر قیامت کو جلدی مانگتے ہیں' حالانکہ مومن تو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھے ہوئے ہیں کہ اس کا آنا حق ہے اور جو لوگ قیامت میں شک کرتے ہیں' بڑی گمراہی میں ہیں۔ اور فرمایا' بتاؤ وہ کس تاریخ ہو گی۔ اور دنیا کب ختم ہو جائے گی' اور پھر گھڑی قیامت کی کونسی ہے''۔ تو اے نبی (ﷺ)! کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا ہے کہ اے نبی اکرم (ﷺ) وہ وقت قیامت پوچھیں تو بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو کہ اس کے وقت کی تحدید تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا ﴿ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی زمین و آسمان والے اس کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ حسنؒ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو اہل ارض و سماء پر بہت بھاری گزرے گی۔ ابن عباسؓ یہ مطلب کہتے ہیں کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہو گی جس کو قیامت کا ضرر نہ پہنچے گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے ستارے ٹوٹ پڑیں گے' سورج تاریک ہو جائے گا' پہاڑ اڑ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ہو گا۔ آسمان والوں کو بھی اس کا علم نہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ وہ اچانک آ جائے گی' لوگوں کو اس کا سان و گمان بھی نہ ہو گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی کہ ایک وقت سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ کافر یہ عجیب بات اور اور اس پیش گوئی کی صداقت دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ لیکن کسی کو بھی اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ یا گنہگاروں کو اب نیک کام کرنا کوئی نتیجہ نہ بخشے گا۔ دو آدمی کپڑے کا لین دین کر رہے ہوں گے اس غرض سے کپڑے کا تھان کھولا جا رہا ہو گا۔ دودھ دوھ کر پیا بھی نہ گیا ہو گا' لوگ پینے کے پانی کی ٹینکی صاف ہی کر رہے ہوں گے' نوالہ منہ کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا کہ ناگہاں قیامت شروع ہو جائے گی۔

﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ﴾ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ یعنی وہ قیامت کا راز تم سے ایسے پوچھتے ہیں گویا تم ان کے بڑے دوست ہو اور اس انداز میں پوچھتے ہیں گویا قیامت کی تاریخ وقوع سے تم واقف ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس راز کو کسی مقرب ترین فرشتے یا اپنے کسی رسول پر بھی ظاہر نہیں کیا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ قریش حضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ تمہارے ہمارے درمیان تو رشتہ داری ہے ہمیں تو بتا دیجئے کہ قیامت کب آ رہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ کہہ دو کہ اس کا علم فقط اللہ تعالیٰ کو ہے۔

یہ لوگ جو نبی کریم ﷺ سے وقت قیامت کو پوچھتے ہیں سو نہیں جانتے کہ نبی کو بھی اس کا علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس

کا علم نہیں رکھتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں حضرت ﷺ کے پاس آئے تاکہ امور دین کی تعلیم لوگوں کو حاصل ہو سکے۔ اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں حضرت ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا۔ پھر ایمان اور احسان سے متعلق دریافت کیا۔ پھر پوچھا کہ قیامت کب آنے والی ہے۔ اس چوتھے سوال کے جواب میں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس بارے میں تو مجھ کو تم سے زیادہ علم نہیں۔ یعنی جیسے تم ناواقف' میں بھی ناواقف۔ اور کوئی شخص بھی اس بارے میں کچھ نہیں جان سکتا۔ پھر حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿ انّ اللّٰہ عندہٗ علم السّاعۃ ﴾ اور ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بہ شکل اعرابی آپ سے قیامت کی نشانیاں پوچھیں۔ آپ نے نشانیاں بتادیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ حضرت ﷺ کے ہر جواب پر وہ اعرابی کہتا گیا کہ آپ صحیح فرمارہے ہیں۔ گویا کہ وہ جانتا تھا اور بات کی صداقت کا اعتراف کر رہا ہے۔ اس انداز تصدیق پر صحابہ نے تعجب کیا کہ یہ کیسا سائل ہے کہ خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی جواب پر صاد کر رہا ہے۔ پھر یہ سائل چلا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے اور اس بہانے تم لوگوں کو مسائل دین اور معتقدات کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ اس سے پہلے جب کبھی یہ صورت بدل کر آتے رہے میں پہچانتا رہا اور اس دفعہ تو میں نے بھی نہیں پہچانا تھا۔ میں نے آغاز شرح بخاری میں اس حدیث کو بیان کر دیا ہے۔ اور جب ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا اور بلند آواز میں آپ کو پکارا کہ یا محمد ﷺ! تو آپ ﷺ نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔ "ہاں کیا ہے؟" تو اس نے کہا' قیامت کب آنے والی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اے نادان! قیامت جب بھی آئے گی ضرور آئے گی۔ لیکن تم بتاؤ کہ اس کے لئے تم نے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ کہا' بڑی بڑی نمازیں اور روزے تو خیر نہیں ہو سکے لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے مجھے بہت محبت اور شغف ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ رہے گا کہ جس کو زیادہ چاہتا ہو۔ اس حدیث کو سنکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بے انتہا خوش ہو گئے۔ بخاری و مسلم میں اکثر صحابہ ؓ کی روایتوں سے یہ حدیث متعدد طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی شخص ایسا سوال کرتا جس کی اس کو چنداں ضرورت نہیں اور اس کے لئے عبث ہے' تو آپ ﷺ جواب میں اس بات کی طرف اس کا رخ پھیر دیتے جس کا جاننا اس کے لئے اپنے سوال سے کہیں زیادہ ضروری ہوتا۔ تاکہ وہ اپنی ذات کو اس سے نمٹنے کا اہل بنالے' اور پہلے سے تیاری کر رکھے اگرچہ اس کی تعین وقت سے واقف نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دیہاتی عرب حضرت ﷺ کے پاس آتے تو اکثر یہ سوال کرتے رہتے کہ قیامت کب ہو گی۔ تو آپ ﷺ ان کے کسی بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندگی دی تو یہ بوڑھا بھی نہ ہونے پائے گا کہ تمہاری قیامت تو آجائے گی۔ گویا قیامت سے مراد موت ہوئی جو یہاں سے ہٹا کر تمہیں عالم برزخ میں لے جا چھوڑے گی۔ اور بہت سی احادیث اسی مضمون کی الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ پیش کی گئی ہیں' جو سب کی سب ایک ہی مضمون کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ مقصد ان سب حدیثوں کا یہی ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی لیکن وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ "اس بچے کے بڑھاپے سے پہلے قیامت آجائے گی"۔ یہ اطلاق بھی اسی قید پر محمول ہے۔ یعنی مراد اس سے لوگوں کی موت کا وقت ہے۔ اپنی وفات سے ایک ماہ قبل آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے بارے میں مجھ سے تم لوگ پوچھتے رہتے ہو۔ اس کا علم تو خیر اللہ تعالیٰ کو ہے کہ قیامت آنے میں اور کتنی مدت ہے۔ لیکن میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ اس وقت زمین پر جتنے متنفس آباد ہیں سو سال بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ تو گویا یہ مطلب ہوا کہ جیسے قیامت میں سب لوگ مر جائیں گے اسی طرح سو سال میں موجودہ سب لوگوں کے لئے قیامت آجائے گی۔ گویا تعین وقت ہی اگر چاہتے ہو تو لو یہ تعین وقت ہے۔ اس طرح قیامت سے مراد اس ایک صدی کا اختتام تھا کہ بات کو اس ڈھنگ سے بیان کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا لوگ قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آکر پوچھنے

لگے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی یہی فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی فرمایا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہے ہی نہیں لیکن علامت یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے ساتھ ایک دوشاخہ ہوگا وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ پاک اس کو ہلاک کر دے گا۔ حتیٰ کہ شجر اور حجر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان میری آڑ میں ایک کافر چھپا ہوا ہے' آ اور اس کو قتل کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کافروں کو ہلاک کر دے گا پھر لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس ہو جائیں گے۔ ایسے وقت میں یاجوج اور ماجوج نکلیں گے ہر گوشے میں ابل پڑیں گے۔ شہروں کو پامال کرتے پھریں گے ہر چیز ان کے آنے اور پھرنے سے برباد اور تلف ہوتی رہے گی۔ حتیٰ کہ چشموں پر پہنچیں گے تو چشموں کو خالی کر دیں گے۔ لوگ میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے۔ میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بددعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب یاجوج اور ماجوج کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ ہر جگہ کی فضا ان کی لاشوں کی سڑان کی بدبو سے سموم ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا کہ پانی کا بہاؤ ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جا ڈالے گا۔ اس وقت پہاڑ اکھڑ جائیں گے زمین پھیل جائے گی۔ اس وقت قیامت ایسی قریب ہو گی جیسے نو مہینہ کی حاملہ کہ جس کو لوگ نہیں جانتے کہ دن رات میں کس وقت زچگی ہو جائے۔ بڑے بڑے پیغمبر علیہ السلام بھی قیامت کا وقت نہیں جانتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صرف اس کی علامتیں بتادیں۔ کیونکہ اس امت کے آخری زمانے میں وہ اتریں گے اور نبی اکرم ﷺ کے احکام نافذ فرمائیں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے اور یاجوج وماجوج کو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ہلاک کر دے گا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاؤں وہ یہ کہ اس کے سامنے بڑے فتنے اور ہرج مرج واقع ہوں گے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم فتنہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں' لیکن ہرج کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حبش کی عربی زبان میں اس کے معنی قتل۔ پھر فرمایا کہ لوگوں میں اجنبیت اور بے پروائی اتنی بڑھ جائے گی کہ ایک شخص دوسرے کو کہے گا کہ میں نہیں پہچانتا۔ صحاح ستہ میں بات کو اس طریقہ سے روایت نہیں کیا گیا ہے۔

ہمارے نبی امی سید المرسلین خاتم النبین ﷺ نے جو نبی الرحمتہ اور نبی التوبہ ہیں' فرمایا ہے کہ "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں"۔ چنانچہ آپ نے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر بتایا گویا کہ میرے ساتھ قیامت لگی ہوئی ہے یعنی دونوں کے درمیان کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ غرض یہ کہ ﴿ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ کا علم صرف اللہ پاک کو ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا۔ اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

غیب دان نفع نقصان کا مالک اللہ ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ سارے امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دو اور اپنے بارے میں کہہ دو کہ مستقبل کا علم مجھے بھی نہیں' ہاں اللہ تعالیٰ نے کچھ بتادیا تو بتادیتا ہوں۔ جیسا کہ فرمایا "عالم الغیب کے

علم غیب کو کوئی نہیں پا سکتا"۔اور اے نبی (ﷺ)! کہہ دو کہ اگر میں غیب کی بات جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا۔ یعنی اگر مجھ کو اپنی موت کی خبر ہوتی کہ کب مروں گا تو کوشش کرتا کہ جلد تر بہت سے اعمال صالحہ کر لوں۔ یہ قول مجاہد کا ہے اور ابن جریج بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے اس لئے کہ حضرت ﷺ کا ہر عمل اچھا ہی تھا اور جو عمل کرتے وہ مستقل طور پر پائیدار ہوتا۔ سارے اعمال ایک ہی ڈھنگ کے تھے۔ ہر عمل میں آپ ﷺ کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتی۔ غرض یہ کہ کوئی عمل بھی غیر عمل صالح نہ ہوتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ غیب کی باتیں جان لیتا تو لوگوں کی کس نوع کی بھلائی کس کام کے اندر ہوتی' تو اس سے ان کو آگاہ کر دیتا۔ ابن عباس ؓ نے خیر کے معنی مال کے لئے ہیں اور یہ مفہوم احسن ہے۔ یا یہ کہ جس خریداری میں فائدہ کا علم ہوتا وہ ضرور خریدتا اور کوئی چیز نہ بیچتا جب تک اس میں فائدہ کا علم نہ ہوتا۔ غرض یہ کہ تجارت میں کبھی نقصان نہ اٹھاتا یا نہ اٹھانے دیتا۔ یا مجھے فقر و تنگ دستی کبھی نہ آنے پاتی۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی لیا ہے کہ قحط آنے والا ہوتا تو بہت کچھ غلہ جمع کر رکھتا۔ سستے زمانے میں خرید لیتا اور گرانی کے زمانے میں بیچتا اور مجھے غربت و مسکنت کبھی نہ چھوتی اور نقصان آنے سے پہلے اس سے بچ جاتا۔ پھر آپ نے کہا میں صرف نذیر اور بشیر ہوں عذاب سے ڈرانے والا اور جنت کی بشارت دینے والا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم نے قرآن کو تمہاری زبان پر آسان بنا دیا ہے تاکہ ارادۂ تقویٰ رکھنے والوں کو تم بشارت دو' اور جھگڑنے والے سرکش لوگوں کو ڈراؤ۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بی بی اللہ تعالیٰ سے جو کہ ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے۔

اولاد اللہ عطا کرتا ہے مشرک غیر اللہ کی جانب منسوب کر دیتا ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام ہی سے ان کی بیوی حوا پیدا کی گئیں۔ انہیں دونوں سے نسل بڑھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ' اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور اتنا بڑھایا کہ تم لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے اب تمہیں ایک دوسرے کے حقوق پہچاننا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تم میں شریف تر وہی ہوگا جو سب سے زیادہ محتاط عمل کرے۔ ﴿ لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ﴾ کے معنی ہیں تاکہ ایک دوسرے میں الفت پذیری رہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ یعنی تم دونوں کے دلوں میں محبت اور رحمت ڈال دی۔ دو روحوں میں جو محبت و رحمت ہوتی ہے وہ روحین کی باہمی الفت و موانست سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ساحر اکثر اپنے سحر کے ذریعہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیں غرض شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ فطری محبت کی بنا پر موانست و قربت اختیار کرتا ہے تو ابتداءً وہ اپنے پیٹ میں ایک ہلکا سا بوجھ

محسوس کرنے لگتی ہے۔ یہ آغاز حمل کا زمانہ ہوتا ہے اس وقت تو عورت کو کوئی تکلیف کا آغاز نہیں ہوتا کیونکہ یہ حمل تو ابھی نطفہ یا علقہ اور مضغہ ہے یعنی نطفہ یا گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا۔ ابھی وہ ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسنؒ سے ﴿ مَرَّتْ بِهٖ ﴾ کے معنی پوچھے تو کہا اگر میں عرب ہوتا اہل زبان ہوتا تو جانتا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اسی طرح وہ اس حمل کو چندے لئے پھرتی رہتی ہے۔ قتادہؒ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ حمل نمایاں ہو گیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حمل لئے ہوئے آسانی سے اٹھ بیٹھ سکتی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ وہ ہے جب کہ خود اس کو شک ہے کہ مجھے حمل ہے بھی کہ نہیں۔ غرض یہ کہ اس کے بعد جو عورت کو بوجھ اچھا خاصا محسوس ہونے لگتا ہے اور یقین حمل ہو جاتا ہے تو یہ ماں باپ دونوں اللہ تعالیٰ سے تمنا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سالم بچہ دے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ماں باپ کو ڈر لگا ہوتا ہے کہ کہیں جانور کی شکل یا اعضاء کا یا غیر سالم بچہ نہ ہو جائے جیسا کہ بعض مرتبہ ہو جایا کرتا ہے۔ حسن بصریؒ یہ مطلب لیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو لڑکا دے کیونکہ مولود میں زیادہ صلاحیت والا مولود لڑکا ہی ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سالم بچہ دیتا ہے تو اس کو بتوں کا حصہ بنا ڈالتے ہیں۔ اللہ کی ذات ایسے شرک سے بے نیاز ہے۔ مفسرین نے یہاں بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے ان پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر انشاء اللہ صحیح بات کی طرف رہنمائی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حوا کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا تو حوا کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبدالحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ بچہ کا نام عبدالحارث رکھا گیا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ اس حدیث میں تین علتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے۔ اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود سمرہ بن جندبؓ کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسن سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔ غرض تعجب کیلئے گنجائش یہ تھی کہ ایسا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبر روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ سمرہ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ سمرہ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو' جیسے کعب اور وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ انشاء اللہ اس کا بیان بھی عنقریب آئے گا۔

غرض اس حدیث کا مرفوع ہونا تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اب دوسری حدیث بھی اس بارے میں ہیں' یہ کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حوا کے جو اولاد ہوتی تھی' ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبداللہ عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم و حوا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اپنی اولاد کا کچھ دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب حوا کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ﴾ تا آخر۔ حوا علیہا السلام کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ غرض جب وہ حمل سے بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اگر جیتا جاگتا صالح بچہ ہو گا تو ہم بڑا شکر کریں گے۔ اب شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہنے لگا تمہیں کیا خبر کہ کیسا بچہ پیدا ہو گا' جانور کی شکل و

صوت کا ہو گایا انسان۔ ایک غلط بات ان کی نگاہوں میں اچھی بنا کر پیش کی اور شیطان تو دھوکا دینے والا ہے ہی۔ اس سے پہلے دو بچے ہو چکے تھے اور مر چکے تھے۔ شیطان نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم میرے نام پر اس کا نام نہ رکھو گے تو نہ وہ ٹھیک پیدا ہو گا اور نہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پر صحیح سالم بچہ دیا تو اس کا نام عبدالحارث رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ ان آیتوں میں اسی کا بیان ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ کے حمل کے وقت یہ (شیطان) آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا اب تم میری اطاعت کرو ورنہ میرے کرتب سے اس کے سینگ پیدا ہو جائے گا اور وہ پیٹ کر پھاڑ کر نکلے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا' غرض انہیں بہت خوف زدہ کر دیا مگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت بچہ مردہ پیدا ہوا۔ دوسرا حمل ہوا پھر بھی بچہ مردہ پیدا ہوا۔ اب کے ابلیس نے آ کر اپنی بہت خیر خواہی جتلائی۔ بچے کی محبت غالب آ گئی اور اس کا نام انہوں نے عبدالحارث رکھ دیا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ جعلا لہ شرکآء فیمآ اتھما ﴾ ابن عباس ؓ سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے' جیسے مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' قتادہ اور سدی رحمتہ اللہ علیہم۔ اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس ؓ اسے ابی بن کعب ؓ سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے جن کی بابت حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی۔ ان کی روایتیں تین طرح کی ہوتی ہیں ایک تو وہ جن کی صحت کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسری وہ جن کی تکذیب کسی آیت و حدیث سے ہوتی ہے۔ تیسری وہ جن کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حکم حدیث اس کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن اس کی تصدیق و تکذیب نہیں کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہ یا تابعین سے یہ مروی ہے انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں کہ جو حضرت حسن ؒ کہتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد میں شریک اللہ ہی کا بیان ان آیتوں میں ہے نہ کہ حضرت آدم و حوا علیہم السلام کا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شرک سے بلند و بالا ہے۔ ان آیتوں میں یہ ذکر اور اس سے پہلے آدم و حوا علیہم السلام کا ذکر مثل توطئہ کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپ کا ذکر ہوا اور انہیں کا شرک بیان ہوا۔

اب شخصی و انفرادی ذکر ختم کر کے جنس کے ذکر کی طرف بات کا رخ پھیرا جاتا ہے' جیسے "ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور پھر انہیں ستاروں کو شیطانوں کو مار بھگانے کے کام میں لایا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ جھڑتے نہیں' ان سے شیطانوں پر مار نہیں پڑتی۔ یہاں بھی بات کا رخ یوں پھیرا جاتا ہے کہ تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف۔ اس کی اور بہت سی نظیریں قرآن میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ
اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَآءٌ
عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿١٩٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ

يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ
اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ
وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ڮ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

کیاایسوں کوشریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنانہ سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں۔ اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ واقعی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔ سو تم ان کو پکارو' پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں' یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں' یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلالو' پھر میری ضرر رسائی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔ یقیناً "میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی۔ اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اور تم جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو اس کو نہ سنیں۔ اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

مشرکوں کے گونگے بہرے اندھے معبود: وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے بجائے اوثان واصنام کی عبادت کرتے ہیں انہیں تنبیہ ہو رہی ہے کہ یہ اصنام بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ایک بنائی ہوئی چیز ہیں۔ کسی بات کی بھی ان کو مقدرت نہیں نہ وہ کسی کو مضرت پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نفع' نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے نہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں' بلکہ یہ بت تو جمادات میں سے ہیں حرکت تک نہیں کر سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنے والے ان سے کہیں افضل ہیں کہ سن سکتے ہیں دیکھ سکتے ہیں چھو سکتے ہیں' پکڑ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ کیا ان پتھروں کے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا' اے لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے' سنو یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں وہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے خواہ سب کے سب ہی مل کر کیوں نہ کوشش کریں' بلکہ مکھی اگر ان کے کھانے کی کوئی چیز لے اڑے تو وہ اس سے واپس تک نہیں لے سکتے' طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف و بے قدرت ہیں' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا قوی اور عزیز ہے۔ مکھی ایک حقیر غذا بھی ان سے لے اڑے تو اس سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس کی یہ صفت ہو وہ کیسے رزق دے گا یا مدد کرے گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴾ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کو خود گھڑتے ہو۔ پھر فرمایا کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ان کے ساتھ برا برتاؤ کرے تو خود اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ جیسے حضرت خلیل علیہ السلام اپنی قوم کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مار مار کر ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے لیکن بت خانہ کے سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا

تاکہ لوگ آکر اس بڑے بت سے پوچھ لیں کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا۔

معاذ بن عمرو بن الجموح ؓ اور معاذ بن جبل ؓ دونوں جوان تھے' مسلمان ہو چکے تھے۔ مدینہ میں رات کے وقت مشرکین کے بتوں کے پاس جاتے اور ان کو توڑ دیتے۔ اگر وہ لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تو ان کو توڑ کر جلانے کے لئے بیوہ غریب عورتوں کو دے دیتے تاکہ ان کمبخت مشرکین کو کچھ عبرت ہو اور اپنے عمل اور عقیدے پر کچھ غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس کا ایک بت تھا وہ اس بت کی عبادت کرتا تھا اس کو خوشبوئیں ملتا۔ وہ دونوں نوجوان رات کے وقت اس کے بت خانے میں جاتے' اس کے سر پر غلاظت کرتے۔ عمرو بن جموح آتا تو بت کو اس کیفیت میں دیکھتا تو اس کو دھوتا خوشبوئیں ملتا اور اس کے پاس تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ اس سے مدافعت کر۔ دوبارہ یہ لوگ ایسا ہی کرتے اور ابن جموح پھر دھوتا صاف کرتا پھر اس کے پاس تلوار رکھتا۔ آخر کار ایک دن ان دونوں نے اس بت کو نکالا اور ایک کتے کی لاش سے اس کو باندھ دیا اور ایک رسی کے ذریعہ ایک باؤلی میں لٹکا دیا۔ جب عمرو ابن الجموح آیا اور یہ کیفیت دیکھی تو اس کو عقل آگئی کہ وہ بت پرستی کے اندر اعتقاد باطل رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ "اگر تو سچ مچ رب ہوتا تو کنویں میں کتے کے ساتھ پڑا نہ ہوتا"۔ پھر وہ اسلام لے آیا اور اچھا مسلم رہا اور جنگ احد میں شہید ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ کبھی تمہاری پیروی نہ کریں۔ یعنی یہ بت کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے' ان کو پکارنا نہ پکارنا برابر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ "اے باپ! عبادت نہ کر ایسی مورتی کی جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تمہارا کچھ کام نکالتی ہے"۔ پھر فرمایا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جیسے یہ بت پرست' بلکہ یہ بت پرست ہی ان بتوں سے اچھے کہ سنتے' دیکھتے اور چھوتے تو ہیں۔ پھر فرمایا کہ اچھا اپنی مدد کے لئے اپنے شریکوں کو بلاؤ اور مجھے چشم زدن کی بھی مہلت نہ دو اور میرے خلاف جی کھول کے کوشش کر دیکھو۔ میرا مددگار وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی وہ نیکوکاروں کا والی ہے' وہی اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی و وافی ہے' وہی میری مدد کرے گا اسی پر میرا بھروسہ ہے۔ میں مجبور ہوں تو اسی کا ہوں۔ وہ دنیا و آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ میرے بعد بھی ہر نیکوکار کا سرپرست ہے۔ جیسا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب میں فرمایا تھا جب کہ آپ کی قوم نے آپ پر یوں تہمت باندھی کہ تم پر ہمارے خداؤں کی کچھ مار پڑی ہے جبھی تو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی گواہی دیتا ہوں اور صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے شرکاء سے نفرت و بیزاری ظاہر کرتا ہوں' اچھا تم سب مل کر میرے ساتھ کچھ شرارت کر دیکھو اور ہاں دم بھر کے لئے مجھے بچاؤ کی مہلت بھی نہ دینا۔ تم میرا کیا بگاڑو گے۔ میرا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے وہ میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی نکیل اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ میرا رب سیدھے اور سچے طریق پر ہے۔

اور خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے ان بتوں کے بارے میں جن کی تم اور تمہارے آباء و اجداد پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ تو میرے دشمن ہیں' مگر پروردگار میرا دوست ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ٹھیک راہ پر چلائے گا۔ اور جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ میں تو بری ہوں تمہارے خداؤں سے مگر اپنے رب کا میں عبادت گزار ہوں جس نے مجھے خلق کیا اور پھر میری ہدایت فرمائی اور اس کے پیچھے اس کو ایک کلمہ یادگار بنا چھوڑا شاید کہ یہ اپنی بات سے رجوع کریں' اور اسی لئے فرمایا کہ وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں نہ اپنی اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ خاک نہیں سنتے تم ایسا سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف نظر کر رہے ہیں لیکن خاک کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی تصویری آنکھیں تم سے دوچار کر رہے ہیں جیسے واقعی دیکھ رہے ہیں لیکن وہ تو بے جان چیز ہے۔ اسی لئے ان سے ایسا معاملہ کیا جو ایک صاحب عقل کرتا ہو۔ ان بتوں کی شکل تو تصویری شکل ہے اور انسان جیسے معلوم ہوتے ہیں تم دیکھتے ہو کہ گویا وہ تم کو گھور رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرف ھم کی ضمیر پھیر دی جو انسان کی طرف پھیری جاتی ہے حالانکہ بے جان چیز ھا کی ضمیر کی مستحق ہوتی ہے۔ سدی اس سے بتوں کے بجائے مشرکین مراد لیتے ہیں لیکن پہلا ہی خیال صحیح ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

قصوروار کو معاف کردینا چاہیئے: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ ان کے وہ اموال جو ان کی ضروریات سے مستزاد ہیں اور وہ مال جو تمہیں لا دیں' وہ لے لو۔ اور یہ عمل در آمد سورۂ برات میں فرائض صدقات کی توضیح و تشریح سے پہلے تھا کہ صدقات آپ کے پاس پیش کئے جاتے تھے۔ اور ضحاک کہتے ہیں کہ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ کے معنی ہیں جو زیادتی ہے وہ خرچ کردو۔ عفو کے معنی زیادتی کے کئے گئے ہیں۔ زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین سے عفو و درگزر کا حکم ہے۔ دس سال تک یہ عفو و درگزر رہا پھر ان پر سختی کرنے کا حکم ہوا۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے درگزر کرو یعنی ان کے اعمال و اخلاق کا کھوج نہ کرو۔ مراد یہ ہے کہ لوگوں سے درگزر کرو اور بری صحبت اختیار کرنے سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس کی صحبت میں اختیار کروں گا ضرور اس کی خوبو پکڑلوں گا۔ سب اقوال میں یہی قول زیادہ بہتر ہے۔

عیینہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر یہ آیت اتاری ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ تو حضرت ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس سے کیا مقصد ہوا' تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو تمہاری ذات پر کوئی زیادتی کرے تو اس کو معاف کردیا کرو۔ جو تم کو نہ دے تم اس کو دو جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو۔ اسی مضمون کی حدیث سے متعلق ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ﷺ سے ملاقات کی۔ میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ! بہترین اعمال مجھے بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اے عقبہ بن عامر! جو تم سے ہمدردی نہیں کرتا تم اس سے ہمدردی کرو' جو تم کو محروم رکھتا ہے تم اس کو عطا سے محروم نہ رکھو' جو تمہاری ذات سے متعلق زیادتی کرے تم اس سے درگزر کرو اور بخش دو ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ (معاف کردیا کرو اور نیک کاموں کی رہنمائی کیا کرو اور جاہل لوگوں سے انجان بن جاؤ) عرف کے معنی معروف کے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عیینہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں آکر ٹھہرے۔ حر بن قیس حضرت عمرؓ کے درباری آدمی تھے وہ قرآن کریم کے ماہر تھے اور قاری علماء حضرت عمرؓ کی مجلس مشاورت کے رکن تھے یہ علماء جوان بھی ہوتے تھے اور بوڑھے بھی۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا' اے بھتیجے تم کو امیر المومنین کے پاس رسوخ حاصل ہے' امیر سے اجازت لے لو کہ میں ان سے مل لوں۔ تو حر نے عیینہ کے لئے اجازت حاصل کرلی اور عمرؓ نے حاضری کی اجازت دے دی۔ جب عیینہ امیر المومنین سے ملے تو کہنے لگے یا ابن خطاب! تم نے ہم کو کافی روپیہ نہیں دیا نہ ہمارے ساتھ عدل سے کام لیا۔ عدل کا نام سن کر حضرت عمرؓ غضبناک ہوگئے اور قریب تھا کہ عیینہ کو مار بیٹھیں۔ تو حر کہنے لگے اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ "معاف کردیا کرو اور نیک کاموں کا مشورہ دیا کرو اور جاہلوں سے اعراض کیا کرو اور یہ تو جاہلین میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب عمرؓ کے آگے یہ آیت تلاوت کی گئی تو وہیں رک گئے کوئی عقوبت نہیں کی' وہ کتاب اللہ کے بڑے واقف کار تھے۔ صرف بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ مروی ہے کہ سالم بن عبداللہ کا گزر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے ہوا۔ قافلہ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تو کہا کہ گھنٹی بجانا ممنوع ہے کفار مندروں میں گھنٹی بجاتے ہیں تو اہل قافلہ نے کہا کہ اس بارے میں ہمیں تم سے زیادہ معلومات ہیں۔ ممانعت بڑے بڑے

گھٹنوں کی ہے ان چھوٹی چھوٹی گھنٹیوں میں کوئی حرج نہیں۔ تو سالم خاموش ہو گئے اور صرف اتنا کہا کہ ﴿ اعرِض عن الجاهلين ﴾ یعنی جاہلوں کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے ﴿ اولیته معروفا' عارفا' وعارفة ﴾ سب کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کار نیک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ بندوں کو نیک کام کا حکم دو۔ لفظ معروف کے اندر جمیع طاعات داخل ہیں اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اگرچہ اس کے مامور بہ ظاہر نبی اکرم ﷺ ہیں لیکن در حقیقت سب ہی بندے مامور ہیں۔ اس کے ذریعہ بندوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کو برداشت کر لو۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبی میں قصور کرے تو بھی اعراض کر جاؤ یا اللہ تعالیٰ سے کفر کرے یا وحدانیت سے جاہل رہے تو بھی درگزر کرو یا مسلمانوں سے اپنی جہالت کے سبب لڑے تو بھی خاموش ہو جاؤ غرض یہ کہ ایسی غلط فہمی نہ ہونا چاہئے یہ وہ اخلاق ہیں جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دی ہے۔ اس مضمون کو ایک عقلمند شاعر نے بہت عمدگی سے شعر میں لکھا ہے کہتا ہے۔

﴿ خُذِ العَفْوَ وَامُرْبِعُرْفٍ كَمَا أمِرْتَ وَاعْرِضْ عَنِ الْجِهلِيْن ﴾
﴿ وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْأَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِنْ ذَوِى الْجَاهِلِيْنَ ﴾

"معاف کرنے کی عادت رکھو' نیک کاموں کی رہبری کیا کرو' اور جاہلوں سے اعراض کرو' ہر شخص کے ساتھ بات میں نرمی برتو اور بلند مرتبے والوں کے لئے بات میں نرمی برتنا اور بھی زیادہ مستحسن ہے"۔

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو مرد محسن کہ جو کچھ وہ خوشی سے تجھ پر احسان کرے شکریہ کے ساتھ قبول کر لے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار نہ ڈال کہ وہ خود دب کر رہ جائے۔ دوسرا بد قسم کا آدمی اس کو امر نیک کا مشورہ دیتا رہ۔ لیکن اگر اس کی گمراہی بڑھتی ہی جائے اور وہ اپنی جاہلیت پر قائم رہے تو اس سے اعراض کر لو۔ شاید یہی درگزر اس کی برائی سے اس کو روک دے' جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ بہترین طریق سے مدافعت کرو' اس طرح دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ اظہار خیال کرتے ہیں اور کہا کرو کہ اے اللہ تعالیٰ میں شیطان کے بہکاوے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے تیری پناہ کہ شیطانوں کا عمل دخل میرے پاس ہو۔ اور فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوا کرتے۔ مدافعت اور رد جواب اچھے ڈھنگ سے کیا کرو۔ یہ عمل وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو طبیعت کے صابر ہیں۔ نتیجہ میں ان کو بڑی کامیابی حاصل رہے گی' خوش قسمت ہی اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر شیطان تمہارے دل میں کچھ وسوسے ڈالے اور بہکانے لگے یا تمہیں دشمن سے نمٹنے کے وقت غضب میں لائے اور اس جاہل سے اعراض کرنے سے تمہیں روک دے اور اس سے تصادم پر تمہیں آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگو جاہل کی تم پر زیادتی کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور تمہارے پناہ مانگنے کو بھی سن رہا ہے اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں شیطان کے بہکاوے اور فساد انگیزیاں تم کو جس قدر نقصان پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے علیم و واقف ہے۔

جب ﴿ خُذِ العَفْوَ ﴾ والی آیت اتری تو بندے نے کہا' یا الٰہی غصہ چڑھ جائے تو کس طرح عفو کیا جائے؟ تو ﴿ فاستعذ باللهِ ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ ان دو آدمیوں کا واقعہ سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں آپس میں نبی اکرم ﷺ کے سامنے لڑ بیٹھے حتیٰ کہ ایک کے غصہ کے مارے نتھنے پھول گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ پڑھے تو اس کا غصہ تھم جائے' وہ کلمہ یہ ہے ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم ﴾ اس کو یہ بات بتا دی گئی' تو کہا مجھے کچھ جنون نہیں ہے نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں یہ فساد خواہ غضب کی وجہ سے ہو یا غیر غضب سے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ "اے نبی (ﷺ)! میرے بندوں سے کہہ دو کہ بات اچھے ڈھنگ سے کیا کرو' شیطان آپس میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ عیاذ کے معنی ہیں شر سے پناہ مانگنا اور ملاذ طلب خیر میں ہوا کرتا ہے ﴿ استعاذه ﴾ کی حدیثیں اول تفسیر میں پہلے گزر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

یقیناً جو لوگ رب ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے۔

شیطانی وسواس سے بچنے کا طریقہ: جن بندوں نے امر الٰہی کی اطاعت کی اور ممنوعات سے باز رہے ہیں اگر شیطانی وسوسے انہیں دامن گیر ہوتے ہیں تو فوراً انہیں ذکر اللہ ہی کی یاد آ جاتی ہے۔ اس لفظ کو بعض طیف اور بعض طائف کہتے ہیں۔ یہ دونوں قراتیں مشہور ہیں اور معنی ایک ہی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ کچھ فرق بھی ہے۔ بعض نے اس کے معنی غضب بتائے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان نے اگر آسیب زدہ کر دیا ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گناہ کی وجہ سے ندامت اور رنج۔ بعض نے کہا ہے کہ ارتکاب گناہ۔ ایسے لوگوں کو اللہ کی عقوبت' عطاء ثواب' اللہ کے وعدے اور وعید یاد آ جاتے ہیں تو وہ توبہ کرنے لگتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں اور فوراً اس کی طرف رجوع کر کے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ وہ فوراً اہل بصیرت بن جاتے ہیں بے ہوشی میں تھے تو ہوش میں آ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اس کو مرگی کی بیماری تھی۔ حضرت ﷺ کے پاس آ کر عرض کرنے لگی' یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمایئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہی تیری مرضی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ تجھے شفا دے دے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور بروز قیامت حساب تجھ پر سے اٹھ جائے۔ تو کہنے لگی' اچھا میں بیماری پر صبر کر لوں گی جب کہ مجھے حساب سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے صرع کی بیماری ہے ہوش و ہواس رخصت ہو جاتے ہیں جسم پر سے کپڑا کھل جاتا ہے برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بیماری دور نہ ہو تو نہ ہو دعا کیجئے کہ کم از کم میرا کپڑا نہ کھلنے پائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر کبھی بحالت صرع کپڑا اس کے جسم پر سے نہ ہٹا۔ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان ایک مسجد میں بیٹھا عبادت کر تا رہتا تھا ایک عورت اس کی دیوانی ہو گئی' اس کو اپنی طرف مائل کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس کے گھر آ ہی گیا۔ اب فوراً اس کو یہ آیت یاد آ گئی ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ اور ساتھ ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو پھر یہی آیت پڑھنے لگا' پڑھتے پڑھتے جان دے دی' حضرت عمرؓ آئے اس کے باپ سے تعزیت کی۔ وہ رات کو دفن کر دیا گیا تو عمرؓ اپنے بعض ساتھیوں کو لے کر اس کی قبر پر گئے اس کی نماز مغفرت پڑھی پھر قبر سے مخاطب ہو کر یوں بولنے لگے' اے نوجوان! ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو جنتیں ہیں۔ اس آیت کریمہ کو سن کر قبر کے اندر سے آواز آئی کہ اے عمر اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جنتیں بخشی ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ ﴾ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین ان کو گمراہی کی طرف اور گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ یعنی فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں یعنی ان کے تابعین ان کی باتوں کو تسلیم کرنے والے انہیں اور گمراہی کی طرف لئے جا رہے ہیں' معاصی ان پر آسان بناتے ہیں اور گناہوں کو ان کی نگاہوں میں مستحسن کر دکھلاتے ہیں۔ مد کے معنی زیادتی کے ہیں یعنی جہل اور گمراہی میں زیادتی کرتے ہیں ﴿ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴾ یعنی یہ کہ شیاطین اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نہ انسان اپنے اعمال بد کے صدور میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین ان سے باز رہتے ہیں۔ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے والے جن و شیاطین ہیں جو اپنے انسانی اولیاء کی طرف اپنی وحی بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں اپنی کوشش اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے۔ جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴾یعنی اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں کے پاس بھیجا جو ان کافروں کو معاصی کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے۔ یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم زندہ و جاوید اور عظیم معجزہ ہے: یہ لوگ کسی معجزے اور نشانی کے طالب ہوتے ہیں اور تم نہیں پیش کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ کوئی نشانی تم نے خود کیوں نہیں بنا ڈالی۔ اپنی طرف سے کیوں نہ گھڑ لیا یا آسمان سے کوئی نشانی کیوں نہ کھینچ لائے۔ آیت سے مراد معجزہ اور خرق عادت جیسا کہ فرمایا "اگر ہم چاہیں تو آسمان سے معجزہ اتاریں جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ یہ کافر بھی ہمارے رسول سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی حاصل کرنے کی تم کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم اس کو دیکھ لیں تو ایمان لائیں۔ تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ کہدو کہ میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جو مجھے حکم بھیجا گیا اس کی تعمیل کرنے والا۔ اگر اس نے از خود کوئی معجزہ بھیجا تو میں نے پیش کر دیا' اگر نہ بھیجا تو میں اصرار نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ یہ قرآن ہی سب سے بڑا معجزہ ہے اس میں دلائل توحید ایسے واضح ہیں کہ خود معجزہ بنے ہوئے ہیں۔

﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اسکی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

قرآت خلف الامام کے بارے اکثر فقہاء کا موقف: جب اس بیان سے فراغت حاصل ہو چکی کہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے اور لوگوں کے لئے سمجھنے کی چیز ہے تو اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت خاموش رہا کرو تاکہ اس کا احترام اور تعظیم کی جا سکے ایسا نہیں جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے یعنی کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو نہ سننے دو' قرآن خوانی کے وقت شور و غوغا مچایا کرو۔ لیکن یہ سکوت کی تاکید فرض نماز کے بارے میں ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ امام بہ آواز بلند قرات کر رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام نماز پڑھنے لگے' جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس آیت کے اترنے سے پہلے لوگ نماز پڑھنے میں باتیں کر لیا کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت اتری کہ خاموش ہو جاؤ اور قرآن سنو تو سکوت کا حکم دیا گیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام علیک کہہ لیا کرتے تھے' اس لئے یہ آیت اتری۔ ابن مسعودؓ نماز پڑھا رہے تھے لوگوں کو دیکھا کہ امام کے ساتھ خود بھی قرات کر رہے ہیں تو نماز ختم کر کے کہا تمہیں کیا ہو گیا کہ قرآن سنتے نہیں سمجھتے نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خاموش رہ کر سننے کی ہدایت فرمائی ہے۔ زہریؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک شخص

کے بارے میں نازل ہوئی (یہ آیت مکی ہے اور انصار کے قبول اسلام سے پہلے کی نازل شدہ ہے)۔ آنحضرت ﷺ پڑھتے تھے تو وہ بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے پڑھتا تھا۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے بالجہر نماز ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں کوئی خود بھی میرے ساتھ ساتھ پڑھ رہا تھا تو ایک شخص نے کہا' ہاں یارسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا' مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ صلواۃ بالجہر میں امام کے پیچھے قرات کرنے سے رک گئے۔ زہریؒ نے کہا ہے کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی چاہیئے۔ امام کی اپنی قرات بھی تمہارے لئے کافی ہے اگرچہ اس کی آواز تمہیں سنائی نہ دے۔ لیکن نماز بالجہر نہ ہو تو لوگ اپنے منہ میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص جہری نماز میں امام کے پیچھے قرات کرے' نہ پوشیدہ کرے نہ علانیہ کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن خوانی کے وقت خاموشی اختیار کر لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ علماء کی ایک جماعت کا ہے کہ مقتدی پر نماز جہر میں یہ واجب نہیں ہے کہ قرات خود بھی کرے نہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت نہ غیر فاتحہ پڑھنے کے وقت اور شافعیؒ کے دو قول ہیں جن میں ایک قول یہ بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ مقتدی ہرگز قرات نہ کرے نہ سری نماز میں نہ جہری میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ امام کی قرات تمہاری قرات ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ مسئلہ بہت بسیط ہے اور مختلف فیہ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے قرات واجب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری' واللہ اعلم۔

قرآن پڑھا جانے لگے تو خاموشی سے سنو یعنی جب کہ صلوۃ مفروضہ میں پڑھا جارہا ہو یہ ابن عباسؓ کا قول ہے طلحہ بن عبید اللہ بن کریزؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو باہم باتیں کرتا پایا حالانکہ دوسری طرف وعظ ہو رہا تھا تو میں نے کہا کہ ذکر اللہ کیوں نہیں سنتے' تم وعید کے قابل ہو رہے ہو' تو ان دونوں نے میری طرف دیکھا پھر اپنی باتوں میں لگ گئے۔ میں نے دوبارہ انہیں تنبیہ کی۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتوں میں لگ گئے۔ میں نے تیسری بار اپنی بات کا اعادہ کیا تو کہنے لگے کہ یہ حکم نماز سے متعلق ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اور تم مقتدی ہو تو خاموش ہو کر سنو' تم بھی نہ پڑھنے لگو۔ مجاہدؒ اور دوسرے بھی کئی راوی اس حکم کو قرآن سے متعلق ہی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی شخص نماز میں نہ ہو اور قرآن پڑھا جارہا ہو تو پھر باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زید ابن اسلمؒ بھی یہی مراد لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبہ یوم جمعہ سے متعلق ہے۔ ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور عید الفطر اور یوم جمعہ کے خطبے اور جہری نماز سے متعلق ہے' غیر جہری نماز سے متعلق نہیں ہے۔ ابن جریرؒ نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد چپ رہنا ہے نماز میں اور خطبے میں۔ اور یہی حکم ہے کہ خطبے میں اور امام کے پیچھے چپ رہا کرو' حدیث میں بالکل یہی حکم وارد ہے۔ مجاہدؒ اس بات کو بہت ہی برا سمجھتے تھے کہ جب امام کوئی آیت خوف یا آیت رحمت پڑھے تو بولنے لگیں۔ نہیں بلکہ خاموش رہیں اپنی زبان سے جذبات خوف و رجا کے تحت کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت خاموش ہو کر سنے تو اس کے لئے دوگنا نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے قرآن قیامت کے دن اس کے لئے نور بن جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ السجدة

اور اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔ یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

آہستہ آواز سے ذکر مستحب ہے: اللہ پاک حکم دیتا ہے کہ اول روز اور آخر روز میں اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو جیسا کہ ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اس آیت کے ذریعہ حکم دیا ہے۔ کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور اسی طرح غروب سے قبل اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کیا کرو۔ اور یہ شب معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے اور یہ آیت مکی ہے ﴿ غُدُوٌّ ﴾ کے معنی اول نہار کے ہیں اور ﴿ اصال ﴾ اصیل کی جمع ہے جیسے ﴿ اَیْمَانُ ﴾ یمین کی جمع ہے۔ پھر حکم ہوتا کہ اپنے رب کو دل سے بھی یاد کرو اور زبان سے بھی' اس سے رغبت رکھ کر بھی اور اس سے ڈر کر بھی' بلند آواز کے ساتھ نہیں اور یہ مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر چیخ پکار کے ساتھ نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ آیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے یا دور' اگر قریب ہے تو ہم سرگوشی کے طور پر اس کو مخاطب کریں گے اور اگر دور ہے تو آواز سے ندا دیں گے۔ تو اللہ پاک نے یہ آیت اتاری کہ "میرے بندے میرے بارے میں پوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں بہت قریب ہوں' وہ مجھے پکاریں تو میں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں"۔

ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ لوگ کسی سفر میں بلند آواز سے دعا کرنے لگے' تو ان سے نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے تمہاری شہ رگ گردن سے بھی قریب تر۔ اس آیت سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے جو اس آیت میں ہے کہ "اپنی دعا اور نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ دونوں کی درمیانی آواز ہو کیونکہ مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے اور لانے والے کو برا بھلا کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بہت بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو تاکہ مشرکین کو اذیت نہ ہو اور نہ اتنی پست آواز میں کہ تمہارے ساتھی بھی نہ سن سکیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی یہی مضمون ہے کہ صبح و شام کی عبادت میں بلند آواز سے نہ پڑھو اور نادانوں میں سے نہ بنو۔ مراد یہ کہ سامع قرآن کو حکم دیا جائے کہ اس ڈھنگ سے نماز اور عبادت کی جائے۔ اور یہ بات بعید ہے اور آہستہ پڑھنے کے حکم کے منافی ہے اور پھر اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ حکم متعلق بہ نماز ہے جیسا کہ ما سبق میں گزرا۔ یہ صلوۃ اور خطبہ سے متعلق ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے وقت ذکر کرنے سے افضل خاموش رہنا ہے۔ خواہ وہ ذکر آہستہ ہو یا بلند آواز سے ہو۔ یہ چیز جو ان دونوں نے بیان کی اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بندوں کو صبح و شام ہر وقت کثرت ذکر پر ابھارا جائے تاکہ وہ کسی وقت بھی ذکر اللہ سے غافل نہ رہیں۔ اسی لئے تو ان ملائکہ کی مدح کی گئی ہے جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے میں غفلت نہیں برتتے۔ چنانچہ فرمایا کہ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ ﴾ ان فرشتوں کی مثال صرف اس لئے بیان کی گئی تاکہ بندے کثرت طاعت میں فرشتوں کی اقتدا کریں۔ اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر فرمایا تو ایسا ہی سجدہ ہمارے لئے بھی مشروع فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ تم بھی عبادت اللہ کے لئے ایسی ہی صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے سامنے صفیں باندھے رہتے ہیں اور پہلی صف والوں کو اولیت حاصل رہے اور صفوں میں صحیح اور سیدھی صف بندی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہاں جو سجدۂ تلاوت ہے وہ قرآن کا سب سے پہلا سجدۂ تلاوت ہے جس کا ادا کرنا تلاوت کرنے والے اور سننے والے سب پر بالا جماع مشروع ہے۔ اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو سجدات قرآن میں سے قرار دیا ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾ تفسیر سورۂ اعراف ختم ہوئی۔

تفسیر سورۃ انفال مدنیہ

اس میں "پچھتر" آیتیں ہیں ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں اور پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں' واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشَرُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور رسول اللہ کی ہیں۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

مال غنیمت کے احکام اور اس کو نفل کرنے کی وجہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں "انفال" مال غنیمت کو کہتے ہیں اور کہا کہ سورۃ انفال غزوہ بدر میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ انفال وہ غنیمت ہیں کہ وہ کسی کا حق نہیں صرف نبی اکرم ﷺ کا حق ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی تو کہتے کہ نہ میں اجازت دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ پھر ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو منع کرنے والا' حکم دینے والا اور حلال و حرام کی تشریح کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ قاسمؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور انفال کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے کہا کہ انفال یہ ہے کہ ایک آدمی جنگ میں دوسرے کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار مال غنیمت کے طور پر لے لے۔ اس آدمی نے پھر سوال کیا' تو آپ ﷺ نے پھر ویسا ہی جواب دیا۔ پھر اس نے سوال کیا تو آپ ﷺ کو غصہ آ گیا اور آپ ﷺ اس پر حملہ کرنے کے قریب ہو گئے۔ پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جس کو حضرت عمرؓ ابن خطاب نے مارا تھا حتیٰ کہ خون اس کی ایڑی اور پاؤں پر بہنے لگا تھا' تو اس آدمی نے کہا کہ کیا تم بھی وہ نہیں ہو کہ عمرؓ کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا ہے۔ یہ اسناد صحیح ہیں۔ ابن عباسؓ نے نفل کی تفسیر اس مال غنیمت سے کی جو جنگ میں چھینا ہوا مال' امام بعض اشخاص کو اصل غنیمت کے تقسیم کے بعد کچھ اور زیادہ دے دیتا ہے اور اکثر فقہاء نے بھی انفال کا مطلب یہی اخذ کیا ہے۔

لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس پانچویں حصہ کے بارے میں پوچھا جو چار حصے خارج کرنے کے بعد رہ جائے تو یہ آیت اتری ﴿ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ﴾ ابن مسعودؓ اور مسروقؒ کہتے ہیں کہ "نفل" کا اطلاق بروز جنگ چھینے ہوئے مال پر نہیں بلکہ جنگ کی صفیں قائم کرنے سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ وہ تو ایک قسم کی زیادتی ہے۔ ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ "اے نبی اکرم ﷺ' تم سے لوگ اس لونڈی' غلام' سواری اور سامان وغیرہ کے بارے میں پوچھتے ہیں جو بغیر جنگ کے مشرکین سے مسلمانوں کو ملا ہو' سو یہ نبی اکرم ﷺ کا حق ہے وہ جیسا چاہیں اس کا مصرف کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مال فے کو انفال سمجھتے ہیں۔ اور فے وہ مال ہے جو کفار سے بغیر قتال حاصل ہو۔ اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سرایا سے جو مال مل جائے وہ انفال ہے یعنی مسلمان کافروں سے لڑنے کے لئے گئے ہوں اور کافر لڑنے کے بغیر اپنا مال و متاع اور سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں اور یہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہو اور

نبی ﷺ اس لشکر کے ساتھ نہ ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی رسالے کو اس کی کارگزاری کے عوض میں یا اس کے حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ سعد ابن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرا بھائی عمیر قتل کر دیا گیا تھا تو میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے لی جس کا نام ﴿ ذوالکتیفه ﴾ تھا۔ اس کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آیا۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا' مال مقبوضہ کے ذخیرہ میں ڈال آؤ۔ میں ڈال دینے کے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا تھا' ایک تو بھائی کا قتل دوسرے جو کچھ میں نے چھینا تھا وہ بھی لے لیا گیا۔ لیکن میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورہ انفال کی یہ آیت اتری۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا کر کہا کہ جاؤ اپنا چھینا ہوا مال لے لو۔ سعد بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آج مجھے مشرکین کی ہزیمت سے شفا بخشی ہے اب یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تلوار نہ تمہاری ہے نہ میری اس کو رکھ دو۔ میں نے رکھ دی اور واپس ہوا اور دل میں خیال کر رہا تھا کہ مجھے نہیں ملی تو کوئی ایسا شخص پالے گا جو مجھ جیسا مستحق نہیں اور جس نے نہ ایسی مصیبت برداشت کی جیسی میں نے کہ یکایک کسی نے مجھ کو پیچھے سے آواز دی۔ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی لیکن وہ میری تھی نہیں کہ تمہیں دیتا' اب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے دے دی ہے تو لو اب تمہیں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے کہ ﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ سعد ؓ کہتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اتری ہیں۔ جنگ بدر میں ایک تلوار پر میں نے قبضہ کیا تھا۔ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا' یہ تلوار مجھے بخش دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو۔ آپ ﷺ نے دو دفعہ کہا۔ میں نے پھر درخواست کی تو آپ ﷺ نے پھر یہی کہا۔ چنانچہ انفال والی آیت اتری۔ اور مجھ سے متعلق دوسری آیت ہے ﴿ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ﴾ الخ۔ تیسری آیت ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ ﴾ الخ۔ اور چوتھی آیت وصیت۔

مالک بن ربیعہ ؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آئی جس کا نام مرزبان تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اپنا اپنا لوٹا ہوا مال رکھ دو' تو میں نے بھی یہ تلوار رکھ دی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ کوئی کچھ مانگے تو سوال رد نہیں کرتے تھے' ارقم نے یہ تلوار دیکھ کر حضرت محمد ﷺ سے مانگ لی اور حضرت ﷺ نے دے دی۔

نزول آیت کا دوسرا سبب: ابوامامہ ؓ کہتے ہیں کہ انفال کے بارے میں میں نے عبادہ ؓ سے سوال کیا' تو انہوں نے کہا ہمارے ساتھ مجاہدین بدر بھی تھے' اور یہ آیت اس وقت اتری ہے جب کہ انفال کے لئے ہم میں اختلاف پڑ گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے' تو بات اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی اکرم ﷺ کو دے دی۔ اب حضرت ﷺ نے یہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔ عبادہ بن صامت ؓ کہتے ہیں کہ بدر میں حضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی اب ایک جماعت نے تو دشمنوں کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا اور ایک جماعت لشکر پر آپڑی کہ ان کا محاصرہ کر رہی تھی اور ایک نبی اکرم ﷺ کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ ﷺ کی حفاظت کر رہی تھی کہ کہیں دشمن گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہو گئی اور مال غنیمت تقسیم کرنے لگے' تو جن لوگوں نے مال غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا' کہنے لگے کہ اس کے صرف ہم حقدار ہیں' اور جو دشمن کے تعاقب میں گئے تھے ان کا کہنا تھا کہ ہم دشمن کی شکست کا سبب ہیں اس لئے صرف ہم حقدار ہیں اور جنہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہم کو اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں حضرت ﷺ کو گزند نہ پہنچے۔ اس لئے ہم تو ایک بہت ہی اہم کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ انفال تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح قائم رکھو۔ اب حضرت ﷺ نے مسلمانوں میں اس کی تقسیم کر دی۔ اور نبی اکرم ﷺ کی عادت تھی کہ جب دشمن پر ہوتے تو اسی روز وہی چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس ہو چکتے تو تہائی کی تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے اس کو نامناسب سمجھتے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ

جنگ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو ایسی ایسی کار گزاریاں بتائے گا اس کو ایسا ایسا انعام ملے گا۔ اب نوجوان تو اپنی کار گزاری بتانے کی کوشش میں لگ گئے اور بوڑھوں نے مورچے اور جھنڈے سنبھال لئے اور جب مال غنیمت آیا تو جس کے لئے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ لینے کے لئے آئے۔ بوڑھوں نے کہا تم کو ہم پر ترجیح نہیں ہو سکتی' ہم تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے اگر تمہیں ہزیمت ہوتی تو ہمارے ہی پاس تم کو پناہ ملتی۔ بات بڑھ گئی جھگڑا ہوا تو انفال والی آیت اتری۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کیا اس کو مال مقتول میں سے یہ یہ انعام اور جو کسی کو قید کر لائے اس کو یہ انعام۔ چنانچہ ابوالیسرؓ نے دو قیدی پکڑے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو سعد بن عبادہؓ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ نے اس طرح دے دیا تو آپ کے دوسرے اصحاب کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ ہم جو میدان جنگ میں رکے رہے تو اس کا سبب کچھ یہ نہیں تھا کہ ہم کو مال کا یا معاوضہ کا لالچ نہ تھا اور نہ یہ کہ ہم دشمن سے گھبراتے تھے۔ ہم تو یہاں صرف اس لئے ٹھہرے رہے کہ کہیں آپ پر پیچھے سے حملہ نہ ہو جائے۔ مقامی حفاظت کی بھی سخت ضرورت تھی۔ غرض یہ کہ کچھ جھگڑا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ارشاد باری ہے ﴿ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ﴾ یعنی جو مال غنیمت تم کو ملا ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ امام ابو عبیدؒ نے اپنی کتاب "الاموال الشرعیہ" میں لکھا ہے کہ انفال' مالہائے غنیمت کو کہتے ہیں اور ہر وہ مال جو حربیوں سے مسلمانوں کو ملے۔ انفال پر سب سے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کا حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمادیا ہے۔ آپ ﷺ نے یوم بدر میں اس کی تقسیم حسب ہدایت باری تعالیٰ خمس نکالے بغیر کی تھی۔ جیسا کہ حدیث سعد میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد آیت خمس نازل ہوئی' تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ ابن زید کا بیان ہے کہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ وہ بھی قائم ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں۔

انفال مجتمعہ مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ لیکن اس میں سے خمس نبی اکرم ﷺ کے اہل کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ قرآن میں ہے اور حدیثوں میں ہے۔ "انفال" کلام عرب میں ہر وہ احسان ہے جو محسن نے محض سلوک کے طور پر کیا ہو اور اس پر احسان کرنا واجب نہ ہو۔ یہی ہے وہ مال غنیمت جس کو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے حلال کر دیا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ ہم مسلمان ہی اس سے مخصوص ہیں اور مسلمانوں سے پہلے دوسری امتوں پر مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خمس کا حقدار بنایا گیا ہے' کہ مجھ سے پہلے کسی کو خمس نہیں دیا گیا تھا۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ امام اگر فوج کے افراد کو کوئی انعام دے جو ان کے مقررہ حصے کے علاوہ ہو تو اس کو نفل یا انفال کہتے ہیں اور یہ اس کا کار گزاریوں اور دشمن پر زوردار حملہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نفل جو امام کی طرف سے اعتراف حسن کار گزاری کے طور پر ملتا ہے چار طریقوں پر ہوتا ہے ہر طریقہ اپنی جگہ پر دوسرے طریقہ سے الگ ہے۔ ایک تو مقتول کا لوٹا ہوا مال واسباب' اس میں سے کوئی پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو پانچواں حصہ الگ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر دشمن پر بھیج دیا وہ غنیمت کا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے اس لشکر کو چوتھائی یا تہائی اپنے حسب صوابدید تقسیم کر دے۔ تیسرا یہ طریقہ کہ جو خمس سے نکال کر باقی تقسیم کیا جانے والا ہے' اس میں سے اپنے حسب صوابدید اور حسب کار گزاری جس کو جتنا مناسب سمجھے دے اور باقی تقسیم کر دے۔ چوتھی صورت یہ کہ ساری غنیمت میں سے نفل دے قبل اس کے کہ خمس نکالے اور یہ سقاؤں' چرواہوں' سائیسوں اور دیگر مزدوروں کا حق ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کئی صورت سے اس کی تقسیم ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو سامان اور مال و متاع دیا جاتا ہے' وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کا وہ حصہ جو پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ تھا اس میں سے آپ ﷺ جسے چاہیں' اور جتنا چاہیں عطا فرمائیں' یہ بھی نفل ہے۔ پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت اور اسی قسم کے ضروری مواقع کا لحاظ رکھتے ہوئے طریق سنت کی پیروی کرے۔ اگر ایسی مصلحت درپیش نہ ہو تو نفل نکالنا ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک جماعت کافروں سے لڑنے کے لئے بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے اس میں سے

پانچواں حصہ تو الگ کر دے اور باقی لے لے اور یہ بات جنگ پر جانے سے پہلے ہی باہمی رضامندی سے طے پاچکی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے اس بیان میں جو کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا' اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصہ میں سے ملیں تھیں۔ میں نے اس کا پورا بیان کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ یعنی اپنے امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح کل سے رہو' نہ ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ دشمن بنو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو ہدایت اور علم دیا ہے کیا یہ اس مال سے بہتر نہیں جس کے لئے تم لڑ رہے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ نبی اکرم ﷺ جو تقسیم کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسب ارادہ ہی کرتے ہیں۔ ان کی تقسیم عدل و انصاف پر مبنی ہوتی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ ﴿ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں اور گالی گلوچ نہ بکو۔

انسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کونسی چیز ہنسی کا سبب ہوئی؟ تو فرمایا کہ میرے دو امتی اللہ تعالیٰ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یارب اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے میں بدلہ چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ ادا کرو۔ ظالم جواب دیتا ہے' یارب اب میری کوئی نیکی باقی نہیں رہی کہ ظلم کے بدلے میں اسے دے دوں۔ تو وہ مظلوم کہتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ وہ بڑا ہی سخت دن ہو گا۔ لوگ اس بات کے حاجتمند ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی اور کے سر دھر دیں۔ اب اللہ پاک طالب انتقام سے فرمائے گا کہ نظر اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ! وہ سر اٹھائے گا جنت کی طرف دیکھے گا اور عرض کرے گا' یارب! اس میں تو چاندی اور سونے کے محل ہیں موتیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یارب! یہ محل کس نبی اور کس صدیق اور شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے اس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ کہے گا یارب کون اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ اب وہ عرض کرے گا یارب کس طرح؟ اللہ عزوجل شانہ ارشاد فرمائے گا' وہ اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ کہے گا' یارب میں نے معاف کیا۔ اللہ پاک فرمائے گا' اب تم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ سے ڈرو' آپس میں صلح قائم رکھو۔ کیونکہ قیامت کے روز اللہ پاک بھی مومنین کے درمیان آپس میں صلح کرانے والا ہے۔"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ۚ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ۚ

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

ایمان کی حقیقت نیز اہل ایمان کی صفات۔ منافقین جب فریضہ صلوۃ ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو قرآن کی آیتیں ذرہ بھر ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں' نہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں جب کہ گھر میں ہوتے ہیں' نہ اپنے مال کی زکوۃ دیتے ہیں۔ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ مومن ایسے نہیں ہوتے۔ مومنین کا وصف اس آیت میں یوں فرماتا ہے کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جب آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو تصدیق کرنے کے سبب ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کرتے ہی نہیں۔ مومن کی حقیقی پہچان یہی ہے کہ کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں آگیا تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ مومن لوگوں سے اگر کوئی گناہ کا کام سرزد ہو بھی گیا یا حدود سے انہوں نے تجاوز کیا تو فوراً انہیں اللہ تعالیٰ کا دھیان آجاتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے استغفار کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کا بخشنے والا ہی کون ہے۔ غلطی سے گناہ ہو گیا تو بار بار اس پر اصرار نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھدار لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ "جن کو اللہ تعالیٰ کا سامنا کرنے کا خوف دامنگیر ہے اور خواہش نفسانی ناجائز طور پر پوری کرنے سے وہ باز رہا تو جنت درحقیقت اسی کا حق ہے۔ چنانچہ سدیؒ مرد مومن کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اس کا قلب کانپ اٹھتا ہے۔ ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنھا کہتی ہیں کہ دل خوف اللہ ہی سے دھڑکنے لگتے ہیں اور تن بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندہ کو چاہئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کی دعا مانگنے لگے کیونکہ ایسے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن سن کر ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے"۔ جیسا کہ فرمایا جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو کوئی کہتا ہے کہ اس آیت سے تم میں سے کس کا ایمان بڑھ گیا۔ سو بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مومن ہے اور جنت کی خوشخبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاریؒ اور دوسرے آئمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے جیسا کہ جمہور آئمہ کا مذہب ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ بہت سارے آئمہ کا اسی پر اجماع ہے۔ جیسے شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ اور ابو عبیدؒ جیسا کہ ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے۔

﴿ **وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴾ یعنی اس کے سوا کسی سے امید ہی نہیں رکھتے۔ اپنی پناہ اسی کو قرار دیتے ہیں۔ کچھ مانگتے ہیں تو اسی سے مانگتے ہیں اور ہر بات میں اسی کی طرف جھکتے ہیں' جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے گا وہ ہو گا اور جو نہ چاہے گا وہ نہ ہو گا وہ وحدہ لاشریک ہے' متصرف فی الملک ہے' اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں' وہ سریع الحساب ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ توکل ایمان کا شیرازہ ہے ﴿ **اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ** ﴾ مومنین کے اعتقاد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اعمال سے آگاہی دی جا رہی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور لوگوں کو دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں اعمال ایسے زبردست ہیں کہ تمام اعمال خیر پر مشتمل ہیں۔ اقامت صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہے اقامت صلوۃ کہتے ہیں نماز کی اپنے اوقات پر پابندی کرنے کو' اور یہ کہ وضو میں اچھی طرح منہ ہاتھ پاؤں دھوئے گئے ہوں۔ رکوع اور سجود تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کئے گئے ہوں۔ قرآن کی تلاوت اس کے آداب کے ساتھ ہو۔ نبی کریم ﷺ پر تشہد اور درود ہو' یہ ہے اقامت صلوۃ جو ﴿ **يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** ﴾ کا مفہوم ہے۔ اور ﴿ **يُنْفِقُوْنَ** ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اگر زکواۃ کے قابل ہوں تو زکواۃ دیں' اور جو کچھ بھی ہے لوگوں کو دیتے دلاتے رہیں۔ بندوں کے واجب اور مستحب مالی حقوق ادا کرتے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو سب کی مدد کریں کیونکہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی عیال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی بندہ سب سے زیادہ مقبول ہے جو مخلوق کو سب سے زیادہ نفع رساں ہے۔ تمہارے اموال اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس گویا بطور امانت ہیں اور بہت جلد تمہارا مال تم سے جدا ہونے والا ہے اس لئے اس سے محبت نہیں ہونی چاہئے ﴿ **اُولٰٓئِكَ هُمُ**

﴿ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ﴾ ان صفات سے جو متصف ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔

حارث بن مالک ؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حارث! صبح کیسی گزری؟ حارث ؓ نے کہا ایک مومن حقیقی کی حیثیت سے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' خوب سمجھ کر کہو ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے' تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے بتاؤ تو سہی۔ تو حارث ؓ نے کہا کہ دنیا کی محبت سے میں نے روگردانی کر لی ہے راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں دن کو روزے کے سبب پیاسا رہتا ہوں اور اپنے کو یوں پاتا ہوں گویا میرے سامنے عرش رب کھلا ہوا ہے اور گویا میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور اہل دوزخ کو گرفتار بلا دیکھ رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اے حارث! تم حقیقت ایمان تک پہنچ چکے ہو' اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا۔ قرآن زبان عرب میں نازل کیا گیا ہے اور حقا کا لفظ ادبی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ﴿ فُلَانٌ سَيِّدٌ حَقًّا ﴾ یعنی فلاں حقیقی سردار ہے' اگرچہ قوم میں اور دوسرے بھی سردار ہیں اور فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور تاجر بھی بہت ہیں۔ اور فلاں حقیقی شاعر ہے' اگرچہ اور بہت شاعر ہیں ﴿ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ یعنی جنت میں ان کو بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ جیسا کہ فرمایا' اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے بڑے درجے ہیں اور جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔ اہل جنت میں سے بعض کے درجے بعض سے بالاتر ہیں اوپر والے اوپر سے نیچے کے درجہ والوں کو دیکھیں گے اور فخر نہیں کریں گے۔ نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر حسد نہیں کریں گے۔ مسلم اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیین والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح کہ تم افق آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ انبیاء کے منازل ہیں اور کسی اور کو کیا نہ ملیں گے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی' وہ بھی اس کے مستحق ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اوپر کی جنت والوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے افق آسمان پر ستارے ہیں اور ابو بکر ؓ اور عمر ؓ انہیں میں سے ہیں انہیں بھی یہ عزت ملے گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝5
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝6
وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝7
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝8

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے مصلحت کے ساتھ آپ کو روانہ کیا' اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ وہ اس مصلحت میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد کو قطع کر دے۔ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔

جنگ بدر کا پس منظر اور دیگر تفصیلات: مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ ﴿ کَمَآ اَخْرَجَكَ ﴾ میں ﴿ کما ﴾ کے آنے کا کیا سبب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آیت زیر ذکر میں تشبیہ دی گئی ہے' مومنین کے باہمی صلح کے ساتھ ان کے اتقاء رب اور اطاعت رسول کے بارے میں۔ چنانچہ بات کا ڈھنگ یوں ہوتا ہے کہ جیسا تم نے غنیمتوں کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور لڑ پڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ چکا دیا تھا اور تم سب سے چھین کر تقسیم کا حق رسول اللہ ﷺ کو دے دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے عدل اور مساوات کے ساتھ تقسیم کر دی تھی اور یہ بات تمہاری مصلحت کاملہ کی خاطر تھی۔ اسی طرح اس موقع پر جب دشمنوں سے لڑنے کے لئے تم کو مدینے سے نکلنا پڑا تو شوکت و جاہ والے بڑے لشکر سے لڑنا تمہیں ناپسند ہوا۔ یہ بڑا لشکر وہ تھا جو اپنے ہم مذہب کافروں کی مدد اور شام کو گئے ہوئے قافلہ مال تجارت کی حفاظت کے لئے مکے سے نکل آئے تھے اور اس جہاد کو ناپسند کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جنگ سے تمہیں دوچار کیا اور پہلے سے بغیر کسی قرارداد جنگ کے دشمن سے تمہیں بھڑا دیا اور نتیجہ میں تمہیں نصرت و ہدایت بخشی۔ جیسا کہ فرمایا قتال تم پر فرض کیا جاتا ہے اور یہ تمہیں ناپسند ہے۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی بات کو ناگوار سمجھو اور دراصل تمہاری بھلائی اسی میں ہو' اور تم کسی بات کو پسند کرو اور درحقیقت نتیجہ میں وہ تمہارے لئے مضر ثابت ہو۔ تمہاری بہتری کا علم تمہارے اللہ تعالیٰ کو ہے تم کو نہیں۔ بعض نے اس تشبیہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ جس طرح تمہارے اللہ تعالیٰ نے حق طور پر تم کو مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب کیا ہے' حالانکہ بعض مومنین اس خروج سے ناراض تھے لیکن انہیں آنا پڑا' اسی طرح وہ جنگ سے باز رہنا چاہتے ہیں اور تم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی رائے کی حقانیت ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ معنی ہیں کہ جس طرح مدینے سے مجبوراً تم لوگ نکلے اسی طرح امر حق میں وہ رسول سے جھگڑتے ہیں۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کی لڑائی میں نکلنے کے بارے میں نازل ہوئی ﴿ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ﴾ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اے نبی (ﷺ)! یہ مومنین تم سے لڑنے کی نیت سے انفال کے بارے میں سوالات پیدا کر رہے ہیں جیسا کہ بدر کے روز بھی انہوں نے تم سے مجادلہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے' ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے ابوسفیان کے قافلے کی راہ روکنے کے لئے نکلے تھے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ قافلہ ملک شام سے قریش کے لئے بہت سامان لے کر روانہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو آمادہ کیا اور تین سو دس سے کچھ زیادہ آدمی لے کر نکل کھڑے ہوئے' اور چشمہ بدر کی راہ پر ساحل کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کو حضرت ﷺ کے حملہ کرنے کی خبر ہو چکی تھی' جو اس قافلہ کا سردار تھا۔ اس نے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج کر اہل مکہ کو مدینے والوں کے ارادے سے آگاہ کیا۔ مکے والے تقریباً ایک ہزار آدمی لے کر نکلے۔ ابوسفیان قافلے کو سیف البحر کی طرف سے لے کر نکل گیا اور صاف بچ گیا۔ اب مکہ کا یہ ایک ہزاری لشکر بڑھتا رہا حتیٰ کہ چشمہ بدر کے پاس آ کر پڑاؤ ڈالا۔ اب مسلمان اور کافر بغیر اس کے کہ پہلے سے کوئی قرارداد جنگ ہو آپس میں گتھ گئے۔ کیونکہ اللہ پاک مسلمانوں کا بول بالا کرنا چاہتا تھا اور حق و باطل کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر تھی۔ جیسا کہ یہ بیان عنقریب آنے والا ہے۔ غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ مکے سے ایک بڑا لشکر ان سے لڑنے کے لئے نکلا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی کہ دو میں سے ایک چیز تمہیں ملے گی' یا تو قافلے کی لوٹ لو' یا اس لشکر سے لڑ بھڑو' دونوں نہیں ملیں گے کسی ایک کو اختیار کر لو اور اس میں کامیاب ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں سے اکثر کی یہ رائے تھی کہ قافلے کو لوٹ لو اور چل دو بغیر جنگ کے بہت سامان مل جائے گا۔ جس کی حکایت اللہ پاک نے یوں فرمائی ہے کہ ''تم چاہتے ہو کہ دونوں میں سے وہ صورت پسند کریں جو شوکت والی نہ ہو' یعنی قافلے سے نمٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کا تو ارادہ یہ تھا کہ حق ظاہر ہو کر رہے اور مکے کے کافروں کا قلع قمع ہو جائے''۔

ابوایوب انصاری ؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینے میں تھے اور حضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابوسفیان قافلہ لے کر آ رہا ہے' تم لوگ کیا کہتے ہو' کیا اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے ہم نکل پڑیں ممکن ہے کہ تم لوگوں کو بہت کچھ مال و دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا ضرور چلنا چاہیے۔ چنانچہ ہم سب نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ان کافروں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہیں اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم قافلے کے خیال سے نکل چکے ہو۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ ہم جو نکلے ہیں تو صرف قافلے کو لوٹنے کے خیال سے چل پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ پھر ہم لوگوں نے یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمرو ؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس موقع پر ایسا نہ کہیں گے' جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور دشمن سے لڑو ہم یہیں بیٹھے تمہاری واپسی کے منتظر رہتے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا' اگر ہم بھی وہی کہتے جو مقداد نے کہا تو یہ بات قافلہ کا مال عظیم مل جانے سے بھی ہمیں زیادہ پسند ہوتی۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ ﴿ كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴾ ابو وقاص لیثی ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بدر کی طرف سب کو لے کر نکلے اور مقام روحاء میں پہنچ کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ تو ابوبکر ؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! علم ہو چکا ہے کہ یہ کفار یہاں یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ پھر حضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اب کی مرتبہ عمر ؓ نے بھی ابوبکر ؓ کی طرح جواب دیا۔ آپ ﷺ نے پھر اور ایک بار یہ سوال کیا تو سعد ابن معاذ ؓ نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی مراد ہم سے ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ کبھی برک الغماد گیا ہوں نہ مجھے اس کی راہ کا علم ہے لیکن اگر آپ یمن کے برک الغماد تک بھی جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور امت موسیٰ کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑلو ہم یہیں سے تمہارا ساتھ دیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ نکلنے کے وقت کسی اور غرض سے نکلے ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی دوسری صورت پیدا کر دی ہو' تو آپ ﷺ جو صورت چاہیں اختیار کریں جو آپ ﷺ کا ساتھ دینا چاہتا ہے دے اور جو آپ ﷺ سے ٹوٹنا چاہتا ہے ٹوٹ جائے' جو چاہے آپ کا مخالف بن جائے اور جو چاہئے آپ ﷺ سے صلح کر کے رہے۔ ہمارا مال جو کچھ ہے آپ ﷺ سب لے سکتے ہیں۔ سعد ؓ کے اسی قول کی بنا پر وہ آیت اتری۔

ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند تھی۔ اسی لئے آیت اتری تھی کہ ﴿ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴾ یعنی بعض مومنین کی یہ مرضی نہیں ہے۔ اور حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی یہ تم سے بحث کرتے ہیں۔ وہ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ جنگ کریں گے تو گویا موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ فی الحق سے مراد فی القتال ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ﴿ لَكٰرِهُوْنَ ﴾ سے ﴿مُشْرِكِيْنَ﴾ کے ساتھ ہی جنگ کی ناپسندی مراد ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ﴿ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد کہ تم حکم رب کے سوا کسی بات کا اقدام نہیں کرتے' پھر بھی رسول کی رائے کے خلاف کرتے ہیں۔ ابن زید ﴿ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں جبکہ انہیں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور یہ کہ ایسی مذموم صفت سے مومنین متصف نہیں ہو سکتے اور یہ صفت اہل کفر ہی کی ہو سکتی ہے۔ ابن جریر ؒ کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابن زید کا یہ قول کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ الفاظ ﴿ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ ﴾ سے پہلے سیاق عبارت اہل ایمان سے متعلق ہے اور جو الفاظ اس کے بعد ہیں ظاہر ہے کہ وہ اسی کی خبر ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن عباس ؓ ہی کا قول درست ہے کہ اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ ابن جریر ؒ نے اسی قول ابن عباس ؓ کی تائید کی ہے۔ یہی حق ہے اور سیاق کلام اسی کی تائید کرتا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کامیابی کے ساتھ جنگ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اب مال بھرے قافلے سے بھی نمٹ لیں۔ اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی۔ تو عباسؓ جو قیدی کی حیثیت سے اسیران جنگ میں تھے بول اٹھے کہ ہرگز یہ مناسب نہیں' کیونکہ یارسول اللہ ﷺ! اللہ پاک نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے دو چیزوں میں سے ایک کا چنانچہ ایک چیز آپ ﷺ کو حاصل ہو چکی اب دوسری چیز بھی حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کی اسناد جید ہیں۔ اس قول کے معنی ﴿ تُوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ ﴾ یہ ہیں کہ تم یہ چاہتے تھے کہ وہ چیز حاصل کریں جس میں نہ کوئی مدافعت ہے نہ قتال ہے یعنی ابوسفیان کے قافلے کو لوٹنا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا تھا کہ تم کو ایسی جماعت سے بھڑا دے جو جاہ و شوکت والی ہو اور اس سے جنگ واقع ہو تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر کامیابی بخشے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہو کلمہ اسلام بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا عاقبت امور سے کوئی واقف نہیں' حسن تدبیر کا مدبر وہی ہے اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی کیوں نہ چاہتے ہوں۔ جیسا کہ فرمایا کہ قتال تم پر فرض ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں ایک بات ناپسند ہو اور خیر اسی کے اندر ہو اور ایک بات اچھی لگے اور شر اسی کے اندر ہو۔

حسب ذیل حدیث بھی سیاق حدیث بدر میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے شام سے ابوسفیان کے چلنے کی خبر پائی تو مسلمانوں کو بلایا اور کہا کہ قریش کے اس قافلے کے ساتھ مال و متاع بہت ہے اس پر دھاوا بولو۔ کیا عجب کہ کفار کا مال غنیمت اللہ تعالیٰ تمہیں دے دے۔ بعض کے پاس اسلحہ تھا اور بعض کے پاس نہیں اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ نبی اکرم ﷺ جنگ کریں گے۔ اور ابوسفیان جب حجاز سے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور ہر آنے جانے والے سے نبی اکرم ﷺ کی خبریں پوچھتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کو خبر مل گئی کہ محمد ﷺ تمہارے قافلے کے درپے ہیں تو اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں اور ضمضم بن عمرو غفاری کو فوراً مکے بھیجا کہ قریش سے مل کر قافلے کی حفاظت کا انتظام کرائے کیونکہ محمد ﷺ حملہ آور ہو رہے ہیں ادھر رسول اللہ ﷺ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے اور وادی ذفران تک پہنچے اور وہاں قیام کیا کہ اتنے میں آپ کو خبر ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت و مدافعت کی خاطر مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ نے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ٹھیک بات کہہ دی اور حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا۔ پھر مقدادؓ کہنے لگے' یارسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ کا جو منشا ہے اس کو پورا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں کہیں گے۔ اگر آپ ہمیں حبش تک بھی لے جانا چاہیں تو جب تک آپ ﷺ وہاں نہ پہنچیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ تو آپ نے مقدادؓ کو دعائے خیر دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو آپ ﷺ کی مراد انصار سے تھی۔ ایک تو اس وجہ سے بھی کہ انصار تعداد میں زیادہ تھے دوسرے اس لئے بھی عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ اس قرب مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہر حال میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ یعنی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے تو ہم اس کے مقابلے پر ہو جائیں گے۔ اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ جارحانہ اقدام پر بھی ساتھ دیں گے' اس لئے حضرت ﷺ ان کا بھی ارادہ اور رائے دریافت کر لینا چاہتے تھے تاکہ ان سے بھی وعدہ لے کر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لیں۔ سعدؓ نے کہا کہ شاید آپ ہم سے جواب طلب فرما رہے ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میری مراد تمہیں لوگوں سے ہے۔ تو سعدؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہمارا آپ ﷺ پر ایمان ہے' آپ کا حکم ماننے کی بیعت آپ کے ہاتھ پر کر چکے ہیں' ہم آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں گے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر بھی آپ ﷺ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے ہم میں سے کوئی بھی ذرا تامل نہ کرے گا۔ ہم لڑائیوں میں بہادر بتانے والے' مصیبتوں کو جھیلنے والے ہیں۔ آپ ہم سے انشاء اللہ خوش رہیں گے۔ اس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ رب نے دو میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور کیا عجب وہ ایک یہی جنگ ہو۔ میں گویا مشرکین کا مقتل یہیں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

ع ۱۵

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے پھر اللہ تعالٰی نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔ اور اللہ تعالٰی نے یہ امداد محض اس کے لئے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے۔ اور نصرت صرف اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔

میدان بدر میں نبی ﷺ کی دعائیں اور اللہ کی طرف سے وعدہ نصرت: حضرت عمر بن خطاب ؓ سے مروی ہے کہ بدر کے روز حضرت نے اپنے ساتھیوں کا شمار کیا تو تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ چنانچہ آپ قبلہ رو ہو کر اللہ تعالٰی سے دعا مانگنے لگے۔ آپ صرف ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند باندھی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے کہ یا رب تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس موقع پر پورا کر۔ اگر مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت کو تو نے ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ آپ ﷺ اللہ تعالٰی سے فریاد کر رہے تھے دعائیں مانگ رہے تھے حتیٰ کہ چادر آپ ﷺ کے شانوں سے گر پڑی حضرت ابو بکر ؓ نے آ کر اس کو آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اب اللہ تعالٰی سے التجائیں بس کر دیجئے' وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم نے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی تو اس نے تمہاری درخواست قبول کر لی' اب میں ایک ہزار صف بہ صف فرشتوں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔ چنانچہ جس روز جنگ ہوئی تو اللہ تعالٰی نے مشرکین کو شکست فاش دے دی۔ مشرکوں میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ اور علیؓ سے مشورہ کیا' تو حضرت ابو بکر ؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے بھائی بند اور قبیلہ و خاندان والے ہیں' میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تاکہ فدیہ کی رقم سے ہمیں مالی استحکام حاصل ہو کافروں پر غلبہ کی اور قوت پیدا ہو اور کیا عجب ہے کہ بعد میں اللہ تعالٰی انہیں ہدایت بخشے۔ پھر یہ خود ہماری قوت میں اضافہ کریں گے۔ اس کے بعد حضرت ﷺ نے عمر ؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ عمر! تم کیا کہتے ہو؟ تو عمر ؓ نے کہا' میری تو وہ رائے نہیں جو ابو بکر ؓ کی ہے۔ آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے رشتہ دار کا فر قیدی کو قتل کر دوں اور علی ؓ کو حکم دیجئے کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی گردن اڑا دیں اور حمزہ ؓ اپنے فلاں بھائی کی گردن ماریں تاکہ ہم اللہ تعالٰی کے حضور یہ ثابت کر سکیں کہ مشرکین کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی رعایت نہیں۔ یہ مشرکین قیدی تو کافروں کے سردار اور قائد ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ حضرت عمر ؓ کہتے ہیں کہ دوسرا دن نکلا تو میں آں حضرت ﷺ کے گھر گیا۔ دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور ابو بکر دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اور ابو بکر کیوں رو رہے ہیں۔ تاکہ رونا آئے تو میں بھی روؤں اور نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا لوں تاکہ آپ ﷺ کا شریک ہو جاؤں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی وجہ سے رونا ہے۔ میں اس خطا کی وجہ سے اس عذاب کو دیکھ رہا ہوں جو اتنا قریب ہے جتنا یہ میرے سامنے کا درخت۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ ماکان لنبي ان یکون له اسری حتی یثخن في الارض تا فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا ﴾ چنانچہ غنیمت حلال کر دی گئی۔ پھر جب آئندہ سال یوم احد آیا تو یوم بدر کی غلطی کا اللہ تعالٰی نے یوں بدلہ لیا کہ فدیہ کے ستر چھوٹے

ہوئے کافروں کے بدلے احد میں مسلمانوں کے ستر صحابی شہید ہوئے۔ حضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ پڑے' خود سر مبارک میں دھنس گیا' خون چہرۂ مقدس پر بہنے لگا۔ چنانچہ یہ آیت اتری کہ "مصیبت پہنچی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی۔ کہدو کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں نازل ہوئی ہے" یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے سبب۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ﴿ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ ﴾ سے مراد حضرت ﷺ کا دعا کرنا ہے کیونکہ بدر کے روز نبی اکرم ﷺ سے بہت اصرار کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ (حضرت) عمرؓ آ کر کہنے لگے' یارسول اللہ ﷺ اب دعا کو مختصر کر دیجئے اللہ پاک ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا جو آپ ﷺ سے کیا گیا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یوم بدر میں حضرت ﷺ فرما رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں عہد کے پورا کرنے کی طرف تجھے توجہ دلاتا ہوں ورنہ اے اللہ تعالیٰ تجھے پوجنے والا کوئی نہ رہے گا۔ تو ابو بکرؓ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا حضرت بس بس۔ تو آپ اٹھے اور فرما رہے تھے کہ قریب تر عرصہ میں کافروں کو شکست ہونے والی ہے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہیں ﴿ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ ﴾ یعنی فرشتوں کی صفیں ایک کے پیچھے ایک لگی ہوئی تھیں۔ اور ﴿ مُرْدِفِیْنَ ﴾ سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے مدد پر تھے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہزار فرشتے لے کر نبی اکرم ﷺ کی سیدھی طرف تھے جدھر کہ ابو بکرؓ تھے اور میکائیل ایک ہزار فرشتے لے کر بائیں طرف تھے جدھر میں تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہزار کی مدد پر دوسرے ہزار بھی تھے۔ اسی لئے بعض نے ﴿ مُرْدَفِیْنَ ﴾ بہ فتحہ دال قرات کی ہے' واللہ اعلم۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ پانچ سو ملائکہ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ تھے اور پانچ سو میکائیل علیہ السلام کے ساتھ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ اوپر سے ایک کوڑا مشرک کے سر پر پڑنے کی آواز سنی اور ایک سوار کی بھی آہٹ پائی گئی' اب کیا دیکھتے ہیں کہ کافر گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا ہے۔ کوڑے کی ضرب سے سر پھٹ گیا ہے حالانکہ کسی انسان نے اسے مارا نہ تھا۔ اب پیچھے والے انصاری نے یہ خبر حضرت ﷺ کو پہنچائی' تو آپ ﷺ نے فرمایا' تم نے سچ کہا یہ آسمانی مدد تھی۔ یہ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا۔ چنانچہ ستر تو قتل ہوئے تھے اور ستر قیدی ہوئے۔ رافعؓ اہل بدر میں سے تھے' کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور حضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ اہل بدر کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے افضل تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ بدر میں مدد کرنے والے ملائکہ بھی دوسرے ملائک میں ایسے ہی افضل سمجھے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا جب کہ عمرؓ نے قتل حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں مشورہ دیا تھا' یہ کہ حاطب بدر میں شریک ہوا تھا اور تمہیں کیا خبر کہ شاید اللہ پاک نے اہل بدر کو بخش دیا ہو۔ کیونکہ فرمایا تھا کہ اب تم جو چاہو کرو' میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی ﴾ یعنی فرشتوں کا یہ بھیجنا تمہیں صرف خوش کرنے کے لئے تھا اور یہ کہ تمہارے دل کو اطمینان کی صورت ہو' ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری مدد کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔ اسکو مدد کے لئے فرشتوں کی محتاجی تھوڑی ہے۔ یہ مدد تو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد تھی فرشتے تو مدد کی ظاہری صورت تھی۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب کبھی تم کافروں کو پاؤ تو ان کی گردن اڑا دو' غالب آ جاؤ تو انہیں زنجیروں میں جکڑ لو' پھر یا تو معاف کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو' حتیٰ کہ جنگ کا سد باب ہو جائے۔ یہ آیت اس لئے لائی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو خود ان کی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن دراصل وہ بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو کبھی تلف نہیں کرے گا۔ انہیں ہدایت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ اور ارشاد باری ہے کہ ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ. وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ ﴾ ہم زمانہ کو لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں اور زمانہ کو بدل بدل کر لاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کرے۔ ظالموں سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں رہ سکتا۔ اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور

کافروں کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔ جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ عام آسمانی عذابوں سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے' جیسے قوم نوح پر طوفان آیا' عاد اولیٰ آندھی میں تباہ ہوئے۔ اہل ثمود چیخ سے غارت کر دیئے گئے۔ قوم لوط کا طبقہ الٹ گیا اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ شعیب کی قوم کے سر پر پہاڑ معلق کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون کو ہلاک کر دیا گیا اور اس کو قوم کو دریا میں غرق کر دیا گیا موسیٰ علیہ السلام کو توریت دے کر کفار کو قتل کر دینا فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم دوسری شریعتوں کے اندر بھی قائم رہا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان سے پہلے کی امتیں بھی نافرمانی کے سبب ہلاک کر دی گئیں تھی۔ اس میں لوگوں کے لئے بصیرت ہے۔ مومنین کا کافروں کو بھی بجائے قید کے قتل کر دینا ان کافروں کی زبردست اہانت کی چیز تھی۔ اور اس سے مومنین کے دل بھی ٹھنڈے ہوتے۔ جیسا کہ اس امت کے مومنین کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کافروں کو قتل ہی کر دو' اللہ پاک تمہارے ہاتھوں انہیں رسوا کرنا اور عذاب دینا چاہتا ہے اور اس لئے بھی کہ تمہارا دل ٹھنڈا ہو۔ کیونکہ یہ گردن زدنی سرداران قریش مسلمانوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں ممکنہ آزار پہنچاتے تھے۔ اگر یہ قتل ہو کر سر بازار رسوا ہوتے تو مسلمانوں کے دلوں کو اس انتقام سے کتنی ٹھنڈک پہنچتی۔ چنانچہ ابو جہل جب عین جنگ میں مارا گیا تو اس کی لاش کی بڑی بے عزتی ہوئی کہ اگر بستر پر اپنی موت مرتا تو اس کی کبھی یہ رسوائی نہ ہوتی۔ یا جیسا کہ ابولہب مرا تو ایسا سڑ گیا تھا کہ اس کے قریب ترین اقرباء بھی اس کی لاش کے قریب نہ آتے تھے۔ نہلانے کے جائے دور سے لاش پر پانی پھینک دیا گیا اور دفن کے طور پر اس کو ایک گڑھے میں گرا دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ عزت کافروں کے لئے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے لئے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور فرمایا کہ ہم اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد دنیا میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ تم کو یہ حکم دینا کہ کفار کو قتل کرو اس میں بھی اس کی خاص حکمت ہے ورنہ کیا وہ خود اپنی قدرت سے انہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔ اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔ سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔

فرشتے قطار اندر قطار میدان بدر میں: اللہ پاک ان احسانات کو یاد دلاتا ہے کہ وقت جنگ تم پر غنودگی طاری کر کے ہم نے تم پر احسان کیا ہے کہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا جو تمہیں احساس تھا اور اس احساس کے تحت تم پر ایک خوف سا جو طاری تھا اس سے تمہیں مامون کر دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یوم احد میں بھی کیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ م بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا ﴾ الخ۔ یعنی رنج و غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو غنودگی کی صورت میں تمہیں ڈھانکے ہوئے تھا۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے روز مجھے بھی غنودگی آ گئی تھی کہ تلوار میرے ہاتھ سے گری جاتی تھی اور میں اٹھاتا جاتا تھا۔ اور میں لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ڈھال سر پر لگائے ہوئے نیند میں لوگ جھول رہے تھے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ بدر کے روز مقدادؓ کے سوا کسی کے پاس سواری نہیں تھی۔ ہم سب نیند کے سے عالم میں تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے نیچے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے روتے رہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بروز جنگ یہ اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک امن کی شکل میں تھی اور نماز میں یہی اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اونگھ سر میں ہوتی ہے اور نیند دل میں ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی یوم احد میں گھیرے ہوئے تھی اور یہ خبر تو بہت عام اور مشہور ہے اور یہاں آیت شریفہ سیاق قصہ بدر میں ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی طاری تھی اور یہ شدت جنگ میں مومنین پر طاری ہو جایا کرتی تھی تاکہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی مدد سے مطمئن اور مامون رہیں اور یہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے جیسا کہ فرمایا کہ سختی کے ساتھ ساتھ آسانی بھی ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ بروز بدر نبی اکرم ﷺ اپنے لئے بنائے ہوئے کاشانہ میں صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھے اور دونوں مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔ ایسے میں نبی اکرم ﷺ کو اونگھ سی آ گئی پھر آپ ﷺ تبسم کرتے ہوئے خودی میں آ گئے اور فرمانے لگے' اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ وہ ہیں جبرئیل علیہ السلام گرد آلود کیفیت میں۔ پھر آپ ﷺ کاشانے سے باہر آئے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ " دشمنوں کو ہزیمت ہو گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے "۔ پھر ارشاد ہوتا ہے یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی برسایا۔ ایک تو نیند کی سی کیفیت کو تمہارے لئے امن کی وجہ قرار دی دوسرا احسان تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ پانی برس پڑا جو مسلمانوں کے لئے مفید اور کافروں کے لئے مضر ثابت ہوا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بدر میں جہاں نبی اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا وہاں مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے۔ شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو بڑے اللہ والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور تم میں رسول بھی موجود ہیں' اور پانی پر قبضہ مشرکوں کا ہے اور پانی سے تم اتنے محروم ہو گئے ہو کہ نماز بھی پڑھتے ہو تو غسل کا تیمم کر کے پڑھ لیتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوب پانی برسایا۔ مسلمانوں نے پیا بھی اور پاکی و صفائی بھی کی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو بھی نیچا دکھایا پانی کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف کی ریت جم گئی لوگوں کو اور جانوروں کو چلنے میں آسانی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی۔ جبرئیل علیہ السلام ایک طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے تھے اور میکائیل دوسری طرف پانچ سو فرشتے لئے ہوئے موجود تھے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مشرکین قریش جب ابو سفیان کے قافلے کی مدد کے لئے نکلے اور مسلمانوں سے لڑ بیٹھے تو چشمہ بدر پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان پانی سے محروم ہو گئے۔ پیاس سے تڑپنے لگے۔ نماز بھی جنابت اور حدث ہونے کی حالت میں پڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کے دلوں میں مختلف خیالات پیدا ہونے لگے۔ اب اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا اور میدانوں میں پانی بہنے لگا۔ مسلمانوں نے برتن بھر لئے جانوروں کو پلایا' نہائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکی بخشی اب وہ ثابت قدم بھی ہو گئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ریت تھی۔ پانی برس گیا تو زمین دب گئی اور سخت ہو گئی مسلمانوں کے قدم زمین پر جمنے لگے۔ مشہور یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بدر کی طرف چلے تو وہاں پانی کے قریب اترے۔ حباب بن منذرؓ

نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ! یہ مقام جہاں آپ فروکش ہیں' سو کیا بحکم وحی فروکش ہیں جس سے ہم ذرہ بھر سرتابی نہیں کر سکتے' یا یہ کہ جنگی مصلحت کے تحت قیام کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا مصلحت کے تحت قیام کیا ہے حباب ؓ نے کہا کہ ایسی صورت میں اور آگے چلئے آخری پانی پر قبضہ کر لیجئے وہیں حوض بنا کر یہاں کا سب پانی جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا۔ چنانچہ حضرت ﷺ آگے چل کھڑے ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حباب ؓ نے جب یہ مشورہ دیا تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور جبرئیل علیہ السلام آں حضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس فرشتہ نے کہا "اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے سلام فرمایا ہے نیز ارشاد فرمایا ہے کہ حباب بن منذر کی رائے تمہارے لئے صحیح ہے"۔ آپ جبرئیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا تم اس کو جانتے ہو؟ جبرئیل علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میں تمام ہی فرشتوں کو جانتا تو نہیں ہوں' لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ فرشتہ ہے کوئی شیطان نہیں۔ ابن زبیر ؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا حضرت ﷺ کی طرف کی زمین پانی سے دب کر سخت ہو گئی اور چلنے میں آسانی ہو گئی۔ لیکن کفار کی طرف کی زمین نشیب میں تھی وہاں دلدل ہو گئی انہیں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غنودگی کا احسان کرنے سے پہلے پانی برسا کر احسان کیا' گرد و غبار دب گیا' زمین سخت ہو گئی مسلمان خوش ہو گئے ثابت قدمی بڑھ گئی۔ اب اونگھ آنے لگی' مسلمان تازہ دم ہو گئے صبح لڑائی ہونے والی ہے رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی۔ ہم نے درخت کے نیچے ہو کر بارش سے پناہ لی۔ حضرت ﷺ جاگتے رہے اور لوگوں سے جنگ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ قولہ ﴿ لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ﴾ یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک کرنے کے لئے پانی برسایا اور تاکہ شیطان کے بہکادے سے بھی تم کو چھڑا دیں' اور یہ دل کی پاکی تھی۔ جیسا کہ اہل جنت کے حق میں فرمایا ہے کہ انہیں پہننے کے لئے ریشمی لباس ملے گا اور سونے چاندی کا زیور ہو گا اور یہ ظاہری زینت ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلائے گا اور حسد اور بغض کے کینے سے انہیں پاک رکھے گا اور یہ باطن کی زینت ہے۔ پانی برسانے سے یہ بھی غرض تھی کہ تمہارے دلوں کو اطمینان دے کر صابر اور ثابت قدم بنایا جائے۔ یہ صبر اور اقدام باطنی شجاعت ہے اور یہ ثابت قدمی شجاعت ظاہری ہے۔

قولہ ﴿ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ یہ نعمت خفیہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ اس کی شکر گزاری کریں۔ وہ تبارک تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو تاکید فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کی اور دین نبی اور جماعت مومنین کی مدد کریں تاکہ ان کے دل ٹوٹ نہ جائیں وہ ہمت نہ ہار دیں۔ تم بھی ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بد دلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے' اب ہر ایک دوسرے سے کہتا دوسرا تیسرے سے۔ اس طرح صحابہ ؓ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت و قوت نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ یعنی اے ملائکہ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پوری کو زخمی کرو۔ ان کے ہاتھ پاؤں قطع کر دو۔

مفسرین نے ﴿ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ﴾ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے سر پر مارنے کے معنی لئے ہیں اور بعض نے گردن پر چنانچہ اس معنی کی شہادت اس آیت سے ملتی ہے ﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ﴾ یعنی کافروں سے جنگ ہو تو گردنوں پر مارو اور انہیں زنجیروں میں جکڑ لو۔ قاسم سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں مبعوث ہوا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کا عذاب جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا بلکہ خود لڑ کر گردنیں مار کر اور قید کر کے انہیں عبرت ناک نتیجہ پر پہنچاؤں گا۔ ابن جریر ؒ کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور کھوپڑی پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے روز نبی اکرم ﷺ مقتولین پر سے گزرے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے ﴿ يُفَلِّقُ

ھاما ﴾ یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں' تو ابو بکرؓ ساتھ ہی بول اٹھے اور جوڑ ملا کر اس کا ایک شعر ہی بنا دیا یعنی ﴿ یفلق ھاما" من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق واظلما ﴾ یعنی سر ٹوٹے پڑے ہیں ان لوگوں کے جو ہم پر غرور کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ بڑے ظالم اور نافرمان تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے گویا ایک بیت کے دو ابتدائی لفظ کہہ دیئے اور منتظر تھے کہ ابو بکرؓ اس کو ایک شعر بنا کر پورا کر دیں' کیونکہ آپ کے لئے بہ حیثیت شاعر کے ثابت ہونا مناسب نہیں تھا۔ جیسا کہ خود اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ﴾ یعنی ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا اور نہ انہیں شاعر ہونا سزاوار تھا۔ یوم بدر میں لوگ ان مقتولین کو پہچان جاتے تھے جو ملائکہ کے ہاتھوں مرے ہیں کیونکہ ایسے مقتولین کا زخم گردن پر یا جوڑ بندوں پر ہوتا تھا اور وہ ایسے نشانات ہوتے تھے گویا آگ سے جلے ہوئے ہیں ﴿ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ اے مومنو! دشمنوں کو مارو ان کے جوڑ بندوں پر تاکہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں۔ بنان جمع ہے ﴿ بنانۃ ﴾ کی ہر جوڑ اور ہر حصے کو "بنان" کہتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ مطلب ہے کہ اے فرشتو! ان کافروں کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ایسے زخم ڈالو گویا آگ کی چنگاریوں سے جلا دیئے گئے ہیں۔ اور کسی کافر کو قید کر لینے کے بعد مارنا جائز نہیں۔ ابن عباسؓ بدر کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہہ رکھا تھا کہ قتل کرنے کے بجائے مسلمانوں کو زندہ پکڑو تاکہ تم انہیں مزہ چکھا سکو' ہمارے دین کو برا کہنے' ہم پر طعن کرنے اور لات و عزیٰ سے روگردانی کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنین کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں اور جوڑ بندوں پر مارو۔ مقتولین بدر میں ابو جہل کا انہتر واں نمبر تھا۔ پھر عقبہ بن ابی معیط قید کر کے قتل کر دیا گیا اور ستر کی تعداد پوری ہو گئی۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کی تھی اور شرع و ایمان کو چھوڑنے کا پہلو اختیار کیا۔ لفظ "شق" "شق عصا" سے ماخوذ ہے یعنی اس نے لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ارشاد ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے علیحدگی یعنی مخالفت اختیار کی' کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخالفت کرنے والے پر غالب ہے۔ کسی بات میں اس کو بھول چوک نہیں' اس کے غضب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ﴿ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴾ یہ کافروں سے خطاب ہو رہا ہے کہ دنیا میں عذاب و نکال کا مزہ چکھو اور آخرت میں بھی عذاب دوزخ کا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝۱۵
وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶

اے ایمان والو جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔ اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

جنگ سے بھاگنا سخت کبیرہ گناہ ہے: جنگ کے عالم میں پیٹھ پھیرنے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایمان والو جب لڑائی میں تم دونوں گتھ گئے ہو' تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جانا۔ ہاں کوئی چالبازی کے طور پر بھاگے کہ گویا خوف زدہ ہو گیا ہے تاکہ اس کا تعاقب کیا جائے پھر اکیلا پا کر پلٹ کر حملہ کر کے قتل کر دے تو ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں' یا اس غرض سے بھاگے کہ مسلمانوں کے دوسرے دستے سے جا ملے تاکہ جا کر ان کی مدد کرے یا وہ اس کی مدد کریں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وہ اپنے امام کی پناہ

میں جانا چاہتا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر کا سپاہی تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ پڑ گئی میں بھی بھاگا۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم جنگ سے بھاگے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے' اب کیا کریں؟ ہم نے مشورہ کیا کہ مدینے چلیں گے حضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوں گے اگر ہماری توبہ حضرت ﷺ نے قبول فرمالی تو کیا کہنا ورنہ ہم کہیں بھی نکل جائیں گے اور منہ نہ دکھائیں گے۔ چنانچہ ہم قبل از نماز ظہر حضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا ہم پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے لوگ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' نہیں بلکہ تم لوگ اپنے مرکز کی طرف آنے والے ہو۔ میں تمہارا اور تمہاری جماعت مومنین کا بندھن ہوں۔ ہم نے یہ سن کر آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ابوداؤد نے اور یہ مزید کہا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اَوْمُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ اہل علم نے عکارون کے معنی عرافون بتائے ہیں یعنی دور اندیش اور نکتہ رس۔ ابو عبیدہ سرزمین ایران کے ایک پل پر قتل کر دیئے گئے تو عمر بن خطابؓ نے کہا تھا کہ ہوشیاری برت کر انہیں بھاگ آنے کا موقع تھا۔ میں ان کا امیر اور بندھن تھا میرے پاس کیوں نہ آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "اے لوگو! اس آیت سے تم غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ یہ آیت یوم بدر کے لئے تھی اور اس وقت میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں"۔ نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ہم لوگ دشمن سے قتال کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مرکز کیا ہے۔ امام یا جنگی مرکز' تو کہا مرکز رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ﴾ تو کہا یہ آیت یوم بدر کے بارے میں اتری ہے نہ اس سے پہلے کے لئے نہ بعد کے لئے ﴿ مُتَحَيِّزًا ﴾ کے معنی ہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف پناہ لینے والا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص جنگ کے میدان سے ہٹ کر اپنے امیر یا اصحاب امیر کی طرف پناہ لے سکتا ہے۔ لیکن یہ فرار اگر اس سبب کے سوا کوئی اور اسباب کی بنا پر ہو تو یہ حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ (۱) شرک باللہ (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کر دینا (۴) سود کھانا (۵) مال یتیم کھا جانا (۶) جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔ یہ بات اور کئی طرح بھی ثابت ہے کہ یہ آیت بدر سے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے گا تو اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر بھاگے گا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ بشیر بن معبدؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کرنے کے لئے حضرت ﷺ کے پاس آیا تو بیعت کے لئے آپ نے یہ شرط کی کہ ﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کی گواہی دو' میری رسالت کو مانو' نماز پابندی سے پڑھو' زکواۃ دیتے رہو' حج کرو' رمضان کے روزے رکھو اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! اس میں سے دو باتیں میرے لئے دشوار ہیں۔ ایک تو جہاد کہ اگر بہ حالت جنگ کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہو جائے گا اور مجھے خوف ہے کہ موت سے گھبرا کر کہیں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہو جائے۔ دوسرے صدقہ سو اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے غنیمت اور اس کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے اور دس اونٹنیاں ہیں جن کا دودھ دوھ لیا' پیا پلایا' اس پر سواری کر لی۔ تو حضرت نے میرا ہاتھ تھام لیا اس کو ہلایا اور کہا جہاد بھی نہ کرو گے صدقہ بھی نہ دو گے پھر جنت کا استحقاق کیسے حاصل کرو گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! مجھے منظور ہے میں ہر شرط پر بیعت کروں گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' تین کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نیک بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ (۱) شرک باللہ (۲) والدین کی نافرمانی ان سے سرکشی (۳) میدان جنگ سے بھاگ جانا۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

زید سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ﴿ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ﴾ تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ جنگ سے فرار کا گناہ بھی ہو۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت زید خادم نبی ﷺ نے اس کے سوا اور حدیث بیان نہیں کی۔ بعض نے یہ حکم لگایا ہے کہ فرار از جنگ صحابہ پر حرام تھا اس لئے کہ جہاد اس وقت انہیں پر فرض تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف انصار پر فرض تھا اس لئے کہ بیعت انہیں نے کی تھی اور کہا تھا کہ سختی اور راحت ہر حالت میں ہم فرماں بردار رہیں گے اور یہ

بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت صرف اہل بدر سے مخصوص ہے۔ دلیل یہ پیش کی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ مستقل اور صاحب شوکت جماعت تھی ہی نہیں جو کچھ تھے یہی مٹھی بھر لوگ تھے اس لئے ایسے حکم کی سخت ضرورت تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث اسی حالت پر روشنی ڈالتی ہے کہ یااللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو بھی ہلاک کر دے گا تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ یوم بدر میں یہ بات ضروری تھی لیکن آج اگر کوئی اپنے امام کی طرف یا اپنے قلعہ کی طرف پناہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ یوم بدر میں بھاگنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ قرار دے دی لیکن استثناء بھی کر دیا کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے حکمت عملی کی خاطر یا اپنی جماعت میں آ کر محفوظ ہو جانے کے لئے ایسا کیا تو خیر حرج نہیں۔ پھر اس کے بعد جنگ احد ہوئی تو فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ پھر سات سال بعد جنگ حنین ہوئی تو فرمایا ﴿ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴾ اور ﴿ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور پھر یہاں فرمایا ﴿ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ ﴾ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس ساری تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر اہل بدر بھی بوقت جنگ اگر فرار کریں تو بھی یہ حرام ہونا چاہئے۔ اگرچہ یہ آیت بوقت جنگ بدر نازل ہوئی تھی لیکن جب اس کو سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا تو حرام ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔ اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔

حق و باطل کے معرکہ' بدر میں کامیابی اللہ کی نصرت سے ہے: اس بات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ پاک ہے اور جو نیک کام بندوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نیک بنایا ہے کیونکہ توفیق اسی نے دی تھی اور کام کرنے کی ہمت و قدرت اسی نے بخشی تھی۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے تمہاری طاقت میں یہ کہاں تھا کہ اتنے کم ہونے کے باوجود دشمن کی اتنی کثیر التعداد فوج کو شکست دیتے یہ کامیابی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ یعنی بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کامیاب بنایا حالانکہ تم بہت کمزور تھے۔ اور فرمایا ﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اکثر مواقع پر تمہاری مدد فرمائی۔ حنین کی جنگ میں تمہاری کثرت نے تم کو مغرور بنا دیا تھا لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ زمین اتنی کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کامیابی کثرت عدد پر نہیں اور نہ تعداد اور ہتھیاروں پر ہے کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی بات ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ﴾ بہت دفعہ ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔ پھر مٹھی بھر مٹی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے جو جنگ بدر میں کافروں کے منہ پر آپ نے پھینکی تھی کہ میدان جنگ کی

جھونپڑی سے آپ ﷺ باہر آئے' اللہ تعالیٰ سے دعا اور تضرع کی' یہ مٹی کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر اصحاب کو حکم دیا کہ فوراً دھاوا بول دو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہ مٹی اور کنکر مشرکین کی آنکھوں میں جا گرے۔ ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس سے متضرر نہ ہوا ہو اور جس کو جنگ سے قاصر نہ رہنا پڑا ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ یعنی تم نے مٹی نہیں پھینکی تھی اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔ آنکھوں میں مٹی جھونک کر تم نے انہیں سرنگوں نہیں کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم بدر میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ مٹھی بھر لوگ مر جائیں گے تو کون تیرا نام لیوا باقی رہے گا۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ مٹھی بھر مٹی ان کافروں کی طرف پھینک مارو۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ کافروں کی ناک' آنکھ اور منہ مٹی سے بھر گیا اور گرد آلود آندھی سے گھبرا کر وہ پچھلے پاؤں بھاگے اور شکست ہو گئی۔ مسلمانوں نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور قید کر لیا۔ کافروں کو یہ ہزیمت حضرت ﷺ کے معجزے کے سبب ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے تین کنکر لئے تھے ایک سامنے پھینکا دو کنکر دشمن کی فوج کے سیدھی دبائیں طرف پھینکے تھے۔ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے حضرت ﷺ نے اس طرح یوم حنین میں بھی کیا تھا۔ حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی گویا ایک تھال میں کنکر ڈال کر ہلائے گئے ہوں۔ یہ حضرت ﷺ کی مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ ہمیں ہزیمت ہو گئی تھی۔ یہاں اور دو قول ہیں جو بہت غریب ہیں۔

از ابن جبیرؒ (۱) یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگوائی' یہ بہت لمبی تھی۔ حضرت ﷺ نے دوسری لانے کا حکم دیا۔ دوسری لائی گئی۔ حضرت ﷺ نے اس سے قلعہ کی طرف ایک تیر پھینکا یہ تیر گھومتا ہوا چلا اور سردار قبیلہ ابن ابی حقیق کے آ لگا' جب کہ وہ اپنے قلعہ کے اندر اپنے بستر پر تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ ﴾ الی آخرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے ممکن ہے راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا اس کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے اور اس واقعہ کو بھی شامل ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورۂ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کا ذکر ہے تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

از زہریؒ (۲) یہ کہ احد کی لڑائی کے دن آں حضرت ﷺ نے ابی ابن خلف کے ایک نیزہ مارا تھا۔ یہ شخص زرہ بکتر اور لوہے میں غرق تھا لیکن یہ نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور وہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا۔ اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف سے اس کی موت واقع ہوئی۔ وہ عذاب دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی مستحق ہوا۔ ان دونوں اماموں سے ایسی روایت بہت غریب ہے۔ شاید ان دونوں کا یہی مقصد ہو کہ آیت عام ہے خاص واقعہ ہی سے متعلق نہیں' بلکہ جب کبھی ایسا ہو تو ہر واقعہ اسی آیت سے متعلق ہو سکتا ہے ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ﴾ تاکہ مومنین اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو معلوم کریں کہ دشمن ان سے بہت زیادہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ دیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا امتحان ہم سے لیا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں ﴿ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ یہ نصرت حاصلہ کی دوسری بشارت ہے کہ اللہ پاک معلوم کرا رہا ہے کہ وہ کافروں کی چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے اور مستقبل میں ان کو ذلیل کرنے والا ہے اور وہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ
وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْــًٔـا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿19﴾

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

حق پر کون؟ فیصلہ ہو گیا: کافروں سے خطاب ہے کہ اگر تم فتح مانگ رہے اور اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ کر دے تو جو تم مانگتے تھے وہی ہوا۔ اے اللہ تعالیٰ! جس نے ہم سے قطع تعلق کر رکھا ہے اور غیر مانوس باتیں ہمیں پیش کر رہا ہے' کل اسے ذلیل کر' یہ تو انہیں کافروں کی مانگ تھی۔ پس یہ آیت اتری کہ ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾ تم فتح مانگ رہے تھے لو فتح آ گئی۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ مشرکین جنگ بدر کے لئے جب مکے سے چلنے لگے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے "اے اللہ! دونوں فریقوں میں جو تیرے نزدیک افضل ہے اور جس کا قبلہ بہتر قبلہ ہے اس کی مدد فرما"۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ تم جیسا کہتے ہو ویسی ہی میں تمہاری مدد کرتا ہوں اور وہ مدد محمد ﷺ کے ساتھ ہو گی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ﴾ یعنی اگر تم کفر سے باز آ جاؤ گے تو اس کے اندر دین و دنیا میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم نے پھر شرک و کفر کیا تو ہم بھی دوبارہ سزا دیں گے اور کفر و ضلالت کا تم نے پھر اعادہ کیا تو ہم بھی پھر ایسا ہی مزا چکھائیں گے اور دوبارہ محمد ﷺ کو فتح و نصرت دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو' کچھ تمہارے کام نہ آئے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ہو اس پر کون غالب آ سکتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے اور یہی نبی ﷺ کی جماعت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ
عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا
لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور اس کے رسول اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم سن لیتے ہی ہو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک بدترین خلائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے۔ اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق: مومنین کو اطاعت اللہ اور رسول اللہ ﷺ اور ترک مخالفت کا حکم ہوتا ہے اور یہ کہ کافروں سے مشابہت نہ پیدا کرو۔ اور اسی لئے فرمایا ﴿ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ﴾ یعنی اطاعت اور امتثال امر نہ چھوڑو۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ یعنی حالانکہ تم جانتے ہو کہ نبی اکرم ﷺ کس بات کی طرف بلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے مشابہت نہ پیدا کر لو جو کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے منافقین مراد ہیں جن کا وتیرہ یہ تھا کہ زبان سے تو کہتے تھے کہ ہم سنتے ہیں قبول کرتے ہیں لیکن خاک نہیں سنتے تھے۔ پھر آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ بنی آدم کی یہ قسم فطرتاً ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ چوپایوں اور جاندار میں بدترین وہ

ہیں جو حق بات سننے میں بہرے ہیں' حق بات بولتے نہیں گونگے ہیں۔ عقل ہی نہیں رکھتے کیونکہ حق بات سمجھتے نہیں۔ یہ بدترین مخلوق ہے اور یہ کافر انسان ہیں جانور تو جس فطرت پر پیدا شدہ ہیں' اسی ڈھرے پر چل رہے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ انسان تو از روئے فطرت عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں لیکن پھر بھی یہ کفر کرتے ہیں یعنی خلاف فطرت کرنے کی وجہ سے جانوروں سے بھی بدتر ہیں اسی لئے انہیں جانوروں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ کافروں کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو پکارنے والے کا مطلب تو کچھ نہیں سمجھتا صرف آواز کو سنتا ہے۔ پھر فرمایا بلکہ یہ کافر جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ایسے ہی لوگ انتہائی غفلت میں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قریش کے بنی عبدالدار کے لوگ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں۔ مگر مشرکین و منافقین میں کوئی منافات نہیں اس لئے کہ یہ دونوں فرقے بے عقل اور مسلوب الفہم ہیں اور عمل صالح کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جانتا ہوتا کہ یہ سمجھانے سے سمجھ جائیں گے اور ان میں کوئی خیر ہو سکتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سنا تا یعنی سننے کی قوت دیتا۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ چونکہ ان میں خیر ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور ﴿ ولو فرضنا ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں سنائے بھی تو بھی یہ کمبخت سیدھی راہ اختیار نہ کریں گے اور پھر بھی اعراض ہی کریں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والوں تم اللہ تعالیٰ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان میں اور بلاشبہ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

نجات حیات اور بقا رسول اللہ کی بات ماننے میں ہے: اے ایمان والو تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کی خاطر جب نبی اکرم ﷺ تمہیں بلائیں تو فوراً قبول کر لو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔ ابو سعید ابن المعلی کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ نے مجھے آواز دی لیکن نماز میں ہونے کے سبب میں نہ جا سکا۔ نماز پڑھ کر میں پہنچا تو فرمایا کہ کیوں اب تک نہیں آئے' کیا تم سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے ہی بھلے کے لئے تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ میں یہاں سے چلنے سے قبل تمہیں قرآن کی ایک عظیم سورت تعلیم کروں گا۔ پھر حضرت ﷺ جانے لگے تو میں نے یاد دلا دیا۔ غرض فوری تعمیل کا حکم ہے اور روایت ہے کہ یہ واقعہ ابو سعید خدری ؓ کا ہے۔ آپ نے وہ سورت سورۂ فاتحہ بتائی اور فرمایا یہی ''سبع مثانی'' ہے یعنی سات آیتیں ہیں جو ہر وقت نماز میں دہرائی جاتی رہتی ہیں۔ اس حدیث کا بیان سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ﴿ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾ کے معنی ہیں حق کی خاطر۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہی قرآن ہے جس میں نجات بقا اور حیات ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ اسلام لانے میں ہی ان کی زندگی ہے اور کفر میں موت ہے یا یہ کہ جب نبی اکرم ﷺ تمہیں جنگ کے لئے بلائیں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت بخشی حالانکہ اس سے پہلے تم ذلیل تھے اور ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی اور پہلے تم کافروں سے مغلوب تھے پھر تم ان پر غالب ہو گئے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ ﴾ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور انسان کے دل کے درمیان حائل ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ وہ حائل ہے مومن اور کفر کے درمیان اور کافر کے اور ایمان کے درمیان کہ مومن کو کفر کرنے نہیں دیتا اور کافر کو ایمان لانے نہیں دیتا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ یوں حائل ہے کہ کافر کو سمجھنے نہیں دیتا۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ کوئی بھی اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لائے یا کفر کرے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے

کہ ﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور بہت ساری احادیث اس کے مناسب حال وارد ہیں۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ اکثر آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ﴿ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِيْنِكَ ﴾ اے دلوں کو بدلنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ' تو ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لا چکے ہیں۔ کیا آپ ﷺ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ فرمایا ہاں' کیونکہ کیا عجب تم بدل جاؤ۔ کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جب چاہے بدل دے۔ نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اگر چاہے بگاڑ دے تو وہ دل بگڑ جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلکا کر دے چاہے بھاری۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! کیا دل بدل جاتے ہیں۔ فرمایا ہاں' اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو انسان کے دل کو سیدھا اور مستقیم رہنے دے اور اگر چاہے تو وہ ٹیڑھا کر دے اسی لئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ ہدایت پر ہونے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے ہمارے لئے رحمت بھیج' تو بڑا وہاب اور بخشنے والا ہے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھلایئے کہ میں اپنے لئے وہ مانگتی رہوں' تو فرمایا یوں دعا مانگا کرو ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَآ اَحْيَيْتَنِيْ ﴾ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس قلب واحد کی طرح ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیرے۔ پھر فرمایا ﴿ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ ﴾ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

خاص کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب: مومنین کو آزمائش سے ڈرایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش گنہگار اور نیکوکار سب سے متعلق ہو گی' صرف گنہگار اس سے مخصوص نہیں۔ حضرت زبیرؓ سے کہا گیا کہ یا ابو عبداللہ تمہیں کیا ہو گیا' امیر المومنین (حضرت) عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تم نے عثمانؓ کو کھو دیا۔ پھر ان کے خون کے دعوے دار بن گئے دعوے دار ہی بننا تھا تو انہیں قتل کیوں ہونے دیا۔ تو زبیرؓ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش تھی جس میں ہم لوگ مبتلا ہو گئے ہم نبی ﷺ' ابو بکرؓ' عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں قرآن کے اندر پڑھتے تھے ﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ﴾ یعنی تم بھی ایسی آزمائش میں مبتلا ہو گے جو صرف ظالموں ہی سے مخصوص نہیں' بلکہ سب کا امتحان ہو گا۔ لیکن ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں کو اس سے سابقہ پڑے گا حتیٰ کہ وہ آزمائش ہم پر آ پڑی اور مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ مرے اور قتل عثمانؓ سے اس فتنہ کی ابتدا ہو گئی۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ یہ آیت علیؓ' عمارؓ' طلحہ اور زبیرؓ کے بارے میں اتری ہے۔ زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ہمیشہ یہ آیت پڑھتے رہتے تھے لیکن کیا خبر تھی کہ اس کا مصداق ہمیں ہوں گے۔ سدیؒ کا خیال ہے کہ یہ خاص کر اہل بدر کے حق میں اتری ہے۔ جنگ جمل میں وہی اس کا مصداق بنے اور آپس میں لڑ بیٹھے۔ ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ اس سے صرف اصحاب نبی اکرم ﷺ

مراد ہیں۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومنین کو حکم ہے کہ بدی کو اپنے اندر چلنے نہ دو۔ جہاں کسی کو امر منکر میں مبتلا دیکھو فوراً روک دو۔ ورنہ عذاب سب پر ہونے لگے گا۔ یہی تفسیر اچھی تفسیر ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اس آزمائش میں مبتلا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ ﴾ پس تم میں سے ہر شخص کو فتنوں کی گمراہیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہئے کیونکہ یہ تحذیر صحابہ اور غیر صحابہ سب پر شامل ہے۔ اگرچہ یہ ضرور صحیح ہے کہ خطاب صحابہ سے ہے۔ یہ حدیث فتنوں اور آزمائشوں سے ڈرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس موضوع سے متعلق انشاءاللہ ایک مستقل کتاب میں صراحت کی جائے گی کہ یہ کام آئمہ نے بھی مستقل کتابوں کی صورت میں انجام دیا ہے۔ یہاں جس چیز کا خصوصیت سے ذکر ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ عزوجل خواص کے عمل کے سبب عوام پر عذاب نہیں بھیجتا ہے' لیکن جب کہ خاص لوگ امر منکر قوم میں پھیلا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کو روکنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن اپنے اقتدار کو کام میں لاکر نہیں روکتے تو پھر عمومی عذاب آ جاتا ہے اور اس میں خاص و عام سب گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے' عذاب نہ آئے گا اور جہاں بری باتوں سے تم نے روکنا چھوڑ دیا اور نیک کام کی ترغیب سے رک گئے تو اللہ پاک تم پر سخت ترین عذاب بھیج سکتا ہے' پھر تم لاکھ دعا کرو گے دعا قبول نہیں ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر دوسری قوم کو مسلط کر دے گا پھر تمہاری ساری دعائیں بے کار ہو جائیں گے۔ ابوالرقادؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام کو حذیفہ کی طرف بھیجا تو وہ اس وقت یہ کہہ رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اگر ایک بات بھی کوئی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے' لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں' تم کو چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو' بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو' لوگوں کو خیر پر ابھارا کرو' ورنہ تم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ یا عذاب اس نوعیت کا ہوگا کہ تمہارے حاکم بدلوگ بنا دیئے جائیں گے پھر اچھے لوگ بھی لاکھ دعائیں کریں کچھ نہ ہوگا۔

نعمان ابن بشیرؓ تقریر کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حدود پر قائم رہنے والے اور حدود اللہ تعالیٰ کو توڑنے والے یا اس میں سستی و غفلت کرنے والوں کی مثال یوں سمجھو جیسے چند لوگ کسی کشتی میں سوار ہیں کشتی کے اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کی تکلیف کا سبب بنے اور نیچے کے لوگوں نے اوپر کے لوگوں کو تکلیف پہنچائی یعنی نیچے کے لوگوں کو پانی کی ضرورت ہوئی تو اوپر گئے تاکہ پانی کھینچ لائیں لیکن اوپر والوں کو تکلیف ہونے لگی تو کہنے لگے اگر ہم کشتی کے نیچے ہی سے کوئی تختہ ہٹا کر پانی کی سبیل کرلیں تو اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ظاہر ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا ہوگا کشتی میں سوراخ کرنے سے انہیں روک دیا جائے۔ اسی طرح اگر ان گنہگاروں کو اگر تم چھوڑ دو گے امر گناہ سے روکو گے نہیں تو کشتی والوں کی طرح تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے اگرچہ کشتی کے اوپر والوں کی طرح تمہارا اپنا قصور نہ ہو اس لئے کہ یہ سزا ہے اس بات کی کہ روکا کیوں نہیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ معاصی جب میری امت میں عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ عذاب کو عام کر دے گا۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس میں نیک لوگ بھی تو ہوں گے۔ آپ نے فرمایا' ہاں وہ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن مرنے پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت انہیں حاصل رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو آسودگی راحت آرام سے ہمکنار فرمایا: اللہ پاک ان نعمتوں کو بتا رہا ہے جو مومنین پر کی گئی کہ وہ تعداد میں کم تھے ہم نے انہیں بڑھا دیا' وہ کمزور تھے اور خائف تھے' ہم نے قوی بنا دیا اور خوف کے اسباب دور کر دیئے غریب اور فقیر تھے انہیں پاک رزق دیا۔ انہیں شکر گزار بنایا وہ اطاعت کرنے لگے اور ہر بات میں فرماں بردار ہو گئے۔ یہ تھا حال مومنین کا جب کہ وہ مکے میں تھے اور تعداد میں بہت تھوڑے تھے' کمزور تھے' مشرک' مجوسی' رومی سب کے سب ان کی قلت اور عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ ہر آن انہیں خوف تھا کہ وہ اچک لئے جائیں گے۔ یہی حالت ایک عرصہ تک رہی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ وہاں انہیں پناہ ملی۔ مدینے کے لوگوں نے ان کی مدد کی۔ یوم بدر اور دوسری لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا۔ جان و مال ان پر قربان کر دیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا چاہتے تھے﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ قتادہؒ کہتے ہیں کہ عرب میں یہ لوگ بہت ہی خستہ حالی میں تھے' ان کی زندگی بہت تباہ تھی' پیٹ سے بھوکے جسم سے ننگے' راہ سے بے راہ' جو بھی تھا بدنصیب' انہیں تو کھانے کو نہ ملتا تھا بلکہ انہیں کو کھایا جا رہا تھا۔ ہمیں تو نہیں معلوم کہ دنیا بھر میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی ذلیل حالت میں ہو' لیکن اسلام لانے کے بعد کیا ہوا' یہی ذلیل لوگ ملکوں پر قابض ہو گئے' امیر اور بادشاہ بن گئے۔ رزق ڈھیروں ملنے لگا۔ بادشاہوں پر بھی حکم چلانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ سب کچھ دیا جو آج تم دیکھ رہے ہو۔ اب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرو' وہ منعم حقیقی ہے۔ شکر گزار بندوں کو پسند کرتا ہے اور دولت و نعمت کو اور بڑھاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ع ۹ ۱۷

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو جانتے ہو۔ اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔

اللہ رسول کی خیانت کا مفہوم: یہ آیت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کے حق میں اتری ہے جب کہ حضرت ﷺ نے انہیں بنو قریظہ کے یہودیوں کی طرف بھیجا تھا کہ حکم رسول کی شرط مانتے ہوئے قلعہ خالی کر دیں۔ یہودیوں نے ابولبابہؓ ہی سے مشورہ مانگا۔ انہوں نے ان کے حسب مرضی مشورہ دیا۔ اس کے بعد ہی ابولبابہؓ کو احساس ہوا اور وہ تاڑ گئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہوئی۔ چنانچہ قسم کھا بیٹھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانہ لے گا مر جائیں گے لیکن کھانا نہ کھائیں گے۔ اب مدینے کی مسجد میں آئے ستون سے اپنے کو باندھ دیا۔ نو دن اسی حالت میں گزرے۔ بھوک پیاس سے غش کھا کر گر گئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔ لوگ بشارت دیتے ہوئے آئے اور چاہا کہ ستون سے کھول دیں۔ ابولبابہؓ نے کہا مجھے صرف رسول اللہ ﷺ کھول سکتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کھولا تو کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں نے سب اپنا مال صدقہ کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں'

صرف تیسرا حصہ صدقہ ہوگا۔ مغیرہ بن شعبہ ؓ کہتے ہیں کہ بہ لحاظ مضمون یہ آیت قتل عثمان ؓ کی پیش گوئی سے متعلق ہے کیونکہ امیر کو فتنہ وفساد پیدا کر کے قتل کر دینا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہے۔

جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ ابوسفیان مکے سے نکلے، جبرئیل علیہ السلام نے آکر حضرت ﷺ کو خبر کر دی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے تو حضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے اس کو گرفتار کرنے کے لئے نکلو اور یہ معاملہ بالکل راز میں رہے۔ لیکن ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ تم کو پکڑنے کے درپے ہیں، ہوشیار ہو جاؤ۔ تو یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو، رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر کر دینا بھی رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ آیت کے سیاق سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ مسلم و بخاری میں حاطب ابن ابی بلتعہ کا قصہ یوں لکھا ہے کہ انہوں نے کفار قریش کو نبی اکرم ﷺ کے قصد سے آگاہ کرنے کے لئے خط لکھا۔ یہ فتح مکہ کے وقت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرمادیا آپ ﷺ نے پیچھے ہی آدمی کو دوڑایا، وہ خط پکڑا گیا۔ حاطب کو بلایا گیا۔ حاطب ؓ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ عمر بن خطاب ؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اس کی گردن اڑا دیجئے، اس نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی ہے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا عمر جانے بھی دو یہ بدر کے جہاد میں شامل تھا کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجاہدین بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ میں نے تمہیں بخش دیا تمہارے سب گناہ معاف ہیں۔ غرض یہ کہ صحیح تر یہی بات ہے کہ آیت میں عمومیت ہے اگرچہ یہ درست ہے کہ آیت کا شان نزول ایک سبب خاص ہے، اور علماء کے نزدیک عموم لفظ کے قائل ہو سکتے ہیں۔ خصوص سبب نہیں تو نہ سہی۔ اور خیانت کی تعریف میں چھوٹے بڑے لازم اور متعدی سب ہی گناہ شامل ہیں۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ امانت سے وہ سارے اعمال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کر رکھے ہیں۔ مراد یہ کہ فریضہ کو نہ توڑو، ترک سنت نہ کرو، ارتکاب معصیت سے بچو۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ سامنے تو کسی کی مرضی کی بات بولو اور اس کے غیاب میں کسی سے اس کی غیبت یا مخالفت کرو، اصلی خیانت یہی ہے، امانت اسی سے ختم ہوتی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیانت یہی ہے کہ آدمی باہمی خیانت کرے۔ لوگ نبی اکرم ﷺ سے بات سنتے تھے دوسروں سے کہہ دیتے تھے اس کی خبر مشرکین تک پہنچ جاتی تھی۔ اسی لئے حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان کی بات بہر صورت امانت ہوا کرتی ہے۔ بات کو جہاں سنا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کسی کے سامنے کسی کی بات دہرانا نہیں چاہیئے اگرچہ اس نے منع نہ کیا ہو ﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ فتنہ سے آزمائش اور امتحان مراد ہے کہ اولاد دے کر آزماتے ہیں کہ تم شکر کرتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں بجا لاتے ہو یا نہیں، یا یہ کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے۔ اور فرمایا کہ شر اور خیر کے ذریعہ ہم تم کو آزمائیں گے۔ اور فرمایا کہ اے مومنو! تمہاری اولاد اور تمہارے اموال اللہ تعالیٰ کی یاد سے تم کو غافل نہ بنادیں اگر ایسا ہوگا تو تم بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ اور فرمایا کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد دشمن ہیں اس لئے احتیاط کو پیش نظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس کا ثواب اور اس کی جنتیں اس مال اور اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ یہ دشمن کی طرح ضرر رساں ہیں اور اکثر ان میں سے تمہارے لئے فائدہ بخش نہیں بنتے۔ اللہ پاک دنیا اور آخرت کا مالک ہے قیامت میں اس کے پاس ثواب عظیم ہے۔ حدیث میں ہے کہ "اے ابن آدم! تو مجھے ڈھونڈھ میں مل جاؤں گا۔ میں تجھے مل گیا تو سمجھ لے کہ سب کچھ مل گیا اور اگر تو نے مجھے کھودیا تو سب کچھ کھودیا، چاہیئے کہ میں تیرے پاس ہر چیز سے زیادہ محبوب رہوں"۔

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں زبردست حلاوت ایمان ہے (۱) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہونا (۲) جس سے بھی محبت اور خلوص ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر اور ﴿ للهيت ﴾ کے طور پر ہو، ذاتی غرض شامل نہ ہو۔

(۳) آگ میں جھونک دیا جانا بہتر سمجھے بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے بعد مرتد ہو جائے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اموال و اولاد پر بھی مقدم سمجھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی قسم ایمان نصیب ہی نہیں اگر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ مجھے نہ چاہو"۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا ہی اچھا ہے: اے مومنو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اللہ تعالیٰ تم کو دین اور دنیا میں نجات دے دے گا۔ "فرقان" سے مراد نجات یا مدد یا حق و باطل میں فیصلہ مراد ہے۔ یہ تفسیر ابن اسحٰق کی تفسیر تفسیر ماسبق سے زیادہ عام ہے۔ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اس کے احکام بجالائے گا اس کی مناہی سے اجتناب کرے گا معرفت حق و باطل کی اسے توفیق ہو گی۔ یہ اس کی نجات و مدد کا سبب ہو گا' اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا اللہ تعالیٰ غفار و ستار بن جائے گا اللہ تعالیٰ سے جزاء عظیم کا حقدار ہو گا جیسا کہ فرمایا "اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ تم پر دوہری رحمت نازل کرے گا وہ تمہیں ایک نور دے گا کہ اس کی رہنمائی میں چلو گے وہ تمہیں بخش دے گا وہ بڑا غفور رحیم ہے"۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جب کہ کافر لوگ آپ ﷺ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ تعالیٰ ہے۔

کفار کی مجلس شوریٰ میں قتل رسولؐ کی ناپاک سازش: اب کافر یہ چال چلنا چاہتے ہیں کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا وطن سے نکال دیں۔ اثبات کے معنی قید اور حبس کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی برا ارادہ رکھتے ہیں۔ کافروں نے جب یہ مشورہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو قید یا قتل کر دیں یا دیس نکالا دیں تو ابو طالب نے بھتیجے سے پوچھا کیا تمہیں کچھ خبر ہے کہ یہ کافر تمہارے ساتھ کیا قصد رکھتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قید یا قتل یا جلا وطنی۔ تو ابو طالب نے پوچھا تمہیں کس نے خبر دی' آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب نے خبر دی۔ ابو طالب نے کہا' تمہارا رب بہت اچھا رب ہے ہمیشہ اس کے خیر طلب رہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں اس کا خیر طلب کیا رہوں گا' بلکہ وہ میرا خیر طلب رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر اس میں بہت ہی عجب ہے بلکہ قابل انکار۔ اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ واقعہ اور قریش کا اس طرح مشورہ کرنا ہجرت کی رات تھا اور ابو طالب کی موت تو اس سے بھی تین سال پہلے واقع ہو چکی تھی۔ ابو طالب کی موت ہی سے سبب تو کافروں کو اتنی جرات و ہمت بھی ہوئی تھی کیونکہ ابو طالب تو ہمیشہ آپ کی حمایت اور مدد کرتے رہتے تھے اور بھتیجے کی حفاظت میں قریش کا مقابلہ کرتے تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت نے مجلس شوریٰ کی اور آپ کو ضرر رسانی کے درپے ہوئے۔ اس مجلس میں ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا

تم کون ہو؟اس نے جواب دیا۔ میں اہل نجد کا شیخ ہوں' میں نے سنا کہ تم لوگ مجلس شوریٰ کر رہے ہو' میں بھی چلا آیا تا کہ میری نصیحت اور مشورے سے تم محروم نہ رہو۔ لوگوں نے کہا آیئے ضرور آیئے۔ وہ کہنے لگا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں خوب فکر اور تدبیر سے کام لو ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ تم پر چھا جائے۔ چنانچہ ایک نے رائے دی کہ اسے قید کر دینا چاہیے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں ہلاک ہو جائے جیسا کہ زہیر اور نابغہ شاعروں کو اس سے پہلے قید کر دیا تھا اور وہ وہیں تادم مرگ سڑتے پڑے رہے اور یہ بھی تو ایک شاعر ہی ہے۔ اس پر وہ شیخ نجدی چیخ اٹھا کہ میری تو ہرگز یہ رائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس کا رب اسے وہاں سے نکال لے جائے گا وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ جائے گا۔ پھر وہ حملہ کر کے تم سے سب کچھ چھین لے گا اور تمہارے شہروں سے تم کو نکال باہر کرے گا۔ لوگوں نے کہا شیخ نے سچ کہا کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔ دوسرے نے رائے دی اس کو اپنے ملک ہی سے نکال باہر کرو اور چین پاؤ جب وہ یہاں رہے گا ہی نہیں تو تمہیں اس سے پھر اندیشہ ہی کیا ہے۔ اس کا تعلق تمہارے سوا کسی اور سے رہے گا۔ تمہیں کیا واسطہ۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے کہا' اللہ تعالیٰ کی قسم یہ رائے بھی ٹھیک نہیں' کیا تمہیں اس کی شیریں زبانی کی خبر نہیں' وہ اپنی باتوں سے سب کا دل موہ لیتا ہے' اگر تم نے ایسا کیا تو وہ باہر جا کر سارے عرب کو ملا لے گا۔ اس کے سارے حمایتی مل کر حملہ کر بیٹھیں گے اور تمہیں اپنے وطن سے نکال دیں گے تمہارے شرفا قتل ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا شیخ سچ کہتا ہے' کوئی اور رائے پیش ہو۔ تو ابو جہل نے کہا میں ایک مشورہ دیتا ہوں اگر تم سوچو تو اس سے بہتر کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ ہر قبیلہ سے تم ایک ایک نوجوان چن لو جو بہادر اور شریف ہو' ہر ایک کے پاس تلوار ہو' سب مل کر اس پر دفعۃً واحدۃً وار کر بیٹھیں جب وہ قتل ہو جائے تو اس کا خون قبائل میں بٹ جائے گا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بنی ہاشم کا ایک قبیلہ قریش کے سارے قبیلوں سے لڑائی مول لے مجبوراً بنی ہاشم کو اس کے قتل کی دیت قبول کرنی پڑے گی۔ دیت دے دیں گے ہم کو چین مل جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا واللہ یہ رائے ٹھیک رہی' اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ اس پر اتفاق رائے کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ اب جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت ﷺ سے کہا کہ آج کی رات بستر پر نہ سونا اور کافروں کی سازش کی اطلاع دے دی۔ حضرت ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ سوئے اور اسی وقت ہجرت کا حکم دے دیا۔ مدینے آنے کے بعد اللہ پاک نے آپ ﷺ پر سورۃ انفال نازل فرمائی' اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ﴿ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ وہ چال چلتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی چال چلے گا' اللہ بڑا مدبر ہے۔ ان کا قول تھا" ﴿ تربصوا به ريب المنون حتیٰ يهلك ﴾ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد باری ہے ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴾ (ترجمہ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس دن کا نام ہی "یوم الزحمۃ" پڑ گیا۔ کیونکہ اس روز حضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔ ان کے انہیں ارادوں کا ذکر آیت ﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ حکم الہٰی کے انتظار میں تھے اور جب قریش نے قتل کا ارادہ کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ علیؓ سبز چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے۔ لوگ دروازے پر دکھائی دیئے۔ آپ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی ان کی طرف پھینکی' ان کی آنکھیں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے پھر گئیں آپ ﴿ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ تا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ پڑھتے ہوئے نکل گئے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں روتی ہو۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا' کیسے نہ روؤں' یہ قریش کے لوگ لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کے وعدہ کئے ہوئے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر حملہ کر کے قتل کر دیں گے اور ہر ایک ان میں سے آپ کے قتل میں حصہ لینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بیٹی وضو کے لئے پانی لاؤ۔ آپ ﷺ نے وضو کیا' کعبۃ اللہ کی طرف چلے۔ قریشیوں نے کہا کہ یہ وہی ہے لیکن ساتھ ہی ان کے سر نیچے کو جھک گئے گردنیں ٹیڑھی ہو گئیں۔ وہ اپنی نگاہیں اٹھا نہ سکے۔ حضرت ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور ان کی طرف پھینکی

اور کہا' چہرے بگڑ جائیں۔ جس کو یہ کنکری لگی یوم بدر میں وہ کافر ضرور قتل ہوا۔ غرض حضرت ﷺ ہجرت کر کے غار میں جا پہنچے' حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے لیا۔

مشرکین حضرت ﷺ کے گھر کی چوکیداری کرتے رہے۔ علیؓ کو محمد ﷺ سمجھتے رہے صبح کے قریب دھاوا بول دیا۔ لیکن گھر میں علیؓ کو دیکھا تو سارا منصوبہ چوپٹ ہو گیا۔ پوچھنے لگے محمد ﷺ کہاں ہیں؟ علیؓ نے کہا مجھے کوئی خبر نہیں۔ نقش قدم کے پتے سے چلے۔ پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہو گیا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے غار کے سامنے سے گزرے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا۔ کہنے لگے اگر غار کے اندر کوئی گیا ہوتا تو اس کے دہانے پر مکڑی کا اتنا بڑا جالا کیسے قائم رہتا۔ آپ ﷺ غار میں تین دن ٹھہرے رہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ چال چلتے ہیں تو ہم بھی اپنی چال بتاتے ہیں۔ دیکھو کیسے ان کافروں سے نجات دے دی۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا
إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ
فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر ہم بھی کہہ لائیں یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔ اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

نبی ﷺ کا وجود مبارک کفار کے لیے باعث حفظ وایمان تھا: قریش کے کفر و تمرد کی خبر دی جارہی ہے کہ قرآن سن کر وہ کیسا دعوائے باطل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قرآن سنا ہے چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ دیں۔ یہ صرف ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور قول بلا فعل ہے۔ چنانچہ اس پر بارہا قرآن میں تحدی کی گئی۔ چیلنج دیا گیا کہ ایسی ایک سورت ہی بنالاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ ایسا کہہ کر وہ خود اپنے نفسوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور اپنے جھوٹے ہم خیالوں کو بھی دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا۔ یہ بے دین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں کے ایرانی بادشاہوں اور رستم اسفندیار کی تاریخ پڑھا ہوا تھا اور جب واپس ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی بعثت واقع ہو چکی تھی۔ آپ لوگوں کو قرآن سناتے رہتے تھے اور جب حضرت ﷺ مجلس ختم کر دیتے تو یہ کمبخت نضر بیٹھ جاتا اور یہ ایرانی بادشاہوں کی تاریخ بیان کر کے کہتا' بتاؤ کس نے اچھی قصہ خوانی کی ہے' میں نے یا محمد ﷺ نے؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں مسلمانوں کو کامیابی بخشی اور بعض مشرکین مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت ﷺ نے اس کو بھی گردن زدنی قرار دیا اور اس کی بھی گردن اڑا دی گئی۔ مقدادؓ بن اسود نے اس کو قید کیا ہوا تھا۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا (۱) عقبہ بن ابی معیط (۲) طعیمہ بن عدی (۳) نضر بن حارث۔

نضر مقدادؓ کا قیدی تھا۔ حضرت ﷺ نے جب اس کے قتل کا حکم دیا تو مقدادؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو میرا قیدی ہے مجھے ملنا چاہیے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے کتاب اللہ تعالیٰ کا منہ چڑھایا ہے' چنانچہ قتل کا حکم ہو گیا۔ مقدادؓ نے اپنے اسیر کی

طرف پھر حضرت ﷺ کو توجہ دلائی تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ! تو اپنے فضل سے مقداد کو بہت کچھ دے۔ تو مقداد کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اصرار کے ساتھ مطالبہ سے میری یہی تو غرض تھی کہ آپ سے دعا کرالوں۔ اسی نضر کے بارے میں یہ آیت اتری ﴿ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا ﴾ الخ۔ سعید بن جبیرؒ نے طعیمہ کے بجائے مطعم بن عدی کا نام کہا ہے اور یہ بات غلط ہے اس لئے کہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا۔ اسی لئے اس روز حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو یہ قیدی دے دیتا۔ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اس نے حضرت ﷺ کو اس وقت بچایا تھا جب کہ آپ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکے واپس ہو رہے تھے۔

''اساطیر'' اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ کتابیں اور اقتباسات جو سیکھ کر لوگوں کو سنائے جاتے ہیں اور یہ محض افسانے ہوتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے ﴿ وَقَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو متقدمین کے جھوٹے افسانے ہیں جنہیں لکھ لیا گیا اور شب و روز سنایا جاتا رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس سے درگزر فرما کر اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کے بھیدوں کو جانتا ہے اور یہ قرآن اسی کی طرف سے ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ ''اے اللہ تعالیٰ اگر یہ قرآن حق ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا یا عذاب الیم ہمیں دے''۔ یہ دعا ان کے کمال جہل و نادانی و سرکشی و عناد کے سبب سے ہے اسی بیوقوفی میں وہ بدنام ہیں۔ انہیں تو چاہیئے تھا کہ وہ دعا یوں مانگتے کہ اللہ ہی! اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عنایت فرما لیکن انہوں نے تو اپنی جان پر عذاب مول لے لیا اور سزا کے لئے جلدی کرنے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ ارے عذاب کا اگر ایک دن مقرر نہ ہوتا تو عذاب انہیں فوراً ہی آ پکڑتا کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی''۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا ﴾ الخ اور ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴾ گزشتہ امتوں کے جاہلوں نے بھی تو ایسا ہی کہا تھا: ''شعیب کی قوم کہتی ہے کہ اے شعیب! اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان گرا دو'' یا یہ کہ اے اللہ تعالیٰ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے سنگ باری کر''۔ ابو جہل بن ہشام نے یہی کہا تھا کہ ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ کہ اگر یہ سچا قرآن ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ تو یہ آیت اتری ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ﴾ یعنی جب تک تم ان کے درمیان میں ہو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا۔ یا جب تک کہ وہ استغفار کرتے ہیں۔ اور فرمایا ﴿ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی ﴾ الخ یعنی تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آؤ گے۔ جیسا کہ پہلی دفعہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاصؓ کو جنگ احد میں گھوڑے پر سوار ٹھہرا ہوا دیکھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! محمد ﷺ جو کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے (یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ ایمان نہیں لائے تھے)۔

اس امت کے جاہلوں کا بھی ایسا ہی قول تھا۔ اللہ پاک اپنی آیت کو پھر دہراتا ہے اور ان پر اپنی رحمت کا ذکر فرماتا ہے کہ جب تک وہ استغفار کرتے ہیں اور تمہاری موجودگی ان کے اندر ہے ہم ان پر عذاب آسمانی نازل نہ کریں گے۔ مشرکین بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿ لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ﴾ تو حضرت ﷺ فرماتے بس بس یہیں تک بولو آگے نہ بڑھو' لیکن کفار ساتھ ہی یہ بھی بولتے ﴿ اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ﴾ لیکن تیرا ایک شریک بھی ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے املاک کا بھی مالک ہے اور پھر ساتھ ہی کہتے ﴿ غُفْرَانَكَ ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تم جب تک ان میں ہو وہ عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ان کو دو امانیں حاصل تھیں ایک تو نبی اکرم ﷺ کا وجود دوسرے ان کا بعد

ازشرک استغفار۔ اب نبی اکرم ﷺ کے پردہ کرنے کے بعد صرف ان کا استغفار سبب معافی رہ گیا۔ قریش آپس میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہمارے درمیان بزرگ بنایا ہے۔ دن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ جو گستاخی کرتے' رات کو نادم ہو کر کہتے ﴿ غُفْرَانَكَ اللَّهُمَّ ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ ما كانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ﴾ والی آیت اتاری۔ یعنی انبیاء علیہم السلام جب تک بستی سے نکل نہیں جاتے قوم پر عذاب نہیں آیا کرتا۔ ان میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو پہلے ہی سے ایمان حاصل کر چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے نمازیں پڑھتے' یہ مسلمان تھے اور حضرت ﷺ کے ہجرت کے بعد بھی مکے میں رہ گئے تھے۔ حضرت ﷺ کے مکے کی بستی کو چھوڑ کر چلے جانے کے باوجود اہل مکہ پر اس لئے عذاب نہیں آیا کہ یہ مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ یہ اہل مکہ وقوع عذاب سے بچ گئے کیونکہ یہ اچھے لوگ ابھی ان میں باقی تھے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "شیطان نے کہا اے اللہ تعالیٰ تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتار ہوں گا:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں۔ اس کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔ سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب۔

مسجد الحرام کے متولی متقی لوگ ہیں نہ کہ شرک: یہ لائق عذاب تو تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی برکت سے عذاب سے بچ گئے۔ اسی لئے جب آپ نے مکہ کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے بروز بدر ان پر عذاب واقع فرمایا۔ ان کے سردار قتل کر دیئے گئے۔ بڑے بڑے لوگ قیدی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کی ہدایت فرمائی لیکن یہ اس کے ساتھ شرک وفساد کو بھی ملا دیتے تھے۔ قتادہؒ اور سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ مقتولین قریش استغفار نہیں کرتے تھے' اگر کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بدر میں ذلت کی موت نہ دیتا اور اگر خود مکہ میں یہ کمزور مسلمان استغفار کرتے نہ ہوتے تو اہل مکہ پر ایسی مصیبت آپڑتی کہ ہٹائے نہ ہٹتی۔ استغفار کی برکت ہی نے مکہ میں عذاب نازل ہونے سے قریش کو بچایا اور مسلمانان مکہ کے صدقے میں وہ ایک عرصہ تک عذاب سے محفوظ رہے۔ یوم حدیبیہ میں اللہ پاک نے فرمایا تھا ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ﴾۔ (سورۃ الفتح) یعنی ان لوگوں نے کفر کیا۔ بیت اللہ میں آنے سے تمہیں روک دیا۔ قربانی کے جانوروں کو مذبح تک نہیں پہنچنے دیا اگر مکہ میں یہ مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہیں تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی وجہ سے بے خبری میں مضرت پہنچ جاتی' یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر یہ لوگ یہاں پناہ گزیں نہ ہوتے تو کب کا ان پر عذاب الٰہی اتر چکا ہوتا۔ نبی

اکرم ﷺ مکے میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہارے ہوتے ان پر عذاب نہ کروں گا اور جب کہ حضرت ﷺ مدینے کی طرف چلے گئے تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ تمہارے جانشین ابھی مکہ میں ہیں اور استغفار کرتے ہیں اس لئے ابھی عذاب نہ دوں گا اور جب یہ مسلمان بھی مکے سے نکل گئے تو فرماتا ہے کہ اب کیوں نہ عذاب دیا جائے۔ انہوں نے تم مسلمانوں کو کعبۃ اللہ آنے سے روکا' وہ اللہ تعالیٰ کے دوست تو تھے نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکے کا عذاب ان پر نازل کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ ﴾ کی ناسخ ہے۔ عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ "انفال" میں ﴿ مَاكَانَ ﴾ والی آیت کو اس کے بعد والی ﴿ مَالَهُمْ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ ﴾ والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ فرمایا گیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور وہ بھوک اور مضرت کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو عذاب سے مستثنیٰ بھی کیا ہے' پھر یہ بھی فرمایا کہ انہیں کیوں عذاب نہ کرے کہ مسجد حرام سے وہ مسلمانوں کو روکتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ نہیں بلکہ متقی لوگ ہیں۔ لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ حالانکہ یہی روکے جانے والے لوگ کعبۃ اللہ کے زیادہ اہل ہیں کہ اس میں نماز پڑھیں طواف کریں اور یہ کفار مسجد حرام کے اہل نہیں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ مشرکین کو کیا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجد کو آباد رکھیں حالانکہ کفران کے دلوں میں جاگزیں ہے۔ ان کے تو سارے اعمال سلب ہیں اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ مساجد کو تو وہ آباد رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھیں' نمازیں پڑھیں' زکوٰۃ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ہدایت یافتہ لوگ یقیناً یہی ہیں۔ اور فرمایا ﴿ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور مکے کے مسلمانوں کو مکے سے نکال دینا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ حضرت ﷺ سے پوچھا گیا آپ کے اولیاء کون لوگ ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا متقی لوگ۔ پھر آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی ﴿ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ حضرت ﷺ نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا کیا کوئی غیر قریش بھی تم میں ہیں۔ تو لوگوں نے کہا' صرف ہمارے بھانجے ہمارے حلیف' ہمارے غلام۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' حلیف' بھانجے اور غلام سب ایک ہی قبیلہ کے ہوتے ہیں یہ سب اولیاء ہیں لیکن میرے اولیاء متقی لوگ ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ان سے مجاہد مراد ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ پھر اس بات کا ذکر ہے کہ مسجد حرام میں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی عبادت بس یہی تھی کہ کعبے میں آکر بھی یہ جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے' ننگے ہو کر طواف کرتے' منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹی کی آواز نکالتے رخسار جھکاتے' تالی بجاتے' بس اسی کو عبادت سمجھتے۔ بائیں طرف سے طواف کرتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی عبادت میں حرج پیدا کریں' اس طرح یہ لوگ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ تصدیہ کے معنی کہتے ہیں 'اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکنا۔ فرماتا ہے کہ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو یعنی یہ عذاب کہ یوم بدر میں قتل بھی ہوئے قید بھی ہوئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب سیف کے ذریعہ آتا ہے اور اہل تکذیب پر چیخ اور زلزلے کے طور پر آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا
ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ
يُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى
بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے' پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر مغلوب ہو جائیں گے۔ اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں۔

شکست زدہ کفار کی ناکام تدبیریں: قریش پر جنگ بدر میں جب مصیبت پہنچی اور یہ لوگ مکہ واپس ہوئے اور ابو سفیان بھی قافلہ لے کر لوٹے تو عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور قریش کے کئی آدمی جن کے باپ بیٹے بھائی جنگ میں کام آئے تھے ابوسفیان سے اور ان سے جن کا مال تجارت اس قافلہ میں تھا کہنے لگے کہ اے معشر قریش محمد ﷺ تمہیں نیچا دکھا چکے ہیں تمہارے شرفاء کو قتل کر دیا ہے' ان سے دوبارہ لڑنے کے لئے اس قافلہ کا مال تم دے دو تاکہ ہم ان سے اپنا انتقام لیں۔ چنانچہ انہوں نے سب مال دے دیا۔ اسی بارے میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ﴾ یعنی کافر اپنا مال خرچ کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا راستہ روک دیں اور وہ روپیہ خرچ کریں گے اور یہی مال ضائع ہو جائے گا تو پھر حسرت بھی اٹھائیں گے ہم انہیں دوبارہ مغلوب کر دیں گے' اور وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان اور نفقہ اموال کے بارے میں نہیں' بلکہ یہ آیت اہل بدر کے بارے میں اتری ہے۔ بہر تقدیر یہ آیت عام ہے چاہے کسی بارے میں اتری ہو اور اگرچہ سبب نزول خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اتباع طریق حق سے روکنے کے لئے کفار روپیہ پیسہ خوب خرچ کر رہے ہیں لیکن ان کے یہ اموال ضائع جائیں گے انہیں حسرت و ندامت لاحق ہو گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل کرنا چاہتا ہے خواہ یہ کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا ناصر اپنے کلمہ کو غالب کرنے والا ہے گا۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہو گی اور آخرت میں عذاب دوزخ ہو گا۔ جو زندہ بچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سن لیا کہ کیسی رسوائی سے آخر کار انہیں سابقہ پڑا اور جو مر گیا یا قتل ہو گیا وہ ابدی رسوائی اور سرمدی عذاب سے دوچار ہو گیا۔ قولہ تعالیٰ ﴿ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اہل سعادت کا امتیاز اہل شقاوت سے ہے کہ مومن کافر سے ممتاز ہو جائے اور یہ بھی محتمل ہے کہ امتیاز سے مراد آخرت کا امتیاز ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ "ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرے رہو ہم ان کے درمیان فرق کر دیں گے" اور فرمایا کہ جب قیامت ہو گی تو وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔ اور فرمایا کہ اے مشرکو! اور گناہگارو! آج مومنوں سے الگ تھلگ ہو جاؤ۔ اور اس مطلب کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دنیا میں ہی امتیاز مقصود ہو کہ مومنین کے اعمال جدا اور کافروں کے جدا۔ اور ﴿ لِيَمِيْزَ ﴾ کا لام سببیہ ہو سکتا ہے یعنی گناہ کے طور پر مال خرچ کرنے کے سبب خبیث کو طیب سے اللہ تعالیٰ نے جدا کر دیا۔ یعنی یہ امتیاز کرنے کے لئے کافروں سے لڑنے کے لئے کون اطاعت کرتا ہے اور کون روگردانی کر کے معصیت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "دونوں لشکروں کے تصادم کے وقت جو کچھ تمہیں پہنچا' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تاکہ مومنوں اور کافروں میں تمیز ہو جائے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جارحانہ یا مدافعانہ تو کہتے ہیں کہ اگر اصول جنگ سے ہم واقف ہوتے تو ضرور لڑتے"۔ اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آخر مومنین کو بھی ان کی موجودہ حالت پر کیوں چھوڑے وہ تو امتحان کر کے پرکھنا چاہتا ہے کہ اچھا کون ہے اور برا کون۔ اور امر غیب پر وہ تم کو آگاہ بھی کیوں کرے"۔ اور فرمایا "کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ مجاہدین کے صبر کا اللہ تعالیٰ نے ابھی امتحان نہیں لیا"۔ اس کی نظیر سورہ برائۃ میں بھی ہے۔ چنانچہ معنی یہ ہوئے کہ ہم کفار سے بھڑا کر تمہیں آزمائیں گے وہ تم سے قتال کریں گے تمہارے خلاف اموال صرف کریں گے۔ یہ صرف اس امتیاز کے لئے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے ﴿ رَكَمْ ﴾ کہتے ہیں ایک پر ایک اشیاء کو جمع کرتے جانا' جیسا کہ ابر کے بارے میں فرمایا کہ ﴿ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا ﴾ یعنی تہ بہ تہ بادل ﴿ فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ

الخَاسِرُوْنَ ﴾ پھر وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور بڑے خسارے میں رہیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔ اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

فتنہ کا معنی و مفہوم اور اختتام فتنہ تک جہاد جاری رکھنا: رسول سے خطاب ہو رہا ہے کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ اگر تم کفر و عناد سے باز رہے اور اسلام میں داخل ہو کر طالب مغفرت ہوئے تو زمانہ کفر میں جو کچھ گناہ کیا تھا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اسلام میں آکر نیکوکار رہا تو اس کے جاہلیت کے گناہوں سے بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام میں آنے کے بعد بھی برا رہا تو اس سے ہر دو زمانوں کے اعمال سے متعلق پرسش ہو سکے گی۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کے لئے توبہ ہے۔ اور توبہ بھی تو اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ لیکن اے نبی اکرم ﷺ! اگر یہ اپنی سابقہ چال پر قائم رہے عناد نہ چھوڑا تو کیا وہ نہیں جانتے کہ پہلے کے لوگوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ عناد اور تکذیب کا سابقہ امتوں نے کیا نتیجہ دیکھا تھا۔ یاد رکھو عذاب و عقوبت ہی اس کا علاج ہوگا۔ سنت الاولین سے مجاہدؒ اور سدیؒ یوم بدر مراد لیتے ہیں۔ اور فرمایا "ان سے خوب قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ دب جائے شرک مٹ جائے اور دین اللہ ہی اللہ تعالیٰ کا ہو"۔

ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا' اے ابو عبدالرحمن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اگر مومنین کی دو جماعتیں باہم قتال کریں" تو تم قتال میں کیوں شریک نہیں ہوتے' جب کہ ایسی دو جماعتوں کا قرآن میں ذکر ہے؟ تو ابن عمرؓ نے فرمایا اے بھتیجے شریک جنگ نہ ہونے کا طعن مجھ پر آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کروں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے قتال کرو حتیٰ کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں ہماری یہی کیفیت تھی۔ اسلام میں بہت کم افراد تھے۔ آدمی کی دین کے بارے میں آزمائش ہوتی تھی لوگ یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا قید و بند کی مصیبت میں مبتلا ہوتے تھے اور جب اسلام نے ترقی پالی تو اب یہ فتنہ باقی نہ رہا۔ غرض یہ کہ اس معترض شخص نے ابن عمرؓ سے اپنے موافق بات دیکھی ہی نہیں تو بات کا رخ پھیر کر کہنے لگا کہ علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ بخش دیا اور تم عثمانؓ کی مغفرت کو ناپسند کرتے ہو۔ اور علیؓ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے عم زادے ہیں اور داماد ہیں اور وہ دیکھو وہاں نبی اکرم ﷺ کی بیٹی اور علیؓ کی بیوی رہتی ہیں۔

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ہمارے پاس آئے اور کہا قتال فتنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور فتنہ کس کو کہتے

ہیں۔ نبی اکرم ﷺ مشرکین سے قتال کرتے تھے اور اس وقت فتنہ در آیا ہوا تھا۔ اور تمہارا قتال تو ملک اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ابن زبیرؓ کے فتنے سے متعلق دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا تم جانتے ہو جو کچھ لوگوں کا عمل رہا۔ تم عمرؓ کے بیٹے ہو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو۔ اس فتنہ سے تم کو کس بات نے روکا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام کر دیا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ یا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے نہیں فرمایا ہے کہ فتنہ دب جانے کے لئے قتال کرو تاکہ دین خالص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ تو کہا ہم نے تو فتنہ دبانے کے لئے بہت کچھ قتال کیا ہے حتیٰ کہ فتنہ نہ رہا۔ اور تم مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس لئے قتال کرانا چاہتے ہو کہ فتنہ اور کھڑا ہو جائے اور دین اللہ تعالیٰ کی بجائے غیر اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں تو ایسے آدمی کو بھی قتل نہ کروں گا جو ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کہہ چکا ہو' تو سعد بن مالکؓ نے بھی ایسا ہی کہا۔ تو اس آدمی نے ﴿ قَاتِلُوْهُمْ ﴾ والی آیت پڑھی۔ تو ان دونوں نے کہا کہ فتنہ کو دبانے والا ایسا قتال ہم نے کیا ہے اور فتنہ دب گیا ہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کا ہو گیا ہے۔ ابن عباسؓ فتنہ دب جانے سے شرک کا دب جانا مراد لیتے ہیں ﴿ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ سے مراد خالص توحید ہے جس میں شرک کا لگاؤ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں کسی کو شریک نہ بنایا گیا ہو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دین اسلام ہوتے ہوئے کفر باقی نہ رہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں کافروں سے قتال کرنے پر مامور ہوا ہوں حتیٰ کہ ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کے قائل ہو جائیں۔ اگر وہ قائل ہو گئے تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے ہاں کسی وجہ سے قصاص وغیرہ میں قتل کئے جا سکتے ہیں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اظہار شجاعت میں قتال کیا ہو یا قوم و خاندان کی حمایت یا شہرت و نمود کی خاطر' اس میں کونسا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف وہ قتال جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر فی سبیل اللہ عمل میں آیا ہو۔

قولہ ﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا ﴾ یعنی اگر کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے وہ باز رہے تو تم بھی ان سے ہاتھ روک لو' اس لئے کہ تمہیں ان کے دل کا حال کیا معلوم؟ جو کچھ ان کے دل کا حال ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "اگر انہوں نے توبہ کر لی اور نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے تو پھر ان سے پرسش مناسب نہیں"۔ دوسری جگہ ہے کہ ﴿ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ﴾ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور فرمایا کہ فتنہ دبنے تک ان سے لڑتے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ ہی کا مذہب رائج ہو جائے۔ الزام صرف حد سے تجاوز کرنے والوں پر ہے۔ کہتے ہیں کہ اسامہؓ نے ایک شخص پر تلوار اٹھائی اس نے کہا ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ لیکن اسامہؓ نے تلوار مار دی اور قتل کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کو خبر پہنچی تو فرمایا۔ ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کر دیا اب تم قیامت کے روز ﴿ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کے ساتھ کیا کرو گے؟ تو اسامہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا۔ تو فرمایا کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا۔ پھر آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے کہ اب قیامت کے روز کیا کرو گے۔ اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج تک مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ اسلام کے زعم میں اس کو قتل نہ کر دیتا۔

"اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیر لی تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے' وہ بڑا اچھا مولیٰ ہے اور بڑا اچھا مددگار ہے اور اگر ان کی عادت تمہارے خلاف اور تمہاری محاربت پر قائم رہی تو اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ اور تمہارا ناصر ہے۔ عبدالملک بن مروان نے عروہ کو لکھا اور چند باتیں دریافت کیں' تو عروہ نے یوں جواب لکھ بھیجا' سلام علیک! میں اللہ تعالیٰ واحد کی حمد کرتا ہوں اور پھر میں تمہیں لکھتا ہوں کہ تم نے مجھ سے نبی اکرم ﷺ کے مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کے واقعات پوچھے ہیں۔ تمہیں بتاؤں گا قوت و طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو نبوت عطا فرمائی وہ کیسے اچھے نبی کیسے اچھے سید تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے جنت میں ہمیں ان کا چہرہ دکھائے انہیں کے دین و ملت پر زندہ رکھے اور انہیں کے دین پر مارے اور انہیں کے ساتھ زندہ اٹھائے۔

آپ نے جب ہدایت اور نور کی طرف قوم کو بلایا تو لوگوں نے آپ ﷺ کی تبلیغ کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی۔ حضرت ﷺ کی وحی کو سن بھی لیتے تھے اور جب آپ ﷺ نے ان کے بتوں کا ذکر شروع کیا اور مالدار قریش کے لوگ طائف سے مکے آئے تو ان میں سے اکثر کو یہ تبلیغ بہت ناگوار گزری' آپ ﷺ کی تبلیغ سے بیزار ہوئے جو کوئی مسلمان ہو بھی جاتا تو اس کو بہکانے لگتے۔ چنانچہ مائل ہونے والے عامتہ الناس بھی بے رغبت ہو گئے۔ مگر چند لوگ اپنے مستقل ارادے پر قائم رہے۔ اسلام کی طرف سے ان کے خیالات پراگندہ نہیں ہوئے۔ اب قریش کے سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ اسلام قبول کرنے والوں پر سختی کریں۔ یہ فتنہ ایک زبردست زلزلہ تھا جو اس فتنہ میں پھنس گیا سو پھنس گیا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا تو محفوظ رہا۔ جب مسلمانوں پر یہ قریش بہت ظلم توڑنے لگے تو حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر جائیں' حبش کا بادشاہ ایک مرد صالح تھا جس کا نام نجاشی تھا وہ ظالم بادشاہ نہیں تھا چاروں طرف اس کی تعریف ہوتی تھی۔ سرزمین حبش قریش کی تجارت گاہ تھی اور تجار قریش کے وہاں مکانات تھے جہاں وہ تجارت کر کے بہت رزق پیدا کرتے تھے امن حاصل کرتے تھے اور تجارت خوب چمکی ہوئی تھی۔ حضرت ﷺ نے حکم دیا تو عام مسلمان جن پر مکہ والے زیادہ ظلم توڑ رہے تھے' حبش کی طرف چلے گئے کیونکہ ان کو اپنی جان کا خوف تھا۔ وہ وہاں ہمیشہ کے لئے نہیں ٹھہرے۔ صرف چند سال رہے۔ وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام پھیلایا وہاں کے شرفاء بھی اسلام لائے۔ جب کفار قریش نے یہ رنگ دیکھا کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے وہ حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں اور سرداروں کو اپنا بنا لیتے ہیں تو اب انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ نرم برتاؤ اختیار کریں۔ چنانچہ وہ نبی ﷺ اور اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے لگے چنانچہ پہلی آزمائش مسلمانوں کی تھی جس نے مسلمانوں کو حبش کی طرف بھیجا چنانچہ جب نرمی پیدا ہو گئی اور فتنہ جس کے زلزلوں نے مسلمان صحابہ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے واپس چلے آئیں۔ چنانچہ وہ تھوڑے بہت بھی جو گئے تھے واپس آ گئے۔ اس اثنا میں مدینہ کے انصار مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں بھی اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ ان اہل مدینہ کا مکے آنا جانا شروع ہوا اس سے مکے والے اور بگڑے' مشورہ کیا کہ اب تو ان پر اور سختی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ عام طور پر مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے۔ مسلمان بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے لئے دوسرا فتنہ اور دوسری آزمائش تھی۔ ایک فتنہ تو یہ کہ حبش کی طرف مسلمانوں کو بھاگنا پڑا اور دوسرا فتنہ وہاں سے مسلمانوں کے واپس آنے کے بعد جب کہ اہل مکہ نے دیکھا کہ مدینے سے لوگ آتے جا رہے ہیں اور مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک بار مدینے سے ستر آدمی آئے جو معتبر اور سردار لوگ تھے اور یہ سب مسلمان ہو گئے' حج کیا اور یہ مقام عقبہ حضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم آپ کے ہو رہتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے ہو رہیں گے۔ اگر آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہمارے شہر آئیں یا آپ تشریف لائیں تو ہم آپ ﷺ کی اور اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایسی حمایت کریں گے جیسے کہ اپنی اور اپنے لوگوں کی کرتے ہیں۔ قریش نے اس معاہدہ کو سن کر مزید سختی برتنی شروع کر دی۔ اب حضرت ﷺ نے اصحاب کو حکم دے دیا کہ مدینے کی طرف ہجرت کر جائیں' یہ دوسرا فتنہ تھا جس نے نبی اکرم ﷺ کو اور اصحاب کو مکے سے نکالا۔ اسی چیز کو اللہ پاک نے قرآن میں ظاہر فرمایا ہے کہ ان کافروں سے قتال کرو حتیٰ کہ یہ فتنے ختم ہو جائیں اور دین اللہ تعالیٰ کا ہی کہ چلے۔ عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ یہ خط عروہ نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا' واللہ اعلم۔

الحمدللہ ☆ نواں پارہ ختم ہوا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿41﴾

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور رسول ﷺ کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور راہ چلتے مسافروں کا اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا ہے جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مال غنیمت کی تقسیم اس کے حصے اور اس کے مستحق افراد: اللہ تعالیٰ یہاں مال غنیمت کی تفصیل بیان کرتا ہے جو اس نے خاص طور پر اس امت کے لئے حلال کیا ہے۔ اس سے قبل اگلی امتوں پر یہ حرام تھا۔ غنیمت وہ مال ہے جو کفار پر چڑھائی و حملہ کرنے کے بعد حاصل ہوا ہو۔ اور فی وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے ہاتھ آ جائے۔ مثلاً ان سے صلح کر کے کچھ مال بطور تاوان وصول کیا جائے یا وہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو یا جزیہ یا خراج وغیرہ کا مال ہو۔ امام شافعیؒ اور دیگر علمائے سلف و خلف رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ لیکن بعض علماء غنیمت کا اطلاق "فی" اور فی کا غنیمت پر کرتے ہیں۔ اسی لئے قتادہؒ کا قول ہے کہ اس آیت سے سورۂ حشر کی یہ آیت ﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ ﴾۔ منسوخ ہو گئی ہے۔ اور اس طرح مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے تو مجاہدین کو ملیں گے اور ایک حصہ ان کو ملے گا جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے (یعنی رسول' قرابت دار' یتیم' مساکین اور مسافر لوگ) لیکن یہ قول قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ آیت جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور وہ آیت "بنو نضیر" کے بارے میں اتری ہے اور علماء سیر و مغازی (تاریخ دانوں) میں سے کسی کو بھی اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ قصہ بنو نضیر جنگ بدر کے بعد کا ہے اور نہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہے لیکن جو لوگ فی اور غنیمت میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فی کے بارے میں اتری ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں۔ اور کچھ لوگ فی اور غنیمت کے معاملہ کو امام کی رائے پر موقوف رکھتے ہیں کہ جیسی اس کی مرضی ہو ویسا کرے اس طرح ان دونوں آیات (آیت حشر اور آیت تخمیس) میں تطبیق ہو جاتی ہے' واللہ اعلم۔

آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہیئے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو گو سوئی ہو یا دھاگہ ہی ہو۔ پروردگار عالم فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہوگا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ خمس میں ربانی حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابو العالیہ ریاحیؒ کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ ﷺ پانچ حصے کرتے تھے' چار تو مجاہدین میں تقسیم ہوتے پانچویں میں سے آپ ﷺ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کر دیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ ﷺ کا' ایک قرابت داروں کا' ایک یتیموں کا' ایک مسکینوں کا' ایک مسافروں کا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے حصے کا نام صرف بطور تبرک ہے رسول اللہ ﷺ کے حصے کے بیان کا گویا وہ شروع ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کوئی لشکر بھیجتے اور غنیمت کا مال ملتا تو آپ ﷺ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس یہ فرمان کہ ﴿ انَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ﴾ یہ صرف کلام کے شروع کے لئے ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا ایک ہی حصہ ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے

بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے وادی القریٰ میں آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! غنیمت کے بارے میں آپ ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں۔ حضرت حسنؒ نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر کے کئے جاتے تھے چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے ایک چوتھائی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا پھر یہ حصہ آنحضرت ﷺ کے قرابت داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس میں سے جو کچھ آنحضرت ﷺ لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ وہ آپ ﷺ کے بعد جو بھی آپ ﷺ کا نائب ہو اس کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا ہے اور جو آپ ﷺ کا حصہ تھا وہ آپ ﷺ کی بیویوں کا ہے۔ عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا جو حصہ ہے وہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کا ہے اختیار ہے جس کام میں آپ ﷺ چاہیں لگائیں۔ فقدام بن معدی کرب، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابودرداء، حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان میں رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا ذکر ہونے لگا تو ابودرداءؓ نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہؓ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال اپنی چٹکی میں لے کر فرمایا کہ یہ بال اس اونٹ کے جو مال غنیمت میں سے ہے یہ بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے۔ پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو خیانت نہ کرو، خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کے لئے دونوں جہان میں آگ ہے، قریب والوں سے دور والوں سے راہ اللہ میں جہاد جاری رکھو، شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جہاد کرتے رہو۔ جہاد جنت کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے (مسند امام احمد)۔ یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری روایت میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر مروی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث مروی ہے۔ اس حصے میں سے آنحضرت ﷺ رسول اللہ ﷺ بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرما لیا کرتے تھے لونڈی غلام تلوار گھوڑا وغیرہ۔ جیسے کہ محمد بن سیرینؒ اور عامر شعبیؒ اور اکثر علماء نے فرمایا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن کے نفل میں سے تھی جو حضور اکرم ﷺ کے پاس تھی اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضرت) صفیہ (رضی اللہ عنہا) بھی اسی طرح آئیں تھیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے حضرت یزید بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی وحدت کی اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی (ﷺ) کا حصہ اور خالص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی امن میں ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے؟ اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے۔ پس ان صحیح حدیثوں کی دلالت اور ثبوت اس بات پر ہے اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضور اکرم ﷺ کے خواص میں شمار کیا ہے، صلوات اللہ وسلامہ، علیہ۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے، جیسے کہ مال فے میں اسے اختیار ہے۔ ہمارے شیخ علامہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول حضرت امام مالکؒ کا ہے اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول

ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس جو حضور اکرم ﷺ کا حصہ تھا اسے اب آپ ﷺ کے بعد کیا کیا جائے بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ حضرت قتادہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہو گا۔ اور قول ہے کہ یہ بھی باقی کی اور قسموں پر خرچ ہو گا یعنی قرابت دار' یتیم' مسکین اور مسافر۔ امام ابن جریر کا مختار یہی ہے اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابتداروں کا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے۔ پوچھا گیا کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی ذکر ہے تو امام علیؒ نے فرمایا اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور ہمارے مسکین ہیں۔ امام حسن بن محمد بن حنیفہؒ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے ورنہ دنیا' آخرت کا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر ان دونوں حصوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے بعد کیا ہوا' اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں حضرت ﷺ کا حصہ آپ ﷺ کے خلیفہ کو ملے گا۔ بعض کہتے ہیں آپ ﷺ کے قرابت داروں کو۔ بعض کہتے ہی خلیفہ کے قرابت داروں کو' ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے' اسی طرح خلافت صدیقی و فاروقی میں ہوتا بھی رہا ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ حضور اکرم ﷺ کے اس حصے کو جہاد کے کام میں خرچ کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت علیؓ اس بارے میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ اس بارے میں ان سب سے سخت تھے۔

اکثر علماؒ کا یہی قول ہے۔ ہاں ذی القربیٰ کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا ہے۔ اس لئے کہ اولاد عبدالمطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہیں کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ستائے جانے کی وجہ سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کی حمایت میں تھے ان میں مسلمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے اور ان میں کے کافر خاندانی طرفداری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کر کے۔ ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل یہ بھی گو آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے بلکہ ان کے خلاف تھے انہیں الگ کر چکے تھے اور ان سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے اور تمام قبائل ان کے مخالف ہیں اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قریبی قرابت دار تھے۔ کہا ہے کہ انہیں بہت جلد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا بدلہ ملے' ان بیوقوفوں نے اپنے ہو کر ایک خاندان اور ایک خون کے ہو کر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ۔ ایک موقعہ پر حضرت جبیر بن مطعم ابن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص ابن امیہ بن عبد شمس رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ ﷺ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبدالمطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ آپ ﷺ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب تو بالکل ایک ہی چیز ہیں۔ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے تو مجھ سے نہ کبھی جاہلیت میں جدائی برتی نہ اسلام میں۔ یہ قول تو جمہور علماء کا ہے کہ یہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں' بعض کہتے ہیں یہ صرف بنو ہاشم ہیں مجاہد کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا۔ یہی رسول اللہ ﷺ کے وہ قرابت دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی بن حسینؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سب قریش ہیں۔ ابن عباسؓ سے استفتاء کیا گیا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ آپؓ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں (مسلم وغیرہ) بعض روایتوں میں

صرف پہلا جملہ ہی ہے۔ دوسرے جملے کے راوی ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں۔ اس میں ضعف بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو میں نے منہ پھیر لیا' خمس کا پانچواں حصہ کافی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتلاتے ہیں لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایتیں لاتے ہیں' واللہ اعلم۔

آیت میں یتیموں کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے بے باپ کے بچے۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔ ابن سبیل وہ مسافر ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔ اس کی تفسیر سورۂ براءت کی آیت ﴿ انما الصدقت ﴾ کی تفسیر میں آئے گی' انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی وحی پر ایمان ہے تو جو وہ فرما رہا ہے بجا لاؤ یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ الگ کر دیا کرو۔ بخاری مسلم میں ہے کہ وفد عبدالقیس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی سے ادا کرنا' زکوۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا ۔ پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے پھر اس حدیث کو وارد فرمایا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح بھی کر دیا ہے' وللہ الحمد والمنہ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان و انعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ اپنے دین کو غالب کیا اپنے نبی اکرم ﷺ کی اور آپ ﷺ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا۔ کلمہ ایمان کلمہ کفر پر چھا گیا۔ پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس میں حق و باطل کی تمیز ہو گئی' بہت سے بزرگوں سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے۔ جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی اصحاب رسول ﷺ تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کی تھی' باوجود اس کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ستر سے کچھ اوپر اوپر تو یہ مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو اس لئے کہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا حسن ابن علیؓ فرماتے ہیں لیلۃ الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی رمضان شریف کی سترہویں تھی یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔ غزوے اور سیرت کی کتابوں والوں کے نزدیک صحیح یہی ہے۔ ہاں یزید بن ابو جعفرؒ جو اپنے زمانے کے مصری علاقے کے امام تھے فرماتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا۔ لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے' واللہ اعلم

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے بہت نیچا تھا' اگر تم آپ آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم میں اس وعدے کے بارے میں بہت سے اختلافات پڑتے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا' تاکہ وہ ظاہری طور پر بھی برباد ہو جو دلیل کی رو سے ہلاک ہو چکا ہے اور وہ جی جائے جو دلیل سے جیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

معرکہ بدر قافلہ ابوسفیانؓ اور مقام جنگ کی تفصیل: فرماتا ہے کہ اس دن تم وادی الدنیا میں تھے جو مدینے شریف سے قریب ہے اور مشرک لوگ مکے کی جانب مدینے کی دور کی وادی میں تھے اور ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی اسباب سمیت نیچے کی رخ دریا کی طرف تھا۔ اگر تم اور کفار قریش پہلے سے جنگ کا ارادہ کرتے تو یقیناً تم میں اختلاف پڑتا کہ لڑائی کہاں ہو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا کہ اگر تم لوگ آپس میں طے کر کے جنگ کے لئے تیار ہوئے ہوتے اور پھر تمہیں ان کی کثرت تعداد اور کثرت اسباب معلوم ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ ارادے پست ہو جاتے اس لئے قدرت نے بغیر پہلے طے کئے دونوں جماعتوں کو اچانک ملا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ پورا ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بلندی ہو اور شرک اور مشرکوں کو پستی ہو پس جس کو کرنا تھا اللہ پاک کر گزرا۔ چنانچہ کعب بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور مسلمان تو صرف قافلے کے ارادے سے ہی نکلے تھے اللہ تعالیٰ نے دشمن سے مڈھ بھیڑ کرا دی بغیر کسی تقرر کے اور بغیر کسی جنگی تیاری کے۔ ابوسفیان ملک شام سے قافلے کو لے کر چلا۔ ابو جہل اسے مسلمانوں سے بچانے کے لئے مکے سے نکلا قافلہ اور راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں اور کافروں کی جنگ ہو گئی۔ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے ایک دوسرے کو خصوصاً پانی لانے والوں کو دیکھ کر انہیں ان کا اور انہیں ان کا علم ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ برابر اپنے ارادے سے جا رہے تھے صفراء کے قریب پہنچ کر بسبس بن عمرو اور عدی بن ابوالزغباء جہنی کو ابوسفیان کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا ان دونوں نے بدر کے میدان میں پہنچ کر بطحاء کے ایک ٹیلے پر اپنی سواریاں بٹھائیں اور پانی کے لئے نکلے راستے میں دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا ایک دوسرے سے کہتی ہے تو میرا قرضہ کیوں ادا نہیں کرتی؟ اس نے کہا جلدی نہ کر کل یا پرسوں یہاں قافلہ آنیوالا ہے میں تجھے تیرے حق دیدوں گی۔ مجدیؔ بن عمرو بیچ میں بول اٹھا اور کہا یہ سچ کہتی ہے اسے ان دونوں صحابیوں نے سن لیا اپنے اونٹ کسے اور فوراً خدمت نبویؐ میں جا کر آپؐ کو خبر دی۔ ادھر ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے یہاں اکیلا پہنچا اور مجدی بن عمرو سے کہا کہ اس کنویں پر تم نے کسی کو دیکھا؟ اس نے کہا نہیں البتہ دو سوار آئے تھے اونٹ اس ٹیلے پر بٹھائے اپنی مشک میں پانی بھرا اور چل دیئے۔ یہ سنکر یہ اس جگہ پہنچا مینگنیاں لیں اور انہیں توڑا اور کھجوروں کی گٹھیاں ان میں پا کر کہنے لگا واللہ یہ مدنی لوگ ہیں' وہیں سے واپس اپنے قافلے میں پہنچا اور راستہ بدل کر سمندر کے کنارے چل دیا۔ جب اسے اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنا قاصد قریشیوں کو بھیجا کہ اللہ نے تمہارے قافلے کو اور مال کو اور آدمیوں کو بچا لیا تم لوٹ جاؤ۔ یہ سنکر ابو جہل نے کہا نہیں جب یہاں تک ہم آ چکے ہیں تو بدر تک ضرور جائیں گے' یہاں ایک بازار لگا کرتا تھا' وہاں ہم تین روز ٹھہریں گے وہاں اونٹ ذبح کریں گے' شرابیں پئیں گے' کباب بنائیں گے تا کہ عرب میں ہماری دھوم مچ جائے اور ہر ایک کو ہماری بہادری بے جگری معلوم ہو اور وہ ہمیشہ ہم سے خوف زدہ رہیں لیکن اخنس بن شریق نے کہا کہ بنو زہرہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال محفوظ کر دیئے تم کو چاہئے کہ اب واپس چلے جاؤ۔ اس کے قبیلے نے اس کی مان لی یہ لوگ تو لوٹ گئے اور بنو عدی بھی' بدر کے قریب پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب کو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کو خبر لانے کے لئے بھیجا چند اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ انہیں بنو سعید بن عاص کا اور بنو حجاج کا غلام کنویں پر مل گیا دونوں کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نماز میں تھے۔ صحابہؓ نے ان سے سوال کرنا شروع کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ قریش کے سقے ہیں انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اس لئے انہوں نے ان پر سختی شروع کی آخر گھبرا کر انھوں نے کہہ دیا کہ ہم

ابوسفیان کے قافلے کے ہیں تب انہیں چھوڑا۔ حضور ﷺ نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ سچ بولتے رہے تم انہیں مارتے پیٹتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ کہا تم نے چھوڑ دیا واللہ یہ سچے ہیں یہ قریش کے غلام ہیں۔ ہاں جی بتلاؤ قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وادی قصویٰ کے اس طرف اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تعداد میں کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آخر کتنے ایک؟ انہوں نے کہا تعداد تو ہمیں معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ بتلا سکتے ہو کہ ہر روز کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو وہ نو سو سے ایک ہزار تک ہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ ان میں سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ' ابوالبختری بن ہشام' حکیم بن حزام' نوافل بن خویلد' حارث بن عامر بن نوفل' طعیمہ بن عدی' نضر ابن حارث' زمعہ بن اسود' ابوجہل' امیہ بن خلف' نبیہ بن حجاج' منبہ بن حجاج' سہل بن عمرو' عمرو بن عبدود۔ یہ سنکر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا لو مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف ڈال دیئے ہیں۔

بدر کے دن جب دونوں جماعتوں کا مقابلہ شروع ہونے لگا تو حضرت سعد بن معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنادیں آپ وہاں رہیں ہم اپنے جانوروں کو یہیں بٹھا کر میدان میں جا کودیں اگر فتح ہوئی تو الحمد للہ یہی مطلوب ہے ورنہ آپ ﷺ ہمارے جانوروں پر سوار ہو کر انہیں اپنے ساتھ لے کر ہماری قوم کے ان حضرات کے پاس چلے جائیں جو مدینہ شریف میں ہیں وہ ہم سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں انہیں معلوم نہ تھا کہ کوئی جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے آپ کی مدد کے لئے آپ کے ہم رکاب نکل کھڑے ہوتے۔ حضور ﷺ نے ان کے اس مشورے کی قدر کی انہیں دعا دی اور اس ڈیرے میں آپ ﷺ ٹھہر گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکرؓ ہی تھے اور کوئی نہ تھا۔ صبح ہوتے ہی قریشوں کے لشکر ٹیلے کے پیچھے سے آتے ہوئے نمودار ہوئے انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے جناب باری میں دعا کی کہ باری تعالیٰ یہ فخر وغرور کے ساتھ تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آرہے ہیں باری تعالیٰ توانہیں پست وذلیل کر۔ اس آیت کے آخری جملے کی تفسیر سیرۃ ابن اسحاق میں یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ کفر کرنے والے دلیل الٰہی دیکھ لیں گو کفر پر رہیں اور ایمان والے بھی دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی بغیر آمادگی اور بغیر شرط قرارداد کے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مشرکوں کی یہاں اچانک مڈبھیڑ کرادی کہ حقانیت کو باطل پر غلبہ دیکر حق کو بالکل ظاہر کردے اس طرح کہ کسی کو شک شبہ باقی نہ رہے۔ اب جو کفر پر رہے وہ بھی کفر کو کفر سمجھ کر رہے اور جو ایمان والا ہو جائے وہ دلیل دیکھ کر ایماندار بنے' ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے جیسے فرمان قرآن ہے ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ﴾ وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے جلادیا اور اس کے لئے نور بنادیا کہ اس روشنی میں وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ تہمت کے قصے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا' یعنی بہتان میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تضرع وزاری اور تمہاری دعا۔ استغفار اور فریاد و مناجات کے سننے والا ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ تم اہل حق ہو تم مستحق امداد ہو تم اس قابل ہو کہ تمہیں کافروں اور مشرکوں پر غلبہ دیا جائے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ

مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴

جبکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی' اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا' وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے۔ جبکہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تمہاری نگاہوں میں بہت کم دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں کم دکھائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچادے جو کرنا ہی تھا' سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

جنگ بدر میں مسلمانوں اور کافروں کو تعداد: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں مشرکوں کی تعداد بہت کم دکھائی' آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے ذکر کیا یہ چیز ان کی ثابت قدمی کا باعث بن گئی۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی آنکھوں سے ان کی تعداد کم دکھائی جن آنکھوں سے آپ ﷺ سوتے تھے۔ لیکن یہ قول غریب ہے جب قرآن میں ﴿منام﴾ کے لفظ ہیں تو اس کی تاویل بلا دلیل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ممکن تھا کہ ان کی تعداد کی زیادتی دلوں میں رعب بٹھادے اور آپس میں اختلاف شروع ہو جائے کہ آیا ان سے لڑیں یا نہ لڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ہی بچالیا اور ان کی تعداد کم کر کے دکھائی۔ اللہ پاک دلوں کے بھید سے سینے کے راز سے واقف ہے آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔ خواب میں تعداد کم دکھا کر پھر یہ بھی مہربانی فرمائی کہ بوقت جنگ بھی مسلمانوں کی نگاہوں اور جانچ میں وہ بہت ہی کم آئے تاکہ مسلمان دلیر ہو جائیں اور انہیں کوئی چیز نہ سمجھیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے تو اندازہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر کے قریب ہوں گے۔ اس نے پورا اندازہ کر کے کہا نہیں نہیں کوئی ایک سو ہیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص ہمارے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ اس سے ہم نے پوچھا کہ تم کتنے ہو؟ اس نے کہا ایک ہزار کا یہ لشکر ہے۔ پھر اسی طرح کافروں کی نظروں میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی۔ اب تو وہ ان پر اور یہ ان پر کود پڑے۔ تاکہ رب کا کام جس کا کرنا وہ اپنے علم میں مقرر کر چکا تھا پورا ہو جائے کافروں پر اپنی پکڑ اور مومنوں پر اپنی رحمت نازل فرمادے۔ پس جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی یہی کیفیت دونوں جانب رہی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے بندوں کی مدد فرمائی مسلمانوں کا جتھا بڑھ گیا اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا۔ چنانچہ اب تو کافروں کو مسلمان اپنے سے دگنے نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے موحدوں کی مدد کی اور آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا خزانہ کھول دیا۔ جیسے کہ آیت ﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ ﴾ ۔ میں بیان ہوا ہے۔ پس دونوں آیتیں ایک سی ہیں۔ کم نظر آتے تھے جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی۔ شروع ہوتے ہی مسلمان دگنے دکھائی دینے لگے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶

اے ایمان والو جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو' یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آداب جنگ بدر، ثابت قدمی ذکر الٰہی اطاعت رسول اور صبر: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو لڑائی کی کامیابی کی تدبیر اور دشمن کے مقابلے کے وقت کی شجاعت سکھا رہا ہے۔ ایک غزوے میں رسول مقبول ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا لوگو! دشمن سے بھڑ جانے کی تمنا نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو لیکن جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو استقلال رکھو اور یقین مانو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے سچی کتاب کے نازل فرمانے والے! اے بادلوں کے چلانے والے! اور لشکروں کو شکست دینے والے اللہ تعالیٰ! ان کافروں کو شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما (بخاری و مسلم)۔ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ دشمن کے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ گو وہ چیخیں چلائیں لیکن تم خاموش رہا کرو۔ طبرانی میں ہے تین وقتوں میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی پسند ہے تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازے کے وقت۔ اور حدیث میں ہے میرا کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے مقابلے کے وقت بھی میرا ذکر کرتا رہے یعنی اس حال میں بھی میرے ذکر کو، مجھ سے دعا کرنے کو اور مجھ سے فریاد کرنے کو ترک نہ کرے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں پوری مشغولی کے وقت یعنی جب تلوار چلتی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرض رکھا ہے۔ حضرت عطاءؒ کا قول ہے کہ چپ رہنا اور ذکر اللہ کرنا لڑائی کے وقت بھی واجب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی تو جریجؒ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بلند آواز سے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کعب احبار فرماتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی چیز نہیں۔ اسی میں بھی اولیٰ وہ ہے جس کا حکم لوگوں کو نماز میں کیا گیا ہے۔ اور جہاد میں کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بوقت جہاد بھی اپنے ذکر کا حکم فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔ شاعر کہتا ہے کہ عین جنگ وجدال کے وقت بھی میرے دل میں تیری یاد ہوتی ہے۔ عنترہ کہتا ہے نیزوں اور تلواروں کے شپاشپ چلتے ہوئے بھی میں تجھے یاد کرتا رہتا ہوں۔ پس آیت میں جناب باری تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور صبر وسہار کرنے کا حکم دیا کہ نامردی بزدلی بھاگڑ اور ڈرپوکی نہ برتو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اسے نہ بھولو اس سے فریاد کرو اس سے دعائیں کرو اسی پر بھروسہ رکھو اس سے مدد طلب کرو۔ یہی کامیابی کے گر ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دو وہ جو فرمائیں بجالاؤ جن سے روکیں رک جاؤ آپس میں جھگڑے اور اختلاف نہ پھیلاؤ ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے بزدلی جم جائے گی ہوا اکھڑ جائے گی۔ قوت اور تیزی جاتی رہے گی اقبال وترقی رک جائے گی۔ دیکھو صبر کا دامن نہ چھوڑو اور یقین رکھو کہ صابروں کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ ان احکام میں ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال اگلوں میں بھی نہیں پچھلے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ یہی شجاعت یہی اطاعت رسول ﷺ یہی صبر واستقلال تھا جس کے باعث مدد رب شامل حال رہی اور بہت ہی کم مدت میں باوجود تعداد اور اسباب کی کمی کے مشرق ومغرب کو فتح کر لیا نہ صرف لوگوں کے ملکوں ہی کے مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیا۔ رومیوں اور فارسیوں کو ترکوں اور صقالبہ کو بربریوں اور حبشیوں کو سوڈانیوں اور قبطیوں کو غرض دنیا کے کل گوروں کالوں کو دبا لیا اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کیا دین حق کو پھیلا دیا اور اسلامی حکومت کو دنیا کے کونے کونے میں جما دیا۔

اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے اور انہیں بھی خوش رکھے خیال تو کرو کہ تیس سال میں دنیا کا نقشہ بدل دیا تاریخ کا ورق پلٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی انہیں کی جماعت میں حشر کرے وہ کریم وہ وہاب ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ
نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ
اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾

ان لوگوں جیسے نہ بنو جو حق کو دھکا دینے اور لوگوں میں خود نمائی کرنے کے لئے اپنے شہروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے' جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے گھیر لینے والا ہے۔ جبکہ ان کے اعمال شیطان انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا' میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئی تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں' میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے' میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں' اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ جب کہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا کہ انہیں تو ان کے دین نے مست بنا دیا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ بلاشک و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔

غزوہ بدر میں ابلیس لعین کی شمولیت اور فرار: جہاد میں ثابت قدمی نیک نیتی ذکر اللہ تعالیٰ کی کثرت کی نصیحت فرما کر مشرکین کی مشابہت سے روک رہا ہے کہ جیسے وہ حق کو مٹانے اور لوگوں میں اپنی بہادری دکھانے کے لئے فخر، غرور کے ساتھ اپنے شہروں سے چلے تم ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ ابو جہل سے جب کہا گیا کہ قافلہ تو بچ گیا اب لوٹ کر واپس چلنا چاہئے تو اس ملعون نے جواب دیا کہ واہ کس کا لوٹنا بدر کے پانی پر جا کر پڑاؤ کریں گے وہاں شرابیں اڑائیں گے کباب کھائیں گے گانا سنیں گے' تاکہ لوگوں میں شہرت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے قربان جایئے ان کے ارمان قدرت نے پلٹ دیئے یہیں ان کی لاشیں گریں اور یہیں کے گڑھوں میں ذلت سے ساتھ ٹھوس دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال گھیر لینے والا ہے ان کے ارادے اس پر کھلے ہیں اسی لئے انہیں برے وقت سے پالا پڑا۔ پس یہ مشرکین کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ رسولوں کے سرتاج سے بدر میں لڑنے چلے تھے ان کی گانے والیاں بھی تھیں باجے گاجے بھی تھے شیطان لعین ان کا پشت پناہ بنا ہوا تھا انہیں پھسلا رہا تھا ان کے کام کو خوبصورت بھلا دکھلا رہا تھا ان کے کانوں میں پھونک رہا تھا کہ بھلا تمہیں کون ہرا سکتا ہے۔ ان کے دل سے بنو بکر کا مکے پر چڑھائی کرنے کا خوف نکال رہا تھا اور سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہہ رہا تھا کہ میں تو اس علاقے کا سردار ہوں بنو مدلج سب میرے تابع ہیں میں تمہارا حمایتی ہوں بے فکر رہو۔ شیطان کا کام بھی یہی ہے کہ جھوٹے وعدے دے' نہ ہوتی امیدیں دلائے اور دھوکے کے جال میں پھنسائے۔ بدر والے دن یہ اپنے جھنڈے اور اپنے لشکر کو لے کر مشرکوں کے ساتھ ہوا۔ ان کے دلوں میں ڈالتا رہا کہ بس تم بازی لے گئے میں تمہارا مددگار ہوں۔ لیکن جب مسلمانوں سے مقابلہ شروع ہوا اور اس خبیث کی نظریں فرشتوں پر پڑیں تو پچھلے پیروں بھاگا اور کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جس سے تمہاری آنکھیں اندھی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ ابن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے ہمت دلائی۔ جب میدان جنگ میں صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری اس سے ان کے تو قدم اکھڑ گئے۔ اور ان میں بھگدڑ مچ گئی حضرت جبرائیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا آپ علیہ السلام کو دیکھتے ہی

اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے حمایتی ہو پھر یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا آدمی ہوں' اللہ تعالیٰ کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ اسے پیٹھ پھیرتا دیکھ کر حارث بن ہشام نے پکڑ لیا اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر پڑا تو اوروں نے کہا کہ سراقہ تو اس حال میں ہمیں ذلیل کرتا ہے اور ایسے وقت ہمیں دھوکہ دیتا ہے۔ وہ کہنے لگا ہاں ہاں میں تم سے بری الذمہ اور بے تعلق ہوں میں انہیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر تھوڑی سی دیر کے لئے ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہو گئی پھر ہوشیار ہو کر فرمانے لگے صحابیو! خوش ہو جاؤ یہ ہیں تمہاری دائیں جانب حضرت جبرئیل (علیہ السلام) اور یہ ہیں تمہاری بائیں طرف (حضرت) میکائیل (علیہ السلام) اور یہ ہیں (حضرت) اسرافیل (علیہ السلام) تینوں مع اپنی فوجوں کے آموجود ہوئے ہیں۔ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی صورت میں مشرکوں میں تھا ان کے دل بڑھا رہا تھا اور ان میں پیشین گوئیاں کر رہا تھا کہ بے فکر رہو آج تمہیں کوئی بھی ہرا نہیں سکتا۔ لیکن فرشتوں کے لشکر دیکھتے ہی اس نے تو منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں تم سے بری ہوں میں انہیں دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نگاہ میں نہیں آتے۔ حارث بن ہشام چونکہ اسے سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھا اس لئے اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اس نے اس کے سینے میں اس زور سے گھونسہ مارا کہ یہ تو منہ کے بل گر پڑا اور شیطان بھاگ گیا سمندر میں کود پڑا اور اپنا کپڑا اونچا کر کے کہنے لگا اللہ میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ طبرانی میں حضرت رفاعہ بن رافع ؓ سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر ؒ کہتے ہیں جب قریشیوں نے مکے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو انہیں بنی بکر کی جنگ یاد آ گئی اور خیال کیا کہ ایسا نہ ہو ہماری عدم موجودگی میں یہاں چڑھ دوڑیں۔ قریب تھا کہ وہ اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائیں اسی وقت ابلیس لعین سراقہ کی صورت میں ان کے پاس آیا یہ بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا کہنے لگا اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں تم ان سے بے کھٹکے رہو اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے پورے تیار ہو کر جب جاؤ۔ خود بھی ان کے ساتھ چلا ہر منزل میں یہ اسے دیکھتے تھے۔ سب کو یقین تھا کہ سراقہ خود ہمارے ساتھ ہے یہاں تک کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ اس وقت یہ مردود دم دبا کر بھاگا۔ حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے جاتے دیکھ لیا۔ اس نے شور مچا دیا کہ سراقہ کہاں بھاگا جا رہا ہے۔ شیطان انہیں موت اور دوزخ کے منہ میں دھکیل کر خود فرار ہو گیا۔ کیونکہ اس نے ربانی لشکر مسلمانوں کی امداد کے لئے آتے ہوئے دیکھ لئے تھے صاف کہہ دیا کہ میں تم سے بری ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اس بات میں تھا بھی وہ سچا۔

پھر کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں' اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت اور بھاری ہیں۔ اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اترتے دیکھ لیا تھا سمجھ گیا تھا کہ ان کے مقابلے کی مجھ میں یا مشرکوں میں طاقت نہیں۔ وہ اپنے اس قول میں تو جھوٹا تھا کہ میں خوف رب کرتا ہوں یہ تو صرف اس کی زبانی بات تھی دراصل وہ اپنے میں طاقت ہی نہیں پاتا تھا۔ یہی اس دشمن رب کی عادت ہے کہ بھڑکاتا اور بہکاتا ہے حق کے مقابلے میں لا کھڑا کر دیتا ہے پھر روپوش ہو جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے شیطان انسان کو کفر کا حکم دیتا ہے پھر جب وہ کفر کر چکتا ہے تو یہ کہنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ اور آیت میں ہے کہ جب کام نمٹ جاتا ہے تو یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں میں خود جھوٹا میرے وعدے بھی سراسر جھوٹے میرا تم پر کوئی زور دعویٰ تو تھا ہی نہیں تم نے تو آپ میری آرزو پر گردن جھکا دی اب مجھے سرزنش نہ کرو خود اپنے تئیں ملامت کرو نہ میں تمہیں بچا سکوں نہ تم میرے کام آ سکو اس سے پہلے جو تم مجھے شریک رب بنا رہے تھے میں تو آج اس کا بھی انکاری ہوں۔ یقین مانو کہ ظالموں کیلئے دکھ کی مار ہے۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ؓ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں آج بھی ہوتیں تو میں تمہیں بدر کے میدان میں وہ گھاٹی دکھا دیتا جہاں سے فرشتے آتے تھے بے شک و شبہ مجھے وہ معلوم ہے انہیں ابلیس نے دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔ یہ لوگوں

کے پاس ان کے جان پہچان کے آدمیوں کی شکل میں آتے اور کہتے خوش ہو جاؤ یہ کافر بھی کوئی چیز ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے بے خوفی کے ساتھ شیر کا سا حملہ کر دو۔ ابلیس یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب تک وہ سراقہ کی شکل میں کفار میں موجود تھا۔ ابو جہل نے یہ حال دیکھ کر اپنے لشکروں میں گشت شروع کیا کہہ رہا تھا کہ گھبراؤ نہیں اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے دل تنگ نہ ہو جاؤ۔ یہ تو محمد (ﷺ) کی طرف سے سکھا پڑھا آیا تھا کہ تمہیں عین موقعہ پر بزدل کر دے کوئی گھبرانے کی بات نہیں لات و عزیٰ کی قسم آج ان مسلمانوں کو ان کے نبی سمیت گرفتار کر لیں گے نامردی نہ کرو دل بڑھاؤ اور سخت حملہ کرو دیکھو خبردار انہیں قتل نہ کرنا زندہ پکڑنا تاکہ انہیں دل کھول کر سزا دیں۔ یہ بھی اپنے زمانے کا فرعون ہی تھا اس نے بھی جادوگروں کے ایمان لانے پر کہا تھا کہ یہ تو صرف تمہارا ایک مکر ہے کہ یہاں سے تم ہمیں نکال دو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جادوگروں یہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا استاد ہے حالانکہ یہ محض اس کا فریب تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں عرفہ کے دن جس قدر ابلیس حقیر ذلیل رسوا اور درماندہ ہوتا ہے اتنا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام معافی اور عام رحمت اترتی ہے ہر ایک کے گناہ عموماً معاف ہو جاتے ہیں' ہاں بدر کے دن کی اس کی ذلت و رسوائی کی کچھ نہ پوچھو جبکہ اس نے دیکھا کہ فرشتوں کی فوجیں جبرئیل علیہ السلام کی ماتحتی میں آ رہی ہیں۔ جب دونوں فوجیں صف بندی کر کے آمنے سامنے آ گئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے مسلمان کافروں کو بہت کم نظر آنے لگے اور کافر مسلمانوں کی نگاہوں میں کم جچنے لگے اس پر کافروں نے قہقہہ لگایا کہ دیکھو مسلمان کیسے مذہبی دیوانے ہیں مٹھی بھر آدمی ہم ایک بڑا کے لشکر سے ٹکرا رہے ہیں ابھی ایک ہی دم میں ان کا چورا ہو جائے گا پہلے ہی حملے میں وہ چوٹ کھائیں گے کہ سر سہلاتے رہ جائیں۔ اللہ رب العالمین فرماتا ہے انہیں نہیں معلوم کہ یہ متوکلین کا گروہ ہے ان کا بھروسہ اس پر ہے جو غلبہ کا مالک ہے جو حکمت کا مالک ہے۔ اللہ کے دین کی سختی مسلمانوں میں محسوس کر کے ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ انہیں مذہبی دیوانگی ہے۔ دشمن رب ابو جہل ملعون ٹیلے پر سے جھانک کر اللہ والوں کی کمی اور بے سر و سامانی دیکھ کر گدھے کی طرح پھول گیا اور کہنے لگا لو پالا مار لیا ہے بس آج سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں سے زمین خالی نظر آئے گی ابھی ہم ان میں سے ایک ایک کے دو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے دین میں طعنہ دینے والے مدنے منافق تھے۔ عامر کہتے ہیں یہ چند لوگ تھے جو زبانی مسلمان ہوئے تھے لیکن آج بدر کے میدان میں مشرکوں کے ساتھ تھے انہیں مسلمانوں کی کمی اور کمزوری دیکھ کر تعجب معلوم ہوا اور کہا کہ یہ لوگ تو مذہبی فریب خوردہ ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں یہ قریش کی ایک جماعت تھی قیس ابن ولید بن مغیرہ اور ابو قیس بن فاکہ بن مغیرہ اور حارث بن زمعہ ابن اسود بن عبد المطلب اور علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج" یہ قریش کے ساتھ تھے لیکن تھے یہ شک میں اور اسی میں رکے ہوئے تھے یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے یہ لوگ تو صرف مذہبی مجنون ہیں ورنہ مٹھی بھر بے رسد اور بے ہتھیار آدمی اتنی ٹڈی دل شوکت و شان والی فوجوں کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے؟ حسن فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بدر کی لڑائی میں نہیں آئے تھے ان کا نام منافق رکھ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ قوم اسلام کی اقراری تھی لیکن مشرکوں کی رو میں بہہ کر یہاں چلی آئی یہاں آ کر مسلمانوں کا کمزور جتھا دیکھ کر انہوں نے یہ کہا۔ جناب باری جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو اس مالک الملک پر بھروسہ کرے اسے ذی عزت کر دیتا ہے۔ کیونکہ عزت اس کی لونڈی ہے اور غلبہ اس کا غلام ہے وہ بلند جناب ہے وہ بڑا ذی شان ہے وہ سچا سلطان ہے وہ حکیم ہے اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو اس کی ٹھیک جگہ رکھتا ہے۔ مستحقین امداد کی وہ مدد فرماتا ہے اور مستحقین ذلت کو وہ ذلیل کرتا ہے وہ سب کو خوب جانتا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۙ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَٰرَهُمْ ۚ وَذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّٰمٍ

لِلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾

کاش کہ تو دیکھتا جبکہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور کمروں پر مار مارتے ہیں تم جلنے کا عذاب چکھو یہ سب ان کاموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے ہی بھیج رکھا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

کفار پر حالت نزع میں فرشتوں کی سختی: کاش کہ تو اے پیغمبر! دیکھتا کہ فرشتے کس بری طرح کافروں کی روح قبض کرتے ہیں وہ اس وقت ان کے چہروں پر اور کمروں پر مار مارتے ہیں اور کہتے ہیں آگ کا عذاب اپنی بد اعمالیوں کے بدلے چکھو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کے دن کا ہے کہ سامنے سے ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب بھاگتے تھے تو پیٹھ پر وار پڑتے تھے۔ فرشتے ان کا خوب گھڑ متا بنا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے سے نشان دیکھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت بدر کے ساتھ مخصوص تو نہیں الفاظ عام ہیں ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ سورۂ قتال میں بھی اس بات کا بیان ہوا ہے اور سورۂ انعام کی آیت ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ﴾ میں بھی اس کا بیان مع تفسیر گزر چکا ہے۔ چونکہ یہ نافرمان لوگ تھے ان کی موت کے وقت فرشتوں کے ہاتھ ان کی جانب بڑھے ہوئے ہوتے ہیں وہ انہیں خوب مار مارتے ہیں ان کی روحیں اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے بدن میں چھپتی پھرتی ہیں جنہیں فرشتے جبراً نکالتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تیرے لئے غضب رب ہے اور عذاب الٰہی ہے جیسے کہ حضرت براءؓ کی حدیث میں ہے کہ اس بری حالت میں سکرات موت کے وقت جب کہ کافر کے پاس ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں تو فرماتے ہیں اے خبیث روح چل گرم ہواؤں اور گرم پانی اور گرم سائے کی طرف۔ پس وہ روح بدن میں چھپتی پھرتی ہے آخر اسے جبراً گھسیٹا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے اس کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجاتے ہیں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں اب جلنے کا مزہ چکھو۔ یہ تمہاری دنیوی بد اعمالی کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں وہ تو عادل حاکم ہے برکت، بلندی، غنا اور پاکیزگی والا بزرگ اور تعریفوں والا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے پس آپس میں کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے۔ میرے بندو! میں تو صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال ہی کو گھیرے ہوئے ہوں بھلائی پا کر میری تعریفیں کرو اور اس کے سوا کچھ اور دیکھو تو اپنے تئیں ہی ملامت کرو۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾

مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے اگلوں کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔

لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں: ان کافروں نے بھی تیرے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے کے کافروں نے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا پس ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کیا جو ہم نے ان سے اگلوں کے ساتھ کیا تھا جو ان ہی جیسے تھے۔ مثلاً فرعونی اور ان سے پہلے کے لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہ مانا جس کے باعث اللہ تعالیٰ کی پکڑ ان پر آگئی۔ تمام قوتیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدلیں جو کہ ان کی اپنی تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ مثل حالت فرعونیوں کے اور ان کے پہلے کے لوگوں کے کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا یہ سارے ستم گار تھے۔

گناہوں کی وجہ سے نعمتیں بھی چھن جاتی ہیں: اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں گناہوں سے پہلے نہیں چھینتا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی ان باتوں کو نہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہیں۔ جب وہ کسی قوم کی برائیوں کی وجہ سے انہیں برائی پہنچانا چاہتا ہے پھر اس کے ارادے کو کوئی لوٹا نہیں سکتا نہ اس کے پاس کوئی حمایتی کھڑا ہو سکتا ہے۔ تم دیکھ لو کہ فرعونیوں کے اور ان جیسے ان سے آگے والوں کے ساتھ بھی یہی ہوا انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں دیں وہ سیاہ کاریوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دیئے ہوئے باغات چشمے کھیتیاں خزانے محلات اور نعمتیں جن میں وہ بدمست ہو رہے تھے سب چھین لیں۔ اس بارے میں انہوں نے اپنا برا آپ کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

تمام جانداروں سے بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں پھر وہ ایمان نہ لائیں۔ جن سے تو نے عہد و پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے، پس جب کبھی تو لڑائی میں ان پر غالب آ جائے انہیں ایسی مار مار کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

وعدہ خلاف کافروں کو عبرت ناک سزا دو: زمین پر جتنے بھی چلتے پھرتے ہیں ان سب سے بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے ایمان کافر ہیں۔ جو عہد کر کے توڑ دیتے ہیں۔ ادھر قول قرار کیا ادھر پھر گئے۔ ادھر قسمیں کھائیں ادھر توڑ دیں نہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہ گناہ کا کھٹکا۔ پس جب تو ان پر لڑائی میں غالب آ جائے تو ایسی سزا دے کہ بعد والوں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ وہ بھی خوف زدہ ہو جائیں تو ممکن ہے کہ اپنے ایسے کرتوت سے باز رہیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے' اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

خیانت اور وعدہ خلافی قابل مذمت ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی (ﷺ)! اگر کسی سے تمہارا عہد و پیمان ہوا ہو اور تمہیں خوف ہو کہ یہ بد عہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ برابر کی حالت میں عہد نامہ توڑ دو اور انہیں اطلاع کر دو تاکہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں۔ کچھ دن پہلے ہی سے انہیں خبر کر دو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کو ناپسند فرماتا ہے کافروں سے بھی خیانت تم نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر معاویہ ؓ نے لشکروں کو سرحد روم کی طرف بڑھانا شروع کیا کہ مدت صلح ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں تو ایک شیخ اپنی سواری پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے' اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے وعدہ وفائی کرو غدر درست نہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے عہد و پیمان ہو جائیں تو نہ کوئی گرہ کھولو نہ باندھو جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے یا انہیں اطلاع دے کر عہد نامہ چاک نہ ہو جائے۔ جب یہ بات حضرت معاویہ ؓ کو پہنچی آپ ؓ نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ تھے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت سلیمان فارسی نے ایک شہر کے قلعے کے پاس پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم مجھے بلاؤ میں تمہیں بلاؤں گا جیسے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو انہیں بلاتے دیکھا ہے۔ پھر فرمایا میں بھی انہیں میں سے ایک شخص تھا پس مجھے اللہ تعالیٰ عزوجل نے اسلام کی ہدایت کی اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو جو ہمارا حق ہے وہی تمہارا حق ہو گا اور جو ہم پر ہے تم پر بھی وہی ہو گا اور اگر تم اسے نہیں مانتے تو ذلت کے ساتھ تمہیں جزیہ دینا ہو گا اسے بھی قبول نہ کرو تو ہم تمہیں ابھی سے مطلع کرتے ہیں جب کہ ہم تم برابر کی حالت میں ہیں' اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا۔ تین دن تک انہیں اسی طرح دعوت دی آخر چوتھے روز صبح ہی صبح حملہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور مدد فرمائی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے' یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی' جنہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ انہیں خوب جان رہا ہے' جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔

آلات حرب ہر وقت تیار رکھنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہم سے بھاگ نکلے ہم ان کی پکڑ پر قادر نہیں۔ بلکہ وہ ہر وقت ہمارے قبضے و قدرت میں ہیں وہ ہمیں ہرا نہیں سکتے۔ اور آیت میں ہے برائیاں کرنے والے ہم سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ فرماتا ہے کافر ہمیں یہاں ہرا نہیں سکتے وہاں ان کا ٹھکانا آگ ہے جو بدترین جگہ ہے۔ اور فرمان ہے کافروں کا شہروں میں آنا جانا چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے یہ تو یونہی سی پونجی ہے' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو برا بستر ہے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی طاقت و امکان کے مطابق ان کفار کے مقابلے کے لئے ہر وقت مستعد رہو جو قوت طاقت جو گھوڑے لشکر رکھ سکتے ہو موجود رکھو۔ مسند میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی اور دو مرتبہ یہی فرمایا' فرماتے ہیں تیر اندازی کیا کرو

سواری کیا کرو اور تیر اندازی گھوڑا سواری سے بہتر ہے۔ فرماتے ہیں گھوڑوں کے پالنے والے تین قسم کے ہیں' ایک تو اجر و ثواب پانے والے' ایک نہ تو ثواب نہ عذاب ایک عذاب بھگتنے والے۔ جو جہاد کے ارادے سے پالے اس کا گھوڑا تو چرے چگے چلے پھرے جو کرے اس پر ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی رسی توڑ کر کہیں بھاگ جائے تو بھی اس کے نشانات قدم اور اس کی لید پر بھی اسے نیکیاں ملتی ہیں کسی نہر پر گزرتے ہوئے وہ پانی پی لے گو مجاہد نے پلانے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تو ہم سے نیکیاں ملتی ہیں۔ پس یہ گھوڑا تو اس کے پالنے والے کے لئے بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے اور جس شخص نے گھوڑا پالا کہ وہ دوسروں سے بے پرواہ ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کا حق بھی اس کی گردن اور اس کی سواری میں نہ بھولا یہ اس کے لئے پردہ ہے یعنی نہ اسے اجر نہ اسے گناہ' تیسرا وہ شخص جس نے فخر و ریا کے طور پر پالا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے وہ اس کے ذمہ وبال ہے اور اس کی گردن پر بوجھ ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کے بارے میں کوئی آیت تو اتری نہیں ہاں یہ جامع عام آیت موجود ہے کہ جو شخص ایک ذرے کے برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرے کے برابر بھی برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں گھوڑے تین طرح کے ہیں۔ رحمن کے' شیطان کے اور انسان کے۔ اس میں ہے کہ شیطانی گھوڑے وہ ہیں جو گھڑ دوڑ کی شرطیں لگانے اور جوئے بازی کرنے کے لئے ہوں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ تیر اندازی گھوڑا سواری سے افضل ہے' امام مالک اس کے خلاف ہیں لیکن جمہور کا قول قوی ہے کیونکہ حدیث میں بھی آ چکا ہے۔ حضرت معاویہ بن خدیج' حضرت ابوذر کے پاس گئے اس وقت وہ اپنے گھوڑے کی خدمت کر رہے تھے پوچھا تمہیں یہ گھوڑا کیا کام آتا ہے؟ فرمایا میرا خیال ہے کہ اس جانور کی دعا میرے حق میں قبول ہو گئی ہے۔ کہا جانور اور دعا؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کی قسم گھوڑا ہر صبح دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے مجھے اپنے بندوں میں سے ایک کے حوالے کیا ہے تو تو مجھے اس کی تمام اہل سے اور مال سے اور اولاد سے زیادہ بنا کر اس کے پاس رکھ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر عربی گھوڑے کو ہر صبح دو دعائیں کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے گھوڑوں والے اللہ کی مدد میں ہیں اسے نیک نیتی سے جہاد کے ارادے سے پالنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص ہر وقت ہاتھ بڑھا کر خیرات کرتا رہے۔ اور بھی حدیثیں اس بارے میں بہت سی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں بھلائی کی تفصیل ہے کہ اجر اور غنیمت۔

فرماتا ہے اس سے تمہارے دشمن خوف زدہ اور ہیبت خوردہ رہیں گے ان ظاہری مقابلے کے دشمنوں کے علاوہ اور دشمن بھی ہیں یعنی بنو قریظہ' فارس' اور محلوں کے شیاطین ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں۔ ایک منکر حدیث میں ہے جس گھر میں کوئی آزاد گھوڑا ہو وہ گھر کبھی بدنصیب نہیں ہو گا' لیکن اس روایت کی نہ تو سند ٹھیک ہے نہ یہ صحیح ہے۔ اور اس سے مراد منافقت بھی لی گئی ہے اور یہی قول زیادہ مناسب بھی ہے جیسے فرمان رب ہے ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ ﴾۔ تمہارے چاروں طرف دیہاتی اور مدنی منافق ہیں جنہیں تم نہیں جانتے لیکن ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ جہاد میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ پاؤ گے۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک درہم کا ثواب سات سو گنا کر کے ملے گا۔ جیسے کہ آیت ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ﴾۔ میں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو رسول اللہ ﷺ صرف مسلمانوں کو ہی خیرات صدقات دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ ﴾۔ اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی دین کا ہو جو بھی سوال کرے اس کے ساتھ سلوک کرو۔ یہ روایت غریب ہے اور یہ ابن ابی حاتم میں ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ' یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے۔ اگر وہ تجھ سے دغا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ تجھے کافی ہے اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔ ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے وہ عزتوں حکمتوں والا ہے۔

کافروں سے بوقت ضرورت صلح کا حکم: فرمان ہے کہ جب کسی قوم کی خیانت کا خوف ہو تو برابری سے آگاہ کر کے عہد نامہ چاک کر ڈالو لڑائی کی اطلاع کر دو اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دو اور اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو تم پھر صلح و صفائی کر لو۔ اسی آیت کی تعمیل میں حدیبیہ والے دن رسول کریم ﷺ نے مشرکین مکہ سے نو سال کی مدت کے لئے صلح کر لی جو کئی شرائط پر طے ہوئی۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عنقریب اختلاف ہو گا یا اور امر پس اگر تجھ سے ہو سکے تو صلح ہی کر لینا (مسند امام احمد)۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بنو قریظہ کے بارے میں اتری ہے لیکن اس میں تامل ہے سارا قصہ بدر کا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا خیال ہے کہ سورہ براءت کی آیت سیف ﴿قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله﴾ سے منسوخ ہے لیکن اس میں بھی نظر ہے کیونکہ اس آیت میں جہاد کا حکم طاقت و استطاعت پر ہے لیکن دشمنوں کی زیادتی کے وقت ان سے صلح کر لینی بلا شک و شبہ جائز ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے اور جیسے کہ حدیبیہ کی صلح رسول اللہ ﷺ نے کی۔ پس کوئی خلاف یا کوئی خصوصیت یا منسوخیت نہیں' واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ وہی تجھے کافی ہے وہی تیرا مددگار ہے۔ اگر یہ دھوکہ بازی کر کے کوئی فریب دینا چاہتے ہیں اور اس درمیان میں اپنی شان و شوکت اور آلات جنگ بڑھانا چاہتے ہیں تو تو بے فکر رہ اللہ تعالیٰ تیرا طرف دار ہے وہ تجھے کافی ہے اس کے مقابلے کا کوئی نہیں۔ پھر اپنی ایک اعلیٰ نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ مہاجرین و انصار سے صرف اپنے فضل سے تیری تائید کی۔ انہیں تجھ پر ایمان لانے تیری اطاعت کرنے کی توفیق دی تیری مدد اور تیری نصرت پر انہیں آمادہ کیا' تو گو روئے زمین کے خزانے خرچ کر ڈالتا لیکن ان میں وہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کر دی۔ ان کی صدیوں کی پرانی عداوتیں دور کر دیں۔ اوس و خزرج' انصار کے قبیلوں میں جاہلیت میں آپس میں خوب تلوار چلا کرتی تھی۔ نور ایمان نے اس عداوت کو محبت سے بدل دیا' جیسے قرآن کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل ملا دیئے اور اپنے فضل سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا تم جہنم کے کنارے تک پہنچ گئے تھے لیکن اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لئے اسی طرح اپنی باتیں بیان فرماتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اے انصاریو! کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پا کر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے تمہیں راہ راست نہیں دکھائی؟ کیا تم فقیر نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے امیر کر دیا' تم جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دل ملا دیئے۔ آپ ﷺ کی ہر ہر بات پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا اس سے بھی زیادہ احسان ہم پر ہے۔ الغرض اپنے اس انعام و اکرام کو بیان فرما کر اپنی عزت و حکمت کا اظہار کیا کہ وہ بلند جناب ہے اس سے امید رکھنے والا ناامید نہیں رہتا اس پر توکل کرنے والا سرسبز رہتا ہے وہ اپنے کاموں میں اپنے حکموں میں حکیم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرابت داری کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے دلوں کے میل جیسی اور کوئی چیز دیکھی نہیں گئی۔

جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے اگر تو روئے زمین کے خزانے بھی ختم کر دیتا تو تیرے بس میں نہ تھا کہ ان کے دل ملا دے شاعر کہتا ہے تجھ سے دھوکا کرنے والا تجھ سے بے پرواہی برتنے والا تیرا رشتے دار نہیں بلکہ تیرا حقیقی رشتہ دار وہ ہے جو تیری آواز پر لبیک کہے اور تیرے دشمنوں کی سرکوبی میں تیرا ساتھ دے۔ اور شاعر کہتا ہے میں نے تو خوب مل جل کر آزما کر دیکھ لیا کہ قرابت داری سے بھی بڑھ کر دلوں کا میل جول ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں میں نہیں جان سکا کہ یہ سب قول ابن عباسؓ کا ہی ہے یا ان سے نیچے کے راویوں میں سے کسی کا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ان کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھی توحید و سنت کی بناء پر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں رشتے داریاں بھی ٹوٹ جاتی ہیں احسان کی بھی ناشکری کر دی جاتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے دل ملا دیئے جاتے ہیں انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا' پھر آپ ﷺ نے اسی جملے کی تلاوت فرمائی۔ عبدہ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں میری حضرت مجاہدؒ سے ملاقات ہوئی آپؒ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے سے بہ خندہ پیشانی ہاتھ ملاتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے۔ میں نے کہا یہ کام تو بہت آسان ہے۔ فرمایا یہ نہ کہو الفت وہ ہے جس کی نسبت جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے اگر تو روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دے۔ ان کے اس فرمان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھدار ہیں۔ ولید بن ابی مغیث کہتے ہیں میں نے حضرت مجاہدؒ سے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا صرف مصافحہ سے ہی؟ تو آپؒ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ پھر آپ ﷺ نے اسی جملے کی تلاوت کی۔ تو حضرت ولیدؒ نے فرمایا کہ تم مجھ سے بہت بڑے عالم ہو۔ عمیر ابن اسحاقؒ کہتے ہیں سب سے پہلی چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی وہ الفت و محبت ہے۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی سے مل کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے تیز ہوا سے۔ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔

ع ۸
يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ
يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ
خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اے نبی تجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومن جو تیری پیروی کر رہے ہیں۔ اے نبی ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ اگر تم میں سے بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں' اچھا اب اللہ تعالیٰ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر

غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جہاد کی ترغیب اور صحابہ کا شوق جہاد: اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلا رہا ہے اور انہیں اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ انہیں دشمنوں پر غالب کرے گا گو وہ ساز و سامان والے اور ٹڈی دل ہوں اور گو مسلمان بے سر و سامان اور مٹھی بھر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جتنے مسلمان تیرے ساتھ ہوں گے وہی بس ہیں۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہو۔ حضور اکرم ﷺ صف بندی کے وقت مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے بدر کے دن فرمایا اٹھو اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی ہے۔ حضرت عمیر بن حمام کہتے ہیں اتنی چوڑائی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی اس نے کہا واہ واہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کس ارادے سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری پیشین گوئی ہے کہ تو جنتی ہے۔ وہ اٹھتے ہیں' دشمن کی طرف بڑھتے ہیں اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں انہیں کھاؤ اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے۔ انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جوہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہوئے راہ اللہ میں شہید ہو جاتے ہیں' رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ ابن المسیب اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عمر کے اسلام کے وقت اتری جب کہ مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس کی ہوئی۔ لیکن اس میں ذرا نظر ہے اس لئے کہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ مکہ شریف کا ہے حبشہ کی ہجرت کے بعد کا اور مدینہ کی ہجرت سے پہلے کا واللہ اعلم۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ تم میں سے بیس ان کافروں میں سے دو سو پر غالب آئیں گے ایک سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے غرض ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے کا ہے۔ پھر حکم تو منسوخ ہو گیا لیکن بشارت باقی ہے۔ جب یہ حکم مسلمانوں پر گراں گزرا ایک دس کے مقابلے سے ذرا جھجکا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اب اللہ نے بوجھ ہلکا کر دیا الخ لیکن جتنی تعداد کم ہوئی اتنا ہی صبر ناقص ہو گیا۔ پہلے حکم تھا کہ بیس مسلمان دو سو کافروں سے پیچھے نہ ہٹیں اب یہ ہوا کہ اپنے سے دگنی تعداد یعنی سو دو سو سے نہ بھاگیں۔ پس گراں گزرنے پر ضعیفی اور ناتوانی کو قبول فرما کر اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی پس دگنی تعداد کے کافروں سے تو لڑائی میں پیچھے ہٹنا لائق نہیں ہاں اس سے زیادتی کے وقت طرح دے جانا جرم نہیں۔ ابن عمر فرماتے ہیں یہ آیت ہم صحابیوں کے بارے میں اتری ہے حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا پہلا حکم اٹھ گیا (مستدرک حاکم)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ
الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہئیں جب تک کہ ملک میں اچھی طرح خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ آخرت کا ہے' اللہ تعالیٰ بے زور آور با حکمت۔ اگر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس بارے میں

تمہیں کوئی بڑی سزا ہوتی' پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے خوب کھاؤ پیو' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

جنگی اسیر اور بدر کے قیدیوں سے متعلق مشورہ: مسند امام احمدؒ میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول مقبول ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے' بتلاؤ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر بن خطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے بس میں کر دیا ہے یہ کل تک تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنا جواب دوہرایا آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا۔ اب کی دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے میں تو آپ ﷺ ان کی خطا سے درگزر فرما لیجئے اور انہیں فدیہ لے کر آزاد کیجئے۔ اب آپ ﷺ کے چہرے سے غم کے آثار جاتے رہے عفو عام کر دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ اسی سورت کے شروع میں ابن عباسؓ کی روایت گزر چکی ہے صحیح مسلم میں بھی اسی جیسی حدیث ہے کہ بدر کے دن آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کی قوم کے ہیں' آپ ﷺ والے ہیں انہیں زندہ چھوڑا جائے ان سے توبہ کرائی جائے کیا عجب کہ کل اللہ تعالیٰ کی ان پر مہربانی ہو جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہیں آپ ﷺ کے جھٹلانے والے' آپ ﷺ کے نکال دینے والے حکم دیجئے کہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس میدان میں درخت بکثرت ہیں آگ لگوا دیجئے اور انہیں جلا دیجئے۔ آپ ﷺ خاموش رہے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ لوگوں میں بھی ان تینوں بزرگوں کی رائے کا ساتھ دینے والے ہو گئے۔ اتنے میں آپ ﷺ پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے بعض دل نرم ہوتے ہوتے دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دل سخت ہوتے ہوتے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابو بکر! تمہاری مثال تو (حضرت) ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ میرے تابعدار تو میرے ہی ہیں لیکن میرے مخالف بھی تیری معافی اور بخشش کے ماتحت ہیں۔ اور تمہاری مثال (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) جیسی ہے جو کہیں گے کہ اللہ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے۔ اور اے عمر! تمہاری مثال (حضرت) نوح (علیہ السلام) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم پر بددعا کی کہ اللہ زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا باقی نہ رکھ۔ سنو تمہیں اس وقت احتیاج ہے ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیے کے رہا نہ ہو ورنہ ان کی گردنیں ماری جائیں۔ اس پر ابن مسعودؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! سہیل بن بیضاء کو اس سے مخصوص کر لیا جائے اس لئے کہ وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا اس پر حضور اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ واللہ میں سارا وقت خوف زدہ رہا کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مگر سہیل بن بیضاء اسی کا ذکر اس آیت میں ہے یہ حدیث ترمذی مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ ان قیدیوں میں عباسؓ بھی تھے انہیں ایک انصاری نے گرفتار کیا تھا انصار کا خیال تھا کہ سے قتل کر دیں آپ ﷺ کو بھی یہ حال معلوم تھا۔ آپ نے فرمایا رات کو مجھے اس خیال سے نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر آپ اجازت دیں تو میں انصار کے پاس جاؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ حضرت عمرؓ انصار کے پاس آئے اور کہا کہ عباس کو چھوڑ دو انہوں نے جواب دیا واللہ ہم اسے نہ چھوڑیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا گو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی اسی میں ہو؟ انہوں نے کہا اگر یہ ہے تو آپ انہیں لے جایئے ہم نے خوشی سے چھوڑا۔ اب حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ عباس مسلمان ہو جاؤ واللہ تمہارے اسلام لانے کی مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے بھی زیادہ خوشی ہوگی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اسلام لانے سے خوش ہو جائیں گے۔ ان قیدیوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ابو بکرؓ سے مشورہ کیا تو

آپ ؐ نے فرمایا یہ سب ہمارے ہی کنبے قبیلے کے لوگ ہیں انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ سے جب مشورہ لیا تو آپ ؓ نے جواب دیا کہ انہیں سب کو قتل کر دیا جائے۔ آخر آپ ﷺ نے فدیہ لے کر انہیں آزاد کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اپنے صحابہؓ کو اختیار دیجئے کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک پسند کر لیں اگر چاہیں تو فدیہ لے لیں اور اگر چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں لیکن یہ یاد رہے کہ فدیہ لینے کی صورت میں اگلے سال ان میں سے اتنے ہی شہید ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ہمیں یہ منظور ہے اور ہم فدیہ لے کر چھوڑیں گے (ترمذی' نسائی وغیرہ) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ ان بدری قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے صحابیو! اگر چاہو تو انہیں قتل کر دو اور اگر چاہو ان سے زر فدیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دو لیکن اس صورت میں اتنے ہی آدمی تمہارے شہید کئے جائیں گے۔ پس ان ستر شہیدوں میں سب سے آخر حضرت ثابت بن قیس تھے۔ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ روایت حضرت عبیدہؒ سے مرسلاً بھی مروی ہے' واللہ اعلم۔

اگر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت حلال نہ لکھا ہوا ہوتا اور جب تک ہم بیان نہ فرما دیں تب تک عذاب نہیں کیا کرتے ایسا دستور ہمارا نہ ہوتا تو جو مال فدیہ تم نے لیا اس پر تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا اسی طرح پہلے سے اللہ تعالیٰ طے کر چکا ہے کہ کسی بدری صحابی کو وہ عذاب نہیں کرے گا' ان کے لئے مغفرت کی تحریر ہو چکی ہے۔ ام الکتاب میں تمہارے لئے مال غنیمت کی حلت لکھی جا چکی ہے۔ پس مال غنیمت تمہارے لئے حلال طیب ہے شوق سے کھاؤ پیو اور اپنے کام میں لاؤ۔ پہلے لکھا جا چکا تھا کہ اس امت کے لئے یہ حلال ہے۔ یہی قول امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور اسی کی شہادت بخاری و مسلم کی حدیث سے ملتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مہینے بھر کے فاصلے تک میری مدد رعب سے کی گئی' میرے لئے زمین پاکی اور نماز کی جگہ بنا دی گئی' مجھ پر غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں' مجھے شفاعت عطا فرمائی گئی' ہر نبی خاصۃ اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کسی سیاہ سر والے انسان کے لئے میرے سوا غنیمت حلال نہیں کی گئی۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان بدری قیدیوں سے فدیہ لیا۔ ابوداؤد میں ہے ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور تاوان جنگ کے وصول کی گئی۔ پس جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ امام وقت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قیدی کفار کو قتل کر دے جیسے کہ بنو قریظہ کے قیدیوں کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ اگر چاہے بدلے کا مال لے کر انہیں چھوڑ دے جیسے کہ بدری قیدیوں کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے کیا یا مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑ دے جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبیلہ سلمہ ابن اکوع کی ایک عورت اور اس کی لڑکی کو مشرکوں کے پاس جو مسلمان قیدی تھے ان کے بدلے میں دیا اور اگر چاہے انہیں غلام بنا کر رکھے۔ یہی مذہب امام شافعیؒ کا اور علماء کرام کی ایک جماعت کا ہے گو اوروں نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے یہاں اس کے بسط کی جگہ نہیں۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

اے نبی (ﷺ) اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ہی' اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ

تعالیٰ کی خیانت بھی کر چکے ہیں آخر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا' اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

نیک نیتی اور اسلام کی وجہ سے حال میں زیادتی: بدر والے دن آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ بعض بنو ہاشم وغیرہ زبردستی اس لڑائی میں نکالے گئے ہیں انہیں ہم سے لڑائی کرنے کی خواہش نہ تھی۔ پس بنو ہاشم کو قتل نہ کرنا۔ ابوالبختری بن ہشام کو بھی قتل نہ کیا جائے عباس بن عبدالمطلب کو بھی قتل نہ کیا جائے' اسے بھی بادل ناخواستہ ان لوگوں نے اپنے ساتھ کھینچا ہے۔ اس پر ابو حذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ ہم اپنے باپ دادوں کو اپنے بچوں کو اپنے بھائیوں کو اور اپنے کنبے قبیلے کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں تو اسکی گردن ماروں گا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو حفص! کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے منہ پر تلوار ماری جائے گی۔ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں یہ پہلا دن تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت سے مجھے یاد فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابو حذیفہ کی گردن اڑا دوں واللہ وہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابو حذیفہ فرماتے ہیں واللہ مجھے اپنے اس دن کے قول کا کھٹکا آج تک ہے میں اس سے اب تک ڈر ہی رہا ہوں میں تو اس دن چین پاؤں گا جس دن اس کا کفارہ ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہوئے۔ ابن عباس کہتے ہیں جس دن بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے رسول اللہ ﷺ کو اس رات نیند نہ آئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے چچا عباس کی آہ و بکا کی آواز میرے کانوں ان قیدیوں میں سے آ رہی ہے۔ صحابہ نے اس وقت اس کی قید کھول دی تب آپ ﷺ کو نیند آئی۔ انہیں ایک انصاری صحابی نے گرفتار کیا تھا یہ بہت مالدار تھے انہوں نے سو اوقیہ سونا اپنے فدیے میں دیا۔ بعض انصاریوں نے سرکار نبوت میں گزارش بھی کی کہ ہم چاہتے ہیں اپنے بچا عباس کو بغیر کوئی زر فدیہ لئے آزاد کر دیں لیکن مساوات کے علمبردار ﷺ نے فرمایا ایک چونی بھی کم نہ لینا' پورا فدیہ لو۔ قریش نے فدیے کی رقم دے کر اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا ہر ایک نے اپنے اپنے قیدی کی من مانی رقم وصول کی۔ عباس نے کہا بھی کہ یارسول اللہ ﷺ! میں تو مسلمان ہی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تمہارے اسلام کا علم ہے اگر یہ تمہارا قول صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا لیکن چونکہ احکام ظاہر پر ہیں اس لئے آپ اپنا فدیہ ادا کیجئے بلکہ اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی۔

نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا جو بنو حارث بن فہر کے قبیلے سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس تو اتنا مال نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفنایا ہے اور تم نے کہا ہے کہ اگر میں اپنے اس سفر میں کام آ گیا تو یہ مال بنو الفضل اور عبداللہ اور قثم کا ہے۔ اب تو حضرت عباس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ واللہ میرا ایمان ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس دفینے کے واقعہ کو بجز میرے اور ام الفضل کے کوئی نہیں جانتا۔ اچھا یوں کیجئے میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا آپ ﷺ کے لشکریوں کو ملا ہے اسی کو میرا زر فدیہ سمجھ لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں وہ مال تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دلوا ہی دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کیا۔ اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اگر تم میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بدلہ تمہیں دے گا۔

حضرت عباس کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پورا اترا اور ان بیس اوقیہ کے بدلے مجھے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بیس غلام دلوائے جو سب کے سب مالدار تھے۔ ساتھ ہی مجھے اللہ تعالیٰ عزوجل کی مغفرت کی بھی امید ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے میں نے اپنے اسلام کی خبر حضور اکرم ﷺ کو دی اور کہا کہ میرے بیس اوقیہ کا بدلہ مجھے دلوایئے جو مجھ سے لئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے انکار کیا۔ الحمد للہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بدلے مجھے بیس غلام عطا فرمائے جو سب تاجر ہیں۔ آپ نے

اور آپ کے ساتھیوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ ہم تو آپ ﷺ کی وحی پر ایمان لا چکے ہیں آپ ﷺ کی رسالت کے گواہ ہیں ہم اپنی قوم میں آپ ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہے اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ دلوں کے حال سے واقف ہے جس کے دل میں نیکی ہوگی اس سے جو لیا گیا ہے اس سے بہت زیادہ دے دیا جائے گا اور پھر اگلا شرک بھی معاف کر دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی زیادہ خوشی مجھے اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ مجھ سے جو لیا گیا ہے واللہ اس سے سو حصے زیادہ مجھے ملا۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے گناہ بھی دھل گئے۔ مذکور ہے کہ جب بحرین کا خزانہ سرکار رسالت مآب ﷺ میں پہنچا وہ اسی ہزار کا تھا آپ ﷺ نماز ظہر کے لئے وضو کر چکے تھے پس آپ ﷺ نے ہر ایک شکایت کرنے والے کی اور ہر ایک سوال کرنے والے کی داد رسی کی اور نماز سے پہلے ہی سارا خزانہ راہ للہ لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ لو اس میں سے لے لو اور گٹھڑی باندھ کر لے جاؤ۔ پس یہ ان کے لئے بہت بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ گناہ بھی معاف فرمائے گا۔ یہ خزانہ ابن الحضرمی نے بھیجا تھا اتنا مال حضور اکرم ﷺ کے پاس نہ اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی نہیں آیا۔ سب کا سب بوریوں پر پھیلا دیا گیا اور نماز کی اذان ہوئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے مسجد کے نمازی بھی آ گئے پھر حضور اکرم ﷺ نے ہر ایک کو دینا شروع کیا نہ تو اس دن ناپ تول تھی نہ گنتی اور شمار تھا پس جو آیا وہ لے گیا اور دل کھول کر لے گیا۔ حضرت عباسؓ نے تو اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے تو حضور اکرم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! ذرا اونچا کر دیجئے۔ آپ ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اتنی کہ دانت چمکنے لگے۔ فرمایا کہ کچھ کم کر دو جتنا اٹھے اتنا ہی لو۔ چنانچہ کچھ کم کیا اور اٹھا کر یہ کہتے ہوئے چلے کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات تو پوری ہوتی دکھا دی اور دوسرا وعدہ بھی ان شاء اللہ پورا ہو کر ہی رہے گا' یہ اس سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ برابر اس مال کو تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ اس میں سے ایک پائی بھی نہ بچی آپ ﷺ نے اپنی اہل کو اس میں سے ایک کھوٹی کوڑی بھی نہیں دی۔ پھر نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ دوسری حدیث' حضور اکرم ﷺ کے پاس بحرین سے اتنا مال آیا کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنا مال کبھی نہیں آیا۔ حکم دیا کہ مسجد میں پھیلا دو پھر نماز کے لئے آئے کسی طرف التفات نہ کیا نماز پڑھا کر بیٹھ گئے پھر تو جسے دیکھتے دیتے اتنے میں حضرت عباسؓ آ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی دلوائیے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے لے لو۔ انہوں نے چادر میں گٹھڑی باندھی لیکن وزنی ہونے کے باعث اٹھا نہ سکے تو کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کسی کو حکم دیجئے کہ میرے کاندھے پر چڑھا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو کسی سے نہیں کہتا' کہا اچھا آپ ﷺ ہی ذرا اٹھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کا بھی انکار کیا اب تو بادل ناخواستہ اس میں سے کچھ کم کرنا پڑا پھر اٹھا کر کندھے پر رکھ کر چل دیئے۔ ان کے اس لالچ کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی نگاہیں جب تک یہ آپ ﷺ کی نگاہ سے اوجھل نہ ہو گئے انہیں پر رہیں۔ پس جب کل مال بانٹ چکے ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی تب آپ ﷺ وہاں سے اٹھے۔ امام بخاری نے بھی یہ روایت کئی جگہ اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً جزم کے صیغے کے ساتھ وارد کی ہے۔ اگر یہ لوگ خیانت کرنی چاہیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے وہ خود اللہ تعالیٰ کی خیانت بھی کر چکے ہیں۔ تو ان سے یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو ظاہر کریں اس کے خلاف اپنے دل میں رکھیں۔ اس سے تو نہ گھبرا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت انہیں تیرے قابو میں کر دیا ہے ایسے ہی وہ ہمیشہ قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں۔ ان کے اور تمام مخلوق کے ساتھ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے ازلی ابدی پورے علم اور کامل حکمت کے ساتھ کرتا ہے حضرت قتادہ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اتری ہے جو مرتد ہو کر مشرکوں میں جا ملا تھا۔

عطاء خراسانی کا قول ہے کہ حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہیں گے۔ سدی [illegible] عام [illegible] یہی ٹھیک بھی ہے۔ [illegible] اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَا
جِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي
الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں' اور جو ایمان لائے تو ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لئے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں' ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے۔

صحابہ کی تین قسمیں مہاجرین انصار اور غیر مہاجر: مسلمانوں کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں ایک تو مہاجر جنہوں نے اللہ کے نام پر وطن ترک کیا اپنے گھر بار مال تجارت کنبہ قبیلہ دوست احباب چھوڑے اللہ کے دین پر قائم رہنے کے لئے نہ جان کو جان سمجھا نہ مال کو مال۔ دوسرے انصار مدنی جنہوں نے ان مہاجروں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اپنے مالوں میں ان کا حصہ لگا دیا ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے لڑائی کی یہ سب آپس میں ایک ہی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان میں بھائی چارہ کرا دیا' ایک انصاری ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی بندی قرابت داری سے بھی مقدم تھی' ایک دوسرے کا وارث بنتا تھا آخر میں یہ منسوخ ہو گئی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں مہاجرین اور انصار سب آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں اور فتح مکہ کے آزاد کردہ مسلمان لوگ قریشی اور آزاد شدہ ثقیف آپس میں ایک دوسرے کے والی ہیں قیامت تک۔ اور روایت میں ہے دنیا اور آخرت میں۔ مہاجر اور انصار کی تعریف میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں' فرمان ہے ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾۔ پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار اور ان کے احسان کے تابعدار وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اور وہ اس سے خوش ہیں اس نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ﴾۔ نبی اکرم ﷺ پر اور ان مہاجرین و انصار پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی توجہ فرمائی جنہوں نے سختی کے وقت بھی آپ ﷺ کی اتباع نہ چھوڑی۔

اور آیت میں ہے ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ ﴾۔ ان مہاجر محتاجوں کے لئے ہے جو اپنے مالوں سے اور اپنے شہروں سے نکال دیئے گئے جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی مدد میں لگے ہوئے ہیں یہی سچے لوگ ہیں۔ اور جنہوں نے ان کو جگہ دی ان سے محبت رکھی انہیں کشادہ دلی کے ساتھ دیا بلکہ اپنی ضرورت پر ان کی حاجت کو مقدم رکھا۔ یعنی جو ہجرت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو دی ہے اس پر وہ ان کا حسد نہیں کرتے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر انصار پر مقدم ہیں۔ علماء کا اس میں اتفاق ہے۔ مسند بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو آپ ﷺ نے ہجرت کو پسند فرمایا۔

پھر فرماتا ہے جو ایمان لائے لیکن انہوں نے وطن ترک نہیں کیا انہیں ان کی رفاقت حاصل نہیں۔ یہ مومنوں کی تیسری قسم ہے جو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہ تھا نہ خمس میں ہاں کسی لڑائی میں شرکت کریں تو اور بات ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور اکرم ﷺ جب کسی کو کسی فوجی دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ دیکھو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنا مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہانہ برتاؤ کرنا۔ جاؤ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے لڑو اپنے دشمن مشرکوں کے سامنے تین باتیں پیش کرو ان میں سے جو بھی وہ منظور کر لیں انہیں اختیار ہے۔ ان سے کہو کہ اسلام قبول کریں اگر مان لیں تو پھر ان سے رک جاؤ اور ان کا اسلام قبول کر لو اور انہیں کہو کہ کفرستان کو چھوڑ دیں مہاجرین کے شہروں کو چلے جائیں' تو جو حق مہاجرین کے ہیں ان کے بھی قائم ہو جائیں گے اور جو مہاجروں پر ہے ان پر بھی ہوگا۔ ورنہ یہ دیہات کے اور مسلمانوں کی طرح ہوں گے ایمان کے احکام ان پر جاری رہیں گے فی اور غنیمت کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا' ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کسی فوج میں شرکت کریں اور کوئی معرکہ سر کریں۔ یہ نہ مانیں تو انہیں کہو کہ جزیہ دیں۔ اگر یہ قبول کر لیں تو تم لڑائی سے رک جاؤ اور ان سے جزیہ لے لیا کرو۔ اگر ان دونوں باتوں کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کر کے ان سے جہاد کرو۔ جو دیہاتی مسلمان وہیں مقیم ہیں ہجرت نہیں کی یہ اگر کسی وقت تم سے مدد کی خواہش کریں دشمنان دین کے مقابلے پر تمہیں بلائیں تو ان کی مدد تم پر واجب ہے لیکن اگر مقابلے پر کوئی ایسا قبیلہ ہو کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہے تو خبردار تم عہد شکنی نہ کرنا۔ قسمیں نہ توڑنا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۭ﴿۷۳﴾

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں' اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔

مسلمان غیر مسلموں کا دوست نہیں ہوتا: اوپر مسلمانوں کی کارسازی اور رفاقت وولایت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں کافروں کی نسبت بھی بیان فرما کر کافروں اور مومنوں میں سے دوستانہ کاٹ دیا۔ مستدرک حاکم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر مسلمان کا وارث۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی بخاری مسلم میں بھی ہے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ سنن وغیرہ میں ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ اسے امام ترمذی' حسن کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک نئے مسلمان سے آپ ﷺ نے عہد لیا کہ نماز قائم رکھنا' زکوۃ دینا' بیت اللہ کا حج کرنا' رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جب اور جہاں شرک کی آگ بھڑکے تو اپنے آپ کو ان کا مقابل اور ان سے برسر جنگ سمجھنا یہ روایت مرسل ہے۔ اور مفصل روایت میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا وہ دونوں جانب لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا۔ ابوداؤد میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور ان میں ٹھہرا رہے وہ انہیں جیسا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے اللہ تعالیٰ کے رسول' رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم رضامند ہو تو اس کے نکاح میں دے دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں زبردست فتنہ فساد برپا ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگو اس میں کچھ ہو۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کا ناکا آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ تین بار یہی فرمایا۔ آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے یکسوئی نہ کی اور ایمان داروں سے ہی دوستیاں نہ رکھیں تو

ایک فتنہ برپا ہو جائے گا یہ اختلاط برے نتیجے دکھائے گا لوگوں میں زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں' اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی یہی لوگ سچے مومن ہیں' ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی' اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم میں' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مومنوں کے آخرت کا حال: مومنوں کا دنیوی حکم ذکر فرما کر اب آخرت کا حال بیان فرما رہا ہے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر کر رہا ہے جیسے کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ انہیں بخشش ملے گی ان کے گناہ معاف ہوں گے انہیں عزت کی پاک روزی ملے گی جو برکت والی ہمیشگی والی طیب و طاہر ہو گی' قسم قسم کی لذیذ عمدہ اور نہ ختم ہونے والی ہو گی۔ ان کی اتباع کرنے والے ایمان و عمل صالح میں ان کا ساتھ دینے والے آخرت میں بھی درجوں میں ان کے ساتھ ہی ہوں گے جیسا کہ ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ میں فرماتا ہے۔ متفق علیہ بلکہ متواتر حدیث میں ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے جو کسی قوم سے محبت رکھے وہ ان میں سے ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہو گا۔ مسند احمد کی حدیث گزر چکی ہے کہ مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں فتح مکہ کے بعد کے مسلمان قریش اور ثقیف کے آزاد شدہ آپس میں ایک ہیں قیامت تک یہ سب آپس میں ولی ہیں۔ پھر اولوالارحام کا بیان ہوا یہاں ان سے مراد وہی قرابت دار نہیں جو علماء فرائض کے نزدیک اس نام سے یاد کئے جاتے ہیں یعنی جن کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور جو عصبہ بھی نہ ہوں' جیسے خالہ ماموں پھوپھی نواسے نواسیاں بھانجے بھانجیاں وغیرہ۔ بعض کا یہی خیال ہے وہ آیت سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے اس بارے میں صراحت والی بتلاتے ہیں' یہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسے کہ ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' حسن' قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ناسخ ہے حلیفوں کے باہم وارث بننے کی اور بھائی چارے پر وارث بننے کی جو پہلے دستور تھا پس یہ علماء فرائض کے ذوی الارحام کو شامل ہو گی خاص نام کے ساتھ۔ اور جو انہیں وارث نہیں بناتے ان کے پاس کئی دلیلیں ہیں۔ سب سے قوی یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دلوا دیا ہے پس کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں' وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی حقدار ہوتے تو ان کے بھی حصے مقرر ہو جاتے جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں' واللہ اعلم۔

الحمد للہ سورۂ انفال کی تفسیر ختم ہوئی

اللہ تعالیٰ پر ہمارا بھروسہ ہے وہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

تفسیر سورۂ توبہ

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا۔ پس (اے مشرکو) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو' جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو' اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

مشرکین سے اعلان برائت: یہ سورت سب سے آخر رسول اللہ ﷺ پر اتری ہے۔ بخاری شریف میں ہے سب سے آخر آیت ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ﴾ اتری اور سب سے آخر سورت سورۂ براءۃ اتری ہے۔ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ نے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کی اقتدا کر کے اسے قرآن میں نہیں لکھی تھی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۂ برائۃ کو جو مئین میں سے ہے ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات حضور اکرم ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اتری تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو جس میں یہ ذکر ہے سورۂ انفال مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورۂ برائۃ سب سے آخر میں اتری تھی بیانات دونوں کے ملتے جلتے تھے مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ اس وقت اترا جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ حج کا زمانہ تھا۔ مشرکین اپنی عادت کے مطابق حج میں آ کر بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے آپ ﷺ ان میں خلا ملا ہونا ناپسند فرما کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حج کا امام بنا کر اس سال مکہ مکرمہ روانہ فرمایا کہ مسلمانوں کو احکام حج سکھائیں اور مشرکوں میں اعلان کر دیں وہ آئندہ سال حج کو نہ آئیں اور سورۂ براۃ کا بھی عام لوگوں میں اعلان کر دیں آپ کے پیچھے پھر حضرت علیؓ کو بھیجا کہ آپ کا پیغام بحیثیت آپ کی نزدیکی قرابت داری کے آپ بھی پہنچا دیں' جیسے کہ اس کا تفصیلی بیان آ رہا ہے' انشاء اللہ۔ پس فرمان ہے کہ یہ بے تعلقی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ اعلان اس عہد و پیمان کے متعلق ہے جن سے کوئی وقت معین نہ تھا یا جن سے عہد چار ماہ سے کم کا تھا لیکن جن کا لمبا عہد تھا وہ بدستور باقی رہا۔ جیسے فرمان ہے کہ ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ ان کی پوری مدت ہونے تک تم ان سے ان کا عہد نبھاؤ۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہم سے جن کا عہد و پیمان ہے ہم اس پر مقررہ وقت تک پابندی سے قائم ہیں۔ گو اس بارے میں اور اقوال بھی ہیں لیکن سب سے اچھا اور سب سے قوی قول یہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے عہد ہو چکا تھا ان کے لئے چار ماہ کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور جن سے عہد نہ تھا ان کے لئے حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کی حد بندی مقرر کر دی یعنی دس ذی الحجہ سے محرم ختم تک پچاس دن۔

اس مدت کے بعد حضور اکرم ﷺ کو ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ اور جن سے عہد ہے وہ دس ذی الحجہ کے اعلان کے دن سے لے کر بیس ربیع الاخر تک اپنی تیاری کر لیں پھر اگر چاہیں مقابلے پر آجائیں۔ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا اور حضرت علیؓ کو تیس یا چالیس آیتیں قرآن کی اس سورت کی دے کر بھیجا کہ آپ چار ماہ کی مدت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے ان کے ڈیروں میں گھروں میں منزلوں میں جا جا کر یہ آیتیں انہیں سنا دیں اور ساتھ ہی سرکار نبوت ﷺ کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ اس سال کے بعد حج کے لئے کوئی مشرک نہ آئے اور بیت اللہ کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے۔ قبیلہ خزاعہ قبیلہ مدلج اور دوسرے سب قبائل کے لئے بھی یہی اعلان تھا۔ تبوک سے آکر آپ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا تھا' لیکن مشرکوں کا وہاں آنا اور ان کا ننگے ہو کر وہاں کا طواف کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا اس لئے حج نہ کیا اور اس سال حضرت ابو بکرؓ کو اور حضرت علیؓ کو بھیجا انہوں نے ذی المجاز کے بازاروں میں اور ہر گلی کوچے اور ہر ہر پڑاؤ اور میدان میں اعلان کیا کہ چار مہینے تک کی تو شرک کو اور مشرک کو مہلت ہے اس کے بعد ہماری اسلامی تلوار اپنا جوہر دکھائے گی بیس دن ذی الحجہ کے' محرم پورا' صفر پورا' اور ربیع الاول پورا اور دس دن ربیع الاخر کے۔ زہریؒ کہتے ہیں شوال سے محرم تک کی ڈھیل تھی لیکن یہ قول غریب ہے اور سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی مدت شماری کیسے ہو سکتی ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن صاف اطلاع ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے' اور اس کا رسول (ﷺ) بھی' اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے' کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دے۔

یوم حج اکبر سے کیا مراد ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عام اعلان ہے اور ہے بھی بڑے حج کے دن یعنی عید قربان کو جو حج کے تمام دنوں سے بڑا اور افضل دن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ مشرکوں سے بری الذمہ بیزار اور الگ ہیں اگر اب بھی تم گمراہی اور شرک و برائی چھوڑ دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے توبہ کر لو نیک بن جاؤ اسلام قبول کر لو شرک و کفر چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے نہ مانا اپنی ضلالت پر قائم رہے تو تم نہ اب اللہ تعالیٰ کے قبضے سے باہر ہو نہ آئندہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کو دبا سکتے ہو وہ تم پر قادر ہے تمہاری چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں وہ کافروں کو دنیا میں بھی سزا کرے گا اور آخرت میں بھی عذاب کرے گا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکرؓ نے قربانی والے دن ان لوگوں میں جو اعلان کے لئے بھیجے گئے تھے بھیجا ہم نے منادی کر دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہو کر نہ کرے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ سورۂ براءۃ کا اعلان کر دیں پس آپ نے بھی منیٰ میں ہمارے ساتھ عید کے دن انہیں احکام کی منادی کی۔ حج اکبر کا دن بقر عید کا دن ہے کیونکہ لوگ حج اصغر بولا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس اعلان کے بعد حجۃ الوداع میں ایک بھی مشرک حج کو نہیں آیا تھا۔ حنین کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا پھر اس سال حضرت ابو بکر

صدیق ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کو منادی کے لئے روانہ فرمایا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بھیجا کہ برات کا اعلان کر دیں۔ امیر حج حضرت علی ؓ کے آنے کے بعد بھی حضرت ابو بکر الصدیق ہی رہے رضی اللہ عنہما۔ لیکن اس روایت میں غربت ہے۔ عمرہ جعرانہ والے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسید ؓ تھے حضرت ابو بکر ؓ تو ۹ء میں امیر حج تھے۔ مسند کی روایت میں ہے حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں اس سال حضرت علی ؓ کے ساتھ میں تھا۔ ہم نے پکار پکار کر منادی کر دی کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے بیت اللہ کا طواف آئندہ سے کوئی شخص عریانی کی حالت میں نہیں کر سکے گا۔ جن کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان ہیں ان کی مدت آج سے چار ماہ کی ہے اس مدت کے گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ مشرکوں سے بری الذمہ ہیں اس سال کے بعد کسی کافر کو بیت اللہ کے حج کی اجازت نہیں۔ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں یہ منادی کرتے کرتے میرا گلا پڑ گیا۔ حضرت علی ؓ کی آواز بیٹھ جانے کے بعد میں نے منادی شروع کر دی تھی۔ ایک روایت میں ہے جس سے عہد ہے اس کی مدت وہی ہے۔

امام ابن جریر ؒ فرماتے ہیں مجھے تو ڈر ہے کہ یہ جملہ کسی راوی کے وہم کی وجہ سے نہ ہو۔ کیونکہ مدت کے بارے میں اس کے خلاف بہت سی روایتیں ہیں۔ مسند میں ہے کہ برائۃ کا اعلان کرنے کو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ کو بھیجا وہ ذوالحلیفہ پہنچے ہوں گے جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اعلان تو یا میں خود کروں گا یا میری اہل بیت میں سے کوئی شخص کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بھیجا۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ سورۂ براءۃ کی دس آیتیں جب اتریں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر ؓ کو بلا کر فرمایا انہیں لے جاؤ اہل مکہ کو سناؤ۔ پھر مجھے یاد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم جاؤ ابو بکر ؓ سے ملو جہاں بھی وہ ملیں ان سے کتاب لے لینا اور مکہ والوں کے پاس جا کر انہیں پڑھ کر سنانا۔ میں چلا جحفہ میں جا کر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کتاب لے لی۔ آپ ؓ واپس لوٹے اور حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کوئی آیتیں نازل ہوئی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا کہ یا تو یہ پیغام خود آپ پہنچائیے یا اور کوئی شخص جو آپ ﷺ میں سے ہو۔ اس سند میں ضعف ہے اور اس سے یہ مراد بھی نہیں کہ حضرت ابو بکر ؓ اسی وقت لوٹ آئے نہیں بلکہ آپ نے اپنی سرداری میں وہ حج کرایا حج سے فارغ ہو کر پھر واپس آئے جیسے کہ اور روایتوں میں صراحتاً مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت علی ؓ سے جب حضور اکرم ﷺ نے اس پیغام رسانی کا ذکر کیا تو حضرت علی ؓ نے عذر پیش کیا کہ میں عمر کے لحاظ سے اور تقریر کے لحاظ سے اپنے میں کمی پاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لیکن ضرورت اس کی ہے کہ اسے یا تو میں آپ پہنچاؤں یا تو پہنچائے۔ حضرت علی ؓ نے کہا اگر یہی ہے تو لیجئے میں جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ تیری زبان کو ثابت رکھے اور تیرے دل کو ہدایت دے۔ پھر اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھا۔ لوگوں نے حضرت علی ؓ سے پوچھا کہ حج کے موقعہ پر حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کیا بات پہنچانے بھیجا تھا؟ آپ ؓ نے اوپر والی چاروں باتیں بیان فرمائیں۔ مسند احمد وغیرہ میں یہ روایت کئی طریق سے آئی ہے اس میں لفظ یہ ہیں کہ جن سے معاہدہ ہے وہ جس مدت تک ہے اسی تک رہے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ حج میں حضرت صدیق اکبر ؓ کو بھیج چکے ہیں کاش کہ یہ پیغام بھی انہیں پہنچا دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے تو کوئی میرے گھر والا ہی پہنچائے گا۔ اس میں ہے کہ حضرت علی ؓ حضور اکرم ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے انہیں راستے میں دیکھ کر حضرت صدیق ؓ نے پوچھا کہ سردار ہو یا ماتحت؟ فرمایا نہیں میں تو ماتحت ہوں۔ وہاں جا کر آپ نے حج کا انتظام کیا اور عید والے دن حضرت علی ؓ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے یہ احکام پہنچائے۔ پھر یہ دونوں آپ ﷺ کے پاس آئے۔ پس مشرکین میں سے جن سے عام عہد تھا ان کے لئے تو چار ماہ کی مدت ہو گئی باقی جس سے جتنا عہد تھا وہ بدستور رہا۔ اور روایت میں ہے کہ ابو بکر ؓ کو تو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور مجھے ان کے پاس چالیس آیتیں سورۂ برات کی دے کر بھیجا تھا۔ آپ نے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر حضرت علی ؓ سے فرمایا اٹھئے اور سرکار رسالتمآب ﷺ کا پیغام لوگوں کو سنا دیجئے۔ پس حضرت علی ؓ

نے کھڑے ہو کر ان چالیس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر لوٹ کر منیٰ میں آ کر جمرہ پر کنکریاں پھینکیں اونٹ نحر کیا سر منڈوایا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ سب حاجی اس خطبے کے وقت موجود نہ تھے۔ اس لئے میں نے ڈیروں میں اور خیموں میں اور پڑاؤ میں جا جا کر منادی شروع کر دی میرا خیال ہے شاید اس وجہ سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا یہ دسویں تاریخ کا ذکر ہے حالانکہ اصل پیغام نویں کو عرفہ کے دن پہنچا دیا گیا تھا۔

ابو اسحاقؒ کہتے ہیں میں نے ابو جحیفہؓ سے پوچھا کہ حج اکبر کا کونسا دن ہے؟ آپ نے فرمایا عرفے کا دن۔ میں نے کہا یہ آپ اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا صحابہؓ سے سنا ہوا۔ فرمایا سب کچھ یہی ہے۔ عطاءؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں پس اس دن کوئی روزہ نہ رکھے۔ راوی کہتا ہے میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا مدینے پہنچا اور پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ لوگوں نے کہا حضرت سعید ابن مسیبؒ ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے مدینے والوں سے پوچھا کہ یہاں آج کل سب سے افضل کون ہیں؟ تو انہوں نے آپ کا نام لیا تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لو میں تمہیں اپنے سے ایک سو درجے بہتر شخص کو بتاؤں وہ عمرؓ یا ابن عمرؓ ہیں وہ اس روزے سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر فرماتے تھے (ابن ابی حاتم وغیرہ) اور بھی بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفے کا دن ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے اپنے عرفے کے خطبے میں فرمایا یہی حج اکبر کا دن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بقر عید کا دن ہے۔ حضرت علیؓ یہی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ بقر عید والے دن اپنے سفید خچر پر سوار جا رہے تھے جو ایک شخص نے آ کر لگام تھام لی اور یہی پوچھا آپ نے فرمایا حج اکبر کا دن آج ہی کا دن ہے لگام چھوڑ دے۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے اپنے عید کے خطبے میں فرمایا آج ہی کا دن یوم الاضحیٰ ہے۔ آج ہی کا دن یوم النحر ہے آج ہی کا دن حج اکبر کا دن ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور بھی بہت سے لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ حج اکبر بقر عید کا دن ہے۔ امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ صحیح بخاری کے حوالے سے پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے منادی کرنے والوں کو منیٰ میں عید کے دن بھیجا تھا۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں جمروں کے پاس دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ٹھہرے اور فرمایا یہی دن حج اکبر کا دن ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی سرخ رنگ تھی آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ جانتے بھی ہو آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا قربانی کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سچ ہے یہی دن حج اکبر کا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے لوگ اس کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کونسا دن ہے جانتے ہو؟ ہم اس خیال سے خاموش ہو گئے کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور ہی نام بتلائیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ حج اکبر کا دن نہیں؟ اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے آپ ﷺ کے سوال پر جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ عید کے بعد کا دن ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں حج کے سب دنوں کا یہی نام ہے۔ سفیانؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ جیسے یوم جمل، یوم صفین ان لڑائیوں کے تمام دنوں کا نام ہے ایسے ہی یہ بھی ہے۔ حسن بصریؒ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا حاصل یہ تو اس سال تھا جس سال حج کے امیر حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ ابن سیرینؒ اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں یہ وہ دن تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کا اور عام لوگوں کا حج ہوا۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو' اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

پہلے جو احادیث بیان ہو چکی ہیں ان کا اور اس آیت کا مضمون ایک ہی ہے۔ اس سے صاف ہو گیا کہ جن سے مطلقاً عہد و پیمان ہوئے تھے انہیں تو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس میں وہ اپنا جو چاہیں کر لیں اور جن سے کسی مدت تک عہد و پیمان ہو چکے ہیں وہ سب عہد ثابت ہیں بشرطیکہ وہ لوگ معاہدے کی شرائط پر قائم رہیں نہ مسلمانوں کو خود کوئی ایذا پہنچائیں نہ ان کے دشمنوں کی کمک اور امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ وعدوں کے پورے لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پس حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو انہیں گرفتار کرو ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو' ہاں اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاد اور حرمت والے مہینے: حرمت والے مہینوں سے مراد یہاں وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر آیت ﴿ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ میں ہے پس ان کے حق میں آخری حرمت والا مہینہ محرم الحرام کا ہے ابن عباسؓ اور ضحاکؒ سے بھی یہی مروی ہے لیکن اس میں ذرا تامل ہے بلکہ مراد اس سے یہاں وہ چار مہینے ہیں جن میں مشرکین کو پناہ ملی تھی کہ ان کے بعد تم سے لڑائی ہے۔ چنانچہ خود اسی سورت میں اس کا بیان اور آیت میں آ رہا ہے۔ فرماتا ہے ان چار ماہ کے بعد مشرکوں سے جنگ کرو انہیں قتل کرو انہیں گرفتار کرو جہاں بھی پالو۔ پس یہ عام ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ خاص ہے حرم میں لڑائی نہیں ہو سکتی' جیسے فرمان ہے ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے چاہو قتل کرو چاہو قید کر لو ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو ان کے لئے ہر گھاٹی میں بیٹھ کر تاک لگاؤ انہیں زد پہ لا کر مارو۔ یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کر دو اور انہیں مجبور کر دو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں پابند نماز ہو جائیں زکوۃ دینے لگیں تو بے شک ان کی راہیں کھول دو ان پر سے تنگیاں اٹھا لو۔ زکوۃ کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابو بکرؓ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجا لائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے اعلیٰ پھر ادنیٰ پس شہادت کے بعد سب سے بڑا رکن اسلام نماز ہے جو اللہ عزوجل کا حق ہے۔ نماز کے بعد زکوۃ جس کا نفع فقیروں مسکینوں محتاجوں کو پہنچتا ہے اور مخلوق کا زبردست حق جو انسان کے ذمے ہے ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو اکثر نماز کے ساتھ ہی زکوۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھوں۔ جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے نہیں ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) رسول اللہ ﷺ ہیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ الخ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے جو زکوۃ نہ دے اس

کی نماز بھی نہیں۔ حضرت عبدالرحمنؒ ابن زید بن اسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر گز کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکرؓ پر رحم فرمائے آپ کی فقہ سب سے بڑھی ہوئی تھی جو آپ نے زکوٰۃ کے منکروں سے جہاد کیا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ برحق کے اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جب وہ ان دونوں باتوں کا اقرار کر لیں ہمارے قبلے کی طرف منہ کر لیں، ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ہم پر ان کے خون ان کے مال حرام ہیں مگر احکام اسلام حق کے ماتحت انہیں ہر وہ حق حاصل ہے جو اور مسلمانوں کا ہے اور ان کے ذمے ہر وہ چیز ہے جو اور مسلمانوں کے ذمے ہے' یہ روایت صحیح بخاری میں اور سنن میں بھی ہے سوائے ابن ماجہ کے۔ ابن جریر میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کی خالص عبادت کرتا ہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ اس حال میں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے اسی کو تمام پیغمبر علیہم السلام لائے تھے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا تھا اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہش ادھر ادھر لگ جائیں۔ اس کی سچائی کی شہادت اللہ تعالیٰ کی آخری وحی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ پس توبہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد برحق کے سوا اوروں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں نمازوں اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ اور آیت میں ہے کہ ان تینوں کاموں کے بعد وہ تمہارے دینی برادر ہیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں یہ تلوار کی آیت ہے اس نے ان تمام عہد و پیمان کو چاک کر دیا جو مشرکوں سے تھے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ برات کے نازل ہونے پر چار مہینے گزر جانے کے بعد کوئی عہد و ذمہ باقی نہیں رہا' پہلی شرطیں برابری کے ساتھ توڑ دی گئیں اب اسلام اور جہاد باقی رہ گیا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ بھیجا ایک تو مشرکین عرب میں' فرماتا ہے ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ روایت اسی طرح مختصراً ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب میں' فرماتا ہے ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ لانے والوں اور اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے حرام کردہ کو حرام نہ ماننے والوں اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین کو قبول نہ کرتے والوں سے جو اہل کتاب ہیں جہاد کرو تاوقتیکہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں۔ تیسری تلوار منافقوں میں' فرمان ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اے نبی (ﷺ) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں' ارشاد ہے ﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ﴾ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو پھر بھی اگر کوئی جماعت دوسری کو دباتی چلی جائے تو ان باغیوں سے تم لڑو جب تک کہ وہ پلٹ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی ماتحتی میں نہ آ جائیں۔ ضحاکؒ اور سدیؒ کا قول ہے کہ یہ آیت تلوار آیت ﴿ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ﴾ سے منسوخ ہے یعنی بطور احسان کے یا فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو چھوڑ دو۔ قتادہؒ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ پچھلی آیت پہلی آیت سے منسوخ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دیا کر یہاں تک کہ کلام اللہ سن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔

کفار کے سفیروں اور قاصدوں کا احترام: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے اگر کوئی آپ سے امن طلب کرے تو آپ اس کی خواہش پوری کر دیں اسے امن دیں یہاں تک کہ وہ قرآن کریم سن لے' آپ ﷺ کی باتیں سن لے دین کی تعلیم معلوم کرے حجت الٰہی پوری ہو جائے پھر اپنی امن میں ہی اسے اس کے وطن پہنچادو بے خوفی کے ساتھ یہ اپنے امن کی جگہ پہنچ جائے ممکن ہے کہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے۔ یہ اس لئے کہ یہ بے علم لوگ ہیں انہیں دینی معلومات بہم پہنچاؤ اللہ تعالیٰ کی دعوت اس کے بندوں کے کانوں تک پہنچادو۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو تیرے پاس دینی باتیں سننے کے لئے آئے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو وہ امن میں ہے یہاں تک کہ کلام اللہ سنے پھر جہاں سے آیا ہے وہاں باامن پہنچ جائے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ اسے جو دین سمجھنے کے لئے آئے اور اسے جو پیغام لے کر آئے امن دے دیا کرتے تھے حدیبیہ والے سال یہی ہوا قریش کے جتنے قاصد آئے یہاں انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ عروہ بن مسعود مکرز بن حفص سہیل بن عمرو وغیرہ یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ یہاں آکر انہیں وہ شان نظر آئی جو قیصر وکسریٰ کے دربار میں بھی نہ تھی یہی انہوں نے اپنی قوم سے کہا پس یہ چیز بھی بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم مسیلمہ کی رسالت کے قائل ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر قاصدوں کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعودؓ کی کوفہ میں امارت کے زمانے میں قتل کر دیا گیا۔ اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے تو آپؓ نے اسے بلوایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے سے کوئی امر مانع نہیں' اسے قتل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت اس پر ہو۔

الغرض دار الحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کا طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادے سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہو امام یا نائب امام نے اسے امن و امان دے دیا ہو تو جب تک وہ دار الاسلام میں رہے جب تک اپنے وطن میں نہ پہنچ جائے اسے قتل کرنا حرام ہے۔ علماء کہتے ہیں ایسے شخص دار الاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے' زیادہ سے زیادہ وہ چار ماہ تک یہاں ٹھہر سکتا ہے۔ پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال بھر کے اندر کے دو قول امام شافعی وغیرہ علماء کے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷

مشرکوں کا عہد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے مگر جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے' جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو' اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

مسلمان مشروط طور پر عہد کی پابندی کریں: اوپر والے حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ چار ماہ کی مہلت دینے پر لڑائی کی اجازت دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شرک وکفر کو چھوڑنے والے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ہی نہیں ہاں صلح حدیبیہ جب تک ان کی طرف سے نہ ٹوٹے تم بھی نہ توڑنا۔ یہ صلح دس سال کے لئے ہوئی تھی' ماہ ذی القعدہ ۶ھ سے حضور ﷺ نے اس معاہدے کو نبھایا یہاں تک کہ قریشیوں کی طرف سے معاہدہ توڑا گیا ان کے حلیف بنو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے حلیف خزاعہ پر چڑھائی کی بلکہ حرم میں بھی انہیں قتل کیا اس بناء پر رمضان المبارک ۸ھ میں حضور ﷺ نے ان پر چڑھائی کی' رب العالمین نے مکہ آپ ﷺ

کے ہاتھوں فتح کرایا اور انہیں آپ ﷺ کے بس میں کر دیا ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ ﴾ لیکن آپ ﷺ نے باوجود غلبہ اور قدرت کے ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا سب کو آزاد کر دیا۔ انہی لوگوں کو طلقاء کہتے ہیں یہ تقریباً دو ہزار تھے جو کفر پر بھی باقی رہے اور ادھر ادھر ہو گئے رحمتہ اللعالمین نے سب کو عام پناہ دیدی اور انہیں مکہ شریف میں آنے اور یہاں اپنے مکانوں میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ چار ماہ تک وہ جہاں چاہیں جا آ سکتے ہیں۔ انہی میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ تھے پھر اللہ نے ان کی رہبری کی اور انہیں اسلام نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر اندازے کے کرنے میں اور ہر کام کے کرنے میں تعریفوں والا ہی ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ۚ۸

ان کے وعدوں کا کیا اعتبار انکا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ تو یہ قرابتداری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا' اپنی زبانوں سے' تو تمہیں پرچار ہے ہیں لیکن دل نہیں مانتے ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں۔

کافر وعدے کے پابند نہیں وسائل کے منتظر ہیں: اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر و فریب اور ان کی دلی عداوت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ ان کی دوستی اپنے دل میں نہ رکھیں نہ ان کے قول و قرار پر مطمئن رہیں ان کا کفر و شرک انہیں وعدوں کی پابندی پر رہنے نہیں دیتا۔ یہ تو وقت کے منتظر ہیں ان کا بس چلے تو یہ تو تمہیں کچے چباڈالیں نہ قرابت داری کو دیکھیں نہ وعدوں کی پاس داری کریں ان سے جو ہو سکے وہ تکلیف تم پر توڑیں اور خوش ہوں۔ ﴿ اِلّ ﴾ کے معنی قرابت داری کے ابن عباسؓ سے بھی مروی ہیں اور حضرت حسانؓ کے شعر میں بھی ہیں۔ اور معنی کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے غلبہ کے وقت اللہ تعالیٰ کا بھی لحاظ نہ کریں گے نہ کسی اور کا یہی لفظ ال ایل بن کر جبریل میکائیل اور اسرافیل میں آیا یعنی اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہے لیکن پہلا قول ہی ظاہر اور مشہور ہے اور اکثر مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ مراد عہد ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ مراد قسم ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے اٹک گئے' بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں' یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے' یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے' اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں' تو تمہارے دینی بھائی ہیں ہم تو جاننے والوں کے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرما رہے ہیں۔

مشرک اگر توبہ کر کے سچے مسلمان بن جائیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں: مشرکوں کی مذمت کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ترغیب جہاد دی جا رہی ہے کہ ان کافروں نے دنیائے خسیس کو آخرت نفیس کے بدلے پسند کر لیا ہے خود راہ رب سے رک کر

مومنوں کو بھی ایمان سے روک رہے ہیں ان کے اعمال بہت ہی بد ہیں یہ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے کے ہی درپے ہیں نہ انہیں رشتے داری کا خیال نہ معاہدے کا پاس۔ یہ تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ ہاں اب بھی یہی توبہ اور نماز وزکوۃ کی پابندی انہیں تمہارا بنا سکتی ہے۔ چنانچہ بزار کی حدیث میں ہے کہ جو دنیا کو اس حال میں چھوڑے کہ اللہ تعالٰی کی عبادتیں خلوص کے ساتھ کر رہا ہو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو نماز وزکوۃ کا پابند ہو تو اللہ تعالٰی اس سے خوش ہو کر ملے گا۔ یہی اللہ تعالٰی کا وہ دین ہے جسے انبیاء علیہم السلام لاتے رہے اور اسی کی تبلیغ اللہ تعالٰی کی طرف سے وہ کرتے رہے اس سے پہلے کہ باتیں پھیل جائیں اور خواہشیں بڑھ جائیں اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں یعنی بتوں کو اور بت پرستی کو چھوڑ دیں اور نمازی اور زکوۃ دینے والے بن جائیں تو تم ان کے راستے چھوڑ دو۔ اور آیت میں ہے کہ پھر یہ تو تمہارے دینی بھائی ہیں' امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال سے تو مرفوع حدیث وہیں پر ختم ہے کہ اللہ تعالٰی اس سے رضامند ہو کر ملے گا' اس کے بعد کا کلام راوی حدیث ربیع بن انسؒ کا ہے' واللہ تعالٰی اعلم۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں' اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں۔

بعض عہد کرنے والوں کو دندان شکن جواب دو: اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کے کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور ﷺ کو گالیاں دے دین میں عیب جوئی کرے اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں۔ یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے۔ ابوجہل' عتبہ' شیبہ' امیہ وغیرہ یہ سب سرداران کفر تھے۔ ایک خارجی نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ایک ہے۔ آپؓ نے فرمایا تو جھوٹا ہے میں تو ان میں سے ہوں جنہوں نے کفر کے پیشواؤں کو قتل کیا تھا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں اس آیت والے اس کے بعد قتل نہیں کئے گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے گو سبب نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن حکماً یہ انہیں اور سب کو شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف لشکر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا منڈی ہوئی ہو گی تو تم اسی شیطانی بیٹھک پر تلوار مار کر انہیں پرلے پار کرنا۔ واللہ ان میں سے ہر ایک کا قتل اور ستر لوگوں کے قتل سے مجھے زیادہ پسند ہے اس لئے کہ فرمان رب ہے کفر کے اماموں کو قتل کرو (ابن ابی حاتم)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم ان لوگوں کی سر کوبی کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے جو اپنی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کی فکر میں رہیں اور خود ہی اول بار تم سے چھیڑ کریں' کیا تم ان سے ڈرتے ہو' اللہ تعالیٰ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایماندار ہو۔ ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب کرے گا انہیں ذلیل ورسوا کرے گا تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دل کا غم وغصہ دور کرے گا' اور جس کی طرف چاہے گا رحمت سے توجہ فرمائے گا' اللہ تعالیٰ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے۔

عہد شکن کفار کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے: مسلمانوں کو پوری طرح جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے فرمارہا ہے کہ یہ عہد شکن قسمیں توڑنے والے کفار وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کی پوری طرح ٹھان لی تھی چاہتے تھے کہ قید کرلیں یا قتل کرڈالیں یا دیس نکالا دے دیں ان کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا مکر کہیں بہتر تھا۔ صرف ایمان کی بناء پر دشمنی کر کے پیغمبر ﷺ کو اور مومنوں کو وطن سے خارج کرتے تھے بھڑ بھڑا کر اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے کہ تجھے مکہ مکرمہ سے نکال دیں۔ برائی کی ابتدا بھی انہی کی طرف سے ہے۔ بدر کے دن لشکر لے کر نکلے معلوم ہو چکا کہ قافلہ بچ کر چلا گیا ہے۔ لیکن تاہم غرور وفخر سے ربانی لشکر کو شکست دینے کے ارادے سے مسلمانوں سے بھڑ گئے۔ جیسے کہ پورا واقعہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے عہد شکنی کی اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلیفوں سے جنگ کی بنو بکر کی خزاعہ کے خلاف مدد کی اس خلاف وعدہ کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی ان کی خوب سر کوبی کی اور مکہ فتح کرلیا' فالحمد للہ

فرماتا ہے کہ تم ان نجس لوگوں سے خوف کھاتے ہو۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے دل میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہ ہونا چاہیے وہی اس کے لائق ہے کہ اس سے ایماندار ڈرتے رہیں۔ اور آیت میں ہے ان سے نہ ڈرو صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو میرا غلبہ میری سلطنت میری سزا میری قدرت میری ملکیت بے شک اس قابل ہے کہ ہر وقت ہر دل میری ہیبت سے لرزتا رہے تمام کام میرے ہاتھ میں ہیں جو چاہوں کر سکتا ہوں اور کر گزرتا ہوں۔ میری منشاء بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا راز بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر تھا جو عذاب چاہتا ان پر بھیج دیتا لیکن اس کی منشاء یہ ہے کہ تمہارے ہاتھوں انہیں سزا دے ان کی بربادی تم آپ کرو تمہارے دل کی خوب بھڑاس نکل جائے اور تمہیں راحت و آرام شادمانی وکامرانی حاصل ہو' یہ بات کچھ انہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام مومنوں کے لئے بھی ہے۔ خصوصاً خزاعہ کا قبیلہ جن پر خلاف عہد قریش اپنے حلیفوں میں مل کر چڑھ دوڑے ان کے دل اسی وقت ٹھنڈے ہوں گے ان کے غبار اسی وقت دھلیں گے جب مسلمانوں کے ہاتھوں کافر پٹے ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غضب ناک ہو جاتیں تو آپ ﷺ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے اے عویش! یہ دعا کرو ﴿ اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ ذَنْبِیْ وَ اَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِی وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ ﴾ اے اللہ محمد (ﷺ) کے پروردگار میرے گناہ بخش اور میرے دل کا غصہ دور کر اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرمالے وہ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے خوب آگاہ ہے اپنے تمام کاموں میں اپنے شرعی احکام میں اپنے تمام حکموں میں حکمت والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے وہ عادل و حاکم ہے ظلم سے پاک ہے ایک ذرے برابر بھلائی برائی ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا بدلہ دنیا اور آخرت میں دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بناتے' اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو۔

جہاد کے ذریعے مسلمانوں کا امتحان: یہ ناممکن ہے کہ امتحان بغیر مسلمان بھی چھوڑ دیئے جائیں سچے جھوٹے کو ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ ولیجہ کے معنی بھیدی اور دخل دینے والے کے ہیں۔ پس سچے وہ ہیں جو جہاد میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور ظاہر باطن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی اور حمایت کریں۔ ایک قسم کا بیان دوسری قسم کو ظاہر کر دیتا تھا اس لئے دوسری قسم کے لوگوں کا بیان چھوڑ دیا ایسی عبارتیں شاعروں کے شعروں میں بھی ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس کے کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش ہو گی ہی نہیں حالانکہ اگلے مومنوں کی بھی ہم نے آزمائش کی یاد رکھو اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کر دے گا۔ اور آیت میں اسی مضمون کو ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ کے لفظوں سے بیان فرمایا ہے اور آیت میں ہے ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تم مومنوں کو تمہاری حالت پر ہی چھوڑ دے اور امتحان کر کے یہ نہ معلوم کر لے کہ خبیث کون ہے اور طیب کون ہے؟ پس جہاد کے مشروع کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ گو اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے جو ہو گا وہ بھی اسے معلوم ہے اور جو نہیں ہوا وہ جب ہو گا تب کس طرح ہو گا یہ بھی وہ جانتا ہے چیز کے ہونے سے پہلے ہی اسے اس کا علم حاصل ہے اور ہر چیز کی حالت سے وہ واقف ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا' سچا جھوٹا ظاہر کر دے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے نہ اس کی قضاو قدر و ارادے کو کوئی بدل سکتا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ قف فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾

ناممکن ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی کریں وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں' ان کے اعمال غارت و اکارت ہیں' اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں نمازوں کے پابند ہوں زکوۃ دیتے ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں' یہی لوگ یقیناً راہ یافتہ ہیں۔

مسجد کی تعمیر اہل ایمان کرتے ہیں نہ کہ مشرک: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی کرنے والے بننا لائق ہی نہیں یہ مشرک ہیں اللہ تعالیٰ کے گھر سے انہیں کیا تعلق؟ ﴿ مساجد ﴾ کو ﴿ مسْجد ﴾ بھی پڑھا ہے پس مراد مسجد حرام ہے جو روئے زمین کی مسجدوں سے اشرف ہے جو اول دن سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے جس کی بنیادیں خلیل اللہ نے رکھی تھیں۔ اور یہ لوگ مشرک ہیں حال و قال دونوں اعتبار سے۔ تم نصرانی سے پوچھو وہ صاف کہے گا میں نصرانی ہوں۔ یہود سے پوچھو وہ اپنی یہودیت کا اقرار کریں گے صابی سے پوچھو وہ بھی اپنا صابی ہونا اپنی زبان سے کہے گا مشرک بھی اپنے مشرک ہونے کے اقراری ہیں ان کے اس شرک کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت ہو چکے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے ناری ہیں۔ یہ تو مسجد حرام سے

اوروں کو روکتے ہی ہیں یہ گو کہیں لیکن دراصل اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہیں اولیاء اللہ تو وہ ہیں جو متقی ہوں لیکن اکثر لوگ علم سے کورے اور خالی ہوتے ہیں۔ ہاں مسجدوں کی آبادی مومنوں کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ پس جس کے ہاتھ سے مسجدوں کی آبادی ہو اس کے ایمان کا قرآن گواہ ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اور حدیث میں ہے مسجدوں کے آباد کرنے والے اللہ والے ہیں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم پر سے ہٹا لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کے آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب ہٹا لیتا ہوں۔ ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکری کو پکڑ لے جاتا ہے پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو جماعت کو اور امام کو اور مسجدوں کو لازم پکڑے رہو۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں جو یہاں آئے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کی عزت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آ کر با جماعت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا یہ نمازی ہوتے ہیں بدنی عبادت نماز کے پابند ہوتے ہیں اور مالی عبادت زکوۃ کے بھی ادا کرنے والے ہوتے ہیں ان کی بھلائی اپنے لئے بھی ہوتی ہے اور پھر عام مخلوق کے لئے بھی ہوتی ہے ان کے دل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے ڈرتے نہیں یہی راہ یافتہ لوگ ہیں۔ موحد' ایمان دار' قرآن و حدیث کے ماتحت پانچوں نمازوں کے پابند' صرف اللہ تعالیٰ کا خوف کھانے والے' اس کے سوا دوسرے کی بندگی نہ کرنے والے ہی راہ یافتہ اور کامیاب اور مقصدور ہیں۔ یہ یاد رہے کہ بقول حضرت ابن عباس ؓ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ ﴿ عَسٰی ﴾ ہے وہاں یقین کے معنی میں ہے امید کے معنی میں نہیں مثلاً فرمان ہے ﴿ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ تو مقام محمود میں پہنچانا یعنی حضور اکرم ﷺ کا شافع محشر بننا یقینی چیز ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ محمد بن اسحاق ؒ فرماتے ہیں ﴿ عَسٰی ﴾ کلام اللہ میں حق و یقین کے لئے آتا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۹ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝۲۱ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۲۲

وقف لازم

کیا تم نے حاجیوں کو پانی دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد

کرے' یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابری کے نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو راہ نہیں دکھاتا ہے' جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں' اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں' انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی ان کے لئے وہاں دوامی نعمت ہے' وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں۔

ایمان کے بغیر نیک اعمال غارت ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافروں کا قول تھا کہ بیت اللہ شریف کی خدمت اور حاجیوں کے پانی پلانے کی سعادت بہتر ہے ایمان و جہاد سے۔ ہم چونکہ یہ دونوں خدمتیں انجام دے رہے ہیں اس لئے ہم سے بہتر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا فخر و غرور اور حق سے تکبر اور منہ پھیرنا بیان فرمایا کہ میری آیتوں کی تمہارے سامنے تلاوت ہوتے ہوئے تم اس سے بے پرواہی سے منہ موڑ کر اپنی کتھائیں مشغول رہتے ہو' پس تمہارا گمان بے جا تمہارا غرور غلط تمہارا فخر نامناسب ہے۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کا ایمان اور اس کی راہ کا جہاد بڑی چیز ہے لیکن تمہارے مقابلے میں تو وہ اور بھی بڑی چیز ہے کیونکہ تمہاری تو کوئی نیکی بھی ہو اسے شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ یہ دونوں گروہ برابر کے بھی نہیں یہ تو اپنے تئیں آبادی کرنے والا کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ظالم رکھا اللہ تعالیٰ کے گھر کی ان کی خدمت بے کار کر دی۔ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی قید کے زمانے میں کہا تھا کہ تم اگر اسلام و جہاد میں تھے تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بے کار ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان پر جب لے دے شروع کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے ہم بیت اللہ شریف کو غلاف چڑھاتے تھے ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے' اس پر یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی۔ مروی ہے کہ طلحہ بن شیبہ' عباس بن عبد المطلب' علی بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے' طلحہ نے کہا میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں میں اگر چاہوں وہاں رات گزار سکتا ہوں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں اگر چاہوں مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں جانتا کہ تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے میں مجاہد ہوں' اس پر یہ آیت اتری۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ڈر ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زمزم کے پانی کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں تم اپنے اس منصب پر قائم رہو تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اسلام کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں۔ دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا۔ تیسرے نے اسی طرح اللہ کی راہ کے جہاد کو کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں آپ جا کر حضور اکرم ﷺ سے یہ بات دریافت کر لوں گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ

اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴

ع ۵/۲

اے مسلمانوں دوست نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو اسلام سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے وہ پورا گنہگار ظالم ہے۔ کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے عذاب کے آنے کا انتظار کرو' اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

ترک موالات و مودت کا حکم: اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں' بہن بھائی ہوں بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر پسند کریں۔ اور آیت میں ہے ﴿ **لا تجدُ قومًا یُؤمنُونَ باللّٰه** ﴾ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تو ہرگز اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے دوستیاں کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔ بیہقی میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح ؓ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہو گئی آپ ؓ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اس پر آیت ﴿ **لا تجدُ** ﴾ الخ۔ نازل ہوئی۔ پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر یہ رشتے اور اپنے حاصل کئے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی وحشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کے برداشت کے لئے تیار رہنا چاہئے' ایسے بدکاروں کو اللہ تعالیٰ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ جا رہے تھے حضرت عمر ؓ کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمر ؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہو گا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اب آپ ﷺ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب اے عمر! (تو مومن ہو گیا) صحیح بخاری۔ صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہو گا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ڈال دے گا وہ دور نہ ہو گی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔـا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ
عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۷

یقیناً اللہ تعالٰی نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ پھر اللہ تعالٰی نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری' اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی' ان کفار کا یہی بدلہ تھا پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالٰی اپنی رحمت کی توجہ فرمائے گا' اللہ تعالٰی ہے ہی بخشش و مہربانی کرنے والا۔

جنگ حنین کا واقعہ اور نصرت الٰہی: مجاہد کہتے ہیں براءۃ کی یہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالٰی اپنا بہت بڑا احسان مومنوں پر ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھیوں کی آپ امداد فرمائی انہیں دشمنوں پر غالب کر دیا اور ایک جگہ نہیں ہر جگہ اس کی مدد شامل حال رہی اسی وجہ سے فتح و ظفر نے کبھی ہم رکابی نہ چھوڑی۔ یہ صرف تائید الٰہی تھی نہ کہ مال اسباب اور ہتھیار کی فراوانی اور نہ تعداد کی زیادتی۔ یاد کر لو حنین والے دن ذرا تمہیں اپنی تعداد کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا تو کیا حال ہوا' پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے۔ معدودے چند ہی پیغمبر رب ﷺ کے ساتھ ٹھہر گئے اسی وقت اللہ تعالٰی کی مدد نازل ہوئی اس نے دلوں میں تسکین ڈال دی یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ مدد اسی رب کی طرف سے ہے اس کی مدد سے چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے گروہ کے منہ پھیر دیئے ہیں اللہ تعالٰی کی امداد صابروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہم عنقریب تفصیل وار بیان کریں گے' انشاء اللہ تعالٰی۔ مسند کی حدیث میں ہے بہترین ساتھی چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد تو اپنی کمی کے باعث کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے' امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ یہ روایت سوائے ایک راوی کے باقی سب راویوں نے مرسلاً بیان کی ہے ابن ماجہ اور بیہقی میں بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے' واللہ اعلم۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ماہ شوال میں جنگ حنین ہوئی تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہوئے اور ابتدائی امور سب انجام دے چکے اور عموماً مکی حضرات مسلمان ہو چکے اور انہیں آپ ﷺ آزاد بھی کر چکے تو آپ ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلہ ہوازن جمع ہوا ہے اور آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے ان کا سردار مالک بن عوف نصری ہے۔ ثقیف کا سارا قبیلہ ان کے ساتھ ہے اسی طرح بنو جشم' بنو سعد ابن بکر بھی ہیں اور بنو ہلال کے بھی کچھ لوگ ہیں اور کچھ لوگ بنو عمرو ابن عامر کے اور عون بن عامر کے بھی ہیں یہ سب لوگ مع اپنی عورتوں اور بچوں اور گھریلو مال کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں' یہاں تک کہ اپنی بکریوں اور اونٹوں کو بھی انہوں نے ساتھ رکھا ہے تو آپ ﷺ اپنے اس لشکر کو لے کر جو آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین اور انصار وغیرہ کا تھا ان کے مقابلہ کے لئے چلے۔ تقریباً دو ہزار نو مسلم مکی بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان کی وادی میں دونوں لشکر مل گئے اس جگہ کا نام حنین تھا۔ صبح سویرے منہ اندھیرے قبیلہ ہوازن جو کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے بے خبری میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا بے پناہ تیر اندازی کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تلواریں چلانی شروع کر دیں۔ یہاں تک مسلمانوں میں دفعتاً ابتری پھیل گئی اور یہ منہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ ان کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے جانور کی دائیں جانب سے نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب بائیں طرف سے نکیل پکڑے ہوئے تھے جانور کی تیزی کو یہ لوگ روک

رہے تھے آپ ﷺ باآواز بلند اپنے تئیں پہنچوار ہے تھے مسلمانوں کو واپسی کا حکم فرمار ہے تھے اور ندا کرتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بندو! کہاں چلے میری طرف آؤ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں' میں اولاد عبدالمطلب میں سے ہوں۔ آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت صرف اسی یا سو کے قریب صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عباس' حضرت علی' حضرت فضل بن عباس' حضرت ابوسفیان بن حارث' حضرت ایمن بن ام ایمن' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو بہت بلند آواز والے تھے حکم دیا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے میرے صحابیوں کو آواز دو کہ وہ نہ بھاگیں۔ پس آپ ﷺ نے یہ کہہ کر کہ اے ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والو! اے سورۂ بقرہ کے حاملو! پس یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچی تھی کہ انہوں نے ہر طرف سے لبیک لبیک کہنا شروع کیا اور آواز کی جانب لپک پڑے اور اسی وقت لوٹ کر آپ ﷺ کے آس پاس آکر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ اڑ گیا تو اس نے اپنی زرہ پہن لی اونٹ پر سے کود گیا اور پیدل سرکار نبوت میں حاضر ہو گیا۔ جب کچھ جماعت آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی کہ باری تعالیٰ جو وعدہ تیرا میرے ساتھ ہے اسے پورا فرما۔ پھر آپ ﷺ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا جس سے ان کی آنکھیں اور ان کا منہ بھر گیا وہ لڑائی کے قابل نہ رہے ادھر مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا ان کے قدم اکھڑ گئے بھاگ نکلے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ اور مسلمانوں کی باقی فوج حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچی اتنی دیر میں تو انہوں نے ان کفار کو قید کر کے حضور اکرم ﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

مسند احمد میں ہے حضرت ابو عبدالرحمٰن فہریؓ جن کا نام یزید بن اسید ہے یا یزید بن انیس ہے اور کرز بھی کہا گیا ہے فرماتے ہیں کہ میں اس معرکے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا دن سخت گرمی والا تھا دوپہر کو ہم درختوں کے سایے کے تلے ٹھہر گئے۔ سورج ڈھلنے کے بعد میں نے اپنے ہتھیار لگا لئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں پہنچا سلام کے بعد میں نے کہا حضور اکرم ﷺ! ہوائیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے' بلال! اس وقت بلالؓ ایک درخت کے سایے میں تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی آواز سنتے ہی پرندے کی طرح گویا اڑ کر ﴿ لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ وَ اَنَا فِدَآؤُكَ ﴾ کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری سواری کسو۔ اسی وقت انہوں نے زین نکالی جس کے دونوں پلے کھجور کی رسی کے تھے جس میں کوئی فخر و غرور کی چیز نہ تھی۔جب کس چکے تو حضور اکرم ﷺ سوار ہوئے ہم نے صف بندی کر لی شام اور رات اسی طرح گزری پھر دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہو گئی تو مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے جیسے قرآن نے ذکر فرمایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آواز دی کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں اے مہاجرین! میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ﷺ ہوں' پھر اپنے گھوڑے سے اتر پڑے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور یہ فرما کر کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں کافروں کی طرف پھینک دی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔ ان مشرکوں کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں یہ مٹی نہ آئی ہو اس وقت میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا زمین و آسمان کے درمیان لوہا کسی لوہے کی طشت پر بج رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بھاگے ہوئے مسلمان جب ایک سو آپ ﷺ کے پاس واپس پہنچ گئے آپ ﷺ نے اسی وقت حملے کا حکم دے دیا۔ اول تو منادی انصار کی تھی پھر خزرج ہی پر رہ گئی یہ قبیلہ لڑائی کے وقت بڑا ہی صابر تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سے میدان جنگ کا نظارہ دیکھا اور فرمایا اب لڑائی گرما گرمی سے ہو رہی ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کافر کو چاہا قتل کرا دیا جسے چاہا قید کرا دیا اور ان کے مال اور اولادیں اپنے نبی اکرم ﷺ کو فے میں دلا دیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ اے ابو عمارہ کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے حنین والے دن بھاگ نکلے تھے؟ آپ نے فرمایا لیکن رسول اللہ ﷺ کا قدم پیچھے نہ ہٹا تھا بات یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ تیر اندازی کے فن کے استاد تھے اللہ کے فضل سے ہم

نے انہیں پہلے ہی حملے میں شکست دے دی لیکن جب لوگ مال غنیمت پر جھک پڑے انہوں نے موقعہ دیکھ کر پھر جو قادر اندازی کے ساتھ تیروں کی بارش برسائی تو یہاں بھگدڑ مچ گئی' سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کی کامل شجاعت اور پوری بہادری کا یہ موقع تھا' لشکر بھاگ نکلا ہے اس وقت آپ ﷺ کسی تیز سواری پر نہیں جو بھاگنے دوڑنے میں کام آئے بلکہ خچر پر سوار ہیں اور مشرکوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اپنے تئیں چھپاتے نہیں بلکہ اپنا نام اپنی زبان سے پکار پکار کر بتلا رہے ہیں کہ نہ پہچاننے والے بھی پہچان لیں۔ خیال فرمایئے کہ کس قدر ذات واحد پر آپ ﷺ کا توکل ہے اور کتنا کامل یقین آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے' جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امر رسالت کو پورا کر کے ہی رہے گا اور آپ ﷺ کے دین کو دنیا کے اور دینوں پر غالب کر کے ہی رہے گا' فصلوات اللہ وسلامہ' علیہ ابدا ابدا۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ پر اور مسلمانوں کے اوپر سکینت نازل فرماتا ہے اور اپنے فرشتوں کا لشکر بھیجتا ہے جنہیں کوئی نہ دیکھتا تھا۔ ایک مشرک کا بیان ہے کہ حنین والے دن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے لگے ایک بکری کا دودھ نکالا جائے اتنی دیر بھی ہم نے انہیں اپنے سامنے جمنے نہیں دیا فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا یہاں تک کہ ہمیں ایک صاحب سفید خچر پر سوار نظر پڑے ہم نے دیکھا کہ خوبصورت نورانی سفید چہرے والے کچھ لوگ ان کے اردگرد ہیں ان کی زبان سے نکلا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں واپس لوٹ جاؤ بس یہ کہنا تھا کہ ہمیں شکست ہو گئی یہاں تک کہ مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں بھی اس لشکر میں تھا آپ ﷺ کے ساتھ صرف اسی مہاجر و انصار رہ گئے تھے ہم نے پیٹھ نہیں دکھائی تھی ہم پر اللہ تعالیٰ نے اطمینان و سکون نازل فرما دیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار دشمنوں کی طرف بڑھ رہے تھے جانور نے ٹھوکر کھائی آپ ﷺ زین پر سے نیچے کی طرف جھک گئے میں نے آواز دی کہ حضور اکرم ﷺ اونچے ہو جایئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اونچا ہی رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مٹھی مٹی کی تو بھر دو۔ میں نے بھر دی۔ آپ ﷺ نے کافروں کی طرف پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں پھر فرمایا مہاجر و انصار کہاں ہیں؟ میں نے کہا یہیں ہیں۔ فرمایا انہیں آواز دو۔ میرا آواز دینا تھا کہ وہ تلواریں تولے ہوئے لپک لپک کر آ گئے۔ اب تو مشرکین کی کچھ نہ چلی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ حنین کے دن جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ہے اور آپ ﷺ تنہا رہ گئے ہیں تو مجھے بدر والے دن اپنے باپ اور چچا کا مارا جانا یاد آ گیا کہ وہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کے انتقام لینے کا اس سے اچھا موقعہ اور کونسا ملے گا؟ آؤ پیغمبر ﷺ کو قتل کر دوں۔ اس ارادے سے میں آپ ﷺ کی دائیں جانب بڑھا لیکن وہاں میں نے عباسؓ بن عبدالمطلب کو پایا۔ سفید چاندی جیسی زرہ پہنے مستعد کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ چچا ہیں اپنے بھتیجے کی پوری حمایت کریں گے چلو بائیں جانب سے جا کر اپنا کام کروں' ادھر سے آیا تو دیکھا کہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کھڑے ہیں' میں نے کہا ان کے بھی چچا کے لڑکے بھائی ہیں' اپنے بھائی کی ضرور حمایت کریں گے پھر میں کاوا کاٹ کر پیچھے کی طرف آیا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا اب یہی باقی رہ گیا تھا کہ تلوار سونت کر وار کر دوں کہ میں نے دیکھا کہ ایک آگ کا کوڑا بجلی کی طرح چمک کر مجھ پر پڑنا چاہتا ہے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پچھلے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹا۔ اسی وقت حضور اکرم ﷺ نے میری جانب التفات فرمایا اور فرمایا شیبہ میرے پاس آ۔ اللہ اس کے شیطان کو دور کر دے' اب میں نے آنکھ کھول کر جو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو واللہ آپ ﷺ مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شیبہ جا کافروں سے لڑ۔ شیبہؓ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں میں میں بھی تھا لیکن میں اسلام کی وجہ سے یا اسلام کی معرفت کی بناء پر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے کہا واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوازن قریش پر غالب آ جائیں؟ میں آپ ﷺ کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا جو میں نے ابلق رنگ کے گھوڑے کو دیکھ کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں تو ابلق رنگ کے گھوڑے دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا شیبہ وہ تو سوائے کافروں کے کسی کو نظر نہیں آتے۔ پھر آپ ﷺ نے

میرے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کہ اللہ شیبہ کو ہدایت کر' پھر دوبارہ سہ بارہ یہی کیا اور یہی کہا۔ واللہ آپ ﷺ کا ہاتھ ہٹنے سے پہلے ہی ساری دنیا سے زیادہ محبت آپ ﷺ کی میں اپنے دل میں پانے لگا۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں میں اس غزوے میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان سے اتر رہی ہے چیونٹیوں کی طرح اس نے میدان گھیر لیا اور اسی وقت مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے واللہ ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ آسمانی مدد تھی۔ یزید بن عامر سوائی اپنے کفر کے زمانے میں جنگ حنین میں کافروں کے ساتھ تھے بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اس موقعہ پر تمہارے دلوں کا رعب وخوف سے کیا حال تھا؟ تو وہ طشت میں کنکریاں رکھ کر بجا کر کہتے بس یہی آواز ہمیں ہمارے دل سے آرہی تھی بے طرح کلیجہ اچھل رہا تھا اور دل دہل رہا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے' مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں۔ الغرض کفار کو اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی اور یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا۔ باقی ہوازن پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی انہیں توبہ نصیب ہوئی مسلمان ہو کر خدمت مخدوم میں حاضر ہوئے اس وقت آپ ﷺ فتح مندی کے ساتھ لوٹتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قریب جعرانہ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ جنگ کو بیس دن کے قریب گذر چکے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تم دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو یا تو قیدی یا مال؟ انہوں نے قیدیوں کا واپس لینا پسند کیا ان قیدیوں کی چھوٹوں بڑوں کی مرد عورت کی بالغ نابالغ کی تعداد چھ ہزار کی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ سب انہیں لوٹا دیئے ان کا مال بطور غنیمت کے مسلمانوں میں تقسیم ہوا' اور نو مسلم جو مکہ کے آزاد کردہ تھے انہیں بھی آپ ﷺ نے اس مال میں سے دیا کہ ان کے دل اسلام کی طرف پورے مائل ہو جائیں ان میں سے ایک ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ مالک بن عوف نصری کو بھی آپ ﷺ نے سو اونٹ دیئے اور اس کو اس کی قوم کا سردار بنا دیا جیسے کہ وہ تھا۔ اسی کی تعریف میں اس نے اپنے مشہور قصیدے میں کہا ہے کہ میں تو حضرت محمد ﷺ جیسا نہ کسی اور کو دیکھا نہ سنا' دینے میں اور بخشش و عطا کرنے میں اور قصوروں سے درگزر کرنے میں دنیا میں آپ ﷺ کا ثانی نہیں' آپ ﷺ کل قیامت کے دن ہونے والے تمام امور سے مطلع فرماتے رہتے ہیں' یہی نہیں شجاعت اور بہادری میں بھی آپ ﷺ بے مثل ہیں میدان جنگ میں گرجتے ہوئے شیر کی طرح آپ ﷺ دشمنوں کی طرف بڑھتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

اے ایمان والو مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں' اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے' تو اللہ تعالیٰ تمہیں دولت مند کر دے گا اپنے فضل سے اگر چاہے' اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے' لڑو ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو حرام نہیں جانتے اسے جسے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

حرم کی حدود میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہے: اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اپنے پاک دین والے پاکیزگی اور طہارت والے مسلمان بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ دین کی رو سے نجس مشرکوں کو بیت اللہ کے پاس نہ آنے دیں۔ یہ آیت سن ۹ ہجری میں نازل ہوئی اسی سال آنحضرت رسول مقبول ﷺ نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ مجمع حج میں اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اس شرعی حکم کو اللہ تعالیٰ قادر و قیوم نے یوں ہی پورا کیا کہ نہ وہاں مشرکوں کو داخلہ نصیب ہوا نہ کسی نے اس کے بعد عریانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ غلام اور ذمی شخص کو مستثنیٰ بتاتے ہیں۔

مسند کی حدیث میں فرمان رسول اکرم ﷺ ہے کہ ہماری اس مسجد میں اس سال کے بعد سوائے معاہدہ والے اور تمہارے غلاموں کے اور کوئی کافر نہ آئے۔ لیکن اس مرفوع سے زیادہ صحیح سند والی موقوف روایت ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصرانی کو مسلمانوں کی مسجدوں میں نہ آنے دو۔ اس منع کرنے میں آپ اس آیت کی ماتحتی میں تھے۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ حرم سارا اس حکم میں مثل مسجد حرام کے ہے۔ یہ آیت مشرکوں کی نجاست پر بھی دلیل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے مومن نجس نہیں ہوتا۔ باقی رہی یہ بات کہ مشرکوں کا بدن اور ذات بھی نجس ہے یا نہیں' پس جمہور کا قول تو یہ ہے کہ نجس نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کیا ہے۔ بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ مشرکوں کے بدن بھی ناپاک ہیں۔ حسنؒ فرماتے ہیں جو ان سے مصافحہ کرے وہ ہاتھ دھو ڈالے۔ اس حکم پر بعض لوگوں نے کہا کہ پھر تو ہماری تجارت کا مندا ہو جائے گا ہمارے بازار بے رونق ہو جائیں گے اور بہت سے فائدے جاتے رہیں گے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ غنی و حمید فرماتا ہے کہ تم اس بات سے نہ ڈرو اللہ تعالیٰ تمہیں اور بہت سی صورتوں سے دلا دے گا تمہیں اہل کتاب سے جزیہ دلائے گا اور تمہیں غنی کر دے گا۔ تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ تمہارا رب جانتا ہے اس کا حکم اس کی ممانعت کسی نہ کسی حکمت سے ہی ہوتی ہے' یہ تجارت اتنے فائدے کی نہیں جتنا فائدہ وہ تمہیں جزیے سے دے گا' ان اہل کتاب سے جو اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور قیامت کے منکر ہیں جو کسی نبی کے صحیح معنی میں پورے متبع نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کے اور اپنے بڑوں کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اگر انہیں اپنے نبی اکرم ﷺ پر اپنی شریعت پر پورا ایمان ہوتا تو وہ ہمارے اس نبی ﷺ پر بھی ضرور ایمان لاتے۔ ان کی بشارت تو ہر نبی دیتا رہا ان کی اتباع کا حکم ہر نبی نے دیا لیکن باوجود اس کے وہ اس اشرف الرسل ﷺ کے انکاری ہیں پس اگلے نبیوں کی شرع سے بھی دراصل انہیں کوئی سروکار بھی نہیں اسی وجہ سے ان نبیوں کا زبانی اقرار ان کے لئے بے سود ہے کیونکہ یہ سید الانبیاء افضل الرسل خاتم النبین اکمل المرسلین ﷺ سے کفر کرتے ہیں اس لئے ان سے بھی جہاد کرو۔ ان سے جہاد کے حکم کی یہ پہلی آیت ہے اس وقت تک آس پاس کے مشرکین سے جنگ ہو چکی تھی ان میں کے اکثر توحید کے جھنڈے کے تلے آ چکے تھے جزیرۃ العرب میں اسلام نے جگہ کر لی تھی اب یہود و نصاریٰ کی خبر لینے اور انہیں راہ حق دکھانے کا حکم ہوا' سن ۹ ہجری میں یہ حکم اترا اور آپ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کی تیاری کی لوگوں کو اپنے ارادے سے مطلع کیا مدینہ کے اردگرد کے عربوں کو آمادہ کیا اور تقریباً تیس ہزار کا لشکر لے کر روم کا رخ کیا بجز منافقین کے یہاں کوئی نہ رکا سوائے بعض کے۔ موسم سخت گرم تھا پھلوں کا وقت تھا روم سے جہاد کے لئے شام کے ملک کا دور دراز کا کٹھن سفر تھا تبوک تک تشریف لے گئے وہاں تقریباً بیس روز قیام فرمایا پھر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر کے واپس لوٹے حالت کی تنگی اور لوگوں کی ضعیفی کی وجہ سے۔ جیسے کہ عنقریب اس کا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہو گا۔ اسی آیت سے استدلال کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جیسے مجوس ہیں۔ چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت ﷺ نے جزیہ لیا تھا۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمدؒ کا بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب

سے ہی لیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزیے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کے بسط کی یہ جگہ نہیں' واللہ اعلم۔

پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں انہیں نہ چھوڑو۔ پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت وتوقیر دینی اور انہیں اوج وترقی دینی جائز نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں یہود ونصاریٰ سے سلام کی ابتدا نہ کرو اور جب ان میں سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی کی طرف مجبور کرو۔ یہی وجہ تھی جو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے ایسی ہی شرطیں کی تھی۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ اہل شام کے فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل وعیال کے لئے امن طلب کی ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی دیر اور کوئی گرجا گھر اور کوئی خانقاہ نیا نہیں بنائیں گے۔ اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہیں درست نہیں کریں گے ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہم ان کے دروازے راہ گزر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے شرک کا اظہار نہ کریں گے نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے مسلمانوں کی توقیر وعزت کریں گے ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں' ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے' ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے' زین والے گھوڑے پر سواریاں نہ کریں گے تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے' انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے شراب فروشی نہیں کریں گے اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوادیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے زنار ضرور ڈالے رہیں گے صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گزرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے نہیں بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں باآواز بلند اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں پر آگ لے کر جائیں گے مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے ان کے گھروں میں انہیں جھانکیں گے نہیں۔ جب یہ عہد نامہ فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؓ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمان کو ہرگز ماریں گے نہیں یہ تمام شرطیں قبول ومنظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی انہیں شرائط پر ہمیں امان ملی ہے اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْ
لُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ

ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے' یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے' اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی ریس کرنے لگے' انہیں اللہ تعالیٰ غارت کرے' کیسے پلٹائے جاتے ہیں' ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو' حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کیا گیا تھا' جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

مشرکوں نے نبیوں درویشوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا: ان آیتوں میں بھی جناب باری عزوجل مومنوں کو مشرکوں کافروں سے یہودیوں نصرانیوں جہاد کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ فرماتا ہے دیکھو وہ اللہ کی شان میں کیسی گستاخیاں کرتے ہیں' یہود عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر و بلند ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ ان لوگوں کو حضرت عزیر علیہ السلام کی نسبت جو یہ وہم ہوا اس کا قصہ یہ ہے کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علماء کو قتل کر دیا ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام علم کے اٹھ جانے سے اور علماء کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو ہی نہ تھمتے تھے روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گزر ہوا دیکھا کہ ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کا کیا ہو گا میرے کپڑوں کا کیا ہو گا؟ آپ علیہ السلام اس کے پاس ٹھہر گئے اور اس سے فرمایا اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ باقی ہے اس پر تو کبھی موت آئے گی ہی نہیں۔ یہ سن کر اس عوت نے کہا اے عزیر! پھر تم یہ تو بتلاؤ کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ۔ اس نے کہا آپ علیہ السلام یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے پھر آپ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کرو وہیں دو رکعت نماز ادا کرو وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے وہ جو کچھ کھلائیں وہ کھا لو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے نہا کر نماز ادا کی' دیکھا کہ ایک شخص ہیں کہہ رہے ہیں منہ کھولو آپ علیہ السلام نے منہ کھول دیا تو انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ علیہ السلام کے منہ میں بڑی ساری ڈالی' اسی وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا سینہ کھول دیا' آپ علیہ السلام توراۃ کے سب سے بڑے عالم بن گئے بنی اسرائیل میں گئے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس توراۃ لایا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہم سب کے نزدیک سچے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے بہ یک وقت پوری توراۃ لکھ ڈالی۔ ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیز علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں توراۃ شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا تو بالکل صحیح پایا۔ اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈال دیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو نصرانی اللہ کا بیٹا کہتے تھے ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان دونوں گروہ کی غلط بیانی قرآن بیان فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں جو محض بے دلیل ہیں جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر و ضلالت میں تھے یہ بھی انہیں کے مرید و مقلد ہیں اللہ تعالیٰ انہیں لعنت کرے حق سے کیسے بھٹک گئے۔

مسند احمد' ترمذی اور ابن جریر میں ہے کہ جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ ﷺ کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہو گئی پھر حضور اکرم ﷺ نے بطور احسان اسکی بہن کو آزاد کر دیا اور رقم بھی دی۔ یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ و التسلیم کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ یہ مدینہ منورہ آگئے تھے اپنی قوم طے کے سردار تھے ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچائی۔ آپ ﷺ خود ان کے پاس آئے۔ اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اسی آیت ﴿ اتَّخَذُوْٓا ﴾ کی تلاوت ہو رہی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں سنو ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء اور درویش حلال بتلا دیں اسے حلال سمجھنے لگے یہی انکی عبادت تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا عدی! کیا تم اس سے منکر ہو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے' کیا تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی ہے کیا تم اس سے انکاری ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی' انہوں نے مان لی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہی ادا کی۔ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر غضب اللہ اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے کہ اس سے مراد حلال و حرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں انہوں نے بزرگوں کی ماننی شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک طرف ہٹا دی' اسی لئے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں حکم تو صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت نہ کریں وہی جسے حرام کر دے حرام ہے اور وہ جسے حلال فرما دے حلال ہے اسی کے فرمان شریعت ہیں' اسی کے احکام بجالانے کے لائق ہیں اسی کی ذات عبادت کی مستحق ہے وہ شریک سے اور شرک سے پاک ہے اس جیسا اس کا شریک اس کا نظیر اس کا مددگار اس کی ضد کا کوئی نہیں' وہ اولاد سے پاک ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود پروردگار۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

النصف

ان کی چاہت ہے کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں' اسی نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے' اگرچہ مشرک برا مانیں۔

پھونکوں سے شمع حق نہیں بجھ سکتی: فرماتا ہے کہ ہر قسم کے کفار کا ارادہ اور چاہت یہی ہے کہ اللہ کا نور بجھا دیں ہدایت ربانی اور دین حق کو مٹا دیں تو خیال کر لو کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے آفتاب یا مہتاب کی روشنی بجھانی چاہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ لوگ بھی اللہ کے نور کے بجھانے کی چاہت میں اپنی امکانی کوشش کر لیں آخر عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ ضروری بات ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دین حق تعلیم رسول اللہ ﷺ کا بول بالا ہو گا۔ تم مٹانا چاہتے ہو اللہ تعالیٰ بلند کرنا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چاہت تمہاری چاہت پر غالب رہے گی تم گو ناخوش رہو لیکن آفتاب ہدایت بیچ آسمان میں پہنچ کر ہی رہے گا۔

عربی لغت میں کافر کہتے ہیں کسی چیز کے چھپا لینے والے کو اسی اعتبار سے رات کو بھی کافر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے' کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ دانے زمین میں چھپا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿ یُعْجِبُ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ اسی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پس حضور اکرم ﷺ کی سچی خبریں اور صحیح ایمان اور نفع والا علم یہ ہدایت ہے اور عمدہ اعمال جو دنیا و آخرت میں نفع دیں یہ دین حق ہے۔ یہ تمام مذاہب عالم پر چھا کر رہے گا۔ آنحضرت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں میرے لئے زمین کی مشرق و مغرب لپیٹ دی گئی میری امت کا ملک ان تمام جگہوں تک پہنچے گا۔ فرماتے ہیں تمہارے ہاتھوں پر مشرق و مغرب فتح ہوگا۔ تمہارے سردار جہنمی ہیں' بجز ان کے جو متقی' پرہیزگار اور امانت دار ہوں۔ فرماتے ہیں یہ دین تمام اس جگہ پر پہنچے گا جہاں پر دن رات پہنچیں کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اللہ عزوجل اسلام کو نہ پہنچائے۔ عزیزوں کو عزیز کرے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا۔ اسلام کو عزت دینے والوں کو عزت ملے گی اور کفر کو ذلت نصیب ہوگی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو یہ بات خود اپنے گھر میں بھی دیکھ لی جو مسلمان ہوا اسے خیر و برکت عزت و شرافت ملی اور جو کافر رہا اسے ذلت و نکبت نفرت و لعنت نصیب ہوئی' پستی اور حقارت دیکھی اور کمینہ پن کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا جنہیں عزت دینی چاہے گا انہیں اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہوگا وہ اسے مانیں گے نہیں لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔ حضرت عدیؓ فرماتے ہیں میرے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے مجھ سے فرمایا اسلام قبول کر تاکہ سلامتی ملے۔ میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے دین کا تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے۔ میں نے کہا سچ۔ آپ ﷺ نے فرمایا بالکل سچ' کیا تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا ہاں یہ تو سچ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں۔ پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کونسی چیز روکتی ہے۔ سن صرف اسی ایک بات کی تجھے روک ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور اور ناتوان ہیں تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہیں یہ پنپ نہیں سکتے۔ لیکن سن حیرہ کا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا تو ضرور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر بغیر کسی کی امان کے مکہ معظمہ پہنچے گا اور بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ میں نے کہا۔ کسریٰ بن ہرمز کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز کے' تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدیؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان پورا ہوا یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں بے خوف و خطر بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق ﷺ کی دوسری پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوئے میں خود اس فوج میں تھا جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کسریٰ کے مخفی خزانے اپنے قبضے میں کئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و مصدوق ﷺ کی تیسری پیشین گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر ہی رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں دن رات کا دور ختم نہ ہوگا۔ جب تک کہ پھر لات و عزیٰ کی عبادت نہ ہونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آیت ﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ ﴾ کے نازل ہونے کے بعد سے میرا خیال تو آج تک یہی رہا کہ یہ پوری بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پوری ہوگئی اور مکمل ہی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو پھر اللہ تعالیٰ رب العالمین ایک پاک ہوا بھیجے گا جو ہر اس شخص کو بھی فوت کر لے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ پھر وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں کوئی خیر و خوبی نہ ہوگی۔ پس وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف پھر سے لوٹ جائیں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اے ایمان والو اکثر علماء اور عابد لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں' اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذابوں کی خبر پہنچا دے' جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمریں داغ دی جائیں گی' یہ ہے جسے تم اپنے لئے خزانہ بنا رہے تھے پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔

یہودیوں کے احبار اور نصرانیوں کے رہبان: یہودیوں کے علماء کو احبار اور نصرانیوں کے عابدوں کو رہبان کہتے ہیں۔ آیت ﴿ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ﴾ میں یہود کے علماء کو احبار کہا گیا ہے۔ نصرانیوں کے عابدوں کو رہبان اور ان کے علماء کو قسیس اس آیت میں کہا گیا ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا ﴾ مقصود آیت کا لوگوں کو برے علماء گمراہ صوفیوں اور عابدوں سے ہوشیار کرنا اور ڈرانا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور صوفیوں اور عابدوں میں سے ہم مسلمانوں میں وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم یقیناً اپنے سے پہلوں کی روش پر چل پڑو گے ایسی پوری مشابہت سے کہ ذرا بھی فرق نہ رہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا یہود و نصاریٰ کی روش پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں انہی کی۔ اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کی روش پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور کون لوگ ہیں۔ پس ان کے اقوال افعال کی مشابہت سے بہت ہی بچنا چاہئے۔ یہ اس لئے کہ یہ منصب و ریاست حاصل کرنا اور اس وجاہت سے لوگوں کے مال مارنا چاہتے ہیں۔ احبار یہود کو زمانہ جاہلیت میں بڑا ہی رسوخ حاصل تھا ان کے تحفے ہدیے اخراج چراغی مقرر تھی جو بے مانگے انہیں پہنچ جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد اسی طمع نے انہیں قبول اسلام سے روکا۔ لیکن حق کے مقابلے کی وجہ سے اس طرف سے بھی کورے رہے اور آخرت سے بھی گئے گزرے' ذلت و حقارت ان پر برس پڑی اور غضب رب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ حرام کھائی جماعت خود حق سے رک کر اوروں کے بھی درپے رہتی تھی حق کو باطل سے خلط ملط کر کے لوگوں کو بھی راہ حق سے روک دیتے تھے۔ جاہلوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتے کہ ہم لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ یہ صریح دھوکہ ہے وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔ عالموں کا صوفیوں کا یعنی واعظوں اور عابدوں کا ذکر کر کے اب امیروں دولتمندوں اور رئیسوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جیسے یہ دونوں طبقے اپنے اندر بدترین لوگوں کو بھی رکھتے ہیں ایسے ہی اس تیسرے طبقے میں بھی شریر النفس لوگ ہوتے ہیں۔ عموماً انہیں تین طبقے کے لوگوں کا عوام پر اثر ہوتا ہے جھنڈ کے جھنڈ عامیوں کے ان کے ساتھ بلکہ انکے پیچھے ہوتے ہیں پس ان کا بگڑنا گویا مذہبی دنیا کا ستیاناس ہونا ہے جیسے کہ حضرت ابن المبارک کہتے ہیں ﴿ وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا ﴾ یعنی دین و عظوں عالموں صوفیوں اور درویشوں کے پلید طبقے سے ہی بگڑتا ہے۔

ہمارا مال وزر اور جہنم کی آگ: کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے بلکہ آپ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو کنز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بے زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ یہ حکم زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دی۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور عراک بن مالکؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول رب ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت حدیثیں وارد ہوئی ہیں بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے تین مرتبہ آپ ﷺ کا یہی فرمان سن کر صحابہ کرام پر شاق گزرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔ مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہؓ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا لو میں حضور اکرم ﷺ سے دریافت کر آتا ہوں اپنی سواری تیز کر کے رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ اور روایات میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے کہا پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں۔ اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبانؓ بھی تھے آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو جائے۔ میراث کا مقرر کرنا بتلا رہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لو اور سنو میں تمہیں بہترین خزانہ اور بتلاؤں نیک عورت کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے فوراً بجا لائے اور جب موجود نہ ہو حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہؒ کہتے ہیں کہ حضرت شداد ابن اوسؓ ایک سفر میں تھے ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں۔ مجھے برا معلوم ہوا آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کہی تھی اب تم اسے بھول جاؤ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھ لو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَاتَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴾ یعنی یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکریہ اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے اس سے پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب کا جاننے والا ہے۔ آیت میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال کو نہ خرچ کرنے والے اور اسے چھپا چھپا کر رکھنے والے دردناک عذابوں سے مطلع ہو جائیں۔ قیامت کے دن اسی مال کو خوب تپا کر گرم آگ جیسا کر کے اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمر داغی جائے گی اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ان سے فرمایا جائے گا کہ لو اپنی جمع جتھا کا مزہ چکھو۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ جہنمی گرم پانی کا تریڑا ان کے سروں پر بہاؤ اور ان سے کہو کہ عذاب کا لطف اٹھاؤ تم تو بڑے ذی عزت اور بزرگ سمجھے جاتے رہے۔ یہ

ہے بدلہ اس کا۔ ثابت ہوا کہ جو شخص جس چیز کو محبوب بنا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اسے مقدم کرے گا اسی کے ساتھ اسے عذاب ہوگا۔ ان مالداروں نے مال کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بھلا دیا تھا آج اسی مال سے انہیں سزا دی جا رہی ہے۔ جیسے کہ ابولہب کھلم کھلا حضور اکرم ﷺ کی دشمنی کرتا تھا اور اس کی بیوی اس کی مدد کرتی تھی قیامت کے دن آگ کے اور بھڑکانے کے لئے وہ اپنے گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں لا لا کر اسے سلگائے گی اور اس میں وہ جلتا رہے گا۔ یہ مال جو یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں یہی مال قیامت کے دن سب سے زیادہ مضر ثابت ہوں گے اسی کو گرم کر کے اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ایسے مالداروں کے جسم اتنے لمبے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک ایک دینار و درہم اس پر آ جائے پھر کل مال آگ جیسا بنا کر علیحدہ علیحدہ کر کے سارے جسم پر پھیلا دیا جائے گا یہ نہیں کہ ایک کے بعد ایک داغ لگے' بلکہ ایک ساتھ سب کے سب۔ مرفوعاً بھی یہ روایت آئی تو ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مال ایک اژدھا بن کر اس کے پیچھے لگے گا جو عضو سامنے آ جائے گا اسی کو چبا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو اپنے بعد خزانہ چھوڑ جائے اس کا وہ خزانہ قیامت کے دن زہریلا اژدھا بن کر جس کی آنکھوں پر نقطہ ہوں گے اس کے پیچھے لگے گا یہ بھاگتا ہوا پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا تیرا جمع کردہ اور مرنے کے بعد چھوڑا ہوا خزانہ آخر اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے اس کا مال قیامت کے دن آگ کی تختیوں جیسا بنا دیا جائے گا اور اس سے اس کی پیشانی پہلو اور کمر داغی جائے گی۔ پچاس ہزار سال تک لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک تو اس کا یہی حال رہے گا پھر اسے اس کی منزل کی راہ دکھا دی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔

امام بخاریؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ زید بن وہبؒ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملے اور دریافت کیا کہ تم یہاں کیسے آ گئے ہو؟ آپؓ نے فرمایا ہم شام میں تھے وہاں میں نے آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ﴾ کی تلاوت کی تو (حضرت) معاویہؓ نے فرمایا۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ میں نے کہا ہمارے اور ان کے سب کے حق میں ہے' اس میں میرا ان کا اختلاف ہو گیا انہوں نے میری شکایت کا خط دربار عثمانی میں لکھا' خلافت کا فرمان میرے نام آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ میں جب مدینہ طیبہ پہنچا تو دیکھا کہ چاروں طرف سے مجھے لوگوں نے گھیر لیا اس طرح بھیڑ لگ گئی کہ گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ غرض میں مدینہ منورہ میں ٹھہرا لیکن لوگوں کی آمد و رفت سے تنگ آ گیا۔ آخر میں نے (حضرت) عثمانؓ سے شکایت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے قریب ہی کسی صحرا میں چلے جاؤ۔ میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی لیکن یہ کہہ دیا کہ واللہ جو میں کہتا تھا اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ بال بچوں کے کھلانے کے بعد جو بچے اسے جمع کر رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی کا آپ فتویٰ دیتے تھے اور اسی بات کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور لوگوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے اسی کا حکم دیتے تھے اور اس کے مخالف لوگوں پر بڑا ہی تشدد کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے آپ کو روکنا چاہا کہ کہیں لوگوں میں عام ضرر نہ پھیل جائے یہ نہ مانے تو آپ نے خلافت سے شکایت کی۔ امیر المومنینؓ نے انہیں بلا کر ربذہ میں تنہا رہنے کا حکم دیا۔ آپ وہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہی رحلت فرما گئے۔ حضرت معاویہؓ نے بطور امتحان ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھجوائیں آپ نے شام سے پہلے ہی پہلے سب ادھر ادھر راہ للہ خرچ کر ڈالیں۔ شام کو وہی صاحب جو انہیں صبح کو ایک ہزار اشرفیاں دے گئے تھے وہ آئے کہا مجھ سے غلطی ہو گئی امیر معاویہؓ نے وہ اشرفیاں اور صاحب کے لئے بھجوائی تھیں۔ میں نے غلطی سے آپ کو دے دیں وہ واپس کیجئے۔ آپؓ نے فرمایا تم پر افسوس ہے میرے پاس تو اب ان میں سے ایک پائی بھی نہیں اچھا جب میرا مال آ جائے گا تو میں آپ کو آپ کی اشرفیاں واپس کر دوں گا۔ ابن عباسؓ بھی اس آیت کے حکم کو عام بتلاتے ہیں سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ میں آیا دیکھا کہ ایک جماعت قریشیوں کی محفل لگائے بیٹھی ہے میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا کہ ایک صاحب تشریف لائے میلے

کھلے موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے بہت خستہ حالت میں اور آ کر کھڑے ہو کر فرمانے لگے روپیہ پیسہ جمع کرنے والے اس سے خبر دار رہیں کہ قیامت کے دن جہنم کے انگارے ان کی چھاتی کی بٹنی پر رکھے جائیں گے جو کھوے کی ہڈی کے پار ہو جائیں گے پھر پیچھے کی طرف سے آگے کو سوراخ کرتے اور جلاتے ہوئے نکل جائیں گے۔ لوگ سب سر نیچا کئے بیٹھے رہے کوئی بھی کچھ نہ بولا وہ بھی مڑ کر چل دیئے اور ایک ستون سے لگ کر بیٹھ گئے میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میرے خیال میں تو ان لوگوں کو آپ کی بات بری لگی۔ آپ نے فرمایا یہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ تین دن گزرنے کے بعد میرے پاس اس میں سے کچھ بھی بچا ہوا رہے ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے میں کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔

غالباً اسی حدیث نے حضرت ابوذرؓ کا یہ مذہب کر دیا تھا جو آپ نے اوپر پڑھا' واللہ اعلم۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ کو ان کا حصہ ملا آپ کی لونڈی نے اسی وقت ضروریات کو فراہم کرنا شروع کیا۔ سامان کی خرید کے بعد سات بچ رہے حکم دیا کہ اس کے فلوس لے لو تو حضرت عبداللہ بن صامتؓ نے فرمایا اسے آپ اپنے پاس رہنے دیجئے تاکہ بوقت ضرورت کام نکل جائے یا کوئی مہمان آ جائے تو کوئی کام نہ اٹکے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں مجھ سے میرے خلیل ﷺ نے عہد لیا ہے کہ جو سونا چاندی سر بند کر کے رکھی جائے وہ رکھنے والے کے لئے آگ کا انگارا ہے جب تک کہ اسے راہ للہ نہ دے دے۔ ابن عساکر میں ہے حضرت ابوسعیدؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے فقیر بن کر مل غنی بن کر نہ مل۔ انہوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ فرمایا سائل کو رد نہ کر جو ملے اسے چھپا نہ رکھ۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا یہی ہے ورنہ آگ ہے۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ اہل صفہ میں سے ایک صاحب کا انتقال ہوا دو دینار یا دو درہم ان کے بچے ہوئے نکلے آپ ﷺ نے فرمایا آگ کے دو داغ ہیں تم لوگ اپنے ساتھی کے جنازے کی نماز پڑھ لو۔ اور روایت میں ہے کہ ایک اہل صفہ کے انتقال کے بعد ان کے تہمد کی آنٹی میں سے ایک دینار نکلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک داغ آگ کا۔ پھر دوسرے کا انتقال ہوا ان کے پاس سے دو دینار برآمد ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا دو داغ آگ کے۔ فرماتے ہیں جو لوگ سرخ و سفید یعنی سونا چاندی چھوڑ کر مرے ایک ایک قیراط کے بدلے ایک ایک تختی آگ کی بنائی جائے گی اور اس کے قدم سے لے کر ٹھوڑی تک اس کے جسم میں اس آگ سے داغ کئے جائیں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے دینار سے دینار اور درہم سے درہم ملا کر جمع کر کے رکھ چھوڑا اس کی کھال کشادہ کر کے پیشانی اور کروٹ اور کمر پر اس کے داغ کئے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ ہے جسے تم اپنی جانوں کے لئے خزانہ بناتے رہے اب اس کا بدلہ چکھو۔ اس کا راوی سیف کذاب و متروک ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے اسی دن سے کہ آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں۔ یہی درست دین ہے' تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں' جان رکھو کہ

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

چار مہینوں کی حرمت ابتداد سے ہے: مسند احمد میں ہے رسول مقبول صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ گھوم گھام کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت وادب والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو مضر کے ہاں ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ پھر پوچھا یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ہی پورا علم ہے۔ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ ہم سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے پھر پوچھا کیا یہ یوم النحر یعنی قربانی کی عید کا دن نہیں؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ جانے اور اس کا رسول ﷺ۔ آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ ﷺ اس مہینے کا نام اور ہی رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ پھر خاموش ہو رہے اور ہمیں پھر خیال آنے لگا کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور ہی نام رکھیں گے۔ پھر فرمایا کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے ہم نے کہا بے شک آپ نے فرمایا یاد رکھو تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم میں آپس میں ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسی حرمت و عزت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں' تم ابھی ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے گا سنو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زنی کرنے لگو بتلاؤ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ سنو تم میں سے جو موجود ہیں انہیں چاہئے کہ جو موجود نہیں ان تک پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جسے وہ پہنچائے وہ ان بعض سے بھی زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہو۔ اور روایت میں ہے کہ وسط ایام تشریق میں منیٰ میں حجتہ الوداع کے خطبے کے موقعہ کا یہ ذکر ہے۔ ابو حرہ رقاشی ؓ کے چچا جو صحابی ہیں کہتے ہیں کہ اس خطبے کے وقت میں حضور ﷺ کی ناقہ کی نکیل تھامے ہوئے تھا اور لوگوں کی بھیڑ کو روکے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ کے پہلے جملے کا یہ مطلب ہے کہ جو کمی بیشی تقدیم تاخیر مہینوں کی جاہلیت کے زمانے کے مشرک کیا کرتے تھے وہ الٹ پلٹ کر اس وقت ٹھیک ہو گئی ہے جو مہینہ آج ہے وہی درحقیقت بھی ہے۔ جیسے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شہر ابتداء مخلوق سے باحرمت وباعزت ہے وہ آج بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا۔ پس عربوں میں جو یہ رواج پڑ گیا تھا کہ ان کے اکثر حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہیں ہوتے تھے اب کی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے حج کے موقعہ پر یہ بات نہ تھی بلکہ حج اپنے ٹھیک مہینے پر تھا۔ بعض لوگ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صدیق اکبر ؓ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا لیکن یہ غور طلب قول ہے۔ جیسے کہ ہم مع ثبوت بیان کریں گے۔ آیت ﴿ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ ﴾ کی تفسیر میں۔ اس قول سے بھی زیادہ غرابت والا ایک قول بعض سلف کا یہ بھی ہے کہ اس سال یہود و نصاریٰ مسلمان سب کے حج کا دن اتفاق سے ایک ہی تھا یعنی عید الاضحیٰ کا دن۔

"فصل ف" شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب "المشہور فی اسماء الایام والشہور" میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن میرے نزدیک تو اس نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے' اس کی جمع محرمات' محارم' محاریم ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ﴿ صَفِرَ الْمَکَانُ ﴾ اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔ ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینے میں ان کی اقامت ہو جاتی ہے۔ ارتباع کہتے ہیں اقامت کو اس کی جمع اربعاء ہے جیسے نصیب کی جمع انصباء۔ اور اس کی جمع اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے۔ ربیع الآخر کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جم جاتا تھا ان

کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے تھے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچت نہیں اس لئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ پر ہر سال یکساں نہیں رہے گی ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینے کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے۔ اس کی جمع جمادیات جیسے حباریٰ اور حباریات۔ یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے' جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔ رجب یہ ماخوذ ہے ترجیب سے۔ ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو چونکہ یہ مہینہ عظمت و عزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔ شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اسمیں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔ تشعب کے معنی ہیں جدا جدا ہو نا پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس کی جمع شعابین' شعبانات آتی ہے۔ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں۔ ﴿ رمضت الفصال ﴾ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں۔ اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ محض غلط اور نا قابل التفات قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ لیکن ہے وہ ضعیف میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اس کا بیان کر دیا۔ شوال ماخوذ ہے ﴿ شالت الابل ﴾ سے یہ مہینہ اونٹوں کی مستیوں کا مہینہ تھا یہ دمیں اٹھا دیا کرتے تھے اس لئے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا۔ اس کی جمع شواویل' شواول' شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ یا ذوی القعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے نہ لڑائی کے لئے نکلتے نہ اور سفر کے لئے' اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔ ذوالحجہ کو ذوالحجہ بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا' اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ یہ تو تھی وجہ ان مہینوں کے ناموں کی۔

اب ہفتے کے ساتھ دنوں کے نام اور ان ناموں کی جمع سنئے۔ اتوار کے دن کو یوم الاحد کہتے ہیں اس کی جمع احاد او حاد اور وحود آتی ہے۔ پیر کے دن کو اثنین کہتے ہیں اس کی جماع اثانین آتی ہے۔ منگل کو ثلاثا کہتے ہیں یہ مذکر بھی بولا جاتا ہے اور مونث بھی۔ اس کی جمع ثلاثاوات اور اثالث آتی ہے۔ بدھ کے دن کو اربعاء کہتے ہیں' جمع اربعاوات اور اراتع آتی ہے۔ جمعرات کو خمیس کہتے ہیں جمع اس کی اخمسہ' اخامس آتی ہے۔ جمعہ کو جمعہ' اور جمعہ کہتے ہیں اس کی جمع جمع اور جماعات آتی ہے۔ سنیچر یعنی ہفتے کے دن کو سبت کہتے ہیں سبت کے معنی ہیں قطع کے چونکہ گنتی ہفتے کے دنوں کی یہیں پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اسے سبت کہتے ہیں۔ قدیم عربوں میں ہفتے کے دنوں کے نام یہ تھے۔ اول' اہون' جبار' دبار' مونس' عروبہ' شیار۔ قدیم خالص عربوں کے اشعار میں بھی دنوں کے نام پائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان بارہ ماہ میں چار حرمت والے ہیں۔ جاہلیت کے عرب بھی انہیں حرمت والے مانتے تھے لیکن بسل نامی ایک گروہ اپنے تشدد کی بناء پر آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمان میں رجب کو قبیلہ مضر کی طرف اضافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس مہینے کو وہ رجب کا مہینہ شمار کرتے تھے دراصل وہی رجب کا مہینہ عنداللہ بھی تھا جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک رجب' شعبان اور شوال کے درمیان کے مہینے کا یعنی رمضان کا نام تھا پس حضور اکرم ﷺ نے کھول دیا کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ ان چار ذی حرمت مہینوں میں سے تین پے در پے اس مصلحت سے ہیں کہ حاجی ذالقعدہ کے مہینے میں نکلے تو اس وقت تک لڑائیاں مار پیٹ جنگ وجدال قتل و قتال بند ہو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں پھر ذی الحجہ میں احکام حج کی ادائیگی امن وامان عمدگی اور شان سے ہو جائے پھر ماہ محرم کی حرمت میں واپس گھر پہنچ جائے۔ درمیان سال میں رجب کو حرمت والا بنانے کی غرض یہ ہے کہ زائرین اپنے طواف بیت اللہ کے شوق کو عمرے کی صورت میں ادا کر لیں گو دور دراز والے

ہوں وہ بھی مہینہ بھر میں آمد و رفت کر لیں۔ یہی اللہ تعالٰی کا سیدھا اور سچا دین ہے۔ پس اللہ تعالٰی کے فرمان کے مطابق تم ان پاک مہینوں کی حرمت کرو' ان میں خصوصیت کے ساتھ گناہوں سے بچو اس لئے کہ اس میں گناہوں کی برائی اور بڑھ جاتی ہے' جیسے کہ حرم شریف کا گناہ اور جگہ کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ جو حرم میں الحاد کا ارادہ ظلم سے کرے ہم اسے دردناک عذاب کریں گے اسی طرح ان محترم مہینوں کا گناہ اور دنوں کے گناہ سے بڑھ جاتا ہے اسی لئے حضرت امام شافعیؒ اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ان مہینوں کے قتل کی دیت بھی سخت ہے۔ اسی طرح حرم کے اندر کے قتل کی اور ذی محرم رشتے دار کے قتل کی بھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ﴿ فِيهِنَّ ﴾ سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں۔ پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو خصوصاً ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں۔ ان کی بڑی عزت ہے ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہیں۔

حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں گناہ کی سزا اور بوجھ بڑھ جاتا ہے گو ظلم ہر حال میں بری چیز ہے لیکن اللہ تعالٰی اپنے جس امر کو چاہے بڑھا دے۔ دیکھئے اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق میں سے بھی پسند فرمایا فرشتوں میں انسانوں میں اپنے رسول ﷺ چن لئے اسی طرح کلام میں سے اپنے ذکر کو پسند فرمالیا اور زمین میں سے مسجدوں کو پسند فرمالیا اور مہینوں میں سے رمضان المبارک کو اور ان چاروں مہینوں کو پسند فرمالیا اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو پس تمہیں ان چیزوں کی عظمت کا لحاظ رکھنا چاہئے جنہیں اللہ تعالٰی نے عظمت دی ہے۔ امور کی تعظیم اتنی کرنی عقلمند اور فہیم لوگوں کے نزدیک ضروری ہے جتنی تعظیم ان کی اللہ تعالٰی سبحانہ نے بتلائی ہو۔ ان کی حرمت کا ادب نہ کرنا حرام ہے ان میں جو کام حرام ہیں انہیں حلال نہ کرلو جو حلال ہیں انہیں حرام نہ بنالو جیسے کہ اہل شرک کرتے تھے یہ ان کے کفر میں زیادتی کی بات تھی۔ پھر فرمایا کہ تم سب کے سب کافروں سے جہاد کرتے رہو جیسے کہ وہ سب کے سب تم سے برسر جنگ ہیں' حرمت والے ان چار مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنی منسوخ یا محکم ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں پہلا تو یہ کہ یہ منسوخ ہے یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ اس آیت کے الفاظ پر غور کیجئے کہ پہلے تو فرمان ہوا کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو پھر مشرکوں سے جنگ کرنے کو فرمایا۔ ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے حرمت کے مہینے بھی اس میں آ گئے اگر یہ مہینے اس سے الگ ہوتے تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ ماہ ذوالقعدہ میں کیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جیسے کہ بخاری مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ ہوازن قبیلے کی طرف ماہ شوال میں چلے جب ان کی ہزیمت ہوئی اور ان میں کے بچے ہوئے بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہوئے تو آپ ﷺ وہاں گئے اور چالیس دن تک محاصرہ رکھا پھر بغیر فتح کئے ہوئے وہاں سے واپس لوٹ آئے۔ پس ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حرمت والے مہینے میں محاصرہ کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنی حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ شعائر ربانی کو اور حرمت والے مہینوں کو حلال نہ کر لیا کرو۔ اور فرمان ہے حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں قصاص ہیں پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ان سے ویسی ہی زیادتی کا بدلہ لے لو۔ اور فرمان ہے ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کے بعد مشرکوں سے جہاد کرو۔ یہ پہلے بیان گزر چکا ہے کہ یہ چار مہینے ہیں ہر سال میں' نہ کہ تسییر کے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

پھر فرمایا کہ تم سب مسلمان ان سے اسی طرح لڑو جیسے کہ وہ تم سے سب کے سب لڑتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے پہلے سے جداگانہ نہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بالکل نیا اور الگ ہو مسلمانوں کو رغبت دلانے اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے۔ تو فرماتا ہے کہ جیسے تم سے جنگ کرنے کے لئے وہ بھڑ بھڑا کر جمع ہو کر چاروں طرف سے ابل پڑتے ہیں تم بھی اپنے سب کلمہ گویوں کو لے کر ان سے مقابلہ کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے میں مسلمانوں کو حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی رخصت دی ہو۔ جبکہ حملہ ان کی طرف

سے ہو' جیسے آیت ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ ﴾ میں ہے اور جیسے آیت ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ﴾ میں بیان ہے کہ ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ وہاں لڑائی نہ کریں ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔ یہی جواب حرمت والے مہینے میں حضور اکرم ﷺ کے طائف کے محاصرے کا ہے کہ دراصل یہ لڑائی تتمہ تھی ہوازن کی اور ان کے ثقفی حلیفوں کی لڑائی کا۔ انہوں نے ہی لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ ادھر ادھر سے آپ ﷺ کے مخالفین کو جمع کر کے لڑائی کی دعوت دی تھی پس حضور اکرم ﷺ ان کی طرف بڑھے یہ بڑھنا بھی حرمت والے مہینے میں نہ تھا۔ یہاں شکست اٹھا کر یہ لوگ طائف میں بھاگ چھپے اور وہاں قلعہ بند ہوگئے۔ آپ اس مرکز کو خالی کرانے کے لئے اور آگے بڑھے' انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ ادھر محاصرہ جاری رہا منجنیق وغیرہ سے چالیس دن تک ان کو گھیرے رہے۔ الغرض اس جنگ کی ابتدا حرمت والے مہینے میں نہیں تھی لیکن جنگ نے طول کھینچا حرمت والا مہینہ بھی آ گیا۔ جب چند دن گزر گئے آپ نے محاصرہ ہٹا لیا۔ پس جنگ کا جاری رکھنا اور چیز ہے اور جنگ کی ابتدا اور چیز ہے اس کی بہت سی نظیریں ہیں' واللہ اعلم۔ اب اس میں جو حدیثیں ہیں ہم انہیں سیرت میں بھی بیان کر چکے ہیں' واللہ اعلم۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّ
مُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَا
لِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۳۷ ع ۵ / ۸

مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں پھر اسے حلال بنا لیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ انہیں ان کے برے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں' قوم کفار کی اللہ راہنمائی نہیں فرماتا۔

مشرکوں نے حرمت والے مہینوں میں بھی رد و بدل کر دیا: مشرکوں کے کفر کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے کو اور اپنی ناپاک خواہش کو شریعت الٰہی میں داخل کر کے اللہ کے دین کے احکام الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے۔ تین مہینے کی حرمت کو تو ٹھیک رکھا پھر چوتھے مہینے کی حرمت کو اس طرح بدل دیا کہ محرم کو صفر کے مہینے میں کر دیا اور محرم کی حرمت نہ کی۔ تاکہ بظاہر سال کے چار مہینے کی حرمت بھی پوری ہو جائے اور اصلی حرمت کے محرم مہینے میں لوٹ مار قتل و غارت بھی ہو جائے اور اس پر اپنے قصیدوں میں دون کی لیتے تھے اور فخر یہ اپنا یہ فعل اچھالتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جنادہ بن عوف بن امیہ کنانی یہ ہر سال حج کو آتا اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی یہ منادی کر دیتا کہ نہ تو ابو ثمامہ کے مقابلے میں کوئی آواز اٹھا سکتا ہے نہ اس کی بات میں کوئی عیب جوئی کر سکتا ہے' سنو پہلے سال کا صفر مہینہ حلال ہے اور دوسرے سال کا حرام۔ پس ایک سال کے محرم کی حرمت نہ رکھتے دوسرے سال کے محرم کی حرمت منا لیتے۔ ان کی اسی زیادتی کفر کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ شخص اپنے گدھے پر سوار آتا اور جس سال یہ محرم کو حرمت والا بنا دیتا لوگ اس کی حرمت کرتے اور جس سال وہ کہہ دیتا کہ محرم کو ہم نے ہٹا کر صفر میں اور صفر کو آگے بڑھا کر محرم میں کر دیا ہے اس سال عرب میں اس ماہ محرم کی حرمت کوئی نہ کرتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی کنانہ کے اس شخص کو قلمس کہا جاتا تھا یہ منادی کر دیتا کہ اس سال محرم کی حرمت نہ منائی جائے اگلے سال محرم اور صفر دونوں کی حرمت رہے گی' پس اس کے قول پر جاہلیت کے

زمانے میں عمل کرلیا جاتا' اور اب حرمت کے اصلی مہینے میں جس میں ایک انسان اپنے باپ کے قاتل کو پاکر بھی اس کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتا تھا اب آزادی سے آپس میں خانہ جنگیاں' لوٹ مار ہوتی۔ لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ گنتی میں وہ موافقت کرتے تھے اور اس میں گنتی کی موافقت بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک سال میں تین مہینے رہ جاتے ہیں اور دوسرے سال میں پانچ ماہ ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحج فرض تھا ذی الحجہ کے مہینے میں لیکن مشرک ذی الحجہ کا نام محرم رکھ لیتے پھر برابر گنتے جاتے اور اس حساب سے جو ذی الحجہ آتا اس میں حج ادا کرتے پھر محرم کے نام سے خاموشی برت لیتے اس کا ذکر ہی نہ کرتے۔ پھر لوٹ کر صفر نام رکھ دیتے پھر رجب کو جمادی الاخریٰ پھر شعبان کو رمضان اور رمضان کو شوال پھر ذوالقعدہ کو شوال ذی الحجہ کو ذی القعدہ اور محرم کو ذی الحجہ کہتے اور اس میں حج کرتے' پھر اس کا اعادہ کرتے اور دو سال تک ہر ایک مہینے میں برابر حج کرتے۔ جس سال حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حج کیا' اس سال مشرکوں کی اس گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ آنحضور ﷺ کے حج کے موقعہ پر ٹھیک ذالحجہ کا مہینہ تھا اور اسی کی طرف آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں اشارہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ زمانہ الٹ پلٹ کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا جب زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے رچائے۔ لیکن یہ قول بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس وجہ سے کہ اگر ذیقعدہ میں حضرت ابو بکر ؓ کا حج ہوا تو یہ حج کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ﴾ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے آج کے حج اکبر کے دن مشرکوں سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہے۔ اسی کی منادی حضرت صدیق ؓ کے حج میں ہی کی گئی پس اگر یہ حج ذی الحجہ کے مہینے میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو حج کا دن نہ فرماتا۔ اور صرف مہینوں کی تقدیم تاخیر کو جس کا بیان اس آیت میں ہے ثابت کرنے کے اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ اس کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ مشرکین ایک سال تو محرم الحرام کے مہینے کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض ماہ صفر کو حرمت والا کر لیتے سال کے باقی مہینے اپنی جگہ رہتے۔ پھر دوسرے سال محرم کو حرام سمجھتے اور اس کی حرمت و عزت باقی رکھتے تاکہ سال کے چار حرمت والے مہینے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھے ان کے گنتی میں موافقت کر لیں پس کبھی تو حرمت والے تینوں مہینے جو پے در پے ہیں ان میں سے آخری ماہ محرم کی حرمت رکھتے کبھی اسے صفر کی طرف موخر کر دیتے۔ رہا حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک کہ زمانہ گھوم گھام کر اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے یعنی اس وقت جو مہینہ ان کے نزدیک ہے وہی مہینہ صحیح گنتی میں بھی ہے اس کا پورا بیان ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں' واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ ٹھہرے مسلمان آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان فرما کر فرمایا کہ مہینوں کی تاخیر شیطان کی طرف سے کفر کی زیادتی تھی کہ کافر بہکیں' وہ ایک سال محرم کو حرمت والا کرتے اور صفر کو حلت والا پھر محرم کو حلت والا کر لیتے۔ یہی ان کی وہ تقدیم تاخیر ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔ امام محمد بن اسحاق ؒ نے اپنی کتاب السیرۃ میں اس پر بہت اچھا کلام کیا ہے جو بے حد مفید اور عمدہ ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کام کو سب سے پہلے کرنے والا قلمس تھا (حذیفہ بن عبد بن فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خذیمہ بن مدرکہ ابن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان) پھر اس کا بیٹا عباد پھر اس کا لڑکا قلع پھر اس کا لڑکا امیہ پھر اس کا بیٹا عوف پھر اس کا لڑکا ابو ثمامہ جنادہ' اسی کے زمانہ میں اشاعت اسلام ہوئی۔ عرب لوگ حج سے فارغ ہو کر اس کے پاس جمع ہوتے یہ کھڑا ہو کر انہیں لکچر دیتا اور رجب' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرتا اور ایک سال تو محرم کو حلال کر دیتا اور محرم صفر کو بنا دیتا اور ایک سال محرم کو ہی حرمت والا کہہ دیتا کہ اللہ کی حرمت کے مہینوں کی گنتی کے موافق ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا حرام حلال بھی ہو جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا
قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ
شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو تم زمین پکڑ لیتے ہو' کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی ریجھ گئے ہو' سنو زندگانی دنیا تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یونہی سی ہے' اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا دے گا' اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا تم اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جہاد سے جی چرانے والوں کو تنبیہ: ایک طرف تو گرمی سخت پڑ رہی تھی دوسری طرف پھل پک گئے تھے اور درختوں کے سائے بڑھ گئے تھے' ایسے وقت رسول اللہ ﷺ ایک دور دراز کے سفر کے لئے تیار ہو گئے غزوہ تبوک میں اپنے ساتھ چلنے کو سب سے فرما دیا۔ کچھ لوگ جو رہ گئے تھے انہیں جو تنبیہ کی گئی ان آیتوں کا شروع اس آیت سے ہے کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ کے جہاد کی طرف بلایا جاتا ہے تو تم کیوں زمین میں دھنسنے لگتے ہو' کیا دنیا کی ان فانی چیزوں پر ریجھ کر آخرت کی باقی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہو۔ سنو دنیا کی تو آخرت کے مقابلے میں کوئی ہستی ہی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی کلمے کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس انگلی کو کوئی سمندر میں ڈبو کر نکالے اس پر جتنا پانی سمندر کے مقابلے میں ہے اتنا ہی مقابلہ دنیا کا آخرت سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے آپ حدیث بیان فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ کا ثواب دیتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا بلکہ میں نے دو لاکھ کا فرمان بھی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر آپؓ نے اس آیت کے اسی جملے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ دنیا جو گزر گئی اور جو باقی ہے وہ سب آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا اسے دیکھ کر فرمایا پس میرا تو دنیا سے یہی حصہ تھا میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں پھر پیٹھ موڑ کر رو کر کہنے لگے ہائے دنیا تیرا بہت بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی چھوٹا ہے افسوس ہم دھوکے میں ہی رہے۔ پھر ترک جہاد پر اللہ تعالیٰ ڈانٹتا ہے کہ سخت دردناک عذاب ہوں گے۔

ایک قبیلے کو حضور اکرم ﷺ نے جہاد کے لئے بلوایا وہ نہ اٹھے اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ پھر فرماتا ہے کہ اپنے دل میں پھولنا نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے مددگار ہیں اگر تم درست نہ رہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں برباد کر کے اپنے رسول ﷺ کے ساتھی اوروں کو کر دے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے' تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ نہیں کہ تم نہ جاؤ تو مجاہدین جہاد کر ہی نہ سکیں' اللہ تعالیٰ میں سب قدرتیں ہیں وہ تمہارے بغیر بھی اپنے دشمنوں پر اپنے غلاموں کو غالب کر سکتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ اور آیت ﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ یہ سب آیتیں آیت ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ﴾ سے منسوخ ہیں۔ لیکن امام ابن جریرؒ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے نکلنے کو فرمائیں وہ فرمان سنتے ہی اٹھ کھڑے ہو جائیں۔ فی الواقع یہ توجیہ بہت عمدہ ہے' واللہ اعلم۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ
الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی مدد اس وقت کی تھی جبکہ اسے کافروں نے دیس سے نکال دیا تھا دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے' پس جناب باری نے اپنی طرف کی تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا بھی نہیں' اس نے کافروں کی بات پست کر دی' بلند و عزیز تو اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی ہے اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

نبیؐ اور صدیقؓ غار کے ساتھی: تم اگر میرے رسول کی امداد و تائید چھوڑ دو تو میں کسی کا محتاج نہیں ہوں' میں آپ اس کا ناصر مؤید کافی اور حافظ ہوں۔ یاد کرلو ہجرت والے سال جب کہ کافروں نے آپ ﷺ کے قتل یا قید یا دیس نکالے کی سازش کی تھی اور آپ ﷺ اپنے سچے ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تن تنہا مکہ مکرمہ سے نکل بھاگے تھے کون اس کا مددگار تھا' تین دن مارے خوف کے اس ڈر سے غار میں گزارے کہ ڈھونڈھنے والے مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو یہاں سے نکل کر مدینہ منورہ کا راستہ لیں۔ صدیق اکبرؓ لحہ بہ لحہ گھبرا رہے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے ایسا نہ ہو کہ وہ رسول کریم (علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم) کو کوئی ایذا پہنچائے' حضور اکرم ﷺ ان کی تسکین فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ابو بکر! ان دو کی نسبت تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بن ابو قحافہ نے آنحضرت ﷺ سے غار میں کہا کہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کو بھی دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ان دو کو کیا سمجھتا ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ الغرض اس موقعہ پر بھی جناب باری سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیر یہی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تو مطمئن اور سکون و تسکین والے تھے ہی۔ لیکن اس خاص حال میں تسکین کا از سر نو بھیجنا کچھ اس کے خلاف نہیں' اسی لئے اسی کے ساتھ فرمایا کہ اپنے غائبانہ لشکر اتار کر اس کی مدد فرمائی یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ کفر دبا دیا اور اپنے کلمے کا بول بالا کیا شرک کو پست کیا اور توحید کو اونچا کیا۔ حضور اکرم ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے دوسرا حمیت قومی کے لئے تیسرا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے لڑ رہا ہے تو ان میں سے اللہ کی راہ کا مجاہد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو کلمہ اللہ کو بلند و بالا کرنے کی نیت سے لڑے وہ اللہ کی راہ کا مجاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر غالب ہے۔ جس کی مدد کرنا چاہے کرتا ہے نہ اس کے سامنے کوئی بڑھ سکے نہ اس کے ارادے کو کوئی بدل سکے کون ہے جو اس کے سامنے لب ہلا سکے یا آنکھ ملا سکے۔ اس کے سب اقوال و افعال حکمت و مصلحت بھلائی اور خوبی سے پر ہیں۔ تعالیٰ شانہ و جد مجدہ۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ

لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی راہ رب میں اپنی مال و جان سے جہاد کرو' یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔

نکل اللہ کی راہ میں ہلکے ہو یا بھاری: کہتے ہیں کہ سورۂ براۃ میں یہی آیت پہلے اتری ہے اس میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہمراہ ہادی امم رسول اللہ ﷺ نکل کھڑے ہونا چاہیئے اہل کتاب کے کافر رومیوں سے جہاد کے لئے تمام مومنوں کو چلنا چاہیئے خواہ جی مانے یا نہ مانے خواہ آسانی نظر آئے یا بھاری پڑے ذکر ہو رہا تھا کہ کوئی بڑھاپے کا کوئی بیماری کا عذر کر دے گا تو یہ آیت اتری۔ بوڑھے جوان سب کو پیغمبر ﷺ کا ساتھ دینے کا عام حکم ہوا کسی کا کوئی عذر نہ چلا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اس آیت کی یہی تفسیر کی اور اس حکم کی تعمیل میں سر زمین شام میں چلے گئے۔ اور نصرانیوں سے جہاد کرتے ہی رہے یہاں تک کہ جان بخش کو جان سونپی' رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اور (ف) روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر آئے تو فرمانے لگے ہمارے رب نے تو میرے خیال سے بوڑھے جوان سب کو جہاد کے لئے چلنے کی دعوت دی ہے میرے پیارے بچو میرا سامان تیار کرو۔ میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا۔ بچوں نے کہا اباجی حضور اکرم ﷺ کی حیات تک آپ نے حضور اکرم ﷺ کی ماتحتی میں جہاد کیا' خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے' خلافت فاروقی کے آپ مجاہد مشہور ہیں اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی آپ گھر پر آرام کیجئے ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلواروں کے جوہر دکھاتے ہیں۔ لیکن آپ نہ مانے اور اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے جو بیچ سمندر میں روح پرور اللہ کو روح سونپ دی' نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد خشکی پر اترے اور آپ کو سپرد لحد کیا اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے خفافاً وثقالاً کی تفسیر جوان اور بوڑھے مروی ہے۔ الغرض جوان ہوں بوڑھے ہوں امیر ہوں فارغ ہوں مشغول ہوں خوشحال ہوں یا تنگ دل ہوں بھاری ہوں یا ہلکے ہوں حاجتمند ہوں کاریگر ہوں آسانی والے ہوں سختی والے ہوں پیشہ ور ہوں یا تجارتی ہوں قوی ہوں یا کمزور جس حالت میں بھی ہوں بلاعذر کھڑے ہو جائیں اور راہ الٰہی کے جہاد کے لئے چل پڑیں۔ اس مسئلے کی تفصیل کے طور پر امام ابو عمر و اوزاعیؒ کا قول ہے کہ جب اندرون روم پر حملہ ہو تو مسلمان ہلکے پھلکے اور سوار چلیں' اور جب ان بندوں کے کناروں پر حملہ ہو تو ہلکے بوجھل سوار پیدل ہر طرح نکل کھڑے ہو جائیں۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ آیت ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ ﴾ سے یہ حکم منسوخ ہے۔ اس پر ہم پوری روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ مروی ہے کہ ایک بھاری بدن کے بڑے شخص نے آپ سے اپنا حال ظاہر کر کے اجازت چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا اور یہ آیت اتری' لیکن یہ حکم صحابہؓ پر سخت گزرا۔ پھر جناب باری تعالیٰ نے اسے آیت ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ ﴾ سے منسوخ کر دیا' یعنی ضعیفوں بیماروں تنگ دست فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو اگر وہ دین ربانی اور شرع مصطفی کے حامی اور طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو ایوبؓ اول غزوے سے لے کر پوری عمر تک سوائے ایک سال کے ہر غزوے میں موجود رہے اور فرماتے رہے کہ خفیف و ثقیل دونوں کو نکلنے کا حکم ہے اور انسان کی حالت ان دو حالتوں سے سوا نہیں ہوتی۔ حضرت ابو راشد حرانیؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسودؓ سوار سرکار رسالت مآب ﷺ کو حمص میں دیکھا کہ بڈی اتر گئی ہے پھر بھی ہودج میں سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں تو میں نے کہا کہ اب تو شریعت آپ کو معذور سمجھتی ہے پھر آپ یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو سورۃ البحوث یعنی سورۂ برات ہمارے سامنے اتری ہے جس میں حکم ہے کہ ہلکے بھاری سب جہاد کو جاؤ۔ حضرت

حیان بن زید شرعیؒ کہتے ہیں کہ ہم صفوان بن عمرو والی حمص کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کے لئے چلے میں نے دمشق کے ایک بزرگ عمر رسیدہ کو دیکھا کہ حملہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے اونٹ پر سوار وہ بھی آرہے ہیں ان کی بھویں ان کی آنکھوں پر پڑ رہی ہیں شیخ فانی ہو چکے ہیں۔ میں نے پاس جا کر کہا چچا صاحب آپ تو اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معذور ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنی آنکھوں پر سے بھویں ہٹالیں اور فرمایا بھتیجے سنو! اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بھاری ہونے کی دونوں صورتوں میں ہم سے جہاد میں نکلنے کی طلب کی ہے' سنو جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے پھر اس پر بعد از ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے' سنو اللہ کی آزمائش شکر و صبر و ذکر اللہ اور توحید خالص سے ہوتی ہے۔ جہاد کے حکم کے بعد مالک زمین و زماں اپنی راہ میں اپنے رسول ﷺ کی مرضی میں مال و جان کے خرچ کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ دنیوی نفع تو یہ ہے کہ یونہی سا خرچ ہوگا اور بہت سی غنیمت ملے گی آخرت کا نفع یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے وہ مجاہد کو یا تو شہید کر کے جنت کا مالک بنا دیتا ہے یا اسے سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹاتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے باوجودیکہ تم اس سے کنی کھا رہے ہو' لیکن بہت ممکن ہے کہ تمہاری نہ چاہی ہوئی چیز ہی دراصل تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری چاہت کی چیز فی الواقع تمہارے حق میں بے حد مضر ہو سنو تم تو بالکل نادان ہو اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دانا بینا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا جی تو چاہتا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گو نہ چاہے (مسند احمد)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾

اگرچہ جلد وصول ہونے والا مال اسباب ہوتا اور ہلکا سا سفر ہوتا تو یہ ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن ان پر تو دوری اور دراز کی مشکل پڑ گئی' اب تو یہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھانے لگے کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے' یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں' ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

عیار لوگوں کے دھوکے میں نہ آؤ: جو لوگ غزوۂ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے اور اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے پاس آ آ کر اپنے جھوٹے جھوٹے بناوٹی عذر پیش کرنے لگے تھے' انہیں اس آیت میں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دراصل انہیں کوئی معذوری نہ تھی اگر کوئی آسان غنیمت اور قریب کا سفر ہوتا تو یہ لالچی ساتھ ہو لیتے لیکن شام تک کے لمبے سفر نے ان کے گھٹنے توڑ دیئے' اس مشقت کے خیال نے ان کے ایمان جھوجھرے کر دیئے' اب یہ آ آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو دھوکے دے رہے ہیں کہ اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو بھلا ہم شرف ہم رکابی چھوڑنے والے تھے' ہم تو جان و دل سے آپ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جھوٹ کا مجھے علم ہے انہوں نے تو اپنے تئیں غارت کر دیا۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَ
مْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرمادے' تونے انہیں کیوں اجازت دے دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے' اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ویقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے' اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے' یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگرداں ہیں۔

سچے مسلمان حیلے بہانے نہیں بناتے: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب سے کیسی پیار بھری باتیں ہو رہی ہیں' سخت بات کے سنانے سے پہلے ہی معافی کا اعلان سنایا جارہا ہے اس کے بعد رخصت دینے کا عہد بھی سورۂ نور میں سونپ دیا جاتا ہے۔ اور ارشاد عالی ہوتا ہے ﴿ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ﴾ یعنی ان میں سے کوئی اگر آپ سے اپنے کسی کام اور شغل کی وجہ سے اجازت چاہے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے سکتے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے میں اتری ہے جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ سے اجازت طلبی تو کریں اگر اجازت ہو جائے تو اور اچھا اور اگر اجازت نہ بھی دیں تاہم ہم اس غزوے میں جائیں گے تو نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں اجازت نہ ملتی تو اتنا فائدہ ضرور ہوتا کہ سچے عذر والے اور جھوٹے بہانے والے کھل جاتے' نیک وبد میں ظاہری تمیز ہو جاتی' اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے نافرمان باوجود اجازت نہ ملنے کے بھی نہ نکلتے' کیونکہ انہوں نے تو طے کر لیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ ہاں کہیں یا نہ کہیں ہم تو جہاد میں جائیں گے ہی نہیں۔ اسی لئے جناب باری تعالیٰ نے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سچے ایماندار لوگ راہ ربانی کے جہاد سے رکنے کی اجازت تجھ سے طلب کریں' وہ تو جہاد کو موجب قربت الٰہی مان کر اپنی جان ومال کے فدا کرنے کے آرزومند رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی اس متقی جماعت سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ بلا عذر شرعی بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت طلب کرنے والے تو بے ایمان لوگ ہیں جنہیں دار آخرت کی جزا کی کوئی امید ہی نہیں ان کے دل آج تک تیری شریعت سے شک وشبہ میں ہی ہیں یہ حیران وپریشان ہیں ایک قدم ان کا آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے ہٹتا ہے انہیں ثابت قدمی اور استقلال نہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں یہ نہ ادھر ہیں نہ ادھر یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں تو ان کے سنوارنے کا کوئی رستہ نہ پائے گا۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ
وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا
خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے سامان کی تیاری کر رکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا پس انہیں حرکت سے ہی روک

دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو' اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے' ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں' اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

منافقین کی ریشہ دوانیوں اور پر شرارتوں کا تذکرہ: یہ عذر کرتے ہیں۔ان کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی دن گزرنے پر بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھے رہے ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہ کیا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا اس لئے انہیں پیچھے ہٹا دیا' اور قدرتی طور پر ان سے کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کا ہی ساتھ دو۔ سنو ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامرد اعلیٰ درجے کے بزدل بڑے ہی ڈرپوک ہیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا" کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ ادھر کی ادھر' ادھر کی ادھر لگا بجھا کر بات کا بتنگڑ بنا کر آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوا دیتے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے تمہیں آپس میں ہی الجھا دیتے' ان کے ماننے والے ان کے ہم خیال ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں وہ اپنے بھولے پن سے ان کے شر انگیزیوں سے بے خبر رہتے ہیں جس کا نتیجہ مومنوں کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے آپس میں شر و فساد پھیل جاتا ہے۔ مجاہدؒ وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان کے گوئندے ان کی سی آئی ڈی اور جاسوس بھی تم میں لگے ہوئے ہیں جو تمہاری رتی رتی کی خبریں انہیں پہنچاتے ہیں۔ لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جو شروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا اللہ تعالیٰ کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعضے وہ بھی ہیں جو ان کی مان لیا کرتے ہیں۔ یہ تو بہت درست ہے لیکن جاسوسی کی کوئی خصوصیت ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے نہیں ہو سکتی' اسی لئے قتادہؒ وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے۔ امام محمد ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ ابن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دور ڈال دیا' اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کی منہ دیکھی ماننے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے محمدی لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتون تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی' یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے غائب حاضر ہو چکا ہو اور ہونے والا سب اس پر روشن ہے اسی اپنے علم غیب کی بناء پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمان ان کا نہ نکلنا غنیمت سمجھو یہ ہوتے تو اور فساد اور فتنہ برپا کرتے' نہ کرتے نہ کرنے دیتے۔ اسی باعث فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کئے جائیں اور یہ جھوٹے کہ جھوٹے ہی رہیں۔ اور آیت میں ہے کہ اگر علم اللہ تعالیٰ میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزوجل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں۔ اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلا وطن ہو جاؤ تو بجز بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے' حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے یہ اسے بجا لائیں تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ اور بھی ایسی آیتیں بہت ساری ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٤٨﴾

یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لئے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آ گیا باوجودیکہ وہ ناخوشی میں ہی رہے۔

منافق فتنہ کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں: اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے مدتوں یہ تو فتنہ و فساد کی آگ سلگاتے رہے ہیں اور تیرے کام کے الٹ دینے کی بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں مدینے میں آپ ﷺ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش آپ ﷺ پر برسا دی باہر سے وہ چڑھ دوڑے اندر سے یہود مدینہ اور منافق مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں اتار دیں ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے بدر کے معرکے نے ان کے ہوش حواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان ذبح کر دیئے۔ راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام کی موافقت کی جائے دل میں جو ہے سو ہے وقت آنے دو وقت پر دیکھی جائے گی اور دکھا دی جائے گی۔ پھر جوں جوں حق کی بلندی اور توحید کی اونچائی ہوتی گئی یہ جلتے جھلتے گئے۔ آخر حق نے قدم جمائے اور کلمہ ربانی غالب آ گیا اور یہ یونہی پیٹ پیٹتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالئے' آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں' یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

منافقت بذات خود فتنہ ہے: جد بن قیس سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تو ہمارا ساتھ دے گا۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو معاف رکھیے میری ساری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بے طرح شیدا ہوں عیسائی عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے تو اپنا نفس روکا نہ جائے گا۔ آپ ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس منافق نے یہ بہانہ بنایا حالانکہ وہ فتنے میں تو پڑا ہوا ہے' رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنا جہاد سے منہ موڑنا یہ کیا کم فتنہ ہے۔ یہ منافق بنو سلمہ قبیلے کا رئیس اعظم تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے جب اس قبیلے کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے' تو انہوں نے کہا جد بن قیس جو بڑا ہی شوم اور بخیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کیا بری بیماری ہے' سنو اب سے تمہارا سردار تو جوان سفید اور خوبصورت بشر بن براء بن معرور ہے۔ جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے نہ اس سے وہ بچ سکیں نہ بھاگ سکیں نہ نجات پا سکیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

تجھے اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے' اور تجھے کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی درست کر لیا تھا پھر تو بڑے ہی اکڑتے ہوئے لوٹتے ہیں' تو کہہ دے کہ ہمیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ

ہے' مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کی خوشی منافقین پر بھاری: ان بد باطن لوگوں کی اندرونی خباثت کا بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت سے ان کی بھلائی اور ترقی سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر اچانک یہاں اس کے خلاف ہوا تو الاپ الاپ کر اپنی چالاکی کے افسانے گائے جاتے ہیں کہ میاں اسی وجہ سے ہم تو ان سے بچتے رہے مارے خوشی کے بغلیں بجانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو جواب دے کہ رنج راحت اور ہم خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں وہ ہمارا مولیٰ ہے وہ ہمارا آقا ہے وہ ہماری پناہ ہے ہم مومن ہیں اور مومنوں کا بھروسہ اسی پر ہوتا ہے وہ ہمیں کافی ہے بس ہے وہ ہمارا کارساز ہے اور بہترین کارساز ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہہ دے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ہی ایک ہے اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے' پس ایک طرف تم منتظر رہو دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں' کہہ دے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا' یقیناً تم بے حکم لوگ ہو' کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔

جہاد کے دو ہی انجام ہیں: مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں۔ اگر شہادت ملی تو جنت اپنی ہے اور اگر فتح ملی تو غنیمت و اجر ہے۔ پس اے منافقو! تم جو ہماری بابت انتظار کر رہے ہو وہ انہی دو اچھائیوں میں سے ایک ہے' اور ہم جس بات کا انتظار تمہارے بارے میں کر رہے ہیں وہ دو برائیوں میں سے ایک کا ہے یعنی یا تو یہ کہ عذاب رب براہ راست تم پر آ جائے یا ہمارے ہاتھوں تم پر رب کی مار پڑے کہ قتل و قید ہو جاؤ۔ اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں دیکھیں پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے' تمہارے خرچ کرنے کا اللہ بھوکا نہیں تم خوشی سے دو تو اور ناراضگی سے دو تو وہ تو قبول فرمانے کا نہیں اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو' تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث تمہارا کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں نماز کو آتے ہو تو بھی ہارے دل سے گرتے پڑتے مرتے پکھڑتے سست اور کاہل ہو کر۔ دیکھا دیکھی مجمع میں دو چار سجدے دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے دل کی تنگی سے۔ صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا جب تک تم تھک جاؤ۔ اللہ پاک ہے وہ پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے متقیوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں تم فاسق ہو تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

تو ان کے مال و اولاد سے تعجب میں نہ پڑ' اللہ تعالیٰ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں۔

اہل دنیا کو للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھو: ان کے مال و اولاد کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہ دیکھ' ان کی دنیا کی اس ہیرا پھیری کی کوئی حقیقت نہ گن یہ ان کے حق میں کوئی بھلی چیز نہیں یہ تو ان کے لئے دنیوی سزا بھی ہے کہ نہ اس میں سے زکوۃ نکلے نہ اللہ کے نام خیرات ہو۔ قتادہ ؒ کہتے ہیں یہاں مطلب مقدم موخر ہے یعنی تجھے ان کے مال و اولاد اچھے نہ لگنے چاہئیں اللہ کا ارادہ اس سے انہیں اس حیات دنیا میں ہی سزا دینے کا ہے۔ پہلا قول حضرت حسن بصری ؒ کا ہے وہی اچھا اور قوی ہے' امام ابن جریر ؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اس میں یہ ایسے پھنسے رہیں گے کہ مرتے دم تک راہ ہدایت نصیب نہیں ہوگی' یوں ہی بتدریج پکڑ لئے جائیں گے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔ یہی حشمت و وجاہت مال و دولت جہنم کی آگ بن جائے گا۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں' حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں' اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سر گھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر الٹے بھاگ چھوٹیں۔

منافقین کی غیر مستقل مزاجی اور جھوٹی قسمیں: ان کی تھڑدلی ان کی غیر مستقل مزاجی ان کی سراسیمگی اور پریشانی گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا یہ حال ہے کہ تمہارے پاس آکر تمہارے دل میں گھر کرنے کے لئے اور تمہارے ہاتھوں سے بچنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی زبردست قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہم تمہارے ہیں ہم مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے یہ صرف خوف و ڈر ہے جو ان کے پیٹ میں درد پیدا کر رہا ہے۔ اگر آج انہیں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قلعہ مل جائے اگر آج یہ کوئی محفوظ غار دیکھ لیں یا کسی اچھی سرنگ کا پتہ انہیں چل جائے تو یہ سارے کے سارے دم بھر میں اس طرف اڑن چھو ہو جائیں تیرے پاس ان میں سے ایک بھی نظر نہ آئے کیونکہ انہیں تجھ سے کوئی محبت یا انس تو نہیں ہے یہ تو ضرورت مجبوری اور خوف کی بناء پر تمہاری چاپلوسی کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی کر رہا ہے یہ بجھتے چلے جا رہے ہیں مومنوں کی ہر خوشی سے یہ جلتے تڑپتے ہیں ان کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی' موقعہ مل جائے تو آج بھاگ جائیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۳

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں تجھ پر عیب رکھتے ہیں اگر انہیں اس میں سے ملجائے تو تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے' اگر یہ لوگ اللہ اور رسول ﷺ کے دیئے ہوئے پر خوش رہتے' اور کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی ہم تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔

مال دولت کے حریص منافق: بعض منافق آنحضرت ﷺ پر تہمت لگاتے کہ آپ ﷺ مال زکوٰۃ صحیح تقسیم نہیں کرتے وغیرہ' اور اس سے ان کا ارادہ سوائے اپنے نفع کے حصول کے اور کچھ نہ تھا۔ انہیں کچھ مل جائے تو راضی ہیں اور یہ رہ جائیں تو بس ان کے نتھنے پھولے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے مال زکوٰۃ جب ادھر ادھر تقسیم کر دیا تو انصار میں سے کسی نے ہانک لگائی کہ یہ عدل نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ ایک نو مسلم صحرائی حضور اکرم ﷺ کو سونا چاندی بانٹتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے عدل کا حکم دیا ہے تو تو عدل نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تباہ ہو اگر میں بھی عادل نہیں تو زمین پر کون عادل ہوگا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس سے اور اس جیسوں سے بچو' میری امت میں اس جیسے لوگ ہوں گے قرآن پڑھیں گے لیکن حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ جب نکلیں انہیں قتل کر ڈالو پھر نکلیں پھر مار ڈالو پھر جب ظاہر ہوں پھر گردنیں مارو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں قسم اللہ کی نہ میں تمہیں دوں نہ تم سے روکوں میں تو ایک خازن ہوں۔ جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ذوالخویصرہ ہرقوص نامی ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا تو عدل نہیں کرتا انصاف سے کام کر آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تیری بربادی کہیں نہیں جا سکتی۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جن کی نمازوں کے مقابلے میں تمہاری نمازیں تمہیں حقیر معلوم ہوں گی اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تم میں سے ایک کو اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ تمہیں جہاں بھی وہ مل جائیں ان کے قتل میں کمی نہ کرو آسمان تلے ان مقتولوں سے بدتر مقتول اور کوئی نہیں پھر ارشاد ہے کہ انہیں رسول کے ہاتھوں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے دلوا دیا تھا اگر یہ اس پر قناعت کرتے صبر و شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے وہ اپنے فضل سے اپنے رسول کے ہاتھوں ہمیں اور بھی دلوائے گا' ہماری امیدیں ذات الٰہی سے وابستہ ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ پس اس میں اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دے اس پر انسان کو صبر و شکر چاہیئے توکل ذات واحد پر رکھے اسی کو کافی و وافی سمجھے رغبت اور توجہ اور لالچ اور امید اور توقع اس کی ذات پاک سے رکھے' رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی اطاعت میں سر مو فرق نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرے کہ جو احکام ہوں انہیں بجا لائے اور جو منع کام ہوں انہیں چھوڑ دینے اور جو خبریں ہوں انہیں مان لینے اور صحیح اطاعت کرنے کی وہ رہبری فرمائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کیلئے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کیلئے' فرض ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے' اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کی تفصیل اور وضاحت: اوپر کی آیت میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا جو ذات رسول اللہ ﷺ پر تقسیم صدقات میں اعتراض کر بیٹھتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں بیان فرمادیا کہ تقسیم زکوٰۃ پیغمبر ﷺ کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتلائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے' ہم نے آپ اس کی تقسیم کر دی ہے کسی اور کے سپرد نہیں کی۔ ابوداؤد میں ہے زیاد بن حارث صدائی فرماتے ہیں میں نے سرکار نبوت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ایک شخص نے آکر آپ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے صدقے میں سے کچھ دلوایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نبی غیر نبی کسی کے حکم پر تقسیم زکوٰۃ کے بارے میں راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود اس نے تقسیم کر دی ہے آٹھ مصرف مقرر کر دیئے ہیں اگر تو ان میں سے کسی میں ہے تو میں تجھے دے سکتا ہوں۔ امام شافعیؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال کی تقسیم ان آٹھوں قسم کے تمام لوگوں پر کرنی واجب ہے اور امام مالکؒ وغیرہ کا قول ہے کہ واجب نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک کو ہی دے دینا کافی ہے گو اور قسم کے لوگ بھی ہوں۔ عام اہل علم کا قول بھی یہی ہے' آیت میں بیان مصرف ہے نہ کہ ان سب کو دینے کے وجوب کا ذکر۔ ان اقوال کی دلیلوں اور مناظروں کی جگہ یہ کتاب نہیں' واللہ اعلم۔

فقیروں کو سب سے پہلے اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی حاجت بہت سخت ہے' گو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی برے حال والا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ تلے مال نہ ہو اسی کو فقیر نہیں کہتے بلکہ فقیر وہ بھی ہے جو محتاج ہو گرا پڑا ہو گو کچھ کھاتا پیتا کماتا بھی ہو۔ ابن علیہ کہتے ہیں اس روایت میں اخلق کا لفظ ہے' اخلق کہتے ہیں ہمارے نزدیک تجارت کو' لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں فقیر وہ ہے جو سوال سے بچنے والا ہو' اور مسکین وہ ہے جو سائل ہو لوگوں کے پیچھے لگنے والا اور گھروں اور گلیوں میں گھومنے والا۔ قتادہؒ کہتے ہیں فقیر وہ ہے جو بیماری والا ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم جسم والا ہو۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں مراد اس سے مہاجر فقراء ہیں۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں یعنی دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں مسلمان فقراء کو مساکین نہ کہو مسکین تو صرف اہل کتاب کے لوگ ہیں۔ اب وہ حدیثیں سنئے جو ان آٹھ قسموں کے متعلق ہیں۔ فقراء' حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں صدقہ مال دار پر اور تندرست توانا پر حلال نہیں' دو شخصوں نے حضور اکرم ﷺ سے صدقہ کا مال مانگا آپ ﷺ نے بغور نیچے سے اوپر تک انہیں ہٹا کٹا قوی تندرست دیکھ کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں لیکن امیر شخص کا اور قوی طاقتور کماؤ شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ مساکین' حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں مسکین یہی گھوم گھوم کر ایک لقمہ دو لقمے ایک کھجور دو کھجور لے کر ٹل جانے والے ہی نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر مساکین کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو بے پرواہی کے برابر نہ پائے نہ اپنی ایسی حالت رکھے کہ کوئی دیکھ کر پہچان لے اور کچھ دے دے نہ کسی سے خود کوئی سوال کرے۔ صدقہ وصول کرنے والے یہ تحصیل دار ہیں انہیں اجرت اسی مال سے ملے گی۔ آنحضرت ﷺ کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے اس عہدے پر نہیں آسکتے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ ہمیں صدقہ اگھانے کا عامل بنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ محمد اور آل محمد ﷺ پر صدقہ حرام ہے یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہے۔ جن کے دل پرچائے جاتے ہیں' ان کی کئی قسمیں ہیں بعضوں کو تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو غنیمت حنین کا مال دیا تھا حالانکہ وہ اس وقت کفر کی حالت میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی اس داد و دہش نے میرے دل میں آپ ﷺ کی سب سے زیادہ محبت پیدا کر دی حالانکہ پہلے سب سے بڑا دشمن آپ ﷺ کا میں ہی تھا۔ بعضوں کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر لگ جائے' جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے حنین والے دن مکہ کے آزاد کردہ لوگوں کے سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک کو دیتا ہوں اور

دوسرے کو جو اس سے زیادہ میرا محبوب ہے نہیں دیتا اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اوندھے منہ جہنم میں گر پڑے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے یمن سے کچا سونا مٹی سمیت آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ ﷺ نے صرف چار شخصوں میں ہی تقسیم فرمایا' اقرع بن حابس' عیینہ ابن بدر' علقمہ بن علاثہ اور زید خیر' اور فرمایا میں ان کی دلجوئی کے لئے انہیں دے رہا ہوں۔ بعض کو اس لئے بھی دیا جاتا ہے کہ اس جیسے اور لوگ بھی اسلام قبول کر لیں۔ بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آس پاس والوں سے صدقہ پہنچائے یا آس پاس کے دشمنوں کی نگہداشت رکھے اور انہیں اسلامیوں پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ دے۔ ان سب کی تفصیل کی جگہ احکام و فروع کی کتابیں ہیں نہ کہ یہ تفسیر' واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ اور عامر شعبی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اب یہ مصرف باقی نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے مسلمان ملکوں کے مالک بن گئے ہیں اور بہت سے بندگان رب ان کے ماتحت ہیں۔ لیکن اور بزرگوں کا قول ہے کہ اب بھی مولفتہ قلوب کو زکوۃ دینی جائز ہے' فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان لوگوں کو مال دیا۔ دوسرے یہ کہ اب بھی ایسی ضرورتیں پیش آجایا کرتی ہیں۔ آزادگی گردن کے بارے میں بہت سے بزرگ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ غلام ہیں جنہوں نے رقم مقرر کر کے اپنے مالکوں سے اپنی آزادگی کی شرط کر لی ہے انہیں مال زکوۃ سے رقم دی جائے کہ وہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ اور بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ غلام جس نے یہ شرط نہ لکھوائی ہو اسے بھی مال زکوۃ سے خرید کر آزاد کرنے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ غرض مکاتب غلام اور محض غلام دونوں کی آزادگی زکوۃ کا ایک مصرف ہے احادیث میں بھی اس کی بہت کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے یہاں تک فرمایا ہے کہ آزاد کردہ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی' اس لئے کہ ہر نیکی کی جزا اسی جیسے ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم نے کیا ہو گا۔ حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ کے ذمے حق ہے' وہ غازی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو' وہ مکاتب غلام اور قرضدار جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہو' وہ نکاح کرنے والا جس کا ارادہ بدکاری سے محفوظ رہنے کا ہو۔ کسی نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نسمہ آزاد کر اور گردن خلاصی کر۔ اس نے کہا کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نسمہ کی آزادگی تو یہ ہے کہ تو اکیلا ہی کسی غلام کو آزاد کر دے اور گردن خلاصی یہ ہے کہ تو بھی اس میں جو تجھ سے ہو سکے مدد کرے' قرضدار ان کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر لے لے کسی کے قرض کا آپ ضامن بن جائے پھر اس کا مال اٹھ جائے یا وہ خود قرضدار بن جائے یا کسی نے برائی پر قرض اٹھایا ہو اور اب وہ توبہ کر لے پس انہیں مال زکوۃ دیا جائے گا کہ یہ قرض ادا کر دیں۔ اس مسئلے کی اصل قبیصہؓ بن مخارق ہلالی کی یہ روایت ہے کہ میں نے دوسرے کا حوالہ اپنی طرف لیا تھا پھر میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ٹھہرو ہمارے پاس مال صدقہ آئے گا تو ہم اس میں سے تمہیں دیں گے۔ پھر فرمایا قبیصہ سن تین قسم کے لوگوں کو ہی سوال حلال ہے ایک تو وہ جو ضامن پڑے پس اس رقم کے پورا ہونے تک اسے سوال جائز ہے پھر سوال نہ کرے۔ دوسرا وہ جس کا مال کسی آفت ناگہانی سے ضائع ہو جائے اسے بھی سوال کرنا درست ہے یہاں تک کہ پیٹ بھرائی ہو جائے' تیسرا وہ شخص جس پر فاقہ گزرنے لگے اور اس کی قوم کے تین ذی ہوش لوگ اس کی شہادت کے لئے کھڑے ہو جائیں کہ ہاں بے شک فلاں شخص پر فاقے گذرنے لگے ہیں' اسے بھی مانگ لینا جائز ہے تاوقتیکہ اس کا سہارا ہو جائے اور سامان زندگی مہیا ہو جائے' ان کے سوا اوروں کو سوال کرنا حرام ہے اگر وہ مانگ کر کچھ لے کر کھائیں گے تو حرام کھائیں گے (مسلم شریف) ایک شخص نے زمانہ نبوی میں ایک باغ خریدا قدرت رب سے آسمانی آفت سے باغ کا پھل مارا گیا اس سے وہ بہت قرض دار ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں جو ملے لے لو۔ اس کے سوا تمہارے لئے اور کچھ

نہیں (مسلم)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کر دی؟ جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے۔ وہ جواب دے گا کہ اے اللہ! تجھے خوب علم ہے میں نے یہ رقم کھائی نہ پی نہ اڑائی بلکہ میرے ہاں سے مثلاً چوری ہو گئی یا آگ لگ گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا بندہ سچا ہے آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنے فضل ورحمت سے جنت میں لے جائے گا (مسند احمد)۔ اللہ کی راہ' میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں جن کا دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ حج بھی اللہ کی راہ میں داخل ہے۔ مسافر' جو سفر میں بے سر و سامان رہ گیا ہو اسے بھی مال زکوۃ سے اتنی رقم دی جائے جس سے وہ اپنے شہر پہنچ سکے' گو وہ اپنے ہاں مالدار ہی ہو۔ یہی حکم ان کا بھی ہے جو اپنے شہر سے سفر کو جانے کا قصد رکھتے ہوں لیکن مال نہ ہو تو اسے بھی سفر خرچ مال زکوۃ سے دینا جائز ہے جو اسے آمد رفت کے لئے کافی ہو۔ آیت کے اس لفظ کی دلیل کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مالدار پر زکوۃ حرام ہے۔ بجز پانچ قسم کے مالداروں کے ایک تو وہ جو زکوۃ وصول کرنے پر مقرر ہو' دوسرا وہ جو مال زکوۃ کی کسی چیز کو اپنے مال سے خرید لے' تیسرا قرضدار' چوتھا راہ الٰہی کا غازی مجاہد۔ پانچواں وہ جسے کوئی مسکین بطور تحفے کے اپنی کوئی چیز جو زکوۃ میں اسے ملی ہو دے۔ اور روایت میں ہے زکوۃ مالدار کے لئے حلال نہیں مگر فی سبیل اللہ جو ہو اور جو مسافرت میں ہو اور جسے اس کا کوئی مسکین پڑوسی بطور تحفے ہدیے کے دے یا اپنے ہاں بلا لے۔ زکوۃ کے ان آٹھوں مصارف کو بیان فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے یعنی مقدر ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر' اس کی تقسیم اور اس کے فرض کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کا عالم ہے اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے' وہ اپنے قول فعل شریعت اور حکم میں حکمت والا ہے۔ بجز اس کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں نہ اس کے سوا کوئی کسی کا پالنے والا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہلکے کان کا ہے' تو کہہ دے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لئے ہے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں یہ ان کے لئے رحمت ہے' رسول اللہ ﷺ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔

منافقین کی ہرزہ سرائی اور ان کا خبث و نفاق: منافقوں کی ایک جماعت بری موذی ہے اپنی باتوں سے پیغمبر رب ﷺ کو دکھ پہنچاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نبی تو کانوں کا بڑا ہی کچا ہے جس سے جو سنا مان لیا۔ جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور قسمیں کھائیں گے وہ ہماری بات بھی باور کر لے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ بہتر کانوں والا اچھی سننے والا ہے وہ صادق و کاذب کو خوب جانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی باتیں مانتا ہے اور باایمان لوگوں کی سچائی بھی جانتا ہے وہ مومنوں کے لئے رحمت ہے اور بے ایمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت ہے رسول اللہ ﷺ کے ستانے والے کے لئے دکھ کی مار ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا جاتے ہیں' حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے' کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے لئے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے' یہ ہے زبردست رسوائی۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقلمند دانا اور تجربہ کار ہیں اگر محمد ﷺ کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بیوقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے۔ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابیؓ نے سن لی اور اس نے کہا واللہ حضور اکرم ﷺ کی سب باتیں بالکل سچ ہیں اور ان نہ ماننے والوں کی بیوقوفی اور کودن پنے میں کوئی شک نہیں۔ جب یہ صحابیؓ دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے۔ اس صحابیؓ نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا۔ اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مخالف ابدی جہنمی ہیں ذلت و رسوائی عذاب دوزخ بھگتنے والے ہیں اس سے بڑھ کر شومئی طالع اس سے زیادہ رسوائی اس سے بڑھ کر شقاوت اور کیا ہو گی۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انہیں بتلا دے' کہہ دے کہ تم مذاق اڑاتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو۔

منافقوں کو ہر وقت اپنے نفاق کے ظاہر ہونے کا ڈر رہتا ہے: آپس میں بیٹھ کر باتیں تو گانٹھ لیتے لیکن پھر خوفزدہ رہتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے۔ اور آیت میں ہے تیرے سامنے آ کر وہ وہ دعائیں دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیں پھر اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں کرتا' ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں فرماتا ہے دینی باتوں' مسلمانوں کی حالتوں پر دل کھول کر مذاق اڑا لو' اللہ تعالیٰ بھی وہ کھول دے گا جو تمہارے دلوں میں ہے' یاد رکھو ایک دن رسوا اور فضیحت ہو کر رہو گے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی بدیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی' ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے' اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب و لہجے سے ہی انہیں پہچان لے۔ اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ

كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع

اگر تو ان سے پوچھے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے' تو کہہ دے کہ اللہ' اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں' تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے' اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔

منافقین کا استہزا اللہ نبی اور قرآن سے: ایک منافق کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہ قرآن خواں لوگ بڑے پیٹو بڑے لباڑ اور بڑے بزدل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو یہ عذر پیش کرتا ہوا آیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو یونہی وقت گزاری کے لئے ہنس بول رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تمہاری ہنسی کے لئے اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ اور قرآن ہی رہ گیا ہے یاد رکھو اگر کسی کو ہم معاف کر دیں گے تو کسی کو سخت سزا بھی کریں گے' اس وقت حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار جا رہے تھے یہ منافق آپ ﷺ کی تلوار پر ہاتھ رکھے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا ہوا یہ کہتا ہوا ساتھ ساتھ جا رہا تھا' آپ ﷺ اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے' جس مسلمان نے اس کا یہ قول سنا تھا اس نے اسی وقت اسے جواب بھی دیا تھا کہ تو بکتا ہے جھوٹا ہے تو منافق ہے۔ یہ واقعہ جنگ تبوک کے موقعہ کا ہے مسجد میں اس نے یہ ذکر کیا تھا۔ (ف) سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ تبوک جاتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا جن میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر وغیرہ تھے۔ یہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ نصرانیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی جیسی سمجھنا سخت خطرناک غلطی ہے اچھا ہے انہیں وہاں پٹنے دو ہم بھی یہاں ان کی درگت بنائیں گے۔ اس پر ان کے دوسرے سردار مخشی نے کہا بھائی ان باتوں کو چھوڑو ورنہ یہ ذکر پھر قرآن میں آئے گا' کوڑے کھا لینا ہمارے نزدیک تو اس رسوائی سے بہتر ہے۔ آگے آگے یہ لوگ یہ تذکرے کرتے جا ہی رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا جانا ذرا دیکھنا یہ لوگ جل گئے ہیں ان سے پوچھ تو کہ یہ کیا ذکر کر رہے تھے' اگر یہ انکار کریں تو تو کہنا کہ تم یہ یہ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جا کر ان سے یہ کہا یہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ حضور ﷺ! ہنسی ہنسی میں ہمارے منہ سے ایسی بات نکل گئی۔ ودیعہ نے تو یہ کہا لیکن مخشی بن حمیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ میرا اور میرے باپ کا نام ملاحظہ فرمائے پس اس وجہ سے یہ لغو حرکت اور حماقت مجھ سے سرزد ہوئی معاف فرمایا جاؤں۔ پس اس سے جناب باری تعالیٰ نے درگزر فرما لیا اور اس آیت میں اسی سے درگزر فرمانے کا ذکر بھی ہوا ہے اس کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا عبدالرحمٰن نام رکھا سچا مسلمان بن گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ مجھے اپنی راہ میں شہید کر تاکہ یہ دھبہ دھل جائے۔ چنانچہ یمامہ والے دن یہ بزرگ شہید کر دیئے گئے' اور ان کی نعش بھی نہ ملی' رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ ان منافقوں نے بطور طعنہ زنی کے کہا تھا کہ لیجئے کیا آنکھیں پھٹ گئی ہیں اب یہ چلے ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کریں بھلا اس علقمندی اور دور بینی کو تو دیکھئے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں پر مطلع کر دیا تو یہ صاف منکر ہو گئے اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی ہم تو آپس میں ہنسی کھیل رہے تھے۔ ہاں ان میں سے ایک شخص تھا جسے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہو گا یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ میں تیرے پاک کلام کی ایک آیت سنتا ہوں جس میں میرے گناہ کا ذکر ہے جب بھی سنتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میرا دل کپکپانے لگتا ہے' پروردگار تو میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنی راہ میں شہید کر اور اس طرح کہ نہ کوئی مجھے غسل دے نہ کفن دے نہ دفن کرے۔ یہی ہوا جنگ یمامہ میں یہ شہداء کے ساتھ شہید ہوئے تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں

لیکن ان کی نعش کا پتہ ہی نہ چلا۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے اور منافقوں کو جواب ملا کہ اب بہانے نہ بناؤ تم گو زبانی ایماندار بنے تھے لیکن اب اسی زبان سے تم کافر ہو گئے۔ یہ قول کفر کا کلمہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ اور قرآن کی ہنسی اڑائی' ہم اگر کسی سے درگزر بھی کر جائیں لیکن تم سب سے یہ معاملہ نہیں ہوگا تمہارے اس جرم اور اس بدترین خطا اور اس مقولہ کفر کی سخت ترین سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

تمام منافق مرد و عورت آپس میں ایک ہی ہیں' یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بھلا دیا' بے شک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں' اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' وہی انہیں کافی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے' اور ان ہی کے لئے دائمی عذاب ہے۔

منافقوں کی چند اور صفات: منافقوں کی خصلتیں مومنوں کے بالکل برخلاف ہوتی ہیں۔ مومن بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں منافق برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلائیوں سے منع کرتے ہیں' مومن سخی ہوتے ہیں' منافق بخیل ہوتے ہیں' مومن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں' منافق یاد الٰہی بھلائے رہتے ہیں۔ اسی کے بدلے اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھول گیا ہو۔ قیامت کے دن یہی ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔ منافق راہ حق سے دور ہو گئے ہیں گمراہی کی چکر دار بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں' ان منافقوں اور کافروں کی ان بداعمالیوں کی سزا ان کے لئے اللہ تعالیٰ جہنم کو مقرر فرما چکا ہے جہاں وہ ابدالاباد تک رہیں گے وہاں کا عذاب انہیں بس ہو گا' انہیں رب رحیم اپنی رحمت سے دور کر چکا ہے اور ان کے لئے اس نے دائمی اور دیرپا عذاب رکھے ہیں۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے تم سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے' پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے پھر تم نے بھی اپنا

حصہ برت لیا جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی' ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوئے' یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

ظالموں کے ماضی سے عبرت حاصل کرو: ان لوگوں کو بھی اگلے لوگوں کی طرح کے عذاب پہنچے' خلاق سے مراد یہاں دین ہے' جیسے اگلے لوگ جھوٹ اور باطل میں کودتے پھاندتے رہے' ایسے ہی ان لوگوں نے بھی کیا۔ ان کے یہ فاسد اعمال اکارت گئے نہ دنیا میں سود مند ہوئے نہ آخرت میں ثواب دلانے والے ہوئے یہی صریح نقصان ہے کہ عمل کیا اور ثواب نہ ملا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جیسے آج کی رات کل کی رات سے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی۔ میرا تو خیال ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ (جانور) کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے بالکل بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ' یہاں تک کہ وہ اگر کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا اس سے مراد آپ ﷺ کی کون لوگ ہیں' کیا اہل کتاب۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور کون۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو ﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں خلاق سے مراد دین ہے۔ اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے۔ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کی طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور لوگ ہیں ہی کون۔ اس حدیث کے شواہد صحیح احادیث میں بھی ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝70

کیا انہیں اپنے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل موتفکات' ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے' اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

دشمنانان دین کے انجام سے عبرت پکڑو: ان بدکردار منافقوں کو وعظ سنایا جا رہا ہے کہ اپنے سے پہلے کے اپنے جیسوں کے حالات پر عبرت کی نظر ڈالو' دیکھو کہ نبیوں کی تکذیب کیا پھل لائی؟ قوم نوح علیہ السلام کا غرق ہونا سوائے مسلمانوں کے کسی کا نہ بچنا یاد کرو' عادیوں کا ہود علیہ السلام کے نہ ماننے کی وجہ سے ہوا کے جھونکوں سے تباہ ہونا یاد کرو' ثمودیوں کا حضرت صالح علیہ السلام کے جھٹلانے اور اللہ کی نشانی اونٹنی کے کاٹ ڈالنے سے ایک جگر دوز کڑاکے کی آواز سے تباہ و برباد ہونا یاد کرو' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ جانا اور ان کے دشمنوں کا غارت ہونا' نمرود بن کنعان بن کوش جیسے بادشاہ کا مع اپنے لاؤ لشکر کے تباہ ہونا نہ بھولو وہ سب لعنت کے مارے بے نشان کر دیئے گئے' قوم شعیب انہی بدکرداریوں اور کفر کے بدلے زلزلے سے اور سائبان والے دن کے عذاب سے تہ و بالا کر دی گئی' جو مدین کی رہنے والی تھی' قوم لوط جن کی بستیاں الٹی پڑی ہیں مدین اور سدوم وغیرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اپنے نبی لوط علیہ السلام کے نہ ماننے اور اپنی بدفعلی نہ چھوڑنے کے باعث ایک ایک کو پیوند زمین کر دیا' ان کے پاس ہمارے

رسول ہماری کتاب اور کھلے معجزے اور صاف دلیلیں لے کر پہنچے لیکن انہوں نے ایک مان کر نہ دی' بالاخر اپنے ظلم سے آپ برباد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حق واضح کر دیا کتاب اتار دی رسول بھیج دیئے حجت ختم کر دی لیکن یہ رسولوں کے مقابلے پر آمادہ ہوئے کتاب الٰہی کی تعمیل سے بھاگے حق کی مخالفت کی پس لعنت الٰہی اتری اور انہیں خاک سیاہ کر گئی۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

وقف لازم

مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں' بھلائیاں سکھاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی مانتے رہتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ عزت و غلبے والا حکمت و درست کاری والا ہے۔

مسلمان ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں: منافقوں کی بد خصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں' ایک دوسرے کا دست و بازو بنے رہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستیوں اور سلوکوں میں مثل ایک جسم کے ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بے داری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگ اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے' سب کو بھلائیاں سکھاتے ہیں اچھی باتیں بتلاتے ہیں برے کاموں سے بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ حکم الٰہی بھی یہی ہے' فرماتا ہے تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائیوں کا حکم کرے برائیوں سے منع کرے یہ نمازی ہوتے ہیں' ساتھ ہی زکوٰۃ بھی دیتے ہیں تاکہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو دوسری جانب مخلوق کی دل جوئی ہو' اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی ان کا دلچسپ مشغلہ ہے جو حکم ملا بجالائے جس سے روکا رک گئے' یہی لوگ ہیں جو رحم ربانی کے مستحق ہیں' یہی صفتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف لپکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے فرمانبرداروں کی خود بھی عزت کرتا ہے اور انہیں ذی عزت بنا دیتا ہے۔ دراصل عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور اپنے ایماندار غلاموں کو بھی عزت دے رکھی ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ ان میں یہ صفتیں رکھیں اور منافقوں میں وہ خصلتیں رکھیں۔ اس کی حکمت کی تہ کو کون پہنچ سکتا ہے۔ جو چاہے کرے۔ وہ برکتوں والا اور بلندیوں والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

ع ۱۵

ان ایمان دار مردوں عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جوان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے' یہی زبردست کامیابی ہے۔

جنت کے حسین نظارے اور اہل جنت: مومنوں کی ان نیکیوں پر جو اجر و ثواب انہیں ملے گا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ ابدی نعمتیں ہیشگی کی راحتیں باقی رہنے والی جنتیں جہاں قدم قدم پر خوشگوار پانی کے چشمے ابل رہے ہیں جہاں بلند و بالا خوبصورت مزین صاف ستھرے آرائش و زیبائش والے محلات اور مکانات ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں دو جنتیں تو صرف سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ بھی وہاں ہے سب سونے ہی سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں برتن بھی اور کل چیزیں بھی ان میں اور دیدار الٰہی میں کوئی حجاب بجز اس کبریائی کی چادر کے نہیں جو اللہ جل وعلا کے چہرے پر ہے یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ مومن کے لئے جنت میں ایک خیمہ ہوگا ایک ہی موتی کا بنا ہوا اس کا طول ساٹھ میل کا ہوگا۔ مومن کی بیویاں وہیں ہوں گی جن کے پاس یہ آتا جاتا رہے گا لیکن ایک دوسرے کو دکھائی نہ دیں گی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے نماز قائم رکھے رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے اس نے ہجرت کی ہو یا اپنے وطن میں ہی رہا ہو۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اوروں سے بھی یہ حدیث بیان کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدوں کے لئے بنایا ہے ہر دو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں' پس جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ سب سے اونچی اور سب سے بہتر جنت ہے جنتوں کی سب نہریں وہیں سے نکلتی ہیں اس کی چھت رحمان کا عرش ہے' فرماتے ہیں اہل جنت جنتی بالاخانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے چمکتے دمکتے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام جنتوں میں خاص ایک اعلیٰ مقام ہے جس کا نام وسیلہ ہے کیونکہ وہ عرش سے بالکل ہی قریب ہے یہ جگہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی۔ آپ ﷺ فرماتے جب تم مجھ پر درود پڑھو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے۔ فرمایا جنت کا وہ اعلیٰ درجہ جو ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں موذن کی اذان کا جواب دو جیسے کلمات وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو وہ جنت کی ایک منزل ہے جو تمام مخلوق اللہ میں سے ایک ہی شخص کو ملے گی مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ہی عنایت ہوگی جو شخص میرے لئے اس وسیلے کی طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہو گئی۔ فرماتے ہیں میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو دنیا میں جو بھی میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی بنوں گا۔ صحابہؓ نے ایک دن آپ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمیں جنت کی باتیں سنائیے اس کی بنا کس چیز کی ہے؟ فرمایا سونے چاندی کی اینٹوں کی اس کا گارہ خالص مشک ہے اس کے کنکر لولو اور یاقوت ہے اس کی مٹی زعفران ہے اس میں جو جائے گا وہ نعمتوں میں ہوگا جو کبھی خالی نہ ہوں وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا جس کے بعد موت کا کھٹکا بھی نہیں نہ اس کے کپڑے خراب ہوں نہ اس کی جوانی ڈھلے۔ فرماتے ہیں جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے اور باہر کا اندر سے۔ ایک اعرابی نے پوچھا حضور ﷺ! یہ بالاخانے کن کے لئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو اچھا کلام کرے' کھانا کھلائے' روزے رکھے اور راتوں کو لوگوں کے سونے کے وقت تہجد کی نماز ادا کرے۔ فرماتے ہیں کوئی ہے جو جنت کا شائق اور اس کے لئے محنت کرنے والا ہو' واللہ جنت کی کوئی چار دیواری محدود کرنے والی نہیں وہ تو ایک چمکتا ہوا بقعہ نور ہے اور مہکتا ہوا گلستان ہے اور بلند و بالا پاکیزہ محلات ہیں اور جاری و ساری لہریں مارنے والی نہریں ہیں اور گدرائے ہوئے اور پکے میووں کے گچھے ہیں اور خوش جمال خوبصورت پاک سیرت حوریں ہیں اور بیش

قیمت رنگین ریشمی جوڑے ہیں' مقام ہے ہمیشگی کا' گھر ہے سلامتی کا' میوے ہیں لدے پھدے' سبزہ ہے پھیلا ہوا' کشادگی اور راحت ہے' امن وچین ہے' نعمت اور رحمت ہے' عالیشان خوش منظر کوشک اور حویلیاں ہیں۔ یہ سن کر لوگ بول اٹھے کہ حضور! ہم سب اس جنت کے مشتاق اور اس کے حاصل کرنے کے کوشاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ کہو۔ پس لوگوں نے انشاء اللہ کہا۔

پھر فرماتا ہے ان تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بالا نعمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل جنتیوں کو پکارے گا کہ اے اہل جنت! وہ کہیں گے ﴿ لبیك ربنا وسعدیك و والخیر فی یدیك ﴾ پوچھے گا کہو تم خوش ہو گئے۔ وہ جواب دیں گے کہ خوش کیوں نہ ہوتے تو نے اے پروردگار! ہمیں وہ دیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہ ملا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو میں تمہیں اس سے بہت ہی افضل و اعلیٰ چیز عطا فرماتا ہوں۔ وہ کہیں گے اے اللہ اس سے بہتر چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سنو میں نے اپنی رضامندی تمہیں عطا فرمائی آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اللہ عزوجل فرمائے گا کچھ اور چاہیے تو دوں۔ وہ کہیں گے اے اللہ جو تو نے ہمیں عطا فرما رکھا ہے اس سے بہتر تو کوئی اور چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ میری رضامندی ہے جو سب سے بہتر ہے۔ امام حافظ ضیاء مقدسی نے صفت جنت میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس میں اس حدیث کو شرط صحیح پر بتلایا ہے' واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھ اور ان پر سختی کرتا رہ' ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے' جو نہایت بدترین جگہ ہے' یہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا' حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے یہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول ﷺ نے دولتمند کر دیا' اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کرے گا' اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہو گا۔

منافقین سے جہاد جاری رکھنے کا حکم: کافروں منافقوں سے جہاد کا اور ان پر سختی کا حکم ہوا' مومنوں سے جھک کر ملنے کا حکم ہوا' کافروں کی اصلی جگہ جہنم مقرر فرمادی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا ایک تلوار تو مشرکوں میں فرماتا ہے ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کی خوب خبر لو' دوسری تلوار اہل کتاب کے کفار میں فرماتا ہے ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے

دن پر ایمان نہیں لاتے اللہ ورسول ﷺ کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں مانتے' دین حق کو قبول نہیں کرتے' ان اہل کتاب سے جہاد کرو جب تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور نہ کر لیں' تیسری تلوار منافقین میں' ارشاد ہوتا ہے ﴿جاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنافِقِيْنَ﴾ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں' فرمان ہے ﴿ فَقَاتِلُوْا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ﴾ باغیوں سے لڑو جب تک کہ پلٹ کر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکم برداری کی طرف نہ آجائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان سے تلوار سے جہاد کرنا چاہیے۔ امام ابن جریرؒ کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ہاتھ سے نہ ہو سکے تو ان کے منہ پر ڈانٹ ڈپٹ سے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے تو تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقوں کے ساتھ زبانی جہاد کو فرمایا ہے اور یہ کہ ان پر نرمی نہ کی جائے۔ مجاہدؒ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔ ان پر حد شرعی کا جاری کرنا بھی ان سے جہاد کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کبھی تلوار بھی ان کے خلاف اٹھانی پڑے گی ورنہ جب تک کام چلے زبان بس ہے' جیسا موقعہ ہو کر لے۔ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی' حالانکہ در حقیقت کفر کا بول بول چکے ہیں اور اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک جہنی اور ایک انصاری میں لڑائی ہو گئی' جہنی شخص انصاری پر چھا گیا تو اس منافق نے انصار کو اس کی مدد پر ابھارا اور کہنے لگا واللہ ہماری اور اس محمد ﷺ کی تو وہی مثال ہے کہ "اپنے کتے کو موٹا تازہ کر کہ وہ تجھے ہی کاٹے" واللہ اگر ہم اب کی مرتبہ مدینے واپس گئے تو ہم ذی عزت لوگ ان تمام کمینے لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ ایک مسلمان نے جا کر حضور اکرم ﷺ سے یہ گفتگو دہرا دی۔ آپ ﷺ نے اسے بلوا کر اس سے سوال کیا تو یہ قسم کھا کر انکار کر گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری قوم کے جو لوگ حرہ کی جنگ میں کام آئے ان پر مجھے بڑا ہی رنج وصدمہ ہو رہا تھا۔ اس کی خبر حضرت زید ابن ارقمؓ کو پہنچی تو آپؓ نے مجھے خط میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے آپ ﷺ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ انصار کو اور انصار کے لڑکوں کو بخش دے۔ نیچے کے راوی ابن الفضل کو اس میں شک ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اس دعا میں ان کے پوتوں کا نام بھی لیا یا نہیں؟ پس حضرت انسؓ نے موجودہ لوگوں میں سے کسی سے حضرت زیدؓ کی نسبت سوال کیا تو اس نے کہا یہی زیدؓ وہ ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ تو خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک منافق نے کہا اگر یہ سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی زیادہ احمق ہیں۔ حضرت زیدؓ نے کہا واللہ آنحضرت ﷺ بالکل سچے اور بے شک تو اپنی حماقت میں گدھے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے یہ بات حضور اکرم ﷺ کے گوش گزار کی' لیکن وہ منافق پلٹ گیا اور صاف انکار کر گیا اور کہا کہ زید نے جھوٹ بولا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور حضرت زیدؓ کی سچائی بیان فرمائی۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا ہے ممکن ہے راوی کو اس آیت کے ذکر میں وہم ہو گیا ہو اور دوسری آیت کے بدلے اسے بیان کر دیا ہو۔ یہی حدیث بخاری شریف میں ہے لیکن اس جملے تک کہ زیدؓ وہ ہیں جن کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی سچائی کی شہادت خود رب علیم نے دی' ممکن ہے کہ بعد کا حصہ موسیٰ بن عقبہ راوی کا اپنا قول ہو' اسی کی ایک روایت میں پچھلا یہ حصہ ابن شہاب کے قول سے مروی ہے' اللہ اعلم۔ مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالکؓ کے تبوکی واقعہ کے بعد ہے کہ جو منافق موخر چھوڑ دیئے گئے تھے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا ان میں سے بعض آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی تھے' ان میں جلاس ابن سوید بن صامت بھی تھا ان کے گھر میں عمیر بن سعد کی والدہ تھیں جو اپنے ساتھ حضرت عمیرؓ کو بھی لے گئی تھیں جب ان منافقوں کے بارے میں قرآنی آیتیں نازل ہوئیں تو جلاس کہنے لگا کہ واللہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ حضرت عمیر بن سعدؓ یہ سن کر فرمانے لگے کہ یوں تو آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آپ کی تکلیف مجھ پر میری تکلیف سے بھی زیادہ شاق ہے لیکن آپ نے اس وقت تو ایسی بات منہ سے نکالی ہے کہ اگر میں اسے پہنچاؤں تو رسوائی ہے اور نہ پہنچاؤں تو ہلاکت ہے رسوائی یقیناً ہلاکت سے ہلکی چیز ہے۔ یہ کہہ کر یہ بزرگ حاضر خدمت ہوئے اور ساری بات آپ ﷺ کو کہہ سنائی۔ جلاس کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سرکار نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر کہا کہ عمیر جھوٹا ہے میں نے یہ

بات ہر گز نہیں کہی' اس پر یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ اس کے بعد جلاس نے توبہ کرلی اور درست ہو گئے۔ یہ توبہ کی بات بہت ممکن ہے کہ امام محمد بن اسحاق کی اپنی کہی ہوئی ہو حضرت کعب ؓ کی یہ بات نہیں' واللہ اعلم' اور روایت میں ہے کہ جلاس بن سوید بن سامت اپنے سوتیلے بیٹے حضرت مصعب ؓ کے ساتھ قبا سے آرہے تھے دونوں گدھوں پر سوار تھے اس وقت جلاس نے یہ کہا تھا اس پر ان کے صاحبزادے نے فرمایا کہ اے دشمن رب! میں تیری اس بات کی رسول اللہ ﷺ کو خبر کروں گا فرماتے ہیں کہ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن کریم نہ نازل ہو یا مجھ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آجائے یا اس گناہ میں میں بھی اپنے باپ کا شریک نہ کر دیا جاؤں' چنانچہ میں سیدھا حاضر ہوا' اور تمام بات حضور اکرم ﷺ کو مع اپنے ڈر کے سنادی۔ ابن جریر میں ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سائے دار درخت تلے بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص آئے گا اور تمہیں شیطان دیکھے گا خبردار تم اس سے کلام نہ کرنا۔ اسی وقت ایک انسان کیری آنکھوں والا آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو۔ وہ اسی وقت گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے درگزر فرمالیا۔ پھر یہ آیت اتری۔ اس میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے وہ قصد کیا جو پورا نہ ہوا مراد اس سے جلاس کا یہ ارادہ ہے کہ اپنے سوتیلے لڑکے کو جس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بات کہدی تھی قتل کر دے۔ ایک قول ہے کہ عبداللہ بن ابی نے خود حضور اکرم ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ یہ قول بھی ہے کہ بعض لوگوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اسے سردار بنادیں گو رسول اللہ ﷺ راضی نہ ہوں' یہ بھی مروی ہے کہ دس سے اوپر اوپر آدمیوں نے غزوہ تبوک میں راستے میں حضور اکرم ﷺ کو دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہا تھا' چنانچہ حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں میں اور حضرت عمار آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے ایک چلاتا تھا دوسرا نکیل تھامتا تھا۔ ہم عقبہ میں تھے کہ بارہ شخص منہ پر نقاب ڈالے آئے اور اونٹنی کو گھیر لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں للکارا اور وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا تم نے انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں لیکن ان کی سواریاں ہماری نگاہوں میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ منافق تھے اور قیامت تک ان کے دل میں نفاق رہے گا' جانتے ہو یہ کس ارادے سے آئے تھے؟ ہم نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے رسول کو عقبہ میں پریشان کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے۔ ہم نے کہا حضور ﷺ! ان کی قوم کے لوگوں سے کہلوا دیجئے کہ ہر قوم والے اپنی قوم کے جس آدمی کی شرکت اس میں پائیں اس کی گردن اڑا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ورنہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں گی کہ محمد ﷺ پہلے تو انہی لوگوں کو لے کر اپنے دشمنوں سے لڑے ان پر فتح حاصل کر کے پھر اپنے ان ساتھیوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ ان کے دلوں پر آتشیں پھوڑے پیدا کر دے۔

اور روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی میں حضور اکرم ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ میں عقبہ کے راستے سے جاؤں گا' اس راہ کوئی نہ آئے۔ حضرت حذیفہ ؓ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت عمار ؓ پیچھے سے چلا رہے تھے کہ ایک جماعت اپنی اونٹنیوں پر سوار آگئی۔ حضرت عمار ؓ نے ان کی سواریوں کو مارنا شروع کیا اور حضرت حذیفہ ؓ نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان سے آپ ﷺ کی سواری نیچے کی طرف چلانی شروع کر دی۔ جب نیچے کا میدان آگیا آپ ﷺ سواری سے اتر آئے اتنے میں عمار ؓ بھی واپس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے پہچانا بھی۔ حضرت عمار ؓ نے کہا منہ تو چھپے ہوئے تھے لیکن سواریاں معلوم ہیں۔ پوچھا ان کا ارادہ کیا تھا جانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ چاہا تھا کہ شور کر کے ہماری اونٹنی کو بھڑکا دیں اور ہمیں گرا دیں۔ ایک سے حضرت عمار ؓ نے ان کی تعداد دریافت کی تو اس نے کہا چودہ۔ آپ نے فرمایا اگر تو بھی ان میں تھا تو پندرہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ان میں سے تین شخصوں کے نام گنوائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم نے نہ تو منادی کی ندا سنی اور نہ ہمیں اپنے ساتھیوں کے کسی بد ارادے کا علم تھا۔ حضرت عمار ؓ فرماتے ہیں کہ باقی کے بارہ لوگ شخص اللہ و رسول ﷺ سے لڑائی کرنے والے ہیں دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ امام محمد بن اسحاق ؒ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کے نام بھی گنوائے ہیں' واللہ اعلم' صحیح مسلم میں ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص کے ساتھ حضرت عمار ؓ کا کچھ تعلق تھا تو اس سے آپ نے قسم دے کر اصحاب عقبہ کی گنتی دریافت کی۔ لوگوں

نے بھی اس سے کہا کہ ہاں بتلا دو۔ اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ چودہ تھے اگر مجھے بھی شامل کیا جائے تو پندرہ ہوئے۔ ان میں سے بارہ تو دشمن الٰہی اور رسول ﷺ ہی تھے اور تین شخصوں کی اس قسم پر کہ نہ ہم نے منادی کی ندا سنی نہ ہمیں جانے والوں کے ارادے کا علم اس لئے معذور رکھا گیا۔ گرمی کا موسم تھا پانی بہت کم تھا آپ نے فرما دیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے لیکن اس پر بھی کچھ لوگ پہنچ گئے تھے۔ آپ نے ان پر لعنت کی۔ آپ کا فرمان ہے کہ میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ جنت میں جائیں گے نہ اس کی خوشبو پائیں گے آٹھ کے مونڈھوں پر آتشی پھوڑا ہوگا جو سینے تک پہنچے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا۔ اسی باعث حضرت حذیفہ کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے صرف انہیں کو ان منافقوں کے نام بتلائے تھے۔ واللہ اعلم۔

طبرانی میں ان کے نام یہ ہیں۔ معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن قیس، عبداللہ بن نبتل بن حارث جو عمرو ابن عوف کے قبیلے کا تھا اور حارث بن یزید طائی اور اوس ابن قیظی اور حارث بن سوید اور سعد بن زرارہ اور قیس بن فہد اور سوید اور داعس قبیلہ بنو حبلی کے اور قیس ابن عمرو بن سہل اور زید بن لصیت اور سلسلہ بن برہام یہ دونوں قبیلہ قینقاع کے ہیں یہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اس آیت میں اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھوں مالدار بنایا، اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا پورا فضل ہو جاتا تو انہیں ہدایت بھی نصیب ہو جاتی جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہاری رہبری کی، تم متفرق تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم میں الفت ڈال دی تم فقیر بے نوا تھے اللہ تعالیٰ نے میرے سبب سے تمہیں غنی اور مالدار کر دیا۔ ہر ہر سوال کے جواب میں انصار رضی اللہ عنہم فرماتے جاتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا اس سے زیادہ احسان ہے۔ الغرض بیان یہ ہے کہ بے وجہ بے قصور یہ لوگ دشمنی اور بے ایمانی پر اتر آئے، جیسے سورۂ بروج میں ہے کہ ان مسلمانوں سے ان کافروں کا انتقام صرف ان کے ایمان کے باعث تھا۔ حدیث میں ہے کہ ابن جمیل صرف اس بات کا انتقام لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر وہ اپنے اسی طریقہ پر کاربند رہے تو انہیں دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی قتل سے بھی اور صدمہ و غم سے بھی اور دوزخ کے ذلیل و پست کرنے والے ناقابل برداشت عذابوں سے بھی، دنیا میں کوئی نہ ہوگا جو ان کی طرفداری کرے ان کی مدد کرے انہیں کام آئے ان سے برائی ہٹائے یا نفع پہنچائے بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم صدقہ خیرات کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا، اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ تعالیٰ سے ملنے کے دنوں تک کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور جھوٹ بولتے رہے، کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام خبروں سے خبردار ہے۔

دعا منظور ہوئی تو اپنا وعدہ بھول گیا: بیان ہو رہا ہے کہ ان منافقوں میں وہ بھی ہے جس نے عہد کیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ مالدار کر دے تو میں بڑی سخاوت کروں اور نیک بن جاؤں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے امیر اور خوشحال بنا دیا اس نے وعدہ شکنی کی اور بخیل بن بیٹھا جس کی سزا میں قدرت نے اس کے دل میں ہمیشہ کے لئے نفاق ڈال دیا۔ (نوٹ) اس واقعہ میں ثعلبہ کا نام صحیح سند سے ثابت نہیں آیت بھی منافقین کے بارے اتری ہے (محمد انور زاہد) یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑا جس کا شکر ادا ہو اس بہت سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر دوبارہ بھی درخواست کی تو آپ ﷺ نے پھر سمجھایا کہ تو اپنا حال اللہ تعالیٰ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا حضور! واللہ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کی داد دوں ہر ایک کو اس کا حق ادا کروں۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے مال کی برکت کی دعا کی۔ اس کی بکریوں میں اس طرح زیادتی شروع ہوئی جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ اس کے جانوروں کے لئے تنگ ہو گیا یہ ایک میدان میں نکل گیا ظہر و عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا باقی نمازیں جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے اور سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں' مال اور بڑھتا گیا شدہ شدہ جمعہ کا آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے اظہار افسوس کیا۔ ادھر آیت اتری کہ ان کے مال سے صدقہ لے اور صدقے کے احکام بھی بیان ہوئے۔ آپ نے دو شخصوں کو جن میں ایک قبیلہ جہینہ کا تھا اور دوسرا قبیلہ سلیم کا انہیں تحصیلدار بنا کر صدقہ لینے کے احکام لکھ کر انہیں پروانہ دے کر بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور فلانے بنی سلیم سے صدقہ لے آؤ۔ یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے فرمان پیغمبر ﷺ دکھایا صدقہ طلب کیا تو وہ کہنے لگا واہ واہ یہ تو جزیے کی بہن ہے یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے یہ کیا بات ہے اچھا اب تو جاؤ لوٹتے ہوئے آنا۔ دوسرا شخص سلمی جو تھا اسے جب معلوم ہوا تو اس نے اپنے بہترین جانور نکالے اور انہیں لے کر خود ہی آگے بڑھا۔ انہوں نے ان جانوروں کو دیکھ کر کہا نہ تو یہ ہمارے لینے کے لائق نہ تجھ پر ان کا دینا واجب۔ اس نے کہا میں تو اپنی خوشی سے ہی بہترین جانور دینا چاہتا ہوں آپ انہیں قبول فرمایئے۔ بالآخر انہوں نے لے لئے' اوروں سے بھی وصول کیا اور لوٹتے ہوئے پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے وہ پرچہ تو پڑھاؤ جو تمہیں دیا گیا ہے۔ پڑھ کر کہنے لگا بھئی یہ تو صاف صاف جزیہ ہے کافروں پر جو ٹیکس مقرر کیا جاتا ہے یہ تو بالکل ویسا ہی ہے اچھا تم جاؤ میں سوچ سمجھ لوں۔ یہ واپس چلے گئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضور اکرم ﷺ نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور سلمی شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ اب انہوں نے بھی ثعلبہ کا اور سلمی کا دونوں کا واقعہ کہہ سنایا۔ پس اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتے دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر کہا آیت بھی پڑھ سنائی۔ یہ حضرت ﷺ کے پاس آیا اور طلب کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو سب تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ میں نے تو تجھے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ یہ واپس اپنی جگہ چلا آیا۔ حضور اکرم ﷺ نے انتقال تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ پھر یہ خلافت صدیقی میں آیا اور کہنے لگا میری جو عزت حضور اکرم ﷺ کے پاس تھی وہ اور میرا جو مرتبہ انصار میں ہے وہ آپ خوب جانتے ہیں آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو میں کون؟ غرض آپ نے بھی انکار کر دیا۔ جب آپ کا بھی انتقال ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ مسلمانوں کے والی ہوئے تو پھر یہ آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ میرا صدقہ قبول فرمایئے۔ آپ نے جواب دیا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے قبول نہیں فرمایا خلیفہ اول نے قبول نہیں فرمایا تو اب میں کیسے

قبول کر سکتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں اس کا صدقہ قبول نہیں فرمایا۔ پھر خلافت حضرت عثمان ؓ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفہ نے تیرا صدقہ مقبول نہیں فرمایا تو میں کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ قبول نہیں کیا اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ الغرض پہلے تو وعدے کئے تھے سخاوت کے اور وہ بھی قسمیں کھا کھا کر، پھر پھر گیا اور سخاوت کے عوض بخیلی کر گیا اور وعدہ شکنی کر لی۔ اس جھوٹ اور عہد شکنی کے بدلے اس کے دل میں نفاق پیوست ہو گیا جو اس وقت سے اس کی پوری زندگی تک اس کے ساتھ ہی رہا۔ حدیث میں بھی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے امانت سونپی جائے خیانت کرے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ چھپے کھلے دل کے ارادوں اور سینے کے بھیدوں کا عالم ہے وہ پہلے سے ہی جانتا تھا یہ خالی زبانی بکواس ہے کہ مالدار ہو جائیں تو یوں خیراتیں کریں یوں شکر گزاری کریں یوں نیکیاں کریں، لیکن دلوں پر نظریں رکھنے والا رب خوب جانتا ہے کہ یہ مال میں مست ہو جائیں گے اور دولت پا کر خرمستیاں ناشکری اور بخل کرنے لگیں گے۔ وہ ہر حاضر غائب کا جاننے والا ہے وہ ہر چھپے کھلے کا عالم ہے ظاہر باطن سب اس پر روشن ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیراتیں کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہیں کے لئے دکھ کی مار ہے۔

منافقوں کی بدگوئی اور مسلمانوں کی حوصلہ شکنی: یہ بھی منافقوں کی ایک بدخصلت ہے کہ ان کی زبان سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل، یہ عیب جو بدگو لوگ برے ہیں۔ اگر کوئی شخص بڑی رقم للہ دے تو یہ اسے ریاکار کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بناء پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی اللہ بھوکا تھا۔ چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اتری ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں ایک صاحب نے دل کھول کر بہت بڑی رقم دی، اسے تو ان منافقوں نے ریاکار کا خطاب دیا اور ایک صاحب بے چارے مسکین آدمی تھے صرف ایک صاع اناج لائے تھے، انہیں کہا کہ اس کے اس صدقے کی اللہ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا میں اس کی بابت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا۔ اس وقت ایک صحابی ؓ نے اپنے عمامے میں سے کچھ دینا چاہا لیکن پھر لپیٹ لیا، اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے جس سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! یہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا اس نے کہا لیجئے سنبھال لیجئے۔ اس پر کسی نے کہا کہ اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے۔ آپ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے افسوس! سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس تین مرتبہ یہی فرمایا، مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے، اور لپیں بھر بھر کر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا، یعنی راہ للہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔ پھر فرمایا انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے ہوں اور زیادہ عبادت والے ہوں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک

غریب انصاری ایک صاع اناج لائے۔ منافقوں نے ایک کو ریاکار بتلایا دوسرے کے صدقے کو حقیر بتلایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ! میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے ایک میں نے اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے روک لیا اور ایک لے آیا۔ آپ ﷺ نے اسے بھی جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا اس پر منافق بکواس کرنے لگے کہ اللہ اور رسول ﷺ کو اس سے بے نیازی ہے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے سب کو صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا ہوش میں بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں ہوش میں ہوں۔ فرمایا پھر کیا کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا سنو میرے پاس آٹھ ہزار ہیں جن میں سے چار ہزار تو میں اللہ تعالیٰ کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔ منافق ان پر باتیں بنانے لگے کہ پھول گئے اپنی سخاوت دکھانے کے لئے لوگوں میں اتنی بڑی رقم دے دی۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت اتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔

بنو عجلان کے عاصم بن عدی ؓ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات کی تھی ایک سو وسق کھجوریں دی تھیں۔ منافقوں نے اسے ریاکاری پر محمول کیا تھا۔ اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابو عقیل ؓ تھے یہ قبیلہ بنو انیف کے شخص تھے ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے ہنسی اور ہجو کی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضور اکرم ﷺ نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کے لئے کیا تھا۔ اس میں ہے کہ عبدالرحمٰن ؓ نے دو ہزار دیئے تھے اور دو ہزار رکھے تھے دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں' یہ حضرت ابو عقیل ؓ تھے رات بھر اپنی پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے رہے تھے۔ ان کا نام حباب تھا اور قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ثعلبہ تھا۔ پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہی بدلہ لیا' ان منافقوں کے لئے اخروی المناک عذاب ہیں' اور ان کے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی برابدلہ ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ ع

ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر' اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرے تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا' یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے کفر کیا ہے' ایسے فاسق لوگوں کو اللہ کریم ہدایت نہیں دیتا۔

منافقین کے لئے استغفار اور عدم استغفار برابر ہے: فرماتا ہے کہ یہ منافق اس قابل نہیں کہ تو اے نبی! ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرے۔ ایک بار نہیں اگر تو ستر مرتبہ بھی بخشش ان کے لئے چاہے تو اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ جو ستر کا ذکر ہے اس سے مراد صرف زیادتی ہے وہ ستر سے کم ہو یا بہت زیادہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد اس سے ستر کا ہی عدد ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ان کے لئے ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اور آیت میں فرما دیا کہ ان کے لئے تیرا استغفار کرنا نہ کرنے کے برابر ہے۔ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا حاضر خدمت حضور اکرم ﷺ ہو کر عرض کرتا ہے کہ میرا باپ نزع کی حالت میں ہے میری چاہت ہے کہ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے چلیں اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا حباب۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا نام عبداللہ ہے حباب تو شیطان کا نام ہے۔ اب آپ

ﷺ ان کے ساتھ ہو لئے ان کے باپ کو اپنا کرتا اپنے پسینے والا پہنایا اس کی جنازے کی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ سے کہا بھی گیا کہ آپ ﷺ اس کے جنازے پر نماز پڑھ رہے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر مرتبہ کے استغفار سے بھی نہ بخشنے کو فرمایا ہے تو میں ستر بار پھر ستر بار پھر ستر بار استغفار کروں گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲

پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں یہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند رکھتے ہیں انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو' تو کہہ دے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے' کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے' پس انہیں بہت کم ہنسنا چاہئے اور بہت زیادہ روئیں بدلے میں اس کے جو یہ کیا کرتے تھے۔

سورج کی گرمی سے بچنے والے جہنم کی آگ کیوں نہیں یاد کرتے: جو لوگ غزوۂ تبوک میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور گھروں میں ہی بیٹھنے پر اکڑ رہے تھے' جنہیں اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا' جنہوں نے ایک دوسرے کے کان بھرے تھے کہ اس گرمی میں کہاں نکلو گے؟ ایک طرف پھل پکے ہوئے ہیں سائے بڑھے ہوئے ہیں دوسری جانب لو کے لوکے چل رہے ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ جہنم کی آگ جس کی طرف تم اپنی اس بدکرداری سے جا رہے ہو وہ اس گرمی سے زیادہ بڑھی ہوئی حرارت اپنے اندر رکھتی ہے یہ آگ تو اس آگ کا سترواں حصہ ہے' جیسے کہ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکی گئی تو سرخ ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک دھونکی گئی تو سیاہ ہو گئی پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہے۔ ایک بار آپ ﷺ نے آیت ﴿ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا ایک ہزار سال تک جلائے جانے سے وہ سفید پڑ گئی پھر ایک ہزار سال تک بھڑکانے سے سرخ ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک دھونکے جانے سے سیاہ ہو گئی پس وہ سیاہ رات جیسی ہے اس کے شعلوں میں بھی چمک نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ ابو یعلیٰ کی ایک غریب روایت میں ہے کہ اگر اس مسجد میں ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی ہوں اور کوئی جہنمی یہاں آ کر سانس لے تو اس کی گرمی سے مسجد اور مسجد والے سب جل جائیں۔ اور حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا دوزخ میں وہ ہو گا جس کے دونوں پاؤں میں دو جوتیاں آگ کی تسمے سمیت ہوں گی جس سے اس کی کھوپڑی کھدبدا رہی ہو گی اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے حالانکہ دراصل سب سے ہلکا عذاب اسی کا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دیتی ہے۔ اور آیتوں میں ہے کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی تمام چیزیں اور ان کی کھالیں جھلس جائیں گی پھر لوہے کے ہتھوڑوں سے ان کے سر کچلے جائیں گے وہ جب وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب

چکھو۔ اور آیت میں ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا انہیں ہم بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں گے' ان کی کھالیں جھلتی جائیں گی اور ہم اور اور بدلتے جائیں گے کہ وہ خوب عذاب چکھیں۔ اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ اگر انہیں سمجھ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ جہنم کی آگ کی گرمی اور تیزی بہت زیادہ ہے تو یقیناً یہ باوجود موسمی گرمی کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں خوشی خوشی نکلتے اور اپنے جان ومال کو اللہ کی راہ میں فدا کرنے پر تل جاتے۔ عرب کا شاعر کہتا ہے کہ تو نے اپنی عمر سردی گرمی سے بچنے کی کوشش میں گزار دی حالانکہ تجھے لائق تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا کہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔

اب اللہ تبارک وتعالیٰ ان بدباطن منافقوں کو ڈرا رہا ہے کہ تھوڑی سی زندگی میں یہاں تو جتنا چاہیں ہنس لیں' لیکن اس آنے والی بڑی زندگی میں ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگو روؤ اور رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ جہنمی روئیں گے یہاں تک کہ ان کے رخساروں پر نہروں جیسے گڑھے پڑ جائیں گے آخر آنسو ختم ہو جائیں گے اب آنکھیں خون برسانے لگیں گی ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو اور خون بہا ہوگا کہ اگر کوئی اس میں کشتیاں چلانی چاہے تو چلا سکتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جہنمی جہنم میں روئیں گے اور خوب روتے رہیں گے آنسو ختم ہونے کے بعد پیپ نکلنا شروع ہوگا۔ اس وقت دوزخ کے داروغے ان سے کہیں گے کہ اے بدبخت! رحم کی جگہ تو تم کبھی بھی نہ روئے اب یہاں کا رونا دھونا لاحاصل ہے۔ اب یہ اونچی آوازوں سے چلا چلا کر جنتیوں سے فریاد کریں گے کہ تم لوگ ہمارے ہو رشتے کنبے کے ہو سنو ہم قبروں سے پیاسے اٹھے تھے پھر میدان محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج تک یہاں بھی پیاسے ہی ہیں ہم پر رحم کرو کچھ پانی ہمارے حلق میں چھوا دو یا جو روزی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے اس میں سے ہی تھوڑا بہت ہمیں دے دو۔ چالیس سال تک کتوں کی طرح چیختے رہیں گے چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا کہ تم یوں ہی دھتکارے ہوئے بھوکے پیاسے ہی ان سڑیل اور اٹل سخت عذابوں میں پڑے رہو۔ اب یہ تمام بھلائیوں سے مایوس ہو جائیں گے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پس اگر اللہ تعالیٰ تجھے ان کی کسی جماعت کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ تجھ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو' تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔

مال کے بھوکوں کو جہاد میں نہ لیجایئے: فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی کے ساتھ اس غزوے سے واپس مدینے پہنچا دے اور ان میں سے کوئی جماعت تجھ سے کسی اور غزوے میں تیرے ساتھ چلنے کی درخواست کرے تو بطور ان کو سزا دینے کے تو صاف کہہ دینا کہ نہ تو تم میرے ساتھ والوں میں میرے ساتھ چل سکتے ہو نہ تم میری ہمراہی میں دشمنوں سے جنگ کر سکتے ہو' تم جب موقعہ پر دغا دے گئے اور پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہے تو اب تیاری کے کیا معنی؟ پس یہ آیت مثل آیت ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ کے ہے۔ بدی کا بدلہ بدی کے بعد ملتا ہے جیسے کہ نیکی کی جزا بھی نیکی کے بعد ملتی ہے۔ عمرۂ حدیبیہ کے بعد قرآن نے فرمایا تھا ﴿ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ ﴾ یعنی یہ پیچھے رہ جانے والے لوگ تم سے جب تم غنیمتیں لینے چلو

گے کہیں گے کہ ہمیں اجازت دو ہم بھی تمہارے ساتھ ہو لیں یہاں فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ بیٹھ رہنے والوں میں ہی تم بھی رہو' جو عورتوں کی طرح گھروں میں گھسے رہتے ہیں۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا' یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے۔

منافق کا جنازہ پڑھانے کی ممانعت: حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ! تم منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ ان میں سے کوئی مر جائے تو تم نہ اس کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اس کی قبر پر جا کر اس کے لئے دعائے استغفار کرو' اس لئے کہ یہ کفر و فسق پر زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ یہ حکم تو عام ہے گو اس کا شان نزول خاص عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے۔ جو منافقوں کا رئیس اور امام تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کے لئے آپ ﷺ خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے دے دیا۔ پھر کہا کہ آپ ﷺ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھایئے' آپ ﷺ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے لیکن حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کا دامن تھام لیا اور عرض کی کہ حضور اکرم ﷺ! آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے فرمایا ہے کہ تو ان کے لئے استغفار کر یا نہ کر اگر تو ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں نہ بخشے گا' تو میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے یارسول اللہ ﷺ! یہ منافق تھا۔ تاہم حضور اکرم ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی' اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ اس نماز میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں تھے۔ اور روایت میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اس کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو میں صف میں سے نکل کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا آپ ﷺ اس اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا۔ اس کی وہ تمام باتیں دہرائیں۔ حضور اکرم ﷺ مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے آخر میں فرمایا عمر! مجھے چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار ان کے گناہ معاف کرا سکتا ہے تو میں یقیناً ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نماز بھی پڑھائی جنازے کے ساتھ بھی چلے دفن میں بھی موجود رہے' اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت ہی افسوس ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ خوب علم والے ہیں میں نے ایسی اور اس قدر جرات کیوں کی' کچھ ہی دیر ہوئی ہو گی جو یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں' اس کے بعد آخر دم تک نہ تو حضور اکرم ﷺ نے کسی منافق کے جنازے کی نماز پڑھی نہ اس کی قبر پر آکر دعا کی۔ اور روایت میں ہے کہ اس کے صاحبزادےؓ نے آپ ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ کے لئے یہ بات ہم پر رہ جائے گی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اسے قبر میں اتار دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پہلے مجھے کیوں نہ لائے۔ چنانچہ وہ قبر سے نکالا گیا آپ ﷺ نے اس کے سارے جسم پر تھتکار کر دم کیا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا۔ اور روایت میں ہے کہ وہ خود وصیت کر کے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ ﷺ پڑھائیں۔ اس کے لڑکے نے آکر حضور اکرم ﷺ کو اس کی آرزو اور اس آخری وصیت کی بھی خبر کی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپ

ﷺ کے پیراہن میں کفنایا جائے۔ آپ ﷺ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر اترے۔ اور روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا دامن تان کر نماز کے ارادے کے وقت یہ آیت سنائی' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اور روایت میں ہے اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضور اکرم ﷺ کو بلایا آپ ﷺ تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کر دیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے لئے دعائے استغفار کریں میں مر جاؤں تو مجھے اپنے پیراہن میں کفنائیں بعض سلف سے مروی ہے کہ کرتا دینے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عباس ؓ آئے تو ان کے جسم پر کسی کا کپڑا ٹھیک نہیں آیا آخر اس کا کرتا لیا وہ ٹھیک آ گیا یہ بھی لمبا پورا چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا پس اس کے بدلے میں آپ ﷺ نے اسے اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عطا فرمایا۔ اس آیت کے اترنے کے بعد نہ تو کسی منافق کے جنازے کی نماز آپ ﷺ نے پڑھی' نہ کسی کے لئے استغفار کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب آپ ﷺ کو کسی جنازے کی طرف بلایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھ لیتے اگر لوگوں سے اس کی بھلائیاں معلوم ہوتیں تو آپ ﷺ جا کر اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات کان میں پڑتی تو صاف انکار کر دیتے۔ حضرت عمر ؓ کا طریقہ آپ ﷺ کے بعد یہ رہا کہ جس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ ؓ پڑھتے اس کے جنازے کی نماز آپ بھی پڑھتے جس کی حضرت حذیفہ ؓ نہ پڑھتے آپ بھی نہ پڑھتے اس لئے کہ حضرت حذیفہ ؓ کو حضور اکرم ﷺ نے منافقوں کے نام گنوا دیئے تھے اور صرف انہیں کو یہ نام معلوم تھے اسی بناء پر انہیں راز دار رسول اللہ ﷺ کہا جاتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عمر ؓ ایک شخص کے جنازے کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو حضرت حذیفہ ؓ نے چٹکی لے کر انہیں روک دیا۔ جنازے کی نماز اور استغفار ان دونوں چیزوں سے منافقوں کے بارے میں مسلمانوں کو روک دینا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مسلمانوں کے بارے میں ان دونوں چیزوں کی پوری تاکید ہے ان میں مردوں کے لئے بھی پورا نفع ہے اور زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھی جانے تک ساتھ رہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا سب سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

ان کے مال و اولاد سے کچھ بھی تعجب نہ کر اللہ تعالیٰ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔

اسی مضمون کی آیت کریمہ گزر چکی ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ لکھدی گئی ہے جس کے دوہرائے کی ضرورت نہیں۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ تیرے پاس آکر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے۔ یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے۔

نامرد بزدل منافقین جہاد نہیں کر سکتے: ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو وسعت طاقت قوت ہوتے ہوئے جہاد کے لئے نہیں نکلتے جی چرا جاتے ہیں اور حکم الٰہی سن کر پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ آکر اپنے رک رہنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ ان کی بے حمیتی تو دیکھو کہ یہ عورتوں جیسے ہو گئے۔ لشکر چلے گئے یہ نامرد زنانے عورتوں کی طرح پیچھے رہ گئے۔ بوقت جنگ بزدل ڈرپوک اور گھروں میں گھسے رہنے والے اور بوقت امن بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے' یہ بھونکنے والے کتوں اور گرجنے والے بادلوں کی طرح ڈھول کے پول ہیں۔ چنانچہ اور جگہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ خوف کے وقت ایسی آنکھیں پھیرنے لگتے ہیں جیسے کوئی مر رہا ہو' اور جہاں وہ موقع گزر گیا کہ اب لگے چرب زبانی کرنے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے اور باتیں بنانے۔ امن کے وقت تو مسلمانوں میں فساد پھیلانے لگتے ہیں اور وہ بلند بانگ بہادری کے ڈھول پیٹتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں لیکن لڑائی کے وقت عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر پردہ نشین بن جاتے ہیں بل اور سوراخ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے آپ کو چھپاتے پھرتے ہیں۔ ایمان دار تو سورت اترنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہونے کا انتظار کرتے ہیں لیکن بیمار دلوں والے جہاں سورت اتری اور جہاد کا حکم سنا کہ آنکھیں بند کر لیں۔ ان پر افسوس ہے اور ان کے لئے تباہی خیز مصیبت ہے۔ اگر یہ اطاعت گزار ہوتے اگر ان کی زبان سے اچھی بات نکلتی ان کے ارادے اچھے ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرتے تو یہی چیز ان کے حق میں بہتر تھی لیکن ان کے دلوں پر تو ان کی بداعمالیوں سے مہر لگ چکی ہے اب تو ان میں اس بات کی صلاحیت بھی نہیں رہی کہ اپنے نفع نقصان کو ہی سمجھ لیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؀ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؀

ع ۱۱ / ۱۷

لیکن خود رسول (ﷺ) اور اس کے ساتھ کے ایمان دار اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے رہتے ہیں' یہی لوگ خوبیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں' انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

سچے مسلمان ہی اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں: منافقوں کی مذمت ان کی اخروی درگت بیان فرما کر اب مومنوں کی مدحت اور ان کی اخروی راحت بیان ہو رہی ہے۔ یہ جہاد کے لئے کمر باندھے رہتے ہیں' یہ جان و مال اللہ کی راہ میں فدا کرتے رہتے ہیں' انہی کے حصے میں بھلائیاں اور خوبیاں ہیں یہی فلاح پانے والے لوگ ہیں۔ انہی کے لئے جنت الفردوس ہے اور انہیں کے لئے بلند درجے ہیں یہی مقصد حاصل کرنے والے یہی کامیابی کو پہنچ جانے والے لوگ ہیں۔

وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول ﷺ سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انہیں دکھ دینے والی مار پہنچ کر رہے گی۔

جھوٹا عذر کرنے والوں کو تنبیہ: یہ بیان ان لوگوں کا ہے جو حقیقتاً کسی شرعی عذر کے باعث جہاد میں شامل نہ ہو سکتے تھے مدینہ کے اردگرد کے یہ لوگ آ آ کر اپنی کمزور ضعیفی بے طاقتی بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے اجازت لیتے ہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ انہیں واقعی معذور سمجھیں تو اجازت دے دیں۔ یہ بنو غفار کے قبیلے کے لوگ تھے۔ ابن عباسؓ کی قراءت میں وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ ہے یعنی اہل عذر لوگ۔ یہی معنی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اسی جملے کے بعد ان لوگوں کا بیان ہے جو جھوٹے تھے یہ نہ آئے نہ اپنا رک جانے کا سبب پیش کیا نہ حضور اکرم ﷺ سے رک رہنے کی اجازت چاہی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ عذر پیش کرنے والے بھی دراصل عذر والے نہ تھے اسی لئے ان کے عذر مقبول نہ ہوئے۔ لیکن پہلا قول پہلا ہی ہے وہی زیادہ ظاہر ہے' واللہ اعلم اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عذاب کا وعدہ بھی ان سے ہوا جو بیٹھے ہی رہے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

ناتواں ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی خیر خواہی کرتے رہیں' ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں' اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے' ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو تیرے پاس آتے ہیں کہ تو انہیں سواری مہیا کر دے تو تو جواب دیتا ہے کہ میں تو تمہاری سواری کے لئے کچھ بھی نہیں پاتا تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انہیں خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں بے شک ان لوگوں پر تو راہ الزام ہے اور انہیں پر ہے جو باوجود دولتمند ہونے کے تجھ سے اجازت طلب کرتے ہیں جو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں جن کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں۔

سچے مجاہد اور عدم جہاد کے شرعی عذر: اس آیت ان شرعی عذروں کا بیان ہو رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص جہاد میں نہ جائے تو اس پر شرعی حرج نہیں' پس ان سببوں میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو لازم ہوتی ہے کسی حالت میں انسان سے الگ نہیں ہوتی جیسے پیدائشی کمزوری یا اندھاپن یا لنگڑاپن' کوئی لولا لنگڑا اپاہج بیمار یا بالکل ہی ناطاقت ہو' دوسری قسم کے وہ عذر ہوتے ہیں جو کبھی

ہیں اور کبھی نہیں اتفاقیہ اسباب ہیں مثلاً کوئی بیمار ہو گیا ہے یا بالکل فقیر ہو گیا ہے سامان سفر سامان جہاد مہیا نہیں کر سکتا وغیرہ پس یہ لوگ شرکت جہاد نہ کر سکیں تو ان پر شرعاً کوئی مواخذہ گناہ یا عار نہیں' لیکن انہیں اپنے دل میں صلاحیت اور خلوص رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کے دین الٰہی کے خیر خواہ بنے رہیں اوروں کو جہاد پر آمادہ کریں بیٹھے بیٹھے جو خدمت مجاہدین کی انجام دے سکتے ہوں دیتے رہیں' ایسے نیک کاروں پر کوئی وجہ الزام نہیں' اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ سے پوچھا کہ ہمیں بتلایئے اللہ کا خیر خواہ کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم کرے اور جب ایک کام دین کا اور ایک دنیا کا آ جائے تو دینی کام کی اہمیت کا پورا لحاظ رکھے پھر فارغ ہو کر دنیوی کام کو انجام دے۔ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر لوگ نماز استسقاء کے لئے میدان میں نکلے' ان میں حضرت بلال بن سعدؒ بھی تھے' آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا اے حاضرین کیا تم یہ مانتے ہو کہ تم سب اللہ کے گنہگار بندے ہو۔ سب نے پورا اقرار کیا۔ اب آپ نے دعا شروع کی کہ پروردگار ہم نے تیرے کلام میں سنا ہے کہ نیک کاروں پر کوئی راہ نہیں' ہم اپنی برائیوں کے اقراری ہیں پس تو ہمیں معاف فرما ہم پر رحم فرما' ہم پر اپنی رحمت سے بارشیں برسا۔ اب آپؒ نے ہاتھ اٹھائے اور آپؒ کے ساتھ ہی اور سب نے۔ رحمت ربانی جوش میں آئی اور اسی وقت جھوم جھوم کر رحمت کی بدلیاں برسنے لگیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے میں حضور اکرم ﷺ کا منشی تھا سورۂ برات جب اتر رہی تھی میں اسے بھی لکھ رہا تھا میرے کان میں قلم اڑسا ہوا تھا جہاد کی آیتیں اتر رہی تھیں حضور اکرم ﷺ منتظر تھے کہ دیکھیں اب کیا حکم نازل ہوتا ہے جو ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ! میں جہاد کے احکام اس اندھاپے میں کیسے بجالا سکتا ہوں۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ پھر ان کا بیان ہوتا ہے جو جہاد کی شرکت کے لئے تڑپتے ہیں مگر قدرتی اسباب سے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ رک جاتے ہیں۔ جہاد کا حکم ہوا رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہوا مجاہدین کا لشکر جمع ہونا شروع ہوا تو ایک جماعت آئی جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل ابن مقرن مزنیؓ وغیرہ تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ! ہمارے پاس سواریاں نہیں آپ ہماری سواریوں کا انتظام کر دیں تاکہ ہم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا اور آپ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں۔ یہ نا امید ہو کر روتے پیٹتے غمزدہ اور رنجیدہ ہو کر لوٹے ان پر اس سے زیادہ بھاری بوجھ کوئی نہ تھا کہ یہ اس وقت ہمرکابی کی اور جہاد کی سعادت سے محروم رہ گئے اور عورتوں کی طرح انہیں یہ مدت گھروں میں گزارنی پڑے گی نہ ان کے پاس خود ہی کچھ ہے نہ کہیں سے کچھ ملتا ہے۔ پس جناب باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی تسکین کر دی۔

یہ آیت قبیلہ مزینہ کی شاخ بنی مقرن کے بارے میں اتری ہے۔ محمد بن کعبؒ کا بیان ہے کہ یہ سات آدمی تھے بنی عمرو کے سالم بن عوف' بنی واقف کے حرمی بنی عمرو' بنی مازن کے عبدالرحمن بن کعب' بنو معلی کے فضل اللہ' بنی سلمی کے عمرو بن عتبہ' اور عبداللہ بن عمرو مزنی' اور بنو حارثہ کے علیہ بن زید۔ بعض روایتوں میں کچھ ناموں میں ہیر پھیر بھی ہے۔ انہیں نیک نیت بزرگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے رسول رسولوں کے سرتاج ﴿ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَسَلَّمْ ﴾ کا فرمان ہے کہ اے میرے مجاہد ساتھیو! تم نے مدینے میں جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑے ہیں ان میں وہ بھی ہیں کہ تم جو خرچ کرتے ہو جس میدان میں چلتے ہو جو جہاد کرتے ہو سب میں وہ بھی ثواب کے شریک ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ یہ سن کر صحابہؓ نے کہا وہ باوجود اپنے گھروں میں رہنے کے ثواب میں ہمارے شریک ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ وہ معذور ہیں عذر کے باعث رکے ہیں۔ اور روایت میں ہے انہیں بیماریوں نے روک لیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جنہیں فی الواقع کوئی عذر نہیں مال دار بنے کٹے ہیں لیکن پھر بھی سرکار نبوت میں آ کر بہانے تراش تراش کر جہاد میں ساتھ نہیں دیتے' عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ جاتے ہیں زمین پکڑ لیتے ہیں۔ فرمایا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے' اب وہ اپنے بھلے برے کے علم سے بھی کورے ہو گئے ہیں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ تفسیر ابن کثیر اردو کا دسواں پارہ مکمل ہوا۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ
نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکے ہیں اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے' ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو سو تم ان کو انکی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ان کاموں کے بدلے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

جھوٹا عذر پیش کرنے والوں کو تنبیہ: اللہ تعالیٰ منافقین سے متعلق یہ معلوم کرا دیا ہے کہ جب تم مدینہ واپس ہو گے تو تمہارے سامنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔ لیکن تم ان سے کہہ دو کہ عذرات باطلہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تمہاری بات کو کبھی سچ نہ مانیں گے اللہ پاک نے ہمیں تمہارے احوال معلوم کرا دیئے ہیں۔ عنقریب اللہ پاک تمہارے اعمال دنیا میں لوگوں کے سامنے ظاہر فرما دے گا اور تمھیں تمہارے اچھے برے سارے اعمال کی خبر دیدے گا اور پھر اپنے اعمال کا نتیجہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ پھر ان سے متعلق مزید خبر دی گئی کہ وہ قسمیں کھا کھا کر بیان کریں گے تاکہ تم ان سے در گزر کر جاؤ اور چشم پوشی کر لو۔ یہ اس وقت ہوگا جب تم مدینہ واپس ہو جاؤ گے۔ لیکن تم ہرگز ان کی تصدیق نہ کرنا اور ان سے اظہار حقارت کے لئے اعراض کر جاؤ۔ ان میں نفس کی گندگی ہے' ان کے باطن اور ان کے اعتقادات نجس ہیں۔ آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ ان کے اعمال کا یعنی خطاکاریوں کا صحیح بدلہ ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم ان سے ان کی قسمیں کھانے کے سبب راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں سے راضی نہ ہوگا جو اللہ کی اطاعت اور رسولوں کی فرماں برداری سے باہر ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ فاسق ہیں اور فسق کے لغوی معنی باہر نکلنے کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ﴿الفارۃ فُوَیسِقَۃٌ﴾ یعنی چوہا خرابیاں اور فساد پیدا کرنے کے لئے ہی اپنے بل سے نکلتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے ﴿فسقت الرطبہ﴾ یعنی ڈالیوں سے کھجور کے خوشے نکل آئے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّ

وَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا
قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ اور ان دیہاتیوں میں سے بعض بعض ایسا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے گردش کا منتظر رہتا ہے' برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔ اور بعضے اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے شک ان کے لئے موجب قربت ہے ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں

اعراب کی مزاج وطبیعت کی طرح کفر ونفاق سختی: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اعراب میں کفار بھی ہوتے ہیں اور مومنین بھی۔ اور ان کا کفر اور ان کا نفاق دوسروں کی بہ نسبت بہت عظیم اور شدید ہوتا ہے اور وہ اسی بات کے سزاوار ہیں کہ اللہ پاک نے اپنے رسول پر جو حدود واحکام نازل فرمائے ہیں ان سے بے خبر رہیں' جیسے کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی بدوی زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں سے باتیں کررہے تھے اور جنگ نہاوند میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اعرابی ان سے کہنے لگا کہ تمھاری باتیں تو بڑی پیاری ہیں اور تم بڑے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن یہ تمھارا کٹا ہوا ہاتھ مجھے تمہارے بارے میں شک پیدا کرتا ہے تو زید نے کہا کہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ سے تمہیں شک کیوں ہوتا ہے یہ تو بایاں ہاتھ ہے تو اعرابی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ چوری میں بایاں ہاتھ کاٹتے ہیں کہ داہنا ہاتھ۔ تو زید بن صوحان بول اٹھے کہ اللہ نے سچ فرمایا تھا کہ ﴿ الْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ یعنی یہ کفار اعراب اسی کے سزاوار ہیں کہ حدود اللہ سے ناواقف رہیں۔

امام احمدؒ نے بالاسناد ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو صحرا نشین ہوا وہ گویا جلا وطن ہے اور جو شکار کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے بڑا ہی بے سمجھ ہے اور جس نے کسی بادشاہ کی ہمنشینی اختیار کی وہ فتنہ سے دوچار ہوگیا۔ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی سفیان ثوریؒ سے یہ حدیث مروی ہے۔ ترمذیؒ نے اسے حسن غریب بتایا ہے۔ ثوریؒ سے روایت کے سوا اور کسی سے روایت کا ہمیں علم نہیں۔ بدویوں میں چونکہ بدمزاجی اجڈپن اور بدتمیزی ہوتی ہے اس لئے اللہ نے ان میں سے اپنا رسول نہیں پیدا کیا۔ بعثت نبوت ہمیشہ شہری اور مہذب لوگوں میں ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ یعنی ہم نے تم سے پہلے بھی جتنے رسولوں کو انسانوں کی طرف بھیجا وہ سب شہری اور متمدن تھے

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے اپنا ہدیہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا تو اس وقت تک اس کا دل خوش نہ ہوا جب تک کہ اس سے کئی گنا زیادہ آپ ﷺ نے اس کے پاس نہ بھیج دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قریشی' ثقفی' انصاری اور دوسی کے سوا اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ لوگ متمدن شہری ہیں مکہ طائف' مدینہ اور یمن میں رہتے ہیں۔ اخلاق میں یہ بدویوں سے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اعرابی اجڈ بہت ہوتے ہیں

اعرابی بچوں کو چومنے کے بارے میں حدیث

حدیث مسلم بالاسناد عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چند بدوی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کیا تم اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں۔ تو انہوں نے کہا لیکن اللہ کی قسم ہم نہیں چومتے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے محبت اور رحمت کو نکال دیا ہے تو کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں' اور اللہ خوب واقف ہے ان لوگوں سے جو اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں علم اور ایمان کی توفیق دی جائے اور اپنے بندوں میں علم' جہل' ایمان کفر اور نفاق کی تقسیم بڑی دانشوری سے کی ہے۔ وہ اپنی حکمت اور علم کی بنا پر جو کچھ کرتا ہے کون اس پر حرف گیری کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہیں میں ایسے تھڑ دلے بھی ہیں کہ اللہ کی راہ میں اگر وہ کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان اور خسارہ سمجھ بیٹھتے ہیں اور تم پر حوادث و آفات کے منتظر رہتے ہیں۔

لیکن یہ حوادث انہیں پر منعکس ہوں گے اور گھوم پھر کر انہیں پر نازل ہوں گے۔ اللہ اپنے بندوں کی پکار کو سننے والا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ خذلان و نامرادی کا کون مستحق ہے اور نصر و کامیابی کا کون سزاوار ہے۔

اور اعراب کی ایک اور قسم ممدوح ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں اگر کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو اللہ کے پاس قربت و پسندیدگی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے سبب اپنے لئے رسول ﷺ کی دعائے خیر حاصل ہو۔ ہاں یقیناً" یہ انفاق ان کے لئے قربت الٰہی کا سبب ہوگا اور اللہ پاک ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ بڑا غفور رحیم ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا' اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے

مہاجرین و انصار اور ان کے پیروکار: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ میں ان مہاجرین اور انصار اور تابعین سے راضی ہوں جنہوں نے میری رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے میں سبقت کی ہے اور میری خوشنودی اس طرح ثابت ہے کہ میں نے ان کے لئے جنات نعیم تیار کر رکھے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین و اولین وہ ہیں جنہوں نے جنگ حدیبیہ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا ہے اور شعبیؒ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور سعید بن المسیب اور محمد بن سیرین اور حسن اور قتادہؒ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔

محمد بن کعبؒ القرظی کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب ایک آدمی کے پاس سے گزرے اور وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا ﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ﴾ تو عمرؓ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پوچھا کہ کس نے تمہیں یہ پڑھایا ہے؟ تو کہنے لگا کہ ابی بن کعبؓ نے! تو کہنے لگے اچھا چلو میں تمہیں ابی کے پاس لے چلتا ہوں تاکہ پوچھ لوں۔ اور جب حضرت ابی کے پاس پہنچے تو پوچھا' کیا تم نے اس آیت کو اس طرح پڑھنا بتایا ہے؟ تو ابی بن کعبؓ نے کہا ہاں تو پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح سنا ہے؟ کہا ہاں! تو عمرؓ

کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم نے وہ اعلیٰ وارفع درجہ پالیا ہے کہ ہمارے بعد کوئی دوسرا یہ منزلت حاصل نہیں کر سکتا۔ تو ابی کہنے لگے اس آیت کی تصدیق سورۂ جمعہ کے اول میں بھی ہے یعنی ﴿ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ اور سورۂ حشر میں بھی ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ الی آخرہ اور سورۂ انفال میں بھی ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ ﴾ ابن جریرؒ نے اس کی روایت کی ہے اور کہا کہ حسن بصری ﴿ وَالْاَنْصَارُ ﴾ کے لفظ کو پیش سے پڑھتے تھے اور ﴿ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ پر عطف قرار دیتے تھے۔ گویا عبارت یوں ہوئی کہ مہاجرین میں سے سابقین اولین اور انصار اور ان کے تابعین سے اللہ راضی ہے افسوس کیا کم بختی ہے ان لوگوں کی جوان صحابہ سے بغض رکھتے ہیں انہیں گالیاں دیتے ہیں یا بعض صحابہ کو سب وشتم کرتے ہیں' خصوصاً" وہ صحابی جو تمام صحابہ کا سردار ہے پیغمبر ﷺ کا جانشین ہے رسول ﷺ کے بعد اسی کا درجہ ہے جس کو افضل صحابہ کا درجہ حاصل ہے یعنی حضرت صدیق اکبر اور خلیفہ اعظم ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ۔ یہ رافضیوں کا نامراد فرقہ افضل صحابہ سے دشمنی رکھتا ہے انہیں گالی گلوچ کرتا ہے۔ ایسی حرکت سے اللہ کی پناہ۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی عقلیں اوندھی ہو گئی ہیں ان کے قلوب الٹ گئے ہیں۔ اگر وہ کمبخت ان لوگوں کو گالیاں دیں جن سے کہ اللہ راضی ہو چکا ہے اور قرآن میں اپنی رضامندی کی انہیں سند دے دی تو پھر کس منہ سے وہ قرآن پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اب قرآن پر ایمان ہی کہاں رہا۔ اہل سنت ان لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور ان سے راضی ہیں جن سے کہ اللہ راضی ہے اور یہ اہل سنت برا بھلا کہتے ہیں تو ان کو جنہیں خود اللہ نے اور رسول نے برا کہا ہے اور ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن کو اللہ دوست رکھتا ہے اور ان کے مخالف ہیں کہ اللہ خود جن کا مخالف ہے یہ اتباع ہدایت کرتے ہیں بدعتی نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہیں اور مذہب واعتقادات میں نئے نئے شاخسانے نہیں نکالتے۔ فلاح پانے والے اور مومن بندوں کی جماعت یہی ہے

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور کچھ تمہارے گردوپیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے۔ ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دوہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

منافقین کے بارے معلومات اور حضرت حذیفہ: اللہ پاک اپنے رسول اللہ ﷺ کو خبر دے رہا ہے کہ عرب کے قبائل میں جو مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں بعض منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والے بعض مسلمان بھی درحقیقت منافق ہیں کہ اپنے نفاق کو لئے چل رہے ہیں اور منافقت سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے شیطان مرید ومارد۔ اور تمرد فلان علی اللہ یعنی فلاں نے اللہ کی نافرمانی اور سرکشی کی۔ اللہ کا قول ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ اللہ کے اس قول ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ کے منافی اور متضاد نہیں ہے یعنی تم انہیں نہیں پہچانتے' ہم انہیں خوب جانتے ہیں اور یہ قول کہ اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں بتلا دیں گے کہ وہ کیسے ہیں تو پھر تم انہیں جان جاؤ گے ان کی صورت دیکھتے ہی اور انہیں پہچان لو گے ان کی کج مج باتوں ہی سے۔ یہ دونوں آیتیں آپس میں ضد نہیں' اس لئے کہ یہ اس قسم کی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ ان کی صفات کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ وہ پہچان لئے جا سکیں یہ بات نہیں کہ تم تمام ہی منافقین کو علی الیقین جانتے ہو۔ آپ اہل مدینہ میں سے صرف ان بعض اہل نفاق کو جانتے

تھے جو رات دن ملتے جلتے رہتے تھے اور جنہیں آپ صبح و شام دیکھتے تھے صحیح طور پر اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام احمدؒ نے بالاسناد جبیر بن مطعمؓ سے روایت کی ہے کہ جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہمیں کوئی اجر نہیں ملا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے جبیر تم لوگوں کا اجر تم کو ضرور دیا جائے گا خواہ تم لوگ کسی لومڑی کے بھٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔ پھر آپ نے میری طرف سر جھکا کر رازدارانہ طور پر فرمایا کہ میرے اصحاب میں بعض منافق بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض منافقین ایسی کج مج باتیں بولتے رہتے ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہوتی چنانچہ یہ بھی ایک اسی قسم کا کلام تھا جس کو جبیر بن مطعم نے سنا تھا۔ ﴿ وَهَمُّوْا بِمَالَمْ يَنَالُوْا ﴾ کی تفسیر میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ نبی ﷺ نے حذیفہ کو یہ بات معلوم کرادی تھی کہ چودہ یا پندرہ مشخص اصحاب ایسے ہیں جو درحقیقت منافق ہیں اور یہ تخصیص اس بات کی مقتضی نہیں کہ آپ ان تمام کے نام جانتے تھے اور ان کے تشخص و عینیت سے واقف تھے واللہ اعلم۔

حافظ ابن عساکر نے ترجمہ ابو عمر البیروتی میں بالاسناد روایت کرتے ہوئے کہا کہ ایک آدمی جس کا نام حرملہ تھا نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ ایمان تو یہاں ہے اور اشارہ کیا اپنی زبان کی طرف اور نفاق یہاں ہوتا ہے اور اشارہ اپنے ہاتھ سے کیا اپنے قلب کی طرف اور اللہ کا نام بھی لیا تو کچھ یونہی سا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! تو اس کی زبان کو ذاکر بنادے اور قلب شاکر بنادے اور اس کو میری محبت عطا فرما اور مجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت عطا فرما اور اس کے سارے امور خیر کی طرف پھیر دے۔ اب اس کی ساری منافقت دور ہو گئی اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میرے اکثر ساتھی منافقین ہیں اور میں ان سب کا سردار تھا کیا ان سب کو میں آپ کے پاس پکڑ کر نہ لاؤں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آپ ہی میرے پاس آ جائے گا تو ہم اس کے لئے اللہ سے مغفرت چاہیں گے اور جو نفاق پر اصرار کئے رہے گا اللہ اس کو دیکھ لے گا۔ تم کسی کا راز فاش نہ کرو ایسی ہی روایت ابو احمد الحاکم نے بھی کی ہے۔ اس آیت کے بارے میں قتادہؒ نے کہا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو بے تکلف لوگوں کے بارے میں اپنا یہ علم و یقین ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی ہے اور اگر خود ان سے پوچھا جائے کہ تم بتاؤ کون ہو جنتی کہ دوزخی؟ تو کہتے ہیں میں نہیں جانتا۔ حالانکہ آدمی اپنی نسبت تو زیادہ بہتر طریقے سے جان سکتا ہے جو دوسروں کے بارے میں جانتا ہے کہ دوزخی ہیں یا جنتی وہ تو ایسی بات کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں جس کا دعویٰ تو انبیاء نے بھی نہیں کیا۔

نبی اللہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا کہ ﴿ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اور نبی اللہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿ بَقِيَّةُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے خیر ہے اگر تم مومنین ہو' اور میں تم پر کوئی نگران کار و ذمہ دار تو نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے فرمایا ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ یعنی تم ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک روز جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے فلاں فلاں لوگو تم مسجد سے نکل جاؤ کہ تم منافق لوگ ہو۔ چنانچہ بڑی رسوائی کے ساتھ وہ مسجد میں سے نکالے گئے۔ وہ مسجد سے نکل رہے تھے اور عمرؓ مسجد کی طرف آ رہے تھے۔ تو عمرؓ یہ سمجھ کر کہ لوگ پلٹ رہے تو شاید نماز جمعہ ہو چکی ہے شرما گئے اور شرم کے مارے ان لوگوں سے اپنے کو چھپانے لگے اور یہ لوگ بھی اپنے کو عمرؓ سے چھپانے لگے یہ سمجھ کر کہ عمرؓ کو بھی ہمارے اس نفاق کا علم ہو گیا ہو گا غرض جب عمرؓ مسجد میں آئے تو معلوم ہوا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی اور ایک مسلمان نے انہیں اطلاع دی اور کہا اے عمر! خوش ہو جاؤ کہ آج منافقین کو اللہ نے رسوا کر دیا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ مسجد سے نکالا جانا عذاب اول ہے اور عذاب ثانی عذاب دینا اور عذاب قبر ہوگا۔

ثوریؒ نے بھی بالاسناد یہی کہا ہے مجاہدؒ نے قولہ تعالیٰ ﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد قتل اور قید ہے اور ایک دوسری روایت میں بھوک اور عذاب قبر سے تعبیر کی گئی ہے۔ پھر وہ عذاب عظیم کی طرف رد کے جائیں گے ابن جریج کا قول ہے کہ عذاب قبر مراد ہے پھر وہ عذاب عظیم یعنی عذاب دوزخ میں مبتلا کئے جائیں گے۔ حسن بصریؒ نے کہا ہے دنیا کا اور قبر کا عذاب مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ دنیا کا عذاب اموال اور اولاد کے فتنہ کا عذاب ہے پھر اللہ کا یہ قول پڑھ کر سنایا ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ یعنی ان کافروں کے اموال اور اولاد تم کو حسد میں مبتلا نہ کردیں اللہ کا منشا یہ ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ دنیا کی زندگی ہی میں اللہ انہیں عذاب میں مبتلا کردے کیونکہ یہ مصائب ان کے لئے عذاب ہیں لیکن مومنین کے لئے باعث اجر ہیں اور آخرت کے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ پہلے عذاب سے تو مراد وہ عذاب ہے جو اسلام کے پھیل جانے سے انہیں پہنچا ہے اور بے انتہا رنج و افسوس جو ان پر طاری ہوا ہے۔ دوسرا عذاب قبر کا عذاب ہے اور عذاب عظیم وہ ہے جو آخرت میں انہیں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کا ملے گا۔

سعید نے قتادہؒ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے حذیفہؓ کے کان میں کہا کہ بارہ منافقین ہیں ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہے یہ نار جہنم کا ایک شعلہ ہے جو ان کے کاندھے پر لگے گا تو سینے تک جا پہنچے گا یعنی پیٹ کے درد اندرونی بیماریوں اور دملوں سے مریں گے اور باقی چھ اپنی موت سے مر جائیں گے۔

سعیدؒ نے ہم سے بیان کیا کہ عمر بن خطابؓ جب کوئی مرتا اور وہ ان کی نظر میں مشتبہ ہوتا ہے تو حذیفہ کی طرف دیکھتے۔ اگر وہ اس میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو خود بھی پڑھتے یہ یقین کر کے کہ یہ میت ان بارہ منافقین میں سے نہیں ہے اور حذیفہ اگر نہ پڑھتے تو پھر خود بھی نہ پڑھتے۔ معلوم ہوا ہے کہ عمرؓ نے حذیفہؓ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اللہ کی قسم بتادو کہ میں ان بارہ میں سے تو نہیں ہوں تو حذیفہؓ نے کہا کہ تم نہیں ہو، لیکن تمہارے سوا میں کسی اور کی ذمہ داری نہیں لیتا۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؁

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ اچھے اور کچھ برے اللہ سے امید ہے کہ ان پر توجہ فرمائیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت فرمانے والے ہیں۔

تساہل اور سستی سے بچنا چاہئے: جب اللہ تعالیٰ ان منافقین کا حال بیان کر چکا جو مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے سے رک گئے تھے۔ اور شرکت جنگ سے بے رغبتی، تکذیب اور شک کا مظاہرہ کرتے تھے تو پھر ان گنہگاروں کا ذکر شروع کرتا ہے جو جہاد میں شریک ہونے سے باز رہے تھے صرف سستی اور آرام طلبی کے سبب حالانکہ انہیں تصدیق حق اور ایمان حاصل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان منافقین کے سوا اور دوسرے لوگ جو جہاد سے رک رہے انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کر لیا۔ لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دوسرے اعمال صالحہ بھی ہیں، اور ان اعمال صالحہ کے ساتھ اپنی بعض تقصیرات جیسے جہاد سے باز رہنا بھی انہوں نے شامل کر دیا ہے لیکن ان کی اس تقصیر کو اللہ پاک نے معاف فرما دیا ہے۔ اور ان منافقین کی تقصیر کو وہ معاف نہیں کرے گا اور ان کے کوئی اعمال صالحہ ہیں بھی نہیں۔ یہ آیت اگرچہ چند معین اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن سارے مخلص خطاکاروں اور گنہگاروں پر بھی عام ہے۔ اور مجاہدؒ کا قول ہے کہ یہ ابولبابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے بنی قریظہ سے کہا تھا کہ یہ

ذبح کی جگہ ہے اور ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ﴿ اٰخَرُوْنَ ﴾ سے مراد ابولبابہ اور ان کے اصحاب کی جماعت ہے جو غزوۂ تبوک میں شرکت جہاد سے پہلو تہی کئے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابولبابہ کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے' یا سات تھے' یا نو تھے' اور جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو ان لوگوں نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خود ہم کو نہ کھولیں' ہم نہ کھولے جائیں۔ اور جب آیت ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں کھول دیا اور ان کا جنگ سے کوتاہی کا قصور معاف کر دیا۔ بخاریؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھے ایک ایسے شہر تک لے آئے جو چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا وہاں ہمیں بعض ایسے آدمی دکھائی دیئے کہ ان کا آدھا حصہ جسم تو نہایت ہی خوش منظر تھا اور دوسرا آدھا حصہ جسم نہایت ہی بد صورت کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ میرے ان ساتھیوں نے ان سے کہا کہ تم اس نہر میں غوطہ لگاؤ وہ غوطہ لگا کر جب باہر نکلے تو ان کا یہ عیب جاتا رہا اور ان کے اجسام سب کے سب حسین دکھائی دیتے تھے۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہی تمہاری منزل ہے اور کہا کہ وہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت سا تھا اور آدھا جسم نہایت بدصورت سا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اعمال نیک کے ساتھ اعمال بد بھی ملا رکھے تھے اور اللہ کی حدود سے تجاوز کر گئے تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں بخاریؒ نے مختصراً اسی طرح روایت کی ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہیں۔

صدقہ مال کا تزکیہ اور صدق وایمان کی علامت: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ ان کے اموال سے زکواۃ وصول کر لیا کرو یہ مال زکواۃ ان کو پاک اور صاف بنائے گا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ﴿ اَمْوَالِهِمْ ﴾ کی ضمیر ان لوگوں کی طرف پھیری ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تھا اور اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال کئے تھے۔ لیکن درحقیقت یہ حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے اسی لئے قبائل عرب میں سے بعض مانعین زکواۃ نے یہ اعتقاد کر لیا تھا کہ امام کو زکواۃ لینے کا حق نہیں' اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سے مخصوص تھی اور اسی لئے قولہ تعالیٰ ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ سے انہوں نے دلیل لی ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تاویل اور فہم فاسد کی تردید کر دی اور ان سے جنگ کی تب کہیں انہوں نے خلیفہ وقت کو زکواۃ ادا کی جیسا کہ وہ نبی ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ "اگر وہ اونٹنی کا ایک بچہ یا رسی کا ایک ٹکڑا بھی مال زکواۃ کا روک لیں گے جو نبی ﷺ کو ادا کرتے تھے تو منع زکواۃ پر میں ان سے قتال کروں گا"

قولہ تعالیٰ ﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی ان کے لئے دعا کرو اور طلب مغفرت کرو جیسا کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے مروی ہے کہ جب کسی کے پاس سے زکواۃ کا مال آتا تھا تو نبی ﷺ حسب حکم الٰہی اس کے لئے دعا کرتے تھے چنانچہ جب میرے

باپ نے مال زکواۃ پیش کیا تو حضرت نے فرمایا "اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحم فرما" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ یارسول اللہ! میرے اور میرے زوج کے لئے دعا فرمائیے تو کہا کہ اللہ تیرے اور تیرے زوج پر رحم و کرم فرمائے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ﴾ تمھاری دعا ان کے لئے سکون قلب کا سبب ہے بعض نے صلوٰۃ کو جمع قرار دے کر صلوٰۃ پڑھا ہے اور دوسروں نے واحد قرار دے کر ﴿ اِنَّ صَلَاتَكَ ﴾ پڑھا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ سکون کے معنی رحمت کے ہیں اور قتادہ نے کہا ہے اس کے معنی ہیں وقار ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ یعنی اے نبی اللہ تمھاری دعاؤں کو سننے والا ہے اور علیم ہے کہ کون تمھاری دعا کا مستحق ہے

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ وکیع نے بالاسناد روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی کے لئے دعا فرماتے تھے تو وہ اس کے اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کے حق میں قبول ہو جاتی تھی۔ پھر ابو نعیم سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی ﷺ کی دعا کسی آدمی اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کے حق میں ضرور قبول ہو جاتی تھی اور اللہ کا قول ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ ﴾ یعنی کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی نیکیوں کو لیتا اور توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس سے مقصد توبہ اور صدقہ پر لوگوں کو ابھارنا ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں گناہوں کو انسان سے چھڑا دیتی ہیں اور معاصی کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو اس کے پاس توبہ پیش کرے وہ بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور جو کسب حلال کا ایک ٹکڑا بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سیدھے ہاتھ سے لے لیتا ہے پھر وہ صدقہ دینے والے کے لئے اس صدقہ کی پرورش کرتا جاتا ہے اور اس کو چھوٹے سے بڑا بناتا ہے حتیٰ کہ صدقہ کی وہ ایک کھجور کوہ احد کے مانند ہو جاتی ہے جیسا کہ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے اور جیسا کہ وکیع نے بھی بالاسناد ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اپنے سیدھے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کی نشوونما کرتا ہے جیسا کہ تم اپنے گھوڑے کے بچے کو پال کر بڑا کرتے ہو یہاں تک کہ صدقہ کا ایک لقمہ بھی احد کا پہاڑ بن جاتا ہے اس کی تصدیق کتاب اللہ عزوجل سے بھی ہوتی ہے کہ "کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور زکواۃ وصدقات کو لے لیتا ہے اور قولہ تعالیٰ ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سود کے منافع کو برباد کر دیتا ہے اور صدقات کو اضعافاً مضاعفاً بڑھاتا رہتا ہے۔ ثوریؒ نے بالاسناد ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ صدقہ کا مال سائل کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ یہ نے آیت پڑھی ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ ﴾ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں بہ ضمن تاریخ عبداللہ بن الشاعر السکسکی (جو دمشقی تھے لیکن اصل وطن حمص تھا اور فقہا میں سے تھے) بیان کیا ہے کہ معاویہؓ کے زمانہ میں لوگوں نے جہاد کیا جن کے سردار عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ تھے۔ تو ایک مسلمان نے مال غنیمت میں سے سو دینار رومی غبن کر لئے اور جب لشکر واپس ہو گیا اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو اس کو ندامت نے آگھیرا۔ اس نے یہ دینار اب امیر لشکر کے پاس پہنچائے' اس نے ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ وہ سب لوگ تو اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جن میں یہ تقسیم کیا جاسکتا تھا۔ اب میں تو اس کو لے نہیں سکتا اب تم قیامت کے روز اس کو اللہ کے سامنے پیش کر دینا۔ اب یہ آدمی صحابہ میں سے ہر ایک سے پوچھتا رہا لیکن سب یہی کہتے رہے۔ پھر وہ دمشق آیا اور معاویہؓ کو قبول کرنے کے لئے کہا لیکن وہ بھی انکار کر گئے۔ وہ وہاں سے اپنی حالت پر روتا ہوا نکلا اور عبداللہ بن الشاعر السکسکی کے پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا' کیوں روتا ہے؟ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا کہ کوئی امیر بھی ان کو نہیں لیتا' تو عبداللہ نے کہا کیا تم میری بات سنو گے اس نے کہا ضرور۔ تو کہا تم معاویہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے لے لو۔ چنانچہ بیس دینار ان کے حوالے کردو اور باقی اسی دینار ان لشکریوں کی طرف سے خیرات کردو جو ان کے حقدار ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ناموں اور مقامات

دغیرہ سے بھی واقف ہے وہ انہیں اس کا ثواب پہنچادے گا۔ تو اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ تو معاویہ ؓ نے کہا کہ اگر میں نے اس کو ایسا فتویٰ دیا ہوتا تو مجھے یہ بات اپنی تمام مملکت سے زیادہ محبوب تھی۔ اس نے بہت اچھی تدبیر بتائی ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵

کہدے کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل اللہ آپ دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایماندار اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلادے گا۔

سینوں کے راز اللہ علیم و خبیر جانتا ہے: مجاہدؒ کا قول ہے کہ یہ مخالفین امر اللہ کے لئے اللہ کی طرف سے وعید ہے کہ ان کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ اور مومنین میں بھی ان کے اعمال ظاہر کئے جائیں گے اور قیامت کے روز یہ ہونا ضرور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴾ یعنی بروز قیامت تمہارے اعمال پیش ہوں گے اور کوئی ڈھکی چھپی بات بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔ اور فرمایا اللہ پاک نے ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴾ یعنی دلوں کے چھپے ہوئے بھید ظاہر ہو جائیں گے۔ اور فرمایا ﴿ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ یعنی دلوں میں جو کچھ ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور دنیا کے لوگ اس سے واقف ہو جائیں گے جیسا کہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ حسن بن موسیٰ نے باسناد مرفوعاً رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی سخت پتھر کے اندر بھی سماجائے جس میں نہ کوئی سوراخ باقی رہے نہ دروازہ اور اس کے اندر بھی چھپ کر کوئی عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی لوگوں پر ایسا ظاہر کردے گا گویا یہ ان کے سامنے ہوا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ زندوں کے اعمال ان اموات پر پیش کئے جاتے ہیں جو ان کے عزیز واقارب ہیں یا ان کے قبائل ہیں اور جو اس وقت عالم برزخ میں ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد الطیالسی نے کہا ہے۔

صلت بن دینار نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقرباء اور عشائر پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں' اگر اعمال خیر ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر بد ہوں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو اپنی طاعت کی انہیں توفیق عطا فرما۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ہمیں خبر دی کہ سفیان نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقارب وعشائر پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اچھے عمل ہوں تو وہ مردے خوش ہو جاتے ہیں اور اچھے نہ ہوں تو کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو انہیں موت نہ دے جب تک تو انہیں بھی ایسی ہدایت نہ دے جیسی تو نے ہمیں دی تھی۔

بخاریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کا عمل نیک تمہیں پسند خاطر ہو تو کہو کئے جاؤ اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کا رسول اور مومنین بھی اس سے واقف ہو رہے ہیں اسی قسم کی ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کہ بالاسناد انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے اچھے عمل کو دیکھ کر خوش نہ ہو جاؤ انتظار کرو کہ اس کا خاتمہ بھی اس عمل نیک پر ہوتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ عامل ایک زمانہ طویل تک نیک عمل کرتا رہتا ہے اور وہ اس نیک عمل پر مر جائے تو جنت میں داخل ہو جائے لیکن ناگہاں اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور وہ برے اعمال کرنے لگتا ہے۔ اور ایک بندہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک زمانے تک برے اعمال کرتا رہتا ہے کہ اگر اسی پر مر جائے تو دوزخ میں چلا جائے لیکن یکایک کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور وہ نیک عمل کرنے لگتا ہے۔ اللہ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو موت سے پہلے اس کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ

نیکی پر مرتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ قبض روح کے وقت وہ عمل صالح کے ساتھ ہوتا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرلے گا' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔

جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کا معاملہ: ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور عکرمہؒ اور ضحاکؒ وغیرہ نے کہا کہ یہ تین شخص تھے کہ جن کی توبہ کی قبولیت پیچھے پڑ گئی تھی اور وہ مرارہ بن الربیع اور کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ تھے اور غزوۂ تبوک میں یہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ رہے تھے جنہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی بہ سبب سستی اور آرام طلبی کے اور اس سبب سے کہ ان کے باغات میں پھل پکنے کا موسم تھا کاشت تیار کھڑی تھی۔ سایہ اور بہار کی لطف انگیزی کا زمانہ تھا۔ یہ کوتاہی از جنگ شک اور منافقت کی بنا پر نہیں تھی چنانچہ ان میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنے کو ستونوں سے باندھ رکھا تھا جیسے کہ ابولبابہؓ اور ان کے ساتھی۔ دوسرے چند لوگوں نے ایسا نہ کیا اور یہ مذکورہ بالا تین اشخاص تھے۔ ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ تو ان لوگوں سے پہلے ہی قبول ہو چکی تھی۔ اور زیر ذکر لوگوں کی توبہ کی قبولیت تعویق میں پڑ گئی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور وہ ہے ﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ﴾ اور ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ﴾ یعنی اللہ نے نبی اور مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کرلی (آخر آیت تک) اور ان تینوں شخصوں کی توبہ بھی قبول کرلی جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے حتیٰ کہ اتنی وسیع دنیا بھی ان پر تنگ تر ہو گئی تھی اور کہیں انہیں پناہ نہ مل سکتی تھی جیسا کہ حدیث کعب بن مالک میں اس کا بیان آنے والا ہے اور قولہ تعالیٰ ﴿ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی وہ تحت عفو ربانی ہیں اگر وہ چاہے تو ان سے ایسا برتاؤ کرے اور اگر چاہے تو ویسا۔ لیکن اللہ کی رحمت تو اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور اللہ تو مستحق عقوبت کو جانتا ہے کہ کون عفو کا مستحق ہے اور وہ اپنے افعال واقوال میں حکیم ہے اس کے سوا کوئی اللہ اور کوئی رب نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۗ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۗ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

منافقین کی مسجد مزار اور اس کے مقاصد: ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی رہتا تھا جس کا نام تھا ابو عامر راہب۔ یہ ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اہل کتاب کا علم حاصل کر چکا تھا۔ یہ ایام جاہلیت میں ایک عبادت گزار شخص تھا اپنے قبیلہ میں اس کو بڑی بزرگی حاصل تھی۔ جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے اور مسلمانوں کا آپ کے پاس اجتماع ہونے لگا اور اسلام کا بول بالا ہو گیا اور بدر کی لڑائی میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب رکھا تو ابو عامر پر یہ بات بہت شاق گزری اور کھلم کھلا عداوت ظاہر کرنے لگا اور مدینہ سے بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین قریش سے جا ملا اور انہیں رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر مائل کرتا تھا اب عرب کے سارے قبیلے اکٹھے ہو گئے اور جنگ احد کے لئے پیش قدمی کی نتیجہ میں مسلمانوں کو جو ضرر پہنچا اللہ عزوجل نے اس جنگ میں مسلمانوں کا امتحان لیا دنیانہ سہی لیکن عاقبت تو متقین ہی کے لئے ہے۔ اس فاسق نے دونوں طرف کی صفوں کے درمیان کئی گڑھے کھود رکھے تھے ان میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے آپکو مضرت پہنچی۔ آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا نیچے کی طرف سے سامنے کے چار دانت آپ کے ٹوٹ گئے۔ سر بھی نبی ﷺ کا زخمی ہو گیا۔ ابو عامر نے شروع جنگ میں اپنی قوم انصار کی طرف بڑھ کر انہیں مخاطب کیا اور انہیں اپنی مدد او راپنی موافقت کی دعوت دی۔ جب انصار نے ابو عامر کی یہ حرکت دیکھی تو کہنے لگے کہ اے فاسق اے عدو اللہ اللہ تجھے برباد کرے اور اس کو گالیاں دیں اس کی عزت ریزی کی۔ اب وہ یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ میرے بعد میری قوم تو اور بگڑ گئی۔

نبی ﷺ نے اس کے فرار ہونے سے پہلے اس کو دعوت اسلام دی تھی اور قرآن کی وحی اسے سنائی تھی' لیکن اسلام لانے سے اس نے انکار کیا اور سرکشی اختیار کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بددعا دی کہ کم بخت جلاوطنی اور پردیس کی موت مرے۔ چنانچہ یہ بددعا اس پر کارگر ہوئی اور یہ بات اس طرح وقوع پذیر ہوئی کہ لوگ جب جنگ احد سے فارغ ہوئے اور اس نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا تو اور بول بالا ہو رہا ہے۔ اسلام بڑھتا چلا جا رہا ہے تو وہ ملک روم ہرقل کے پاس گیا اس سے نبی علیہ السلام کے بر خلاف مدد مانگی۔ اس نے وعدہ کیا اس نے اپنی امیدیں کامیاب ہوتی دیکھیں تو ہرقل کے پاس ٹھہر گیا اور اپنی قوم انصار میں سے ان لوگوں کو مکہ بھیجا جو اہل نفاق تھے کہ لشکر لے کر آ رہا ہوں رسول اللہ (ﷺ) سے خوب جنگ ہوگی' ان پر غالب آ جاؤں گا اور انہیں اپنی اسلام سے پہلے کی سابقہ حالت پر آنا پڑے گا اور ان اہل نفاق کو حکم بھیجا کہ اس کے لئے پناہ کی جگہ بنائے رکھو اور میرے احکام اور مراسلے جو لے کر آیا کریں ان کے لئے قیامگاہ اور مامن بنائے رکھو تا کہ اس کے بعد جب وہ خود آئے تو اس کے لئے کمین گاہ کا کام دے۔ چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک اور مسجد بنا ڈالی' اس کی تعمیر کر دی اس کو پختہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے نکلنے سے پہلے اس کام سے فارغ بھی ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ ہمارے پاس آیئے ہماری مسجد میں نماز پڑھئے تا کہ اس بات کی سند ہو سکے کہ یہ مسجد اپنی جگہ قابل استقرار اور قابل اثبات ہے۔ اور آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ضعیفوں اور کمزوروں کی خاطر یہ مسجد بنائی گئی ہے اور سردی کی راتوں میں جو بیمار لوگ دور کی مسجد میں نہیں جا سکتے ان کے لئے آسانی کی غرض ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی ﷺ کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بچانا چاہتا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو اس وقت سفر درپیش ہے جب ہم واپس ہوں گے اور اللہ نے چاہا تو دیکھا جائے گا اور جب نبی ﷺ جنگ تبوک سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے اور مدینے تک مسافت جب ایک دن یا اس سے کچھ کم رہ گئی تو جبرائیل علیہ السلام مسجد ضرار کی خبر لئے ہوئے آ پہنچے اور منافقین کے اس راز کو ظاہر کر دیا کہ مسجد قبا کے قریب ایک اور مسجد بنانے سے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنے کا مقصد ان کافروں اور منافقوں نے پیش نظر رکھا ہے۔ وہ مسجد قبا ہے جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر اٹھائی گئی ہے۔ اس علم کے بعد نبی ﷺ نے اپنے مدینے پہنچنے سے پہلے ہی چند لوگوں کو اس مسجد ضرار کی طرف بھیج دیا کہ اس کو منہدم کر دیا جائے جیسا کہ علی بن ابی طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا

ہے کہ وہ انصار کے لوگ تھے جنہوں نے ایک مسجد بنائی تھی اور ابو عامر نے ان سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر بھی تم سے ممکن ہو اس میں ہتھیار اور سامان جنگ چھپائے رکھو اور اس کو اپنی پناہ اور کمین گاہ بنائے رہو کیونکہ میں قیصر ملک روم کی طرف جارہا ہوں' روم سے لشکر لے کر آؤں گا اور محمد اور ان کے اصحاب کو مدینہ سے نکال دونگا۔ چنانچہ یہ منافقین جب مسجد ضرار بنا کر فارغ ہوگئے تو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم یہ دلی خواہش رکھتے ہیں کہ ایک بار آپ اس مسجد میں آکر نماز پڑھ لیں اور اس میں ہمارے لئے برکت کی دعا کریں' تو اللہ عزوجل نے یہ وحی نازل فرمادی ﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا اِلٰى قَوْلِهِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی ہرگز اس میں نماز نہ پڑھنا یقیناً "وہ مسجد جس کی بنیاد اول یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ حقدار ہے اس بات کی کہ تم اسی میں نماز پڑھو' اس میں ایسے پاکیزہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ پاک دل رہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی پاکیزہ دلوں کو پسند کرتا ہے۔ سعید بن جبیرؒ نے بھی بالاسناد یہی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق نے بھی بالاسناد یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مقام ذی اوان میں فروکش ہوئے۔ مدینہ یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔ اب مسجد ضرار والے آپ کے پاس آئے اور آپ تبوک کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اور کہا یا رسول اللہ! ﷺ ہم نے بیماروں' حاجتمندوں اور بارش اور سردی کی راتوں میں آنے والی جماعت مسلمین کی خاطر ایک مسجد بنائی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں تشریف لائیں اور ہمیں اس میں نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو سفر درپیش ہے اور میں بہت مصروف ہوں' یا رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اگر ہم واپس آئے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں نماز پڑھائیں گے۔ چنانچہ جب آپ ذی اوان میں اترے تو اس مسجد ضرار کی خبر اللہ کی طرف سے آپ کو مل گئی۔ آپ نے بنی سالم کے بھائی مالک بن دخشم کو بلایا اور معن ابن عدی یا اس کے بھائی عامر بن عدی' غرض ان دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم دونوں ان ظالموں کی مسجد کی طرف جاؤ اور اس کو منہدم کردو اور جلا ڈالو۔ یہ دونوں فوراً گئے اور بنی سالم بن عوف کے پاس آئے۔ یہ مالک بن الدخشم کے قبیلہ کے لوگ تھے۔ اب مالک نے معن سے کہا ٹھہرو میں اپنے لوگوں میں سے کسی کے پاس سے آگ لے آتا ہوں۔ اب مالک اپنے لوگوں میں آئے۔ درخت کی ایک بڑی سی لکڑی لی اس کو سلگایا اور فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں مسجد پہنچے۔ مسجد میں یہ کفار موجود تھے' ان دونوں نے مسجد کو جلادیا اور اس کو گرادیا۔ لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قرآن کی یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا ﴾ یہ لوگ جنھوں نے یہ مسجد بنائی بارہ افراد تھے خدام ابن خالد' اسی کے گھر سے مسجد شقاق کی راہ نکلتی ہے' اور ثعلبہ بن حاطب بنی امیہ کے خادم' اور معتب بن قشیر اور ابو حبیبہ بن الازعر' اور عباد بن حنیف' اور حارثہ بن عامر' اور اس کے دونوں بیٹے مجمع اور زید اور نبتل الحارث' اور مخرج اور بجاد بن عمران' اور ودیعہ بن ثابت' اور ابولبابہ کے قبیلہ کے خادم' وہ لوگ جنہوں نے اس کو بنایا وہ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو نیک ارادے سے اس کی بناڈالی ہے۔ ہمارے پیش نظر تو صرف لوگوں کی خیرخواہی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں یعنی جو انھوں نے قصد کیا اور نیت کر رکھی ہے' اس میں جھوٹے ہیں۔ محض اس مقصد سے مسجد بنائی ہے کہ مسجد قبا کو ضرر پہنچائیں اور کفر کی اشاعت کریں مسلمانوں میں تفریق ڈال دیں' اللہ سے اور اللہ کے رسول سے لڑنے کی خاطر کمین گاہ بنائے رکھیں' جہاں ان کے مشورے اور کونسل ہوا کرے' وہ شخص ہے ابو عامر وہ فاسق جس کو راہب سمجھا جاتا ہے' اللہ اس پر لعنت کرے۔ ﴿ وقوله لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾۔ نبی ﷺ کو اس میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمادی۔ نماز نہ پڑھنے میں ان کی تابع ان کی امت بھی ہے چنانچہ مسلمانوں کو بھی تاکید ہے کہ کبھی اس میں نماز نہ پڑھیں۔ پھر یہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے پر ابھارا مسجد قبا کی بنیاد شروع ہی سے تقویٰ پر ڈالی گئی ہے۔ تقویٰ طاعت اللہ اور طاعت رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہیں یہاں مسلمان مل بیٹھتے ہیں دینی مشورے کرتے ہیں اور یہ اسلام اور اہل اسلام کی پناہ کی جگہ ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾

اور سیاق عبارت مسجد قبا سے متعلق ہے۔ اس لئے حدیث صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا ایک عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد قبا کی طرف سوار ہو کر بھی آتے تھے اور پیادہ بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے بنایا تو آپ کی سب سے پہلے تشریف آوری بنی عمرو بن عوف کے پاس تھی اور جہت قبلہ جبرائیلؑ نے معین کی تھی' فاللہ اعلم۔

ابوداؤدؒ نے بالاسناد ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا﴾ ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ پانی سے طہارت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعریف میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب متذکرہ بالا آیت اتری تو آپ عویم بن ساعدہؓ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تمہاری وہ کون سی طہارت ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے جس کی تعریف کی ہے تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے جب کوئی مرد یا عورت حاجت سے فارغ ہوتے ہیں تو پانی سے اپنے اندام نہانی کو اچھی طرح دھو لیتے ہیں تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہی بات ہے۔ امام احمدؒ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ مسجد قبا میں تشریف لائے اور کہا کہ نماز کے لئے تمہاری طہارت کی اللہ پاک نے بڑے اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے' سو وہ تمہاری کونسی طہارت ہے تو کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم کو تو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ یہود ہمارے پڑوسی ہیں اور وہ حاجت سے فارغ ہونے کے بعد پانی سے دھوتے ہیں چنانچہ ہم نے بھی یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی کتاب حدیث میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عویم بن ساعدہؓ سے پوچھا کہ تمہاری کس طہارت کی تعریف اللہ پاک نے کی ہے؟ تو کہا کہ ہم طہارت کرنے میں پانی استعمال کرتے ہیں۔ ابن جریر نے کہا کہ آیت ﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ جو اتری ہے وہ حاجت کے بعد پانی سے دھونے والوں کی شان میں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ (بالاسناد) روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد قبا میں آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی بہت اچھی تعریف کی ہے' وہ کیا ہے؟ تو کہا یارسول اللہ ﷺ ہم نے تو آیت میں پانی سے طہارت کے احکام پائے ہیں (اس میں ایک راوی عبداللہ بن سلام تھے جو اہل توریت تھے)۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مدینے کے اندر جو مسجد نبوی ہے یہی وہ مسجد ہے جس کے لئے کہا گیا کہ تقویٰ پر اس کی بنیاد اٹھی ہوئی ہے۔ اور یہ صحیح بات ہے اس آیت اور اس آیت میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جب قبا کی تاسیس اول یوم سے بربنائے تقویٰ ہے تو بدرجہ اولیٰ مسجد نبوی کو یہ خصوصیت حاصل ہونی چاہئے اسی لئے امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو مسجد تقویٰ کا اساس رکھتی ہے وہ میری یہ مسجد ہے۔

امام احمدؒ نے پھر (بالاسناد) روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ اس خصوصیت والی مسجد کونسی ہے؟ تو ایک نے کہا کہ وہ مسجد نبوی ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ مسجد قبا ہے یہ دونوں نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے تحقیق کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے یہی میری مسجد مراد ہے۔

امام احمدؒ نے پھر (بالاسناد) روایت کی کہ دو آدمی اس خصوصیت والی مسجد کے بارے میں مختلف الرائے تھے ایک مسجد قباء کو اور دوسرا مسجد نبوی کو بتا رہا تا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔

پھر اس کے بعد کئی حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہیں' چنانچہ حمید راط المدنی نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ تم نے اپنے باپ سے مسجد تقویٰ کے بارے میں کیا سنا؟ تو کہا کہ میں آں حضرت ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا یا نبی اللہ! مسجد تقویٰ کونسی ہے'۔ تو آپ نے مٹھی بھر کنکریاں زمین سے اٹھائیں اور انہیں زمین پر مار کر کہا کہ وہ یہی مسجد ہے۔ اس وقت آپ مسجد کے صحن میں اپنی بیوی کے ایک کمرے میں تشریف فرما تھے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اس کو مسلم نے بالاسناد حمید راط سے روایت کیا ہے کہ خلف اور سلف کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے کہ وہ مسجد نبوی ہے اور عمر بن خطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے اور ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ ﴾ والی آیت پاک

اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد قدیمہ میں جن کی اول بنیاد عبادت خداوندی پر اٹھائی گئی ہے نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور اس استحباب کی بھی دلیل ہے کہ جماعت صالحین اور عباد عاملین کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور وضو باقاعدہ طور مکمل کیا جائے اور نماز میں میلے یا گندے کپڑوں سے بالکل پاک رہیں۔

امام احمدؒ نے (باالاسناد) روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورہ روم پڑھی' پڑھنے میں آپ کو کچھ شک سا ہو گیا۔ آپ جب واپس ہوئے تو فرمایا قرآن پڑھنے میں کچھ گڑ بڑ ہو جاتی ہے دیکھو تم میں بعض لوگ ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے پس جو ہمارے ساتھ نماز پڑھنا چاہے اس کو چاہئے کہ وضو کامل کیا کرے وضو میں کوئی خرابی نہ کرنے پائے۔

ذوالکلاع سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے یہ ہدایت فرمائی تھی' یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حسن طہارت قیام فی العبادت میں آسانی پیدا کرتا ہے اور عبادت کی تتمیم و تکمیل میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ابو العالیہ نے قول پاک ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ کے بارے میں کہا کہ پانی سے طہارت کرنا تو بیشک بہت اچھی بات ہے لیکن جن کی طہارت کی اللہ تعالیٰ تعریف فرما رہا ہے وہ گناہوں سے اپنے کو پاک رکھنے والے لوگ ہیں۔ اعمش کہتے ہیں کہ اس طہارت سے مراد گناہوں سے توبہ اور شرک سے پاکیزگی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قباء سے کہا کہ اللہ نے جو تمہاری طہارت کی تعریف کی ہے وہ کیسی طہارت ہے تو کہا کہ ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ حافظ ابو بکر بزاز نے باالاسناد ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں اتری ہے۔ اور جب آپ نے ان سے سوال کیا تھا تو کہا تھا کہ ہم پہلے ڈھیلے لیتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اس کو بزاز نے روایت کیا ہے۔ اس کو صرف محمد بن عبدالعزیز نے اور ان سے ان کے بیٹے نے روایت کی ہے۔ میں نے یہاں یہ تصریح اس لئے کر دی کہ یہ چیز اگرچہ فقہاء میں مشہور ہے لیکن اکثر محدثین متاخرین اس کو معروف تسلیم نہیں کرتے' واللہ اعلم۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳/۱۱ ۲

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھائی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے' اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔ ان کی یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے دل ہی اگر فنا ہو جائیں تو خیر' اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں۔

مسجد تقویٰ کی تحسین اور مسجد مزار کا انجام: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے مسجد کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار اور مسجد کفر بنائی اور مومنین میں تفریق ڈال دی اور اللہ سے اور اللہ کے رسول ﷺ سے لڑنے کے لئے اس کو جائے پناہ قرار دیا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اس مسجد ضرار کی بنیاد گویا ایک گڑھے

کے ڈھلتے ہوئے کنارے پر رکھی جو اسے جہنم کی آگ میں لے گری۔ اور حدود سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں فرماتا ہے۔ یعنی مفسدین کے عمل کو اصلاح پزیر نہیں بناتا۔ جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے حسب فرمان جب اس میں آگ لگادی گئی تو اس میں دھواں نکل رہا تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ایک جگہ گڑھا کھودا تو اس میں سے دھواں نکلتا ہوا پایا۔ قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

خلف بن یاسین کوفی کہتے ہیں کہ میں نے منافقین کی اس مسجد کو دیکھا کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے' یہ دیکھا کہ اس میں ایک سوراخ ہے جس میں سے دھواں نکل رہا ہے اور آج کے روز وہ جگہ گندگی پھینکنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ ابن جریر نے اس کو روایت کیا۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی ان کی بنائی یہ عمارت تو ہمیشہ ان کے دلوں میں تو شک وشبہ کی باعث ہی رہے گی اور اس عمل شنیع کا اقدام کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق کا بیج بوتی رہے گی' جیسا کہ گوسالہ پرستوں کے دل میں گوسالہ کی محبت پڑی ہوئی تھی ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ﴾ البتہ اس صورت میں ان منافقین کی بیخ کنی ہو سکتی ہے جب کہ اس مسجد ہی کو ختم کر کے ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اللہ اپنے بندوں کے اعمال کو خوب جانتا ہے اور خیر وشر کا بدلہ دینے میں بڑا حکیم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں' اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کی جانوں اور مالوں کے بدلے میں جن کو انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا ہے جنت کا معاوضہ دے رہا ہے اور یہ معاوضہ معاوضہ نہیں بلکہ اس کا فضل وکرم واحسان ہے کیونکہ بندوں کی قدرت میں جو کچھ تھا وہ انھوں نے کیا اب اپنے مطیع بندوں کے لئے اللہ پاک بھی کوئی معاوضہ قرار دے تو جنت ہی کا قرار دے گا۔ اسی لئے حسن بصری اور قتادہ نے کہا ہے کہ جب اللہ نے ان سے بیع وشریٰ کیا تو ان کی خدمت کی بڑی ہی زبردست قیمت دی ہے۔ اور شمر بن عطیہ نے کہا ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کی گردن میں اللہ کا عہد وپیمان نہ ہو' جس پر کہ اس کی موت آئی ہوئی ہو اور اس کا پابند ہوتے ہوئے اس نے جان دی ہو' پھر مذکور بالا آیت تلاوت کی۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کی خاطر نکل کھڑا ہوا گویا اس نے اللہ سے سودا کر لیا اور اللہ نے اس کے ساتھ یہ عقد قبول کر لیا اور اس کو پورا کر دیا۔

محمد بن کعب القرظی وغیرہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے وقت کہا کہ یارسول اللہ! آپ اللہ کے لئے اور خود اپنے لئے بھی جو شرط چاہیں ہم سے منوا سکتے ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے متعلق تو میں تم پر یہ شرط قرار

دیتا ہوں کہ اس کے سچے بندے بنے رہو' اس کی عبادت کیا کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانو اور اپنے سے متعلق تم پر یہ شرط قرار دیتا ہوں کہ جن باتوں سے تم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو بچاتے ہو' میرے بھی اسی طرح خیر خواہ بنے رہو۔ تو پوچھا پھر ہمیں کیا ملے گا؟ تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اس کا عوض ہے جنت تو پوچھنے والوں نے کہا کہ یہ بڑے فائدے کا سودا ہے' نہ ہم عہد شکنی کریں گے نہ ہم سے عہد شکنی ہوگی' تو یہ آیت اتری ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾۔اور قولہ تعالیٰ ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ﴾ یعنی وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' پس قتل بھی کرتے ہیں اور قتل بھی ہوتے ہیں۔ دونوں باتیں برابر کے ثواب والی ہیں چاہے' وہ قتل کر کے غازی بنیں یا شہید ہوں' ہر صورت میں جنت ان کے لئے واجب ہے۔ اسی لئے بخاری مسلم میں آیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں نکلا اور اس نکلنے سے اس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو کہ میری راہ میں جہاد کرے یا میرے رسولوں کی تصدیق کرے حتیٰ کہ اسے موت آجائے' تو اللہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے' اور اگر نہ مرے تو اللہ کے ذمہ ہے کہ جہاں سے وہ چلا ہے' اسے وہاں پہنچائے اور اجر مال غنیمت کے ساتھ بامراد پہنچائے۔ وقولہ تعالیٰ ﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ﴾ اپنے وعدہ کی تاکید کے طور پر ہے اور یہ بتلایا جارہا ہے کہ اس نے اپنی ذات پاک پر اس چیز کو فرض کر لیا ہے۔ اور اپنے رسولوں پر اس وعدہ کی وحی بھی بھیج دی ہے جو موسیٰ پر اتری ہوئی توریت میں درج ہے اور عیسیٰ کی انجیل میں بھی ہے اور نبی ﷺ پر اترے ہوئے قرآن پاک میں بھی لکھا ہوا ہے' صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ وقولہ ﴿ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ﴾۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خلاف عہد کبھی نہیں کرتا۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ اور ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾۔ اور اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ سے تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوش ہو جاؤ اور یہ کامیابی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ بشرطیکہ تم نے بھی اپنا عہد پورا کر لیا ہو۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے' رکوع اور سجدہ کرنے والے' نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے' اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔

مومنوں کے اوصاف حمیدہ: یہ آیت پاک ان مومنین کی تعریف میں ہے کہ اللہ نے جن کی جانیں اور جن کے مال ان کے ان صفات جمیلہ کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔ وہ تمام گناہوں اور سارے فواحش سے باز رہتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت پر قائم ہیں۔ اپنے اقوال و افعال پر بڑی کڑی نظر رکھتے ہیں۔ اقوال میں خاص ترین چیز تو اللہ کی حمد ہے۔ اسی لئے فرمایا ﴿ الْحَامِدُوْنَ ﴾ اور افعال و اعمال کی رو سے افضل اعمال صیام ہیں۔ صیام کہتے ہیں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کو' اور سیاحت سے یہی روزہ مراد ہے۔ اسی لئے فرمایا ﴿ السَّائِحُوْنَ ﴾ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ سَائِحَاتٌ ﴾ میں ازواج النبی ﷺ کی تعریف فرمائی گئی۔ اور اس "سائحات" سے مراد "صائمات" ہے۔ اسی طرح رکوع و سجود سے نماز مراد ہے' چنانچہ کہا گیا ﴿ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ ﴾ وہ عبادتیں کر کے نہ اپنا ہی فائدہ دیکھتے ہیں بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی ان کو رشد و ہدایت کر کے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو کر فائدہ پہنچاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کونسا کام کرنا سزاوار ہے اور کون سے کاموں سے ترک واجب ہے۔ اور علماً اور عملاً دونوں طرح حلال و حرام کے بارے میں اللہ کی حدود کی حفاظت پیش نظر رہتی ہے۔ چنانچہ وہ بذات خود عبادت حق اور خیر خواہی خلق دونوں طرح کی عبادت

کے علم بردار ہوتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا پروردگار نے کہ مومنین کو خوشخبری دے دو کیونکہ ایمان ان دونوں باتوں کے اجتماع کا نام ہے اور پوری طرح کی سعادت تو اسی کو حاصل ہے۔ جو ان دونوں باتوں سے متصف ہو۔ سیاحت سے صیام مراد ہے

سفیان ثوریؒ بیان کرتے ہیں کہ ﴿ سَائِحُوْنَ ﴾ کے معنی ﴿ صَائِمُوْنَ ﴾ ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن میں جہاں کہیں سیاحت کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں صیام ہی مراد ہے۔ ضحاکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت ہے رمضان کے روزے رکھنا۔ مجاہد' سعید' عطاء' عبدالرحمٰن' ضحاک اور سفیان بن عیینہ سب یہی خیال رکھتے ہیں کہ ﴿ سَائِحُوْنَ ﴾ سے مراد روزہ دار ہیں۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سائحون سے رمضان کے روزہ دار مراد ہیں۔ ابو عمرو العبدی بھی یہی کہتے ہیں کہ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی وارد ہے۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ سَائِحُوْنَ ﴾ روزہ دار لوگوں کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ سوال کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ "صائمین" کو کہتے ہیں' یہ حدیث مرسل ہے اور جید ہے اور اصح الاقوال ہے۔ اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ سیاحت سے جہاد مراد ہے۔ ابوداؤد نے اپنی کتاب سنت میں ابوامامہؓ کی حدیث بیان کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ عمارہ بن غزیہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس سیاحت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو اور بلندیوں پر تکبیر بولتے ہوئے چلنے کو سیاحت بتایا ہے۔ عکرمہ کا خیال ہے کہ اس سے علم کے طالبین مراد ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ہے کہ مہاجرین مراد ہیں' یہ دونوں باتیں ابن ابی حاتم سے مروی ہیں۔ یہ ذہن نشین رہے کہ یہاں سیاحت سے مراد وہ مفہوم نہیں ہے جو بعض عابد و راہب قسم کے لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس سے مجرد سفر اطراف عالم میں مراد ہیں اور وہ لوگ مراد ہیں جو پہاڑوں اور غاروں اور جنگلوں میں پھرتے رہتے ہیں اور بستی سے بھاگتے رہتے ہیں اس لئے کہ ایسا کرنا مشروع نہیں ہے۔ ہاں جب فتنہ کا زمانہ ہو اور دین میں تزلزل واقع ہو جائے تو یہ حدیث صحیح بخاری میں ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ کسی کا بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی' جن کو وہ پہاڑوں میں اور بارش گاہوں میں ہانکنے لئے پھرتا ہوگا اور فتنوں سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لئے بھاگتا ہوگا ﴿ اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ سے اللہ کی اطاعت پر قائم رہنے والے لوگ مراد ہیں۔ اور حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ فرائض الٰہی کو انجام دینے والے اور احکام الٰہی پر قائم رہنے والے لوگ مراد ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں' اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انھوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے' واقعی ابراہیم علیہ السلام بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے۔

مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت: مسند امام احمد میں ابن المسیب ؒ سے روایت ہے کہ ابو طالب جب بستر مرگ پر تھے تو نبی ﷺ تشریف لائے ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ابو طالب سے فرمایا کہ اے چچا آپ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ ﴾ کہہ دیجئے میں اسی ایک جملہ کی آڑ لے کر اللہ کے پاس آپ کی بخشش کے لئے حجت پیش کروں گا۔ تو ابو جہل اور اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تم ملت عبدالمطلب سے روگردانی کرو گے؟ تو ابو طالب نے کہا کہ میں واقعی ملت عبدالمطلب پر جان دوں گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ مجھے منع نہ کردے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ﴾ (تا آخر (یعنی نبی اور ایمان داروں کو یہ لائق ہی نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں' تا آخر۔ اور یہ آیت بھی اسی سے متعلق نازل ہوئی ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ یعنی تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے اللہ جس کو چاہے ہدایت کرے۔

علی ؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت کی دعا کر رہا ہے تو میں نے اس سے کہا کہ مشرکوں کے لئے تم استغفار کر رہے ہو۔ تو اس نے کہا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار نہیں کیا تھا؟ میں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

﴿ لِاَبِيْهِ ﴾ کے بعد ﴿ لَمَّامَاتَ ﴾ (یعنی جب ابراہیم ؑ کے باپ مر گئے) کے الفاظ بھی کہے' لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ الفاظ سفیان نے خود کہے یا اسرائیل نے یا خود حدیث میں یہ الفاظ شامل تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ثابت ہے کہ یہ الفاظ مجاہد نے کہے۔

مسند امام احمد میں ہے کہ بریدہ ؓ نے روایت کی کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور سفر میں تھے کہ ایک جگہ اترے اور ہم تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ آپ نے یہاں دو رکعتیں پڑھیں' پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ عمر بن خطاب ؓ آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ میری ماں کے لئے استغفار کی مجھے اجازت دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی' تو آگ کے خوف سے ماں پر میرا دل بڑا دکھا اور میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں میں نے قبل ازیں تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا' زیارت قبور سے' لیکن اب قبور کی زیارت کر سکتے ہو صرف اس غرض سے کہ گورستان جانے سے تم کو اپنی موت یاد آجائے اور تم نیکیوں کی طرف مائل ہوتے لگو' میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ اٹھا رکھنے پر منع کیا تھا' اب چاہے جتنا کھاؤ اور جتنا ذخیرہ کر رکھو۔ اور برتنوں سے پینے کے بارے میں میری ممانعت تھی' اب چاہے جس برتن سے پیو لیکن کوئی نشہ والی چیز نہ پینا۔ بریدہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مکے کی طرف آنے لگے تو راہ میں ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور قبر کو خطاب فرمانے لگے پھر روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے' تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کی مصروفیت دیکھی ہے' تو آپ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت اللہ سے طلب کی تھی تو مجھے اجازت مل گئی۔ پھر میں نے استغفار والدہ کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں ملی۔ آپ اسی روز اتنا روئے کہ کبھی اتنا نہیں روئے تھے۔

عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ گورستان کی طرف نکل کھڑے ہوئے' ہم بھی آپ کے پیچھے ہو لئے آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر بہت دیر تک مناجات میں رہے پھر آپ رونے لگے۔ آپ کو دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ اب عمر بن خطاب ؓ آپ کی طرف گئے۔ آپ ﷺ نے عمرؓ کو اور ہمیں بلایا اور پوچھا تم کیوں روئے؟ ہم نے کہا کہ آپ کا رونا دیکھ کر ہمیں بھی رونا آگیا۔ کہنے لگے کہ قبر جہاں میں بیٹھا تھا یہ آمنہ کی قبر ہے۔ میں نے اس قبر کی زیارت کی اجازت اللہ سے چاہی تھی تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ اس حدیث کو ایک دوسری طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر حدیث ابن مسعود ؓ بھی تقریباً یونہی ہے لیکن اس میں اور یہ بھی

ہے کہ میں نے آمنہ کے لئے دعا کی اجازت اللہ سے مانگی تھی لیکن اجازت نہیں ملی اور مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی یعنی ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ چنانچہ اپنے باپ کے لئے ایک اولاد کا دل جیسے دکھ سکتا ہے میرا بھی دل دکھا۔ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا اب زیارت کیا کرو! یہ چیز آخرت کو یاد دلائے گی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور عمرہ کی نیت باندھی اور جب عسفان کی گھاٹی سے اترے تو اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ تم لوگ عقبہ میں آرام سے بیٹھو میں ابھی واپس آتا ہوں۔ آپ گئے اور اپنی ماں کی قبر کے پاس ٹھہرے اور رب سے بڑی دیر تک مناجات کی' پھر آپ رونے لگے اور بہت روئے۔ آپ کو دیکھ کر اور لوگ بھی رونے لگے اور کہا یہاں رسول اللہ کو کسی چیز نے رلایا' کیا ایسی کوئی نئی بات تو امت میں نہیں پیدا ہو گئی جس کو آپ سہار نہیں سکتے تھے۔ آپ یہ دیکھ کر ان کی طرف آئے اور کہا تم کیوں روتے ہو؟ کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو روتا دیکھ کر ہم بھی رو پڑے ہیں۔ ہم نے خیال کیا کہ امت میں کوئی نیا حادثہ تو نہیں ہو گیا جس کو آپ برداشت نہیں کر سکے۔ فرمایا نہیں' ایک معمولی سی بات تھی' واقعہ یہ ہے کہ میں ماں کی قبر کے پاس ٹھہرا تھا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کے لئے اجازت چاہی تھی۔ سو اللہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مجھ پر بہت رقت طاری ہوئی کیونکہ وہ میری ماں تھیں پھر جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ "ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس بنا پر تھا کہ باپ سے انھوں نے وعدہ کر رکھا تھا کہ دعا کروں گا لیکن جب حکم الٰہی کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو پھر دست برداری اختیار کی۔ پس اے نبی! آپ بھی اپنی ماں سے ابراہیمؑ کی طرح دست بردار ہو جاؤ" وہ میری ماں تھیں میرا دل کیسے نہ کڑھتا۔ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ میری امت سے چار چیزوں کا بوجھ اٹھالے' تو اللہ تعالیٰ نے دو عذاب اٹھالئے اور دو عذاب باقی رکھے۔ میں نے دعا کی تھی کہ آسمان سے سنگ باری میری امت پر نہ ہو جیسے دوسری امتوں پر ہوئی ہے اور عذاب کے طور پر زمین میں وہ نہ دھنسا دیئے جائیں اور ان کا طبقہ الٹ نہ جائے اور یہ کہ ان میں پھوٹ اور گروہ بندی اور فرقہ واریت نہ ہو اور ان میں آپس میں جنگ نہ ہو۔ تو اللہ پاک نے آسمان سے سنگ باری اور غرق فی الارض سے متعلق دعا تو قبول فرمائی' اور قتال اور پھوٹ سے متعلق دعا قبول نہیں کی۔ آپ راستہ کاٹ کر اپنی ماں کی قبر کی طرف گئے تھے' کیونکہ آمنہ ایک ٹیلے تلے مدفون تھیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا سیاق عجیب ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب اور قابل انکار بات تو وہ روایت ہے کہ جو خطیب بغدادی نے کتاب السابق واللاحق میں بسند مجہول بیان کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسناد جوڑی ہے یہ کہانی یوں بیان کی ہے کہ اللہ نے حضرت ﷺ کی ماں آمنہ کو زندہ کیا تھا' زندہ ہو کر وہ ایمان لے آئیں' پھر مر گئیں۔ سہیلی نے بھی الروض میں مجہولین کی ایک جماعت سے سند لیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کی ماں اور باپ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ حافظ ابن وحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ قرآن اور اجماع دونوں اس کو رد کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرمایا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ﴾۔ نہ وہ لوگ بخشے جائیں گے جو کفر کی حالت میں مر گئے۔ ابو عبداللہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مقتضٰی پر غور کرو' اور ابو عبداللہ نے بڑا تیر مار کر یہ استدلال پیش کیا ہے کہ یہ حیات جدید بالکل اس طرح ہو سکتی ہے جیسے عصر کا وقت گزر جانے پر حضرت ﷺ کے معجزہ سے سورج پھر ڈوبنے کے بعد نکل آیا اور آپ نے نماز عصر پڑھ لی تھی۔ اس استدلال کے ذریعہ ابن دحیہ کی تردید کی ہے۔ طحاوی کہتے ہیں کہ شمس والی حدیث ثابت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کے والدین کا زندہ ہو جانا نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ شرعاً اور میں نے تو سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کو بھی زندہ کیا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب صحت حدیث پر موقوف ہے اگر حدیث صحیح ہے تو کوئی مانع نہیں اور حدیث ہی صحیح نہ ہو تو کوئی جھگڑا ہی نہیں' واللہ اعلم۔

عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ماں کے لئے استغفار کا ارادہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا تو ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ ﴾ والی آیت اتری۔

ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ لوگ اپنے اموات کے لئے استغفار کرتے تھے' تو استغفار ابراہیم والی آیت نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ لوگ اس ناجائز استغفار سے باز آگئے لیکن مسلمان اپنے زندہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے نہیں روکے گئے ہیں۔

قتادہؒ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ نبی ﷺ کے بعض اصحاب نے کہا یا نبی اللہ ﷺ ہمارے آباء واجداد بڑے نیک لوگ تھے۔ پڑوس کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کرتے تھے' صلہ رحمی کے عادی تھے' قیدیوں کو چھڑا دیتے اور لوگوں کو تاوان ادا کرنے کے لئے رقمیں دیتے' کیا ہم ان مردوں کے لئے استغفار نہ کریں؟ تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں' اللہ کی قسم میں بھی ابراہیمؑ کی طرح اپنے باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ چنانچہ فوراً یہ آیت اتری کہ نبی اور مسلمانوں کو اموات مشرکین کے لئے دعا کرنا جائز نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کی طرف سے صفائی پیش فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کا استغفار تو محض وعدہ کی وجہ سے تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چند کلمات مجھ پر القاء فرمائے ہیں جو میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میرے دل میں قرار پذیر ہیں۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ بحالت شرک مرنے والے کے لئے مغفرت طلب نہ کروں اور جس نے اپنی ضرورت سے فالتو مال صدقہ کر دیا وہ اس کے لئے بڑی خیر کا سبب ہے اور جس نے روک رکھا وہ اس کے لئے شر کا سبب ہوگا اور حسب ضرورت کھانے اور خرچ کرنے پر اللہ کا کوئی اعتراض نہیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی مر گیا اس کا بیٹا مسلمان تھا وہ اس کے کفن دفن کے لئے آیا تک نہیں۔ ابن عباسؓ کو علم ہوا تو کہا کہ بیٹے کو سزاوار تھا کہ باپ کا جا کر کفن دفن کرتا اور زندہ رہنے تک اس کی خیر وفلاح کے لئے دعا کرتا اور مر جانے پر اس کو اس کے حوالے کر دیتا اور اس کے لئے دعا نہ کرتا۔ اس کی صحت کی شہادت اس روایت سے ملتی ہے جو علیؓ سے مروی ہے کہ جب ابو طالب مر گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے گمراہ چچا مر گئے ہیں تو آپ نے فرمایا' جاؤ انہیں دفنا دو اور کچھ نہ کرنا میرے پاس آ جانا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور روایت کی نبی ﷺ کے سامنے سے جب ابو طالب کا جنازہ گزرا' تو آپنے فرمایا کہ چچا! میں نے تو صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا۔ اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں کسی اہل قبلہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے نہ رکوں گا۔ خواہ وہ ناجائز حمل والی کوئی حبشن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ صلوٰۃ جنازہ دعا ہے اور مشرکین کے سوا کسی کے لئے دعا کرنے سے اللہ نے نہیں روکا ہے۔

ابن جریر سے روایت ہے کہ ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو ابوہریرہؓ اور اس کی ماں کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ میں نے کہا اور باپ کے لئے' تو ابوہریرہؓ نے فرمایا نہیں میرا باپ مشرک مر گیا تھا' اور قولہ تعالیٰ ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ ﴾ کے بارے میں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ابراہیم باپ کے مرنے تک استغفار کی دعا کرتے رہے اور مر جانے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ عدو اللہ تھا تو دست برداری اختیار کر لی۔

سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز ابراہیمؑ جب باپ سے ملیں گے تو ان سے دست بردار رہیں گے۔ باپ بدحواس اور پریشان ہوگا اور کہے گا کہ اے ابراہیم میں نے تیری نہیں سنی لیکن آج تیرا خلاف نہ کروں گا۔ تو ابراہیمؑ کہیں گے' اے رب! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا ہے کہ قیامت کے روز مجھے رسوا نہ کرے گا پس آج کے روز اس رسوائی سے بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہو سکتی ہے۔ تو کہا جائے گا کہ تم پیچھے پلٹ کر تو دیکھو' دیکھتے ہیں کہ وہ ایک نیم جان جانور لتھڑا پڑا ہے اور ایک بجو کی شکل میں مسخ شدہ ہے جس کی ٹانگیں کھینچ کر دوزخ کی طرف لیجایا جا رہا ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اواہ کے معنی ہیں بہت دعا وزاری کرنے والا۔ ابن لہاد سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اواہ کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا بہت تضرع کرنے والا۔ ابن مسعودؓ نے اس کے معنی رحیم بتائے۔ قتادہؒ وغیرہ نے رحیم بعباد اللہ کہا۔ ابن عباسؓ اس کے معنی مومن بتاتے ہیں۔ علی

بن ابو طلحہ مومن تواب کہتے ہیں۔

عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ ذوالنجادین نامی ایک شخص کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اواہ ہے۔ جہاں کہیں قرآن میں اللہ کا نام آجاتا تو یہ شخص دعا کا ایک نعرہ بلند کرتا۔ ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ صبح کے وقت تسبیح کی جو پابندی کرتا ہے اس کو اواہ کہتے ہیں۔ ابوایوب کہتے ہیں کہ اواہ وہ ہے جو اپنے خطایا کو یاد کر کے استغفار کرتا رہے۔ مسلم بن بیان کہتے ہیں کہ ایک آدمی کثرت سے ذکر و تسبیح کرتا تھا تو نبی ﷺ نے اس کو ''اواہ'' کہا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دفن کرنے کے بعد کہا اللہ تجھ پر رحم کرے تو ایک مرد اواہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی مراد کہ قرآن کی بہت تلاوت کرنے والا تھا۔ ایک شخص کعبہ اللہ کا طواف کرتے ہوئے بوقت دعا آہ آہ کرتا تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ''اواہ'' ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں باہر نکلا تو دیکھا کہ نبی ﷺ اسی شخص کو چراغ ساتھ لئے دفن کر رہے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ سب سے اچھا قول تو یہ ہے کہ اس کے معنی دعا کے ہیں اور یہ سیاق کے مناسب بھی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب ذکر کیا کہ ابراہیم کا استغفار بر بنائے وعدہ تھا اور ابراہیم کثیر الدعا تھے' ناروا برتاؤ کرنے والے کے ساتھ حلیم تھے اور اسی لئے تو باپ کی اذیت پہنچانے کے باوجود اس کے لئے استغفار کرتے تھے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِىْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا. قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّىْ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا ﴾ یعنی اے ابراہیم کیا تو میرے اللہ سے اعراض کرتا ہے۔ دیکھ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں پتھر سے تجھے ماردوں گا مجھ سے باز رہ۔ تو ابراہیمؑ نے کہا سلام علیک جاتا ہوں لیکن آپ کے لئے اپنے اللہ سے ضرور دعا کرتا رہوں گا وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ غرض یہ کہ باپ کی ایذا رسانی پر بھی ابراہیمؑ نے حلم اختیار کیا' باپ کے لئے دعا اور استغفار کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حلیم کا خطاب دیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کئے پیچھے گمراہ کر دے جب تک ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں' بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں' بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا اور مارتا ہے' اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے۔

اللہ عام حجت کے بغیر عذاب نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریمہ اور حکمت عادلہ سے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ جبتک اللہ کسی قوم کی طرف پیغمبر بھیج کر حجت ختم نہیں کر لیتا ہے اس کو گمراہی کے لئے چھوڑ نہیں دیتا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اہل ثمود کو ہم نے ہدایت دی۔ مجاہد نے قولہ تعالیٰ ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ ﴾ کے بارے میں کہا کہ اللہ عزوجل کا بیان مومنین سے مشرکین کے لئے ترک استغفار کے بارے میں خاص ہے اور ویسے مومنین کے لئے اللہ کی اطاعت اور معصیت کا فعل عام ہے یعنی تم اپنی مرضی کے مختار ہو' اپنی مرضی سے طاعت اختیار کرو یا معصیت اختیار کرو چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ دو لیکن ترک استغفار کا بیان عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر تم اپنے اموات مشرکین کے لئے استغفار کرو تو کیا ضرور

ہے کہ اللہ تمہیں گمراہ قرار دے جب کہ اس نے تم کو ذاتی حد تک ہدایت کی توفیق دے دی اور اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی عزت بخشی حتیٰ کہ تم کو منہیات سے روک دیا اور تم اس سے باز رہے لیکن قبل اس کے کہ وہ ان منہیات کی کراہت اور ممانعت بیان فرمائے اور ان منہیات کی طرف جھک پڑو' وہ کیوں تم پر ضلال و گمراہی کا حکم لگائے اس لئے کہ طاعت و معصیت تو امر و نہی سے تعلق رکھتے ہیں 'لیکن جو ایمان ہی نہ لایا ہو اور نہ وہ باز رہا ہو تو اس کو حکم کی انجام دہی سے متعلق مطیع اور ممنوع کے ارتکاب سے عاصی کہہ ہی نہیں سکتے۔ اللہ کا یہ قول کہ وہ مالک الملک ہے زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے یہ اللہ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے مشرکین اور کفار سے قتال کی تحریض ہے اور یہ کہ انھیں اللہ کی مدد کا بھروسہ رکھنا چاہئے اور اللہ کے دشمنوں سے ڈرنا نہیں چاہئے کیونکہ انھوں نے اللہ کو چھوڑ دیا تو پھر ان کا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کیا تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو کچھ نہیں سن رہے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں آسمان کا چرچرانا سن رہا ہوں اور وہ بوجھوں کیوں نہ دبے اور کیوں نہ چرچرائے آسمان میں بالشت بھر جگہ بھی تو ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں موجود نہ ہو' کعب الاحبارؓ کہتے ہیں کہ سوئی کی نوک برابر بھی کوئی جگہ زمین میں ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ کی تسبیح میں مصروف نہ ہو اور آسمان کے فرشتے ذرات زمین سے زیادہ تعداد میں ہیں اور عرش کے حامل فرشتوں کے ٹخنے سے ساق تک کی مسافت ایک سو برس کی مسافت ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر (ﷺ) کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا' پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

جنگ تبوک ایک مشکل ترین سفر: مجاہد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک سے متعلق ہے۔ یعنی لوگ جب غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو بڑی سخت گرمی تھی' سال قحط زدہ تھا پانی اور زاد راہ کی سخت تنگی تھی' قتادہؓ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے لئے جب چل کھڑے ہوئے تو بڑی سخت گرمی تھی اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسی سخت مصیبتیں مجاہدین کو پہنچیں' حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دو آدمیوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ کھجور دست بدست بڑھائی جاتی' ایک اس کو تھوڑا چوستا پھر پانی پی لیتا پھر دوسرا چوستا اور پانی پی کر تسلی حاصل کر لیتا۔ پھر اللہ نے ان کی سن لی' غزوہ سے وہ واپس ہوئے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عمر بن خطابؓ سے تنگدستی کی کیفیت پوچھی گئی تو کہا کہ ہم جنگ تبوک کے لئے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے۔ سخت موسم گرما تھا۔ ہم نے ایک جگہ قیام کیا وہاں ایسی زبردست تشنگی سے ہمیں سابقہ پڑا کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہمارا دم ہی نکل جائے گا۔ اگر کوئی آدمی پانی کی تلاش میں جاتا تو وہ یقین کر لیتا کہ واپس ہونے سے پہلے اس کو موت آ جائے گی۔ لوگ اونٹوں کو ذبح کرتے ان کے معدوں میں ایک مقام پر پڑے ہوئے پانی کا ذخیرہ جمع رہتا ہے' اس کو نکال لیتے اور پی لیتے اور بچا ہوا کچھ حصہ اپنے جگر پر لگا لیتے۔ تو ابو بکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا ہے ہمارے لئے دعا فرمائیے! حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم ایسا چاہتے ہو؟ صدیقؓ

نے عرض کی۔ ہاں۔ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ابھی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد پانی تھم گیا۔ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے۔ اب ہم لشکر کے پڑاؤ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چھاؤنی سے آگے کہیں پانی نہیں برسا ہے۔

ابن جریر قولہ تعالیٰ ﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ ﴾۔ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں عسرۃ سے مراد نفقہ زاد راہ اور پانی کی تنگی مراد ہے۔ ﴿ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ ﴾ یعنی اس کے بعد کہ ان کے دل بدگمان اور شک سے میڑھے ہونے لگے تھے' حق سے ہٹنے لگے تھے۔ جو مشقت اور شدت و مصیبت کہ اس سفر میں پڑی اس سے لوگوں کے دل دین رسول اللہ سے شک میں پڑ گئے تھے' اب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق بخشی اور اثبات علی الدین کی عزت عطا فرمائی۔ وہ تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع کیا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم والے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور سچوں کے ساتھ رہو۔

پیچھے رہنے والے تین مخلص مسلمانوں کی توبہ کا واقعہ: ابن کعب ؓ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کی داستان اور حضرت ﷺ کا ساتھ نہ دینے کا واقعہ کعب بن مالک ؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک کے سوا اور کسی جنگ میں حضرت ﷺ کی معیت سے محروم نہیں رہا۔ البتہ جنگ بدر میں بھی میں شرکت سے عاری تھا۔ لیکن ان شرکت نہ کرنے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس رقت قریش کے ایک قافلہ کی خاطر مدینے سے باہر نکلے تھے۔ وہاں حسب منشاء الٰہی اللہ کے دشمنوں سے تصادم ہو گیا کوئی قرار داد بھی نہیں تھی۔ میں لیلۃ العقبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا جب کہ اسلام پر ہم نے پیمان باندھا تھا اور میرے لئے تو لیلۃ العقبہ میں حضوری غزوہ بدر کی حضوری سے بھی کہیں زیادہ پسند تھی اگرچہ بدر کی شہرت اور آوازہ لوگوں میں بہت زیادہ ہے۔ اب غزوہ تبوک میں حضرت ﷺ کے ساتھ شرکت سے محروم رہنے کا میرا واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں میں شرکت تبوک سے پیچھے رہ گیا اس وقت میں انتہائی خوش حالی اور مالداری میں تھا۔

اس سے پہلے دو سواریاں میرے پاس کبھی نہیں ہوئی تھیں اور اس جنگ میں تو دو سواریاں بھی رکھ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر اس خبر کو پھیلنے نہ دیتے۔ جب یہ جنگ ہوئی ہے تو بڑی سخت گرمی کا زمانہ تھا دور دراز اور جنگلوں کا سفر درپیش تھا اور کثیر التعداد دشمن سے سامنا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنے امور میں مسلمانوں کو آزاد رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں دشمن کے مقابلے کی تیاری کر لیں اور اپنا ارادہ مسلمانوں پر ظاہر فرما دیا تھا اور مسلمان آں حضرت ﷺ کے ساتھ اس کثیر تعداد میں تھے کہ درج رجسٹر نہ ہو سکتے تھے۔ کعب ؓ کہتے ہیں کہ بہت کم ایسے لوگ ہوں گے کہ جن کی غیر حاضری کا حضرت ﷺ کو علم ہو سکے گا بلکہ گمان تھا

کہ کثرت لشکر کی وجہ سے غائب رہنے والے کا حضرت ﷺ کو علم بھی نہ ہو سکے گا جب تک کہ اللہ ہی کی طرف سے بذریعہ وحی علم نہ ہو جائے۔ یہ لڑائی جس وقت سرزد ہوئی تھی وہ زمانہ پھلوں کے پکنے کا تھا سایہ گستری' بار آوری اور خنکی کا موسم تھا۔ ایسے زمانہ میں میری طبیعت آرام طلبی اور راحت گیری کی طرف بہت مائل ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ میں صبح اٹھ کر تیاری جہاد کے لئے باہر نکلتا لیکن خالی واپس ہوتا اور تیاری اور اسباب سفر کی خریداری وغیرہ کچھ نہ کرتا' دل بہلا لیتا کہ جب میں چاہوں گا دم بھر میں تیاری کر لوں گا۔ دن گزرتے چلے گئے 'لوگوں نے تیاریاں مکمل کر لیں حتی کہ نبی ﷺ اور ان کے ساتھ دیگر مسلمان چل کھڑے ہوئے جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایک دو دن بعد تیاری کر کے میں بھی مل جاؤں گا اس عرصہ میں مسلمانوں کا لشکر بہت دور جا چکا۔ میں تیاری کے لئے باہر نکلا لیکن پھر بغیر تیاری کے واپس آ گیا حتی کہ ہر روز یہی ہوتا رہا دن نکل گئے۔ لشکر جنگ کرنے لگا۔ اب میں نے کوچ کا ارادہ کر لیا کہ جلدی سے پہنچ کر شامل ہو جاؤں کاش اب بھی کوچ کر جاتا لیکن آخر کار یہ بھی نہ ہو سکا۔ اب حضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب کبھی میں بازار میں نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا کہ جو مسلمان نظر آتا ہے اس پر یا تو نفاق کی پھٹکار نظر آتی ہے یا ایسے مسلمان دکھائی دیتے ہیں جو واقعی اللہ کی طرف سے معذور اور لنگڑے لولے تھے۔ جب حضرت ﷺ تبوک پہنچ چکے تو مجھے یاد فرمایا اور پوچھا کعب بن مالک کیا کر رہا ہے؟ تو بنی سلمہ کے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اس کو خوش عیشی اور آرام طلبی نے مدینے ہی میں روک لیا ہے۔ تو معاذ بن جبل ؓ نے کہا تم نے غلط خیال قائم کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ اسے تو بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں آتا رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو رہے اور جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لانے لگے تو میں سخت پریشان تھا کہ اب کیا کروں۔ میں غلط حیلے سوچنے لگا تا کہ آپ کے عتاب سے محفوظ رہ سکوں چنانچہ ہر ایک سے رائے لینے لگا اور جب معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ تشریف لا چکے ہیں تو اب غلط سوچ بچار سے میں دست بردار ہو گیا۔ اب میں نے اچھی طرح معلوم کر لیا کہ میں کسی حیلے بھی نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ سچ کہنے کا ارادہ کر لیا۔ نبی ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو سب سے پہلے مسجد گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں کے ساتھ مجلس کی۔ اب جنگ میں شریک نہ رہنے والے آ آ کر عذر و معذرت کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے' ایسے لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی۔ نبی ﷺ بحکم ظاہر ان کی بات قبول کئے جا رہے تھے اور ان کی کوتاہیوں کے لئے طلب مغفرت کر رہے تھے لیکن ان کے دلوں کے بھیدوں کو اللہ کے حوالے کر رہے تھے۔ میری باری آئی میں نے آ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے غضب آگیں تبسم فرمایا' پھر مجھ سے کہا یہاں آؤ! میں سامنے جا بیٹھا۔ مجھ سے فرمایا تم کیوں رک رہے کیا تم نے تیاری جہاد میں خریداری نہیں کر لی تھی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں اس وقت آپ کے سوا کسی اور سے بولتا تو ایسے معقول عذرات پیش کر سکتا کہ ان کو قبول کرتے بنتی کیونکہ مجھے بحث و تکرار و معذرت کرنا خوب آتا ہے لیکن اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ اس وقت تو جھوٹی بات بنا کر میں آپ کو راضی بنا لوں گا۔ لیکن جلد تر ہی اللہ آپ کو مجھ سے ناراض بنا دے گا' اور اگر میں نے سچ سچ کہدیا تو حسن عاقبت کی مجھے اللہ کی طرف سے امید ہو سکتی ہے۔

اے نبی ﷺ اللہ کی قسم میں کوئی معقول عذر نہیں رکھتا تھا میرے پاس عدم شرکت جنگ کا درحقیقت کوئی حیلہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں یہ تو سچ کہتا ہے۔ اچھا تو اب چلے جاؤ اور انتظار کرو کہ اللہ تمہارے بارے میں کیا حکم فرماتا ہے۔ چنانچہ میں چلا گیا۔ بنی سلمہ کے لوگ بھی میرے ساتھ اٹھے اور ساتھ ہو لئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے تمہیں پہلے کبھی کوئی خطا کرتے نہیں دیکھا ہے۔ دوسرے لوگوں نے جیسے عذرات پیش کر دیئے تم نے حضور ﷺ کے سامنے کچھ بھی عذر نہیں کیا ورنہ نبی ﷺ نے دوسروں کے لئے جیسے استغفار کیا تھا تمہارے لئے بھی حضور ﷺ کا یہ استغفار کافی ہوتا۔ غرض یہ کہ لوگوں نے اس بات پر اس قدر زور دیا کہ میں نے ایک بار یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ پھر واپس جاؤں اور کوئی عذر تراشدوں لیکن میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ میری طرح کیا کسی اور کی

بھی صورت حال ہے؟ کہا ہاں تمہاری طرح اور دو آدمی ہیں کہ سچ سچ کہدیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں۔ کہا گیا مرارہ بن الربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ کہا گیا کہ یہ دونوں مرد صالح ہیں' بدر میں شریک تھے اب میرے سامنے ان کا نقش قدم تھا اس لئے میں دوبارہ حضرت ﷺ کے پاس نہ گیا۔ اب معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ نے ہم تینوں سے سلام کلام کرنے سے لوگوں کو ممانعت کر دی ہے اور لوگوں نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے اور ہم سے ایسے بدل گئے ہیں کہ زمین پر رہنا مجھے بوجھ معلوم ہونے لگا۔ ہم پر اس ترک تعلقات کے پچاس دن گزر گئے۔ ان دونوں نے تو منہ چھپا کر خانہ نشینی ہی اختیار کر لی روتے بیٹھے رہے' میں ذرا سخت مزاج تھا قوت برداشت تھی۔ جا کر جماعت کے ساتھ برابر نماز پڑھتا تھا بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بولتا نہ تھا۔ حضرت ﷺ کے پاس آتا' حضرت ﷺ تشریف فرما رہتے میں سلام کرتا اور دیکھتا کہ جواب سلام کے لئے حضرت ﷺ کے ہونٹ ہلتے ہیں کہ نہیں۔ پھر آپ کے قریب ہی نماز پڑھ لیتا۔ کنکھیوں سے آپ کو دیکھتا میں نماز پڑھنے لگتا تو آپ مجھے دیکھتے' میں آپ کی طرف متوجہ ہو جاتا تو نظر پھیر لیتے۔ جب اس بائیکاٹ کی مدت لمبی ہی ہوتی گئی تو میں ابو قتادہ کے گھر کی دیوار پھاند کر ان کے یہاں گیا وہ میرے چچازاد بھائی تھے میں انھیں بہت چاہتا تھا۔ سلام کیا تو واللہ انھوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ! تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ کو اور رسول اللہ کو دوست رکھتا ہوں۔ وہ سن کر خاموش ہو گئے۔ میں نے اللہ کی قسم دے کر بات کی۔ پھر کچھ نہ بولے۔ میں نے پھر قسم دی' کچھ بھی نہ کہا لیکن انجان پن سے بولے' اللہ کو اور رسول اللہ کو علم ہے۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا پھر دیوار پھاند کر واپس ہو گیا۔

ایک دن میں بازار مدینہ میں گھوم رہا تھا کہ شام کا ایک قبطی جو مدینہ کے بازار میں کھانے کی کچھ چیزیں بیچ رہا تھا لوگوں سے کہنے لگا کہ کعب بن مالک کا کوئی پتہ دے۔ دو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا وہ میرے پاس آیا اور شاہ غسان کا ایک مکتوب میرے حوالے کیا۔ میں چونکہ پڑھا لکھا تھا۔ پڑھا تو لکھا تھا کہ۔

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے۔ اللہ نے تم کو کوئی معمولی آدمی تو نہیں بنایا ہے تم کوئی گرے پڑے نہیں ہو' تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تم کو نوازیں گے۔''

میں نے یہ پڑھ کر کہا' پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی۔ یہ تو نئی مصیبت آ پڑی۔ میں نے اس منشور کو آگ میں جھونک دیا اور جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے تو حضرت ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس آیا اور کہا حضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اپنی عورت سے بچھڑے رہو۔ میں نے پوچھا کیا حکم ہے کہ طلاق دیدوں؟ کہا نہیں صرف الگ رہو' قربت نہ کرنا' اور کہا کہ دوسرے دونوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی عورت سے کہہ دیا کہ میکے چلی جاؤ حتی کہ اللہ کا کوئی اور حکم پہنچے۔ ہلال بن امیہ کی عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور عرض کرنے لگی یارسول اللہ! ہلال ایک شیخ ضعیف ہے اس کی خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں اگر میں انکی خدمت میں لگی رہوں تو آپ نامنظور تو نہ کریں گے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا اچھا لیکن وہ تم سے قربت نہ کرے۔ کہنے لگی اس غریب کو تو ہلنا جلنا مشکل ہو گیا ہے۔ آپ کی ناراضی کے دن سے آج تک لگاتار روتا رہتا ہے۔ میرے گھر والوں میں سے ایک نے کہا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی عورت سے خدمت لینے کی اجازت حاصل کر لو جیسے کہ ہلال کو اجازت مل گئی۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں اس بات کی حضرت ﷺ سے درخواست نہ کروں گا نہ معلوم حضرت ﷺ کیا فرمائیں میں تو جوان آدمی ہوں مجھے کسی سے خدمت لینے کی ضرورت نہیں اب ہم نے اور دس دن گزارے اور لوگوں کے اس قطع تعلق کو پچاس دن گزر گئے پچاسویں دن کی صبح اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ کر میں اس حال میں بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں فرمایا ہے یعنی میری جان مجھ پر بھاری معلوم ہو رہی تھی یہ وسیع دنیا مجھے تنگ محسوس ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑی پر سے ایک پکارنے والے کی آواز میرے کان میں پڑی کہ وہ بلند آواز میں چیخ رہا تھا کہ ''اے کعب بن مالک! خوش ہو جا''۔ میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اللہ نے اب میری توبہ قبول کر

لی' مصیبت کا زمانہ گزر گیا۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اطلاع سنا دی کہ اللہ نے ان تینوں کی توبہ قبول کر لی ہے۔ لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے دوڑے ان دونوں کے پاس بھی گئے اور میرے پاس بھی ایک سوار تیز گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن پہاڑی پر چڑھ کر آواز دینے والا زیادہ کامیاب رہا کہ جلد تر مجھے خبر مل گئی' کیونکہ گھوڑے کی رفتار سے آواز کی رفتار تیز تر ہوتی ہے۔ چنانچہ جب وہ شخص مجھ سے ملا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اس خوشخبری دینے کے صلے میں اپنے کپڑے اتار کر میں نے اسے پہنا دیئے۔ واللہ میرے پاس اس وقت دوسرا جوڑا نہیں تھا۔ میں نے اپنے لئے مستعار کپڑے لیکر پہن لئے۔ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس جانے کے ارادے سے نکلا۔ لوگ مجھ سے راہ میں جوق در جوق ملتے اور مجھے مبارک باد دیتے جاتے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو نبی ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبید اللہ دوڑ پڑے' مجھ سے مصافحہ کر کے مبارک باد دی۔ مہاجرین میں سے کسی نے ان کے سوا یہ اقدام نہیں کیا تھا۔ کعب نے طلحہ کے اس خلوص کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ کہنے لگے خوش ہو جاؤ جب سے تم پیدا ہوئے ایسی خوشی کا دن تم پر نہ آیا ہوگا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ فرمانے لگے اللہ کی طرف سے نبی ﷺ جب خوش ہو جاتے تو آپ کا چہرہ چمک اٹھتا تھا گویا چاند کا ٹکڑا ہے اور آپ کی خوشنودی آپ کے چہرہ ہی سے ظاہر ہو جاتی۔ میں نے حضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! میری قبولیت توبہ کی یہ برکت ہونی چاہئے کہ میں اپنا سارا مال و متاع اللہ اور رسول اللہ کی راہ میں لٹا دوں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں کچھ رکھو اور کچھ صدقہ کر دو یہی بہتر صورت ہے۔ میں نے کہا کہ خیبر سے جو حصہ مجھے ملا تھا وہ میں اپنے لئے رکھ لیتا ہوں' یا رسول اللہ! سچائی کی برکتوں کے سبب اللہ نے مجھے نجات بخشی' اللہ کی قسم میں نے جب سے کہ حضرت ﷺ سے راست گوئی کا ذکر کیا پھر کبھی جھوٹ نہیں بولا' اللہ سے دعا ہے کہ وہ آئندہ بھی کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بلوائے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ ﴾ (الی آخرہ) کے بارے میں کعب ؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اللہ کی اس سے بڑی نعمت مجھ پر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے مجھے حضرت ﷺ کے سامنے سچ سچ کہہ دینے کی توفیق بخشی ورنہ میں بھی ایسا ہی ہلاک ہو جاتا جیسا کہ حضرت ﷺ کے سامنے دوسرے جھوٹ موٹ بولنے والے آخرت کی زندگی کے لحاظ سے تباہ ہو گئے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے ﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ ﴾ یعنی جب تم ان کیطرف واپس ہوئے تو قسمیں کھا کھا کر یہ لوگ تم سے بولتے ہیں تاکہ تم ان سے اعراض کر جاؤ' ہاں اعراض کر جاؤ' ان کے دل ناپاک ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے کیونکہ انھوں نے کیا ہی ایسا۔ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی بنا لیں۔ اگر تم ان سے دھوکا کھا کر راضی بھی ہو گئے تو کیا ہوا اللہ تو ان بدکاروں سے راضی نہ ہوگا۔

یہ آیت پڑھنے کے بعد کعب ؓ کہتے ہیں کہ ہم تین لوگوں کا فیصلہ ان لوگوں سے پیچھے ڈال دیا گیا تھا جن لوگوں نے کہ جھوٹی قسمیں کھالی تھیں اور حضرت ﷺ کو یہ ظاہر مان کر ان کی بیعت قبول کر لینی پڑی تھی اور ان کے لئے استغفار بھی کیا تھا لیکن ہمارا فیصلہ حضرت ﷺ نے روک دیا تھا حتی کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ﴾ ۔ یہ ہمیں پیچھے ڈال دینا اس سے مراد ہمارا فیصلہ پیچھے ڈال دینا ہے نہ یہ کہ ہم شرکت جنگ سے پیچھے ڈال دیئے گئے تھے۔ یہی حدیث صحیح اور ثابت ہے اور متفق علیہ ہے۔ بخاری اور مسلم نے بھی حدیث زہری سے اسیطرح روایت کی ہے۔ یہ حدیث باحسن وجوہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کر رہی ہے۔ سلف میں سے تقریباً سب نے اسی طرح تفسیر کی ہے چنانچہ جابر ابن عبد اللہ ؓ کا بھی اس آیت سے متعلق یہی قول ہے کہ یہ کعب بن مالک ؓ اور ہلال ؓ بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں۔ یہ سب انصاری تھے۔ اور یہی کہا ہے مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہ نے۔ سب نے مرارہ بن ربیع کہا ہے اور مسلم میں ابن ربیعہ لکھا ہے۔ لیکن بعض نسخوں میں مرارہ بن ربیع بخاری مسلم میں مرارہ بن ربیع لکھا ہے اور روایت

بھی یہی ہے اور وہ جو کہا گیا ہے کہ دوسرے دونوں بدر میں شرک تھے یہ زہری کی غلطی سمجھی گئی ہے اس لئے کہ ان تینوں میں سے کوئی بھی شریک غزوہ بدر نہ تھا' واللہ اعلم۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی کشائش کا ذکر فرمایا جس میں انھوں نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے پچاس دن گزارے تھے اور ان کی جانیں اور ان کی دنیا ان پر تنگ ہو گئی تھی' باہر آنا جانا تک ان کا رک گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کریں' سوا اس کے کہ صبر کریں اور اپنی ذلت و استکانت پر راضی رہیں۔ لیکن حضرت ﷺ کے سامنے سچ بولنے کے سبب اور کوئی عذر پیش نہ کرنے کے سبب اللہ نے ان پر کشائش فرمائی اور کچھ عرصہ تک انھیں مبتلائے عذاب رکھنے کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس لئے فرمایا ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ یعنی اے ایمان والو سچ کو لازم قرار دے لو تو مہالک مصائب سے بچ جاؤ گے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ فقط سچ بولا کرو کیونکہ سچ نیکی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے۔ جو آدمی سچ بولتا رہتا ہے وہ اللہ کے دفتر میں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بالکل دور رہو۔ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچاتا ہے۔ آدمی جب جھوٹ ہی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اللہ کے دفتر میں جھوٹا لکھدیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں درج ہے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جھوٹ نہ سنجیدگی کے طور پر بول سکتے ہیں نہ دل لگی کے طور پر۔ چاہتے ہو تو پڑھو ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾۔ پھر کہا کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ کوئی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مع الصادقین سے مراد محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ مراد ہیں۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ تم صادقین کے ساتھ ہونا چاہتے ہو تو دنیا سے زہد اختیار کرو اور لوگوں سے میل جول کم کرو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۟ۙ﴿۱۲۰﴾

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش میں' ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں' یہ اس سبب سے ہے کہ انکو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

رسولؐ کا ساتھ دینے والوں کی حدیث پیچھے رہنے والوں کی مذمت: غزوہ تبوک میں اہل مدینہ کے جو عرب قبائل شرکت جہاد سے باز رہے تھے اور جو مشقت جنگ کہ نبی ﷺ کو پہنچی تھی اس میں ہمدردی اور اشتراک عمل کے بجائے آرام طلبی اختیار کی تھی ان پر اللہ پاک عتاب فرماتا ہے کہ انھوں نے اجر سے اپنے کو محروم کر دیا۔ انھوں نے نہ پیاس کی تکلیف اٹھائی نہ رنج و تعب پہنچا نہ بھوک سے سابقہ پڑا اور نہ اس موقف میں آئے کہ کافروں کو خوف زدہ کر دیں اور نہ کافروں پر غلبہ اور ظفر کا شرف حاصل کیا۔ لیکن جنھوں نے یہ سختیاں جھیلیں وہ اپنے ارادے اور عمل ذاتی کی بنا پر تھیں فطری اور جبری نہیں تھیں اس لئے اللہ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو کبھی ضائع نہ ہونے دے گا۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴾

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾

اور جو کچھ چھوٹا بڑا انھوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرتے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا نیک بدلہ: ارشاد ہوتا ہے کہ یہ غازی لوگ اللہ کی راہ میں چھوٹا بڑا خرچ بھی کرتے ہیں اور کفار سے جنگ کے لئے جنگل کا تھوڑا سا راستہ بھی طے کرتے ہیں تو اس کا اجر انھیں ضرور ملتا ہے۔ یہاں ﴿ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ فرمایا گیا اور گزشتہ آیت میں ﴿ كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ ﴾ اس بہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ نفقہ یا یہ مشی الی الاعداء ان کا اپنا ذاتی فعل ہے اسی لئے آیت شریفہ میں ﴿ ما كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ فرمایا گیا اور آیت سابقہ میں اللہ کی راہ کے اندر بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف یہ من جانب اللہ تھی۔ اس لئے نہ بہ لایا گیا نہ عمل کو ان کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ نے اس آیت کریمہ سے ﴿ حظ ﴾ وافر اور نصیب عظیم حاصل کیا کیونکہ اس غزوہ تبوک میں انھوں نے لشکر کو اپنے نفقات جلیلہ اور اموال جزیلہ عنایت کئے ہیں۔ ابن خباب السلمی ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا اور اس جیش عسرت کی مدد کرنے کے لئے قوم کو ابھارا' تو حضرت عثمان ؓ نے کہا کہ میرے ذمہ سو اونٹ مع پالان کجاوے اور پائے بندوں کے۔ حضرت ﷺ نے دوبارہ قوم سے چندہ مانگا' تو عثمان ؓ نے کہا اور سو اونٹ مع پالان و کجاوے وغیرہ کے۔ نبی ﷺ نے منبر پر سے ایک سیڑھی اتر کر پھر فرمایا کہ' اے لوگو اور مدد کی ضرورت ہے۔ تو عثمان ؓ نے کہا اور سو اونٹ مع ساز و سامان کے۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ خوشی سے اپنے ہاتھ کو یوں ہلا رہے ہیں (عبدالصمد آخری راوی نے یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ ہلائے) اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب عثمان پر کوئی آنچ نہیں چاہے جو عمل کرے۔ پھر عثمان ؓ حضرت محمد ﷺ کے پاس ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی لے آئے کہ جیش عسرت کی اس سے تیاری فرمایئے اور نبی ﷺ کی گود میں یہ رقم ڈال دی۔ نبی ﷺ ان اشرفیوں کو حرکت دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آج سے عثمان کو اس کا کوئی عمل ضرر نہیں پہنچائے گا یہی ایک عمل اس کی نجات کے لئے کافی ہے اور آپ خوشی سے بار بار اس رقم کو ہلا رہے تھے۔ قتادہ ؒ نے قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا يَقْطَعُوْنَ ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ کی راہ میں سفر کرتے ہوئے لوگ جتنا دور ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی اللہ کی قربت میں بڑھتے جاتے ہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں' سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔

جہاد فرض کفایہ ہے پنز دین میں تفقہ کی اہمیت: اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ غزوہ تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ کوچ کرنے کا جب لوگوں نے ارادہ کیا' تو سلف کی ایک جماعت کا یہ خیال ہوا کہ رسول ﷺ جب جنگ کے لئے نکلیں تو ہر مسلمان پر کوچ کرنا واجب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ یعنی ہلکے اور لدے ہوئے نکل پڑو۔ اور یہ بھی

اللہ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کو کوئی حق نہیں کہ جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے رہ جائیں (آخر تک) اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے ذریعہ اوپر والی آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ تمام قبائل کے سفر کرنے یا کسی قبیلہ میں سے بعض کے سفر کرنے سے جب کہ سب نہ نکلیں' مراد الٰہی یہ ہے کہ سفر پر نہ جا کر نبی ﷺ کے ساتھ رہنے والے ہر اترنے والی وحی کو لکھ لیں اور یاد رکھ لیں اور جنگ کر کے واپس آنے والے لوگوں کو احکام الٰہی بتائیں اور سفر سے واپس آنے والے یہ بتائیں کہ دشمن کے ساتھ کیسی گزری اور کفار کے کیا حالات ہیں۔ اب اس معینہ سفر میں دو باتیں جمع ہو گئیں۔ ایک سفر معینہ ان لوگوں کا جو جہاد پر جا رہے ہیں دوسرے ان لوگوں کا قیام جو تفقہ کی غرض سے حضرت ﷺ کے پاس ٹھہر گئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہیں یا چند لوگ نہ کریں تو چند لوگوں کا ضروری اور فرض ہے۔ ابن عباسؓ نے بتایا ہے کہ ﴿ مَاكَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ﴾ کی آیت میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ مومنین کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب نبی ﷺ کے پاس سے چلے جائیں اور نبی ﷺ کو تنہا چھوڑ دیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ جائیں تاکہ باقی حضرت ﷺ کے پاس دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب واپس لوٹیں تو اپنی قوم کے پاس جا کر انھیں آگاہ کریں اور اللہ سے ڈرائیں اور جب تک حضرت ﷺ اجازت سفر نہ دیں' نہ جائیں۔ اور ان جماعتوں کے غیاب کے زمانہ میں جو قرآن اترا ہے ان کو حضرت ﷺ کے پاس رہ جانے والے لوگ واقف کرا دیں اور کہیں کہ اللہ نے نبی پر یہ قرآن نازل کیا تھا۔ ہم نے سیکھ لیا اب تم سفر سے واپس آئے ہو تم بھی سیکھ لو اور پھر اب کے دوسری جماعتیں بھیجی جائیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر سکیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب نبی میں سے ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو سیکھ کر اپنے دیہات میں چلے گئے وہاں لوگوں سے مفادات حاصل ہوئے' راحت و آرام ملا۔ مال بھی کمایا اور لوگوں میں تبلیغ دین بھی کی۔ لیکن لوگ ان سے کہنے لگے کہ تم نے نبی ﷺ اور اصحاب کا ساتھ چھوڑ دیا ہمارے پاس آ گئے نبی ﷺ کی صحبت سے ہٹ گئے۔ تو وہ اپنے دلوں میں کوفت محسوس کرنے لگے' وہ سب دیہات سے نبی ﷺ کے پاس آئے' اسی چیز کی صفائی میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ کیا حرج ہے اگر ایک جماعت چل کھڑی ہو تر فہ بھی حاصل کرے نبی ﷺ کے ساتھ رہ کر استماع حدیث و وحی بھی کرے اور دیہات میں جا کر لوگوں کو اللہ سے ڈرائے بھی' کیا عجب کہ ان کی ہدایت ہو جائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر اتری ہے جب کہ حضرت ﷺ نے لشکر کشی کے لئے فوج بھیجی تھی' اللہ نے انھیں اس بات کے لئے مامور رکھا کہ نبی ﷺ کے ساتھ لڑیں لیکن دوسری جماعت رسول ﷺ کے ساتھ رہے تاکہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور ایک دوسری جماعت اپنے قبیلہ خاندان میں دیہات کی طرف چلی جائے اور اللہ کے عذاب سے انھیں ڈرائے۔ جو عذاب کہ ان سے پہلے کی قوموں پر نازل ہوا تھا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بذات خود جنگ کے لئے نکلیں تو اہل عذر کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ پیچھے رہ جائے' اور اگر آپ بذات خود نہ جائیں بلکہ لشکر بھیج دیں تو اب آپ کی اجازت کے بغیر کوئی لشکر میں شریک نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی حضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے لشکر کے ساتھ چلا جائے اور اس کے غیاب میں جو وحی اتری ہو اور نبی ﷺ نے اپنے پاس کے پس ماندہ لوگوں کو سنا دیا ہو تو جب یہ سریہ سے لشکر واپس آ جائے تو یہ ٹھہرے ہوئے انھیں سنا دیں کہ تمہارے جانے کے بعد یہ وحی اتری ہے اور انھیں بھی دین میں تفقہ پیدا کرا دیں۔ سب کے سب نہ چلے جانے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر بھیج دیا ہو اور خود قیام فرما ہوں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ﴾ والی آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر پر قحط کی بددعا فرمائی اور سب قحط زدہ ہو گئے تو سب مدینے آ کر قیام کرنے لگے اور جھوٹ موٹ اپنے کو مسلمان بتانے لگے۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ پر ان کی مہمان داری بار ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ وحی رسول ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ یہ درحقیقت مسلمان نہیں ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے انھیں اپنے اپنے قبائل میں واپس کر دیا اور دوبارہ ایسا کرنے کے بارے میں تحذیر فرما دی۔ چنانچہ فرمایا ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ اس آیت کے بارے میں ابن

عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کے ہر قبیلے سے لوگ جوق در جوق حضرت ﷺ کے پاس آنے لگے یہ لوگ آپ ﷺ سے امور دین پوچھتے' تفقہ حاصل کرنا چاہتے یہ اور حضرت نبی ﷺ سے پوچھتے کہ ہمیں کیا خدمت انجام دینے کا حکم ہوتا ہے اور کہتے کہ ہم اپنے قبائل میں جائیں تو کیا کریں' تو آنحضرت ﷺ انھیں طاعت اللہ اور طاعت رسول اللہ ﷺ کی تلقین کرتے اور کہتے کہ اپنے لوگوں میں جا کر صلوۃ اور زکواۃ کو پھیلاؤ' وہ اپنی قوم میں آکر صاف کہدیتے کہ اگر اسلام لاتے ہو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ نہیں اور انھیں اللہ سے ڈراتے حتیٰ کہ ایسا ہدایت یافتہ شخص اپنے کافر ماں باپ سے بھی قطع تعلق کر لیتا۔ اور نبی ﷺ ان کو آگاہ کرتے اللہ سے ڈراتے اور وہ لوگ جب اپنے لوگوں میں واپس جاتے تو انھیں دین اسلام کی طرف بلاتے' نار دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی بشارتیں دیتے' عکرمہؒ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو منافقین کہنے لگے کہ اب تو وہ دیہاتی مسلمان ہلاک ہو گئے جو حضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نہیں نکلے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے حالانکہ وہ لوگ تو اصحاب نبی ﷺ میں سے وہ لوگ تھے جو اپنی قوم کو دین سکھانے کیلئے گئے ہوئے تھے اور عدم شرکت جنگ کا سبب یہ مقصد بنا ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ یہی لوگ جنگ کے لئے کیوں جائیں۔ بعض لوگ دوسروں کو دین سکھانے کے لئے رہ کیوں نہ جائیں اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ ﴾ حسن بصری کہتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جو جنگ کے لئے گئے ہیں جب اپنے لوگوں میں واپس آئیں تو جنگ کے نتیجہ میں انھوں نے کفار پر جو اپنا غلبہ دیکھا اور اسلام کی شان در فتح دیکھی ہے اس سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

جہاد کا ایک اہم اصول قریب سے جہاد شروع کرنا ہے: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے لڑو تو پہلے ان لوگوں سے لڑو جو مرکز اسلام سے قریب تر ہیں۔ اسی لئے حضرت ﷺ نے مشرکین سے جنگ شروع کی تو جزیرۃ العرب سے ابتداء کی مکے مدینے' طائف' یمن' یمامہ' حجر' خیبر' حضر موت' غرض یہ کہ جزیرۃ العرب کے اور دوسرے اقالیم کو پہلے فتح کر لیا اور مسلمان بنالیا اور عرب کے قبائل دین اسلام میں جوق در جوق شامل ہونے لگے تو اب اہل کتاب سے جنگیں شروع ہونے لگیں اور روم سے جنگ کا ارادہ ہو گیا۔ یہ لوگ جزیرہ عرب سے قریب رہنے والے ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ دعوت اسلام کی سب سے پہلے انہیں سے ابتدا ہو' اور اس لئے بھی کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ لیکن تبوک تک پہنچ کر آگے نہ بڑھے واپس ہو گئے' کیونکہ لوگوں میں تنگ حالی' قحط' ناساز گاری حالات تھی۔ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ سہ ۱۰ھ میں نبی ﷺ حجۃ الوداع کی مصروفیت رکھتے تھے اور حجۃ الوداع سے اکیاسی دن بعد نبی ﷺ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ ﷺ کے قائم بالامر آپ ﷺ کے وزیر حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوئے۔ اس انقلاب ناگزیر کے وقت دین میں ایک تزلزل سا آگیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صدیقؓ کے ذریعہ دین کو پھر استقامت عطا فرمائی۔ آپؓ نے دین کو مضبوط کر دیا' اس کے دعاوی ثابت ہو گئے اور مرتد لوگوں کو پھر دین کی طرف واپس لے آئے۔ جنھوں نے زکواۃ دینے سے انکار کیا تھا ان کو زکوۃ ادا کرنا پڑا۔ جو مسائل دین سے ناواقف ہو گئے تھے ان کو واقف کر دیا گیا اور رسول ﷺ سے متعلق جو فرائض تھے ان کی تکمیل کی۔ پھر اسلامی لشکر کو روم کی طرف بھیجا جو صلیب پرست تھے اور اہل فارس کی طرف بھی جو آتش پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ

کی برکت سے ان ممالک پر فتح بخشی اور کسریٰ' قیصر اور ان کے مذہبوں کو ذلت نصیب ہوئی۔ اور ان دونوں ملکوں نے جو خزانے جمع کر رکھے تھے ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے خبر دے دی تھی۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کی تکمیل آپ ﷺ کے وصی حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر صدیق ؓ کے جانشین عمر بن خطاب ؓ نے تکمیل کی۔ عمر ؓ کے ذریعہ ان کفار ملحدین کو بڑی ذلت پہنچی۔ حضرت عمر ؓ نے منافقین اور سرکشوں کا قلع قمع کیا اور ان کی ساری سلطنتوں پر شہر قاغر با غالب آگے اور قریب و بعید تمام ملکوں کے خزائن و اموال مرکز اسلام میں کھنچ آئے اور یہ ساری دولت حسب احکام شرع مستحق لوگوں میں اور واجبی امور میں صرف کی گئی۔ حضرت عمر ؓ زندہ رہے تو نیک نام رہے' اور مر گئے تو شہید مرے۔ اب مہاجرین و انصار نے بالاتفاق امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ کو خلیفہ بنایا۔ عثمان ؓ کے زمانہ میں اسلام کو بڑی زینت و نیک نامی حاصل رہی اور تمام دنیا میں انسانوں پر حجت اسلام غالب آ گئی۔ انھیں کے زمانہ میں مشرق و مغرب سب جگہ اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ کلمۃ اللہ کا رعب ہر جگہ کے انسانوں پر چھا گیا اور ملت حنیفیہ نے اعداء اللہ پر غلبہ کامل حاصل کر لیا۔ کبھی کسی قوم پر مسلط ہوئے اور کبھی کسی اور پر یا ایسی قوم پر جو ان کافروں اور سرکشوں سے جوڑ توڑ رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت تھا کہ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ اور ﴿ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ﴾ یعنی کافروں سے قتال میں نہایت سختی کا برتاؤ کرو اس لئے کہ مومن کامل وہ ہے جو اپنوں پر شفیق ہو اور کافروں پر سخت گیر ہو۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿ سَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ الآیہ ﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ﴾ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں خندہ جبیں بھی ہوں اور قتال کرنے والا بھی ہوں' یعنی دوستوں کے لئے خوش مزاج اور دشمنوں کے ساتھ جنگجو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافروں سے قتال کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور یقین رکھو کہ اگر تم اللہ سے ڈرے اور اس کی اطاعت کی تو اللہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ یہ چیز قرون ثلثہ میں جو اس امت کا بہترین زمانہ گزرا ہے غایت استقامت میں تھی اور یہ زمانہ قیام اطاعت الٰہی کا زمانہ تھا۔ مسلمان ہمیشہ کافروں پر غالب رہے ہمیشہ فتوحات ہوتی رہیں' دشمن ہمیشہ خسارہ اور ذلت میں رہے۔ اور جب بادشاہوں کے درمیان فتنے اور اختلافات بڑھ گئے تو دشمنوں نے اطراف و بلاد پر نظریں ڈالنا شروع کر دی' اسلامی ممالک کی طرف بڑھنے لگے اور ملوک اعداء ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے لگے۔ پھر ایک دوسرے کی مدد سے اسلامی ممالک کے حدود پر چڑھ دوڑے اور مسلمانوں کے بہت سے ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جس کسی اسلامی بادشاہ نے احکام الٰہی کی اطاعت کی' خدا پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ضرور فتوحات عنایت فرمائیں اور کھوئے ہوئے ممالک دوبارہ حاصل کئے جا سکے۔ اللہ سے امید ہے کہ پھر وہ مسلمانوں کو غلبہ دے گا اور ساری دنیا میں توحید کا کلمہ بلند ہو گا۔ اللہ تو فیاض اور کریم ہے۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۲۴ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۲۵

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کسی کے ایمان میں ترقی دی۔ سو جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔

ایمان میں کمی بیشی کے مسئلہ پر اجماع امت ہے: یہ آیتیں اتریں تو منافقین چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ اس سورت نے بھلا ان مسلمانوں کے اندر کونسا مزید ایمان اور مزید خوبی پیدا کر دی۔ تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ ہاں یہ مزید ایمان مسلمانوں کے اندر یقیناً پیدا ہوا ہے اور وہ اس سے خوش بھی ہیں۔ یہ آیت ان بزرگ ترین دلائل میں سے ہے کہ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اکثر علماء خلف و سلف کا مذہب ہے۔ بلکہ اکثر کا یہ قول ہے کہ اس اعتقاد پر اجماع امت ہے اور اول شرح بخاری میں اس مسئلہ پر مبسوط اور طویل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن جن کے دلوں میں مرض ہے ان میں تو اس آیت سے اور شک ہی کے اندر اضافہ ہوتا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ ﴾ یعنی قرآن تو مومنوں کے دلوں کو شفاء بخشتا ہے۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴾ یعنی ایمان داروں کے لئے قرآن ہدایت اور شفا ہے۔ کافروں کے کان تو قرآن کی طرف سے بہرے ہیں' ان کی آنکھیں اندھی ہیں گویا کہ وہ بہت ہی دور سے پکارے جا رہے ہیں کہ سن ہی نہیں سکتے۔ یہ کتنی بڑی بدبختی کی بات ہے کہ جو چیز دلوں کی ہدایت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ ان کی ضلالت و ہلاکت کا سبب بن جائے' جیسے کہ بیمار کو اچھی غذا بھی دیجائے تو نقصان ہی پہنچتا ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار دوبار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں۔ کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں۔

منافقین کی خصلت دیناوی آفات کی باجود وا یمان نہیں لاتے: یہ منافقین کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ سال بھر میں ایک بار یا دوبار فتنوں میں مبتلا کئے جا رہے ہیں پھر بھی اپنے سابقہ گناہوں سے باز نہیں آتے اور اس سلسلہ میں آئندہ جو ان پر گزرنے والا ہے اس سے اندیشہ نہیں کرتے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ منافقین بھوک اور قحط کے فتنوں میں مبتلا کئے جاتے تھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جنگ کی آفت ان کے سر پر پڑتی تھی۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم ہر سال کوئی نہ کوئی جھوٹی افواہیں سنتے ہی رہتے جس سے اکثر لوگ بھٹک جاتے تھے۔ انسؓ سے مروی ہے کہ سختی کا زمانہ بڑھتا جا رہا ہے تنگدلی اور کوتاہ حوصلگی زیادہ ہو رہی ہے ہر سال گزشتہ سال سے بدتر آتا جا رہا ہے۔ مندرجہ بالا آیت منافقین کے بارے میں ہے کہ جب کوئی سورت نبی ﷺ پر نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں تھا۔ پھر وہ حق سے روگرداں ہو جاتے ہیں دنیا میں ان منافقین کا یہ حال ہے کہ نہ حق بات کے سامنے آتے ہیں نہ اس کو سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴾ وقولہ تعالیٰ ﴿ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴾ یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ حق بات سے اعراض کرتے ہیں گویا کہ وہ وحشی جانور ہیں کہ شیروں سے بھاگتے ہیں' سیدھے اور بائیں کھسک جاتے ہیں' حق سے باطل کی طرف جھک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے قلوب کو پھیر دیا ہے کہ نہ اللہ کے خطاب کو سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ پھر اگر روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں' میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

رسول ؐ کی صفات حسنہ کا ذکر جمیل: اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنا احسان ظاہر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارے ہی جنس سے ایک رسول ﷺ بھیجا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ ﴿ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ﴾ اور ﴿ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ اور ﴿ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ﴾۔ جعفرؓ بن ابی طالب نے نجاشی سے' اور مغیرہؓ نے سفیر کسریٰ سے کہا تھا کہ اللہ نے ہم میں ہماری ہی قوم کا ایک رسول بھیجا ہے جس کے نسب سے ہم واقف ہیں' جس کی صفات جانتے ہیں' جس کے اٹھنے بیٹھنے آنے جانے صدق وامانت سب ہی باتوں سے آشنا ہیں' زمانہ جاہلیت سے بھی جس کے خاندان پر کوئی دھبہ نہیں' حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرا سارا نسب بر بناء نکاح' ہاکہیں کسی سفاح زمانہ جاہلیت کی برائی کا شائبہ نہیں۔ آدمؑ کے زمانے سے ابتک میرے آباء واجداد میں کوئی بغیر نکاح نہیں پیدا ہوا۔ قولہ تعالیٰ ﴿ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ ﴾ یعنی امت پر کوئی تکلیف اس کے لئے بہت ہی شاق ہے۔ حدیث میں ہے ﴿ بعثت بالحنیفیہ السّمحۃ ﴾ یعنی آسان دین لے کر آیا ہوا ہوں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ یہ شریعت نہایت آسان اور سہل ہے' اللہ تعالیٰ نے بہت آسان کر کے بھیجا ہے۔ انھیں بڑی تمنا رہتی ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ اور دینوی اور اخروی نفع اندوزی کر سکو۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کہتے تھے کہ حضرت ﷺ نے ہمیں اس قدر معلومات عامہ دی ہیں کہ فرض کرو کوئی پرندہ بھی جو آسمان پر اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی معلومات بخشیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور کرنے والی' کوئی ذرا سی بات بھی ایسی باقی نہ رہی جو میں نے تم کو نہ بتادی ہو۔ حضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ پاک نے ہر حرام اور ناجائز چیز کے متعلق مکمل طور پر تمہیں سمجھادیا ہے' اگر تم اس کے بیان کردہ محرمات سے دور نہ رہو گے تو میں تم کو بتلا دیتا ہوں کہ دوزخ کے شعلوں میں ایسے گرو گے جیسے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس دو فرشتے آئے جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے ایک پائینتی بیٹھ گیا اور ایک سرہانے۔ پائینتی والے فرشتے نے سرہانے والے سے کہا کہ ان کی اور ان کی امت کی کوئی مطابق حال مثال بیان کرو۔ تو وہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی مثال امت کے ساتھ ایسی ہے جیسے لوگ سفر کرتے ہوئے ایک لق ودق جنگل میں پہنچ گئے ہوں' زاد راہ توشہ وغیرہ کچھ باقی نہ رہا ہو' نہ آگے سفر جاری رکھ سکتے ہیں نہ ہی واپس ہونے کی کوئی صورت ہے۔ ایسے میں ایک مرد خوش پوش ان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا میں تمہیں یہاں سے نکال کر ایسے باغوں میں لے چلوں جو سرسبز وشاداب ہوں' نہریں اور حوض ہوں' کیا میرے ساتھ چلو گے؟ وہ بڑی خوشی سے راضی ہو جاتے ہیں۔ وہ انھیں لے چلتا ہے وہ انھیں سرسبز وشاداب باغ میں لے آتا ہے وہ خوب میوے کھاتے ہیں' پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور خوب پھلتے پھولتے ہیں پھر ان سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا نہیں کیا اور کیا تمہیں ایسے سرسبز وشاداب جگہ پر نہیں پہنچایا؟ اب سنو آگے اور باغات ایسے ہیں جو اس سے بھی زیادہ پر بہار ہیں اس سے بھی

کہیں زیادہ شاداب حوض ہیں۔ آؤ تمہیں اب وہاں لے چلوں۔ تو بعض نے کہا تم نے پہلے بھی سچ کہا تھا اور اب بھی سچ کہہ رہے ہو ہم ضرور تمہارے ساتھ ہیں اور بعض نے کہا ہم تو یہیں اچھے ہیں' ہمیں یہی بس ہے آگے کے تعمات کی ضرورت نہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے پیچھے ہی دیوانے ہو گئے ہیں عاقبت کی خبر نہیں لیتے حالانکہ یہاں سے کہیں زیادہ وہاں خوش عیشیاں ہیں۔

ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے مالی مدد مانگی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ خون بہا ادا کرنے کے لئے مدد چاہتی تھی' آپ ﷺ نے اس کو کچھ دیا اور فرمایا' لو میں نے تمہارا کام نکال دیا اور تمہارے ساتھ سلوک کیا۔ اس نے کہا نہیں کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ سن کر بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین غضبناک ہو گئے اور اس پر دست درازی کا ارادہ کیا۔ تو حضرت ﷺ نے اشارہ سے انہیں منع کر دیا۔ حضرت ﷺ اٹھ کر اپنے ٹھکانے پر گئے اور اعرابی کو بلا بھیجا' اور کہا تم نے مانگا اور میں نے دیا اور خیر تم نے جو کہا سو کہا۔ اچھا یہ اور بھی لو۔ اور پھر پوچھا اب بھی میرا سلوک تمہارے ساتھ اچھا رہا یا نہیں۔ اعرابی نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جزائے خیر دے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب تمہاری طرف سے برگشتہ ہوئے ہیں اب تم ان کے سامنے جاؤ تو اس وقت تم نے جو مجھ سے کہا تھا' ان کے سامنے بھی تصدیق کر دو تاکہ ان کے دل کی گرفت نکل جائے۔ کہا اچھا۔ پس جب اعرابی آیا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے آکر سوال کیا تھا' میں نے دیا لیکن اس نے جو کہا تھا تم جانتے ہو' میں نے اسے بلا کر اور دیا ہے اب وہ راضی ہے' کیوں اے بدوی! یہ بات ٹھیک ہے۔ بدوی نے کہا ہاں اللہ آپ ﷺ کو جزا دے۔

حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اور بدوی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی اونٹنی ہو وہ بھڑک گئی' لوگ اس کے پیچھے دوڑے اونٹنی اور بھی متوحش ہو گئی۔ تو اونٹنی والے نے کہا تم اس کو مطیع کرنے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو' میں اس کے انداز سے خوب واقف ہوں میں اس کو نرم کر لوں گا۔ پھر اس نے گھاس لی اور اسے بلایا وہ آ گئی۔ اس کو گھاس کھلا کر پکڑ لیا اور اس پر پالان ڈال دیا۔ اگر اس کے بدتمیزی کی بات کرنے پر میں بھی تمہاری طرح ناراض ہو جاتا تو وہ دوزخی بن جاتا۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے' واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ تعالیٰ ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ چنانچہ اس آیت کریمہ میں بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ جو شریعت عظیمہ کہ تم لائے ہو اگر یہ لوگ اس سے پیٹھ پھیر لیں تو کہہ دو کہ مجھے اللہ کافی ہے میں تم پر نہیں اس پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اللہ ہر شے کا مالک اور خالق ہے وہ رب عرش عظیم ہے۔ اس کا عرش عظیم سقف مخلوقات ہے۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق اس کے عرش تلے ہے ساری مخلوق اس کے قبضہ قدرت میں ہے اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ ابی بن کعب ؓ کہتے ہیں کہ قرآن کی آخری آیت ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ والی آیت ہے اور یہ کہ قرآن کی تمام آیتیں اور سورتیں خلافت ابوبکر ؓ میں قرآن مرتبہ کی صورت میں جمع کی گئیں۔ لوگ لکھتے جاتے تھے اور ابی بن کعب ؓ لکھواتے جاتے تھے۔ جب سورہ براۃ کی اس آیت پر پہنچے ﴿ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ تو یہ گمان کیا گیا کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے تو ابی بن کعب ؓ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد مجھے یہ دو آیتیں بھی سنائی تھیں ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ ﴾ آخر سورت تک' اور کہا کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے اور اسی پر ختم ہے جس سے ابتدا ہوئی تھی۔ یعنی اس اللہ کے نام پر جس کے سوا اور کوئی اللہ نہیں۔ اسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ کے پاس حارث ابن خزیمہ ؓ نے یہ دو آیتیں پیش کی تھیں جو آخر سورہ برات کی ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اس وحی کی شہادت اور کون دیں گے؟ حارث ؓ نے کہا یہ تو مجھے علم نہیں کہ اور کون اس کو جانتا ہے لیکن اللہ کی قسم میں نے خود اس کو نبی ﷺ سے سنا ہے اور اس کو خوب یاد رکھا ہے۔ تو عمر ؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ کم از کم تین آیتیں ہوتیں تو میں اس کو ایک علیحدہ سورت قرار دے دیتا۔ تم اسے قرآن میں کہیں رکھ دو۔ چنانچہ اس کو سورہ براءت کے آخر میں رکھ دیا گیا۔ یہ بات آگے گزر

چکی ہے کہ عمر بن خطاب ؓ ہی نے حضرت صدیق ؓ کو مشورہ دیا تھا کہ قرآن کی ساری آیتوں کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر لینا نہایت ہی قرین مصلحت ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابت ؓ کو جمع قرآن کا حکم دیا۔ وہ قرآن کو جمع اور ترتیب کرتے جاتے تھے اور عمر ؓ بھی وہاں موجود ہوتے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ زیدؓ نے کہا کہ سورہ برات کا آخری حصہ میں نے خزیمہ بن ثابتؓ یا ابی خزیمہؓ کے پاس دیکھا اور یہ بھی ہم نے بیان کر دیا کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے اس کا ذکر نبی ﷺ کے سامنے کیا جیسا کہ خزیمہ بن ثابتؓ نے کہا تھا' واللہ اعلم' ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ جو صبح شام سات بار پڑھ لیا کرے ﴿ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ اسکے سارے کام بنا دے گا اور جو ارادہ کر رہا ہو اس کو پورا کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ صدق دل سے پڑھا ہو یا نہیں۔ لیکن اس جملہ کی زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی اسی طرح مذکور ہے لیکن یہ بھی ناقابل تسلیم ہے' واللہ اعلم۔

سورت برات کی تفسیر ختم ہوئی ﴿وَلِلّٰهِ الحمدو المنة ﴾

تفسیر سورۂ یونس (مکیه)

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔

یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔

تمام انبیاءؑ جنس بشر سے تھے: حرف مقطعات جو سورتوں کے آغاز میں ہوا کرتے ہیں ان پر کلام پہلے گزر چکا ہے اور سورہ بقرہ کے اوائل میں اس پر سیر حاصل تبصرہ ہو چکا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ (الر) سے انا اللہ اری مراد ہے یعنی میں اللہ ہوں' اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ضحاکؒ وغیرہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ یہ قرآن محکم و مبین کی آیتیں ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد توراۃ و زبور ہیں۔ قتادہ کا خیال ہے کہ کتاب سے مراد وہ تمام الہامی کتابیں ہیں جو قرآن سے قبل تھیں۔ لیکن یہ خیال لایعنی سا ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ کفار جو تعجب کرتے ہیں اس پر اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کہ پیغمبر من جنس بشر ہوں' جیسا کہ اللہ پاک نے قرون ماضیہ کے کفار کا قول نقل فرمایا ہے کہ ﴿ اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ﴾ یعنی کیا کوئی بشر ہمیں ہدایت کرے گا؟ یہاں کافروں کی مراد ہودؑ و صالحؑ سے تھی۔ ہودؑ و صالحؑ کہتے ہیں' اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اگر تمہیں میں سے کسی پر وحی بھیجی گئی اور اسے پیغامبر بنایا گیا۔ چنانچہ کفار قریش سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے تو

سارے خداؤں کا ایک اللہ بنادیا۔ اور یہ بڑی ہی عجیب بات ہے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو عربوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ اللہ کی شان تو اس سے بڑی ہے کہ محمد ﷺ جیسے شخص کو رسول بنا کر بھیجے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ﴿ انَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ ﴾ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ قدم صدق سے مراد یہ ہے کہ پہلے ہی بیان پر تصدیق کرنا اور سعادت حاصل کر لینا ہے اور اپنے اعمال کا اجر حسن پانا ہے یہ بالکل اللہ کے اس قول کے مشابہ ہے کہ ﴿ لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا ﴾ یعنی تاکہ انھیں جنگ اور عذاب سخت سے ڈرائے ﴿ قَدَمَ صِدْقٍ ﴾ کے بارے میں مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہیں۔ جیسے صلوٰۃ 'صوم' صدقہ' تسبیح اور شفاعت پیغمبر ﷺ۔ قتادہؒ سلف صدق مراد لیتے ہیں۔ ابن جریرؒ نے مجاہدؒ کی ہم خیالی کرتے ہوئے اعمال صالحہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ﴿ لَهٗ قَدَمُ صِدْقٍ فِي الْاِسْلَامِ ﴾ حسانؓ کا شعر ہے۔

﴿ لنا القدم العليا اليك و خالفنا ﴾ ﴿ لا ولنا فى طاعة الله تابع ﴾

"ہمارے اعمال اور ہمارے طور طریق تمہارے ساتھ سچے ہیں اور طاعت ربانی کے بارے میں ہمارے اخلاف اپنے اسلاف کے تابع ہیں۔"
اللہ فرماتا ہے کہ اس کے باوجود کہ ہم نے انھیں میں سے ایک شخص کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا پھر بھی یہ کافر کہتے ہیں کہ تو کھلا جادوگر ہے۔ یہ کافر بالکل جھوٹے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

بلاشبہ تمہارا اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا نہیں بدون اس کی اجازت کے ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

عرش عظیم اور اللہ کا علم: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم کا پروردگار ہے اس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ کہا گیا ہے کہ یہ دن ہمارے دنوں کے جیسے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہزار سال کا ایک دن تھا' جس کا بیان آگے آئے گا۔ پھر وہ عرش عظیم پر متمکن ہو گیا' اور عرش سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے۔ وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ یا یہ کہ وہ بھی اللہ کا ایک نور ہے۔ اللہ سارے خلائق کا مدبر سرپرست اور کفیل ہے۔ اس کی نگہداشت سے زمین یا آسمانوں کا ایک ذرہ بھی بچا یا چھوٹا نہیں۔ ایک توجہ اس کو دوسری طرف کی توجہ سے نہیں روک سکتی اس کے لئے کوئی بات بھی غلط طور پر باقی نہیں رہ سکتی۔ پہاڑوں' سمندروں' آبادیوں اور جنگلوں کہیں بھی کوئی بڑی تدبیر چھوٹی طرف دھیان سے اس کو نہیں روک سکتی۔ کوئی جاندار بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ ایک چیز بھی حرکت کرتی ہے ایک پتہ بھی گرتا ہے تو وہ اس کا علم رکھتا ہے' زمین کی تاریکیوں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں اور نہ کوئی تر و خشک ایسا ہے جو اس کی لوح محفوظ یعنی کتاب علم میں نہ ہو۔ جس وقت یہ آیت اتری ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ مسلمانوں کو ایک بڑا قافلہ آتا دکھائی دیا معلوم ہو رہا تھا کہ بدوی لوگ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ تو کہا ہم جن ہیں اس آیت کے سبب ہم شہر سے نکل پڑے ہیں۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ یعنی کوئی اس کی اجازت

کے بغیر کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ﴾ اور ﴿ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ﴾ یعنی ان لوگوں نے عبادت کے لئے اللہ ہی کی ذات کو خاص کر لیا ہے۔ اور اے مشرکو! تم عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کو بھی شریک کر لیتے ہو حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پیدا کرنے والا اللہ ایک ہی ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا! تو اعتراف کر لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ اور اگر پوچھو کہ یہ عرش عظیم اور ساتوں آسمانوں کا اللہ کون ہے؟ تو فوراً بول اٹھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تو ان سے پوچھو کہ پھر اس اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو اور شرک کیوں کرتے ہو؟۔

اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ اِنَّہٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَہُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝۴

تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے۔ اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ جزا دے' اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا' اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

کفر کی سزا اور دردناک عذاب: اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ قیامت کے روز مخلوق کا رجوع اسی کی طرف ہوگا ہر متنفس جس کو اسی نے پیدا کیا ہے ضرور وہ پھر اس کی طرف لوٹایا بھی جائے گا۔ کیونکہ جیسے پہلے پیدا کیا تھا دوبارہ بھی اسی کو پیدا کر سکتا ہے اور نیک اعمال کی جزا عدل کے ساتھ دے گا کم نہ کرے گا۔ اور کافروں کو ان کے کفر کے سبب قیامت میں مختلف عذاب دیئے جائیں گے جیسے باد سموم اور آب حمیم کے اور اسی نوعیت کے اور بھی۔ یہ جہنم جسے کافر جھٹلا رہے ہیں اسی میں رات دن ان کا بسیرا ہوگا اور گرم پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پانی پینے کو ملے گا۔

ہُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو (اللہ تعالیٰ) کا ڈر مانتے ہیں۔

چاند سورج ستارے رات دن وغیرہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں: اللہ پاک اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت پر اور عظمت سلطنت پر دلالت کرنے والی کیسی کیسی نشانیاں پیدا کیں۔ جرم شمس سے نکلنے والی شعاعوں کو اس نے تمہارے لئے ضیاء بنایا اور قمر کی روشنی کو تمہارے لئے نور بنایا۔ روشنی شمس الگ قسم کی ہے اور روشنی قمر الگ نوعیت کی ہے' روشنی ایک ہی ہے پھر بھی دونوں میں بڑا فرق ہے ایک روشنی دوسری سے میل نہیں کھاتی۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی۔ اجرام سماوی دونوں' لیکن سورج کے منازل نہیں مقرر کئے اور چاند کے منازل مقرر کئے۔ پہلی تاریخ چاند نکلتا ہے تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے پھر اس کی روشنی بھی بڑھتی جاتی اور جرم بھی بڑھتا ہے حتیٰ کہ کامل ہو جاتا ہے۔ گول دائرہ بن جاتا ہے' اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور پورے ایک مہینے بعد پھر اپنی حالت اول پر آ جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اللہ پاک نے ﴿ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴾ قمر کے لئے ہم نے گھٹاؤ اور بڑھاؤ کے منازل قرار دیئے ہیں کہ وہ گھٹ گھٹ کر پرانی سوکھی ٹہنی کے مانند ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج چاند کو جا پکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے ضابطہ اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ﴾ شمس اور قمر کا اپنا اپنا حساب ہے۔ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ شمس کے ذریعہ دن پہچانے جاتے ہیں اور قمر کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث نہیں پیدا کیا ہے بلکہ خلق عالم میں ایک حکمت عظیمہ پنہاں ہے اور اس کی قدرت پر حجۃ بالغہ ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ﴾ یعنی ہم نے آسمان وزمین وما فیہا کو باطل طور پر نہیں پیدا کیا۔ یہ کافروں کا گمان ہے۔ کافروں پر دوزخ کی ہلاکت ہے۔ اور قولہ تعالیٰ ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کر دیا' عبث پیدا ہو کر تم عبث مر گئے اور پھر ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند و بالا ہے وہ اللہ واحد رب عرش کریم ہے۔

آیات کا مطلب ہے کہ ہم حجت و دلائل کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ اختلاف لیل و نہار کا مطلب یہ ہے کہ دن جاتا ہے تو رات آتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن آتا ہے۔ ایک دوسرے پر غالب آ کر قرار پذیر نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ﴾ رات دن پر چھا جاتی ہے اور دن رات پر چھا جاتا ہے مگر کیا مجال کہ سورج چاند سے جا ٹکر کھائے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ صبح کو پو پھٹتی ہے اور رات سکون سے گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اس بات کی نشانیاں ہیں کہ اس کی قدرت کتنی عظیم ہے جیسا کہ قول الٰہی ہے ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی نشانیاں بھری پڑی ہیں ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کچھ نشانیاں نہیں ہیں اور کافروں کو متنبہ کرنے والے کیا کیا دلائل نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا وہ آسمان و زمین میں ادھر ادھر اپنے آگے اور پیچھے نظر نہیں ڈالتے یہ نشانیاں عقل والوں کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عقاب و عذاب سے بچنے والوں کے لئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

دینادی زندگی پر فریفتہ کفار کا انجام: جو اشقیاء کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملنے کا انکار کرتے ہیں اور ملاقات الٰہی کا ذرا بھی یقین نہیں صرف حیات دنیاوی کے طالب ہیں اور اسی دنیا سے ان کے نفوس خوش ہیں' اس آیت میں یہ انھیں سے متعلق خبر دی گئی ہے۔ حسن ؒ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ان کافروں نے حیات دینوی کو نہ تو زینت دی نہ اس کو مرتفع کیا اور پھر اس حیات سے راضی بھی ہو گئے وہ اللہ کی آیات کو نیہ سے بڑے ہی غافل ہیں۔ ذرا بھی اپنی زیست پر غور و تدبر نہیں کرتے' قیامت کے روز ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ ٹھیک بدلہ ہے ان کے اعمال دنیاوی کا کیونکہ اللہ اور رسول اللہ اور یوم آخرت سے انھوں نے جو انکار کیا اور جو معاصی اور جرائم کہ انہوں نے کئے ان کا اقتضاء یہی تھا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو بوجہ ان کے مومن ہونے کے ان کے مقصد تک پہنچا دے گا ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی چین کے باغوں میں۔ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا' السلام علیکم' اور ان کی اخیر بات یہ ہو گی الحمدللہ رب العالمین۔

جنت سلامتی کا گھر ہے: یہاں ان سعادت مندوں کی خبر دیجا رہی ہے جو ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی' فرماں برداریاں کیں نیک عمل کئے اور یہ وعدہ کیا گیا کہ ان کے نیک اعمال کی بناء پر انھیں ہدایت بخشی جائے۔ یہاں ﴿ بِإِيمَانِهِمْ ﴾ کا (ب) سببیہ ہو سکتا ہے یعنی دنیا میں ان کے ایمان لانے کے سبب قیامت کے روز صراط مستقیم پر اللہ تعالیٰ انھیں سیدھا قائم رکھے گا حتیٰ کہ وہ اس کو طے کر لیں گے اور جنت تک جا پہنچیں گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ (ب) استعانت کا ہو جیسے کہ مجاہد ؒ نے کہا ہے کہ ان کے ساتھ ایک نور ہو گا جس کی مدد سے وہ راستہ چلیں گے۔ اور ابن جریر ؒ کا قول ہے کہ ان کے اعمال ایک اچھے مجسمہ اور ہوائے خوشبودار کی شکل میں ہوں گے اور جب قبر سے اٹھیں گے تو یہ مجسمات حسنہ ان کے آگے آگے چلیں گے اور انھیں ہر طرح کے خیر کی خوش خبری دیتے رہیں گے اور جب وہ نیکوکار پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تمہارے اعمال صالح ہیں اب وہ اس کے سامنے نور بن کر چلتے رہیں گے اور جنت تک اسے لا چھوڑیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ﴿ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ﴾ اور کافر کے اعمال نہایت بدصورت مورتی کی شکل میں ہوں گے اور نہایت بدبودار ہوا کا جسم اختیار کریں گے۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ چپٹے رہیں گے اور دوزخ میں لا گرائیں گے۔ قتادہ ؒ کا بھی یہی قول ہے' واللہ اعلم۔

اہل جنت کا یہ حال ہو گا کہ ان کا خطاب ﴿ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ ﴾ ہو گا۔ ابن جریج ؒ کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس سے کوئی پرندہ اڑتا گزرے گا جس کی خواہش انہیں پیدا ہو گی تو مذکورہ بالا کلمہ زبان پر لائیں گے یہی ان کا بلاوا ہو گا تو ایک فرشتہ ان کے مرغوبات لے کر حاضر ہو جائے گا سلام کرے گا۔ وہ جواب سلام دیں گے۔ چنانچہ فرمایا ﴿ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴾ وہ جب کھا چکیں گے تو اللہ کا شکر اور حمد کیا کریں گے۔ اسی لئے کہا کہ ﴿ آخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ مقاتل ابن حیان کہتے ہیں کہ جب اہل جنت کوئی کھانے کی چیز منگوانا چاہیں گے تو ﴿ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ ﴾ کہیں گے' تو اس کے پاس دس ہزار خادم سونے کے خوان لئے حاضر ہو جائیں

گے کہ ہر خوان میں ایک تازہ تازہ کھانا ہوگا۔ ہر ایک میں سے کچھ نہ کچھ کھائے گا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کوئی چیز مانگے گا تو ﴿ سُبْحَانَكَ ﴾ کہے گا۔ اور یہ آیت ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ﴾ والی آیت کے مشابہ ہے۔ اور قولہ ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴾ وغیرہ یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ' رب پاک ہمیشہ ہمیشہ محمود ہے اور ہمیشہ کا معبود ہے' اسی لئے ابتدائے خلق میں بھی اس نے اپنی ذات کی حمد فرمائی اور اور استمرار حال میں بھی ابتدائے قرآن میں بھی اور ابتدائے تنزیل میں بھی جیسا کہ فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ جس کی شرح احوال بہت طویل وبسیط ہے۔ وہ اول و آخر محمود ہے خواہ دنیا ہو کہ دین ہو' اسی لئے حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح و تحمید سکھائی گئی ہے جیسا کہ نفس کی خواہشات بھی انھیں دی گئی ہیں۔ اور جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان پر بڑھتی جائیں گی یہ تحمید و تسبیح بھی مستزاد ہوتی جائے گی نہ اس کو اختتام ہوگا نہ انقضاء۔ اللہ کے سوا کوئی اور اللہ اور پالنہار نہیں ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿11﴾

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا ہو چکا ہوتا۔ سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے بد دعا نہ کرنا چاہئے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے لطف و حلم کی خبر دے رہا ہے کہ انسان اگر اپنی تنگدلی اور غصہ کے سبب اپنی جان اور مال اور اولاد کو کوستا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بد دعا قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بد دعا کچھ دلی ارادے سے نہیں کی گئی ہے۔ یہ خدا کی عین رحمت و کرم کا اقتضاء تھا۔ لیکن وہ دعا قبول کر لیتا ہے اگر وہ اپنے نفسوں اور مال واولاد کے لئے کریں اور اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انھیں مصیبت پہنچانے میں بھی ایسی ہی جلدی کرے جیسے کہ انسان اپنی خیر کے لئے جلدی کرتا ہے تو اس کے لئے تو نہ آتی موت آجائے۔ لیکن انسان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ بار بار ایسا کہنے لگے اور بد دعائیں دینے کی عادت ہی ڈال لے۔ جیسے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے کو کوس نہ لیا کرو اور نہ اپنی اولاد اور اموال کو بد دعائیں دو۔ کیونکہ کوئی کوئی گھڑی قبولیت دعا کی ہوتی ہے اگر اس وقت بد دعا زبان سے نکل گئی تو کارگر ہی ہو کر رہے گی۔ مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ بد دعا انسان کا قول ہے جو بوقت غضب اپنے یا اپنے اموال و اولاد کے لئے کرتا ہے ایسی صورت میں چاہئے کہ آدمی فوراً یہ کہہ لے ﴿ الهم لا تبارك فيه ﴾ یعنی اے اللہ! اس بات میں برکت نہ دے۔ ورنہ اس کی بات قبول ہو جائے گی تو اسکا تو ناس ہی ہو جائے گا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿12﴾

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی بیٹھے بھی کھڑے بھی' پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی اسکے ہٹانے کے لئے کبھی بھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا' ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں۔

انسان کی احسان فراموشی: اس آیت کے ذریعہ اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ جب انسان کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴾ یعنی مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ سابقہ آیت اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں کیونکہ جب اس کو سختی پہنچتی ہے تو بے تاب اور بے صبر ہو جاتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے مصیبتوں کے بادل ہٹ جانے کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دیتا ہے تو وہ اب اعراض کر جاتا ہے' پہلو تہی کرتا ہے جیسے کبھی اس پر مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس شیوہ کی مذمت فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ بات تو گنہگاروں اور بدکاروں ہی کو زیب دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنھیں ہدایت و توفیق عطا فرمائی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے جو کچھ منجانب اللہ اس پر سرزد ہوتا ہے اس کیلئے خیر ہی بن جاتا ہے۔ مضرت پہنچی اور اس نے صبر کیا تو اجر ملا راحت و مسرت پہنچی اور شکر کیا تو اجر ملا۔ یہ نوازش تو صرف مومن ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿13﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿14﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے جب کہ انھوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے' ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

دیناوی زندگی کی حقیقت: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ سابقہ رسل جب ان کافروں کے پاس بین دلائل اور واضح براہین لے کر آئے تھے اور انھوں نے تکذیب کی تھی تو کیسے ہلاک کر دیئے گئے تھے پھر اللہ پاک نے ان کے بعد اس قوم کو پیدا کیا ہے' اور ان کے پاس اپنا ایک رسول بھیجا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ یہ بھی اپنے رسول وقت کی بات سنتے ہیں یا نہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا بڑی شیریں اور بڑی سرسبز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو سابقہ قوم کا جانشین بنایا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ چاہئے کہ دنیا کی ناجائز خواہشات سے الگ تھلگ ہی رہو اور بڑی بات یہ ہے کہ عورتوں سے بہت محتاط رہو۔ کیونکہ پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل پر آیا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔

ایک دفعہ عوف بن مالک ؓ نے حضرت ابو بکر ؓ سے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ایک رسی آسمان سے لٹکی ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو کھینچ لیا پھر وہ آسمان سے معلق ہو گئی تو اب ابو بکر ؓ نے کھینچ لیا۔ پھر لوگ منبر کے اطراف اس کو ناپنے لگے اور عمر ؓ کے ناپ میں وہ منبر سے تین ہاتھ لمبی نکل آئی۔ وہاں عمر ؓ بھی تھے۔ عمر ؓ نے سن کر کہا "ارے تمہارا خواب چھوڑو بھی' کہاں کا خواب اور ہمیں اس سے کیا واسطہ"۔ لیکن جب عمر ؓ خلیفہ ہوئے تو عوف ؓ سے کہنے لگے' عوف! تم اپنا خواب تو سناؤ' عوف ؓ نے کہا' اب خواب کی کیا پڑی ہے تم نے تو مجھے اس کے سنانے پر جھڑک دیا تھا۔ عمر ؓ نے کہا اللہ تمہارا بھلا کرے میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم نفس صدیق ؓ خلیفہ رسول ﷺ کی خبر مرگ سناؤ۔ پھر عوف ؓ نے خواب بیان کیا حتیٰ کہ جب یہاں تک پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اسے ناپنے لگے۔ تو عمر ؓ نے کہا کہ ایک تو ان تین میں سے خلیفہ تھا یعنی ابو بکر ؓ اور دوسرا وہ جو اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت و ناراضی کی پرواہ نہیں کرتا اور تیسرے ہاتھ پر اختتام کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہید ہوگا۔ عمر ؓ نے کہا' قولہ تعالیٰ ہے ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي

الْاَرْضِ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ اب ہم تم کو خلیفہ بناتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ چنانچہ اے عمر اب تو خلیفہ بنا ہے اور کرتے وقت سوچ کہ کیا کر رہا ہے ﴿ لومة لائم ﴾ سے نہ ڈرنے کا ذکر جو عمرؓ نے کیا وہ احکام الٰہی کے بارے میں تھا' اور لفظ شہید سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے شہادت مقدر ہے اور اسوقت ہے کہ سارے لوگ میرے فرمانبردار ہونگے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لایئے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ ﷺ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ یوں کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اس سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں' پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔

شریعت ساز اللہ کی ذات ہے کوئی نبی بھی ترمیم نہیں کر سکتا: مشرکین قریش میں سے جو سرکش کافر تھے اور جو ہر بات سے انکار اور اعراض کرتے تھے ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ کی کتاب انہیں سناتے ہیں اور دلائل واضح پیش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ جو دوسرے ڈھنگ سے لکھا ہوا ہو۔ اب اللہ پاک اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ بھلا مجھے کیا حق ہے کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں۔ میں تو صرف ایک بندہ مامور ہوں اور اللہ کا پیغام پہنچانے والا ایک قاصد ہوں یہ جو کچھ میں نے تم کو پیش کیا ہے یہ اللہ ہی کی مشیت اور ارادہ سے ہوا ہے۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ پر وحی اترتی ہے اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب قیامت کا سخت خوف ہے۔ اور اس بات کی دلیل کہ یہ میری طرف سے بنائی ہوئی باتیں نہیں ہیں یہ ہے کہ اگر میں بنا سکتا تو تم بھی بنا سکتے حالانکہ تم بھی اس کے بنانے سے عاجز ہو' تو پھر میں کیسے عاجز نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا کلام نہیں ہو سکتا اور پھر یہ کہ تم میری صداقت اور امانت کو اس وقت سے جانتے ہو جب سے کہ میں تمہاری قوم میں پیدا ہوا ہوں اور اب بھی میری صداقت کو جانتے ہو جبکہ میں تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں تم میری صداقت ایمان داری پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتے ہو۔ اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ کہدو کہ میں نے تو ایک لمبی زندگی تمہارے ساتھ گزاری ہے' ارے کیا تم کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ حق اور باطل کو الگ الگ کر سکو۔ اسی لئے جب ہرقل شاہ روم نے ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں سے نبی کے حالات دریافت کئے اور ابو سفیان سے پوچھا کہ کیا کبھی اس کا جھوٹ تم پر ثابت ہو چکا ہے؟ تو ابو سفیان نے کہا نہیں۔ ابو سفیان تو اس زمانے میں کافروں کے سردار اور مشرکین کے قائد تھے لیکن باوجود اس کے حق بات کا انہیں اعتراف کرنا پڑا۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ تو ہرقل نے ان سے کہا کہ جس شخص نے کبھی انسانوں سے معاملہ میں جھوٹ نہ کہا ہو وہ اللہ کے معاملہ میں کیسے جھوٹ کہے گا؟ اور جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی ملک روم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جس کی ذاتی سچائی

اور نسب کی خوبی اور امانت سے ہم خوب واقف ہیں اور نبوت سے پہلے آپ کا قیام ہمارے ساتھ چالیس برس تک رہا ہے۔ سعید بن المسیب ؒ ۴۳ برس تک کہتے ہیں' اور صحیح تر قول اول ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلادے' یقیناً ایسے مجرموں کو اصلاً فلاح نہ ہوگی۔

آقا کا نورانی چہرہ بھی صداقت کی ایک دلیل ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور سرکش کون ہو سکتا ہے کہ جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے' اللہ کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے اور جھوٹ موٹ یہ دعویٰ کر بیٹھتا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گنہگار نہیں ہو سکتا۔ یہ بات تو کسی غبی اور بدھو آدمی سے بھی چھپی ڈھکی نہیں تو دانشمندوں اور انبیاء سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا ہو' اللہ تعالیٰ اس کی نیکو کاری اور بدکاری پر دلائل قائم کر دیتا ہے جو اظہر من الشمس ہوتے ہیں۔

چنانچہ محمد ﷺ اور مسیلمہ کذاب دونوں کو جس نے دیکھا ہے وہ دونوں کا فرق بالکل اسی طرح پہچان سکتا ہے' جیسے کوئی دن چڑھے کی روشنی اور آدھی رات کی تاریکی میں فرق کر لیتا ہے۔ اب دونوں کی خصلتوں' افعال اور کلام کا موازنہ کرو تو صاف طور پر بصیرت ہو جائے گی کہ محمد ﷺ کے قول و فعل میں کس قدر صداقت ہے۔ اور مسیلمہ کذاب اور سجاح اور اسود عنسی میں کس قدر کذب و بے ایمانی ہے۔

عبداللہ بن سلام ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کے آنے پر بڑے خوش تھے۔ خوش ہونے والوں میں میں بھی تھا۔ میں نے پہلی بار آپ ﷺ کو دیکھا تو دل نے گواہی دی کہ ﴿ حاشا و کلا ﴾ یہ نورانی چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے آپ ﷺ کی زبان سے سب سے پہلے جو بات سنی وہ یہ کہ۔

''اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو' اس کی فلاح کی اللہ سے دعا مانگو' غریبوں اور بھوکوں کا پیٹ بھرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو' راتوں میں نماز پڑھو جب کہ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں' تم بلا کھٹکے جنت میں جا پہنچو گے۔

ضمام بن ثعلبہ اپنی قوم بنی سعد بن بکر کی طرف سے جب نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ سے کہا کہ اچھا بتایئے کہ یہ آسمان کس نے اس قدر بلند بنایا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کہا یہ پہاڑ کس نے زمین کے اندر نصب کر دیئے؟ آپ نے فرمایا اللہ نے پھر پوچھا یہ زمین کس نے بچھا دی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر کہا کہ قسم ہے تمہیں اسی کی جس نے یہ اونچا آسمان بنایا' یہ بڑے بڑے پہاڑ زمین میں گاڑے اور اتنی بڑی اور وسیع زمین کو پھیلا رکھا ہے کیا اس نے تم کو سب انسانوں کی طرف رسول قرار دے کے بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اسی اللہ کی قسم کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے۔ پھر آپ ﷺ سے صلوۃ' زکوۃ حج اور صیام کے بارے میں ہر ایک سے متعلق قسمیں دے دے کر پوچھا اور آپ ﷺ اسی اللہ کی قسمیں کھا کھا کر جواب دے رہے تھے۔ تو اس نے کہا پھر تو تم سچے ہو اور جس ذات الٰہی نے تمہیں سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں ان ارکان اربعہ پر نہ زیادہ کروں گا نہ کم' صحیح طور پر عمل کروں گا۔ چنانچہ اس قدر تعمیل اس کے لئے کافی ہوگی اور وہ نبی ﷺ کی صداقت پر ایمان لے آیا۔ کیونکہ اس نے شواہد اور دلائل پا لئے تھے۔ حسان بن ثابت ؓ کہتے ہیں۔

﴿ لو لم تكن فيه آيات مبينة كانت بديهته تاتيك بالخير ﴾

یعنی دلائل اگر آپ ﷺ کے پاس نہ بھی ہوتے تو آپ ﷺ کے چہرہ کی پاکیزگی' سادگی اور معصومیت خود آپ ﷺ کی صداقت وحقانیت کی دلیل تھی۔

لیکن مسیلمہ کو صاحبان بصیرت میں سے جس کسی نے دیکھا وہ اس کے رکیک اقوال' رذیلانہ گفتگو' غیر فصیح کلام اور افعال قبیحہ اور اس کے جھوٹے ادعائی قرآن کو دیکھ کر جو اس کو دوزخ میں لے جا کر چھوڑے گا' یہ نتیجہ نکال لے گا کہ وہ کیسا جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ﴾ اور مسیلمہ کے قول ﴿ یا صفدع بنت ضفد عین. نقی کم تنقین. لا الماء تکدرین و لا الشارب تمنعین ﴾ اے مینڈکوں کی اولاد مینڈک۔ ٹراکتنا ٹراتی ہے' تیرے ٹرانے سے نہ پانی گدلا ہوگا نہ پینے والے باز رہیں گے۔ اور ایک اس ظالم کی وحی یہ ہے کہ

﴿ لقد انعم الله علی الحبلی. اذا خرج منها نسمة تسعی من بین صفاق و حشی ﴾

اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی احسان کیا حاملہ عورت پر کہ ایک زندہ روح کو اس کی جھلی اور آنتوں کے اندر سے نکال باہر کیا اور ﴿ الفیل و ما الفیل و ما ادراك ما الفیل له ذنب قصیر و خرطوم طویل ﴾ ہاتھی' ہاتھی یعنی کیا' کیا تم سمجھے کہ ہاتھی کیا ہوتا ہے اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے اور سونڈھ لمبی ہوتی ہے۔ اور ﴿ والعاجنات عجنا والخابزات خبزا واللاقمات لقما اهالة وسمنا ان قریشا قوم یعتدون. ﴾ قسم ہے آٹا گوندھنے والیوں کی' روٹی پکانے والیوں کی' سالن اور گھی میں لقمے چور چور کر کھانے والیوں کی کہ قریش بڑی ہی ظالم قوم ہے۔ اب حضرت محمد ﷺ کی وحی پاک اور اس کاذب کی خرافات' وہذیانات دونوں پر غور کرو کہ بچے بھی اس کے کلام کا مذاق اڑائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کر دیا اور یوم حدیقہ میں اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کی جماعت پراگندہ ہوگئی اس کے ساتھیوں پر لعنت برسی۔ حضرت صدیقؓ کے پاس اس کے لوگ توبہ کرتے ہوئے آئے اور دین اللہ میں داخل ہونے لگے تو خلیفہ رسول صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا کہ مسیلمہ کا کوئی قرآن تو سناؤ۔ انھوں نے معافی مانگی۔ حضرت صدیقؓ نے اصرار کیا اور کہا ضرور سنانا ہوگا تاکہ اور لوگ بھی سنیں اور انھیں ہدایت وعلم والی جو وحی پہنچی ہے اس کی افضلیت واہمیت کو بعد از موازنہ پہچان سکیں۔ چنانچہ ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے' وہ سنایا۔ صدیقؓ نے ان سے کہا کم بختو تمہاری عقلیں کدھر گئی تھیں اللہ کی قسم یہ تو کسی بیوقوف کی زبان سے بھی نہ نکلے گا۔

کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص مسیلمہ کے پاس آئے' زمانہ جاہلیت میں وہ اس کے دوست تھے۔ اب تک عمرو بن العاص اسلام لائے ہوئے نہیں تھے۔ تو ان سے مسیلمہ نے کہا کے اے عمرو! تمہارے آدمی پر (نبی ﷺ) آجکل کیا وحی اتری ہے تو ابن العاص نے کہا کہ میں نے ان کے اصحاب کو ایک بڑی ہی زبردست سورت لیکن نہایت مختصر پڑھتے سنا ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عمرو نے کہا ﴿ والعصر ان الانسان لفی خسر ﴾ مسیلمہ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہنے لگا مجھ پر بھی ایک ایسی ہی وحی اتری ہے۔ عمرو نے پوچھا وہ کیا ہے تو کہا یاو بر یاو بر انما انت اذنان وصدر وسائرک حقر ونقر اے وبر اے وبر (جانور) تیرے تو کان اور ابھرا ہوا سینہ ہی نمایاں دکھائی دیتے ہیں باقی تمام جسم تو ہیچ پوچ ہے۔ پھر کہنے لگا کیوں عمرو! وحی کیسی رہی؟ تو عمرو بن العاص نے کہا اللہ کی قسم تم آپ جانتے ہو کہ مجھے تمہاری وحی کے کذب کا یقین ہے۔ جب ایک مشرک کا یہ حال ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور مسیلمہ کا کذب اس پر بھی مخفی نہیں' تو صاحبان بصیرت پر یہ بات کب پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اسی لئے اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ ﴾ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر وحی اترتی ہے' حالانکہ اس پر وحی نہیں اترتی ہے یا یہ کہتا ہے کہ پیغمبر کی طرح میں بھی پیغمبر ہوں۔ اور ایسا ہی وہ شخص بھی بڑا جھوٹا ہے جو پیغمبروں کی پیش کی ہوئی وحی کو جھٹلادے جس پر کہ اللہ کی دلیلیں قائم ہو چکی ہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ بڑا ہی کمبخت اور ظالم ہے جس نے نبی کو قتل کیا یا کسی نبی

نے اس کو قتل کر دیا ہو۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا
عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَ
تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انکو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں' آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں' وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔ اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

مشرکین بتوں کی عبادت کو صرف وسیلہ سمجھتے تھے: اللہ تعالیٰ سرزنش کرتا ہے ان مشرکوں کو جو اللہ کو چھوڑ کر ان چھوٹے معبودوں کی پرستش کرتا ہے جو نہ اللہ کے پاس سفارش کر سکتے ہیں (جیسا کہ ان مشرکین کا خیال ہے) نہ مضرت پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ وہ جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ﴾ یعنی کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو چیز نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے۔ پھر شرک اور کفر سے اپنی ذات کریمہ کو منزہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ شرک لوگوں میں پیدا ہو گیا۔ اس کا وجود نہیں تھا پھر ہو گیا۔ سب لوگ دین واحد پر تھے اور وہ ابتدا ہی سے اسلام تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے یہ سب لوگ آدم علیہ السلام کے سچے دین پر تھے۔ پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور اصنام اور اوثان کی لوگ عبادت کرنے لگے تو اللہ نے اپنے رسول دلائل و براہین کے ساتھ بھیجے۔ جس نے اللہ کی دلیل کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے دلیل کو لے لیا وہ سلامت بچ گیا ﴿ وقوله وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک پیغمبروں کو بھیج کر اس پر دلیل و حجت نہ قائم کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو مخلوق کو ایک وقت مقرر تک زندہ رکھتا' پھر مار دیتا ہے اور جس بارے میں وہ آپس میں اختلافات رکھتے تھے قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا۔ مومنین کامیاب رہیں گے اور کافر ذلیل رہیں گے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم
مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿۲۰﴾ رکوع ۷

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

طلب کے مطابق معجزہ نہ دکھانے میں بھی اللہ کی حکمت پنہاں ہے: یہ جھوٹے کافر کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کو بھی دلیل نبوت ایسی کیوں نہ ملی' جیسے ثمود کو ناقہ ملی یا یہ کہ کوہ صفا سونا کیوں نہیں بن گیا' یا مکہ کے پہاڑ مکے سے ہٹ کر اس کی جگہ باغ اور نہریں کیوں نہیں' بن گئیں۔ جب اللہ قادر ہے تو ایسا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ اپنے افعال میں بڑا ہی قادر اور حکیم ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ تَبَارَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ باری تعالیٰ کی ذات مبارک اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے باغات پیدا کر دے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اس کے اندر محل ہوں۔ لیکن انھوں نے تو قیامت کا انکار کر دیا ہے اور قیامت کا انکار کرنے والے کے لئے تو ہم نے دوزخ کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخلوق کے بارے میں میرا اصول یہ ہے کہ وہ جو معجزہ مانگتے ہیں میں دیتا ہوں' اب وہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے تو بہتر ورنہ جلد تر ان پر عذاب نازل کر دیتا ہوں پھر قیامت تک کی مہلت نہیں دیتا۔ اسی لئے جب اللہ پاک نے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ ان دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو کہ میں ان کے حسب الطلب "معجزہ دوں" وہ ایمان لائے فبہا ورنہ عذاب فوری دیدیئے جائیں گے اور دوسری بات یہ کہ میں انھیں مرتے دم تک مہلت دوں کہ اصلاح پذیر ہو جائیں۔ تو حضرت محمد ﷺ نے امت کے بارے میں دوسری بات کو اختیار فرمایا جیسا کہ بیسیوں بار نبی ﷺ کا حلم ان کافروں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ پاک نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ کہہ دو کہ ہر چیز اللہ کے اختیار میں ہے امور کے عواقب اور نتائج کو وہی جانتا ہے۔ اگر تم اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہیں لانا چاہتے ہو تو میرے اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو۔ حالانکہ انھوں نے نبی ﷺ کے بعض ایسے معجزات بھی دیکھے جو ان کے مطلوبہ معجزات سے کہیں بڑھے چڑھے تھے یعنی حضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں کے سامنے چودھویں کے چاند کو انگلی سے اشارہ کر دیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک پہاڑ کے اس طرف اور ایک اس طرف ہو گیا۔ یہ تو زمین پر سرزد ہونے والے معجزات سے بھی بڑا معجزہ تھا۔ اور مسئول اور غیر مسئول ہر نشانی سے افضل تھا۔ اب بھی اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ یہ کوئی بھی معجزہ طلب رشد و ہدایت کے جذبہ کے تحت طلب کر رہے ہیں' تو اللہ ضرور قبول کر لیتا لیکن وہ عناد و تعنت کے طور پر طلب کر رہے تھے' اس لئے ان کی درخواست رد کر دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے جیسا کہ فرماتا ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ ان پر اللہ کی دلیل متحقق ہو چکی ہے خواہ کیسی ہی نشانی کیوں نہ پیش کی جائے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی ﴾ اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی لا کھڑے کر دیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے پاس جمع کر دی جائے ہر معجزہ بتا دیا جائے تو بھی یہ کبھی ایمان نہ لائیں گے کیونکہ ان کا مقصد صرف مکابرہ کرنا اور ضد کرنا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور ﴿ وَاِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ اور ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ قِرْطَاسًا ﴾ اگر ہم ان پر آسمانوں کا دروازہ بھی کھول دیں اور وہ آسمان کا ایک ٹکڑا گرتا ہوا بھی دیکھ لیں اور ان پر کوئی ایسی کتاب آسمانی بھی نازل کی جائے جو کاغذوں کا دفتر ہو جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے بھی چھو سکتے ہوں پھر بھی یہ کافر یہی کہیں گے کہ ارے یہ تو کھلا جادو ہے۔ پھر ان کے مطالبات قبول کرنے سے حاصل ہی کیا۔ اس لئے کہ ان کے مطالبات تو بر بنائے عناد و تعنت ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں انتظار کرتا ہوں تم بھی انتظار کرو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ
اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
حَتّٰٓی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ

وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ
اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔ وہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لیکر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں ان پر ایک جھونکا ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آ گھرے سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں اگر آپ ہم کو اس سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس بن جائیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے دنیوی زندگی میں حظ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے۔

مشرکین مکہ مصیبت کے وقت صرف اللہ کو پکارتے تھے: باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ مصیبتوں کا مزہ چکھنے کے بعد جب انسان کو ہماری رحمتوں سے سابقہ پڑتا ہے جیسے مفلسی کے بعد خوشحالی قحط کے بعد کاشت میں بہترین پیداوار اور بارش وغیرہ' تو وہ تمسخر اور تکذیب کے درپے ہو جاتے ہیں اور جب انسان کو مصیبتیں آ گھیرتی ہیں تو وہ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے دعاؤں کی بھرمار شروع کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی وہ برسات کی رات تھی' پھر آپ فرمانے لگے کیا تم جانتے ہو کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا' اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ آج میرے مومن بندے بھی صبح اٹھے اور کافر بندے بھی' لیکن جس نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل اور رحمت کے سبب ہے تو وہ مجھ پر ایمان لایا ہوا ہے اور ستاروں کے اثرات کا منکر ہے اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ بارش نچھتروں کے سبب ہوتی ہے تو وہ مجھ سے کفر کر رہا ہے اور نچھتروں پر ایمان لا رہا ہے۔ کہہ دو! اے پیغمبر! میری حکمت عملی بڑی کارگر ہوتی ہے ایسے مجرم گمان کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی عذاب کفر کی بنا پر نہیں دیا گیا لیکن درحقیقت ان کے ساتھ ڈھیل روا رکھی گئی ہے۔ اور جب وہ اپنی انتہائی غفلت میں ہو جائیں گے تو ایک دم سے دھر لئے جائیں گے۔ ہمارے فرشتے ان کے اعمال لکھ رہے ہیں پھر وہ عالم الغیب کے پاس پیش کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ کی سزا پاتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ بری اور بحری سفر کے لئے اس نے تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دیں اور پانی کے اندر بھی اس نے تم کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیا اور جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو' ہوائیں ان کشتیوں کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی نرم رفتاری یا سرعت سیر پر خوش ہوتے ہو' عین خوشی کے عالم میں ان کشتیوں کو تیز و تند آندھی آ گھیرتی ہے اور ہر طرف سے موجیں لپٹ پڑتی ہیں تو تمہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب تو ہلاک ہو گئے اب زار زار اللہ سے دعائیں مانگنے لگتے ہو' اس وقت تم کو نہ کوئی صنم یاد آتا ہے نہ کوئی اور بت' لات و ہبل' بلکہ ہمیں کو مخاطب کرتے ہو۔ پس سمندر کے اندر جب اللہ تم کو صحیح سلامت کنارے پر پہنچا دیتا ہے تو پھر ہم سے روگرداں ہو جاتے ہو۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ یہاں کہا گیا کہ ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا ﴾ یعنی بڑے مخلص ہو کر پکارنے

لگتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم بڑے شکر گزار بن جائیں گے۔ اور جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو ملک میں وہ ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں' گویا کبھی ان پر مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿ يَاۤ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ﴾ اے لوگو! تمہاری بغاوت کا وبال تمہیں پر پڑے گا خوب یاد رکھو کہ کسی اور کو اس کا ضرر نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ بغاوت از اللہ اور قطع صلہ رحمی یہ دو ایسے گناہ ہیں کہ آخرت میں تو عذاب ہو گا ہی' لیکن دنیا میں بھی جلد تر اس کی سزا مل جاتی ہے۔ اس دنیائے ناپائیدار کی زندگی میں تمہارے لئے چند روز متاع ہے پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہے اور جب ہماری طرف لوٹ آؤ گے تو ہم تمہارے سب اعمال تم کو سمجھا دیں گے' اور اس کی پوری پوری جزا دیں گے۔ جس کو اچھی جزا ملی ہو تو وہ تو اللہ کا شکر ادا کرے اور جس کو سزا ملی ہو وہ اپنے نفس پر ملامت کرے۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَـٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَـٰمُ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَـٰدِرُونَ عَلَيْهَآ أَتَىٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَـٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْءَايَـٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَىٰ دَارِ السَّلَـٰمِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں' خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دار البقا کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

دیناوی زندگی کی ایک مثال: دنیا کی ظاہری زینت سرسبزی و شادابی' پھر اس کے جلدی ہی زوال پذیر ہو جانے کی مثال اللہ پاک روئیدگیوں سے دے رہا ہے جن کو آسمان سے پانی برسا کر اللہ نے زمین سے نکالا جن کو انسان کھاتے ہیں' جیسے اناج غلہ' مختلف انواع و اصناف کے پھل پھلواری جو نہ صرف انسان کی غذا بلکہ مویشی بھی ان کے ڈنٹھل اور ٹھنڈ کھاتے ہیں اور جب زمین کی یہ زینت فانیہ بہار پر ہوتی ہے اور مختلف اشکال والوں کی سبزیاں کمال سرسبزی پر آتی ہیں تو زمیندار و کاشتکار گمان کرتے ہیں کہ اب کھیت کاٹ لیں گے میوہ اتار لیں گے کہ یکایک بجلی یا آندھی ایسی آپڑتی ہے کہ درختوں کے سارے پتے سوکھ جاتے ہیں جل جاتے ہیں پھل پھول تلف ہو جاتے ہیں اور اس سرسبزی و شادابی کے بعد وہ ایک سوکھا ساڈھیر بن جاتے ہیں گویا کہ کبھی یہ سرسبز تھے ہی نہیں اور کبھی یہ نعمت زمیندار کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ اہل دنیا کو نعمتیں دی جاتی ہیں پھر اس سے آگ میں جھونکا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کبھی تم کو راحت ملی بھی تھی تو وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہیں۔ ایک اور شخص ہوتا ہے جو دنیا میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھایا ہوا ہوتا ہے پھر وہ جنت میں بھیجا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کیا کبھی تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچی تھی؟ تو کہتا ہے کہ کبھی نہیں۔ اللہ پاک ان ہلاک ہونے والوں کے

بارے میں کہتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ایسے ویران ہو گئے گویا کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ یعنی ہم اسی طرح بات کو کھول کھول کر دلائل و حجت کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس بات کی عبرت حاصل کریں کہ دنیا بڑی تیزی سے زوال پزیر ہے دنیا پر قادر ہونے کے باوجود وہ ان کے ساتھ دغا کرتی ہے جو اس کی طرف بڑھتا ہے اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے اس کے پیروں پر آگرتی ہے۔ اللہ پاک نے دنیا کی مثال نباتات ارضی سے سورہ کہف کی دوسری آیتوں میں بھی کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ ﴾ حیات دینوی کی مثال باران نازل شدہ کے مانند ہے جو نباتات سے پہلے تو آملا سرسبز ہو چکنے کے بعد پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ نباتات سوکھا ساگھاس بن کر رہ گئے جس کو ہوائیں ادھر اودھر لے اڑتی ہیں۔ اللہ تو ہر شے پر قادر ہے۔ سورۂ زمر اور حدید میں ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔ خلیفہ مروان بن حکم منبر پر یہ پڑھتے ہوئے دیکھے گئے کہ زمین جب شاداب ہوگئی اور کاشت کار سمجھے کہ اب فصل کاٹ لیں گے' لیکن ساری کھیتی برباد ہو جاتی ہے اور یہ ساری ہلاکت ان کے گناہوں اور بغاوت کے سبب ہوتی ہے۔

اور قولہ تعالیٰ ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ﴾ جب اللہ پاک دنیا کی سرعت زوال اور جنت کی ترغیب کا ذکر کر چکا تو اب جنت کی طرف بلاتا ہے اور جنت کو دارالسلام کہتا ہے یعنی وہ ہر آفت' نقصان و نکبت سے پناہ کی جگہ ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ تمہاری آنکھیں توبظاہر سوتی رہیں لیکن دل تمہارا جاگتا رہے اور کان تمہارے سنتے رہیں۔ چنانچہ میری آنکھیں تو سچ مچ سو ہی گئی ہیں لیکن دل ہوشیار تھا۔ کان کھلے تھے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ایک دولت مند نے ایک گھر بنایا' لوگوں کی دعوت کی' بلاوے بھیجے تو جس نے دعوت قبول کی وہ تو آیا جی بھر کے کھایا' بلانے والا بھی خوش ہوا۔ اور جس نے دعوت قبول نہ کی' نہ وہ آیا نہ کچھ کھا سکا اور نہ دعوت دینے والا خوش ہوا۔ اللہ ہی وہ داعی ہے اور وہ گھر اسلام ہے' اور دستر خوان جنت ہے اور پیغامبر محمد ﷺ ہیں۔

جابر بن عبداللہ؄ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے سوتے میں دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے سر کے پاس ہیں اور میکائیل علیہ السلام میرے پاؤں کے پاس' اور ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ رہا ہے کہ اس سونے والے پر کوئی مثال منطبق کرو تو دوسرے نے کہا اے سونے والے تیرے کان سنتے ہیں تیرا دل جاگتا ہے۔ تیری اور تیری امت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ نے کوئی گھر بنایا ہو اور اس میں بڑا سا کمرہ اور اس میں خوان چن دیا گیا پھر قاصد کو بھیج کر لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا گیا۔ کوئی آیا اور کوئی نہیں آیا۔ چنانچہ وہ بادشاہ تو اللہ ہے اور گھر اسلام ہے اور کمرہ جنت ہے اور تم یا محمد ﷺ وہ قاصد ہو جو آیا تھا وہ داخل اسلام ہوا تھا اور جو داخل اسلام ہوا وہ داخل جنت ہوا اور داخل جنت شخص دعوت سے فیض یاب رہا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو اسکی دونوں طرف فرشتے ہوتے ہیں اور آواز دیتے ہیں جن وانس کے سوا سب اس کو سنتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف آؤ۔ کم ملے اور کافی ہو جائے تو وہ اچھا ہے اس زیادہ سے جو اللہ سے غافل کر دے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید بر آں بھی اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیکیوں کا بدلہ جنت کی صورت میں: اللہ پاک فرماتا ہے کہ جس نے نیک عمل کئے اس کو آخرت میں اچھی جزا ملے گی کیونکہ

نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی ہے یعنی کم سے کم دس گنا حتی کہ سات سوگنا زیادہ بلکہ اس سے بھی کچھ اور بڑھ کر جو اللہ کے دیگر عطیات پر مشتمل ہے جیسے جنت میں حور و قصور اور اللہ کی خوشنودی اور ایسا ایسا سرور قلب جو اس سے اب تک مخفی ہی ہے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر یہ اللہ تعالیٰ کے روئے پاک کا دیدار یہ سارے لطف و کرم سے بڑھ کر کرم ہوگا کہ وہ اپنے عمل کے سبب اس کے مستحق نہیں ہوئے بلکہ محض اس کے فضل و رحمت کی بنا پر۔ صہیبؓ سے مروی ہے کہ حضرت ﷺ نے یہ آیت زیادۃ والی تلاوت فرمائی کہ جب جنتی اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانے میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہل جنت تم سے اللہ کا وعدہ ہے وہ پورا کرنا چاہتا ہے تو وہ کہیں گے اب اور کونسا وعدہ؟ ترازو میں ہمارے وزن ثقیل ہے' ہمارے چہرے روشن کر دیئے گئے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی گئی' تو یکایک ان پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور ان کی نظر اللہ پر پڑ جائے گی۔ اللہ کی قسم اس سے بڑی اور کوئی عطا جنتیوں کے لئے نہ ہوگی یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی تسکین کے لئے سب سے بڑی چیز ہوگی۔ غرض مختلف احادیث میں ہے کہ ﴿ زِيَادَةٌ ﴾ سے مراد رویت باری تعالیٰ ہے۔

اللہ پاک فرماتا ہے کہ ﴿ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ ﴾ یعنی عرصہ حشر میں ان کے چہرے بے رونق نہ رہیں گے نہ پھٹکار ہوگی نہ سیاہی جیسا کہ کافروں کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے۔ پھٹکار برستی ہوگی۔ اور جنتیوں کو ظاہر اور باطن کسی قسم کی ذلت نصیب نہ ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے ﴿ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس دن کے شر سے بچا لے گا اور ان کے چہرے سرخرو اور ان کے دل مسرور رہیں گے۔ اللہ پاک اپنے فضل و رحمت سے ہمیں ایسے ہی لوگوں سے اٹھائے' آمین۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور جن لوگوں نے بدکام کئے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی۔ اور ان کو ذلت چھالے گی۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

برائیوں کا بدلہ جہنم کی صورت میں: جب اللہ تعالیٰ نے ان نیک بختوں سے متعلق خبر دے دی کہ ان کی نیکیوں کی جزا دگنی چوگنی ہوتی چلی جائیگی۔ تو اب بدبخت گنہگاروں اور مشرکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان کے ساتھ عدل کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کی سزا دگنی چوگنی نہیں ہوگی بلکہ برابر ہوگی۔ ان پر ان کے گناہوں کی ذلت چھائی ہوئی رہے گی۔ فرماتا ہے کہ جب وہ پیش ہوں گے تو تم ان کو شرمندہ اور ذلیل دیکھو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ قیامت کے دن تک کے لئے ان کے عذاب میں تاخیر کردی گئی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے بچانے اور سفارش کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دن انسان کہے گا کہ بھاگ ہی کہاں سکتے ہیں۔ وہ ہرگز نہیں چھوڑے جائیں گے' اللہ تعالیٰ کے سامنے انھیں آنا پڑے گا ان کے چہرے اس قدر کالے رہیں گے گویا تاریک رات کی چادر ان کے چہروں پر چڑھادی گئی ہے۔ اس دن بعض چہرے تو روشن ہوں گے اور بعض سیاہ اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا ارے کیا ایمان لا چکنے کے بعد بھی تم نے کفر کیا تھا۔ لو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو۔ اور جن کے چہرے روشن رہیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بعض کے چہرے روشن اور ہنستے ہوئے خوش خوش ہوں گے اور بعض کے

چہروں پر اداسی اور تاریکی رہے گی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ
وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ
كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ
مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾

ع ۸ النصف

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کرلے گا اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔

قیامت کا دن تمام اگلے پچھلے مشرکین اور ان کے معبود اللہ کی عدالت میں: قول باری تعالیٰ ہے کہ جن وانس نیک و بد سب ہی کو ہم قیامت کے روز لا حاضر کریں گے کوئی بھی نہیں چھوڑا جائے گا اور مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور مومنین سے الگ تھلگ رہو جس روز قیامت کا دن ہوگا یہ دونوں قسم کے لوگ الگ الگ رہیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب کہ تبارک وتعالیٰ فصل مقدمات کا ارادہ فرمائے گا اور اسی لئے کہا گیا کہ مومنین اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ جلد تر فصل مقدمات فرمائے اور ہمیں اس انتظار کی گھڑی سے نجات بخشے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہم لوگ دوسرے سب لوگوں سے اونچی جگہ پر ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ اے مشرکو! تم اور تمہارے شرکاء جن کی تم عبادت کرنے لگے تھے سب اپنی اپنی جگہ الگ الگ رہو۔ ان متقدمین شرکاء نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ ان سے اپنی عبادت لیتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جن بزرگوں کی یہ پیروی کرتے تھے اور اسی بنا پر انہیں شریک الٰہی سمجھ کر شرکاء بنالیا تھا اب یہی شرکاء ان سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ قولہ تعالیٰ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو ایسے شرکاء کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور اس کی دعا کو سن ہی نہیں سکتے۔ اور جب لوگ قیامت میں اٹھائے جائیں گے تو وہ خود اپنی پرستش کرنے والوں کے دشمن ہوں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی پرستش کا کوئی علم نہیں، تم ہماری عبادت کرتے ہو گے لیکن ہم جانتے تک نہیں اور اس کا گواہ اللہ ہے ہم نے تو تمہیں کبھی کہا ہی نہیں تھا کہ ہماری پرستش کرو۔ اس طرح مشرکین کا منہ بند کر دیا گیا ہے کہ جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کسی کام آسکتے ہیں۔ انہیں تم نے کیوں پوجا تھا۔ ان کی نہ تو یہ مرضی تھی نہ ارادہ تھا۔ تم نے حی اور قیوم۔ بصیر اور سمیع کی عبادت چھوڑ دی اور جو ہر بات کا عالم اور قادر ہے جس نے اپنے رسول اور اپنی کتابیں صرف اس غرض سے بھیجی ہیں کہ محض اسی کی پرستش کی جائے۔ جیسے کہ فرمایا کہ ہر قوم کے اندر ہمارا رسول ہماری عبادت کی ترغیب دینے اور باطل کی پرستش چھڑانے آیا۔ اب جس نے ہدایت پالی سو پالی اور جو گمراہ ہو گیا سو گمراہ ہو گیا تم سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی تھی کہ اللہ صرف میں ہوں، صرف میری ہی عبادت کرائی جائے، چنانچہ ہم اپنے رسولوں سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے ہمارے سوا کسی اور کی پرستش کرنے کا حکم دیا تھا۔ مشرکوں کی بہت سے قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال واحوال بیان کر کے ان کی تردید کی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز موقف حساب

میں ہر شخص کی آزمائش ہو گی اور اچھا برا جو بھی عمل کیا ہے سامنے لایا جائے گا' اس روز سارے بھید ظاہر ہو جائیں گے اور انسان کو اپنے اگلے پچھلے سارے گناہ ظاہر کر دینے پڑیں گے۔ قیامت کے روز ان کا اعمال نامہ سامنے لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ پڑھ لو اپنا اعمال نامہ اس وقت تم اپنا آپ احتساب کرنے کے لئے کافی ہو۔

"آزمائش ہو گی" ترجمہ تھا ﴿ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ میں ﴿ تَبْلُوْا ﴾ کا۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کو ﴿ تتلوا ﴾ پڑھا ہے جس کے معنی پڑھنا کے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ "اچھا برا جو کام وہ کریں گے اسی کا نتیجہ بھگتیں گے"۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ہر امت اپنے اپنے معبود کے پیچھے رہے گی۔ آفتاب پرست آفتاب کے پیچھے اور قمر پرست قمر کے پیچھے' اور بت پرست بت کے پیچھے۔ قول تعالیٰ ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ وہ اپنے مولا اللہ کی طرف پھیر دیئے جائیں گے۔ وہ کیا سب ہی امور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے چنانچہ فیصلہ کر کے جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ کی طرف بھیجے گا۔ اب ان گمراہوں نے اپنی طرف سے جو جھوٹ موٹ معبود بنا رکھے تھے۔ سب ہوا کی طرح اڑ جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے سو ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے۔ سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا' بجز گمراہی کے' پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تمام متمرد لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔

مشرکین اللہ کو خالق رازق مالک مانتے تھے: مشرکین پر اللہ تعالیٰ حجت پیش کرتا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ یعنی اے نبی! پوچھو کہ وہ کون ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے اور اپنی قدرت سے زمین کو شگاف دیتا ہے جس کے اندر سے دانے والے انگور' نیشکر' زیتون' خرما' گھنے گھنے باغ اور خوشہ دار میوے پیدا کرتا ہے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور اللہ ہو سکتا ہے تو انہیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں۔ اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے کہ کھول دے۔ اور جس نے کہ یہ قوت سامعہ اور قوت باصرہ دی ہے کہ اگر چاہے تو سلب کر لے۔ تم خود کہہ دو کہ یہ سماعت و بصارت اور ساری انسانی قوتیں اللہ ہی نے پیدا کی ہیں۔ کیا تم اس کو ناراض کر کے پسند کرو گے کہ وہ تمہاری بصارت و سماعت چھین لے۔ جو اپنی قدرت عظیمہ سے میت سے زندہ کو پیدا کرتا ہے اور زندہ سے میت کو نکالتا ہے۔ اس آیت کے بارے میں اختلاف رائے پہلے گزر چکا ہے اور اس آیت کا مفہوم سب پر عام اور حاوی ہے اور کون ساری کائنات کا انتظام اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اس کی صوابدید اور مرضی سے۔ سب کو یہ پناہ دیتا ہے اس کے برخلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ سب پر متصرف اور حاکم ہے اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم کوئی چیز نہیں۔ وہ جس کو چاہے پوچھے لیکن اس کو کون پوچھ سکتا ہے۔ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اسی کی دست نگر ہیں۔ ہر وقت اس کی نرالی شان ہے۔ آسمان و زمین کی

ساری بادشاہت اسی کی ہے۔ ملائکہ ' انس و جان سب اس کے محتاج ہیں اس کے غلام ہیں۔ سب کا جواب ان کے پاس یہی ہے کہ اللہ ہی میں یہ ساری قدرت ہے۔ کفار و مشرکین ان ساری باتوں کو جانتے ہیں اور معترف بھی ہیں۔ پھر تم ان سے پوچھو کہ اچھا پھر اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو' اپنی خودسری اور جہالت سے اس کو چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ سچا اللہ تو یہی اللہ ہے جس کا تم کو آپ اعتراف ہے۔ پھر تو افراد بالعبادۃ کا مستحق وہی ہوا۔ حق بات کو سمجھ لینے کے بعد پھر یہ گمراہی کیسی۔ ہر معبود اس کے سوا باطل ہے۔ تم عبادت حق چھوڑ کر عبادت ماسوا کی طرف کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔ ان سارے دلائل کے بعد اللہ کی بات ثابت و محقق ہو چکی۔ یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا اور کفر پر قائم رہے۔ اسی طرح انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کر لیا ہے کہ وہی پاک پروردگار خالق و رزاق ہے ساری کائنات میں اکیلا متصرف ہے اسی نے اپنے پیغمبروں کو توحید دے کر بھیجا۔ یہ مسلم ہے کہ یہ اشقیاء دوزخی ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۗ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۞

آپ یوں کہیئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا سو پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ آپ کہیئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ بتلاتا ہے۔ تو پھر آیا جو شخص امر حق کا راستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے خود ہی راستہ نہ سوجھے۔ تو تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو۔ اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔

خالق و مالک اللہ کی ذات ہے: مشرکین نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو ملا دیا اور اصنام و اوثان کو پوجنے لگے ان کے اس دعوے کا ابطال کیا جا رہا ہے کہ اے نبی ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے قرار دادہ شرکاء میں کوئی ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہو' پھر اس میں جو مخلوقات ہیں انہیں وجود میں لایا ہو یا اجرام سماوی کو اپنی جگہ سے ہٹائے یا انہیں بدل دے یا انہیں فنا کر کے پھر از سر نو دوسری مخلوق پیدا کر سکے کہہ دو کہ تم کسی کو نہیں پیش کر سکو گے یہ تو اللہ ہی کے کام ہیں پھر تم طریق راست کو چھوڑ کر باطل کی طرف کیوں جھکے پڑتے ہو۔ کیا کوئی ہے کہ حق کی طرف رہنمائی کر سکے ایسی رہنمائی تو اللہ ہی کر سکتا ہے اس بات کو تم خود جانتے ہو کہ تمہارے شرکاء ایک بھی گمراہ کو راستی پر نہیں لا سکتے۔ اللہ پاک ہی ایسے حیران و گمراہ کی ہدایت کرتا ہے اور گمراہی سے رشد کی طرف انسانوں کے دل پھیر سکتا ہے۔ کوئی بندہ جو حق کی طرف پھرنے والے کی اتباع کرے اور بصیرت تامہ رکھے۔ یہ اچھا یا وہ جو کچھ بھی ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اپنے اندھے پن کے سبب اس بات کا محتاج ہے کہ اسی کا ہاتھ پکڑ کر کوئی لے چلے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے بابا! تم اندھے بہرے معبود کی پرستش کیوں کرتے ہو' جو کچھ بھی تمہارے کام کا نہیں۔ اور اپنی قوم سے بھی فرمایا تھا کہ تم لوگ اپنی ہی بنائی ہوئی چیزوں

کی آپ عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے معبودوں کو سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ تمہاری رائے کیسی غلط ہے' تمہاری عقلیں جاتی رہیں تم نے اللہ کو اور اللہ کی مخلوق دونوں کو برابر برابر کیسے بنا دیا۔ اس کو بھی مانتے ہو اس کو بھی مانتے ہو۔ پھر اللہ سے ہٹ کر شرکا، کی طرف جھک پڑتے ہو۔ رب جلیل ہی کی عبادت کے لئے تم نے خاص کیوں نہ کر لیا کہ اس کی عبادت کر کے گمراہیوں سے نکل آتے۔ اور دعائیں خاص کر اللہ ہی سے کیوں نہیں مانگتے۔ یہ لوگ کسی دلیل کو کام میں نہیں لاتے بلکہ اس اصنام پرستی کی بنیاد کسی یقین کے بجائے گمان اور وہم پر اٹھی ہوئی ہے مگر اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اللہ پاک ان کے ہر فعل کو خوب جانتا ہے۔ یہ ان کافروں کے لئے تہدید اور وعید شدید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ عنقریب ان کی ان حماقتوں کی انہیں سزا مل جائے گی۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اس میں کوئی بات شک کی نہیں۔ رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو افترا کر لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اس طرح انہوں نے بھی جھٹلایا تھا' سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟۔ اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعضے ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور آپ کا رب تعالیٰ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

قرآن حکیم ایک لاجواب اور بے مثال کتاب ہے: اس میں اعجاز قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی بشر بھی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس جیسا قرآن پیش کر سکے نہیں بلکہ اس پر بھی قادر نہیں کہ اس کی ایک سورت جیسی ہی کوئی سورت بنا لائے یہ اس کے دعویٰ فصاحت وبلاغت کی بناء پر ہے۔ قرآن کا اختصار' اس کی شیرینی اور دنیا اور آخرت کے لئے نفع دینے والی معنی کثیرہ پر مشتمل ہونا' ان چیزوں کو کوئی دوسری کتاب پیش نہیں کر سکتی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات وصفات اور اپنے افعال واقوال میں واحد ویکتا ہے مخلوق کا کلام اس کے کلام کے ساتھ مشابہت کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ اس جیسی تحریر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی۔ بشر کا کلام ذرا بھی اس سے میل نہیں کھا سکتا اور پھر یہ کہ قرآن وہی کہتا ہے جو سابقہ کتب سماوی کہتی ہیں۔ البتہ سابقہ الہامی کتابوں میں جو تحریف و تبدیلی ہوئی ہے اس کو اجاگر کر دیا گیا ہے اور احکام حلال و حرام کو کافی

اور شافی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے اس کے ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا اس میں گزشتہ زمانہ کی خبریں بھی ہیں اور آئندہ زمانے کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔

ماضی اور مستقبل سب باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور لوگوں کو اس راستہ پر چلایا گیا ہے جو بالکل صحیح اور پسندیدہ الہٰی ہو سکتا ہے اور اگر تم کو اس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا بھی شک ہو اور یہ غلط خیال تمہارے دلنشین ہو کہ محمد (ﷺ) نے اسے آپ بنالیا ہے تو محمد (ﷺ) بھی تو تمہارے ہی جیسے بشر ہیں اگر وہ ایسا قرآن بنا سکتے ہیں تو تم میں سے قابل ترین کوئی آدمی کیوں نہیں بنا سکتا؟ چنانچہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے اس جیسی بس ایک ہی سورت پیش کرو جو قرآن جیسی بلاغت اور اختصار و معنویت رکھتی ہو محمد (ﷺ) تو اکیلے تھے اب تم دنیا بھر کے انسان و جنات سبھی مل کر کوشش کر دیکھو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ گویا انہیں چیلنج کرتا ہے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا اپنا تصنیف کردہ ہے تو آؤ اس چیلنج کو قبول کرو۔ تنہا نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں مل کر۔ اس کے بعد ایک دوسرا اس سے بھی زبردست دعویٰ ہے کہ یہ سن رکھو کہ تم کبھی اس پر قادر نہ ہو سکو گے۔ یہ بات بھی ہم ابھی سے کہے دیتے ہیں کہ تمام جن وانس بھی اگر جمع ہو جائیں کہ ایسا ہی کوئی قرآن بنا سکیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے خواہ اپنے لئے کتنے ہی مددگار کیوں نہ بنالیں۔ پھر اس دعویٰ کو دس سورتوں تک بھی محدود کر کے کہا گیا جس کا ذکر اول سورۂ ہود میں ہے کہ کیا وہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو بنالیا ہے۔ اچھا تو پھر اس جیسی دس ہی سورتیں تم بنا کر لے آؤ۔ پورا قرآن نہ سہی اتنا ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ کو تم نے چھوڑ دیا تو دوسرے سب کی تم مدد لے سکتے ہو۔ سچے ہو تو سامنے کیوں نہیں آتے۔ پھر اس سے بھی نیچے اتر کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر اس کو محمد (ﷺ) نے بنالیا ہے تو زیادہ نہیں ایک ہی سورت پیش کرو۔

سورۂ بقرہ (جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھی) اس میں بھی یہی ایک سورت ہی کا چیلنج ہے اور یہ بتلا دیا گیا ہے کہ تم کو ایسا کرنے پر قدرت نہیں ہے تو سنو! اگر تم نے ایسی آیتیں پیش نہ کیں اور پیش کر بھی کہاں سکتے ہو تو پھر عذاب دوزخ سے بچو۔ حالانکہ فصاحت تو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور ان کا خاص کمال سمجھا جاتا تھا۔ ان کے اشعار اور وہ قصائد جو کعبے کے دروازے پر آویزاں کر دیئے گئے تھے، ان کے کمال بلاغت کا ثبوت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو قرآن پیش کر دیا کوئی اس کی فصاحت و بلاغت کو چھو بھی نہ سکا۔ چنانچہ اس کی بلاغت اور حلاوت و اختصار اور افادہ و کمال کو دیکھ کر جو ایمان لے آیا وہ لے آیا۔ کیونکہ انہیں فصحاء و بلغاء میں ایسے نکتہ رس اور صاحب فہم بھی تھے جنہوں نے قرآن کی بلاغت کا لوہا مان لیا اور سر جھکا دیا۔ معترف ہو گئے کہ یہ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے جادوگر جو اپنی ساحری میں یکتائے زمانہ تھے بول اٹھے کہ موسیٰ کا یہ مظاہرہ عصا سحر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، یہ تائید ربانی ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس لئے یقیناً موسیٰ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں کیونکہ کوئی صاحب فن ہی کسی فن کے کمال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جب کہ طب نے کمال درجہ کی ترقی حاصل کر لی تھی اور مریضوں کے علاج میں ماہرین طب اپنا کمال دکھا رہے تھے۔ ایسے وقت میں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو حضرت عیسیٰ کا چنگا کر دینا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مردوں کو بھی زندہ کر دینا ایسی چیزیں ہیں جن کے آگے کسی علاج و دوا کی کچھ نہیں چل سکتی۔ چنانچہ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے ہیں جن کو دیکھ کر بشر ایمان لے آسکیں۔ اور مجھے بھی جو قرآن دیا گیا ہے اس کے متعلق میں بھی امید کرتا ہوں کہ اکثر و بیشتر اس کی صداقت کو مان لیں گے البتہ ان میں سے بعض نے جو قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے تکذیب کرنا شروع کر دی۔ لیکن اس کی کوئی دلیل نہ لا سکے اور یہ ان کی جہالت اور حماقت کی وجہ سے تھا۔ اسی قسم کی تکذیب اپنے پیغمبروں کی سابقہ قوموں نے بھی کی تھی تو اب ذرا تم نظر دوڑاؤ کہ ان جھٹلانے والوں کا کیسا برا حشر ہوا جو محض عناد اور ضد کی بناء پر تکذیب کر رہے تھے۔ تو اب اے

قریش کے انکار کرنے والو! ان کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑو۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی بعض لوگ تو ایمان لے آئے اور قرآن سے مستفیض ہوئے اور بعض جو ایمان نہیں لائے وہ کفر کی موت مر گئے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو مستحق ہدایت ہیں ان ہی کو ہدایت بھی کرتا ہے اور جو مستحق ضلالت ہیں ان کو بھٹکنے دیتا ہے۔ اس عمل میں وہ عادل ہے ظالم نہیں۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْــــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا تم میرے کئے ہوئے کے جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جواب دہ نہیں ہوں۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو دیکھ رہے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں۔

قیامت کے دن کوئی کسی کا ذمہ دار نہ ہو گا صرف اپنے کئے کا بدلہ ملے گا: نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یہ مشرک تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم بھی ان سے اور ان کے اعمال سے اپنی بیزاری ظاہر کر دو اور صاف کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ میں تو تمہارے معبودوں کو نہ مانوں گا۔ ابراہیم خلیل اللہ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ میں تم سے اور تمہارے ان جھوٹے معبودوں سے بری ہوں۔ قریش ہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو تمہارے کلام حسن اور قرآن عظیم کو سنتے ہیں اور جو متاثر ہو سکتے ہیں اور یہی بہت کافی تھا لیکن پھر بھی وہ راہ راست پر نہ آئے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں کیونکہ تم بہروں کو سنانے پر قادر نہیں ہو' اور نہ تم کو آپ یہ قدرت ہے کہ تم ان کی ہدایت کرو' جب تک کہ اللہ کی مرضی بھی شامل نہ ہو۔ اور ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ جو تمہاری طرف گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ تمہارے پاکیزہ اخلاق اور حسن صورت اور تمہارے دلائل نبوت (جس سے اہل بصیرت ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں) اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی قرآن کی ہدایت سے کچھ فیضیاب نہیں ہوتے۔ جیسے کہ اہل علم اور اہل بصیرت مستفید ہو جاتے ہیں اور ایسے مومن لوگ تم کو دیکھتے ہیں تو دیدہ و قار سے دیکھتے ہیں اور کفار نظر ڈالتے ہیں تو چشم احتکار سے ڈالتے ہیں۔ وہ تمہیں دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔ ایک سنتا ہے اور ہدایت پاتا ہے اور دوسرا بھی سنتا ہے اور دیکھتا ہے لیکن اندھا اور بہرا بنا رہتا ہے آنکھیں کھلی ہیں پھر بھی اندھے ہیں۔ کان رکھتے ہوئے بہرے ہیں۔ دل ہے مگر مردہ۔ ایک نے فائدہ اٹھایا دوسرے نے نقصان۔ باری تعالیٰ کی ذات پاک مختار و متصرف ہے وہ سب سے باز پرس کرے لیکن اس سے باز پرس کون کر سکتا ہے۔ وہ تو ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنے کو اپنے پر حرام قرار دیا ہے تم پر بھی حرام قرار دیتا ہوں چنانچہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو تمہارے اعمال میری نظر میں ہیں۔ میں ہر قسم کے عمل کی پوری پوری جزا دیتا ہوں۔ جس کو اچھی جزا ملی وہ اللہ کا شکر کرے اور جس کو سزا ملی اس کو چاہئے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۵﴾

اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ گویا وہ سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ واقعی خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

قیامت کے دن نفسا نفسی کا عالم: یاد دلایا جا رہا ہے کہ قیامت قائم ہو گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر عرصہ حشر میں جمع ہو جائیں گے اور جب وہ دن آ پہنچے گا تو وہ سمجھیں گے کہ دنیا میں دن کا بعض حصہ ہی گزار آئے ہیں یعنی شام نہیں تو صبح رہے تھے اور صبح نہیں تو شام گزاری تھی جس روز صور پھونکا جائے گا تو مجرمین جوق در جوق پریشان حال نکل آئیں گے چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے کہ بس دس روز ہمارا قیام رہا ہوگا۔ ان میں کے ممتاز اور تیز حافظہ لوگ کہیں گے ارے کہاں کے دس روز ایک ہی دن تو دنیا میں گزارا۔ گنہگار طبقہ تو قسمیں کھا کھا کر کہے گا کہ گھنٹے بھر سے زیادہ کب رہے۔ یہ سب دلیل ہے اس بات کی کہ دارالآخرت میں دنیا کی زندگی کیسی حقیر اور قصیر ہے۔ پوچھا جائے گا کہ بتاؤ دنیا میں کتنے سال گزارے؟ تو کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم چنانچہ یادداشت رکھنے والوں سے پوچھ لیا جائے۔ کہا جائے گا کہ کاش تمہیں علم ہوتا کہ دنیا کی زندگی کتنی تھوڑی ہوتی ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ ماں باپ بچوں کو اور بچے ماں باپ کو اہل قرابت اپنے رشتہ داروں کو لیکن ہر ایک اپنی اپنی مصیبت یا اپنی اپنی راحت میں مصروف و مشغول رہے گا جب صور پھونکا جائے گا تو پھر حسب نسب کچھ نہیں کوئی عزیز اپنے عزیز کو نہیں پوچھے گا۔ جن لوگوں نے اللہ سے ملاقات کی تکذیب کی تھی وہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے افسوس ہے ان جھٹلانے والوں پر کہ قیامت کے دن انہوں نے اپنی ذات اور اپنے متعلقین کو ہلاکت میں ڈال دیا اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے سامنے حسرت و ندامت اٹھانی پڑے اور الگ رہنا پڑے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے۔ اور ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا ہے سو جب ان کا وہ رسول آ چکتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

قیامت کا دن منصفانہ فیصلہ کا دن: اپنے نبی ﷺ سے خطاب ہوتا ہے کہ اگر ہم تمہارے حین حیات ان سے انتقام لیں تاکہ تمہارے دل کو تسکین ملے یا تمہاری ہی زندگی ختم ہو جائے بہر صورت ان کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے اگر تم نہ بھی رہو تو تمہارے بعد ان کے افعال کا اللہ گواہ بن جائے گا۔

حضرت ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ رات میری اگلی اور پچھلی ساری امت میرے سامنے پیش کی گئی تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اگلی امت تو خیر لیکن پچھلی امت جو آنے والی ہے اور ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے وہ کیسے پیش کی گئی؟ تو فرمایا کہ ان کی ایک خاکی صورت

سامنے لائی گئی اور میں ان میں سے ہر ایک کو اس سے بھی بہتر طور پر پہچان رہا تھا جیسے کہ تم اپنے کسی ساتھی کو پہچان لیتے ہو۔ ہر امت کے لئے ایک ایک رسول ہوتا ہے' جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان ایک منصفانہ فیصلہ ہو جاتا ہے جیسے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ زمین اللہ کے نور سے چمک اٹھتی ہے چنانچہ ہر امت اپنے پیغمبر کی موجودگی میں اللہ کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ ان کا اچھایا برا نامہ اعمال ساتھ ہوتا ہے جو بحیثیت ان کے گواہ کے ہوتا ہے۔ نیز ملائکہ بھی گواہ ہوتے ہیں جنہیں ان پر نگران کار مقرر کر دیا تھا۔ یکے بعد دیگرے ہر امت پیش ہوتی رہے گی اور یہ امت اگرچہ آخری امت ہے لیکن قیامت کے روز یہ اولین امت بن جائے گی جس کا فیصلہ اللہ پاک سب سے پہلے فرمائے گا۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم اگرچہ سب کے بعد ہیں لیکن قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے اور ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب وکتاب ہو جائے گا۔ اس امت نے یہ شرف اپنے رسول علیہ السلام کی برکت سے حاصل کیا ہے آپ ﷺ پر قیامت تک درود وسلام ہو۔ آمین

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کے لئے تو کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔ کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا اس کی تصدیق کرو گے۔ ہاں اب مانا حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو تمہارے کئے کا بدلہ ملا ہے۔

نفع و نقصان کی مالک اللہ کی ذات ہے: ارشاد ہوتا ہے کہ یہ مشرکین عذاب میں جلدی کرتے ہیں' اور وقت عذاب آنے سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ اس میں ان کی کوئی بھلائی نہیں۔ کافر تو جلدی کرتے ہیں لیکن مومن اس سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ واقعۃً عذاب ضرور آئے گا اگرچہ اس کا وقت معین معلوم نہ ہو۔ اسی لئے اللہ پاک نبی ﷺ کو جواب سکھا رہا ہے کہ کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے لئے نہ مضرت کا مالک ہوں نہ منفعت کا' میں صرف اتنا کہتا ہوں جو مجھے بتا دیا گیا ہے اور اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں تو اس پر قادر نہیں جب تک کہ اللہ پاک خود مجھے آگاہ نہ فرمادے۔ میں تو اس کا بندہ اور تمہارے لئے اس کا قاصد ہوں میں نے تمہیں خبر دیدی ہے کہ قیامت ضرور ہوگی' لیکن اس کا وقت مجھے نہیں بتلایا گیا۔ ہر قوم کے لئے ایک مقرر مدت ہوتی ہے اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو ایک ساعت کی بھی نہ اس میں تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ جب کسی کا وقت آ جاتا ہے تو ذرہ بھر کی بھی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ناگہاں آ جائے گا۔ اگر دن اور رات میں کسی بھی وقت یکا یک آ جائے

تو بتاؤ کیا کرو گے؟ اس لئے جلدی کیوں کرتے ہو؟ جب کہ آ ہی جائے گا تو کیا اس وقت ایمان لاؤ گے' وہ ایمان کا وقت کب رہے گا۔ اس وقت کہا جائے گا کہ لو جس عذاب کی جلدی کرتے تھے۔ اس وقت کہیں گے اے اللہ تعالیٰ ہم نے دیکھ لیا ہم نے سن لیا' عذاب سے سابقہ پڑنے پر بول اٹھیں گے کہ ہم اب اکیلے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور دیگر تمام معبودوں سے اعراض کرتے ہیں' لیکن اس وقت کا ایمان کوئی ایمان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت تو اپنے بندوں میں یونہی چلی ہوتی ہے۔ ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو۔ اس طرح انہیں خوب ڈانٹ بتائی جائے گی جس عذاب جہنم کا وہ انکار کرتے تھے اس عذاب میں انہیں دھکے دے دے کر جھونکا جائے گا۔ تم جادو کہتے تھے' تو کیا یہ جادو ہے۔ نہیں بلکہ تم خود اندھے ہو۔ اب خواہ صبر کرو کہ نہ کرو' اپنے اعمال بد کا بدلہ ضرور پاؤ گے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڤ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی امر ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی کہ وہ واقعی امر ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا ہو کہ ساری زمین میں بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے۔ اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا: تم سے یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ مٹی ہو جانے کے بعد یہ قبروں سے اٹھنا کیا سچ ہے۔ تو کہہ دو کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی قسم سچ ہے' تمہارا مٹی ہو جانا اور پھر ہمارا تم کو بحالت اول لے آنا ہمارے لئے آسان ہے ہم اس میں عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے۔ ایسی قسمیہ آیت قرآن مجید میں صرف دو ہی جگہ اور بیان ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جو معاد کا انکار کرتے ہیں ان سے قسم کھا کر بیان کرو۔ سورہ سبا میں ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہ ہوگی کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہوگی۔ اور سورہ تغابن میں ہے کہ کافر سمجھتے ہیں کہ پھر زندہ نہیں ہوں گے کہہ دو کہ اللہ کی قسم زندہ ہوں گے اور تمہارے اعمال تم کو بتائے جائیں گے' اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار تھوڑی ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو یہ کافر چاہیں گے کہ زمین بھر سونا دے کر عذاب سے چھٹکارا پائیں' لیکن نہ ہو سکے گا اور جب عذاب کو دیکھ پائیں گے تو ایک خاموش ندامت سے دوچار رہیں گے۔ لیکن جو کچھ بھی ان سے برتاؤ ہوگا انصاف کے ساتھ ہوگا۔ ذرہ بھی زیادتی نہ ہوگی۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں رکھتے۔ وہی جان ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔

وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے' اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہ زندہ کرتا ہے وہ مارتا ہے' بازگشت اسی کی طرف ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ سمندروں' میدانوں' اطراف عالم سے ان کے ذرات خاک کو پھر جمع کرے اور پھر زندہ جسم بنادے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے۔ اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے۔ وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔

روحانی بیماریوں کے لئے قرآن کتاب شفاء ہے: قرآن عظیم جو دیا گیا ہے اس کا احسان جتایا جارہا ہے کہ اے لوگو! یہ پند و نصیحت کا ایک دفتر ہے جو تمہارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمہارے دلوں کے لئے شفا ہے یعنی شک و شبہ کو اور دلوں کی گندگی اور ناپاکی کو دور کرنے والا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رحمت حاصل ہو گی مگر صرف انہیں کو جو اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کو ہم نے مومنین کے لئے شفا اور رحمت بنا کر اتارا ہے لیکن گنہگاروں کے لئے یہ نقصان اور خسارہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہہ دو یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے اس کو لے کر خوش ہو جاؤ۔ اور دنیائے فانی کے تمعات جو تم حاصل کرتے ہو' ان سب میں بہترین چیز یہ قرآن ہے۔

جب عراق کا خراج حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ اسے دیکھنے کے لئے نکل آئے ان کا خادم بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ خراج میں آئے ہوئے اونٹوں کو گننے لگے لیکن کہاں تک گنتے گنتے تھک گئے تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ان کا خادم کہنے لگا کہ اللہ کی قسم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا ایسا نہیں' اللہ تعالیٰ نے ﴿ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ ﴾ کہہ کر قرآن اور اس سے استفادہ مراد لیا ہے اس لئے اس کو فضل و رحمت نہیں بلکہ ﴿ مِمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ ہمارا جمع کردہ ہے۔ فضل و رحمت کی تو بہت بڑی شان ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ ع ۶ / ۱۱

آپ کہئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یا اللہ تعالیٰ پر افترا ہی کرتے ہو۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے؟ واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر آدمی بے قدر ہیں۔

خود ساختہ حلال و حرام کی مذمت: مشرکوں نے بعض جانوروں کو بحائر' سوائب' وصائل نام دے کر کسی کو اپنے اوپر حلال اور کسی کو حرام قرار دے لیا تھا اس کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کھیتوں میں سے جو نکلتا ہے اور مویشی جو پیدا ہوتے ہیں وہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کے ایک خاص حصہ قرار دیتے ہیں۔ ابوالاحوص روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور صورت اور لباس کی حیثیت سے میں بد حال سا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ اونٹ' گھوڑوں' بکروں کے گلے ہیں' لونڈی غلام ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم پر اللہ تعالیٰ کے آثار نعمت ظاہر کیوں نہیں ہیں۔ پھر فرمایا تمہارے اونٹوں کے بچے ہوتے ہیں وہ ہر عضو سے تندرست ہوتے ہیں لیکن تم استرہ لے کر اٹھتے ہو ان کے کان کاٹ دیتے ہو' کہتے ہو کہ یہ بحائر ہیں' ان کی کھال چیر دیتے ہو کہتے ہو کہ اب یہ صرم ہیں۔ اپنے پر بھی حرام کر لیتے ہو اور اپنے اہل پر بھی۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ سنو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے حلال ہے حرام ہو نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی تر ہے اور اللہ تعالیٰ کا چاقو تمہارے چاقو سے زیادہ تیز ہے۔ اللہ پاک ان لوگوں سے اپنی سخت ناراضی کا اظہار فرماتا ہے جو اس کے حلال کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں یا حرام کو اپنے لئے حلال بنا لیتے ہیں اور یہ صرف اپنی ذاتی رائے اور خواہش کی بناء پر جس کی کوئی دلیل نہیں۔ پھر ان کو یوم قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں آخر وہ سمجھتے کیا ہیں کہ قیامت کے روز ہم ان سے کیا برتاؤ کریں گے۔

وقولہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس سے کافروں کو دنیا میں جلد سزا نہ دینا مراد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب فضل ہے لوگوں پر کہ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں انسانوں کے لئے پیدا کر دیں جن سے فائدہ اور ان کی منفعت ہے اور ایسی چیزیں انسان کے لئے حرام فرما دیں جن میں سراسر مضرت تھی' یا تو بحیثیت دین یا بحیثیت دنیا۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر تنگی کر لیتے ہیں یعنی اپنی طرف سے کسی کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ مشرکین نے اس چیز کو اپنے اندر بہت شائع کر رکھا ہے اور اپنا مسلک ہی ایسا بنا لیا ہے۔ اہل کتاب میں اگرچہ یہ بات نہیں تھی لیکن انہوں نے بھی یہ بدعت پیدا کر لی ہے۔

موسیٰ بن صباح سے قولہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ قیامت کے دن تین قسم کے اللہ پرست پیش کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک قسم سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے کس خیال سے اعمال نیک اختیار کئے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ یا رب تعالیٰ! تو نے جنت پیدا کی' جنت میں باغ' پھل' اشجار' انہار' حور و قصور اور اہل طاعت کے لئے ہر قسم کی نعمتیں مہیا کیں' اسی کو حاصل کرنے کے لئے میں نے رات رات بھر جاگ کر عبادت کی' دن دن بھر روزے رکھے' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جنت کی خاطر جب یہ عمل کئے تو جا جنت ہی تیرا ٹھکانا ہے۔ لیکن یہ تیرے عمل کا بدلہ نہیں۔ میں تجھے دوزخ سے نجات دیتا ہوں۔ یہ میرا فضل ہے اور میں تجھے جنت میں داخل کرتا ہوں اور یہ میرا فضل ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ پھر دوسری نوع کے لوگ بلائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی یہی پوچھے گا تو وہ کہیں گے یا اللہ تعالیٰ تو نے دوزخ پیدا کی' دوزخ میں طوق و زنجیر رکھے' باد سموم اور آب محموم اس میں پیدا کئے۔ اہل معصیت کے لئے سارے ہی عذاب اس میں مہیا کئے۔ چنانچہ میں رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتا رہا' دوزخ کے خوف سے دن دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر روزے رکھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمائے گا کہ تو نے دوزخ سے ڈر کر نیک اعمال کئے ہیں تو لے میں نے تجھے دوزخ سے نجات بخشی اور پھر میرا یہ مزید فضل ہے کہ دوزخ سے نجات دینے کے بعد تجھے جنت بھی دے دیتا ہوں' چنانچہ وہ جنت میں جا داخل ہوگا۔ اب تیسری نوع کے لوگ لا حاضر کئے جائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو وہ

بتائیں گے کہ یارب! ہم نے تو تیرے شوق اور تیری محبت کے لئے تیری عبادت کی۔ رات بھر بھی عبادت کی اور دن بھر بھی روزے رکھے' صرف تیرے اشتیاق ملاقات اور تیری رضامندی کے لئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب میرے شوق لقا میں تم نے ایسا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ انکے سامنے جلوہ افروز ہو جائے گا اور فرمائے گا لو مجھے دیکھ مجھ پر نظر ڈالو کہ تم کو سب سے بڑی دولت ملی ہے۔ پھر فرمائے گا کہ میں اپنے فضل سے تم کو دوزخ سے بھی نجات دیتا ہوں اور جنت سے بھی تمہیں سرفراز کرتا ہوں۔ میرے ملائکہ تیرے پاس حاضر رہیں گے اور میں بذات خود تجھ پر اپنی سلامتی نازل فرماتا رہوں گا۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں بھی جا داخل ہوں گے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب تعالیٰ سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چھوٹی بڑی چیز سے باخبر ہے نبی ﷺ کو خبر دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری امت اور جمیع خلائق کے سارے احوال سے ہر لحظہ اور ہر ساعت واقف ہے۔ ذرہ بھر چیز بھی زمین اور آسمانوں کے اندر خواہ کتنی ہی حقیر و صغیر کیوں نہ ہو کتاب مبین میں یعنی علم الٰہی میں موجود ہے اس کی نگہداشت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ غیب کی معلومات اسی کے پاس ہیں۔ بر ہو کہ بحر غیب کی بات اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ایک پتہ بھی ٹوٹ کر گرتا ہے یا رات کی تاریکیوں میں کہیں کوئی ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز تر ہو کہ خشک' اچھی ہو کہ بری سب کا اس کو علم ہے۔ اشجار و جمادات و حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں' ہوا میں جتنے پرندے اڑتے ہیں یہ بھی سب تمہاری طرح گروہ گروہ ہیں۔ ہر جاندار کی غذا کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ جب ان اشیاء کی حرکات کا بھی اس کو علم ہے تو انسان مکلف اور مامور بالعبادۃ کے حرکات و اعمال کا علم اس کو کیسے نہ ہوگا۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ تم اس عزیز رحیم پر بھروسہ رکھو جو تم اگر نماز میں کھڑے بھی ہو تو دیکھ رہا ہے' سجدہ بھی کر رہے تو دیکھ رہا ہے اور اسی لئے فرمایا کہ خواہ تم کسی مشغلے میں ہو' قرآن پڑھ رہے ہو یا اور کوئی عمل کر رہے ہو' ہم دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ چنانچہ جب جبرائیل علیہ السلام نے احسان کے معنے حضرت محمد ﷺ سے پوچھے تو فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کرو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہو ہو اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اس طرح کہ تم اس کے سامنے ہو اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ وہ' وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

اللہ کے ولیوں پر کوئی اندیشہ نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد پرہیزگاری بھی اختیار کرتے ہیں چنانچہ جو پرہیزگار ہے اللہ کا ولی ہے۔ احوال آخرت سے اگر انھیں سابقہ پڑے گا تو ان کو کوئی خوف دامن گیر نہ ہوگا اور نہ دنیا انہیں کوئی حزن و غم گھیرے گا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ذکر و فکر الٰہی میں دیکھے جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو یاد الٰہی میں مصروف۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بھی بندے ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ فرمایا انبیاء کے لئے بھی قابل رشک لوگ وہ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق نہ نسب کا لگاؤ مگر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں ان کے چہرے نورانی ہیں وہ نور کے منبروں پر ہیں۔ لوگ جہاں خوف سے تھرا جائیں' وہاں ان پر ذرا بھی آثار خوف نہیں۔ لوگوں پر رنج و غم طاری ہے اور ان کو رنج و غم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ابومالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مختلف قبائل سے اور چاروں طرف سے جمع ہوں گے اور ان میں کوئی رشتہ داری نہ ہو گی لیکن وہ محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہوں گے اور خلوص و محبت ہو گی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لئے نور کے منبر قائم کرے گا جس پر وہ بیٹھے ہوں گے۔ لوگ قیامت میں پریشان پھر رہے ہوں گے' لیکن وہ مطمئن۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء۔ یہی لوگ ہیں۔ ابوالدرداءؓ سے کسی نے آنحضرت ﷺ کی وضاحت ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ ﴾ کے بارے میں پوچھی' تو کہا کہ بشارت سے رویائے صالحہ مراد ہیں جن کو کوئی مسلم دیکھتا ہے' یا دوسروں کو اس سے متعلق خواب دکھایا جاتا ہے۔ ابوالدرداءؓ نے کہا کہ تم نے مجھ سے یہ سوال کیا اور اس سے پہلے صرف ایک وقت ایک شخص نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ یہ سچے خواب جو کوئی دیکھے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا دیکھے تو یہ دنیا کی زندگی میں بھی اس کے لئے خوشخبری ہے اور آخرت میں جنت کی بشارت ہے۔ عبادہ بن صامتؓ سے بھی حضرت ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ تم سے پہلے مجھ سے کسی نے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ بشری سے رویائے صالحہ مراد ہیں۔ ابن صامتؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ اس آیت میں آخرت کی بشارت تو جنت ہے لیکن دنیا کی بشارت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ سچے خواب جس کو کوئی دیکھے یا اس کے حق میں کسی کو دکھائے جائیں اور یہ سچے خواب بھی نبوت کے ستر یا چوالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی انسان اچھے عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی ستائش کرتے ہیں تو گویا یہ مومن کے لئے دنیا ہی میں جنت کی بشارت ہے۔ اور یہ انچاس اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے پس جو اچھے خواب دیکھے تو وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیا کرے۔ اور جو برے خواب دیکھے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے' تو چاہئے کہ تین دفعہ اپنی بائیں طرف تھوک دے اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھ لے' اور کسی سے بیان نہ کرے۔ ایک دوسری جگہ چھیالیس اجزائے نبوت میں سے ایک جزو قرار دیا ہے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رویائے حسنہ اللہ کی بشارت ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کے مرنے کے وقت ملائکہ اس کو جنت اور مغفرت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے پھر مرتے دم تک اس پر قائم بھی رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو نہ غمگین ہو' تم کو اس جنت کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے والی ہیں۔ تم جو چاہتے ہو تم کو مل گیا یہ اللہ رحیم کی طرف سے تمہیں تحفہ ہے۔ حدیث براءؓ میں ہے کہ جب مومن کی موت کا

وقت ہوتا ہے تو روشن چہرے والے اور سفید لباس والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے پاک روح راحت و ریحان کی طرف چل اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض نہیں تو یہ روح اس کے منہ سے اس طرح نکل پڑے گی جیسے مشک کے منہ سے پانی نکل پڑتا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ قیامت کی دہشت ان کو گھبرا نہ دے گی فرشتے ان سے کہیں گے کہ یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ تھا۔ اس دن مومنین کے سامنے نور چل رہا ہوگا سامنے بھی اور سیدھی طرف بھی۔ آج تمہیں بشارت ہے جنت کی جس کے نیچے ہمیشہ بہنے والی نہریں چل رہی ہیں۔ یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے وہ سنتا جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں' یہ سب اللہ ہی کے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کے دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں' محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں' وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔

رات کا اندھیرا باعث سکون اور قدرت کی نشانی ہے: اللہ پاک رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ مشرکین کا یہ قول تم کو رنجیدہ نہ کرے تم ان پر غالب آنے کے لئے اللہ سے مدد مانگو اسی پر بھروسہ کرو ہر طرح کی عزت اور غلبہ اللہ اور اللہ کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا ہے ان کے احوال کو جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ مشرکین جو اصنام کی عبادت کرتے ہیں وہ اصنام نہ ضرر پر قادر ہیں نہ نفع پر' نہ ان مشرکین کے پاس کوئی معقول دلیل ہے۔ وہ تو جھوٹ اور اٹکل اور قیاس آرائیوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ دن بھر کی تکان سے سکون و راحت حاصل کریں اور دن کو حصول معاش کی خاطر روشن بنایا۔ وہ دن میں سفر کرتے ہیں اور روشنی کے اندر ان کے دیگر مصالح ہیں ان دلائل کو سن کر عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے ان آیتوں میں نشانیاں ہیں اور وہ عظمت خالق پر دلیل لاتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں' اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے پھر ہمارے پاس ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سزائے سخت چکھادیں گے۔

اللہ کی نہ کوئی اولاد ہے نہ شریک و سہیم: اس میں تردید ہے ان لوگوں کی جو اس کے قائل ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ کے بھی کوئی لڑکا ہے۔ وہ تو پاک اللہ ہے وہ اولاد تو کیا ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر موجود چیز اس کے کرم کی محتاج ہے۔ زمین اور آسمان اور مافیہا میں سب اسی کا ہے۔ پھر وہ اپنے مملوک اور اپنے عبد ہی کو اپنا بیٹا بھلا کیسے بنا لے گا۔ اے مومنو! تمہارے پاس تو یہ دلیل ہے لیکن ان کے پاس اپنے کذب و بہتان کی کوئی دلیل نہیں۔ ارے تم جانتے کچھ بھی نہیں اور دعوے کر بیٹھتے ہو۔ یہ مشرکین کو زبردست تنبیہ ہے۔ یہ کافر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک بیٹا پیدا ہوا ہے یہ ایسی زبردست گستاخی ہے کہ اس کو سنکر آسمان پھٹ پڑے' زمین شق ہو جائے' پہاڑ گر پڑیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اللہ کو بھلا یہ کہاں سزاوار ہے کہ اس کے بھی کوئی بیٹا ہو۔ زمین و آسمان کی ہر چیز تو اللہ کی ممنون اور اسی کے عبد ہے۔ سب اس کے شمار میں ہیں وہ ان کی گنتی جانتا ہے ہر ایک قیامت کے روز انفرادی طور پر اس کے پاس حاضر ہوگا۔ پھر ان بہتان لگانے والے کافروں کو اللہ پاک دھمکی دیتا ہے کہ یہ دین اور دنیا میں کہیں بھی فلاح نہ پائیں گے۔ لیکن دنیا میں انہیں جو کچھ مل رہا ہے وہ ان کے لئے عذاب کا پیش خیمہ ہے اور ان کے لئے ڈھیل ہے تاکہ چندے اور وہ دنیا کی متاع قلیل سے مستفید ہو جائیں پھر تو انہیں زبردست عذاب سے متصادم ہونا ہی پڑے گا۔ یہ دنیا تو ان کے لئے چند روزہ زندگی کی راحت ہے۔ پھر ہماری طرف لوٹنا ہوگا ہی۔ وہاں ہم انہیں عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ ان کے کذب و افترا اور کفر کے سبب سے ہوگا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوٓا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۷۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۷۳﴾

اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونا چاہئے پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا' میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں سے رہوں۔ سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو آباد کیا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہئے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ڈرائے جا چکے تھے۔

قوم نوح کی تباہی و بربادی: اے نبی ﷺ کفار مکہ کو جنہوں نے تمہیں جھٹلایا ہے' اور تمہاری مخالفت کی ہے' نوح کے اور نوح علیہ السلام کی قوم کے واقعات سنادو۔ جس نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو ہلاک کر دیا اور ان کو کس طرح غرق آب کر دیا۔ تاکہ متقدمین کے افسوسناک نتیجہ کو دیکھ کر یہ ہوشیار ہو جائیں کہ کہیں انہیں بھی ہلاکت کا سامنا نہ ہو۔ وہ واقعات یہ ہیں کہ نوح نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اگر ایسا ہی تم کو میرا تمہارے درمیان بھڑنا اور تم کو راہ راست پر لانے کے لئے نصیحتیں کرنا گراں گزرتا ہے تو خیر مجھے بھی پرواہ نہیں میرا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے۔ تم کو گراں گزرے یا نہ گزرے میں تو تبلیغ سے باز نہیں آسکتا اچھا تم اور تمہارے شرکاء یعنی اصنام واوثان جن کی تم اللہ کی بجائے پرستش کرتے ہو' سب یک دل ہو جاؤ اور اپنی کوششوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور ہر طرح سے اپنے کو مضبوط بنالو۔ اگر تم کو یہی گمان ہے کہ تم حق پر ہو تو میرے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ کر دو اور مجھے ایک گھنٹے بھر کی مہلت نہ دو۔ جس قدر کر سکتے ہو کر گزرو۔ مجھے نہ تمہاری پرواہ ہے نہ تم سے خوف ہے کیونکہ جانتا ہوں کہ تمہارے قیاس کی بنیاد تو کچھ ہے ہی نہیں۔

ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ایسا ہی کہا تھا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو شریک الٰہی بنالیتے ہو۔ میں اس ذہنیت سے بالکل بری ہوں اب چاہو تو تم سب میرے خلاف سازش کر لو اور مجھے دم بھر کی بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمہارا بھی ہے اور میرا بھی۔ اب اگر تم نے تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی تو کیا مجھے تم سے کچھ ملنا تھا کہ جس کے ضائع ہونے کا افسوس ہو۔ میں جو تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اس پر کچھ تم سے اجرت تو نہیں مانگ رہا۔ مجھے تو اجر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ مجھے تاکید ہے کہ سب سے پہلے میں ایمان لاؤں اور مجھ پر فرض ہے کہ اسلام کے احکام کی تعمیل کروں کیونکہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا' چاہے وہ ابتدائی ہوں یا آخری' طریقہ کار اور مشرب جدا ہو جائے تو ہو جائے کچھ مضائقہ نہیں توحید کی تعلیم تو ایک ہی رہے گی۔ قول باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ہر ایک کے لئے ایک ایک شریعت الگ الگ قانون اور جداجدا راستہ بنایا ہے۔ یہ نوح ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے ایمان لاؤں۔

ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کے رب تعالیٰ نے ان سے کہا کہ ایمان لاؤ تو فوراً بول اٹھے کہ میں ایمان لایا۔ ابراہیم نے اپنے بیٹوں پوتوں اسمٰعیل اور یعقوب کو بھی نصیحت کر رکھی تھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین اسلام کو انتخاب کیا ہے اس لئے اسلام کو اختیار کر رکھو' قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے۔

یوسف علیہ السلام نے بھی کہا تھا کہ اے اللہ! تو نے مجھے بادشاہت عطا فرمائی اور بات کی توجیہ و تاویل کی تعلیم دی زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا تو ہی ہے۔ دنیا اور آخرت میں میرا اولی ہے۔ میں مروں تو اسلام پر قائم رہ کر مروں اور مجھے صالحین کے گروہ میں شامل رکھ۔

موسیٰ نے کہا تھا کہ اے لوگو! اگر تم مسلمان ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اسی پر ایمان لاؤ۔ موسیٰ کے زمانہ کے جادوگروں نے کہا تھا کہ یارب! ہم کو ثابت قدم رکھ اور اسلام کی موت دے۔ بلقیس نے کہا تھا کہ یااللہ میں حد سے آگے بڑھ گئی تھی۔ میں اسلام لاتی ہوں اور اسلام کا دین اختیار کرتی ہوں۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے جو توراۃ نازل کی ہے وہ سراسر ہدایت اور نور ہے۔ مسلمانوں پر نبی ﷺ اسی کے ذریعہ حکم قائم کرتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حواریین عیسیٰ کی طرف ہم نے القاء کیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اے اللہ تعالیٰ تو ہی گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

خاتم الرسل سید البشر ﷺ نے فرمایا کہ میری نماز اور میری عبادت میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین ہی

کے لئے ہے' جس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اسی کے حکم کا مامور ہوں اور پہلے میں ہی اسلام لاتا ہوں۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ ہم انبیاء کے گروہ گویا علاتی بھائی ہیں کہ باپ سب کا ایک ہے اور مائیں جدا جدا۔ یعنی دین ہم سب کا ایک ہے اور وہ رب واحد کی عبادت ہے۔ چاہے سب کی شریعتیں الگ الگ ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے دین پر چلنے والوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دے دی اور ان کو زمین پر بحیثیت خلیفہ قرار دیا۔ اور جنہوں نے ہماری باتوں کو جھٹلا دیا تھا ان کو غرق کر دیا۔ دیکھو ان بد نصیبوں کا کیسا برا حشر ہوا (اے محمد!) دیکھو ہم نے مومنین کو کیسی نجات دی اور نہ ماننے والوں کو کیسا ہلاک کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے پس جس چیز کو انہوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں

نوح ؑ کے بعد سلسلہ رسالت جاری رہا: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے نوح کے بعد دوسرے رسولوں کو بھی ان کی اپنی قوموں کی طرف بینات و دلائل اور معجزے دے کر بھیجا لیکن وہ جس طرح تکذیب کر چکے تھے اسی پر قائم رہے اور سابقہ رسولوں کی تکذیب کے گنہگار تو تھے ہی اب ان رسولوں پر بھی ایمان نہ لائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ ہم ان کے دلوں اور نگاہوں سے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت ہی نکال دیتے ہیں اور ان سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ یعنی جیسا کہ سابقہ امتوں نے پیغمبر کی تکذیب کی تھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی۔ اسی طرح ان گمراہوں کی پیروی کرنے والوں کے دلوں پر بھی مہر کر دی چنانچہ جب تک وہ درد ناک عذاب سے دوچار نہ ہوں گے یقین نہ کریں گے۔ مطلب یہ کہ تکذیب رسل کرنے والی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اور جو رسولوں پر ایمان لائے انہیں نجات عطا فرمائی۔ یہ نوح علیہ السلام کے بعد کے لوگوں کا ذکر ہے ورنہ آدم علیہ السلام کے زمانے کے بعد کے لوگ تو اسلام پر قائم تھے لیکن بعد میں ان کے اندر عبادت اصنام کا چلن جڑ پکڑ گیا۔ اسی لئے تعالیٰ نے ان کی طرف نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ اسی لئے تو قیامت کے روز مومنین نوح علیہ السلام کو کہیں گے کہ آپ پہلے پیغمبر ہیں جو دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں گزری تھیں یہ سب مذہب اسلام پر قائم تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نوح کے بعد کتنے ہی زمانے ہم نے ختم کر دیئے آیت متذکرہ بالا کے ذریعہ مشرکین عرب کو ڈرایا گیا ہے جو خاتم الرسل ﷺ کی تکذیب کر رہے تھے۔ جب کہ سابقہ پیغمبروں کو جھٹلانے پر عذاب و نکال کا اللہ تعالیٰ نے اس قدر ذکر کیا ہے تو قریش کو تکذیب رسول ﷺ پر غور کرنا چاہئے کہ وہ تو ان سے بھی بڑے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ یہ تو خاتم الانبیاء ﷺ ہیں اب پھر نہ کوئی نبی آئے گا نہ انہیں ہدایت کا کوئی دوسرا موقع ملے گا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا

أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿۷۸﴾

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات دے کر بھیجا سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے موسیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں ریاست مل جائے اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔

موسیٰ اور ہارون فرعون کی طرف: پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی طرف موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو بھیجا اور اپنی نشانیاں اور دلائل و براہین بھی ساتھ دیئے لیکن اتباع حق اور انقیاد طاعت سے اس مجرم قوم نے انکار کر دیا۔ اور جب ان کے پاس ہماری طرف سے امر حق آ پہنچا تو بلا تامل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ گویا کہ انہوں نے اپنی سرکشی پر قسم ہی کھا رکھی تھی۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں فی الواقع جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ خود اللہ پاک فرماتا ہے کہ وہ انکار تو کر رہے ہیں لیکن ان کے دل خود یقین رکھتے ہیں کہ یہ ہمارا ظلم اور سرکشی ہے۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تردید اً کہا کہ حق بات تمہارے سامنے آتی ہے تو کہہ اٹھتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر تو کبھی خیر و فلاح کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ منکرین کہتے ہیں کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تم اسی لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمارے باپ دادا کے دین سے ہمیں پھیر دو اور پھر ساری عظمت و ریاست غلبہ و سطوت سب تمہارے اور تمہارے بھائی ہارون کے لئے ہو جائے ہم تو کبھی تم کو ماننے والے نہیں۔

اللہ پاک نے اپنی کتاب عزیز میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو متعدد بار ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ عجیب تر قصہ ہے فرعون پہلے ہی سے موسیٰ (علیہ السلام) سے پر حذر رہتا تھا۔ لیکن قدرت کے کھیل دیکھو کہ جس سے فرعون اتنا خوف زدہ تھا۔ اللہ پاک نے اسی کو فرعون کے پاس پالا پوسا اور شہزادوں کی طرح آپ علیہ السلام اس کے گھر پرورش پاتے رہے پھر ایک انقلاب آیا اور ایک ایسا سبب پیدا ہو گیا کہ آپ فرعون کے پاس سے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور کلام بالمشافہ سے آپ کو سرفراز فرمایا۔ پھر اسی فرعون کی طرف بھیجا کہ جاؤ اسے دعوت اسلام دو کہ وہ ہماری طرف رجوع کرے اور بے دینی کے بجائے ہمارے دین پر چلے حالانکہ جو عظمت و سطوت کہ فرعون کو حاصل تھی سو تھی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے ہیں اور آپ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا اور کوئی آپ کا مددگار نہیں۔ لیکن فرعون نے سرکشی کی غرور کیا۔ اس میں حمیت بیجا پیدا ہو گئی اس کا نفس خبیثہ جاگ اٹھا وہ موسیٰ سے روگرداں ہو گیا اور وہ دعویٰ کر بیٹھا جس کا اس کو کوئی حق نہ تھا۔ بغاوت و سرکشی کی بنی اسرائیل کے مومنین کے اہانت کی۔ ایسے نازک موقف پر بھی فرعون کی دست برد سے موسیٰ اور ہارونؑ محفوظ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور یکے بعد دیگرے موسیٰ کے ساتھ مجادلہ اور نوک جھونک ہوتی رہتی ہے اور موسیٰ ایسی ایسی نشانیاں اور معجزات پیش کرتے ہیں کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ کے سوا اور کوئی ایسے دلائل نہیں پیش کر سکتا۔ ایک نشانی سے بڑھ کر دوسری نشانی پیش کی جاتی۔ لیکن فرعون اور اس کی جماعت بھی قسم کھا بیٹھی تھی کہ نہ مانیں گے حتیٰ کہ جب عذاب آیا تو ایسا آیا کہ کوئی اس کو رد ہی نہ کر سکتا تھا چنانچہ ایک دن وہ سب غرق کر دیئے گئے اور اس ظالم قوم کا استیصال ہو گیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝٧٩ فَلَمَّا جَاۗءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝٨٠ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٨١ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨٢

اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو سو جب وہ آئے موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو ڈالنا ہے سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں

موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ: اللہ پاک نے جادوگروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا ذکر سورۂ اعراف میں فرمایا ہے اور وہاں اس قصہ پر روشنی ڈالی جاچکی ہے اور اس سورۃ اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں بھی ذکر ہے کہ فرعون نے ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ کے حق مبین کا معارضہ اپنے جادوگروں کے خرافات اور شعبدوں سے کرے۔ لیکن اس کی آنتیں اسی کے گلے پڑیں۔ وہ مقصد میں ناکام رہ گیا اور محفل عام میں براہین الٰہیہ غالب آگئے اور سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے ہم تو رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون کا تو گمان تھا کہ وہ جادوگروں سے مدد لے کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر غالب آئے گا۔ لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مستوجب دوزخ ہو گیا۔ فرعون نے حکم دیا تھا کہ ہر گوشہ ملک سے ساحر جمع کئے جائیں۔ ان ساحروں سے موسیٰؑ نے کہا اپنا عمل کر و جو کرنا چاہتے ہو اور یہ اس لئے کہا کہ فرعون نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ غالب آجاؤ گے تو تم لوگ میرے مقرب ہو گے اور تمہیں بڑا انعام واکرام دیا جائے گا۔ ساحروں نے کہا کہ موسیٰؑ! تم پہلے اپنا کرتب دکھاؤ گے کہ ہم پہلے دکھائیں۔ موسیٰؑ نے کہا تم ہی پہل کرو۔ اس غرض سے کہا تا کہ لوگ دیکھ سکیں کہ جادوگر کیا چیز پیش کرتے ہیں پھر اس کے بعد حق سامنے آئے اور باطل کی سرکوبی کرے۔ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈال دیں اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو چلا دیا رسیاں سانپ بن گئیں لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ بڑا زبردست جادو پیش کیا موسیٰؑ بھی خوفزدہ ہو گئے ہم نے کہا موسیٰؑ ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اپنے ہاتھ کا عصا بھی میدان میں پھینک دو! وہ بھی اژدھا بن کر ان کے سانپوں کو نگل جائے گا۔ ساحروں کا یہ کرتب جادو کا کھیل ہے اور جادوگر تو کسی صورت کامیاب نہیں ہو سکتا ایسے میں موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ یہ تمہارا کھیل تو جادو کا کھیل ہے اللہ تعالیٰ اسے باطل کر کے رہے گا۔ مفسدین کے عمل کامیاب نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کر کے رہے گا۔ خواہ گنہگاروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ ابن ابی سلیمؒ سے روایت ہے کہ یہ آیتیں بحکم اللہ تعالیٰ سحر سے شفا کا کام دیں گی' اس آیت کو پڑھ کر پانی پر پھونکو پھر مسحور کے سر پر انڈیل دو۔ یہ سورۂ یونس کی آیت ہے وہ یہ ہے ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى تاآخرہ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ دوسری آیت ہے ﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور ﴿ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰي خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَھُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝٨٣

پس موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف

پہنچادے اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا

فرعون کی سطوت اور سرکشی: اللہ پاک خبر دیتا ہے کہ موسیٰ نے آیات بینات جو پیش کیں تو فرعون کی قوم اور اس کی ذریات میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ ایمان لانے والے نوجوانوں اور اس کے افراد قوم کو یہ خوف تھا کہ جبراً وہ پھر حالت کفر پر لوٹا دیئے جائیں گے کیونکہ فرعون بڑا عیار (سرکش تھا) اس کی شوکت و دبدبہ بہت بڑھا ہوا تھا اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی غیر بنی اسرائیل میں سے صرف فرعون کی عورت اور آل فرعون سے ایک اور شخص پھر فرعون کا خازن اور اس کی بیوی بس یہی قلیل جماعت تھی جو ایمان لے آئی تھی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ سے موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل مراد ہے جن کی طرف موسیٰؑ بھیجے گئے تھے اور جو بہت عرصہ پہلے اس اولاد کو چھوڑ کر مر گئے تھے ابن جریرؒ ﴿ ذُرِّيَّةٌ ﴾ کے بارے میں مجاہدؒ کا قول پسند کرتے ہیں کہ وہ قوم فرعون سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل سے تھے کیونکہ ضمیر جب بھی راجع ہوتی ہے تو قریب تر کی طرف راجع ہوتی ہے اور یہاں قریب تر موسیٰؑ کا لفظ ہے نہ کہ فرعون کا۔ اور یہ غور طلب بات ہے اس لئے کہ ﴿ ذُرِّيَّةٌ ﴾ سے مراد نوجوان لوگ ہیں اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور مشہور ہے کہ بنی اسرائیل تو سب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور انہیں بشارت دی جا چکی تھی اور وہ موسیٰ کے صفات سے خوب واقف ہو چکے تھے اور انہیں بشارت کتب مقدسہ سے مل چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرعون کی قید سے نجات دے گا اور فرعون پر غالب بنائے گا۔ اور اسی لئے جب فرعون کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت محتاط رہنے لگا اور جب موسیٰؑ مبلغ ہو کر فرعون کے پاس آئے تو فرعون بنی اسرائیل کو بہت تکلیفیں پہنچانے لگا۔ اب وہ کہنے لگے کہ موسیٰؑ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جارہے تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جارہے ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا ذرا صبر کرو اللہ تعالیٰ قریب تر عرصے میں تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور اس کا جانشین تمہیں بنادے گا اور دیکھے گا کہ اب تم خود کیسا عمل کرتے ہو۔ اور جب یہ بات ہے ﴿ تو ذُرِّيَّةٌ ﴾ سے قوم موسیٰؑ یعنی بنی اسرائیل کے سوا اور کیا مراد ہو سکتی ہے بنی اسرائیل کو فرعون اور پھر اپنی جماعت سے خوف تھا کہ وہ پھر انہیں کافر بنالیں گے اور بنی اسرائیل میں قارون کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ ڈرتے کیونکہ قارون موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا لیکن باغی تھا فرعون سے ملا ہوا تھا۔ یہاں ﴿ مَلَاْئِهِمْ ﴾ کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف گئی ہے۔ لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ یہ ضمیر فرعون اور عمائد فرعون کی طرف جاتی ہے کیونکہ اس کے عمائد بھی اس کے متبعین میں سے تھے یا یہ کہ فرعون سے پہلے آل کا لفظ محذوف سمجھا جائے اس لئے کہ جمع کی ضمیر ہے اور مضاف کی جگہ مضاف الیہ رکھ دیا گیا ہے یعنی آل کی جگہ فرعون رکھ دیا گیا ہے سو یہ بعید از قیاس بات ہے۔ اگرچہ ابن جریرؒ نے یہ دونوں باتیں لکھی ہیں یہ سب بیان اس پر دلالت کرتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سب مومن تھے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم اطاعت کرنے والے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافر لوگوں سے نجات دے

اللہ پر بھروسہ اور اس کی عبادت: اللہ پاک فرماتا ہے کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ہی ایمان رکھتے

ہو تو اسی پر بھروسہ کر بیٹھو' اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کا کفیل ہو جاتا ہے۔ اور اکثر دفعہ عبادت اور توکل کو ملا کر کہا گیا ہے ﴿ اُعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ وغیرہ

اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ ہر نماز میں متعدد بار کہو کہ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ چنانچہ بنی اسرائیل حکم بجالائے اور کہا کہ ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ہم تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اے اللہ تعالیٰ ہم کو ان ظالموں کا زیر مشق ستم نہ بنا۔ ہم پر انہیں کامیاب نہ کر۔ ورنہ وہ یہ گمان کریں گے کہ ہم ہی حق پر ہیں اور یہ بنی اسرائیل باطل پر ہیں چنانچہ اور زیادہ ہم پر ستم توڑیں گے آل فرعون کے ہاتھوں ہمیں عذاب نہ دے اور نہ اپنے عذاب میں مبتلا کر ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے اور ہم ان پر غالب نہ آتے اور ہمیں اپنی رحمت اور احسان سے اے اللہ اس کافر قوم سے نجات بخش۔ یہ کافر ہیں اور ہم مومن ہیں اور تجھی پر بھروسہ رکھتے ہیں

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو۔ اور آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔

بنی اسرائیل کو نماز کا حکم: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینے کے سبب کو بیان کرتا ہے کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ہم نے حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو لے کر مصر میں جا بسو ﴿ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ میں مفسرین کا اختلاف ہے ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے گھروں ہی کو مسجدیں بنالو۔ اور ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل خوفزدہ تھے اس لئے حکم دیا گیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھا کرو اور اس حکم کی حیثیت بالکل ایسی ہے کہ جب فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے گرفت بہت بڑھ گئی تو کثرت صلوۃ کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ بھی جب کسی وقت بہت گھبرا اٹھتے تو نماز سے مدد حاصل کرتے اسی لئے اس آیت میں ہے کہ گھروں ہی کو مسجدیں سمجھ کر نمازیں پڑھنے لگو اور مومنین کو ثواب اور نصرت قریب کی بشارت دو۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم فرعونیوں کے سامنے کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا گھروں ہی میں پڑھ لو۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو فرعون سے خوف تھا کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے اس لئے کہا گیا کہ اچھا چھپ کر گھروں میں پڑھ لو اور گھروں کو آمنے سامنے بنائے رکھو۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰۗنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب تعالیٰ! آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں

دیئے اے ہمارے رب! اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب تعالیٰ! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں

موسیٰ اور ہارون کی اللہ تعالیٰ سے دعا: اللہ پاک خبر دے رہا ہے کہ جب فرعون اور اس کی جماعت نے قبول حق سے انکار کیا اور اپنی گمراہی و کفر پر قائم رہے ظلم و سرکشی اختیار کی تو موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا رب! تو نے فرعون اور اس کے لوگوں کو زینت دنیا اور اموال کثیر اس دنیا میں دے رکھا ہے اس سے تو وہ اور بھٹک جائیں گے یا دوسروں کو بھٹکانے لگیں گے ﴿ لِيَضِلُّوا ﴾ فتح یا کے ساتھ یہ معنی ہوئے کہ تو نے انہیں یہ نعمتیں دیں حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے یہ تو ان پر سر فرازی ہوئی۔ دوسرا قول ہے ﴿ لِيُضِلُّوا ﴾ ضم یا کے ساتھ یعنی تیرے عطیات کے سبب لوگ یہ خیال کریں گے کہ تیری ان پر جو سر فرازیاں ہیں وہ گویا اس کا ثبوت ہیں کہ تو نے انہیں دوست رکھتا ہے جب ہی تو انہیں خوشحال رکھا یہ گویا سبیل ہوئی اس بات کی کہ ان کی وجہ سے لوگ بھٹکے اس لئے اے اللہ تعالیٰ ان کے اموال کو ہلاک کر دے۔ ضحاک اور ابو العالیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کو پتھر بنا دیا۔ وہ پتھر ویسے ہی منقوش بنے ہوئے قلب ماہیت پائے گئے جس کیفیت میں کہ وہ اموال اپنی اصلی حالت میں تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہمارے علم میں آیا ہے کہ ان کے اناج نے بھی پتھر کی شکل اختیار کر لی تھی اور شکر وغیرہ بھی پتھر کے ذرات کی شکل میں آ گئی تھی۔ محمد بن کعب نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے سورہ یونس پڑھی اور جب اس آیت پر پہنچے ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ ﴾ تو عمر نے کہا اے ابو حمزہ طمس کا کیا مطلب ہے تو ابو حمزہ نے کہا کہ ان کے مال و متاع پتھر بن گئے تھے۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ تھیلی لے آ۔ جب وہ تھیلی لے آیا تو اس میں چنے اور انڈے رکھے ہوئے تھے جو پتھر بنے ہوئے تھے۔ وقولہ ﴿ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ! ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ عذاب الیم دیکھنے تک ایمان ہی نہ لائیں۔ یہ دعا موسیٰ نے غضب میں آ کر فرعون اور قوم فرعون کے حق میں کی تھی جن کے بارے میں حضرت موسیٰ کو یقین ہو چکا تھا کہ اب ان میں اصلاح کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور اب کسی خیر کی ان سے امید ہی باقی نہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا کہ ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴾ اے اللہ! ان کافروں میں سے کسی باشندے کو نہ چھوڑ اگر تو ان کو زندہ چھوڑے گا تو یہ تیرے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی جتنی بھی اولاد ہوگی سب کافر ہی کافر پیدا ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام نے اس پر آمین کہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دونوں کی دعا قبول کی جاتی ہے اور آل فرعون ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اسی آیت سے اس بات پر دلیل لائی جاتی ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرات فاتحہ پر آمین کہے تو یہ مقتدی کے بھی خود قرآن پڑھنے کے بمنزلہ ہے اسی لئے موسیٰ نے دعا کی تھی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی ﴿ فَاسْتَقِيمَا ﴾ جیسے کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے اب تم بھی اسی طرح میرے حکم پر مستقیم رہو اور میرے احکام نافذ کرو۔ استقامت اسی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دعا کے چالیس سال بعد فرعون ہلاک ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس دن بعد۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَاءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَاءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ

بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا۔ یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے اور پہلے سے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری عبرتوں سے غافل ہیں۔

موت کے وقت فرعون کا ایمان لانا: اللہ پاک فرعون اور لشکر فرعون کے غرق ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل جب موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکلے اور وہ چھ لاکھ سپاہی تھے فرعون کی ایمان لائی ہوئی ذریت کو چھوڑ کر۔ بنی اسرائیل نے فرعون کی قوم والے قبطیوں سے کثیر تعداد میں زیور قرض مانگ لئے تھے اور لے کر نکل گئے چنانچہ فرعون کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے کارندوں کو اپنے ہر ملک سے لشکر جمع کرنے کو بھیجا اور ایک لشکر عظیم لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑا اور اللہ تعالیٰ کا منشا ہی یہی تھا چنانچہ اس ملک کے جتنے بھی صاحبان ثروت و دولت تھے کوئی شرکت سے باز نہ رہا سب ہی فرعون کے ساتھ ہو گئے۔ صبح صبح کے وقت ان لوگوں نے بنی اسرائیل کو پالیا فریقین نے جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰؑ پکار اٹھے کہ اے موسیٰؑ! اب تو ہم دھر لئے گئے اور یہ اس وقت کی بات تھی جبکہ بنی اسرائیل دریا کے کنارے آ پہنچے تھے اور فرعونی ابھی پیچھے تھے۔ صورت اس کے سوا کوئی باقی نہیں رہی تھی کہ فریقین میں تصادم ہو جائے۔ موسیٰ سے لوگ بار بار پوچھنے لگے کہ اب کیا ہو گا فرعونیوں سے کیسے بچیں گے آگے دریا پیچھے دشمن موسیٰ کہتے تھے کہ مجھے تو یہی حکم ہے کہ دریا میں راستہ پیدا کروں ہم کبھی نہیں پکڑے جائیں گے میرا رب تعالیٰ میرا قائد ہے۔ جب انتہائی مایوسی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یاس کو امید سے بدل دیا اور حکم فرمایا کہ دریا پر اپنا عصا مارو۔ موسیٰ نے عصا مارا اور دریا پھٹ پڑا۔ پانی کا ہر ٹکڑا ایک بلند پہاڑ تھا۔ دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ہر گروہ کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا۔ دریا کے اندر کی گیلی زمین کو خشک ہواؤں نے فوراً سکھا دیا اور راستہ گزرگاہ کے قابل ہو گیا۔ دریائی راستے سوکھ گئے۔ اب نہ گرفتار ہونے کا خوف تھا اور نہ کسی بات کا ڈر کہ ڈوب جائیں گے۔ پانی کی دیواروں کے اندر دریچے سے بن گئے تھے تاکہ ہر راستے والے اپنے ساتھیوں کو ان دریچوں کے ذریعہ دیکھ سکیں اور مطمئن ہو سکیں کہ دوسرے ہلاک نہیں ہو گئے ہیں۔ اب بنی اسرائیل نے دریا کو طے کر لیا جب آخری اسرائیلی بھی دریا پار ہو گیا تو فرعون کا لشکر دریا کے اس پار کنارے پہنچ چکا تھا۔ اس لشکر میں ایک لاکھ سوار تو صرف سیاہ گھوڑوں والے تھے۔ دوسرے رنگ کے گھوڑے اس کے سوا تھے اس سے لشکر فرعون کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرعون نے جب یہ ہیبت ناک سین دیکھا تو ڈر گیا اور واپس ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن افسوس کہ اب نجات کا موقع جا چکا تھا تقدیر نافذ ہو چکی تھی موسیٰؑ کی دعا نے قبولیت حاصل کر لی تھی۔ جبرائیل ایک گھوڑی پر سوار تھے۔ فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے۔ گھوڑی کو دیکھ کر گھوڑا ہنہنا اٹھا جبرائیل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی دریا میں ڈال دی گھوڑا بھی دریا میں کود پڑا فرعون اس کو نہ تھام سکا۔ مجبوراً دریا میں داخل ہو گیا لیکن اپنی بہادری ثابت کرنے کے لئے اپنے ساتھی امراء کو پکارا کہ بنی اسرائیل ہم سے زیادہ دریا کے اندر داخل ہونے کے حقدار نہیں۔ سب دریا میں کود پڑو راستہ بنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا لشکر دریا کے اندر سما گیا۔ میکائیل سب کے پیچھے تھے اور اس کے لشکر کو ہانک کر آگے بڑھا رہے تھے چنانچہ ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ جب سب داخل دریا ہو گئے اور بنو اسرائیل سب دریا پار ہو گئے تو اللہ پاک نے دریا کو آپس میں جوڑ دیا۔ اب کوئی فرعونی بھی نہ بچ سکا۔ موجیں بلند ہو رہی تھیں اور پست ہو رہی تھیں مد و جزر پیدا ہو گیا تھا۔ فرعون پر سکرات موت طاری تھی۔ اب وہ کہہ اٹھا کہ ہاں بنی اسرائیل کے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں میں ایمان لاتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ وہ اس وقت ایمان لایا جب کہ ایمان لانا کچھ بھی مفید نہ تھا۔

قول باری تعالیٰ ہے کہ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو بول اٹھے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور کفرو شرک سے باز آئے۔ لیکن ہمارا عذاب دیکھ چکنے کے بعد ایمان نفع بخش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔ کافر لوگ خسارے میں رہیں گے۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرعون کے جواب میں کہا کہ اب ایمان لاتا ہے اور اب تک نافرمان اور کافر بنا ہوا تھا اور فتنے مچا رہا تھا اور لوگوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ وہ لوگ دوزخ میں لے جانے کے لئے دوسروں کے امام بنے ہوئے تھے۔ اب ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی یہ بات کہ ﴿ اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی ﴾ نبی اکرم ﷺ سے بیان فرمائی۔ یہ ان غیب کی باتوں میں سے تھی جس کی خبر صرف حضرت ﷺ ہی کو ہو سکی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرعون نے ایمان کا کلمہ زبان سے نکالا تو جبریل علیہ السلام مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ اے نبی اللہ ﷺ! میں نے دریا کا کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دیا اس بنا پر کہ دریائے رحمت کو جوش نہ آ جائے۔

قولہ تعالیٰ ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾ اب ہم تیری روح کو نہیں تیرے جسم کو محفوظ کرتے ہیں تاکہ بعد والوں کے لئے وہ عبرت بن جائے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے فرعون کی موت کے بارے میں شک کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ فرعون کے جسد بے روح کو جس پر لباس بھی موجود ہے زمین کے ایک ٹیلہ پر پھینک دے تاکہ لوگوں کو فرعون کی موت کا حقیقی ثبوت مل جائے۔ بدن یعنی جسم بلاروح ﴿ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴾ یعنی اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ ہلاکت یوم عاشورہ میں ہوئی تھی نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ آئے تو ان دنوں یہود عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پوچھا کہ اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو تو یہود نے کہا اس دن موسیٰ فرعون پر غالب آئے تھے۔ تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے لوگو! تم اس روز روزہ رکھنے کے یہود سے زیادہ مستحق ہو اس لئے عاشورہ کا روزہ رکھا کرو۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں کھانے کو دیں سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ یقینی بات ہے کہ آپ کا رب تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے

بنی اسرائیل پر انعامات کا تذکرہ: اللہ پاک بنی اسرائیل پر اپنی دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو رہنے کے لئے اچھی جگہ دی یعنی بلاد مصر و شام جو بیت المقدس کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو ہلاک کر دیا تو حکومت موسوی بلاد مصر پر قابض و متصرف ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قوم کو وارث بنا دیا جو مشرق و مغرب ہر جگہ کمزور تھی ہم نے انہیں برکت دی اور بنی اسرائیل سے تمہارے رب تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور فرعون کی قوم نے جو کچھ محلات و عمارات تیار کی تھیں سب تہس نہس کر دی گئیں۔ ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔ خزائن ان سے چھین لئے اور ان سب کا وارث بنو اسرائیل کو بنا دیا۔ انہوں نے بے شمار باغات و چشمے چھوڑے تھے لیکن بنی اسرائیل موسیٰ سے ہمیشہ ہی بلاد بیت المقدس کا مطالبہ کرتے رہتے تھے جو حضرت خلیل اللہ کا وطن ہے۔ ان دنوں یروشلم پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا۔ بنو اسرائیل کو ان سے لڑنے

کے لئے کہا گیا تو وہ انکار کر بیٹھے تو اللہ پاک نے انہیں دشت تیہہ میں گم کر دیا۔ چالیس برس وہاں گزرے اس عرصہ میں ہارون اور پھر موسیٰ وفات پا گئے۔ اب بنی اسرائیل تیہہ سے یوشع بن نون کی معیت میں باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس ان کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ یہ عرصہ تک ان کے قبضہ میں رہا۔ پھر بخت نصر نے قبضہ کر لیا۔ پھر دوبارہ بنو اسرائیل کا قبضہ ہوا پھر ملوک یونان اس پر متصرف ہوئے ان کے احکام طویل مدت تک چلتے رہے۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمنی میں ملوک یونان سے ساز باز کی حضرت عیسیٰ کی چغلیاں کھائی اور کہا کہ عیسیٰ رعایا میں فساد و فتنہ پیدا کر رہا ہے۔ ملک یونان نے ان کو پکڑ کر سولی دینا چاہی لیکن مشیت باری تعالیٰ سے ایک حواری پر عیسیٰ کا گمان ہو گیا اس کو پکڑ کر سولی دیدی گئی اور گمان کیا کہ عیسیٰ یہی تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے پھر مسیح علیہ السلام کے تقریباً تین سو برس بعد ایک یونانی بادشاہ قسطنطین نے دین نصرانی قبول کیا۔ لیکن یہ فیلسوف تھا۔ کہتے ہیں کہ دین نصاریٰ میں تقیہ اور حیلہ کے طور پر شامل ہو گیا تھا تاکہ دین عیسیٰ میں فتنہ پردازی کرے۔ نصرانی پادریوں نے اس کے حکم سے شریعت کے نئے نئے قانون وضع کئے۔ بدعتیں پھیلائیں چھوٹے بڑے کنیسے اور عبادت گاہیں بنائیں۔ ہیاکل و معابد قائم کئے۔ اس زمانہ میں دین نصرانیت بہت پھیل گیا اور تغیر و تحریف اس میں ہونے لگی۔ رہبانیت پیدا ہو گئی سچے دین مسیح کی مخالفت ہونے لگی۔ حقیقی دین صرف چند عبادت گزاروں کے اندر ہی باقی رہ گیا۔ اب یہ بھی راہبوں کی شکل میں جنگلوں اور میدانوں میں صومعے بنا کر رہنے لگے۔ نصاریٰ کا قبضہ شام جزیرہ اور بلاد روم پر ہو گیا۔ اسی بادشاہ نے شہر قسطنطنیہ اور قمامہ بسایا۔ بیت المقدس میں بیت لحم اور کنائس بنائے۔ حوران کے شہر بسائے جیسے بصریٰ وغیرہ۔ بڑی بڑی محکم عمارتیں بنائیں۔ یہیں سے صلیب پرستی کی ابتداء پڑی مشرق بعید تک جا پہنچے اور وہاں بھی کنیسے بنائے۔ خنزیر کا گوشت حلال کر لیا۔ دین کے فروع اور اصول میں عجیب عجیب بدعتیں پیدا کیں۔ امانت حقیرہ کا اصول وضع کر کے امانت کبیرہ کا نام رکھ دیا بادشاہ کے حکم سے نئے نئے قوانین شریعت بنا لئے۔ اس کی شرح بہت طویل ہے۔ غرض یہ کہ ان بلاد پر ان کا قبضہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ تک رہا۔ حتیٰ کہ بیت المقدس حضرت عمر بن خطاب کے ہاتھوں فتح ہوا للہ الحمد علی ذلک

ہم نے انہیں پاک پاک چیزیں دیں تھیں تاکہ طیب چیزیں کھائیں۔ لیکن معلومات مذہبی کے باوجود وہ اختلاف کرنے لگے حالانکہ اختلاف فی المذہب کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو سب باتیں بلا التباس صاف صاف بیان کر دی تھیں۔ حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر فرقے بنا لئے تھے اور نصاریٰ نے بہتر بنائے اور میری امت تہتر فرقے بنائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور باقی سب ناری حضرت ﷺ سے پوچھا گیا وہ ایک کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ میں قیامت کے روز ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ
لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ
كَذَّبُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے

ہیں۔ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہر گز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں آپ تباہ نہ ہو جائیں یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام دلائل پہنچ جائیں جب تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں

دلائل و براہین کے باوجود ایمان نہ لانا: قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں شک کرتا ہوں نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں امت کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی صفت کتب متقدمہ توریت و انجیل میں موجود تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں وہ اس بناء پر کہ آپ ﷺ کی صفات توریت وانجیل میں مکتوب پاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کہ وہ نبی کی صداقت کو اس عمدگی کے ساتھ جانتے ہیں جس طرح اپنے بچوں کو پھر بھی اس صداقت کو چھپاتے ہیں تحریف و تبدیل انجیل میں کر دیتے ہیں۔ قیام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر حق کی حجت قائم ہو چکی ہے لیکن کیسا ہی ثبوت ان کو کیوں نہ ملے یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے۔ لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا کچھ نفع بخش نہ ہوگا۔ قوم کے اسی درجہ پر پہنچ جانے کے بعد ہی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بد دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ! ان کے اموال فنا کر دے ان کے دلوں پر مہر لگا دے عذاب کے بغیر یہ نہ مانیں گے۔ اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اگر ہم ان پر ملائکہ بھی نازل کر دیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے لئے جمع کر دیں پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں اور ان میں سے اکثر تو جانتے ہی نہیں ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا ہاں مگر یونس کی قوم۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص تک عیش دیا

عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں ہوتا مگر قوم یونس کو اللہ نے معاف کر دیا: امم سابقہ میں سے کوئی بھی امت ساری کی ساری ایمان نہیں لائی جس کی طرف کہ ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے تھے بلکہ تم سے پہلے بھی اے محمد (ﷺ) جو رسول آیا' ضرور اس کی تکذیب کی گئی۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے کہ افسوس بندوں پر کہ رسول ان کے پاس آتا ہے تو اس کا مذاق اڑائے بغیر نہیں رہتے یا یہی کہتے ہیں کہ یہ تو جادوگر ہے یا یہ کہ مجنون ہے۔ جس قریہ میں بھی ہمارا کوئی نبی پہنچا تو وہاں کے خوشحالوں نے یہی کہا کہ ہم تو اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلیں گے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ انبیاء میرے سامنے پیش کئے گئے۔ کسی نبی کے ساتھ بڑی بڑی جماعتیں امتیوں کی تھیں اور کسی نبی کے ساتھ ایک ہی آدمی تھا اور کسی نبی کے ساتھ دو آدمی اور کسی کے ساتھ تو ایک بھی نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا ذکر فرمایا۔ پھر اپنی امت کی کثرت کا ذکر جس نے کہ مشرق مغرب کو ڈھانپ لیا تھا۔ غرض یہ کہ قوم یونس علیہ السلام کے سوا کسی ملک کی قوم سب کی سب ایمان نہیں لائی یونس کی قوم اہل نینوا تھے ان کا ایمان عذاب دکھائی دینے کے بعد ڈر کی بناء پر تھا۔ عذاب سے ڈرا کر اللہ تعالیٰ کا نبی قوم کے اندر سے باہر نکل گیا تھا۔ اب ان لوگوں کو سخت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی' اللہ تعالیٰ سے فریاد وزاری کی' اپنے بچوں اور مویشیوں سب کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے آ کھڑے ہوئے کہ اللہ سے درخواست کی کہ جس عذاب کی نبی نے خبر دی ہے

اور پھر ہم سے جدا ہو گیا ہے اس کو دور فرما دے اس وقت اللہ نے ان پر رحم کیا' عذاب جو سامنے آ چکا تھا ہٹ گیا۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ قوم یونس جب ایمان لے آئی تو حیات دنیوی میں ان پر آیا ہوا عذاب ہم نے ہٹالیا اور جیتے رہنے تک اس عذاب سے ہم نے انہیں بچالیا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف دنیوی عذاب ہٹایا عذاب آخرت بھی ہٹ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دنیا کا عذاب۔ کیونکہ آیت سے صرف اسی پر روشنی پڑتی ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کا قول ہے کہ ہم نے نبی کو ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا تھا وہ ایمان لائے چنانچہ میعاد معینہ تک ہم نے انہیں مستفید فرمایا۔ یہاں ایمان کا لفظ مطلق ہے بلا قید ہے اور مطلق ایمان تو عذاب اخروی سے نجات دینے والا ہوتا ہے واللہ اعلم۔

قتادہؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عذاب آچکنے کے بعد کوئی قوم ایمان لائے تو نہیں چھوڑا جاتا ہے لیکن جب یونس نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور لوگ سمجھ گئے کہ اب عذاب سے نجات نہیں تو ان کے دلوں میں توبہ کے جذبات پیدا ہوئے۔ انہوں نے خراب کپڑے پہن کر اپنے کو بد حال بنالیا۔ مویشیوں کا گروہ اور ان کے بچوں کا گروہ الگ الگ کیا۔ اپنے ساتھ بچوں جانوروں تک کو لے کے چالیس دن تک فریاد و زاری کی۔ اللہ نے ان کے خلوص نیت اور توبہ کی صداقت کو دیکھ کر آ کھڑا ہوا عذاب ان پر سے ہٹادیا۔ قوم یونس ارض موصل میں نینوٰی کی رہنے والی تھی۔ ابن مسعودؓ ﴿ لَوْلَا كَانَتْ كو هَلَّا كَانَتْ ﴾ پڑھتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ عذاب ان کے سروں پر اس طرح منڈلا رہا تھا جیسے تاریک رات میں بادل کے ٹکڑے یہ لوگ اپنے ایک عالم کے پاس گئے کہ ہمیں ایک دعا لکھ دیجئے کہ جس کی برکت سے عذاب ٹل جائے۔ اس نے یہ دعا لکھدی تھی ﴿ يَا حَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ يَا حَيُّ مُحْيِ الْمَوْتٰى يَا حَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ﴾ چنانچہ عذاب ٹل گیا یہ تمام قصہ سورۂ ﴿ الصّٰفّٰتِ ﴾ میں انشاءاللہ بیان ہوگا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا بدون اللہ کے حکم کے ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالی بے عقل لوگوں پر گندگی واقع کر دیتا ہے۔

ہدایت وضلالت اللہ کی اختیار میں: اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اگر اللہ چاہتا تو سب کے سب ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ جو کچھ کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے۔ اللہ کی مرضی ہوتی تو سب ایک ہی خیال کے ہوتے لیکن لوگ مختلف الرائے ہیں۔ صحیح رائے پر وہ ہیں جن پر اللہ کا رحم ہے اور ان کی فطرت بھی ایسی ہی بنائی ہے۔ اللہ کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔اگر سب کے سب ہدایت یافتہ ہوتے تو ایمان کیا بے معنی سی بات ہو کر نہ رہ جاتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ کیا تم مجبور کر کے انہیں مومن بنانا چاہتے ہو' نہ یہ تم پر واجب ہے نہ تمہارے لئے سزاوار ہے اور اللہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔ تم ان پر افسوس کر کے اپنا دل نہ کڑھاؤ۔ اس خیال کے تحت کہ وہ ایمان نہیں لا رہے ہیں کیا تم اپنی جان ہلاک کر دو گے۔ تم اپنی طاقت سے کسی کو راستی پر نہیں لا سکتے تمہارا کام تو صرف تبلیغ کر دینا ہے پھر ان کو نمٹنا ہم سے ہے۔ تم فقط ناصح ہو نصیحت کر دو سمجھا دو۔ اس کے بعد تم ذمہ دار نہیں یہ آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ اپنے ارادہ کا آپ فاعل ہے' کوئی ایمان نہیں لا سکتا اللہ کی

مرضی کے بغیر۔ عقل سے کام نہ لینے والے گمراہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ پاک ہدایت کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں عدل پر ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ ہمارے ذمہ ہے

آفاق میں قدرت کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ ساری کائنات میں ہماری جو نشانیاں جیسے آسمان' ستارے' سیارے' شمس و قمر' لیل و نہار پھیلی ہوئی ہیں' ان پر نظر بصیرت ڈالو کہ رات میں دن اور دن میں رات کیسے داخل ہو جاتی ہے۔ کبھی دن بڑا اور کبھی رات بڑی۔ آسمان کی بلندی اور پھیلاؤ' ستاروں سے اس کی زیب و زینت آسمان سے پانی برسنا' زمین کا سوکھ جانے کے بعد پھر زندہ و سر سبز ہو جانا۔ درختوں میں پھل پھول کلیاں پیدا ہونا مختلف نباتات کا اگنا۔ مختلف نوع کے جانور' ان کی شکلیں الگ الگ ان کے رنگ ان کے افادات سب الگ الگ۔ پہاڑ چٹیل میدان۔ جنگل' باغ' آبادیاں' اور ویرانے' سمندر کی تہہ کے عجائبات' موجیں' ان کے مد و جزر' اس کے باوجود سفر کرنے والوں کے لئے سمندر کا مسخر ہو جانا' جہازوں کا چلنا یہ سب اللہ قادر کی نشانیاں ہیں جس کے سوا کوئی دوسرا اللہ ہے ہی نہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ ساری نشانیاں کافروں کے غور و فکر کا کچھ بھی سبب نہیں بنتیں۔ اللہ کی دلیل ثابت چکی ہے' ایمان نہیں لاتے ہیں نہ لائیں یہ لوگ تو انہی عذاب کے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جس سے سابقہ پہلے کی قوموں کو پڑا تھا۔ اے نبی! کہہ دو کہ وقت کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں اور جب ختم انتظار پر عذاب آ جائے گا تو پھر ہم اپنے رسولوں کو بچا لیں گے اور ان کی امت کو بھی۔ اور پیغمبروں کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا ہے کہ مومنین کو بچا لے جیسے کہ نیکو کاروں پر رحمت اپنے ذمہ لے لی ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب لوح محفوظ جو عرش پر ہے اس میں مکتوب ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ اور سب طریقوں سے علیحدہ ہو جائے اور کبھی مشرک مت بننا اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں مبذول فرما دیں۔ اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں

دین حنیف کی وضاحت: اللہ پاک نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ! اسنا دو کہ میں دین حنیف جو لایا ہوں' جس کی وحی مجھ پر اتری ہے اگر اس کی صحت میں بہر حال تمہیں شک ہو تو میں تو تمہارے معبودوں کی کبھی پرستش نہ کروں گا۔ میں اللہ واحد لاشریک کا بندہ ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور جس نے زندگی دی تھی۔ یقیناً تم سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔ فرض کرو کہ درحقیقت تمہارے معبود حق ہیں تو ان سے کہو کہ مجھے نقصان پہنچائیں۔ یاد رکھو کہ ان میں مضرت و نفع پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں ہے' نفع وضرر تو اللہ لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ اے نبی ﷺ! کفار سے اعراض کر کے باخلاص تمام اللہ کی عبادت میں لگ جاؤ' شرک کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا۔ اگر مضرت و نقصان کے اندر اللہ تمہیں گھیر لے' تو کون اس گھیرے سے تم کو باہر نکال سکتا ہے۔ نفع وضرر' خیر وشر تو اللہ کی طرف راجع ہے۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عمر بھر خیر کے طالب رہو اور اللہ کے نعمات کو در پیش رکھو اللہ کی رحمتوں کی ہوائیں جس خوش نصیب کو پہنچ گئیں تو پہنچ گئیں۔ وہ جس کو چاہے رحمت سے سرفراز فرمائے اور اللہ پاک سے درخواست کرو کہ تمہاری عیب پوشی کرتا رہے اور تمہیں آفات زمانہ اور آفات نفس سے امن میں رکھے وہ غفور الرحیم ہے کیسا ہی گناہ کیوں نہ ہو' توبہ کر لو حتی کہ شرک کر کے بھی توبہ کر لو تو وہ قبول کر لے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے سو جو شخص راہ راست پر آ جائے گا سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا اور آپ اس کا اتباع کرتے رہئے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیں گے۔ اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھے ہیں

نافرمان اپنا ہی نقصان کرتا ہے: اللہ پاک نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ کے پاس سے جو کچھ وحی آئی ہے وہ حق ہے اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں جس نے ہدایت پائی اور اتباع کی اس کا فائدہ آپ اس کو پہنچے گا اور جو ہدایت حاصل نہ کرے اس کا وبال اس کی اپنی جان پر ہے۔ میں کوئی اللہ کا فوجدار نہیں کہ زبردستی تم کو مومن بناؤں۔ میں تو اللہ کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔اے نبی ﷺ! تم آپ وحی کی پیروی کرو اللہ کی وحی کو مضبوطی سے پکڑے رہو جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں اس پر صبر کرو۔ حتی کہ اللہ کا حکم فیصل آجائے۔ وہ خیر الحاکمین ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کو کس چیز نے بوڑھا بنادیا۔ آپ نے فرمایا کہ سورہ ﴿ھود، واقعہ، عم یتساء لون﴾ اور ﴿اذ الشمس کورت﴾ نے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہود اور اس کی ساتھ والی سورتیں اور حاقہ نے۔

تفسیر سورہ ھود

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝٣ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحمت والے ہیں

آلر یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئیں ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیشی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہو تو مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے

توحید سے اعراض کرنے والے ہی خسارے میں ہیں: سورۂ بقرہ میں حروف ہجا پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس لئے الر پر روشنی نہیں ڈالی جاتی۔ اللہ کی آیتیں محکم ہیں ﴿فصلت﴾ کے معنی ہیں کہ صورۃ و معنی یہ آیتیں کامل ہیں۔ یہ اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے نازل شدہ ہیں وہ اقوال میں حکیم ہے اور نتائج امور میں خبیر ہے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس سے پہلے بھی جس کسی رسول کی طرف ہم نے وحی بھیجی تو یہی کہ میں اکیلا اللہ ہوں پرستش میری ہی کرو۔ ہم نے ہر قوم میں پیغمبر بھیجا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اور بتوں کی پرستش سے بچو۔ میں تمہیں دوزخ سے ڈراتا بھی ہوں

اور جنت کی بشارت بھی دیتا ہوں۔
حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے قبیلوں کو آواز دی تھوڑی ہی دیر میں یکے بعد دیگرے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے قبیلہ قریش اگر میں تمہیں خبر دوں کہ صبح ہوتے ہوتے دشمن تم پر حملہ کرنے کے لئے آ پہنچنے والا ہے۔ تو میری بات تم سچ مانو گے کہ نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا' ہمیں تو کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ تم نے کوئی بات جھوٹ موٹ کہدی ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا سنو! میں اللہ کے عذاب شدید سے تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں۔ کہ وہ تمہیں آ لینے والا ہی ہے اب بھی اللہ سے معافی مانگ لو توبہ کر لو وہ اللہ تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اپنے فضل سے بہرہ ور فرمائے گا وہ دنیا میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور دار آخرت میں بھی جو بھی مرد و عورت بشرطیکہ ایمان لے آئے ہم اسے مرنے کے بعد حیات طیبہ کے ساتھ اٹھائیں گے۔
رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ سے کہا کہ اگر تم کسی پر کچھ خرچ کرو اور تمہاری نیت خالص لوجہ اللہ ہے تو یقیناً اس کا اجر پاؤ گے حتی کہ جو اپنی عورت کو کھلاتے ہو اس کا بھی اجر تمہیں ملے گا۔ جس نے برا عمل کیا اس پر ایک گناہ لکھ دیا گیا اور جس نے ایک نیکی کی اس پر دس اجر لکھ دیئے گئے۔ اگر دنیا میں ایک عمل بد کی اس کو سزا دی گئی ہو' تو اس کے دس حسنات اس کے حق میں رہتے ہیں اور اگر دنیا میں اسے سزا نہ دی گئی ہو تو اس کے دس حسنات میں سے ایک نیکی سوخت ہو جاتی ہے اور اسکے نو حسنات اسی کے حق میں باقی رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ شخص بڑے خسارے میں رہا کہ اس کی اکائیاں اس کے ہر عشرہ پر غالب آ جاتی ہوں۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تم پر عذاب قیامت کا خوف ہے۔ یہ اس شخص کے لئے جو اوامر الٰہی سے منہ پھیرتا ہے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔ تو یقیناً قیامت کے روز عذاب سے دوچار ہوگا۔ تمہاری بازگشت اللہ کی طرف ہے وہ اپنے اولیاء پر احسان کرنے اور اعداء کو سزا دینے پر قادر ہے اور اعادۂ خلق پر قادر ہے۔ یہ زبردست تنبیہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے ترغیب دی گئی تھی۔

أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾

یاد رکھو وہ لوگ دہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر باتیں کرتے ہیں۔ بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے

شرم و حیا میں غلو کی ممانعت: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لوگ کھلے آسمان کے سامنے بول و براز کرنے اور صحبت کرنے سے بچتے تھے۔ تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔ ابن عباسؓ نے ﴿ يَثْنُونَ ﴾ کو ﴿ تَثْنَوْنِيْ ﴾ پڑھا ہے تو ابن جعفرؓ نے کہا کہ ﴿ تَثْنَوْنِيْ صُدُوْرَهُمْ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے کہا کہ وہ آدمی جو کہ صحبت کرتے شرم اختیار کرتا ہے یا خلوت کرنے میں بھی اس کو شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان کے نیچے خلوت کرنے اور صحبت کرنے سے شرم کرتے تھے اور اپنے رخ پھیر لیتے تھے' خصوصاً اس وقت جب کہ رات کو بستر اوڑھ کر لیٹ جاتے' اور اپنے سر ڈھانک لیتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم مکان میں رہ کر یا کپڑا اوڑھ کر کسی برے کام کا ارتکاب کریں تو اللہ سے اپنے گناہ کو چھپا سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ وہ رات کی تاریکی میں سوتے وقت کپڑا اوڑھ لیتے ہیں۔ لیکن کوئی چھپائے کہ ظاہر کرے' اللہ تعالیٰ واقف رہتا ہے۔ حتی کہ انسان کے دل کی نیت اور ضمیر کے ارادوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے سبعہ معلقات کا مشہور شاعر زہیر کہتا ہے

﴿ فلا تکتمن الله مافی قلوبکم لیخفی ومهما یکتم ﴾

﴿ الله یعلمیوخر فیوضع فی کتاب فیدخر لیوم الحساب او یعجل فینقم ﴾

تم اپنے دلوں کی مخفی بات کو اللہ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو اللہ ضرور جان لیتا ہے۔ وہ عمل جمع رہے گا اور نامۂ اعمال میں یوم قیامت کے لئے محفوظ رہے گا ورنہ جلدی سزا دی گئی تو دنیا ہی میں سزا دے دی جائے گی۔

اس زمانہ جاہلیت کے شاعر نے بھی وجود صانع کا اعتراف کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ جزئیات سے بھی واقف ہے معاد ہے جزا ہے نامۂ اعمال ہیں' یوم قیامت ہے کہتے ہیں کہ کسی مشرک نے نبی ﷺ کے سامنے سے جاتے وقت اپنا منہ موڑ لیا اور سر ڈھانک لیا تو اللہ تعالیٰ یہ آیت اتاری۔ لیکن اس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے چھپنا چاہتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی آتا ہے ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ﴾ ۔ ابن عباس ؓ نے ﴿ اَلَا اِنَّهُمْ تَثْنُوْنِي صُدُوْرُهُمْ ﴾ پڑھا ہے اس کے معنی بھی قریب وہی ہیں۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گیارہواں پارہ ختم ہوا

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی 'سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا کفیل اور ذمہ دار ہے: اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات جو چھوٹی بڑی یا خشکی وتری میں ہیں ان سب کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ وہی ان کے چلنے پھرنے آنے جانے اور ٹھہرنے رہنے سہنے اور جائے موت اور رحم میں رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے اس جگہ مفسرین کے اقوال ذکر کئے ہیں' واللہ اعلم یہ تمام ماجرا اس کتاب میں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لکھا ہوا ہے۔ اور وہی کتاب اس کی تفصیل بیان کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ الخ۔ یعنی روئے زمین پر چلنے والے جانور اور پرندے جو اپنے پروں سے اڑتے ہیں' سب کے سب تمہاری جیسی ہی امتیں ہیں ہم نے کتاب میں کوئی چیز لکھنے سے نہیں چھوڑی یہ سب کے سب اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ﴾ الخ۔ یعنی غیب کی کنجیاں بھی اسی کے پاس ہیں اور انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ دریا اور جنگل میں ہے اسے بھی وہی جانتا ہے اور جو پتہ جھڑتا ہے اس کے علم میں ہے زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور تر و خشک میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾

ع

اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے 'اگر تو ان سے کہے کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے تو کافر لوگ پلٹ کر جواب دیں گے کہ یہ تو نرا صاف صاف جادو ہی ہے اور اگر ہم ان سے عذاب کو گنی چنی مدت تک کے لئے پیچھے ڈال دیں تو یہ ضرور پکار اٹھیں گے کہ عذاب کو کونسی چیز روکے ہوئے ہے سنو جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں پھر تو جس کی ہنسی اڑا رہے تھے وہ انہیں پر الٹ پڑے گا

عرش کہاں ہے: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اسے ہر چیز پر قدرت ہے آسمان وزمین کو اس نے صرف چھ دن میں پیدا کیا ہے اس سے پہلے اس کا عرش کریم پانی کے اوپر تھا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بنو تمیم تم خوش خبری قبول کرو انہوں نے کہا خوش خبریاں تو آپ نے سنا دیں' اب کچھ دلوایئے۔ آپ نے فرمایا اے اہل یمن تم قبول کرو۔ انہوں نے کہا ہاں ہمیں قبول ہے مخلوق کی ابتدا تو ہمیں

سنائیے کہ کس طرح ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کا تذکرہ لکھا راوی حدیث حضرت عمرانؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے اتنا ہی فرمایا تھا جو کسی نے آکر مجھے خبر دی کہ تیری اونٹنی زانو کھلوا کر بھاگ گئی۔ میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی؟ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھا پھر آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ مسلم کی حدیث میں ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ایک قدسی حدیث لائے ہیں کہ اے انسان تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دوں گا اور فرمایا اللہ کا ہاتھ پر ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کوئی کمی نہیں لاتا خیال تو کرو کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے اب تک کتنا خرچ کیا ہوگا لیکن تاہم اس کے داہنے ہاتھ میں جو تھا وہ کم نہیں ہوتا۔ اس کا عرش پانی پر تھا اس کے ہاتھ میں میزان ہے جھکاتا ہے اور اونچا کرتا ہے مسند میں ہے ابورزین لقیط بن عامر بن منتفق عقیلی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ مخلوق کی پیدائش کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا عماء میں نیچے بھی ہوا اوپر بھی ہوا پھر عرش کو اس کے بعد پیدا کیا۔ یہ روایت ترمذی کتاب التفسیر میں بھی ہے سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرے اس سے پہلے عرش اللہ پانی پر تھا۔ وہب ضمرہ قتادہ ابن جریر وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں قتادہؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ابتداء مخلوق کس طرح ہوئی۔ ربیع ابن انس کہتے ہیں اس کا عرش پانی پر تھا جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے کر دیئے نصف عرش کے نیچے یہی بحر مسجور ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بوجہ بلندی کے عرش کو عرش کہا جاتا ہے۔ سعد طائیؒ فرماتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں اللہ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے نفس کریم کا وصف کیا اس لئے کہ کچھ نہ تھا پانی تھا اس پر عرش تھا عرش پر ذوالجلال والاکرام ﴿ذو العزت والسلطان ذو الملك والقدرة ذو العلم والرحمة والنَّعْمَةِ﴾ تھا جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا کہ پانی کس چیز پر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر۔

انسان کی پیدائش کا مقصد خالق کی عبادت کرنا ہے: پھر فرماتا ہے کہ آسمان وزمین کی پیدائش تمہارے نفع کے لئے ہے اور تم اس لئے ہو کہ اسی ایک خالق کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ یاد رکھو تم بیکار پیدا نہیں کئے گئے۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزیں باطل پیدا نہیں کیں۔ یہ گمان تو کافر کا ہے اور کافروں کے لئے آگ کی ویل ہے اور آیت میں ہے ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ﴾ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟ اللہ جو سچا مالک ہے وہی حق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے۔ اور آیت میں ہے انسانوں اور جنوں کو میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ تمہیں آزما رہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والے کون ہیں یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ عمل والے کون ہیں؟ اس لئے کہ عمل حسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص ہو اور شریعت محمدیہ کی تابعداری ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا: پھر فرماتا ہے کہ اے نبی! اگر آپ انہیں کہیں کہ تم مرنے کے بعد بھی جینے والے ہو جس خالق نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کرے گا تو صاف کہدیں گے کہ ہم اسے نہیں مانتے۔ حالانکہ قائل بھی ہیں کہ زمین آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ شروع جس پر گراں نہ گزرا اس پر دوبارہ کی پیدائش کیسے گراں گزرے گی؟ یہ تو بہ نسبت اول بار کے بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا فرمان ہے ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ اس نے پہلی پیدائش شروع میں کی وہی دوبارہ پیدائش کرے گا اور یہ تو اس پر نہایت ہی آسان ہے اور آیت میں ہے کہ تم سب کا بنانا اور مار کر جلا دینا مجھ پر ایسا ہی ہے جیسا ایک کا لیکن یہ لوگ اسے نہیں مانتے تھے اور اسے کھلے جادو سے تعبیر کرتے تھے۔ کفر و عناد سے اس قول کو جادو کا اثر خیال کرنے لگ جاتے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم عذاب و پکڑ کو ان سے کچھ مقرر مدت تک کے لئے موخر کر دیں تو یہ اسے نہ آنے والا جان کر جلدی مچانے لگتے ہیں کہ عذاب ہم سے موخر کیوں ہو گئے؟ ان کے دل میں کفر و شرک اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا ہی نہیں ملتا۔ امت کا لفظ قرآن و حدیث میں کئی ایک معنی میں مستعمل ہے اس سے مراد مدت بھی ہے اس آیت میں اور آیت ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ جو سورۂ یوسف میں ہے' یہی معنی ہیں امام و مقتداء کے معنی میں بھی یہ لفظ آیا ہے جیسے حضرت ابراہیم کے بارے میں ﴿ اُمَّةً قَانِتًا ﴾ آیا ہے ملت اور دین کے بارے میں بھی یہ لفظ آتا ہے جیسے مشرکوں کا قول ﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ ﴾ ہے اور جماعت کے معنی میں بھی آتا ہے ﴿ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً ﴾ والی آیت میں اور آیت ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ ﴾ میں اور آیت ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ﴾ میں ان آیتوں میں امت سے مراد کافر مومن سب امتی ہیں جیسے مسلم کی حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت کا جو یہودی و نصرانی میرا نام سنے اور مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے ہاں تابعدار امت وہ ہے جو رسولوں کو مانے جیسے ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ والی آیت میں۔ صحیح حدیث میں ہے میں کہوں گا امتی امتی اسی طرح امت کا لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے آیت ﴿ وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ ﴾ میں اور جیسے آیت ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ الاية ﴾ میں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں' تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اسے کوئی رحمت پہنچائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں یقیناً وہ بڑا ہی خوش ہو کر فخر کرنے لگتا ہے سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں انہی لوگوں کے لئے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا نیک بدلہ بھی۔

دکھ درد میں صبر کرنا مغفرت کا باعث ہے: سوائے کامل ایمان والوں کے عموماً لوگوں میں جو برائیاں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ راحت کے بعد کی سختی پر مایوس اور محض ناامید ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے بدگمانی کر کے آئندہ کے لئے بھلائی کو بھول بیٹھتے ہیں گویا کہ نہ کبھی اس سے پہلے کوئی آرام اٹھایا تھا نہ اس کے بعد کسی راحت کی توقع ہے۔ یہی حال اس کے برخلاف بھی ہے کہ اگر سختی کے بعد آسانی ہو گئی تو کہنے لگتے ہیں کہ بس اب برا وقت ٹل گیا اپنی حالت پر اور اپنے پاس کی چیزوں پر مست و بے فکر ہو جاتے ہیں دوسروں پر دو نکی لینے لگتے ہیں' اکڑ فوں میں پڑ جاتے ہیں اور آگے کی سختی سے بالکل نچنت ہو جاتے ہیں ہاں ایماندار اس بری خصلت سے محفوظ ہوتے ہیں وہ دکھ درد میں سہار و صبر کرتے ہیں راحت و آرام میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں یہ صبر پر مغفرت اور نیکی پر ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی سختی کوئی مصیبت کوئی دکھ کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو یہاں تک کہ کانٹا لگنے پر بھی بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہی بہتر ہوتا ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی سمیٹتا ہے اور تکلیف اٹھا کر صبر کرتا ہے نیکی پاتا ہے۔ یہ حال مومن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان سورۂ والعصر میں ہے یعنی عصر کے وقت کی قسم تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کریں اور ایک دوسرے کو دین حق کی اور صبر کی ہدایت کرتے رہیں یہی بیان آیت ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ الخ میں ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْ
لُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ
لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس شاید کہ تو اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والا ہے جو تیری طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے تیرا دل تنگ ہونے والا ہے' صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا' سن تو تو صرف ڈرانے والا ہی ہے۔ ہر چیز کا ذمے دار اللہ تعالیٰ ہی ہے کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑ لیا ہے تو جواب دے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ ملا بھی لو اگر تم سچے ہو پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور دراصل اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟

دین میں طعن کرنا کفار کا شیوہ ہے: کافر لوگ جو ان کی زبان پر چڑھتے وہی طعن رسول ﷺ پر توڑتے تو اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبر ﷺ کو دلاسا اور تسلی دیتا ہے کہ آپ نہ اس کام میں سستی کریں نہ دل تنگ ہوں یہ تو ان کا شیوہ ہے' کبھی وہ کہتے اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کی ہم نوائی میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کو کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا مسلمانوں کو طعنہ دیتے کہ تم تو اس کے پیچھے ہو لئے جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! آپ ملول خاطر نہ ہوں' آزردہ دل نہ ہوں اپنے کام سے نہ رکئے انہیں حق کی پکار سنانے میں کوتاہی نہ کیجئے دن رات اللہ کی طرف بلاتے رہیے' ہمیں معلوم ہے کہ ان کی دکھ دہ باتیں آپ کو بری لگتی ہیں آپ توجہ بھی نہ کیجئے ایسا نہ ہو آپ کوئی بات چھوڑ دیں یا تنگ دل ہو کر بیٹھ جائیں کہ یہ آوازیں کستے ہیں۔ پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اپنے سے پہلے کے رسولوں کو دیکھئے سب جھٹلائے گئے ستائے گئے اور صابر و ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی مدد آ پہنچی۔

پھر قرآن کا معجزہ بیان فرمایا کہ اس جیسا قرآن لانا تو کہاں؟ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی ساری دنیا مل کر بنا کر نہیں لاسکتی اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جیسی اس کی ذات مثال سے پاک ویسے ہی اس کی صفتیں بھی بے مثال ناممکن کہ اس کے کلام جیسا مخلوق کا کلام ہو جائے اللہ کی ذات اس سے بلند و بالا پاک اور منزہ ہے۔ معبود اور رب صرف وہی ہے۔ جب تم سے یہ نہیں ہو سکتا اور اب تک نہیں ہو سکا تو یقین کر لو کہ تم اس کے بنانے سے عاجز ہو۔ اور دراصل یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کا علم اسی کے حکم احکام اس کے روک ٹوک اس میں ہیں اور ساتھ ہی مان لو کہ معبود برحق صرف وہی ہے پس آؤ اسلام کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جاؤ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا
يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

جو شخص دنیا کی آرزو زندگی اور اسی کی زینت پر ریجھا ہوا ہو ہم بھی ایسوں کو ان کے کل اعمال یہیں بھر پور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہاں سب باطل ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برباد ہوئے

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے: ابن عباسؓ فرماتے ہیں ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ سب کچھ اسی دنیا میں مل جاتا ہے ذرا سی بھی کمی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص دنیا دکھاوے کے لئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد گزاری کرے اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ حضرت انسؓ وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں اتری ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں ریاکاروں کے بارے میں اتری ہے الغرض جس کا جو قصد ہو اسی کے مطابق اس سے معاملہ ہوتا ہے دنیا طلبی کے لئے جو اعمال ہوں وہ آخرت میں کار آمد نہیں ہو سکتے مومن کی نیت اور مقصد چونکہ آخرت طلبی ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اس کی نیکیاں کام آتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ الخ۔ میں بھی اسی کا تفصیلی بیان ہے کہ دنیا طلب لوگوں میں سے جسے ہم جس قدر چاہیں دے دیتے ہیں پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے ہاں جس کی چاہت آخرت کی ہو اور بالکل اسی کے مطابق اس کا عمل بھی ہو اور ہو بھی وہ ایماندار تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر دانی کی جاتی ہے۔ انہیں اور انہیں ہر ایک کو ہم تیرے رب کی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں تیرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں۔ تو آپ دیکھ لیں کہ کس طرح ہم نے ایک کو ایک پر فضیلت بخش رکھی ہے آخرت کیا باعتبار درجوں کے اور کیا باعتبار فضیلت کے بہت ہی بڑی اور زبردست چیز ہے اور آیت میں ارشاد ہے ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴾ الخ۔ جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم آپ اس میں اس کے لئے برکت عطا فرماتے ہیں۔ اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو ہم گو اسے اس میں سے کچھ دے دیں لیکن آخرت میں وہ نا نصیب رہ جاتا ہے

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾

کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے متصل ہی اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے کتاب ہو موسیٰ کی پیشوا اور رحمت یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے پس تو اس میں کسی قسم کے شبہ میں نہ رہ یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے یہ تو بات ہی اور ہے کہ اکثر لوگ ایمان والے نہیں ہوتے۔

انسان کی پیدائش فطرت پر ہوئی ہے: ان مومنوں کا وصف بیان ہو رہا ہے جو فطرت پر قائم ہیں جو اللہ کی وحدانیت کو بہ دل مانتے ہیں۔ جیسے حکم الٰہی ہے کہ ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ﴾ الخ۔ اپنا منہ دین حنیف پر قائم کر دے اللہ کی فطرت جس پر اس نے انسانی فطرت رچائی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی

بنالیتے ہیں۔ جیسے کہ جانوروں کے بچے صحیح سالم پیدا ہوتے ہیں پھر لوگ ان کے کان کاٹ ڈالتے ہیں۔ مسلم شریف کے حدیث قدسی میں ہے میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا ہے۔ لیکن پھر شیطان آ کر انہیں ان کے دین سے بہکا دیتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ میرے ساتھ انہیں شریک کریں جن کی کوئی دلیل میں نے نہیں اتاری۔ مسند اور سنن میں ہے کہ ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے الخ۔ پس مومن فطرت اللہ پر ہی باقی رہتا ہے پس ایک تو فطرت اس کی صحیح سالم ہوتی ہے پھر اس کی پاس ربانی شاہد آتا ہے یعنی اللہ کی معرفت پیغمبر ﷺ کو پہنچتی ہے۔ جو شریعت حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ ختم ہوئی۔ پس شاہد سے مراد حضرت جبریل ہیں حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اللہ کی رسالت اولاً حضرت جبرائیل لائے اور آپ کے واسطے سے حضرت محمد ﷺ۔ ایک قول کہا گیا ہے کہ وہ علیؓ ہیں لیکن وہ قول ضعیف ہے اس کا کوئی قائل ثابت نہیں۔ حق بات پہلی ہی ہے۔ پس مومن کی فطرت اللہ کی وحی سے مل جاتی ہے۔ اجمالی طور پر اسے پہلے سے ہی یقین ہوتا ہے پھر شریعت کی تفصیلات کو مان لیتا ہے۔ اس کی فطرت ایک ایک مسئلے کی تصدیق کرتی جاتی ہے پس فطرت سلیم اس کے ساتھ قرآن کی تعلیم جسے حضرت جبرائیل نے اللہ کے نبی ﷺ کو پہنچایا اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو پھر اس سے پہلے کی ایک اور تائید بھی موجود کتاب موسیٰ یعنی تورات جسے اللہ نے اس زمانے کی امت کے لئے پیشوائی کے قابل بنا کر بھیجا تھا اور جو اللہ کی طرف سے رحمت تھی اس پر جن کا پورا ایمان ہے وہ لامحالہ اس نبی ﷺ اور اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں کیونکہ اس کتاب نے اس کتاب پر بھی ایمان لانے کی رہنمائی کی ہے۔ پس یہ لوگ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

قرآن کا انکار کرنے والے جہنمی ہیں: پھر پورے قرآن کو یا اس کے کسی حصے کو نہ ماننے والوں کی سزا کا بیان فرمایا کہ دنیا والوں میں سے جو گروہ جو فرقہ اسے نہ مانے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی کہیں کا ہو کوئی ہو کسی رنگت اور شکل وصورت کا ہو قرآن پہنچا اور نہ مانا وہ جہنمی ہے جیسے رب العالمین نے اپنے نبی کی زبانی اسی قرآن کریم میں فرمایا ہے ﴿ لأنذركم به ومن بلغ ﴾ کہ میں اس سے تمہیں بھی آگاہ کر رہا ہوں اور انہیں بھی جنہیں یہ پہنچ جائے اور آیت میں ہے ﴿ قل يايها الناس اني رسول الله اليكم جميعا ﴾ لوگوں میں اعلان کر دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جو بھی مجھے سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں جو صحیح حدیث سنتا ہوں اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ضرور پاتا ہوں مندرجہ بالا حدیث سن کر میں اس تلاش میں لگا کہ اس کی تصدیق قرآن کی کس آیت سے ہوتی ہے تو مجھے یہ آیت ملی پس تمام دین والے اس سے مراد ہیں۔ پھر جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اس قرآن کے اللہ کی طرف سے سراسر حق ہونے میں تجھے کوئی شک وشبہ نہ کرنا چاہئے۔ جیسے ارشاد ہے کہ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اور جگہ ہے ﴿ ذلك الكتب لا ريب فيه ﴾ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ پھر ارشاد ہے کہ اکثر لوگ ایمان سے کورے ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے ﴿ وما اكثر الناس ولو حرصت بمؤمنين ﴾ یعنی گو تیری چاہت ہو لیکن یقین کر لے کہ اکثر لوگ مومن نہیں ہوں گے اور آیت میں ہے ﴿ وان تطع اكثر من في الارض يضلوك عن سبيل الله ﴾ اگر تو دنیا والوں کی اکثریت کی پیروی کرے گا تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿ ولقد صدق عليهم ابليس ظنه فاتبعوه الا فريقا من المؤمنين ﴾ یعنی ان پر ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور سوائے مومنوں کی ایک مختصر سی جماعت کے باقی کے سب اسی کے پیچھے لگ گئے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ
الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۙ؀۱۸ الَّذِيْنَ
يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ؀۱۹ اُولٰۗىِٕكَ

رقف لازم

لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھ لے' یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا' خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر' جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کر لیتے ہیں' یہی ہیں آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو ہرا سکے نہ ان کا کوئی حمایتی اللہ کے سوا ہوا' ان کے لئے عذاب دگنا کیا جائے گا' نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے' یہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور جن سے اپنا باندھا ہوا افترا گم ہو گیا' بیشک یہی لوگ آخرت میں زیاں کار ہوں گے

اللہ پر بہتان باندھے والوں کا انجام رسوائی ہے: جو لوگ اللہ کے ذمے بہتان باندھ لیں ان کا انجام اور قیامت کے دن کی ساری مخلوق کے سامنے ان کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے۔ مسند احمد میں ہے صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل مومن کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی؟ اور فلاں بھی؟ یہ اقرار کرتا جائے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے! میں دنیا میں ان پر پردہ ڈالتا رہا سن آج بھی میں انہیں بخشتا ہوں' پھر اس کی نیکیوں کا مکمل نامہ اسے دے دیا جائے گا اور کفار اور منافقین پر تو گواہ پیش ہوں گے جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتے تھے یاد رہے کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے یہ لوگ اتباع حق سے اور ہدایت کے راستے سے جنت سے اوروں کو روکتے رہے اور اپنا طریقہ ٹیڑھا ترچھا ہی تلاش کرتے رہے ساتھ ہی قیامت کے اور آخرت کے دن کے بھی منکر ہی رہے اسے مان کر ہی نہ دیا۔ یاد رہے کہ یہ اللہ کے ماتحت ہیں وہ ان سے ہر وقت انتقام لینے پر قادر ہے اگر چاہے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی پکڑ لے لیکن اس کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل انہیں مل گئی ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے بالآخر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا ہی نہیں۔ ان کی سزائیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی اس لئے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے انہوں نے کام نہ لیا حق کے سننے سے کانوں کو بہرا رکھا حق کی تابعداری سے آنکھوں کو اندھا رکھا۔ جہنم میں جاتے وقت خود ہی کہیں گے کہ ﴿ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ یعنی اگر سنتے ہوتے عقل رکھتے ہوتے تو آج دوزخی نہ بنتے یہی فرمان آیت ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾ میں ہے کہ کافروں کو اور اللہ کی راہ سے روکنے والوں کو عذاب پر عذاب بڑھتے چلے جائیں گے۔ ہر ہر حکم عدولی پر ہر ہر برائی کے کام پر سزا بھگتیں گے پس صحیح قول یہی ہے کہ آخرت کی نسبت کے اعتبار سے کفار بھی فروع شرع کے مکلف ہیں۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور خود اپنے تئیں جہنمی بنایا۔ جہاں کا عذاب ذرا سی دیر بھی ہلکا نہیں ہوگا آگ کے شعلے کم ہونے تو کہاں اور تیز تیز ہوتے جائیں گے جنہیں انہوں نے گھڑ لیا تھا یعنی بت اور شریک رب وغیرہ وہ آج انہیں کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ نظر بھی نہ پڑیں گے بلکہ اور نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو ان

کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے شرک سے صاف مکر جائیں گے۔ گویا انہیں باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ان کے لئے باعث ذلت ہیں۔ کھلے طور پر اس بات کا قیامت کے دن انکار کر دیں گے کہ ان مشرکوں نے انہیں پوجا ہو۔ یہی ارشاد خلیل اللہ کا اپنی قوم سے تھا کہ ان بتوں سے تمہارے دنیوی تعلقات کو تم وابستہ رکھو لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے گا اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہو گا اور کوئی کسی کو کوئی مدد نہ پہنچائے گا۔ یہی مضمون آیت ﴿اِذْتَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا﴾ میں ہے یعنی اس وقت پیشوا لوگ اپنے مریدوں سے دست بردار ہو جائیں گے عذاب الٰہی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں وہ بھی ان کی ہلاکی اور نقصان کی خبر دیتی ہیں۔ یقیناً یہی لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے جہنم کے گڑھے جنت کے درجوں کے بدلے انہوں نے لئے۔ اللہ کی نعمتوں کے بدلے آگ جہنم قبول کی۔ میٹھے ٹھنڈے خوش گوار جنتی پانی کے بدلے جہنم کا کھولتا ہوا گرم آگ جیسا پانی انہیں ملا۔ حور عین کے بدلے لہو پیپ اور بلند و بالا محلات کے بدلے دوزخ کے تنگ مقامات انہوں نے لئے۔ اللہ الرحمن کی نزدیکی اور دیدار کے بدلے اس کا غضب اور سزا انہیں ملی۔ بیشک یہاں یہ سخت نقصان میں رہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ع ۲

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے وہی جنت میں جانے والے ہیں' جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں' ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھتے سنتے جیسی ہے' کیا یہ دونوں مثال برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے

اہل ایمان کا بدلہ جنت ہے: بروں کے ذکر کے بعد اب بھلوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جن کے دل ایمان والے جن کے اعضاء فرماں برداری کرنے والے تھے قول و فعل سے فرمان اللہ بجالانے والے اور نافرمانی رب سے بچنے والے تھے یہ لوگ جنت کے وارث ہوں گے۔ بلند بالا خانے بچھے بچھائے سجے سجائے تخت جھکے ہوئے خوشوں اور میووں کے درخت' ابھرے ابھرے فرش' خوبصورت بیویاں قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل چاہت کے کھانے لذیذ پینے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا دیدار یہ نعمتیں ہوں گی جو ان کے لئے ہمیشگی لئے ہوئے ہوں گی۔ نہ انہیں موت آئے نہ بڑھاپا نہ بیماری نہ غفلت نہ پاخانہ نہ پیشاب نہ تھوک نہ ناک' مشک بو پسینہ آیا اور غذا ہضم۔ پہلے بیان کردہ کافر شقی لوگ اور یہ مومن متقی لوگ بالکل وہی نسبت رکھتے ہیں جو اندھے بہرے اور بینا اور سنتے میں ہے۔ کافر دنیا میں حق کو دیکھنے سے اندھے تھے اور آخرت کے دن بھی خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے نہ اسے دیکھیں گے وہ حقانیت کی دلیلوں کے سننے سے بہرے تھے نفع دینے والی بات سنتے ہی نہ تھے اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سناتا۔ ان کے برخلاف مومن سمجھدار ذکی عاقل عالم دیکھتا بھالتا سوچتا سمجھتا حق و باطل میں تمیز کرتا بھلائی لے لیتا برائی چھوڑ دیتا دلیل اور شبہ میں فرق کر لیتا پس باطل سے بچتا حق کو مانتا۔ بتلایئے یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تعجب ہے کہ پھر بھی تم ایسے دو مختلف شخصوں میں فرق نہیں جانتے! ارشاد ہے ﴿لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ الخ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہوتے جنتی تو بالکل کامیاب ہیں۔ اور آیت میں ہے اندھا اور دیکھتا برابر نہیں' اندھیریاں اور اجالا برابر نہیں۔ سایہ اور دھوپ برابر نہیں۔ زندے اور مردے برابر نہیں۔ اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا تو تو صرف آگاہ کرنے والا ہے۔ ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہر ہر امت میں ڈرانے والا ہو چکا ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَـكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۵ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰٮكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰٮكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۲۷

یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو' مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے کمین موٹی سمجھ والوں کے اور کوئی نہیں ہم تو تیری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔

سب سے پہلے نبی نوح علیہ اسلام نے ہی توحید کی دعوت دی : سب سے پہلے کافروں کی طرف رسول بنا کر بت پرستی سے روکنے کے لئے زمین پر حضرت نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں عذاب اللہ سے ڈرانے آیا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑو گے تو عذابوں میں پھنسو گے دیکھو تم صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہو۔ اگر تم نے خلاف ورزی کی تو قیامت کے دن دردناک سخت عذابوں کا مجھے تم پر خوف ہے۔ اس پر قومی کافروں کے رؤساء اور امراء بول اٹھے کہ آپ کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں ہم جیسے ہی انسان ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر ایک ہی کے پاس وحی آئے۔ اور ہم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ایسے رذیل لوگ آپ کے حلقے میں شامل ہو گئے ہیں' کوئی شریف اور رئیس آپ کا فرماں بردار نہیں ہوا اور یہ لوگ بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کے آپ کی مجلس میں آن بیٹھے ہیں اور ہاں ہمیں ہاں ملائے جاتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس نئے دین نے تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچایا کہ تم خوش حال ہو گئے ہو' تمہاری روزیاں بڑھ گئی ہوں یا ﴿ خلق و خُلق ﴾ میں تمہیں کوئی برتری ہم پر حاصل ہو گئی ہو۔ بلکہ ہمارے خیال سے تو تم سب جھوٹے ہو نیکی اور صلاحیت اور عبادت پر جو وعدے تم ہمیں دار آخرت کے دے رہے ہو ہمارے نزدیک تو یہ سب بھی جھوٹی باتیں ہیں۔ ان کفار کی بے ڈھنگی کو دیکھئے اگر حق کے قبول کرنے والے نیچے درجے کے لوگ ہوئے تو کیا اس سے شان حق گھٹ گئی حق حق ہی ہے خواہ اس کے ماننے والے بڑے لوگ ہوں خواہ چھوٹے لوگ ہوں بلکہ حق بات یہ ہے کہ حق کی پیروی کرنے والے ہی شریف لوگ ہیں' گو وہ مسکین مفلس ہوں اور حق سے روگردانی کرنے والے ہی ذلیل اور رذیل ہیں گو وہ غنی مالدار اور امیر امراء ہوں۔ ہاں یہ واقعہ ہے کہ سچائی کی آواز کو پہلے پہل غریب مسکین لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور امیر کبیر لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔

فرمان قرآن ہے کہ تجھ سے پہلے جس جس بستی میں ہمارے انبیاء آئے وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے ہم تو انہی کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیف لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے۔ جس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے تابعدار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حق کی فوری قبولیت بھی کوئی عیب کی بات نہیں۔ حق کی وضاحت کے بعد رائے فکر کی ضرورت ہی کیا؟ بلکہ ہر عقلمند کا کام یہی ہے کہ حق کے ماننے میں سبقت اور جلدی کرے۔ اس میں تامل کرنا جہالت اور غباوت ہے اللہ کے تمام پیغمبر بہت واضح اور صاف اور کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابو بکرؓ

کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کر لیا۔ ان کا تیسرا اعتراض کہ ہم کوئی برتری تم میں نہیں دیکھتے یہ بھی ان کے اندھاپن کی وجہ سے ہے ان کی اگر آنکھیں اور کان نہ ہوں اور موجود چیز کا انکار کریں تو فی الواقع اس کا نہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تو نہ حق کو دیکھیں نہ حق کو سنیں بلکہ اپنے شک میں غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔ جھوٹے مفتری خالی ہاتھ رذیل اور نقصانوں والے ہیں

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

نوح علیہ السلام نے کہا میری قوم والو مجھے بتلاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی نعمت عطا کی ہو پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی' تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے سے منڈھ دوں' حالانکہ تم اس سے بیزار ہو

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ سچی نبوت یقین اور واضح چیز میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے آچکی بہت بڑی رحمت و نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تم اسے نہ دیکھ سکے۔ نہ تم نے اس کی قدر دانی کی نہ اسے پہچانا بلکہ بے سوچے سمجھے تم نے اسے دھکے دیدیئے اور اسے جھٹلانے لگ گئے۔ اب بتلاؤ کہ تمہاری اس ناپسندیدگی کی حالت میں میں کیسے یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں اس کا ماتحت بنا دوں۔

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

میری قوم والو میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا' میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ میں ایمان داروں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں' انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو' میری قوم کے لوگو اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کر سکتا ہے؟ کیا تم کچھ بھی غور و فکر نہیں کرتے۔

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ نصیحت تمہیں کر رہا ہوں جتنی خیر خواہی تمہاری کرتا ہوں اس کی کوئی اجرت تو تم سے نہیں مانگتا؟ میری اجرت تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ ان غریب مسکین ایمان والوں کو میں دھکے دیدوں' مجھ سے تو یہ کبھی نہیں ہو گا یہی طلب آنحضرت ﷺ سے بھی کی گئی تھی۔ جس کے جواب میں یہ آیت اتری ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ یعنی صبح شام اپنے رب کے پکارنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ نکال۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ اسی طرح ہم نے ایک کو دوسرے سے آزمالیا اور وہ کہنے لگے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم سب کو چھوڑ کر فضل اللہ نازل ہوا کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ

اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں سنو میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں اُن کے دل میں جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہو جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں صرف رسول اللہ ہوں۔ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور توحید کی طرف اس کے فرمان کے مطابق تم سب کو بلاتا ہوں۔ اس سے میری مراد تم سے مال سمیٹنا نہیں۔ ہر بڑے چھوٹے کے لئے میری دعوت عام ہے جو قبول کرے گا نجات پائے گا۔ اللہ کے خزانوں کے ہیر پھیر کی مجھ میں قدرت نہیں۔ میں غیب نہیں جانتا ہاں جو بات اللہ تعالیٰ مجھے معلوم کرا دے معلوم ہو جاتی ہے۔ میں فرشتہ ہونے کا دعوے دار نہیں ہوں۔ بلکہ ایک انسان ہوں جس کی تائید اللہ کی طرف سے معجزوں سے ہو رہی ہے۔ جنہیں تم رذیل اور ذلیل سمجھ رہے ہو میں تو اس کا قائل نہیں کہ انہیں اللہ کے ہاں ان کی نیکیوں کا بدلہ نہیں ملے گا۔ ان کے باطن کا حال بھی مجھے معلوم نہیں اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔ اگر ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو انہیں اللہ کے ہاں ضرور نیکیاں ملیں گی جو ان کے انجام کی برائی کو کہے اس نے ظلم کیا اور جہالت کی بات کہی۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴

کہنے لگے کہ اے نوح! تو ہم سے جھگڑ اور خوب ہی جھگڑا کر چکا اب تو تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے' جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو' تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو' وہی تم سب کا پروردگار ہے' اور اسی طرف لوٹائے جاؤ گے

قوم نوح کی عجلت: قوم نوح علیہ السلام کی عجلت بیان ہو رہی ہے کہ عذاب مانگ بیٹھے کہنے لگے بس حجتیں تو ہم نے بہت سی سن لیں' آخری فیصلہ ہمارا یہ ہے کہ ہم تو تیری تابعداری نہیں کرنے کے اب اگر تو سچا ہے تو دعا کر کے ہم پر عذاب لا دے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں اللہ کے ہاتھ ہے اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں اگر اللہ کا ارادہ ہی تمہاری گمراہی اور بربادی کا ہے تو پھر واقعی میری نصیحت بے سود ہے سب کا مالک اللہ ہی ہے تمام کاموں کی تکمیل اسی کے ہاتھ ہے۔ متصرف حاکم عادل غیر ظالم حکم کا امر کا مالک ابتداء پیدا کرنے والا پھر لوٹانے والا دنیا و آخرت کا تنہا مالک وہی ہے ساری مخلوق کو اسی کی طرف لوٹنا ہے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے تو بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔

یہ درمیانی کلام اس قصے کے بیچ میں اس کی تائید اور تقریر کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ کفار تجھ پر اس قرآن کے از خود گھڑ لینے کا الزام لگا رہے ہیں تو جواب دے کہ اگر ایسا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے میں جانتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کیسے کچھ ہیں؟ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ پر جھوٹ افترا گھڑ لوں ہاں تم اپنے گناہوں کے ذمے دار تم آپ ہو۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ رہ اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیئے جانے والے ہیں (نوح کی) کشتی کی تیاری کی حالت میں انکی قوم کی جو جماعت انکے پاس سے گزرتی وہ اس کا مذاق اڑاتی اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم مسخرا پن کر رہے ہو، تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشگی کی سزا اتر آئے۔

نوح کا کشتی تیار کرنا اور کافروں کا طعن کرنا: قوم نوح علیہ السلام نے جب عذابوں کی جلدی مچائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ زمین پر کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے۔ بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنا۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے ایک قول ہے چالیس سال لگے واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحاق تورات سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی۔ اس کا طول ۸۰ اسی ہاتھ تھا اور عرض ۵۰ پچاس ہاتھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا۔ پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ لمبائی تین ۳۰۰ سو ہاتھ کی تھی۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ طول ۱۲۰۰ بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی ۶۰۰ چھ سو ہاتھ کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ طول ۲۰۰۰ دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک ۱۰۰ سو ہاتھ کی تھی، واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی ۳۰ تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے ہر درجہ ۱۰ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے۔ اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ دروازہ چوڑان میں تھا اوپر سے بالکل بند تھی۔

ابن جریرؒ نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباسؓ سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم اللہ کسی ایسے مردے کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اس سے معلومات حاصل ہو تیں۔ آپ انہیں لے کر چلے ایک ٹیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی۔ پھر آپ نے اپنی لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو۔ اسی وقت ایک بوڑھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا؟ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر یہ دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہو گئی اس وہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا وہ بارہ ۱۲۰۰ سو ہاتھ لمبی اور چھ ۶۰۰ سو ہاتھ چوڑی تھی۔ تین درجوں کی تھی ایک میں جانور اور چوپائے تھے۔ دوسرے میں انسان 'تیسرے میں پرند' جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور میلا کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرق آب ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوے کو خبر لینے کے لئے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا دیر تک نہ آیا۔ آپ نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بد دعا کی۔ اسی لئے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا' اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے امن وانس کی دعا کی پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔

حواریوں نے کہا کہ اے رسول اللہ! آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلیئے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا۔ وہ اسی وقت مٹی ہو گیا۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا۔ وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعن کرتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آرہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے گا۔ ابھی جان لو گے کہ کون عذاب اللہ سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آچمٹتا ہے جو کبھی ٹالے نہ ٹلے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا' ہم نے فرمادیا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑے دوہرے سوار کرالے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے اور سب ایمان والوں کو بھی اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔

کشتی میں ہر جانور کا جوڑا موجود تھا: حسب فرمان الٰہی آسمان سے موسلادھار لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی ابلنے لگا اور ساری زمین پانی سے پر ہو گئی۔ اور جہاں تک اللہ کو منظور تھا پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباسؓ یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ابل پڑا یہی قول جمہور سلف وخلف کا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ تنور صبح کا

نکلنا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ مجاہدؒ اور شعبیؒ کہتے ہیں یہ تنور کوفے میں تھا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الوردہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق کی ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر مادہ سوار کرالو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لئے بھی یہی حکم تھا۔ جیسے نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ یعنی طوطا کشتی میں آیا اور سب سے آخر گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لگ گیا۔ جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آگئے اور اس نے اپنا پچھلا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھ سکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام جلدی کر رہے تھے یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آجا گو تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لیجانا مشکل ہو پڑا آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کرلئے تو لوگوں نے کہا کہ شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی کہ یہ ہمارا کھانا اور دیگر سب چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا یام بھی انہی کافروں میں تھا وہ الگ ہو گیا یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ کے رسول کی منکر تھی۔ اور اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لے۔ لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کل ۸۰ اسی آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں کعبؒ فرماتے ہیں بہتر ۷۲ شخص تھے۔ ایک قول ہے صرف ۱۰ دس شخص تھے۔ ایک قول ہے حضرت نوح تھے اور ان کے تین لڑکے تھے سام' حام' اور یافث اور چار عورتیں تھیں تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی یام' کی بیوی۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت نوح کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے' ظاہر یہ ہے کہ خود حضرت نوح کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔ اس لئے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہو گئی اسی طرح یہ بھی واللہ اعلم

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ وَنَادٰى نُوحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَاٰوِيْ إِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾

نوح نے کہا اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے وہ کشتی انہیں لے کر موجوں میں پہاڑ کی طرح جا رہی تھی نوح نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے تھا پکار کر کہا کہ پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ رہ' اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا نوح نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں صرف

وہی بچیں گے، جن پر اللہ کا رحم ہوا اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا

طوفان نوح علیہ السلام: حضرت نوح جنہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخری ٹھیراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے۔ ایک قرائت میں ﴿ مَجْرٰھَا وَمُرْسٰھَا ﴾ بھی ہے یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور یہ بھی دعا کرنا کہ ﴿ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴾ اسی لئے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ کر لی جائے خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو خواہ جانور پر سوار ہونا ہو جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اسی اللہ نے تمہارے لئے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری سواری کیلئے پیدا کئے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سواری لے کر الخ۔ حدیث میں بھی اس کی تاکید اور رغبت آتی ہے۔ سورۂ زخرف میں اس کا پورا بیان ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ طبرانی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے لئے ڈوبنے سے، بچاؤ ان کے اس قول میں ہے کہ سوار ہوتے ہوئے کہہ لیں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اور بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٰھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اس دعا کے آخر میں اللہ کا وصف غفور رحیم اس لئے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلہ میں مومنوں پر رحمت و شفقت کا اظہار ہو۔ جیسے فرمان ہے تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور رحیم بھی ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے۔ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت و انتقام کا بیان ملا جلا ہے۔

پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلند سے بلند چوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی کہ پہاڑوں سے بھی پندرہ ہاتھ اور بقولے اسی میل اوپر کو ہو گیا ہے۔ باوجود اس کے کشتی نوح بحکم اللہ برابر صحیح طور پر جارہی ہے۔ خود اللہ اس کا محافظ ہے اور وہ خاص اس کی عنایت و مہربانی ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴾ یعنی پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے آپ تمہیں کشتی میں چڑھا لیا کہ ہم اسے تمہارے لئے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں۔ اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرا کر اپنی حفاظت سے پار اتارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دکھا دیا اور اسے ایک نشان بنا دیا۔ کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو بلایا یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے اس کا نام یام تھا یہ کافر تھا اسے آپ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بد نصیب نے جواب دیا کہ نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان یار ان سے بچ جاؤں گا۔ ایک اسرائیلی روایت ہے کہ اس نے شیشے کی کشتی بنائی تھی، واللہ اعلم۔ قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا میں جب وہاں جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا؟ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہیں وہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہو۔ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے جیسے طاعم مطعوم کے معنی میں اور کاسی مکسو کے معنی میں آیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں جو ایک موج آئی اور پسر نوح علیہ السلام کو لے ڈوبی۔

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الربع

فرمادیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر تھم جا اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا

کہ ناانصافی کرنے والے لوگوں پر لعنت نازل ہو جیو۔

طوفان نوح کا اختتام: روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو در حقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبر علیہ السلام کی بد دعا کا عذاب تھا غرق ہو گئے اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہو گیا پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا یعنی تمام کا فرنابود ہو گئے صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم اللہ جودی پر رکی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے۔ سب پہاڑ ڈبو دیئے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے۔ اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لئے یہیں ثابت وسالم رکھی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہو گئیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔ بعض کہتے ہیں طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن حبیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل ۸۰ اسی آدمی تھے۔ ایک ۱۵۰ سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔ پس آپ جودی سے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنا ڈال دی جسے ثمانین کہتے ہیں۔ ایک دن صبح کو جب لوگ جاگے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ اسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہتر عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو پڑا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرا دیں۔ آپ ان سب کے درمیان مترجم تھے ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق و مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی۔ پھر جودی پر ٹھہر گئی۔ حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے پانچ ماہ تک اسی میں رہے۔ انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن جریرؒ میں ہے انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے چند یہودیوں کو عاشورے کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھ کر ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا تھا۔ اور اسی دن کشتی نوح جودی پر لگی تھی۔ پس ان دونوں پیغمبروں نے شکر اللہ کا روزہ اس دن رکھا تھا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا پھر موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں اور اس دن کے روزے کا میں زیادہ مستحق ہوں پس آپ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا اور اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم میں سے جو آج روزے سے ہو وہ تو اپنا روزہ پورا کرے اور جو ناشتہ کر چکا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے۔ یہ روایت اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شاہد صحیح حدیث میں بھی موجود ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ظالموں کو خسارہ اور بلا کی اللہ کی رحمت سے دوری ہوئی۔ وہ سب ہلاک ہوئے۔ ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے۔ آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا اور بڑا ہوتا

رہا پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔ کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے۔ آپ جواب دیتے تھے کہ عن قریب اپنی آنکھوں دیکھ لو گے۔ جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی سے ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی دو تہائی تک پہنچی جب وہاں بھی پانی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ کعب احبار اور مجاہد بن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّىْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہنے لگا کہ میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے کے لوگوں میں نہیں ہے اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں تجھے ہرگز اس چیز کو نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔ کہنے لگا میرے پالنہار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خرابی والوں میں ہو جاؤں گا۔

نوح کی دعا اور اللہ تعالیٰ کا جواب: یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میری اہل میں سے تھا اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا میں کہہ چکا تھا کہ ﴿ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ﴾ یعنی اپنی اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے۔ یہ بوجہ اپنے کفر کے انہی میں تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے

فائدہ: یہ بھی یاد رہے کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ کے نطفہ سے نہ تھا بلکہ بدکاری سے تھا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا یہ دونوں قول غلط ہیں۔ بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ ابن عباسؓ اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زناکاری نہیں کی۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیری اہل میں سے نہیں یہی مطلب ہے کہ تیری جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے یہ ان میں سے نہیں یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے اس کے سوا اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمائیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضبناک

ہوا؟ اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے۔
عکرمہ فرماتے ہیں ایک قرات ﴿ انه عمل عملا غیر صالح ﴾ ہے۔ مسند کی حدیث میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ﴿ انه عمل غیر صالح ﴾ پڑھتے سنا ہے اور ﴿ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم ﴾ الخ پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ ﴿ فخانتا ھما ﴾ کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے۔ اور حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی' پھر آپ نے آیت ﴿ انه عمل غیر صالح ﴾ پڑھی حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب حضرت نوح کے لڑکے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اس نے اسے حضرت نوح کا لڑکا فرمایا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوحؑ کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا دیکھو اللہ فرماتا ہے ﴿ ونادی نوح ابنه ﴾ اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ ایسا ہی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾

فرما دیا گیا کہ اے نوح ہماری طرف کی سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

نوح علیہ السلام کا کشتی سے اترنا: کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولادوں میں سے قیامت تک جو ایمان دار آنے والے ہیں سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذابوں میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مومنوں کی سلامتی اور برکت پر اور کافروں کی سزا پر ہے۔ امام ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمالیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا ابلنا بند ہو گیا ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیئے گئے۔
زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل تورات کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جودی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے پھر آپ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لئے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا۔ آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا شام کو وہ واپس آیا اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لئے ہوئے تھا' اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح! ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم تیری طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے نہ تو تو جانتا تھا نہ تیری قوم پس تو صبر کرتا رہ' یقین مان کہ انجام کار پرہیزگاروں کے لئے ہی ہے۔

قصہ نوح اور اسی قسم کے گذشتہ واقعات وہ ہیں جو تیرے سامنے نہیں ہوئے لیکن بذریعہ وحی کے ہم تجھے ان کی خبر کر رہے ہیں اور تو لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت اس طرح کھول رہا ہے کہ گویا ان کے ہونے کے وقت تو وہیں موجود تھا۔ اس سے پہلے نہ تو تجھے ہی ان کی کوئی خبر تھی نہ تیری قوم میں سے کوئی اور ان کا علم رکھتا تھا کہ کسی کو بھی گمان ہو کہ شاید تو نے اس سے سیکھ لئے ہوں۔ پس صاف بات ہے کہ یہ وحی اللہ سے تجھے معلوم ہوئے اور ٹھیک اسی طرح جس طرح اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اب تجھے ان کے ستانے جھٹلانے پر صبر و سہار کرنی چاہئے ہم تیری مدد پر ہیں' تجھے اور تیرے تابعداروں کو ان پر غلبہ دیں گے انجام کے لحاظ سے تم ہی غالب رہو گے۔ یہی طریقہ اور پیغمبروں کا بھی رہا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

عادیوں کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ اسلام) کو ہم نے بھیجا اس نے کہا میری قوم والوں اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں 'تم تو صرف بہتان بازی کر رہے ہو۔ میرے قومی بھائیو میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں چاہتا' میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لینے کے۔ اے میری قوم کے لوگو تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تا کہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیجدے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھادے تم باوجود گنہگار ہونے کے روگردانی نہ کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا انہوں نے قوم کو اللہ کی توحید کی دعوت دی اور اس کے سوا اوروں کی پوجاپاٹ سے روکا اور بتلایا کہ جن کو تم پوجتے ہو ان کی پوجا خود تم نے گھڑلی ہے۔ بلکہ ان کے نام اور وجود تمہارے خیالی ڈھکوسلے ہیں

ان سے کہا کہ میں اپنی اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ثواب میرا رب مجھے دے گا' جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم یہ موٹی سی بات بھی عقل میں نہیں لاتے کہ دنیا آخرت کی بھلائی کی تمہیں راہ دکھانے والا تم سے کوئی اجرت طلب کرنے والا نہیں۔ تم استغفار میں لگ جاؤ گزشتہ گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو اور توبہ کرو آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ یہ دونوں باتیں جس میں ہوں اللہ تعالیٰ اس کی روزی اس پر آسان کرتا ہے۔ اس کا کام اس پر سہل کرتا ہے۔ اس کی شان کی حفاظت کرتا ہے۔ سنو ایسا کرنے سے تم پر بارشیں برابر عمدہ اور زیادہ برسیں گی اور تمہاری قوت طاقت میں دن دوگنی رات چوگنی برکتیں ہوں گی۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص استغفار کو لازم پکڑلے اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور روزی تو ایسی جگہ سے پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب وخیال میں بھی نہ ہو۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْ
مِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُ
وْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىْ تَوَ
كَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

وہ کہنے لگے اے ہودؑ! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تو ہمارے کسی معبود کے برے جھپٹے میں آ گیا ہے' اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب ملکر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل ہی مہلت بھی نہ دو۔ میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے جتنے بھی پاؤں دھرنے والے ہیں سب کی چوٹیاں وہی تھامے ہوئے ہے' یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب: قوم ہود نے اپنے نبیؑ کی نصیحت سن کر جواب دیا کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کی کوئی دلیل و حجت تو ہمارے پاس آپ لائے نہیں۔ اور یہ ہم کرنے سے رہے کہ آپ کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور ہم چھوڑ ہی دیں۔ نہ ہم آپ کو سچا ماننے والے ہیں نہ آپ پر ایمان لانے والے۔ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ تو ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روک رہا ہے اور انہیں عیب لگاتا ہے اس لئے جھنجھلا کر ان میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑی ہے۔ تیری عقل ہٹ گئی ہے یہ سن کر اللہ کے نبی نے فرمایا اگر یہی ہے تو سنو میں نہ صرف تمہیں ہی بلکہ اللہ کو بھی گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا جس جس کی عبادت ہو رہی ہے سب سے بری اور بیزار ہوں۔ اب تم ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی بلا لو اور اپنے ان سب جھوٹے معبودوں کو بھی ملا لو۔ اور تم سے جو ہو سکے نقصان پہنچا دو۔ مجھے کوئی مہلت نہ لینے دو نہ مجھ پر کوئی ترس کھاؤ۔ جو نقصان تمہارے بس میں ہو مجھے پہنچانے میں کمی نہ کرو۔ میرا توکل ذات اللہ پر ہے وہ میرا اور تمہارا سب کا مالک ہے ناممکن کہ اس کی منشا بغیر میرا بگاڑ کوئی بھی کر سکے۔

دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضے میں اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اس کی بادشاہی سے الگ ہو۔ وہ ظالم نہیں جو تمہارے منصوبے پورے ہونے دے وہ صحیح راستے پر ہے۔ بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مومن پر وہ اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جو مہربانی ماں باپ کی اولاد پر ہوتی ہے۔ وہ کریم ہے اس کے کرم کی کوئی حد نہیں اسی وجہ سے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپ نے عادیوں کے لئے اپنے اس قول میں اللہ کی توحید کی بہت سی دلیلیں بیان کر دیں۔ بتلا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا' جب اس کے سوا کسی چیز پر کسی کا قبضہ نہیں تو پھر وہی ایک مستحق عبادت ٹھہرا اور جن کی عبادت تم اس کے سوا کر رہے ہو وہ سب باطل ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ ملک تصرف قبضہ اختیار اسی کا ہے۔ سب اسی کی ماتحتی میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا
تَضُرُّوْنَهٗ شَيْــــًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۞ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۞ وَتِلْكَ عَادٌ ڃ جَحَدُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۞ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّ
نْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۞

پس اگر تم روگردانی کرلو تو کرلو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا' میرا رب تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کردے گا' اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے' یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے ہود کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی' اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بال بال بچالیا یہ تھے عادی جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کر دیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش مخالف کے حکم کی تابعداری کی۔ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا ہود کی قوم کے عادیوں پر لعنت ہو۔

قوم عاد کی سرکشی: حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنا کام تو میں پورا کر چکا اللہ کی رسالت تمہیں پہنچا چکا۔ اب اگر تم منہ موڑلو اور نہ مانو تو تمہارا وبال تم پر ہی ہے نہ کہ مجھ پر' اللہ میں قدرت ہے کہ وہ تمہاری جگہ انہیں دے جو اس کی توحید کو مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ بلکہ اس کا وبال تم پر ہی ہے میرا رب بندوں پر شاہد ہے ان کے اقوال وافعال اس کی نگاہ میں ہیں۔ آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ خیر وبرکت سے خالی عذاب وسزا بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔ اس وقت حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی جماعت مسلمین اللہ کے فضل وکرم اور اس کے لطف ورحم سے نجات پاگئے' سزاؤں سے بچ گئے۔ سخت عذاب ان پر سے ہٹالئے گئے۔ یہ تھے عادی جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اللہ کے پیغمبروں کی مان کر نہ دی

یہ یاد رہے کہ ایک نبی کا نافرمان کل نبیوں کا نافرمان ہے۔ یہ انہی کی مانتے رہے جو ان میں ضدی اور سرکش تھے اللہ کی اور اس کے مومن بندوں کی لعنت ان پر برس پڑی اس دنیا میں بھی ان کا ذکر لعنت سے ہونے لگا اور قیامت کے دن بھی میدان محشر میں سب کے سامنے ان پر لعنت اللہ ہوگی اور پکار دیا جائے گا کہ عادی اللہ کے منکر ہیں۔ حضرت سدیؒ کا قول ہے کہ ان کے بعد جتنے نبی آئے سب ان پر لعنت ہی کرتے آئے۔ ان کی زبانی اللہ کی لعنتیں بھی ان پر ہوتی رہیں۔

وَاِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۞

ثمودیوں کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا' اس نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو' بیشک میرا رب سب کے پاس ہی ہے اور ہے بھی دعاؤں کا قبول کرنے والا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت توحید: حضرت صالح علیہ السلام ثمودیوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قوم کو آپ نے اللہ کی عبادت کرنے کی اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے رکنے کی نصیحت کی۔ بتلایا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مٹی سے شروع کی ہے تم سب کے باپ باوا آدم علیہ السلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی نے اپنے فضل سے تمہیں زمین پر بسایا ہے کہ اس میں گزران کر رہے ہو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے۔ اس کی طرف جھکے رہنا چاہیے۔ وہ بہت ہی قریب ہے اور قبول فرمانے والا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

وہ کہنے لگے اے صالح اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہمیں تو اس دین میں شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے ہم متحیر ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! ذرا بتلاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہو پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔

ثمودیوں کا یہ کہنا کہ ہم اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں: حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو یہ بات زبان سے نہ نکال اس سے پہلے تو ہماری بہت کچھ امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں لیکن تو نے ان سب پر پانی پھیر دیا اور لگا ہمیں پرانی روش اور باپ دادوں کی چال سے اور پوجاپاٹ سے ہٹانے۔ ہمیں تو تیری اس نئی رہبری میں بڑا بھاری شک وشبہ ہے۔ آپ نے فرمایا سنو میں اعلیٰ دلیل پر ہوں میرے پاس رب کی نشانی ہے۔ مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ میرے پاس اللہ کی رسالت کی رحمت ہے۔ اب اگر میں تمہیں اس کی دعوت نہ دوں اور اللہ کی نافرمانی کروں اور اس کی عبادت کی طرف تمہیں نہ بلاؤں تو کون ہے جو میری مدد کر سکے اور اللہ کے عذابوں سے مجھے بچا سکے؟ میرا ایمان ہے کہ مخلوق مجھے کام نہیں آ سکتی۔ تم میرے لئے محض بے سود ہو۔ سوائے میرے نقصان کے تم میرا اور کچھ بڑھا نہیں سکتے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَا

صَبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

میری قوم والو یہ ہے اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی جو تمہارے لئے ایک معجزہ ہے اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔ پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر اسے مار ڈالا اس پر صالح نے کہا کہ اچھا اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک تو رہ سہ لو' یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا فرمان آپہنچا ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنے فضل سے اس سے بھی بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی یقیناً تیرا پروردگار ہی نہایت توانا اور غالب ہے۔ ظالموں کو بڑے زور کی کڑک نے آدبوچا پھر تو وہ اپنے گھروں میں زانو کے بل مردہ پڑے ہوئے رہ گئے۔ ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے' آگاہ رہو کہ ثمودیوں نے اپنے رب سے کفر کیا' سن لو ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے۔

ان تمام آیتوں کی پوری تفسیر اور ثمودیوں کی ہلاکت کے اور اونٹنی کے مفصل واقعات سورۂ اعراف میں بیان ہو چکے ہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۗ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۗ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۗ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۗ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے اور سلام کہا' اس نے بھی جواب سلام دیا اور بغیر کسی دیر کے گائے کے بچے کا بھنا ہوا گوشت لے آیا۔ اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اسے نہیں لگ رہے تو انہیں انجان پاکر دل ہی دل میں ان میں سے خوف کرنے لگا انہوں نے کہا ڈر نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس دی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوش خبری دی۔ وہ کہنے لگی آو میرے ہاں کیسے اولاد ہو سکتی ہے میں آپ پوری بڑھیا اور یہ ہیں میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے یہ تو یقیناً بہت بڑے تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تو قدرت اللہ سے تعجب کر رہی ہے تم پر اے اس گھر کے لوگو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں' بیشک اللہ سزاوار حمد و ثنا اور بڑی بزرگیوں والا ہے۔

حضرت ابراہیم کا فرشتوں کی مہمانداری کرنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وہ فرشتے بطور مہمان بشکل انسان آتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کی خوشخبری اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں فرزند ہونے کی بشارت لے کر اللہ کی طرف سے آئے ہیں وہ آکر سلام کرتے ہیں آپ ان کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ اس لفظ کو پیش سے کہنے میں علم بیان کے مطابق ثبوت و دوام پایا جاتا ہے سلام کے بعد ہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے مہمان داری پیش کرتے ہیں۔ بچھڑے کا گوشت جسے گرم پتھروں پر سینک لیا گیا تھا لاتے ہیں۔ جب دیکھا کہ نووارد مہمانوں کے ہاتھ تو بڑھتے ہی نہیں اس وقت ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے اور کچھ دل میں خوف کھانے لگے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ ہلاکت قوم لوط کے لئے جو فرشتے بھیجے گئے وہ بصورت نوجوان انسان زمین پر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پر اترے آپ نے انہیں دیکھ کر بڑی تکریم کی جلدی جلدی اپنا بچھڑا لے کر اسے گرم پتھروں پر سینک کر لا حاضر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ کھلانے پلانے کے کام کاج میں لگ گئیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔ وہ کھانے سے رکے اور کہنے لگے 'ابراہیم! ہم جب تک کسی کھانے کی قیمت نہ دیدیں کھایا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا ہاں قیمت دیدیجئے انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ آپ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا اور کھانا کھا کر الحمد للہ کہنا یہی اس کی قیمت ہے۔ حضرت جبرائیل نے حضرت میکائیل کی طرف دیکھا اور آپس میں کہا کہ فی الواقع یہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔

اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات گزرنے لگے۔ حضرت سارہ نے دیکھا کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے اکرام میں یعنی ان کے کھلانے کی خدمت میں ہیں تاہم وہ کھانا نہیں کھاتے تو ان مہمانوں کی اس عجیب حالت پر انہیں بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوف زدہ دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے۔ اب دہشت دور کرنے کے لئے اصلی واقعہ کھول دیا کہ ہم کوئی انسان نہیں فرشتے ہیں 'قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں کہ انہیں ہلاک کریں۔ حضرت سارہ کو قوم لوط کی ہلاکت کی خبر نے خوش کر دیا۔ اسی وقت انہیں ایک دوسری خوش خبری بھی ملی کہ اس ناامیدی کی عمر میں تمہارے ہاں بچہ ہو گا۔ انہیں یہ بھی تعجب تھا کہ جس قوم پر عذاب اللہ اتر رہا ہے وہ پوری غفلت میں ہے۔ الغرض فرشتوں نے آپ کو اسحاق نامی بچہ ہونے کی بشارت دی۔ اور پھر اسحاق کے یہاں یعقوب کے ہونے کی بھی ساتھ ہی خوش خبری سنائی۔

اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی گئی تھی اور ساتھ ہی ان کے ہاں بھی اولاد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت سارہ علیہا السلام نے عورتوں کی عام عادت کے مطابق اس پر تعجب ظاہر کیا کہ میاں بیوی دونوں کے اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں اولاد کیسی؟ یہ تو سخت حیرت کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ امر اللہ میں کیا حیرت؟ تم دونوں کو اس عمر میں ہی اللہ بیٹا دے گا گو تم سے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تمہارے میاں کی عمر بھی ڈھل چکی ہے لیکن اللہ کی قدرت میں کمی نہیں۔ وہ جو چاہے ہو کر رہتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں تمہیں اس کی قدرت میں تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگے۔ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والا نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والا تھا۔ اے ابراہیم اس خیال کو چھوڑ دے تیرے رب کا حکم آپہنچا ہے۔ ان پر نہ لوٹایا جانے والا عذاب ضرور آنے والا ہے۔

مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جو دہشت سمائی تھی 'ان کا حال کھل جانے پر وہ دور ہو گئی 'پھر آپ نے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی خوش خبری بھی سن لی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے

ہیں' تو آپ فرمانے لگے کہ اگر کسی بستی میں تین سو مومن ہوں کیا پھر بھی وہ بستی ہلاک کی جائے گی؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر چالیس ہوں؟ جواب ملا پھر بھی نہیں۔ دریافت کیا اگر تیس ہوں؟ کہا گیا پھر بھی نہیں۔ یہاں تک کہ تعداد گھٹاتے گھٹاتے پانچ کی بابت پوچھا۔ فرشتوں نے یہی جواب دیا پھر ایک ہی کی نسبت سوال کیا اور یہی جواب ملا تو آپ نے فرمایا پھر اس بستی کو حضرت لوط (علیہ السلام) کی موجودگی میں تم کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہمیں وہاں حضرت لوط کی موجودگی کا علم ہے اسے اور اس کی اہل کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے۔ اب آپ کو اطمینان ہوا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار نرم دل اور رجوع رہنے والے تھے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی بہترین صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو اور سفارش کے جواب میں فرمان باری تعالیٰ ہوا کہ اب آپ اس سے چشم پوشی کیجئے' قضائے اللہ نافذ و جاری ہو گی اب عذاب آئے گا اور وہ لوٹایا نہ جائے گا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾
وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ
بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گیا اور دل ہی دل میں کڑھنے لگا اور کہنے لگا کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپہنچی وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی' لوط نے کہا اے قوم کے لوگو یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لئے بہت ہی پاکیزہ ہیں اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوانہ کرو' کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری لڑکیوں کی کوئی حاجت ہی نہیں' تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔

قوم لوط کا کردار: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ فرشتے اپنا بھید بتا کر وہاں سے چل دیئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی زمین میں یا ان کے مکان میں پہنچے۔ امردخوب صورت لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قوم لوط کی پوری آزمائش ہو جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان مہمانوں کو دیکھ کر قوم کی حالت سامنے رکھ کر سٹ پٹا گئے دل ہی دل میں پیچ تاب کھانے لگے کہ اگر انہیں مہمان بناتا ہوں تو ممکن ہے خبر پا کر لوگ چڑھ دوڑیں اور اگر مہمان نہیں رکھتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہے۔ قوم والے اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھ میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں' کیا ہو گا؟ قتادہؒ فرماتے ہیں حضرت لوط علیہ السلام اپنی زمین میں تھے کہ یہ فرشتے بصورت انسان آئے اور ان کے مہمان بنے۔ شرما شرمی انکار تو نہ کر سکے اور انہیں لے کر گھر چلے۔ راستہ میں صرف اس نیت سے کہ یہ اب بھی واپس چلے جائیں ان سے کہا کہ واللہ یہاں کے لوگوں سے زیادہ برے اور خبیث لوگ اور کہیں کے نہیں ہیں' کچھ دور جا کر پھر یہی کہا غرض گھر پہنچنے تک چار بار یہی کہا۔

فرشتوں کو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ جب تک ان کا نبی ان کی برائی نہ بیان کرے انہیں ہلاک نہ کرنا۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر دوپہر کو یہ فرشتے نہر سدوم پہنچے وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی جو پانی لینے گئی تھیں مل گئیں۔ ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہاں ہم کہیں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ یہیں رکئے میں واپس آ کر جواب دوں گی۔ انہیں ڈر لگا کہ

اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہوگی۔ یہاں آکر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نو عمر لوگ ہیں جن جیسے میں نے تو آج تک نہیں دیکھے۔ جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے۔ اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھہرایا نہ کرو ہم آپ سب کچھ کر لیا کریں گے۔ آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ مگر آپ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی اسی کے ذریعہ بات پھوٹ نکلی۔ اب کیا تھا دوڑے بھاگے آگئے 'جسے دیکھو خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے ان کی تو یہ خو خصلت ہو گئی تھی' اس سیاہ کاری کی تو گویا انہوں نے عادت بنالی تھی۔ اس وقت اللہ کے نبی انہیں نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بد خصلت کو چھوڑو۔ اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو ﴿ بناتی ﴾ یعنی میری لڑکیاں اس لئے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کر چکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھہرا لیا کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور دنیا و آخرت کی بھلائی انہیں سمجھائی اور کہا کہ عورتیں ہی اس بات کے لئے موزوں ہیں ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قتادہؒ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے عورتوں سے بے نکاح ملاپ کرنے کو فرمایا ہو۔ نہیں مطلب آپ کا ان سے نکاح کر لینے کے حکم کا تھا۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرا کہا مانو 'عورتوں کی طرف رغبت کرو۔ ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو۔ مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ۔ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں۔ میری عزت کا خیال کرو کیا تم میں ایک بھی سمجھدار نیک راہ یافتہ بھلا آدمی نہیں؟ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ یہاں بھی ﴿ بناتك ﴾ یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے؟ یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے۔ پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے

قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْۤا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

لوط نے کہا کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط آسرے کی پناہ میں ہوتا۔ اب فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ناممکن کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں پس تو اپنے والوں کو لے کے کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے۔ بجز تیری بیوی کے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح بالکل نزدیک ہی نہیں۔

قوم لوط کا عمل بد: حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت طاقت ہوتی یا میرا کنبہ قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے اللہ کی رحمت ہو حضرت لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا وہ اپنی قومی ثروت میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی افسردگی اور کامل ملال اور تنگ دلی کے وقت فرشتوں نے اپنے تئیں ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے۔

خود ان سب کے پیچھے رہئے۔ اور سیدھے اپنی راہ چلے جائیے۔ قوم والوں کی آہ و بکا پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے پھر اس اثبات سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا استثناء کر لیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہ کر سکے گی۔ وہ عذاب کے وقت کی قوم کی ہائے وائے سن کر مڑ کر دیکھے گی اس لئے کہ اللہ قضا میں اس کا بھی ان کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔

ایک قرات میں ﴿ اِلَّا امْرَاَتُكَ ﴾ تا کی پیش سے بھی ہے جن لوگوں کے نزدیک پیش اور زبر دونوں جائز ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی یہاں سے نکلنے میں آپ کے ساتھ تھی لیکن عذاب کے نازل ہونے پر قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی۔ مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر بھی آیا اور اس کا بھی ڈھیر ہو گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی مزید تشفی کے لئے فرشتوں نے اس خبیث قوم کی ہلاکت کے وقت کی نزدیکی بھی بیان کر دی کہ صبح ہوتے ہی یہ تباہ ہو جائے گی اور صبح اب بالکل قریب ہے یہ کور باطن آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لپکتے ہوئے آپہنچے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوئے ان لوطیوں کو روک رہے تھے جب کسی طرح وہ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام آزردہ خاطر سے ہو کر تنگ آ گئے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام گھر میں سے نکلے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے انہیں سمجھاتے کہ دیکھو عذاب اللہ نہ خریدو مگر انہوں نے خلیل اللہ کی بھی نہ مان کر دی۔ یہاں تک کہ عذابوں کے آنے کا قدرتی وقت آپہنچا۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے آپ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے انہوں کہا کہ آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمان الٰہی ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں ان پر عذاب نہ کیا جائے۔ آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلتے ہی خبر دی کہ یہاں کہ لوگ بڑے بد ہیں۔ یہ یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے۔ کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو اس روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں۔ آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بدتر ہے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے۔ جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج و افسوس سے رو دیئے اور کہنے لگے میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کس بدی میں مبتلا ہیں روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بری نہیں۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا دیکھو تین مرتبہ یہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے یاد رکھنا اب عذاب ثابت ہو چکا۔

گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا ہلانے لگی جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکار دوڑ پڑے۔ پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں میں نے تو ان سے زیادہ خوب صورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی دیکھے ہی نہیں۔ اب کیا تھا یہ خوشی خوشی مٹھیاں بند کئے دوڑتے بھاگتے حضرت لوط کے گھر گئے۔ چو طرف سے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ آپ نے انہیں قسمیں دیں نصیحتیں کیں فرمایا کہ عورتیں بہت ہیں لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے بد ارادے سے باز نہ آئے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی اللہ کی جانب سے اجازت مل گئی۔ آپ نے اصلی صورت کا پر کھول دیا۔ آپ کے دو پر ہیں جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہے۔ آپ کے دانت صاف چمکتے ہوئے ہیں آپ کی پیشانی اونچی اور بڑی ہے۔ مرجان کی طرح دانتے ہیں جو لولو ہیں اور آپ کے پاؤں سبزی کی طرف ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام سے آپ نے فرمادیا کہ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے آپ اس دروازے سے نکل جائیں یہ کہہ کر ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر راتوں رات چل دیئے یہی اللہ کا حکم بھی تھا محمد بن کعب قتادہ سدی وغیرہ کا یہی بیان ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾
مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے اس بستی کو زیر و زبر کر دیا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اس پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔ نشان دار تھے تیرے رب کی طرف سے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔

قوم لوط پر اللہ کا عذاب: سورج کے نکلنے کے وقت اللہ کا عذاب ان پر آ گیا۔ ان کی بستی سدوم نامی تہ و بالا ہو گئی۔ عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک لیا۔ آسمان سے پتھر پکی مٹی کے ان پر برسنے لگے جو سخت اور وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے جس کے نام کا پتھر تھا اسی پر گرتا تھا وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہی سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے۔ اکے دکے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بے نام و نشان کر دیے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ نصیحت فرمایا کرتے تھے پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔ سنن کی حدیث میں ہے کسی کو اگر تم لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا
الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾

ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لانے والے دن کے عذاب کا خوف بھی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور دعوت توحید: عرب کا ایک قبیلہ جو حجاز و شام کے درمیان معان کے قریب رہتا تھا ان کے شہروں کا نام اور ان کا نام مدین تھا۔ ان کی جانب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ آپ ان میں شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور انہی میں سے تھے اسی لئے ﴿ اخاھم ﴾ کے لفظ سے بیان کیا یعنی ان کے بھائی۔ آپ نے بھی انبیا کی عادت اور سنت اور اللہ کے پہلے اور تاکیدی حکم کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ناپ تول کی کمی سے روکا کہ کسی کا حق نہ مارو اور اللہ کا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کر رکھا ہے۔ اور اپنا ڈر ظاہر کیا کہ اپنی مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکت سے اگر باز نہ آؤ گے تو تمہاری یہ اچھی حالت بدحالی سے بدل جائے گی۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اے میری قوم والو ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا نفع تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو میں تم پر کچھ نگہبان داروغہ نہیں ہوں۔

پہلے تو اپنی قوم کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔ اب لین دین کے دونوں وقت عدل و انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپ تول کا حکم دیتے ہیں اور زمین میں فساد اور تباہ کاری کرنے کو منع کرتے ہیں ان میں رہزنی اور ڈاکے مارنے کی بدخصلت بھی تھی۔ لوگوں کے حق مار کر آپ نفع اٹھانے سے اللہ کا دیا ہوا نفع بہت بہتر ہے۔ اللہ کی یہ وصیت تمہارے لئے خیریت لئے ہوئے ہے۔ عذاب سے جیسے ہلاکت ہوتی ہے اس کے مقابلے میں رحمت سے بقیت ہوتی ہے۔ ٹھیک تول کر پورا ناپ کر حلال سے جو نفع ملے اس میں برکت ہوتی ہے۔ خبیث وطیب میں کیا مساوات؟ دیکھو میں تمہیں ہر وقت دیکھ نہیں رہا۔ تمہیں برائیوں کا ترک اور نیکیوں کا فعل اللہ ہی کے لئے کرنا چاہیئے نہ کہ دنیاوی دکھاوے کے لئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب کیا تیری تلاوت تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں، تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔

حضرت شعیب علیہ اسلام کی قوم کا جواب کیا ہم باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیں: حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں ﴿صلوۃ﴾ سے مراد یہاں قرائت ہے وہ لوگ ازراہ مخول کہتے ہیں کہ واہ آپ اچھے رہے کہ آپ کو آپ کی قرات نے حکم دیا کہ ہم باپ دادوں کی روش کو چھوڑ کر اپنے پرانے معبودوں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ اور بھی لطف ہے کہ ہم اپنے مال کے بھی مالک نہ رہیں کہ جس طرح جو چاہیں اس میں کریں دھریں کسی کو ناپ تول میں کمی نہ دیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں واللہ واقعہ یہی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا حکم یہی تھا کہ آپ انہیں غیر اللہ کی عبادت اور مخلوق کے حقوق کے غصب سے روکیں۔ ثوریؒ فرماتے ہیں ان کے اس قول کا مطلب کہ جو ہم چاہیں اپنے مالوں میں کریں یہ ہے کہ زکوۃ کیوں دیں؟ نبی اللہ کو ان کا حلیم و رشید کہنا ازراہ مذاق وحقارت تھا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

کہا اے میری قوم دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ظاہر دلیل لئے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہو میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل وحجت اور بصیرت پر قائم ہوں اور اسی کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ اس نے اپنی مہربانی سے مجھے بہترین روزی دے رکھی ہے یعنی نبوت یا رزق حلال یا دونوں میری روش تم یہ نہ پاؤ گے کہ تمہیں تو بھلی بات کا حکم کروں اور خود تم سے چھپ کر اس کے برعکس کروں۔ میری مراد تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنی ہے۔ ہاں میرے ارادے کی کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ اور توکل ہے اور اسی کی جانب رجوع توجہ اور جھکنا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے حکیم ابن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے بھائی مالک نے کہا کہ اے معاویہ رسول اللہ ﷺ نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے تم آپ کے پاس جاؤ۔ آپ سے تمہاری بات چیت بھی ہو چکی ہے اور تمہیں آپ ﷺ پہنچانتے بھی ہیں۔ پس میں اس کے ساتھ چلا اس نے کہا کہ میرے پڑوسیوں کو آپ رہا کر دیجئے وہ مسلمان ہو چکے تھے آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا واللہ اگر آپ ﷺ نے یہ کہا تو لوگ تو کہتے ہیں کہ تو ہمیں کسی امر کا حکم دیتا ہے اور تو آپ اس کا خلاف کرتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا لوگوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے؟ اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہے۔ ان پر تو کوئی چیز نہیں جاؤ اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی قوم کے چند لوگ کسی شبہ میں گرفتار تھے۔ اس پر قوم کا ایک آدمی حاضر ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ فرما رہے تھے۔ اس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی چیز سے روکتے ہیں اور خود اسے کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سمجھا نہیں اس لئے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حضرت بہز بن حکیم کے دادا کہتے ہیں میں نے بیچ میں بولنا شروع کر دیا کہ اچھا ہے آپ ﷺ کے کان میں یہ الفاظ نہ پڑیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے منہ سے میری قوم کے لئے کوئی بددعا نکل جائے کہ پھر انہیں فلاح نہ ملے لیکن رسول اللہ ﷺ برابر اسی کوشش میں رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کی بات سمجھ لی اور فرمانے لگے کیا انہوں نے ایسی بات زبان سے نکال دی یا ان میں سے کوئی اس کا قائل ہے؟ واللہ اگر میں ایسا کروں تو اس کا بوجھ بار میرے ذمے ہے ان پر کچھ نہیں اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے مسند احمد میں لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میری جانب سے کوئی ایسی حدیث سنو کہ تمہارے دل اس کا انکار کریں اور تمہارے بدن اور بال اس سے علیحدگی کریں اور تم سمجھ لو کہ وہ تم سے بہت دور ہے تو میں اس سے اس سے بھی زیادہ دور ہوں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی کیا آپ بالوں میں بال ملانے کو منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپ کے گھر کی بعض عورتیں تو ایسا کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہو تو میں نے اللہ کے نیک بندے کی وصیت کی حفاظت نہیں کی۔ میرا ارادہ وہ نہیں کہ جس چیز سے تمہیں روکوں اس کے برعکس خود آپ کروں۔ حضرت ابو سلیمان ضبی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے رسالے آتے تھے جن میں حکم احکام اور ممانعت لکھے ہوتے تھے اور آخر میں یہ ہوا کرتا تھا کہ میں بھی اس میں وہی ہوں جو اللہ کے نیک بندے نے فرمایا کہ میری توفیق اللہ ہی کے فضل سے ہے اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

میری قوم کے لوگو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری مخالفت میں آکر ان عذابوں کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں' اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف جھک جاؤ یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میری عداوت اور بغض میں آکر تم اپنے کفر پر اور اپنی گنہگاریوں پر جم نہ جاؤ ورنہ تمہیں وہ عذاب پہنچے گا جو تم سے پہلے سے ایسے کاموں کے کرنے والوں کو پہنچا ہے خصوصاً قوم لوط جو تم سے قریب زمانے میں ہی گزری ہے اور قریب جگہ میں ہے۔ تم اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگو۔ آگے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ ایسا کرنے والوں پر میرا رب بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور ان کو اپنا پیارا بنا لیتا ہے۔ ابو لیلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے مالک کا جانور تھامے کھڑا تھا لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ نے اوپر سے سر بلند کیا اور یہی آیت تلاوت فرمائی' اور فرمایا میری قوم کے لوگو مجھے قتل نہ کرو تم اس طرح تھے پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھائیں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ
وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

انہوں نے کہا شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزوری کی حالت میں پاتے ہیں اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے سنگسار کر دیتے ہم تو تجھے کوئی حیثیت والی ہستی نہیں گنتے۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے یقیناً میرا پروردگار جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔

قوم مدین نے کہا کہ اے شعیب آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ اور خود آپ بھی ہم میں بے انتہا کمزور ہیں۔ سعیدؒ وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی نگاہ کم تھی' تھے آپ بہت ہی صاف گو یہاں تک کہ آپ کو خطیب الانبیاء کا لقب حاصل تھا۔ سدیؒ کہتے ہیں اس وجہ سے کمزور کہا گیا ہے کہ آپ اکیلے ہی تھے۔ مراد اس سے آپ کی حقارت تھی۔ اس لئے کہ آپ کے کنبے والے بھی آپ کے دین پر نہ تھے کہتے ہیں کہ اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تو پتھر مار مار کر تیرا قصہ ہی ختم کر دیتے یا یہ کہ تجھے دل کھول کر برا کہتے۔ ہم میں تیری کوئی قدر و منزلت رفعت و عزت نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا بھائیو! تم مجھے میری قرابت داری کی وجہ سے چھوڑتے ہو اللہ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے تو گویا تمہارے نزدیک قبیلے والے اللہ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اللہ کے نبی کو برائی پہنچاتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں کرتے؟ افسوس تم نے کتاب اللہ پیٹھ پیچھے ڈال دی اس کی کوئی عظمت واطاعت تم میں نہ رہی۔ خیر اللہ تعالیٰ تمہارے حال احوال جانتا ہے وہ تمہیں پورا بدلہ دے گا۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِ
يْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِ
هِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

اے قومی بھائیو اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کون ہے جو جھوٹا ہے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ جب ہمارا عذاب آ پہنچا ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ تمام مسلمانوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو آواز سخت کے عذاب نے دھر دبوچا جس سے وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے پڑے ہوئے مردے ہو گئے۔ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے آگاہ رہو مدین کے لئے بھی ویسی ہی دوری ہو جیسے دوری ثمود کو ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو تھک کر فرمایا کہ اچھا تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ میں اپنے طریقے پر قائم ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والے عذاب کن پر نازل ہوتے ہیں؟ اور اللہ کے نزدیک جھوٹا کون ہے؟ تم منتظر رہو میں بھی انتظار میں ہوں آخر ش ان پر بھی عذاب الٰہی اترے۔ اس وقت نبی اللہ اور مومن بچا دیئے گئے ان پر اللہ کی رحمت ہوئی اور ظالموں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ وہ جل بجھے بے حس و حرکت رہ گئے۔ ایسے کہ گویا کبھی اپنے گھروں میں آباد ہی نہ تھے اور جیسے کہ ان سے پہلے کے ثمودی لعنت اللہ کے محل بنے تھے ویسے ہی یہ بھی ہو گئے۔ ثمودی ان کے پڑوسی تھے اور کفر میں اور بدامنی میں انہی جیسے تھے۔ اور بھی یہ دونوں قومیں عرب کی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾

یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنے نشانوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ فرعون اور اس کی جماعت کی طرف پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم ٹھیک اور درست تھا ہی نہیں۔ وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر لا کھڑے کیے گئے۔ ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی برا انعام ہے جو دیا گیا۔

فرعون سردار قوم قبط اور اس کی جماعت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور ظاہر باہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے فرعون کی اطاعت نہ چھوڑی اسی کی گمراہ روش پر اس کے پیچھے لگے رہے۔ جس طرح یہاں انہوں نے اس کی فرماں برداری ترک نہ کی اور اسے اپنا سردار مانتے رہے اسی طرح قیامت کے دن اسی کے پیچھے یہ ہوں گے اور وہ اپنی پیشوائی میں انہیں سب کو اپنے ساتھ ہی جہنم میں لے جائے گا اور خود دگنا عذاب برداشت کرے گا۔ یہی حال بروں کی تابعداری کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ کہیں گے بھی کہ اے اللہ انہی لوگوں نے ہمیں بہکایا تو انہیں دونا عذاب کرالخ مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم کی طرف جائے گا۔ اس عذاب آگ پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔ قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو لعنتیں پڑ گئیں۔ یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے اس لئے ان پر دوہری لعنت پڑی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾

بستیوں کی یہ بعض خبریں جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض بالکل نابود ہو گئیں۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا انہیں ان کے معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جب کہ تیرے پروردگار کا حکم آ پہنچا بلکہ اور ان کا نقصان ہی انہوں نے بڑھادیا۔

نبیوں اور ان کی امتوں کے واقعات بیان فرما کر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ یہ ان بستیوں والوں کے واقعات ہیں جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ ان میں کی بعض بستیاں تو اب تک آباد ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ ہم نے انہیں ظلم سے ہلاک نہیں کیا' بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اپنے اوپر اپنے ہاتھوں ہلاکت لے لی' اور جن معبودان باطل کے سہارے انہیں تھے وہ بروقت انہیں کچھ کام نہ آ سکے۔ بلکہ ان کی پوجا پاٹ نے انہیں اور غارت کر دیا۔ دونوں جہان کا وبال ان پر آ پڑا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جبکہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔

جس طرح ان ظالموں کی ہلاکت ہوئی ان جیسا جو بھی ہوگا اسی نتیجے کو وہ بھی دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ المناک اور بہت سخت والی ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دے کر پھر پکڑنے کے وقت ناگہاں دبا لیتا ہے پھر مہلت نہیں ملتی پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿١٠٤﴾ ۭ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾

یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشان عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں وہ دن جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں سب حاضر کئے جائیں گے۔ اسے ہم جو دیر کرتے ہیں وہ صرف ایک معین مدت تک ہے۔ جس دن وہ آ جائے گا مجال نہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی کر لے سو ان میں کوئی تو بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت۔

کافروں کی ان ہلاکتوں اور مومنوں کی ان نجاتوں میں صاف دلیل ہے ہمارے ان وعدوں کی سچائی پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کئے ہیں جس دن تمام اول و آخر کے لوگ جمع کئے جائیں گے۔ ایک بھی باقی نہ چھوٹے گا وہ بڑا بھاری دن ہے تمام فرشتے تمام رسول تمام مخلوق حاضر ہو گی حاکم حقیقی عادل کامل انصاف کرے گا۔ قیامت کے قائم ہونے کی دیر کی وجہ یہ ہے کہ رب یہ بات پہلے ہی مقرر کر چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا بنی آدم سے آباد رہے گی' اتنی مدت خاموشی پر گزرے گی پھر فلاں وقت قیامت قائم ہو گی جس دن قیامت آ جائے گی کوئی نہ ہوگا جو بلا اجازت الٰہی لب بھی کھول سکے مگر رحمٰن جسے اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک بولے۔ تمام آوازیں اللہ رحمٰن کے سامنے پست

ہوں گی بخاری و مسلم کی حدیث شفاعت میں ہے اس دن صرف رسول ہی بولیں گے اور ان کا کلام بھی صرف یہی ہو گا کہ اے اللہ سلامت رکھ اے اللہ سلامتی دے مجمع محشر میں بہت سے تو بد ہوں گے اور بہت سے نیک۔ اس آیت کے اترنے پر حضرت عمرؓ پوچھتے ہیں کہ پھر یا رسول اللہ ہمارے اعمال اس بنا پر ہیں جس سے پہلے ہی فراغت کر لی گئی ہے یا کسی نئی بنا پر؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس حساب پر جو پہلے سے ختم ہو چکا ہے جو قلم چل چکا ہے۔ لیکن ہر ایک کے لئے وہی آسان ہو گا جس کے لئے اس کی پیدائش کی گئی ہے (مسند ابو یعلی)

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿١٠٧﴾

لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں ان کی باریک اور موٹی گدھے جیسی آواز ہو گی۔ وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں بقدر مدت بقائے آسمان و زمین کے سوائے اس وقت کے جو اللہ کا چاہا ہوا ہے یقیناً تیرا رب کر گزرتا ہے جو کچھ چاہے۔

گدھے کے چیخنے میں جیسے زیر و بم ہوتا ہے ایسی ہی ان کی چیخیں ہوں گی۔ یہ یاد رہے کہ عرب کے محاوروں کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے وہ ہمیشگی کے مہاورے کو اسی طرح بولا کرتے ہیں کہ یہ ہمیشگی والا ہے جب تک آسمان و زمین کو قیام ہے یہ بھی ان کے محاورے میں ہے کہ یہ باقی رہے گا جب تک دن رات کا چکر بندھا ہوا ہے۔ پس ان الفاظ سے ہمیشگی مراد ہے نہ کہ قید۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمین و آسمان کے بعد دار آخرت میں ان کے سوا اور آسمان و زمین ہو گا پس یہاں مراد جنس ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر جنت کا آسمان زمین ہے۔ اس کے بعد اللہ کی مشاکا ذکر ہے۔ جیسے آیت ﴿ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ میں ہے اس استثناء کے بارے میں بہت سے قول ہیں جنہیں زاد المسیر میں نقل کیا ہے۔ ابن جریرؒ نے خالد بن معدان ضحاک قتادہ اور ابن سنان کے اس قول کو پسند فرمایا ہے کہ استثناء عائد ہے موحد گنہگاروں کی طرف۔ بعض سلف سے اس کی تفسیر میں بڑے ہی غریب اقوال وارد ہوئے ہیں قتادہ فرماتے ہیں اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿١٠٨﴾

لیکن جو نیک بخت کئے گئے وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو چاہے تیرا پروردگار بخشش ہے بے انتہا۔

رسولوں کے تابعدار جنتوں میں رہیں گے جہاں سے کبھی نکلنا نہ ہو گا۔ زمین و آسمان کی بقا تک ان کی بھی جنت میں بقا رہے گی مگر جو اللہ چاہے یعنی یہ بات بذاتہ واجب نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے پر ہے۔ بقول ضحاک و حسن یہ بھی موحد گنہگاروں کے حق میں ہے وہ کچھ مدت جہنم میں گزار کر اس کے بعد وہاں سے نکالے جائیں گے۔ یہ ہے عطیہ ربانی جو ختم نہ ہو گا نہ گھٹے گا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں ذکر مشیت سے یہ کھٹکا نہ گزرے کہ ہمیشگی نہیں جیسے کہ دوزخیوں کے دوام کے بعد بھی اپنی مشیت اور ارادے کی طرف رجوع کیا۔ سب اس کی حکمت و عدل ہے موت کو چت کبرے بھیڑیے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ فرما دیا جائے گا کہ جنتیو! ہمیشگی ہے اور موت نہیں اور اے جہنم والو! ہمیشگی ہے موت نہیں (صحیح بخاری و مسلم)

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ

وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

سو تو ان چیزوں سے شک شبہ میں نہ رہ جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں' ان کی پوجا تو اسی طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی' ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کمی کے دینے والے ہی ہیں۔ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف ڈال دیا گیا اگر پہلے ہی تیرے رب کی بات صادر نہ ہو گئی ہوتی تو یقیناً ان میں فیصلہ کر دیا جاتا' انہیں تو اس میں شبہ سا ہی ہے یہ تو قلق میں ہیں۔ یقیناً ان میں سے ہر ایک جب اس کے روبرو جائے گا تیرا رب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا جو جو وہ کر رہے ہیں اسے سب خبر ہے۔

مشرکوں کے شرک کے باطل ہونے میں ہرگز شبہ تک نہ کر ان کے پاس بجز باپ دادوں کی بھونڈی تقلید کے اور دلیل ہی کیا ہے؟ ان کی نیکیاں انہیں دنیا ہی میں مل جائیں گی آخرت میں سخت عذاب ہی عذاب ہوں گے جو خیر و شر کے وعدے ہیں سب پورے ہونے والے ہیں۔ ان کا عذاب کا مقررہ حصہ انہیں ضرور پہنچے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی لیکن پھر لوگوں نے پھوٹ ڈالی کسی نے اقرار کیا تو کسی نے انکار کر دیا۔ پس انہی نبیوں جیسا حال آپ کا بھی ہے کوئی مانے گا کوئی ٹالے گا۔ چونکہ ہم وقت مقرر کر چکے ہیں چونکہ ہم بغیر حجت پوری کئے عذاب نہیں کیا کرتے اس لئے یہ تاخیر ہے ورنہ ابھی ہی انہیں ان کے گناہوں کا مزہ یاد آ جاتا۔ کافروں کو اللہ کی اس کے رسول کی باتیں غلط ہی معلوم ہوتی ہیں ان کا شک شبہ زائل نہیں ہوتا۔ سب کو اللہ جمع کرے گا اور ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دے گا اس آیت کی کئی قرات ہیں۔ ان قرائت کا بھی معنی اسی ہمارے ذکر کردہ معنی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پس تو جمارہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو تیرے ساتھ توبہ کر چکے ہیں خبردار تم حد سے نہ بڑھنا' اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی آگ کا لوکا لگ جائے گا اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے۔

استقامت اور سیدھی راہ پر دوام ہمیشگی اور ثابت قدمی کی ہدایت اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور تمام مسلمانوں کو کر رہا ہے۔ یہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ساتھ ہی سرکشی سے روکتا ہے کیونکہ یہی تباہ کرنے والی چیز ہے گو کسی مشرک ہی پر کی گئی ہو پروردگار بندوں کے عمل سے آگاہ ہے۔ مداہنت اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرو۔ شرک کی طرف نہ جھکو مشرکین کے اعمال پر رضامندی کا اظہار نہ کرو۔ ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ آگ تمہیں چھوئے گی۔

ظالموں کی طرف داری ان کے ظلم پر مدد ہے یہ ہرگز نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو کون ہے جو تم سے عذاب اللہ ہٹائے اور کون ہے جو اس سے تمہیں بچائے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰي لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیا کرتی ہیں یہ ہے نصیحت نصیحت پکڑنے والوں کے لئے۔ تو صبر کرتا رہ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

نماز قائم کرنا گناہوں کا کفارہ ہے: ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں دن کے دونوں سرے سے مراد صبح کی اور مغرب کی نماز ہے۔ قتادہ وضحاک وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے سرے سے مراد صبح کی نماز اور دوسرے سرے سے مراد ظہر عصر کی نماز۔ رات کی گھڑیوں سے مراد عشاء کی نماز اور بقول مجاہدؒ وغیرہ مغرب وعشاء کی نیکیوں کا کرنا گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنن میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے وضو کیا پھر فرمایا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ مسند میں ہے کہ آپؓ نے پانی منگوایا وضو کیا پھر فرمایا میرے اسی وضو کی طرح رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے' پھر حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے اس کی صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے پھر صبح اٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس یہی مثال ہے پانچ نمازوں کی کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پانچوں نمازیں اور جمعہ اور رمضان رمضان تک کا کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ مسند احمد میں ہے ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔

بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضرت ﷺ سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت اتری۔ اس نے کہا کیا میرے لئے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا ہاں جماع نہیں کیا اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لئے آپ تجویز فرمائیں میں برداشت کر لوں گا۔ حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی اگر یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ آنحضرت ﷺ برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا اسے واپس بلا لاؤ۔ جب وہ آ گیا تو آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی اس پر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ اسی کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ سب لوگوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزیاں تقسیم فرمائی ہیں اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے خوش ہو اور اسے بھی جس سے غضبناک ہو لیکن دین صرف انہی کو دیتا ہے جن سے اسے محبت ہو' پس دین مل جائے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ

اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور بندہ ایمان دار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا ایذائیں کیا کیا ہیں؟ فرمایا دھوکہ اور ظلم۔ سنو جو شخص مال حرام کمائے پھر اس میں سے خرچ کرے اللہ اسے برکت سے محروم رکھتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا اور جتنا کچھ اپنے بعد باقی چھوڑ مرے وہ سب اس کے لئے آگ دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت سودا لینے کے لئے آئی تھی افسوس کہ میں اسے کوٹھڑی میں لے جا کر اس سے بجز جماع کے اور ہر طرح لطف اندوز ہوا۔ اب جو حکم اللہ ہو وہ مجھ پر جاری کیا جائے۔ آپؓ نے فرمایا شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ اس نے کہا جی ہاں یہی بات تھی۔ آپ نے فرمایا تم جاؤ (حضرت) ابو بکر صدیقؓ سے یہ مسئلہ پوچھو۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی یہی سوال کیا۔ پس آپ نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح فرمایا پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت بیان کی آپ نے فرمایا شاید اس کا خاوند اللہ کی راہ میں گیا ہوا ہوگا؟ پس قرآن کریم کی یہ آیت اتری تو وہ کہنے لگا کیا یہ خاص میرے لئے ہی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں اس طرح صرف تیری ہی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرؓ سچے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ وہ عورت مجھ سے ایک درہم کی کھجوریں خریدنے آئی تھی تو میں نے اسے کہا کہ اندر کوٹھڑی میں اس سے بہت اچھی کھجوریں ہیں وہ اندر گئی میں نے بھی اندر جا کر اسے چوم لیا۔ پھر او وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اپنے نفس پر پردہ ڈالے رہ۔ لیکن ابوالیسرؓ کہتے ہیں مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے جا کر حضور ﷺ سے واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس تو نے ایک غازی مرد کی اس کی غیر حاضری میں ایسی خیانت کی۔ میں نے تو یہ سن کر اپنے تئیں جہنمی سمجھ لیا اور میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ میرا اسلام اس کے بعد کا ہوتا؟ حضور ﷺ نے ذرا سی دیر اپنی گردن جھکالی اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ کی مقرر کردہ حد مجھ پر جاری کیجئے۔ ایک دو دفعہ اس نے یہ کہا لیکن آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ جب نماز کھڑی ہوئی اور آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اچھی طرح وضو کیا؟ اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس تو تو ایسا ہی ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ خبردار اب کوئی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری حضرت ابو عثمانؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک درخت کی خشک شاخ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تو تمام خشک پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا ابو عثمانؓ تم پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا ہاں جناب ارشاد ہو فرمایا اسی طرح میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے کیا پھر فرمایا جب بندہ مسلمان اچھی طرح وضو کر کے پانچوں نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس خشک شاخ کے پتے جھڑ گئے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں برائی اگر کوئی ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لو کہ اسے مٹا دے۔ اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے ملا کرو۔ اور حدیث میں ہے جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے ہی نیکی کر لیا کر کہ اسے مٹا دے میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ﴿ لا اله الا الله ﴾ پڑھنا بھی نیکی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو بہترین اور افضل نیکی ہے۔ ابو یعلی میں ہے دن رات کے جس وقت میں کوئی لا الہ الا اللہ پڑھے اس کے نامہ اعمال میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں یہاں تک کہ ان کی جگہ ویسی ہی نیکیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کے راوی عثمانؒ میں ضعف ہے بزار میں ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضور! میں نے کوئی خواہش ایسی نہیں چھوڑی جو پوری نہ کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا بس یہ ان سب پر دور اور غالب رہے گی۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

پس کیوں نہ ہوئے تم سے اگلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے باہوش ذی اثر لوگ جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے' بجز ان چند کے جنہیں ہم نے ان میں نجات دی تھی' ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی وہ تھے ہی گنہگار۔ تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کرے اور ہوں وہاں کے لوگ نیک کار۔

یعنی بجز چند کے ہم گزشتہ زمانہ کے لوگوں میں سے ایسے کیوں نہیں پاتے جو شریروں اور منکروں کو برائیوں سے روکتے رہیں یہی وہ ہیں جنہیں ہم اپنے عذابوں سے بچالیا کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں ایسی جماعت کی موجودگی کا قطعی اور فرضی حکم دیا فرمایا ﴿ ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ﴾ بھلائی اور نیکی دعوت دینے والی ایک جماعت تم میں ہر وقت موجود رہنی چاہیے ظالموں کا شیوہ یہی ہے کہ وہ اپنی بدعادتوں سے باز نہیں آتے وہ نیک علماء کے فرمان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ عذاب اللہ ان کی بے خبری میں ان پر آپڑتے ہیں بھلی بستیوں پر اللہ کی طرف سے از راہ ظلم عذاب کبھی آتے ہی نہیں۔ ہم ظلم سے پاک ہیں۔ لیکن خود ہی وہ اپنی جانوں پر مظالم کرنے لگتے ہیں

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ کر دیتا وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔ بجز ان کے جن پر تیرا رب رحم فرمائے' انہیں تو اسی لئے پیدا کیا ہے' تیرے رب کی یہ بات پوری ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پر کروں گا۔

سزا پانے والے اور نجات پانے والے کون؟ اللہ کی قدرت کسی کام سے عاجز نہیں۔ وہ چاہے تو سب کو ہی اسلام یا کفر پر جمع کر دے لیکن اس کی حکمت ہے جو انسانی رائے ان کے دین ومذاہب جداگانہ برابر جاری وساری ہیں۔ طریقے مختلف مالی حالات جداگانہ' ایک ایک کے ماتحت۔ یہاں مراد دین ومذہب کا اختلاف ہے۔ ہاں جن پر اللہ کا رحم ہو جائے وہ رسولوں کی تابعداری اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں برابر لگے رہتے ہیں۔ اب وہ نبی آخر الزماں ﷺ کے مطیع ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں چنانچہ مسند وسنن میں حدیث ہے جس کی ہر سند دوسری سند کو تقویت پہنچا رہی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر گروہ ہوئے نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سب جہنمی ہیں سوائے ایک جماعت کے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا جو اس پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) بقول عطاء ﴿مختلفین﴾ سے مراد یہودی' نصرانی' مجوسی ہیں اور اللہ کے رحم والی جماعت سے مراد ایک طرف دین اسلام کے مطیع لوگ ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی جماعت ہے گو ان کے وطن اور بدن جدا ہوں۔

اور اہل معصیت فرقت واختلاف والے ہیں گو ان کے وطن اور بدن ایک ہی جا جمع ہوں۔ قدرتی طور پر ان کی پیدائش ہی اسی لئے ہے۔ شقی وسعید کی ازلی تقسیم ہے یہ بھی مطلب ہے کہ رحمت حاصل کرنے والی یہ جماعت ہے ہی اسی لئے۔ حضرت طاؤسؒ کے پاس دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے اور آپس کے اختلاف میں بہت بڑھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم جھگڑے اور خوب ہی اختلاف کیا۔ اس پر ایک نے کہا اسی کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں آپ نے فرمایا غلط ہے اس نے اپنے ثبوت میں اسی آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا اس لئے نہیں پیدا کیا کہ آپس میں اختلاف کریں بلکہ پیدائش تو جمع کے لئے اور رحمت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ جیسے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمت کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ عذاب کے لئے اور آیت میں ہے ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے تیسرا قول یہ بھی ہے کہ رحمت اور اختلاف کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ مالکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک فرقہ جنتی اور ایک جہنمی۔ انہیں رحمت حاصل کرنے اور انہیں اختلاف میں لگے رہنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ تیرے رب کا یہ فیصلہ ناطق ہے کہ اس کی مخلوق میں ان دونوں اقسام کے لوگ ہوں گے اور ان دونوں سے جنت و دوزخ پر کئے جائیں گی اس کی کامل حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ میں گفتگو ہوئی۔ جنت نے کہا مجھ میں تو صرف ضعیف اور کمزور لوگ ہی داخل ہوتے ہیں۔ اور جہنم نے کہا میں تکبر اور تجبر کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے میں چاہوں تجھ سے نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے جس سے میں چاہوں تیرے عذابوں سے انتقام لوں گا۔ تم دونوں پر ہو جاؤ گی جنت میں تو برابر زیادتی رہے گی یہاں تک کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا اور اسے اس میں بسائے گا اور جہنم بھی برابر زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اس پر اللہ رب العزت اپنا قدم رکھ دے گا تب وہ کہنے لگے گی تیری عزت کی قسم اب بس ہے بس ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

رسولوں کے سب احوال ہم تیرے سامنے تیرے دل کی تسکین کے لئے بیان فرما رہے ہیں' تیرے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لئے۔

اگلی امتوں کا اپنے نبیوں کو جھٹلانا' نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا آخر اللہ کے عذابوں کا آنا کافروں کا برباد ہونا نبیوں رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا یہ سب واقعات ہم تجھے سنا رہے ہیں' تاکہ تیرے دل کو ہم اور مضبوط کر دیں اور تجھے کامل سکون حاصل ہو جائے۔ اس سورت میں بھی حق تجھ پر واضح ہو چکا یہ کہ اس دنیا میں بھی تیرے سامنے سچے واقعات بیان ہو چکے' یہ عبرت ہے کفار کے لئے اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے کہ وہ اس سے نفع حاصل کریں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دے کہ تم اپنے طور پر عمل کئے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں' اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔

بطور دھمکانے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کے ان کافروں سے کہہ دو کہ اچھا تم اپنے طریقے سے نہیں ہٹتے تو نہ ہٹو ہم بھی اپنے طریقے پر عامل ہیں' تم منتظر رہو کہ آخر انجام کیا ہوتا ہے ہم بھی اسی انجام کی راہ دیکھتے ہیں۔ فالحمد للہ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی

جو اللہ کے فضل و کرم سے دنیا پر چھا گئے مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا دنیا کو مٹھی میں لے لیا' ﴿فللّٰہ الحمد﴾

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَ
مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تمام کاموں کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

آسمان وزمین کے سب غیب پر اطلاع رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہی ہے' اسی کی سب کو عبادت کرنی چاہئے اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے' جو بھی اس پر بھروسہ رکھے وہ اس کے لئے کافی ہے۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ تورات کا خاتمہ بھی انہیں آیتوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

﴿الحمد للّٰہ﴾ سورہ ہود کی تفسیر ختم ہوئی

تفسیر سورۂ یوسف

اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے کہ اپنے ماتحتوں کو سورہ یوسف سکھاؤ' جو مسلمان اسے پڑھے یا اسے اپنے گھر والوں کو سکھائے یا اپنے ماتحت لوگوں کو سکھائے اس پر اللہ تعالیٰ سکرات موت آسان کرتا ہے اور اسے اتنی قوت بخشتا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے' لیکن اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔ اس کا ایک متابع ابن عساکر میں ہے لیکن اس کی بھی تمام سندیں منکر ہیں' امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب یہود کے ایک گروہ نے یہ سورت سنی تو وہ مسلمان ہو گئے کیوں کہ ان کے ہاں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان تھا۔ یہ روایت کلبی کی ابو صالح سے اور ان کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے۔

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

الٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ
نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ڰ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ
قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

معبود مہربان رحم کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہیں روشن کتاب کی آیتیں' یقیناً ہم نے آپ اس عربی قرآن کو نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو' ہم آپ تیرے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں تیری جانب اس قرآن کو اپنی وحی کے ساتھ نازل فرمانے سے' یقیناً تو اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھا۔

سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں حروف مقطعہ کی بحث گزر چکی ہے۔ اس کتاب یعنی قرآن شریف کی یہ آیتیں بہت واضح کھلی

ہوئی اور خوب صاف ہیں' مبہم چیزوں کی حقیقت کھول دیتی ہیں۔ یہاں پر ﴿ تِلْكَ ﴾ معنی میں ہے ﴿ هٰذِهٖ ﴾ کے۔ چونکہ عربی زبان نہایت کامل اور مقصد کو پوری طرح واضح کر دینے والی اور وسعت و کثرت والی ہے اس لئے یہ پاکیزہ تر کتاب اس بہترین زبان میں افضل تر رسول پر فرشتوں کے سردار فرشتے کی سفارت میں تمام روئے زمین کے بہتر مقام میں وقتوں میں بہترین وقت میں نازل ہو کر ہر ہر طرح کمال کو پہنچی تاکہ تم ہر طرح سوچ سمجھ سکو اور اسے جان لو' ہم بہترین قصہ بیان فرماتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور! اگر کوئی واقعہ بیان فرماتے۔ اس پر یہ آیت اتری' اور روایت میں ہے کہ ایک زمانے تک قرآن کریم نازل ہوتا گیا اور آپ ﷺ صحابہؓ کے سامنے تلاوت فرماتے رہے پھر انہوں نے کہا حضور! اگر کوئی واقعہ بھی بیان ہو جاتا تو اس پر یہ آیتیں اتریں۔ پھر کچھ وقت کے بعد کہا کاش کہ آپ کوئی بات بیان فرماتے' اس پر آیت ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ﴾ اتری اور بات بیان ہوئی۔ روش کلام کی ایک ہی ڈھب دیکھ کر صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! بات سے اوپر کی اور قرآن سے نیچے کی کوئی چیز ہوتی یعنی واقعہ۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ پھر انہوں نے حدیث کی خواہش کی' اس پر آیت ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ ﴾ اتری۔ پس قصے کے ارادے پر بہترین قصہ اور بات کے ارادے پر بہترین بات نازل ہوئی' اس جگہ جہاں کہ قرآن کریم کی تعریف ہو رہی ہے اور یہ بیان ہے کہ یہ قرآن اور سب کتابوں سے بے نیاز کر دینے والا ہے' مناسب ہے کہ ہم مسند احمد کی اس حدیث کو بھی بیان کر دیں جس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کو کسی اہل کتاب سے ایک کتاب ہاتھ لگ گئی تھی اسے لے کر آپ حاضر حضور ﷺ ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے اسے سنانے لگے۔ آپ ﷺ سخت غضب ناک ہو گئے اور فرمانے لگے اے خطاب کے لڑکے کیا تم اس میں مشغول ہو کر بہک جانا چاہتے ہو؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اس کو نہایت روشن چمکیلی لے کر آیا ہوں' تم ان اہل کتاب سے کوئی بات نہ پوچھو ممکن ہے کہ وہ صحیح جواب دیں اور تم اسے جھٹلا دو اور ہو سکتا ہے کہ وہ غلط جواب دیں اور تم اسے سچا سمجھ لو سنو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر آج خود حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ بنو قریظہ قبیلہ کے میرے ایک دوست نے تورات میں سے چند جامع باتیں مجھے لکھ دی ہیں تو کیا میں انہیں آپ ﷺ کو سناؤں؟ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ اے عمر! کیا تم حضور ﷺ کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے؟ اب حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑی تو آپ کہنے لگے ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر دل سے رضا مند ہیں۔ تب آپ ﷺ کے چہرہ سے غصہ دور ہوا اور فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ اگر تم میں خود (حضرت) موسیٰ ہوتے پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع میں لگ جاتے تو تم سب گمراہ ہو جاتے۔ امتوں میں سے میرا حصہ تم ہو اور نبیوں میں سے تمہارا حصہ میں ہوں۔ ابو یعلی میں ہے کہ سوس کا رہنے والا قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص جناب فاروق اعظمؓ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام فلاں فلاں ہے؟ اس نے کہا ہاں پوچھا تو سوس میں مقیم ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپ کے ہاتھ میں جو خوشہ تھا اسے مارا۔ اس نے کہا امیر المومنین میرا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھ جا میں بتاتا ہوں۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اسی سورت کی آیتیں ﴿ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ تک پڑھیں۔ تین مرتبہ ان آیتوں کی تلاوت کی اور تین مرتبہ اسے مارا۔ اس نے پوچھا کہ امیر المومنین! میرا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا تو نے دانیال کی کتاب لکھی ہے۔ اس نے کہا پھر جو آپ فرمائیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا جا اور گرم پانی اور سفید روئی سے اسے بالکل مٹا دے' خبردار آج کے بعد سے نہ اسے خود پڑھنا نہ کسی اور کو پڑھانا' اب اگر میں نے اس کے خلاف سنا کہ تو نے آپ اسے پڑھا یا کسی کو پڑھایا تو ایسی سخت سزا کروں گا کہ عبرت بنے۔

پھر فرمایا بیٹھ جا ایک بات سنتا جا' میں نے جا کر اہل کتاب کی ایک کتاب لکھی پھر اسے چمڑے میں لئے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تیرے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ایک کتاب ہے کہ ہم علم میں بڑھ جائیں۔ اس پر آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ غصے کی وجہ سے آپ کے رخسار پر سرخی نمودار ہو گئی پھر منادی کی گئی کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔ اسی وقت انصار نے

ہتھیار سنبھال لئے کہ کسی نے حضور ﷺ کو ناراض کر دیا ہے اور منبر نبوی کے چاروں طرف وہ لوگ ہتھیار بند بیٹھ گئے۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! میں جامع کلمات دیا گیا ہوں اور کلمات کے خاتم دیا گیا ہوں اور پھر میرے لئے بہت ہی اختصار کیا گیا ہے۔ میں دین اللہ کی باتیں بہت سفید چمکیلی لایا ہوں، خبردار تم بہک نہ جانا گہرے اترنے والے کہیں تمہیں بہکانہ دیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر آپ ﷺ کے رسول ہونے پر میں تو یار سول اللہ ﷺ دل سے راضی ہوں۔ اب حضور ﷺ منبر سے اترے۔ اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کو محدثین ضعیف کہتے ہیں امام بخاریؒ ان کی حدیث کو صحیح نہیں لکھتے۔ میں کہتا ہوں اس کا ایک شاہد اور سند سے حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی لائے ہیں کہ خلافت فاروقی کے زمانے میں آپ نے حمص کے چند آدمی بلائے ان میں دو شخص وہ تھے جنہوں نے یہودیوں سے چند باتیں منتخب کر کے لکھ لیں تھیں وہ اس مجموعے کو بھی اپنے ساتھ لائے کہ حضرت عمرؓ سے دریافت کر لیں گے اگر آپ نے اجازت دی تو ہم اس میں اسی جیسی اور باتیں بھی بڑھا لیں گے ورنہ اسے بھی پھینک دیں گے۔ یہاں آکر انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! یہودیوں سے ہم بعض ایسی باتیں سنتے ہیں کہ جن سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کیا وہ باتیں ان سے لے لیں یا بالکل ہی نہ لیں؟ آپؓ نے فرمایا شاید تم نے ان کی کچھ باتیں لکھ رکھی ہیں؟ سنو میں اس میں فیصلہ کن واقعہ سناؤں میں حضور ﷺ کے زمانے میں خیبر گیا وہاں کے ایک یہودی کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے اس سے درخواست کی اور اس نے وہ باتیں مجھے لکھ دیں۔ میں نے واپس آکر حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ وہ لے کر آؤ۔ میں خوشی خوشی چلا کہ شاید حضور ﷺ کو میرا یہ کام پسند آگیا۔ لا کر میں نے اس کا پڑھنا شروع کیا اب ذرا سی دیر کے بعد میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حضور ﷺ تو سخت ناراض ہیں۔ میری زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلا اور مارے خوف کے میرا رواں کھڑا ہو گیا میری یہ حالت دیکھ کر اب آپ ﷺ نے ان تحریروں کو اٹھا لیا اور ان کا ایک ایک حرف مٹانا شروع کیا اور زبان مبارک سے ارشاد فرماتے جاتے تھے کہ دیکھو خبردار ان کی نہ ماننا یہ تو گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے ہیں، اور یہ تو دوسروں کو بھی بہکار ہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس ساری تحریر کا ایک حرف بھی باقی نہ رکھا، یہ سنا کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم نے بھی ان کی باتیں لکھی ہوئی ہوتیں تو میں تمہیں ایسی سزا کرتا کہ اوروں کے لئے عبرت ہو جائے۔ انہوں نے کہا واللہ ہم ہرگز ایک حرف بھی نہ لکھیں گے۔ باہر آتے ہی جنگل میں جا کر انہوں نے اپنی وہ تختیاں گڑھا کھود کر دفن کر دیں۔ مراسیل ابی داؤد میں بھی حضرت عمرؓ سے ایسی ہی روایت ہے واللہ اعلم

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾

جب کہ یوسف نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جی میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو دیکھا اور دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں (بخاری) آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا کہ سب لوگوں سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں اللہ کا ڈر سب سے زیادہ ہو۔ انہوں نے کہا ہمارا مقصود ایسا عام جواب نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر سب لوگوں میں زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے جن کے والد نبی تھے جن کے دادا نبی تھے جن کے پردادا نبی اللہ اور خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر کیا تم عرب کے قبیلوں کی نسبت یہ سوال کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا سنو جاہلیت کے زمانے میں جو ممتاز اور شریف تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی ویسے ہی

شریف ہیں جب کہ انہوں نے دینی سمجھ حاصل کر لی ہو (بخاری) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نبیوں کے خواب اللہ کی وحی ہوتے ہیں۔ مفسرین نے کہاہے کہ یہاں گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج چاند سے مراد آپ کے والد اور والدہ ہیں۔ اس خواب کی تعبیر خواب دیکھنے کے چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اسی برس کے بعد ظاہر ہوئی جب کہ آپ نے اپنے ماں باپ کو تخت شاہی پر بٹھایااور گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اس وقت آپ نے فرمایا کہ میرے مہربان باپ یہ دیکھئے آج اللہ تعالیٰ نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ بستانہ نامی یہودیوں کا ایک زبردست عالم تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے ان گیارہ ستاروں کے نام دریافت کئے۔ آپ ﷺ خاموش رہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہو کر آپ ﷺ کو نام بتلائے۔ آپ ﷺ نے اسے بلوایااور فرمایااگر میں تجھے ان کے نام بتلادوں تو تو مسلمان ہو جائے گا؟ اس نے اقرار کیاتو آپ نے فرمایا ستوان کے نام یہ ہیں (۱) جریان' (۲) طارق (۳) زیال (۴) ذوالکتفین (۵) قابس (۶) وثاب (۷) عمودان (۸) فلیق (۹) مصبح (۱۰) صروح (۱۱) فرغ۔ یہودی نے کہاہاں ہاں اللہ کی قسم ان ستاروں کے یہی نام ہیں (ابن جریر) یہ روایت دلائل بیہقی میں اور ابویعلی میں اور بزار میں اور ابن ابی حاتم میں بھی ہے۔ ابویعلی میں یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خواب اپنے والد صاحب سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ سچا خواب ہے یہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ فرماتے ہیں سورج سے مراد باپ ہیں اور چاند سے مراد ماں ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند میں حکم بن ظہیری فزاری منفرد ہیں۔ جنہیں بعض اماموں نے ضعیف کہاہے اور اکثر نے انہیں متروک کر رکھاہے یہی حسن یوسف کی روایت کے راوی ہیں انہیں چاروں ہی ضعیف کہتے ہیں

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

یعقوب نے کہاپیارے بچے اپنے اس خواب کاذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرناایسانہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں شیطان توانسان کاصریح دشمن ہے۔

یعقوبؑ کی یوسف کو اپنا خواب بیان نہ کرنے کی تاکید: حضرت یوسف علیہ السلام کایہ خواب سن کراس کی تعبیر کوسامنے رکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تاکید کردی کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ دوہرانا کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اور بھائی آپ کے سامنے پست ہوں گے یہاں تک کہ وہ آپ کی عزت و تعظیم کیلئے آپ کے سامنے اپنی بہت ہی لاچاری اور عاجزی ظاہر کریں تو بہت ممکن ہے کہ اس خواب کو سن کراس کی تعبیر کوسامنے رکھ کر شیطان کے بہکاوے میں آکرابھی سے تمہاری دشمنی میں لگ جائیں اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول فریب کاری کرنے لگیں اور کسی حیلے سے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے فرماتے ہیں تم لوگ کوئی اچھاخواب دیکھو تو تو خیر اسے بیان کردواور جو شخص کوئی ایسابراخواب دیکھے تو جس کروٹ پر ہو وہ کروٹ بدل دے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اوراس کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کاذکر نہ کرے تو وہ خواب اسے کوئی نقصان نہ دے گا۔ مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے وہ گویاپرند کے پاؤں پر ہے ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہو گئی پھر وہ ہو جاتاہے۔

فائدہ۔ اسی سے یہ حکم بھی لیا جاسکتاہے کہ نعمت کوچھپانا چاہئے جب تک کہ وہ ازخود اچھی طرح حاصل نہ ہو جائے اور ظاہر نہ ہو جائے جیسے کہ ایک حدیث میں ہے ضرورتوں کے پورا کرنے پر ان کے چھپانے سے بھی مدد لیا کرو کیونکہ ہر وہ شخص جسے کوئی نعمت ملے

لوگ اس کے حسد کے در پے ہو جاتے ہیں

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ
عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿٦﴾ ع

اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھے تیرا پروردگار اور تجھے باتوں کی کل بٹھانی بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دو دادوں یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی بھرپور اپنی نعمت دی یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمتوں والا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت: حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کو انہیں ملنے والے مرتبوں کی خبر دیتے ہیں کہ جس طرح خواب میں اس نے تمہیں یہ فضیلت دکھائی اسی طرح وہ تمہیں بلند مرتبہ نبوت کا بھی عطا فرمائے گا اور تمہیں خواب کی تعبیر سکھادے گا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دے گا یعنی نبوت جیسے کہ اس سے پہلے وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی عطا فرما چکا ہے جو تمہارے دادا اور پردادا تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿٧﴾ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ
اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ﴿٨﴾ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ
اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ قَالَ
قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿١٠﴾

یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لئے بڑے بڑے نشان ہیں۔ جب کہ انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی بہ نسبت ہمارے باپ کو بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم طاقتور جماعت ہیں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں۔ یوسف کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی نامعلوم جگہ پہنچا دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے اس کے بعد تم صلاحیت والے ہو جانا۔ ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی گمنام کنوئیں کی تہ میں ڈال آؤ کہ اسے کوئی راہ رو قافلہ اٹھالے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔

حضرت یوسفؑ سے بھائیوں کا حسد: فی الواقع حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعات اس قابل ہیں کہ ان کا دریافت کرنے والا ان سے بہت سی عبرتیں حاصل کر سکے اور نصیحتیں لے سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک ہی ماں سے دوسرے بھائی بنیامین تھے اور یہ سب بھائی اور ماں سے تھے۔ یہ سب آپس میں کہتے ہیں اللہ کی قسم ابا جان ہم سے زیادہ ان دونوں کو چاہتے ہیں تعجب ہے

کہ ہم پر جو جماعت ہیں ان کو ترجیح دیتے ہیں جو صرف دو ہیں یقیناً یہ تو والد صاحب کی صریح غلطی ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر دراصل کوئی دلیل نہیں اور اس آیت کا طرز بیان تو بالکل اس کے خلاف پر ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ چیز بھی محتاج دلیل ہے اور دلیل میں آیت قرآنی ﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ میں لفظ اسباط پیش کرنا بھی احتمال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس لئے کہ بطون بنی اسرائیل کو اسباط کہا جاتا ہے جیسے کہ عرب کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کو مشعوب کہا جاتا ہے پس آیت میں صرف اتنا ہی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط پر اللہ وحی نازل ہوئی انہیں اس لئے اجمالاً ذکر کیا گیا کہ یہ بہت تھے لیکن ہر سبط برادران یوسف میں سے ایک کی نسل تھی پس اس کی کوئی دلیل نہیں کہ خاص ان بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا تھا واللہ اعلم۔

پھر آپس میں کہتے ہیں ایک کام کرو نہ بانس ہو نہ بانسری باجے یوسف کا پاپ ہی کاٹو نہ یہ ہو نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے ہم ہی ہم نظر آئیں اور ابا کی محبت صرف ہمارے ہی ساتھ رہے۔ اب اسے باپ سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے مار ہی ڈالو یا کہیں ایسی دور دراز جگہ پھینک آؤ کہ ایک کی دوسرے کو خبر ہی نہ ہو اور اسے کر کے پھر نیک بن جانا توبہ کر لینا اللہ معاف کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ایک نے مشورہ دیا یہی سب سے بڑا تھا اور اس کا نام روبیل تھا کوئی کہتا ہے یہودا تھا کوئی کہتا ہے شمعون تھا اس نے کہا بھئی یہ تو نا انصافی ہے بے وجہ بے قصور صرف عداوت میں آ کر خون ناحق گردن پر لینا تو ٹھیک نہیں۔ یہ بھی کچھ اللہ کی حکمت تھی رب کو منظور ہی نہ تھا ان میں قتل یوسف کی قوت ہی نہ تھی منظور اللہ تو یہ تھا کہ یوسف کو نبی بنائے بادشاہ بنائے اور انہیں عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کرے پس ان کے دل روبیل کے رائے سے نرما گئے اور طے ہوا کہ اسے کسی غیر آباد کنوئیں کی تہہ میں پھینک دیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں یہ بیت المقدس کا کنواں تھا انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے مسافر وہاں سے گزریں اور وہ اسے اپنے قافلے میں لے جائیں پھر کہاں یہ اور کہاں ہم؟ جب گزر دیئے کام نکلتا ہو تو زہر کیوں دو بغیر قتل کئے مقصود حاصل ہوتا ہے تو کیوں خون آلود ہاتھ کرو۔ ان کے گناہ کا تصور تو کرو یہ رشتے داری کے توڑنے باپ کی نافرمانی کرنے چھوٹے پر ظلم کرنے بے گناہ کو نقصان پہنچانے بڑے بوڑھے کو ستانے اور حق دار کا حق کاٹنے حرمت و فضیلت کا خلاف کرنے بزرگی کو ٹالنے اور اپنے باپ کو دکھ پہنچانے اور اسے اس کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے سکھ سے ہمیشہ کے لئے دور کرنے اور بوڑھے باپ اللہ کے لاڈلے پیغمبر کو اس بڑھاپے میں ناقابل برداشت صدمہ پہنچانے اور اس بے سمجھ بچے کو اپنے مہربان باپ کی پیار بھری نگاہوں سے ہمیشہ او جھل کرنے کے درپے ہیں اللہ کے دو نبیوں کو دکھ دینا چاہتے ہیں محبوب و محب میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں سکھ کی جانوں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں پھول سے نازک بے زبان بچے کو اس کے مشفق مہربان بوڑھے باپ کی نرم و گرم گودی سے الگ کرتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے آہ شیطان نے کیسی الٹی پڑھائی ہے اور انہوں نے بھی کیسی بدی پر کمر باندھی ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

کہنے لگے ابا آخر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔

یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کیلئے بھائیوں کا باپ سے اصرار: بڑے بھائی روبیل کے سمجھانے پر سب بھائیوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا کہ یوسف کو لے جائیں اور کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال آئیں۔ اس کے طے کرنے کے بعد باپ کو دھوکہ دینے اور بھائی کو پھسلا کر لے جانے اور اس پر آفت ڈھانے کے لئے سب مل کر باپ کے پاس آئے باوجودیکہ تھے بد اندیش بد خواہ برا چاہنے والے لیکن

باپ کو اپنی باتوں میں پھنسانے کے لئے اور اپنے گہرے مکر میں انہیں الجھانے کے لئے پہلے ہی جال بچھاتے ہیں کہ ابا جی آخر کیا بات ہے جو آپ ہمیں یوسف کے بارے میں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں اس کی خیر خواہی ہم سے زیادہ کون کر سکتا ہے؟ ﴿ یرتع ویلعب ﴾ کی دوسری قرأت ﴿ نرتع ونلعب ﴾ بھی ہے باپ سے کہتے ہیں کہ بھائی یوسف کو کل ہمارے ساتھ سیر کے لئے بھیجئے ان کا جی خوش ہو گا دو گھڑی کھیل کود لیں گے ہنس بول لیں گے آزادی سے چل پھر لیں گے آپ بے فکر رہئے ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے ہر وقت دیکھ بھال رکھیں گے آپ ہم پر اعتماد کیجئے ہم اس کے نگہبان ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی زور آور جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل عاجز ہی ہوئے۔

یعقوبؑ کا یوسف کو بھائیوں کے ساتھ لے جانے پر کھٹکا: نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کی اس طلب کا کہ بھائی یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ سیر کے لئے بھیجئے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے تم اسے لے جاؤ گے مجھ پر اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس بڑھی ہوئی محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت یوسف کے چہرے پر خیر کے نشان دیکھ رہے تھے نبوت کا نور پیشانی سے ظاہر تھا اخلاق کی پاکیزگی ایک ایک بات سے عیاں تھی صورت کی خوبی سیرت کی اچھائی کا بیان تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں باپ بیٹوں پر صلوۃ وسلام ہو۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ممکن ہے تم اپنی بکریوں کے چرانے چگانے اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو اور اللہ نہ کرے کوئی بھیڑیا آکر اس کا کام تمام کر جائے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ آہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسی بات کو انہوں نے لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے یوسف علیہ السلام کو الگ کر کے ابا کے سامنے یہی گھڑنت گھڑ دیں گے اسی وقت بات بنائی اور جواب دیا کہ ابا آپ نے بھلا فکر کیا ہماری جماعت کی جماعت قوی اور طاقتور موجود اور ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے؟ بالکل ناممکن۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر تو گویا ہم سب بے کار نکمے عاجز اور نقصان والے ہی ہوئے

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنوئیں کی تہہ میں پھینک دیں ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ یقیناً وقت آ رہا ہے تو انہیں اس ماجری کی خبر اس حال میں دے کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔

یوسفؑ کا کنوئیں میں ڈالا جانا: سمجھا بجھا کر بھائیوں نے باپ کو راضی کر ہی لیا۔ اور حضرت یوسف کو لے کر چلے۔ جنگل میں جا کر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یوسف کو کسی غیر آباد کنوئیں کی تہہ میں ڈال دیں حالانکہ باپ سے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ اس کا جی بہلے گا ہم اسے عزت کے ساتھ لے جائیں گے۔ ہر طرح خوش رکھیں گے اس کا جی بہل جائے گا اور یہ راضی خوشی رہے گا۔ یہاں آتے ہی غداری شروع کر دی' اور لطف یہ ہے کہ سب نے ایک ساتھ دل سخت کر لیا۔ ان کی باتوں میں آکر اپنے لخت جگر کو ان کے سپرد کر دیا' جاتے ہوئے سینے سے لگا کر چمکار پچکار کر دعائیں دے کر رخصت کیا۔ باپ کی آنکھوں سے ہٹتے ہی ان سب نے بھائی کو ایذائیں دینی شروع کر دیں' برا بھلا

کہنے لگے اور چانٹا چنٹول سے بھی باز نہ رہے مارتے پیٹتے برا بھلا کہتے اس کنوئیں کے پاس پہنچے اور ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ کر کنوئیں میں گرانا چاہا۔ آپ ایک ایک کے دامن سے چمٹتے ہیں اور ایک ایک سے رحم کی درخواست کرتے ہیں' لیکن ہر ایک جھڑک دیتا ہے اور دھکا دے کر مار پیٹ کر ہٹا دیتا ہے۔ مایوس ہو گئے۔ سب نے مل کر مضبوط باندھا اور کنوئیں میں لٹکا دیا آپ نے کنوئیں کا کنارہ ہاتھ سے تھام لیا۔ لیکن بھائیوں نے انگلیوں پر مار مار کر اسے بھی ہاتھ سے چھڑا لیا۔ آدھی دور آپؑ پہنچے ہوں گے کہ انہوں نے رسی کاٹ دی آپ تہہ میں جا گر کنوئیں کے درمیان میں ایک پتھر تھا جس پر کھڑے ہو گئے۔ عین اس مصیبت کے وقت عین اس سختی او تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی جانب وحی کی کہ آپ علیہ السلام کا دل مطمئن ہو جائے آپ صبر و سہار سے کام لیں اور انجام کا آپ کو علم ہو جائے۔ وحی میں فرمایا گیا کہ غمگین نہ ہو یہ نہ سمجھ کہ یہ مصیبت زائل نہ ہو گی' ان اللہ تعالیٰ تجھے اس سختی کے بعد آسانی دیگا' اس تکلیف کے بعد راحت ملے گی' ان بھائیوں پر اللہ تجھے غلبہ دے گا' یہ گو تجھے پست کرنا چاہتے ہیں کہ لیکن اللہ کی چاہت ہے کہ وہ تھے بلند کرے یہ جو کچھ آج تیرے ساتھ کر رہے ہیں وقت آئے گا کہ تو انہیں ان کے اس کرتوت کو یاد دلائے گا اور یہ ندامت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اپنا قصور سن رہے ہوں گے اور انھیں یہ بھی نہ معلوم ہو گا کہ تو تو ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب برادران یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپؑ نے تو انھیں پہچان لیا لیکن یہ نہ پہچان سکے۔ اس وقت آپ نے ایک پیالہ منگوایا اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا' آواز نکلی ہی نہ تھی اسی وقت آپ نے فرمایا لو یہ جام تو کچھ کہہ رہا ہے اور تمہارے متعلق ہی کچھ خبر دے رہا ہے' یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی تھا یوسف نامی' تم اسے باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر اسے انگلی ماری اور ذرا سی دیر کان لگا کر فرمایا لو یہ کہہ رہا ہے کہ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس گئے اور وہاں جا کر ان سے کہدیا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اب تو یہ حیران ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے ہائے برا ہوا' بھانڈا پھوٹ گیا اس جام نے تو تمام سچی سچی باتیں بادشاہ سے کہدیں۔ بس یہی ہے جو آپ کو کنوئیں میں وحی ہوئی کہ ان کے اس کرتوت کو تو انھیں ان کی بے شعوری میں جتائے گا۔

وَجَآءُوٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

رات کے اندھیرے میں اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے' اور کہنے لگے اباجی ہم تو آپس میں شرطیہ دوڑ میں لگ گئے یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تھا جو اسے بھیڑیا کھا گیا' آپ تو ہماری بات باور کرنے کے نہیں گو ہم بالکل سچے ہی ہوں' یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے' باپ نے کہا یوں نہیں بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے' پس صبر ہی بہتر ہے' تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔

بھائیوں کا باپ کے سامنے مکرو فریب: چپ چاپ ننھے بھیا پر اللہ کے معصوم نبی پر باپ کی آنکھ کے تارے پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر رات ہوئے باپ کے پاس سرخ رو بننے اور اپنی ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے غم زدہ ہو کر روتے ہوئے پہنچے' اور اپنے ملال کا یوسفؑ کے نہ ہونے کا سبب یہ بیان کیا کہ ہم نے تیر اندازی اور دوڑ شروع کی' چھوٹے بھائی کو اسباب کے پاس چھوڑا اتفاق کی بات ہے اسی وقت

بھیڑیا آگیا اور بھائی کو لقمہ بنالیا' چیر پھاڑ کر کھا گیا۔ پھر باپ کو اپنی بات صحیح طور پر بچانے اور ٹھیک باور کرانے کے لئے پانی سے پہلے پاڑ باندھتے ہیں کہ ہم اگر آپ کے نزدیک سچے ہی ہوتے تب بھی یہ واقعہ ایسا ہے کہ آپ ہمیں سچا ماننے میں تامل کرتے' پھر جب کہ پہلے ہی سے آپ نے اپنا ایک کھٹکا ظاہر کیا ہو اور خلاف ظاہر واقعہ میں اتفاقاً ایسا ہی ہو بھی جائے تو ظاہر ہے کہ آپ اس وقت تو ہمیں سچا مان ہی نہیں سکتے' ہیں تو ہم سچے ہی۔ لیکن آپ بھی ہم پر اعتبار نہ کرنے میں ایک حد تک حق پر ہیں' کیونکہ یہ واقعہ ہی ایسا انوکھا ہے ہم خود حیران ہیں کہ یہ ہو کیا گیا؟ یہ تو تھا زبانی کھیل' ایک کام بھی اسی کے ساتھ کر لائے تھے یعنی بکری کے ایک بچے کو ذبح کر کے اس کے خون سے حضرت یوسفؑ کا پیراہن داغ دار کر دیا کہ بطور شہادت کے ابا کے سامنے پیش کریں گے کہ یہ دیکھو یہ ہیں یوسفؑ بھائی کے خون کے دھبے ان کے کرتے پر' لیکن اللہ کی شان چور کے پاؤں کہا؟ سب کچھ تو کیا لیکن کرتا پھاڑنا بھول گئے' اس لئے باپ پر سب مکر کھل گیا' لیکن اللہ کے نبیؑ نے ضبط کیا اور صاف لفظوں میں گو نہ کہا تاہم بیٹوں کو بھی پتہ چل گیا کہ اباجی کو ہماری بات جچی نہیں۔ فرمایا کہ تمہارے دل نے تو ایک بات بنادی ہے' خیر میں تو تمہاری اس مذبوحی حرکت پر صبر ہی کروں گا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے مہر و کرم سے اس دکھ کو ٹال دے تم جو ایک جھوٹی بات مجھ سے بیان کر رہے ہو اور ایک محال چیز پر مجھے یقین دلا رہے ہو' اس پر میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں' اس کی مدد شامل حال رہی تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کرتا دیکھ کر آپؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تعجب ہے بھیڑیا یوسفؑ کو کھا گیا اس کا پیراہن خون آلود ہوا مگر کہیں سے ذرا بھی نہ پھٹا۔ خیر میں صبر کروں گا جس میں کوئی شکایت نہ ہو نہ کوئی گھبراہٹ ہو۔ کہتے ہیں کہ تین چیزوں کا نام صبر ہے' اپنی مصیبت کسی سے ذکر نہ کرنا' اپنے دل کا دکھڑا کسی کے سامنے نہ رونا' اور ساتھ ہی اپنے نفس کو پاک نہ سمجھنا۔ امام بخاریؒ نے اس موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس واقعہ کی پوری حدیث کو بیان کیا ہے' جس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے واللہ میری اور تمہاری مثال حضرت یوسفؑ کے باپ کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا اب صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان باتوں پر اللہ ہی سے مدد چاہی گئی ہے۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝١٩ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝٢٠

ع ۱۲

ایک قافلہ آیا انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا۔ کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو نوجوان بچہ ہے' انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا دیا' اللہ تعالیٰ باخبر تھا اس سے جو وہ کر رہے تھے' بھائیوں نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا' وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے۔

یوسفؑ کا کنوئیں سے نکلنا اور قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت: بھائی تو حضرت یوسفؑ کنویں میں ڈال کر چل دیئے یہاں تین دن آپؑ کو اسی اندھیرے کنوئیں میں اکیلے گزر گئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کنوئیں میں گرا کر بھائی تماشا دیکھنے کے لئے اس کے آس پاس ہی دن بھر پھرتے رہے کہ دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت سے ایک قافلہ وہیں سے گزرا' انہوں نے اپنے سقے کو پانی کے لئے بھیجا اس نے اسی کنوئیں میں ڈول ڈالا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی مضبوط تھام لی اور بجائے پانی کے آپؑ باہر نکلے' وہ آپؑ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا' رہ نہ سکا با آواز بلند کہہ اٹھا کہ لو سبحان اللہ یہ تو نوجوان بچہ آگیا۔ دوسری قرات اس کی ﴿ یَابُشْرَایَ ﴾ بھی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں بشریٰ سقے کے کھینچنے والے کا نام بھی تھا اس نے اس کا نام لے پکار کر خبر کی کہ میرے ڈول میں تو ایک بچہ آیا ہے۔ لیکن سدیؒ کا یہ قول غریب ہے۔ اس طرح کی قرات پر بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں' اس کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور یائے

اضافت ساقط ہے اسی کی تائید قرات ﴿ یَا بُشْرٰی ﴾ سے ہوتی ہے جیسے عرب کہتے ہیں ﴿ یَانَفْسُ اِصْبِرِیْ اوریَاغُلَامُ اَقْبِلْ ﴾ 'اضافت کے حرف کو ساقط کر کے اس وقت کسرہ دینا بھی جائز ہے اور رفع دینا بھی پس یہ اسی قبیل سے ہے اور دوسری قرات اس کی تفسیر ہے' واللہ اعلم۔ ان لوگوں نے آپؑ کو بحیثیت پونجی کے چھپالیا' قافلے کے اور لوگوں پر اس راز کو ظاہر نہ کیا بلکہ کہہ دیا کہ ہم نے کنویں کے پاس کے لوگوں سے اسے خریدا ہے' انہوں نے ہمیں اسے دیدیا ہے تاکہ وہ بھی ساجھانہ ملائیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ برادران یوسفؑ نے شان یوسفؑ چھپائی' اور حضرت یوسفؑ نے بھی اپنے تئیں ظاہر نہ کیا ایسا نہ ہو یہ لوگ کہیں قتل ہی کر دیں' اس لئے چپ چاپ بھائیوں کے ہاتھوں آپؑ بک گئے۔ سقے سے انہوں نے کہا اس نے آواز دے کر بلالیا انہوں نے اونے پونے یوسفؑ کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اللہ کچھ ان کی اس حرکت سے بے خبر نہ تھا وہ خوب دیکھ بھال رہا تھا گو وہ قادر تھا کہ اسی قوت اس بھید کو ظاہر کر دے لیکن اس کی حکمتیں اسی کے ساتھ ہیں' اس کی تقدیریوں ہی جاری ہوئی تھی' خلق اور امر اسی کا ہے وہ رب العالمین برکتوں والا ہے' اس میں آنحضرت ﷺ کو بھی ایک طرح سے تسکین دی گئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم آپؑ کو دکھ دے رہی ہے' میں قادر ہوں کہ آپؑ کو ان سے چھڑادوں انہیں غارت کر دوں' لیکن میرے کام حکمت کے ساتھ ہیں' دیر ہے اندھیر نہیں بے فکر رہو عنقریب غالب کر دوں گا اور رفتہ رفتہ ان کا چورا کر دوں گا' جیسے کہ یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے درمیان میری حکمت کا ہاتھ کام کرتا رہا یہاں تک کہ آخر انجام حضرت یوسفؑ کے سامنے انہیں جھکنا پڑا اور ان کے مرتبے کا اقرار کرنا پڑا۔ بہت تھوڑے مول پر بھائیوں نے انہیں بیچ دیا' ناقص چیز کے بدلے بھائی جیسا بھائی دے دیا' اور اس کی بھی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی بلکہ اگر ان سے بالکل بلا قیمت مانگا جاتا تو بھی دیدیتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قافلے والوں نے اسے بہت کم قیمت پر خریدا لیکن یہ کچھ زیادہ درست نہیں' اس لئے کہ انھوں نے تو اسے دیکھ کر خوشیاں منائی تھیں اور بطور پونجی اسے پوشیدہ کر دیا تھا' پس اگر انہیں اس کی بے رغبتی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے۔ پس ترجیح اسی بات کو ہے کہ یہاں مراد بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو گرے ہوئے نرخ پر بیچ ڈالنا ہے ﴿ بَخْسٍ ﴾ سے مراد حرام اور ظلم بھی ہے' لیکن یہاں وہ مراد نہیں لی گئی' کیونکہ اس قیمت کی حرمت کا علم تو ہر ایک کو ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی بن خلیل الرحمٰن علیہم السلام تھے پس آپؑ تو کریم بن کریم بن کریم بن کریم تھے پس یہاں مراد ناقص کم تھوڑی اور کھوٹی بلکہ برائے نام قیمت پر بیچ ڈالنا ہے' باوجود اس کے وہ ظلم وحرام بھی تھا' بھائی کو بیچ رہے ہیں اور وہ بھی کوڑیوں کے مول' چند درہموں کے بدلے بیس یا بائیس یا چالیس درہم کے بدلے یہ دام لے کر آپس میں بانٹ لئے' اور اس کی انھیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ اللہ کے ہاں انکی کیا قدر ہے'۔ وہ کیا جانتے تھے کہ یہ اللہ کے نبی بننے والے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اتنا سب کچھ کرنے پر بھی صبر نہ ہوا' قافلے کے پیچھے ہو لئے اور ان سے کہنے لگے دیکھو اس غلام میں بھاگ نکلنے کی عادت ہے اسے مضبوط باندھ دو کہیں تمہارے ہاتھوں سے بھی بھاگ نہ جائے۔ اسی طرح باندھے باندھے مصر تک پہنچے اور وہاں آپؑ کو بازار میں لے جا کر بیچنے لگے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے مجھے جو لے گا وہ خوش ہو جائے۔ پس عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا وہ تھا بھی مسلمان۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

مصر والوں میں سے جس نے اسے خرید اتھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بہت عزت واحترام کے ساتھ رکھو بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں' یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جمادیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھادیں' اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں' اور جب (یوسف) پوری طاقت کی عمر کو پہنچ گیا ہم نے اسے دانائی اور علم دیا' ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

یوسفؑ کی مصر کے بازار میں نیلامی: رب کا لطف بیان ہو رہا ہے کہ جس نے آپؑ کو مصر میں خریدا اللہ نے اس کے دل میں آپ علیہ السلام کی عزت و وقعت ڈال دی اس نے آپؑ کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں خیر و صلاح ہے۔ یہ مصر کا وزیر تھا اس کا نام قطفیر تھا' کوئی کہتا ہے اطفیر تھا۔ اس کے باپ کا نام روحیب تھا یہ مصر کے خزانوں کا داروغہ تھا۔ مصر کی سلطنت اس وقت ریان بن ولید کے ہاتھ میں تھی' یہ عمالیق میں سے ایک شخص تھا۔ عزیز مصر کی بیوی صاحبہ کا نام راعیل تھا' کوئی کہتا ہے زلیخا تھا۔ یہ رعابیل کی بیٹی تھیں۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ مصر میں جس نے آپ کو خریدا اس کا نام مالک بن ذعر بن قریب بن عنق بن مدیان بن ابراہیم تھا' واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں سب سے زیادہ دور بین دور رس اور انجام پر نظریں رکھنے والے اور عقلمندی سے تاڑنے والے تین شخص گزرے ہیں' ایک تو یہی عزیز مصر کہ بہ یک نگاہ حضرت یوسفؑ کو تاڑ گیا اور جاتے ہی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح آرام سے رکھو' دوسرے وہ بچی جس نے حضرت موسیٰؑ کو بہ یک نگاہ جان لیا اور جا کر باپ سے کہا کہ اگر آپ کو آدمی کی ضرورت ہے تو ان سے معاملہ کر لیجئے یہ قوی اور باامانت شخص ہے' تیسرے حضرت صدیق اکبرؓ کہ آپ نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے خلافت حضرت عمرؓ جیسے شخص کو سونپی۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنا ایک اور احسان بیان فرمارہا ہے کہ بھائیوں کے پھندے سے ہم نے چھڑالیا' پھر ہم نے مصر میں لا کر یہاں کی سرزمین پر ان کا قدم جمادیا' کیونکہ اب ہمارا یہ ارادہ پورا ہونا تھا کہ ہم اسے تعبیر خواب کا کچھ علم عطا فرمائیں' اللہ کے ارادہ کو کون ٹال سکتا ہے؟ کون روک سکتا ہے؟ کون خلاف کر سکتا ہے؟ وہ سب پر غالب ہے سب اس کے سامنے عاجز ہیں جو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے' جو ارادہ کرتا ہے کر چکتا ہے لیکن اکثر لوگ علم سے خالی ہوتے ہیں نہ اس کی حکمت کو مانتے ہیں نہ اس کی باریکیوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے نہ وہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ جب آپ کی عقل کامل ہوئی' جب جسم اپنی نشو ونما تمام کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے آپ کو مخصوص کیا' یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نیک کاروں کو اسی طرح بھلا بدلہ دیتے ہیں کہتے ہیں اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے یا تیس سے کچھ اوپر کی یا بیس کی یا چالیس کی یا پچیس کی یا بائیس کی یا اٹھارہ کی' یا مراد جوانی کو پہنچنا ہے' اور اسکے سوا اور اقوال بھی ہیں' واللہ اعلم۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھا یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آجاؤ' یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! عزیز مصر میرا سردار ہے مجھے اس نے بہت ہی اچھی طرح رکھا ہے' بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔

عزیز مصر کی بیوی کا یوسفؑ کو برائی کی دعوت دینا: عزیز مصر جس نے آپ کو خریدا تھا اور بہت اچھی طرح مثل اولاد کے رکھا تھا اپنی گھر والی سے بھی تاکید کہہ دیا تھا کہ انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہو عزت و اکرام سے انہیں رکھو۔ اس عورت کی نیت میں کھوٹ آجاتی ہے۔ جمال یوسف پر فریفتہ ہو جاتی ہے دروازے بھیڑ کر بن سنور کر برے کام کی طرف یوسف کو بلاتی ہے لیکن حضرت یوسف بڑی سختی سے انکار کر کے اسے مایوس کر دیتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس وقت اہل مصر کے محاورے میں بڑوں

کیلئے یہی لفظ بولا جاتا تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں 'تمہارے خاوند کی مجھ پر مہربانی ہے وہ میرے ساتھ سلوک واحسان سے پیش آتے ہیں' پھر کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی خیانت کروں' یاد رکھو چیز کو غیر جگہ رکھنے والے بھلائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ﴿ھیت لک﴾ کو بعض لوگ سریانی زبان کا لفظ کہتے ہیں بعض قبطی زبان کا بعض اسے غریب لفظ بتلاتے ہیں بعض حوارینہ کا لغت بتلاتے ہیں۔ کسائی اسی قرات کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے اہل حوران کا یہ لغت ہے 'حجاز میں آ گیا ہے اہل حوارن کے ایک عالم نے کہا ہے کہ یہ ہمارا لغت ہے امام ابن جریرؒ نے اس کی شہادت میں شعر بھی پیش کیا ہے۔ اس کی دوسری قراءت ﴿ھِئتَ﴾ بھی ہے۔ پہلی قرات کے معنے تو آؤ کے تھے 'اسکے معنی ہیں میں تیرے لئے تیار ہوں۔ بعض لوگ اس قرات کا انکار ہی کرتے ہیں۔ ایک قرات ھَیئتَ بھی ہے یہ قراءت غریب ہے ایک قراءت ہیت بھی ہے۔ عام مدنی لوگوں کی یہی قراءت ہے۔ اس پر بھی شہادت میں شعر پیش کیا جاتا ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں 'قاریوں کی قراءتیں قریب قریب ہیں پس جس طرح تم سکھائے گئے ہو پڑھتے رہو گہرائی سے اور اختلاف سے اور لعن طعن سے اور اعتراض سے بچو۔ اس لفظ کے یہی معنے ہیں کہ آ اور سامنے ہو وغیرہ پھر آپ نے اس لفظ کو پڑھا کسی نے کہا اسے دوسری طرح بھی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا درست ہے مگر میں نے تو جس طرح سیکھا ہے اسی طرح پڑھوں گا یعنی ہیت نہ کہ ھئتُ یہ لفظ تذکیر تانیث واحد تثنیہ جمع سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ جیسے ﴿ ھَیتَ لَکَ ھَیتَ لَکُمْ ھَیتَ لَکُما ھَیتَ لَکُنَّ ھَیتَ لَھُنَّ۔ ﴾

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا اگر نہ ہوتی یہ بات کہ دیکھ لے وہ اپنے پروردگار کی دلیل 'یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں 'بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

یوسفؑ کا برائی سے انکار کرنا: سلف کی ایک جماعت سے تو اس آیت کے بارے میں وہ مروی ہے جو ابن جریر وغیرہ لائے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ صرف نفس کا کھٹکا تھا۔ بغوی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ جب میرا کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اس کی نیکی لکھ لو اور جب اس نیکی کو کر گزرے تو اس جیسی دس گنی نیکی لکھ لو 'اور اگر کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے نہ کرے تو اس کے لئے نیکی لکھ لو' کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس برائی کو چھوڑا ہے' اور اگر اس برائی کو کر ہی گزرے تو اس کے برابر اسے لکھ لو۔ اس حدیث کے الفاظ اور بھی کئی ایک ہیں 'اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اسے مارنے کا قصد کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ اسے بیوی بنانے کی تمنا کی تھی۔ ایک قول ہے کہ آپ قصد کرتے اگر دلیل نہ دیکھتے 'لیکن چونکہ دلیل دیکھ لی قصد نہیں فرمایا۔ لیکن اس قول میں عربی زبان کی حیثیت سے کلام ہے جیسے امام ابن جریرؒ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔ یہ تو تھے اقوال قصد یوسفؑ کے متعلق۔ وہ دلیل جو آپ نے دیکھی اس کے متعلق بھی اقوال ملاحظہ فرمایئے۔ کہتے ہیں اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو دیکھا کہ گویا وہ اپنی انگلی منہ میں ڈالے کھڑے ہیں اور حضرت یوسفؑ کے سینے پر آپ نے ہاتھ مارا کہتے ہیں اپنے سردار کی خیالی تصویر سامنے آ گئی۔ کہتے ہیں آپؑ کی نظر چھت کی طرف اٹھ گئی دیکھتے ہیں کہ اس پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے ﴿ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا وہ بڑی بے حیائی کا اور اللہ کے غضب کا کام ہے 'اور وہ بڑا ہی برا راستہ ہے۔ کہتے ہیں تین آیتیں لکھی ہوئی تھیں 'ایک تو ﴿ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴾ تم پر نگہبان مقرر ہیں' دوسری ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ ﴾ تم جس حال میں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے 'تیسری آیت ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ ﴾ الخ اللہ ہر شخص کے ہر عمل پر حاضر ناظر ہے۔ کہتے ہیں کہ چار

آیتیں لکھی پائیں تین وہی جو اوپر ہیں اور ایک حرمت زنا کی جو اس سے پہلے ہے کہتے ہیں کہ کوئی آیت دیوار پر ممانعت زنا کے بارے میں لکھی ہوئی پائی۔ کہتے ہیں کہ ایک نشان تھا جو آپ کے ارادے سے آپ کو روک رہا تھا۔ ممکن ہے وہ صورت یعقوبؑ ہو اور ممکن ہے اپنے خرید نے والے کی صورت ہو اور ممکن ہے آیت تنبیہ ہو۔ کوئی ایسی صاف دلیل نہیں کہ کسی خاص ایک چیز کے فیصلے پر ہم پہنچ سکیں۔ پس بہت ٹھیک راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اسے یوں نہیں مطلق چھوڑ دیا جائے جیسے فرمان اللہ میں بھی اطلاق ہے (اسی طرح قصد کو بھی)۔

پھر فرماتا ہے ہم نے جس طرح اس وقت اسے ایک دلیل دکھا کر برائی سے بچالیا اسی طرح اس کے اور کاموں میں بھی ہم اس کی مدد کرتے رہے اور اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے محفوظ رکھتے رہے وہ تھا بھی ہمارا برگزیدہ پسندیدہ بہترین اور مخلص بندہ۔ اللہ کی طرف سے آپؑ پر درود و سلام نازل ہو۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ
مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ
نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِ
قِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾
يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـــِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۹ ۱۴

دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا' تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا دی جائے' یوسف نے کہا یہ عورت ہی مجھے بہلا پھسلا کر میرے نفس کی حفاظت سے مجھے غافل کرانا چاہتی تھی عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے بھٹا ہوا ہے تو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں ہے' اور اگر اس کا پیراہن پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے' خاوند نے جو دیکھا کہ پیراہن یوسف پیٹھ کی جانب سے چاک کیا گیا ہے تو صاف کہدیا کہ یہ تو تم عورتوں کے چھند ہیں' بیشک تمہارے ہتھکنڈے بھاری ہیں' یوسف اب اس بات کو آئی گئی کرو' اور اے عورت تو اپنے گناہ پر سے توبہ کر' بیشک تو گنہگاروں میں ہے۔

یوسفؑ کی پاک دامنی کی گواہی: حضرت یوسفؑ اپنے تئیں بچانے کے لئے وہاں سے دروازے کی طرف دوڑے اور یہ عورت آپؑ کو پکڑنے کے ارادے سے آپؑ کے پیچھے بھاگی' پیچھے سے کرتا اس کے ہاتھ میں آگیا' زور سے اپنی طرف گھسیٹا جس سے حضرت یوسفؑ پیچھے کی طرف گر جانے کے قریب ہو گئے' لیکن آپؑ نے بھی آگے کو زور لگا کر دوڑ جاری رکھی' اس میں کرتا پیچھے سے بالکل بے طرح پھٹ گیا اور دونوں دروازے پر پہنچ گئے' دیکھتے ہیں کہ عورت کا خاوند موجود ہے۔ اسے دیکھتے ہی اس نے چال چلی اور فوراً ہی سارا الزام حضرت یوسف کے سر چپک دیا اور آپ اپنی پاک دامنی بلکہ عصمت اور مظلومیت جتانے لگی۔ سوکھا سا منہ بنا کر اپنے خاوند سے اپنی بپتا اور پھر پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے' فرمایئے حضور آپ کی بیوی سے جو بدکاری کا ارادہ رکھے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے'؟ قید سخت یا بری مار سے کم تو ہرگز کوئی سزا اس جرم کی نہیں ہو سکتی۔ اب جب کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی آبرو کو خطرے میں دیکھا اور خیانت کی بدترین تہمت چڑھتی

دیکھی تو اپنے اوپر سے الزام ہٹانے اور صاف اور سچی حقیقت کے ظاہر کر دینے کے لئے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھیں' میرے بھاگنے پر مجھے پکڑ رہی تھیں یہاں تک کہ میرا کرتا بھی پھاڑ دیا۔ اسی عورت کے قبیلے سے ایک گواہ نے گواہی دی اور مع ثبوت و دلیل ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیراہن کو دیکھ لو اگر وہ سامنے کے رخ سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے' اس نے اسے اپنی طرف لانا چاہا اس نے اسے دھکے دیئے' روکا منع کیا ہٹایا اس میں سامنے سے کرتا پھٹ گیا تو واقعی قصوروار مرد ہے' عورت جو اپنی بے گناہی بیان کرتی ہے وہ سچی ہے' فی الواقع اس صورت میں وہ سچی ہے' اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا پاؤ تو عورت کے جھوٹ اور مرد کے سچ ہونے میں کلام نہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت اس پر مائل تھی' یہ اس سے بھاگا وہ دوڑی پکڑا کرتا ہاتھ میں آگیا اس نے اپنی طرف گھسیٹا اس نے اپنی جانب کھینچا وہ پیچھے کی طرف سے پھٹ گیا۔ کہتے ہیں یہ گواہ بڑا آدمی تھا جس کے منہ پر ڈاڑھی تھی یہ عزیز مصر کا خاص آدمی تھا اور پوری عمر کا مرد تھا۔ اور زلیخا کے چچا کا لڑکا تھا' زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی' پس ایک قول تو اس گواہ کے متعلق یہ ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا دودھ پیتا گہوارے میں جھولتا بچہ تھا۔

ابن جریر میں ہے کہ چار چھوٹے بچوں نے بچپن میں ہی کلام کیا ہے۔ اس پوری حدیث میں اس بچے کا بھی ذکر ہے جس نے حضرت یوسف صدیقؑ کی پاکدامنی کی شہادت دی تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں چار بچوں نے کلام کیا ہے' فرعون کی لڑکی مشاطہ کے لڑکے نے' حضرت یوسف علیہ السلام کے گواہ نے' جریج کے صاحب نے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے۔ مجاہدؒ نے تو ایک بالکل ہی غریب بات کہی وہ کہتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم تھا' کوئی انسان تھا ہی نہیں۔ اسی تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کو پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا دیکھا۔ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے' وہ یوسف صدیق علیہ السلام پر تہمت لگا رہی ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو تم عورتوں کا فریب ہے' اس نوجوان پر تم تہمت باندھ رہی ہو اور جھوٹا الزام رکھ رہی ہو تمہارے تریاچر تو ہیں ہی چکر میں ڈال دینے والے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے کہتا ہے کہ آپ اس واقعہ کو بھول جایئے جانے دیجئے' اس نامراد واقعہ کا پھر سے ذکر ہی نہ کیجئے۔ پھر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم اپنے گناہ سے استغفار کرو۔ نرم آدمی تھا' نرم اخلاق تھے یا یوں سمجھو کہ وہ جان رہا تھا کہ عورت معذور سمجھے جانے کے لائق ہے' اس نے وہ دیکھا ہے جس پر صبر کرنا بہت مشکل ہے اس لئے اسے ہدایت کر دی کہ اپنے برے ارادے سے توبہ کر' سراسر تو ہی خطاوار ہے' کیا خود پھر الزام دوسروں کے سر رکھا۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَّفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا
لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً
وَّآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ
أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ
الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ
مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِينَ ۝
فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

شہر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے جوان غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے' اس کے تو دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہمارے خیال میں تو وہ صریح غلطی میں پڑ رہی ہے' اس نے جب ان کی اس پر فریب غیبت کا حال سنا تو انھیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے ایک مجلس مرتب کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا اے یوسف ان کے سامنے چلے آؤ' ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے' اور زبان سے نکل گیا کہ ﴿حاشالِلّٰہ﴾ یہ انسان تو ہرگز نہیں' یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے' اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں' میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا' اللہ کی قسم جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا' یوسف نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے' اگر تو نے ان کا فن فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور بالکل نادانوں میں جاملوں گا' اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیئے' یقیناً وہ سننے جاننے والا ہے۔۔

حسن یوسف: اس داستان محبت کی خبر شہر میں ہو گئی چرچے ہونے لگے۔ چند شریف زادیوں نے نہایت تعجب وحقارت سے اس قصے کو دوہرایا کہ دیکھو وزیر کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے گزری ہوئی قاتل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے' شغاف کہتے ہیں کہ دل کے پردوں کو۔ کہتی ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ کہیں ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لئے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا مکر تھا' انھیں تو دراصل حسن یوسفؑ کے دیدار کی تمنا تھی' یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔ عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معزوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے' اور ایک مجلس اور محفل اور بیٹھک درست کر لی جہاں پھل اور میوہ بہت تھا اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لئے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دیدیا۔ یہ تھا ان عورتوں کے دھوکے کا جواب انہوں نے اعتراض جڑ کر جمال یوسفؑ دیکھنا چاہا' اس نے اپنے تئیں معزور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لئے انہیں خود زخمی کر دیا۔ اور خود ان ہی کے ہاتھ سے۔ حضرت یوسف سے کہا کہ آپ آیئے۔ انہیں اپنی مالکہ کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آ گئے' عورتوں کی نگاہ جو آپؑ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں' ہیبت وجلال اور رعب حسن سے بے خود ہو گئیں' اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں؟ حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی' بیٹھے ہاتھوں میں تھے چاقو چل رہے تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اٹھیں ہاں ہاں ضرور اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لایئے' آپؑ آئے' پھر اس نے کہا جایئے' آپ چلے گئے' آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا' دیکھتے ہی سب سکتے میں آ گئیں' ہوش وحواس جاتے رہے' بجائے نیبو کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کوئی احساس تک نہ ہوا۔ ہاں جب حضرت یوسفؑ چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتلاؤ میرا کیا حال ہوگا؟ عورتوں نے کہا واللہ یہ انسان نہیں یہ تو فرشتہ ہے' اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔ آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت یوسفؑ جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔

آپؑ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسفؑ سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا حسن قدرت کی

فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا۔ اور روایت میں ہے تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا۔ آپؑ کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا۔ جب کبھی کوئی عورت آپ علیہ السلام کے پاس کسی کام کے لئے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہ کہیں وہ فتنہ میں نہ پڑ جائے۔ اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کئے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کئے گئے اور ایک حصہ صرف آپؑ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا' دو تہائیاں حسن کی ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگ۔ اور روایت میں ہے کہ حسن کے دو حصے کئے گئے ایک حصے میں حضرت یوسفؑ اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور سب لوگ۔ سہیلی میں ہے کہ آپ کو حضرت آدمؑ کا آدھا حسن دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال صورت کا نمونہ بنایا تھا' اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا۔ آپ کی اولاد میں آپؑ کا ہم وزن کوئی نہ تھا اور حضرت یوسفؑ کو ان کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ پس ان عورتوں نے آپؑ کو دیکھ کر ہی کہا کہ معاذ اللہ یہ انسان نہیں۔ بَشَرًا کی دوسری قرائت ﴿بِشَرِي﴾ ہے یعنی یہ تو خرید کیا ہوا ہو ہی نہیں سکتا' یہ تو کوئی ذی عزت فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے کہا بتلاؤ اب تو تم مجھے عذر والی سمجھو گی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و سہار چھین لے۔ میں نے اسے ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا' اب سمجھ لو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت و عفت کی باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتنا پڑے گا اور میں اس کی بڑی ذلت کروں گی۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اس ڈھونگ سے اللہ کی پناہ طلب کی اور دعا کی کہ یا اللہ مجھے جیل خانے جانا پسند ہے مگر تو مجھے ان کے بد ارادوں سے محفوظ رکھ ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں' یا اللہ تو اگر مجھے بچالے تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں اتنی قوت نہیں' مجھے اپنے کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں' تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ میں کسی گناہ سے رک سکوں نہ کسی نیکی کو کر سکوں' میں اے باری تعالیٰ تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دے کہ میں ان عورتوں کی طرف جھک جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ پس اللہ تعالیٰ کریم و قادر نے آپؑ کی دعا قبول فرمالی اور آپؑ کو بال بال بچالیا' عصمت و عفت عطا فرمائی اپنی حفاظت میں رکھا اور برائی سے آپ علیہ السلام بچے ہی رہے باوجود بھرپور جوانی کے باوجود بے انداز حسن و خوبی کے باوجود ہر طرح کے کمال کے جو آپؑ میں تھا آپؑ اپنی خواہش نفس کی بے جا تکمیل سے رکتے رہے' اور اس عورت کی طرف رخ بھی نہ کیا' جو رئیس زادی ہے' یہ رئیس کی بیوی ہے ان کی مالکہ ہے' پھر بہت ہی خوب صورت ہے' جمال کے ساتھ ہی مال بھی ہے' ریاست بھی ہے' وہ اپنی بات کے ماننے پر انعام و اکرام کا اور نہ ماننے پر جیل کا اور سخت سزا کا حکم سنا رہی ہے' لیکن آپؑ کے دل میں خوف اللہ کا سمندر موج زن ہے آپؑ اپنے اس دینوی آرام کو اور اس عیش اور لذت کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہیں اور قید و بند کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں سے بچ جائیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بن جائیں۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل اپنے سائے تلے سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ سوا اس کے سائے کے نہ ہوگا۔ (۱) مسلمان عادل بادشاہ' وہ (۲) جوان مرد و عورت جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری' وہ (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو جب مسجد سے نکلا مسجد کی دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے۔ (۴) وہ شخص جو آپس میں محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں اسی پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں' (۵) وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ دائیں ہاتھ کی خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی' (۶) وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی جمال و صورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں' (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہہ نکلیں۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع ۱۴

ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لئے قید خانہ میں رکھیں۔

حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا لیکن تاہم ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کچھ مدت تک حضرت یوسفؑ کو جیل خانہ میں ہی رکھیں' بہت ممکن ہے کہ اس میں ان سب نے یہ مصلحت سوچی ہو کہ لوگوں میں بات پھیل گئی ہے کہ عزیز کی بیوی اس کی چاہت میں مبتلا ہے' جب ہم یوسفؑ کو قید کر دیں گے تو لوگ سمجھ لیں گے کہ قصور اسی کا تھا' اس نے کوئی ایسی نگاہ کی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ مصر نے آپؑ کو قید خانے سے آزاد کرنے کے لئے اپنے پاس بلوایا تو آپؑ نے وہیں سے فرمایا کہ میں نہ نکلوں گا جب تک میری برات اور میری پاک دامنی صاف طور ظاہر نہ ہو جائے' اور آپ حضرات اس کی پوری تحقیق نہ کر لیں۔ جب تک بادشاہ نے ہر طرح گواہ شاہدوں سے بلکہ خود عزیز کی بیوی سے پوری تحقیق نہ کر لی اور آپؑ کا بے قصور ہونا ساری دنیا پر نہ کھل گیا آپؑ جیل خانے سے باہر نہ نکلے۔ پھر آپؑ باہر آئے جب کہ ایک دل بھی ایسا نہ تھا جس میں صدیق اکبر نبی اللہ پاک دامن اور معصوم رسول اللہ حضرت یوسفؑ کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ قید کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ عزیز کی بیوی کی رسوائی نہ ہو۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ㉶

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میں نے خواب میں اپنے تئیں شراب نچوڑتے دیکھا ہے' اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے تئیں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں' ہمیں آپ خواب اور اس کی تعبیر بتایئے' ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔

اتفاق سے جس روز حضرت یوسفؑ کو جیل خانے جانا پڑا اسی دن بادشاہ کا ساقی اور نان بائی بھی کسی جرم میں جیل خانے بھیجا گیا۔ ساقی کا نام بندار تھا اور باورچی کا نام بحلث تھا' ان پر الزام یہ تھا کہ انھوں نے کھانے پینے میں بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی تھی' قید خانے میں بھی نبی اللہ حضرت یوسفؑ کی نیکیوں کی کافی شہرت تھی' سچائی امانت داری سخاوت خوش خلقی کثرت عبادت اللہ ترسی علم و عمل تعبیر خواب احسان و سلوک وغیرہ میں آپؑ مشہور ہو گئے تھے۔ جیل خانے کے قیدیوں کی بھلائی ان کی خیر خواہی ان سے مروت و سلوک ان کے ساتھ بھلائی اور احسان ان کی دلجوئی اور دل داری ان کے بیماروں کی تیمار داری خدمت اور دوا دارو بھی آپؑ کا شغل تھا۔ یہ دونوں شاہی ملازم حضرت یوسفؑ سے بہت ہی محبت کرنے لگے۔ ایک دن کہنے لگے کہ حضرت ہمیں آپ سے بہت ہی محبت ہو گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت دے' بات یہ ہے کہ مجھے تو جس نے چاہا کوئی نہ کوئی آفت ہی مجھ پر لایا' پھوپھی کی محبت' باپ کا پیار عزیز کی بیوی کی چاہت سب مجھے یاد ہے اور اس کا نتیجہ میری ہی نہیں بلکہ تمہاری بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب دونوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا۔ ساقی نے دیکھا کہ وہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہے۔ ابن مسعود کی قراءت میں خمرا کے بدلے لفظ عنبا ہے۔ اہل عمان انگور کو خمر کہتے ہی ہیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ گویا اس نے انگور کی بیل بوئی ہے اس میں خوشے لگے ہیں' اس نے توڑے ہیں پھر ان کا شیرہ نچوڑ رہا ہے کہ بادشاہ کو پلائے۔ یہ خواب بیان کر کے آرزو کی کہ آپؑ ہمیں اس کی تعبیر بتلایئے' اللہ کے پیغمبر نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین دن کے بعد جیل خانہ سے آزاد کر دیا جائے گا اور تم اپنے کام پر یعنی بادشاہ کی ساقی گری پر لگ جاؤ گے۔ دوسرے نے کہا جناب میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اپنے سر پر میں روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے آ آ کر اس میں سے کھا رہے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات تو یہی ہے کہ واقعی ان دونوں نے یہی خواب دیکھے تھے اور ان کی صحیح تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ درحقیقت انہوں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا لیکن حضرت

یوسفؑ کی آزمائش کے لئے جھوٹے خواب بیان کر کے تعبیر طلب کی تھی۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾

یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا' یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے سکھایا ہے میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں' میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں' یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے دین کا' ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں' ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کو تسکین دیتے ہیں کہ میں تمہارے خواب کی صحیح تعبیر جانتا ہوں اور اس کے بتلانے میں مجھے کوئی بخل نہیں اس کی تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے ہی میں تمہیں وہ بتلا دوں گا۔ حضرت یوسفؑ کے اس فرمان اور اس وعدے سے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ تنہائی کی قید میں تھے کھانے کے وقت کھول دیا جاتا تھا اور ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اس لئے آپؑ نے ان سے یہ وعدہ کیا۔ اور ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے تھوڑی تھوڑی کر کے دونوں خواب کی پوری تعبیر بتلائی گئی ہو۔ ابن عباس سے یہ اثر مروی ہے گو بہت غریب ہے پھر فرماتے ہیں مجھے یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے ان کافروں کا مذہب چھوڑ رکھا ہے جو نہ اللہ کو مانیں نہ آخرت کو برحق جانیں' میں نے اللہ کے پیغمبروں کے سچے دین کو مان رکھا ہے اور اسی کی تابعداری کرتا ہوں' خود میرے باپ دادا اللہ کے رسول تھے۔ ابراہیم' اسحاق' یعقوب علیہم السلام۔ فی الواقع جو بھی راہ راست پر استقامت سے چلے ہدایت کا پیرو رہے' اللہ کے رسولوں کی اتباع کو لازم پکڑ لے گمراہوں کی راہ سے منہ پھیر لے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے دل کو پر نور اور اس کے سینے کو معمور کر دیتا ہے اسے علم و عرفان کی دولت سے مالامال کر دیتا ہے اسے بھلائی میں لوگوں کا پیشوا کر دیتا ہے' اور دنیا کو وہ نیکی کی طرف بلاتا رہتا ہے۔ ہم جب کہ راہ راست دکھا دیے گئے توحید کی سمجھ دیدیئے گئے شرک کی برائی بتا دیئے گئے' پھر ہمیں کیسے یہ بات زیب دیتی ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ اور کسی کو بھی شریک کرلیں' یہ توحید اور سچا دین اور یہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی یہ خاص اللہ کا فضل ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے' ہاں ہمیں یہ برتری ہے کہ ہماری جانب براہ راست اللہ کی وحی آئی اور لوگوں کو ہم نے یہ وحی پہنچائی' لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں' اللہ کی اس زبردست نعمت کی جو اللہ نے ان پر رسول بھیج کر انعام فرمائی ہے' ناقدری کرتے ہیں اور مان کر نہیں دیتے بلکہ رب کی نعمت کے بدلے کفر کرتے ہیں' اور خود مع اپنے ساتھیوں کے ہلاکت کے گھر میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھتے ہیں اور فرماتے جو چاہے میں حطیم میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں' اللہ تعالیٰ نے دادا کا ذکر نہیں کیا دیکھو حضرت یوسفؑ کے بارے میں فرمایا میں نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام' اسحاق اور یعقوبؑ کے دین کی پیروی کی۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾

اے میرے قید خانے کے ساتھیو کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے' اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اسکے کسی اور کی عبادت نہ کرو' یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یوسفؑ اور دعوت توحید: یوسف علیہ السلام سے وہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آئے ہیں' آپؑ نے انھیں تعبیر خواب بتا دینے کا اقرار کر لیا' لیکن اس سے پہلے انھیں توحید کا وعظ سنا رہے ہیں اور شرک سے اور مخلوق پرستی سے نفرت دلا رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ واحد جس نے ہر چیز پر قبضہ کر رکھا ہے' جس کے سامنے تمام مخلوق پست و عاجز' لاچار و بے بس ہے' جس کا ثانی شریک اور ساجھی کوئی نہیں' جس کی عظمت و سلطنت چپے چپے اور ذرے ذرے پر ہے وہی ایک بہتر یا تمہارے یہ خیالی کمزور اور ناکارے بہت سے معبود بہتر؟ پھر فرمایا کہ تم جن جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو بے سود ہیں یہ نام اور ان کے لئے عبادت یہ تمہاری اپنی اختراع ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارے باپ دادا بھی اس مرض کے مریض تھے' لیکن کوئی دلیل اس کی تم لا نہیں سکتے' اس کی کوئی دلیل عقلی نقلی دنیا میں اللہ نے بنائی ہی نہیں۔ حکم تصرف قبضہ قدرت کل کی کل اللہ تعالیٰ کی ہی ہے' اس نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا اور اپنے سوا کسی اور کی عبادت کرنے سے رک جانے کا قطعی اور حتمی حکم دے رکھا ہے' دین مستقیم یہی ہے کہ اللہ کی توحید ہو اس کے لئے ہی عمل و عبادت ہو اسی اللہ کا حکم۔ اس پر بے شمار دلیلیں موجود' لیکن اکثر لوگ ان باتوں سے جاہل ہیں' نادان ہیں توحید و شرک کا فرق نہیں جانتے اسی لئے اکثر شرک کی دلدل میں دھنسے رہتے ہیں۔ باوجود نبیوں کی چاہت کے انھیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

خواب کی تعبیر سے پہلے اس بحث کے چھیڑنے کی ایک خاص مصلحت یہ بھی تھی کہ ان میں سے ایک کے لیے تعبیر نہایت بری تھی تو آپؑ نے چاہا کہ یہ اسے نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ لیکن اس تکلف کی کیا ضرورت ہے' خصوصاً ایسے موقعہ پر جب کہ اللہ کے پیغمبر ان سے تعبیر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف یہ بات ہے کہ انہوں نے آپؑ کی بزرگی اور عزت دیکھ کر آپ سے ایک بات پوچھی' آپؑ نے اس کے جواب سے پہلے انھیں اس سے زیادہ بہتر کی طرف توجہ دلائی' اور دین السلام ان کے سامنے مع دلائل پیش فرمایا' کیونکہ آپ علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ ان میں بھلائی کے قبول کرنے کا مادہ ہے' بات کو سوچیں گے دلیل پر غور کریں گے' حق کو قبولیت کے کانوں سے سنیں گے۔ جب آپؑ اپنا فرض ادا کر چکے' احکام اللہ کی تبلیغ کر چکے تو اب بغیر اس کے کہ وہ دوبارہ پوچھیں آپؑ نے ان کا جواب شروع کیا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ۭ

اے میرے قید خانے کے رفیقو تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا' لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا

نوچ نوچ کھائیں گے تم دونوں جسکے بارے میں تحقیق کر رہے تھے وہ کام فیصل کر دیا گیا۔

قیدیوں کے خواب کی تعبیر: اب اللہ کے برگزیدہ پیغمبرؑ ابن پیغمبرؑ ان کے خواب کی تعبیر بتلا رہے ہیں' لیکن یہ نہیں فرماتے کہ تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے اور تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے تاکہ ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے' بلکہ مبہم کر کے فرماتے ہیں تم دو میں سے ایک اپنے بادشاہ کا ساقی بن جائے گا۔ دراصل یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے شیرہ انگور تیار کرتے اپنے تئیں دیکھا تھا۔ اور دوسرا جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں اس کے خواب کی تعبیر یہ دی کہ اسے سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا بھیجا کھائیں گے پھر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ اب ہو کر ہی رہے گا۔ اس لئے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے یہ وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو چکی وہ ظاہر ہو جاتا ہے' کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو دراصل کوئی خواب دیکھا ہی نہیں' آپ نے فرمایا اب تو تمہارے سوال کے مطابق ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص خواہ مخواہ کا خواب گھڑ لے اور پھر اس کی تعبیر بھی دے دی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے' واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خواب گویا پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اسکی تعبیر نہ دیدی جائے' جب تعبیر دیدی گئی پھر وہ واقع ہو جاتا ہے۔ مسند ابو یعلی میں مرفوعا مروی ہے کہ خواب کی تعبیر سب سے پہلے جس نے دی اسی کے لئے ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾ ع ٥

جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائیگا اسے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔

قید کا کتنا عرصہ تھا؟ جسے حضرت یوسفؑ نے اس کے خواب کی تعبیر کے مطابق اپنے خیال میں جیل خانے سے آزاد ہونے والا سمجھا تھا اس سے پوشیدگی میں کہ دوسرا یعنی باورچی نہ سنے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا ذکر بھی کر دینا لیکن یہ اس بات کو بالکل ہی بھول گیا۔ یہ بھی ایک شیطانی چال تھی کہ جس سے نبی اللہ علیہ السلام کئی سال تک قید خانے میں ہی رہے۔ پس ٹھیک قول یہی ہے کہ ﴿ فانساہ ﴾ میں ہ کی ضمیر کا مرجع نجات پانے والا شخص ہی ہے گو یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ضمیر حضرت یوسفؑ کی طرف پھرتی ہے۔ ابن عباس سے مرفوعا مروی ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یوسفؑ یہ کلمہ نہ کہتے تو جیل خانے میں اتنی لمبی مدت نہ گزارتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور سے کشادگی چاہی۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے اس لئے کہ سفیان ابن وکیع اور ابراہیم بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حسنؒ اور قتادہؒ سے مرسلا مروی ہے۔ گو مرسل حدیثیں کسی موقع پر قابل قبول بھی ہوں لیکن ایسے اہم مقامات پر ایسی مرسل روایتیں ہرگز احتجاج کے قابل نہیں ہو سکتیں' واللہ اعلم۔ (بضع) لا کا لفظ تین سے نو تک کیلئے آتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ حضرت ایوبؑ بیماری میں سات سال تک مبتلا رہے اور حضرت یوسفؑ قید خانے میں سات سال تک رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال تک رہا۔ ابن عباس کہتے ہیں مدت قید بارہ سال تھی ضحاک کہتے ہیں چودہ برس آپؑ نے قید خانے میں گزارے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا

تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِيۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ
الَّذِىۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَـبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِيۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ يُوۡسُفُ
اَيُّهَا الصِّدِّيۡقُ اَفۡتِنَا فِىۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ
خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىۡۤ اَرۡجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزۡرَ
عُوۡنَ سَبۡعَ سِنِيۡنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِىۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّا تَاۡ
كُلُوۡنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ يَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا
قَلِيۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيۡهِ يُغَاثُ النَّاسُ
وَفِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ ع ۶

بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہیں ہری ہری اور سات اور ہیں بالکل خشک' اے درباریوں! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کے تعبیر دے سکتے ہو' انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان خواب ہیں ہم ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں' ان دو قیدیوں میں سے جو چھوٹا تھا اسے مدت کے بعد یاد آ گیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے' اے یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی اور بھی ہیں بالکل خشک' تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں' یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگاتار حسب عادت برابر غلہ بویا کرنا' اور فصل کاٹ کر اسے بالوں سمیت ہی رہنے دینا بجز اپنے کھانے کے تھوڑی سے مقدار کے' اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا بجز اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھو' اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی' اور اس میں شیرہ انگور بھی خوب نچوڑیں گے۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر: قدرت اللہ نے یہ مقرر کر رکھا تھا کہ حضرت یوسفؑ قید خانے سے بعزت و اکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لیئے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بھونچکا سا ہو گیا' دربار منعقد کیا اور تمام امراء و روساء کاہن منجم علماء اور خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا' اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی' لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے' یہ تو یوں ہی پریشان خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے' اس وقت شاہی ساقی کو حضرت یوسفؑ یاد آ گئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں' اس علم میں ان کو کافی مہارت تھی یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی' اسی سے حضرت یوسفؑ نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو یوسف (صدیق

علیہ السلام) جو قید خانے میں ہیں ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کر آؤں۔ سب نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی یوسفؑ کے پاس بھیجا۔ ﴿اُمَّۃٍ﴾ کی دوسری قرات امتہ بھی ہے اس کے معنے بھول کے ہیں 'یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔ دربار سے اجازت لیکر یہ چلا' قید خانے پہنچ کر اللہ کا نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی علیہم السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف (علیہ السلام) بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے اسے تعبیر کا اشتیاق ہے تمام دربار بھرا ہوا ہے۔ سب کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں 'آپؑ مجھے تعبیر بتلا دیں تو میں جا کر انہیں سنادوں اور سب معلوم کر لیں 'آپ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا 'باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا 'نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے 'بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام کے دینے کے 'خواب کی پوری تعبیر سنادی اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتادی۔ فرمایا کہ سات فربہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی 'خوب ترسالی ہوگی 'غلے کھیت باغات خوب پھلیں گے 'یہی مراد سات ہری بالوں سے ہے۔ گائیں بیل ہی ہلوں میں جتتے ہیں۔ ان سے زمین پر کھیتی کیجاتی ہے۔ اب ترکیب بھی بتادی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے اسے بطور ذخیرے کے جمع کر لینا 'اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت تاکہ سڑے گلے نہیں خراب نہ ہو 'ہاں اپنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے 'ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی۔ یہی مراد ہے سات دبلی گایوں سے اور سات خشک خوشوں سے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے۔ یاد رکھنا ان میں کوئی غلہ کھیتی نہ ہوگی 'وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا۔ تم دانے بوؤ گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی۔ آپؑ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنادی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی 'ریل پیل ہو جائیگی اور تنگی دور ہو جائے گی اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے اور حسب عادت انگور کا شیرہ نچوڑیں گے جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جائیں گے کہ خوب دودھ نکالیں اور پئیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

بادشاہ کہنے لگا یوسف کو میرے پاس لاؤ جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اپنے بادشاہ [illegible] ہاں اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ آپ کاٹ لئے تھے 'ان کے حیلے کو صحیح طور پر جاننے والا میرا پروردگار [illegible] بادشاہ نے پوچھا اے عورتو اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ گھات کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں 'انہوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے تو یوسف میں کوئی برائی

نہیں پائی' پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات نتھر آئی' فی الواقع میں آپ ہی اسے اس کے نفس کی حفاظت کی جانب سے ورغلا رہی تھی اور کوئی شک نہیں واقعی یوسف سچے لوگوں میں ہے' اس تمام بات سے غرض یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اسکے پیٹھ پیچھے اس کی کوئی خیانت نہیں کی تھی' اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا۔

یوسف کی پاک دامنی کی تصدیق: خواب کی تعبیر معلوم کر کے جب قاصد پلٹا اور اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے مطلع کیا تو بادشاہ کو اپنے خواب کی تعبیر پر یقین آ گیا ساتھ ہی اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسفؑ بڑے ہی عالم فاضل شخص ہیں' خواب کی تعبیر میں تو آپؑ کو کمال حاصل ہے' ساتھ ہی اس کے اخلاق والے حسن تدبیر والے اور خلق اللہ کا نفع چاہنے والے اور محض بے طمع شخص ہیں۔ اب شوق ہوا کہ خود آپؑ سے ملاقات کرے۔ اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو جیل خانے سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ۔ دوبارہ قاصد آپؑ کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا' تو آپؑ نے فرمایا میں یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ شاہ مصر اور اس کے درباری اور اہل مصر یہ معلوم نہ کر لیں کہ میرا قصور کیا تھا؟ عزیز کی بیوی کی نسبت جو بات میری طرف لگائی گئی ہے اس میں سچ کہاں تک ہے؟ اب تک میرا قید خانہ بھگتنا واقعی کسی حقیقت کی بنا پر تھا یا صرف ظلم و زیادتی کی بنا پر؟ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیق کریں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت یوسفؑ کے اس صبر کی اور آپؑ کی اس شرافت و فضیلت کی تعریف آئی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ شک کے حقدار ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے فرمایا تھا میرے رب مجھے اپنا مردوں کا جلانا مع کیفیت دکھا (یعنی جب ہم اللہ کی اس قدرت میں شک نہیں کرتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کیسے شک کر سکتے تھے؟ پس آپؑ کی یہ طلب از روئے مزید اطمینان کے تھی نہ کہ از راوئے شک' چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا یہ میرے اطمینان دل کے لئے ہے) اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی زور آور جماعت یا مضبوط قلعہ کی پناہ میں آنا چاہتے لگے' اور سنو اگر میں یوسف علیہ السلام کے برابر جیل خانہ بھگتے ہوئے ہوتا اور پھر قاصد میری آزادگی کا پیغام لاتا تو میں اسی وقت جیل خانے سے آزادی منظور کر لیتا۔ مسند احمد میں اسی آیت ﴿ فَاسْئَلْهُ ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو اسی وقت قاصد کی بات مان لیتا اور کوئی عذر تلاش نہ کرتا۔ مسند عبدالرزاق میں ہے آپؐ فرماتے ہیں واللہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے' اللہ اسے بخشے' دیکھو تو سہی بادشاہ نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے لئے مضطرب ہے قاصد آ کر آپؑ سے تعبیر پوچھتا ہے آپؑ فوراً بغیر کسی شرط کے بتا دیتے ہیں' اگر میں ہوتا تو جب تک جیل خانے سے اپنی آزادگی نہ کرا لیتا ہرگز نہ بتلاتا۔ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر تعجب معلوم ہو رہا ہے' اللہ انہیں بخشے کہ جب ان کے پاس قاصد ان کی رہائی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو آپؑ فرماتے ہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری پاکیزگی' پاکدامنی اور بے قصوری سب پر تحقیق سے کھل نہ جائے۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں تو دوڑ کر دروازے پر پہنچتا یہ روایت مرسل ہے۔ اب بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتوں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی دربار میں بلوایا۔ پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی' سب بیان کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ حاشا اللہ یوسفؑ پر کوئی الزام نہیں' اس پر بے سر و پا تہمت ہے' واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسفؑ میں کوئی بدی نہیں۔ اس وقت عزیز کی بیوی خود بھی بول اٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا' واقعہ کھل گیا' حقیقت نتھر آئی' مجھے خود اس امر کا اقرار ہے کہ واقعی میں نے ہی اسے پھنسانا چاہا تھا' اس نے جو بر وقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے' میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تا کہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی کوئی خیانت در اصل نہیں کی یوسفؑ کی پاکدامنی کی وجہ سے کوئی شر اور برائی مجھ سے ظہور میں نہیں آئی' بدکاری سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچائے رکھا ہے۔ میرے اس اقرار سے اور واقعہ کے کھل جانے سے صاف ظاہر ہے اور میرے خاوند جان سکتے ہیں کہ میں برائی میں مبتلا نہیں ہوئی' یہ بالکل سچ ہے کہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں کو اللہ تعالیٰ فروغ نہیں دیتا ان کی دغابازی کوئی پھل نہیں لاتی۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ بارہواں پارہ ختم ہوا۔